جدید فقہی مباحث

اوقاف

ترتیب

حضرت مولانا مجاہد الاسلام قاسمی مدظلہ

اس کتاب میں وقف کے بنیادی اصول واحکام، استبدال وقف، ناقابل انتفاع اوقاف پر تعلیمی اور رفاہی اداروں کا قیام، مساجد اور قبرستان کی زائد اراضی کا تعلیمی اور رفاہی مقاصد کیلئے استعمال، اوقاف کی زائد آمدنی کا مصرف، موجودہ رائج انگریزی نظام کے قانون وقف کا جائزہ، آثار قدیمہ کی مساجد کا حکم، مساجد پر غیر مسلم انتظامیہ کی تولیت، قبرستان کا ناقابل استعمال ہوجانا، نیز ہندوستان میں اوقاف کے تعارف اور جائزہ پر اہم تحقیقات شامل ہیں۔

تاثرات
مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہ العالی
مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی مدظلہ العالی
شیخ الاسلام حضرت مولانا جسٹس مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ العالی

جلد ۱۲

ناشر

ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ

گلشن اقبال کراچی فون 34965877

چند تاثرات برائے اسلامی فقہ اکیڈمی

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی صاحب رحمۃ اللہ علیہ

صدر آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ

"اسلامک فقہ اکیڈمی ہند" ایک ایسا ادارہ اور تنظیم ہے جس پر ہندوستانی مسلمانوں ... بالخصوص علماء اور دینی غیرت و فکر رکھنے والے ہندوستانی مسلمانوں کو فخر اور فخر سے زیادہ خدا کا شکر کرنے کا حق حاصل ہے، یہ ایک خالص تعمیری، فکری، علمی اور فقہی تنظیم اور اجتماعیت ہے جس میں ملک کے ممتاز، صحیح العقیدہ، صحیح الفکر اور وسیع العلم علماء اور کارکن شامل ہیں"۔

مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی مدظلہ العالی

صدر دار العلوم کراچی

"مجھے بے انتہا مسرت بھی ہے اور کسی قدر حسرت بھی، مسرت اس بات کی کہ ہندوستان کے علماء کرام نے وہ عظیم الشان کام شروع کیا ہے جس کی پورے عالم کو اور اقلیت والے ملکوں کو شدید ضرورت ہے۔ اور حسرت یہ ہے کہ ہم پاکستان میں ہونے کے باوجود منظم اور بڑے پیمانے پر یہ کام شروع نہیں کر سکے ... فقہ اکیڈمی نے بڑا اہم قدم اٹھایا ہے، مدت سے اس کا انتظار تھا"۔

فہرست

صفحہ نمبر

جوابات

صفحہ نمبر

آیت قرآنی

﴿لیس البر أن تولوا وجوھکم قبل المشرق والمغرب ولکن البر من آمن باللہ والیوم الآخر والملٰئکۃ والکتاب والنبیین وآتی المال علیٰ حبہ ذوی القربیٰ والیتامیٰ والمساکین وابن السبیل والسائلین وفی الرقاب﴾

(سورۃ البقرہ / ۱۷۷)

نیکی کچھ یہی نہیں کہ منہ کرو اپنا مشرق کی طرف یا مغرب کی طرف، لیکن نیکی تو یہ ہے جو کوئی ایمان لائے اللہ پر اور قیامت کے دن پر اور فرشتوں پر اور سب کتابوں پر اور پیغمبروں پر، اور دے مال اس کی محبت پر رشتہ داروں کو اور یتیموں کو اور محتاجوں کو اور مسافروں کو اور مانگنے والوں کو اور گردنیں چھڑانے میں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پیش لفظ

انسانی فلاح، مصیبت زدوں کی مدد، معاشرے سے فقر و افلاس کو دور کرنے کی کوشش، فاقہ کشوں تک روٹی پہونچانا، بیماروں کی تیمارداری اور ان کا علاج، تجہیز و تکفین، بیوہ عورتوں اور بے سہارا لوگوں کی سرپرستی اور کفالت، لاوارث اموات کی عزت کے ساتھ تجہیز و تدفین، مساجد کے نظام کو استوار رکھنا اور اس کے خرچ جات کی کفالت کا مستقل نظم، قوم کے بچوں کو تعلیم و ہنر سے آراستہ کرنا، مدارس و مکاتب اور مستقل تربیت گاہوں کا قیام، اسپتال اور شفاخانوں کو جاری کیا جانا، قرض کے بوجھ تلے دبے ہوئے لوگوں کو قرض کی قید سے نجات دلانا وغیرہ ایسے سینکڑوں کام ہیں جن کو منظم اور مربوط طریقے پر انجام دیا جانا کسی بھی سماج کی فلاح کے لئے بنیادی ضرورتوں کا درجہ رکھتے ہیں۔

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

(الف) وما ادراک ما العقبة فک رقبة او اطعام فی یوم ذی مسغبة یتیماً ذا مقربة او مسکیناً ذا متربة ثم کان من الذین آمنوا وتواصوا بالصبر وتواصوا بالمرحمة (سورہ البلد ۱۲-۱۷)

(اور تو کیا سمجھا کیا ہے وہ گھاٹی، چھڑانا گردن کا، یا کھانا بھوک کے دن میں یتیم کو جو قرابت والا ہے یا محتاج کو جو خاک میں رل رہا ہے، پھر ہووے ایمان والوں میں جو تاکید کرتے ہیں آپس میں تحمل کی اور تاکید کرتے ہیں رحم کھانے کی)۔

(ب) کلا بل لا تکرمون الیتیم ولا تحاضون علی طعام المسکین (سورۃ الفجر ۱۷-۱۸)

(کوئی نہیں! پر تم عزت سے نہیں رکھتے یتیم کو اور تاکید نہیں کرتے آپس میں محتاج کو کھلانے کی)۔

(ج) فاما الیتیم فلا تقہر (سو جو یتیم ہو اس کو مت دبا) (سورۃ الضحیٰ ۹)

(د) فذلک الذی یدع الیتیم (سو یہ وہی ہے جو دھکے دیتا ہے یتیم کو) (سورۃ الماعون ۲)

(ہ) لا تعبدون الا اللہ وبالوالدین احساناً وذی القربیٰ والیتامیٰ والمساکین (سورۃ البقرۃ ۸۳)

(عبادت نہ کرنا مگر اللہ کی اور ماں باپ سے سلوک نیک کرنا اور کنبہ والوں سے اور یتیموں اور محتاجوں سے)۔

(د) وآتی المال علی حبه ذوی القربیٰ والیتامیٰ والمساکین (سورۃ البقرہ/۱۷۷)
(اور دے مال اس کی محبت پر رشتہ داروں کو اور یتیموں کو اور محتاجوں کو)۔
(ذ) وان تقوموا للیتامیٰ بالقسط (اور یہ کہ قائم رہو یتیموں کے حق میں انصاف پر) (سورۃ النساء/۱۲۷)

(ح) وفی الرقاب والغارمین وفی سبیل اللہ وابن السبیل (سورۃ توبہ/۶۰)
(اور گردنوں کے چھڑانے میں اور جو تاوان بھریں اور اللہ کے رستہ میں اور راہ کے مسافر کو)۔
اسی طرح حدیث نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے وسیع اور عظیم الشان ذخیرہ کے اندر ان تمام فلاحی اور انسانی خدمات کا ذکر موجود ہے۔ جناب رسول اللہ ﷺ نے صدقہ جاریہ کی ترغیب دی ہے جس کا مقصد یہ ہے کہ انسان ایسی مفید خدمات انجام دے جس کا فائدہ محض وقتی نہ ہو بلکہ اس کے گذر جانے کے بعد بھی وہ فائدہ رسانی جاری رہے اور اس کا اجر وثواب بلا انقطاع اس کو مسلسل ملتا رہے۔
جناب نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:
(۱) واذا مات ابن آدم انقطع عمله الا من ثلاث: صدقة جارية او علم ينتفع به او ولد صالح يدعو له (نيل الاوطار ۲/ ۱۲۷)
(جب آدمی مر جاتا ہے تو اس کا عمل منقطع ہو جاتا ہے سوائے تین عمل کے: ۱۔ صدقہ جاریہ ۲۔ ایسا علم جس سے فائدہ اٹھایا جاتا رہے ۳۔ اور صالح اولاد جو اس کے لئے دعا کرے)۔
(۲) وعن ابن عمرؓ ان عمر اصاب ارضاً من ارض خيبر فقال: يا رسول الله، اصبت مالاً بخيبر لم اصب قط مالاً انفس منه فما تامرني؟ فقال: " ان شئت حبست اصلها وتصدقت بها، غير انه لا يباع اصلها ولا يبتاع ولا يوهب ولا يورث" قال: فتصدق بها عمر على الا تباع ولا توهب ولا تورث وتكون في الفقراء وذوي القربى والرقاب والضيف وابن السبيل ولا جناح على من وليها ان ياكل منها بالمعروف ويطعم غير متمول (رواه الجماعة)
(حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ حضرت عمرؓ کو خیبر کی ایک زمین ملی تو انہوں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول ﷺ مجھے خیبر میں ایک مال ملا ہے جس سے بہتر مال مجھے کبھی نہیں ملا تو آپ مجھے کس چیز کا حکم کرتے ہیں؟ تو آپ نے فرمایا: اگر تم چاہو تو اس کے اصل کو باقی رکھ کر اس (کی پیداوار) کو صدقہ کر دو مگر یہ کہ اس کی اصل نہ بیچی جا سکتی ہے نہ خریدی جا سکتی ہے نہ ہبہ کی جا سکتی ہے اور نہ اس میں وراثت جاری ہو سکتی ہے۔ ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے اس کو صدقہ کر دیا اس شرط کے ساتھ کہ نہ وہ فروخت کی جائے گی نہ ہبہ کی جائے گی اور نہ اس میں وراثت جاری ہوگی اور (اس کی منفعت) فقراء، اہل قرابت، غلام کی آزادی، مہمان اور مسافر کے لئے ہوگی اور اس کے متولی کے لئے کوئی حرج نہیں کہ اس میں سے معروف طریقے پر کھائے اور کھلائے اس کو اپنے لئے مال نہ بنائے)۔

(۳) وعن عثمان رضی اللہ عنہ ان النبی ﷺ قدم المدینة ولیس بها ماء یستعذب غیر بئر (رومة) فقال: "من یشتری بئر رومة فیجعل منها دلوه مع دلاء المسلمین بخیر له منها فی الجنة" فاشتریتها من صلب مالی فجعلت دلوی فیها مع دلاء المسلمین (رواه النسائی والترمذی' وقال: حدیث حسن)

(حضرت عثمانؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ تشریف لائے' وہاں رومہ کے کنواں کے علاوہ کوئی میٹھا پانی نہیں تھا' آپ ﷺ نے فرمایا' کون بئر رومہ کو خرید کر اپنے ڈول کے ساتھ اس میں مسلمانوں کے ڈول کو بھی شریک کرے گا کہ اس کی وجہ سے جنت میں اس کے لئے خیر ہو؟ تو میں نے اپنے اصل مال سے اسے خرید لیا اور اس میں اپنے ڈول کے ساتھ مسلمانوں کے ڈول کو بھی شریک کرلیا)۔

(۴) واول وقف خیری عرف فی الاسلام هو وقف النبی ﷺ لسبع حوائط (بساتین) بالمدینة کانت لرجل یهودی اسمه مخیریق قتل علی راس اثنین وثلاثین شهراً من مهاجر رسول اللہ ﷺ وهو یقاتل مع المسلمین فی واقعة احد' واوصی: ان اصبت - ای قتلت - فاموالی لمحمد یضعها حیث أراه اللہ تعالٰی' فقتل یوم احد - وهو علی یهودیته - فقال النبی ﷺ: (مخیریق خیر یهود)' وقبض النبی ﷺ تلک الحوائط السبعة فتصدق بها - ای وقفها - ثم تلاه وقف عمر' ثم تتابعت بعد ذلک أوقاف الصحابة (الاسعاف فی احکام الاوقاف' لبرهان الدین بن ابراهیم بن ابی بکر الطرابلسی رص ۹ - ۱۰)

(نبی کریم ﷺ نے مدینہ میں سات باغوں کو وقف کیا جو اسلام میں پہلا وقف خیری تھا' یہ باغ مخیریق نامی ایک یہودی کے تھے جو ہجرت نبی کے بتیسویں ماہ کے آغاز میں اس وقت مارا گیا جب وہ غزوہ احد میں مسلمانوں کے ساتھ شریک قتال تھا' اس نے وصیت کی کہ اگر میں مارا جاؤں تو میرے اموال محمد ﷺ کے لئے ہوں گے' وہ انہیں اللہ کی مرضی سے صرف کریں گے' احد کے دن یہودیت پر ہی وہ مارا گیا تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا' مخیریق اچھا یہودی تھا' نبی کریم ﷺ نے ان ساتوں باغ کو قبضہ میں لیا پھر انہیں صدقہ (یعنی وقف) کر دیا۔ پھر اس کے بعد حضرت عمرؓ کا وقف ہوا' پھر صحابہ کرام کے اوقاف مسلسل ہوتے گئے)۔

وقف کی روح بھی یہی ہے کہ کوئی بھی جائداد اس طرح رضائے ربانی کی خاطر کسی مصرف خیر کے لئے محبوس کر دی جائے کہ اصل شئے محفوظ رہے اور اس سے حاصل ہونے والی آمدنی متعین مصارف خیر پر صرف ہوتی رہے لیکن وہ شئے جس کی اصل محفوظ نہ رکھی جا سکے بیع اور اجارہ وغیرہ کے ذریعہ جس کی ملکیت بدلتی رہے تو اس کا نفع پائیدار نہیں ہوگا۔ وقف کا ثبوت خود عہد نبوی اور عہد صحابہ میں ملتا ہے اور پورے عالم اسلام میں اور جملہ بلاد اسلامی میں اتنی جائدادیں وقف کی گئیں کہ وقف کا ایک وسیع نظام وجود میں آ گیا اور اسی لئے وقف سے متعلق بہت سے سوالات ہر دور میں پیدا ہوتے رہے جن کا تعلق املاک وقف کے تحفظ' ان کی افادیت میں اضافہ اور ان کے بہتر انتظام سے تھا۔

وقف

بنیادی اصول واحکام

۱۔ مفتی نظام الدین اعظمی — صدر مفتی دارالعلوم دیوبند

۲۔ مولانا مفتی محمد حنیف — صدر شعبۂ افتاء جامعہ ریاض العلوم جونپور

۳۔ مولانا عبید اللہ اسعدی — جامعہ عربیہ ہتھورا، باندہ، یوپی

۴۔ مفتی جنید عالم قاسمی ندوی — مفتی امارت شرعیہ، پھلواری شریف، پٹنہ

۵۔ شیخ عبد المحسن محمد العثمان — سکریٹری جنرل الامانۃ العامۃ للاوقاف، کویت

وقف کے بنیادی اصول و احکام

حضرت مولانا مفتی نظام الدین صاحب
صدر مفتی دارالعلوم دیوبند

وقف کے معنی ہیں:

حبس العين و صرف المنفعة في جهة الخير المؤبدة.

اگر جہت خیر موجود نہ ہو بلکہ منقطع ہو تو وقف ہی جائز و صحیح نہ ہو گی۔

اس تعریف وقف سے بطور اشارۃ النص یہ بھی معلوم ہو گیا کہ وقف کار خیر ہی کے لئے اور ثواب ہی کے کام کے لئے ہونا ضروری ہے، یہیں سے حسب حکم شرع "لاتبطلوا اعمالکم" یہ بھی معلوم ہو گیا کہ وقف صحیح و منعقد ہو جائے تو خود واقف کو اس کے ختم کرنے وغیرہ کا حق نہیں رہے گا، اور فقہاء کرام نے اسی حکم کو بایں الفاظ نقل فرمایا ہے:

إن الوقف إذا تم لزم فلا يملك ولا يُملّك ولا يوهب ولا يرهن الخ.

اور اسی کی جانب اشارہ اس فقہی قاعدہ میں ہے:

إن شرط الواقف كالنص في المفهوم والدلالة ووجوب العمل به.

نیز اسی قبیل سے یہ قاعدہ بھی ہے:

إن مراعاة غرض الواقف واجبة.

یعنی کوئی موقوف چیز معطل ہو جائے تو واقف کو جو ثواب اس موقوف سے ملتا تھا وہ فوت نہ ہو بلکہ وہ ثواب حاصل ہونے لگے یا بڑھ جائے اور وہ موقوف زندہ ہو جائے تو ایسا کر لینا ان فقہی اصول کے اشارہ سے جائز ہو جائے گا، مثلاً کسی نے تدفین موتی کے لئے کوئی اراضی وقف کی اور کسی قانونی معذوری سے یا کسی اور وجہ سے ان اراضی میں تدفین بند ہو جائے تو بجائے تدفین موتی کے اس قبرستان میں مسجد یا علم دین کی تعلیم کے لئے کوئی دینی درسگاہ قائم کر دی جائے تو اس عمل سے بلاشبہ واقف کو جو ثواب ملتا تھا وہ ثواب بلکہ اس سے زائد ثواب ملنے لگے گا، اس لئے اس قبرستان میں مسجد کا بنا لینا بلاشبہ جائز ہو گا۔

اس کی تائیدی مثالیں مسجد اقصیٰ کے اطراف میں زمین کے اندر انبیاء علیہم السلام کے مدفون ہونے سے ملتی ہیں، نیز خود حرم مکہ میں بھی اس کے جواز پر تاریخی شواہد موجود ہیں۔ اور یہی حکم وہاں کسی دینی درسگاہ کی تعمیر کا بھی ہو گا، جس میں علوم دینیہ کی تعلیم دی جائے تو یہ بھی جائز ہو گا، اور اس کی دلیل آیت کریمہ "یا ایہا الذین آمنوا قوا

انعقاد کمیٹی و نصب کمیٹی نظارت سے بھی متعلق ہے، کیونکہ یہی چیز اسلام اور بعثت انبیاء کی اولین غایت ہے اور ان کا بھی فریضہ اولیہ ہے، کیونکہ یہی چیز اپنے کو اور دوسروں کو جہنم سے اور جہنم کے عذاب سے بچانے کا طریقہ لازمی ہے، اور چونکہ یہ مقصد علم دین کی تحصیل کے بغیر نہیں ہو سکتا اور علم دین کی تحصیل بغیر علماء کے وجود کے نہیں ہو سکتی، اور علماء کا وجود بغیر علم دین پڑھے پڑھائے نہیں ہو سکتا، لہذا بطریق اقتضاء النص دینی مدرسہ کا قیام ضروری نکلا، لہذا اس کی اجازت بھی نکل آئی، اور اس کام میں جو ثواب ہوگا وہ تدفین موتی کے ثواب سے بڑھا ہوا ہوگا، لہذا جو ثواب واقف کو تدفین میت سے ملتا جب وہ ثواب اس سے بھی زیادہ واقف کو ملے گا تو یہ عمل منشاء واقف کے خلاف بھی نہ ہوگا اور بلا شبہ جائز رہے گا۔

نیز اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ دینی تعلیم کی درسگاہ میں وقتی حساب کتاب بقدر ضرورت سکھانا بھی بطور تبع جائز رہے گا۔ لیکن اس قبرستان کو کسی ایسے کام و مصرف میں استعمال کرنا کہ اس سے واقف کا ثواب مطلوب اس کو نہ یا کم ملے تو درست و جائز نہ رہے گا۔ جیسے وہاں تجارتی کاموں کی منڈی بنا لینا، یا وہاں لوگوں کا رہائشی مکان بنا لینا یا دنیوی تعلیم کا اسکول یا کالج وغیرہ بنانا جائز نہ رہے گا، کیونکہ اس عمل سے واقف کا ثواب مطلوب حاصل نہ ہوگا، اور "شرط الواقف کنص الشارع فی المفهوم والدلالة و وجوب العمل" کے خلاف ہوگا، لہذا اس قسم کے امور کی اجازت شرعاً کسی طرح نہ ہوگی۔

☆☆☆

وقف کے بنیادی اصول واحکام

مولانا مفتی محمد حنیف صاحب
صدر شعبۂ افتاء، جامعہ ریاض العلوم جونپور

الوقف فی اللغة: وقف کے معنی لغت میں روکنے کے ہیں، پھر اسم مفعول یعنی موقوف کے معنی میں مشہور ہو گیا۔

الوقف لغة الحبس وهو مصدر ثم اشتهر في الموقوف (الدرمع الرد ۳/۳۵۷)

الوقف في الشرع: وقف کی شرعی تعریف میں حضرات صاحبین اور امام صاحب کا اختلاف ہے:

امام صاحب کے نزدیک ملکیت باقی رکھتے ہوئے منافع کو صدقہ کردینے کا نام شریعت میں وقف ہے۔

وشرعاً حبس العين على ملك الواقف والتصدق بالمنفعة عنده (درمختار ۳/۳۵۷)

اور حضرات صاحبین اور اکثر علماء کے نزدیک کسی چیز کو اللہ رب العزت کی ملکیت میں دے کر اس کے منافع کو اپنے پسندیدہ جائز مصارف پر صرف کرنے کا نام شریعت میں وقف ہے۔

وعندهما هو حبسها على حكم ملك الله تعالى وصرف منفعتها على من احب (درمختار ۳/۳۵۸)

حکمه عند الامام: امام صاحب کے نزدیک صیغۂ وقف استعمال کرنے سے شئی موقوف وقف ہو جاتی ہے لیکن ملک پر واقف کی باقی رہتی ہے، اسی وجہ سے ملکیت کے احکام یعنی بیع، ہبہ، وراثت وغیرہ جاری ہوں گے، اور ملکیت سے اخراج کے لئے چار چیزوں میں سے کسی ایک کا ہونا ضروری ہے۔

والصحيح انه جائز عند الكل وانما الخلاف بينهم في اللزوم وعدمه فعنده يجوز جواز الإعارة فتصرف منفعة إلى جهة الوقف مع بقاء العين على حكم ملك الواقف ولو رجع عنه حال حياته جاز مع الكراهة ويورث عنه (درمختار ص ۳۵۸) وقال فالرقبة باقية على ملكه في حياته وملك للورثة بعد وفاته فانه يحبث يباع ويوهب (درمختار ۳۵۷)

اسباب خروج: چار جہتوں سے امام کے نزدیک شئی موقوف سے واقف کی ملکیت ختم ہو جاتی ہے:

(۱) موقوف اگر مسجد ہے تو اسکو الگ کردینے (حد بندی) سے واقف کی ملکیت ختم ہو کر اللہ رب العزت کی ملکیت میں داخل ہو جائے گی۔

(۲) قاضی لزومیت وقف کا فیصلہ کر کے متولی وغیرہ کے سپرد کرے۔

(۳) وقف کو اپنی وفات پر معلق کرنے کی صورت میں شئ موقوف ترکہ کے تہائی حصہ سے واقف کی ملکیت سے بعد وفات نکل جائے گی، اس تہائی موقوفہ حصہ میں وراثت جاری نہ ہوگی۔

الحاصل: یہ بعد وصیت کے حکم میں ہے لہذا اسکو اپنی زندگی میں رجوع کا اختیار ہوگا۔ (تنبیہ: تعلیق بالوفات حقیقت میں زوال ملک کا سبب نہیں ہے)۔

(۴) کسی چیز کو اپنی زندگی اور بعد وفات دونوں میں ہمیشہ کے لئے وقف کر دینے سے واقف کی ملکیت بعد وفات شئ موقوف سے ترکہ کے تہائی حصہ کے اعتبار سے ختم ہو جائے گی، اگر رجوع نہ کیا تو اس پر وراثت بھی جاری نہ ہوگی، اور زندگی میں اس کی آمدنی تصدق کی نذر ہوگی جس کو پورا کرنا واجب ہے یعنی اس کی آمدنی کا صدقہ کرنا بھی نذر واجب ہے۔

والملک یزول عن الموقوف باربعة: (۱) بافراز مسجد کما سیجئ (۲) وبقضاء القاضی لأنه مجتهد فیه و صورته أن یسلمه إلی المتولی (۳) أو بالموت إذا علقه به ای بموته کإذا مت فقد وقفت داری علی کذا فالصحیح انه کوصیة تلزم من الثلث بالموت لاقبله (۴) أو بقوله وقفتها فی حیاتی وبعد وفاتی مؤبداً فإنه جائز عندهم لکن عند الإمام مادام حیا هو نذر بالتصدق بالغلة فعلیه الوفاء وله الرجوع ولو لم یرجع حتی مات جاز من الثلث (الدر المختار ۳/۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳)

خلاصہ: حضرت امام صاحب کے نزدیک زوال ملکیت کے ذکر کردہ اسباب اربعہ میں سے دو سبب یعنی افراز مسجد اور قضاء قاضی ایسے ہیں جن سے فی الحال واقف کی ملکیت شئ موقوف سے ختم ہو جاتی ہے اور دو سبب ایسے ہیں جن سے فی الحال واقف کی ملکیت ختم نہیں ہوتی، بلکہ علی حالہ اس کی ملکیت پر باقی رہتی ہے جس کی وجہ سے اپنی زندگی میں واقف کو حق رجوع حاصل رہتا ہے، البتہ بعد وفات یعنی فی الحال رجوع نہ پائے جانے کی صورت میں شئ موقوف ترکہ کے ثلث کے بقدر ملکیت نکل جائے گی، جس پر وراثت جاری نہ ہوگی (کما فی الرد ۳/۳۶۳)۔

وحکمه عند الصاحبین: صاحبین اور اکثر علماء کے نزدیک صیغۂ وقف کے استعمال کرنے اور وقف کے تمام ہونے کے بعد وقف ہو کر واقف کی ملکیت سے نکل جاتی ہے اور اللہ رب العزت کی ملکیت میں داخل ہو جاتی ہے، اسی وجہ سے شئ موقوف کا ہبہ، وصیت اور اس کی بیع وغیرہ باطل ہے اور وراثت کے احکام اس پر جاری نہ ہوں گے، البتہ تمامیت وقف میں حضرت امام محمدؒ اور حضرت امام ابو یوسفؒ کا اختلاف ہے۔

وعندهما: هو حبسها علی ملک الله تعالی و صرف منفعتها علی من أحب فیلزم فلا یجوز له إبطاله ولایورث عنه و علیه الفتوی، وفی الحاشیة: وعندهما یلزم بدون ذلک وهو قول عامة العلماء وهو الصحیح ثم إن أبا یوسف یقول یصیر وقفا بمجرد القول لأنه بمنزلة

العتاق عنده و عليه الفتوى، و عند محمد: لا إلا بأربعة شروط ستأتي (الدر مع الرد ۳/۳۵۸)۔

شروط تمامیت وقف:

وعند محمدؒ: حضرت امام محمدؒ کے نزدیک وقف کے تام ہونے کے لئے چار شرطیں ہیں، مندرجہ ذیل چاروں شرطیں جب پائی جائیں گی تو واقف کی ملکیت سے نکل کر اللہ رب العزت کی ملکیت میں داخل ہو جائے گی پھر اس کی بیع، ہبہ وغیرہ ناجائز ہو جائے گا۔

قال محمد إنما يجوز بأربع شرائط:

(۱) واقف اپنے قبضہ سے نکال کر متولی کے سپرد کر دے۔

أحدها: أن يخرجه من يده ويسلمه إلى المتولي.

(۲) شئی موقوف مشترک نہ ہو بلکہ الگ ہو۔

والثاني: أن يكون في المفروز دون المشاع

(۳) شئی موقوف کے منافع میں سے اپنے لئے کوئی شرط نہ لگائے۔

والثالث: أن لا يشترط لنفسه شيئا من منافع الوقف.

(۴) ہمیشہ کے لئے وقف کر دے۔

والرابع: أن يكون مؤبدا بأن يجعل آخره إلى فقراء المسلمين (تحفۃ الفقہاء ۳/۳۷۷)۔

و هكذا في الدر المختار: ولا يتم الوقف حتى يقبض ويفرز فلا يجوز وقف المشاع ويجعل آخره لجهة لا تنقطع، هذا بيان شرائطه الخاصة على قول محمد لأنه كالصدقة (درمختار ۳/۳۶۴_۳۶۵)

مذہب ابو یوسف: حضرت امام ابو یوسفؒ کے نزدیک شرائط مذکورہ میں سے تمامیت وقف کے لئے کوئی شرط نہیں ہے، ان کے نزدیک وقف، اعتاق کی طرح ہے جو صرف الفاظ وقف کے استعمال سے لازم و تام ہو جاتا ہے۔

على قول أبي يوسف ولا يشترط شيء من هذه الأشياء (تحفۃ ۳/۳۷۷) وفي الدر: وجعله أبو يوسفؒ كالإعتاق (درمختار ۳/۳۶۵)

القول المفتی بہ: احتیاط فتوی کے لئے حضرت امام ابو یوسف کا قول اختیار کیا گیا ہے، باوجودیکہ امام محمد اور امام ابو یوسفؒ دونوں حضرات کے قولوں پر حضرات حنفیہ میں کی جانب سے فتوی کی تصریح موجود ہے لیکن احتیاط و آسانی حضرت امام ابو یوسفؒ کے قول میں ہے اس لئے حضرات فقہاء نے ان ہی کے قول کو راجح کہا ہے۔

واختلف الترجيح والأخذ بقول الثاني أحوط وأسهل بحر و في صدر الشريعة و الدرر وبه يفتى (قوله واختلف الترجيح) مع التصريح في كل منهما بأن الفتوى عليه، لكن في الفتح إن قول أبي يوسف أوجه عند المحققين (درمختار ۳/۳۶۹)

خلاصہ: عبارت مذکورہ کا حاصل صرف اتنا ہے کہ مفتی بہ قول کے مطابق الفاظ کے استعمال کرنے سے وقف تام اور لازم ہو جاتا ہے، اس کی بیع، ہبہ وغیرہ ناجائز اور حرام ہو جاتی ہے۔

وقف جبری:

اگر کسی شخص نے کوئی چیز وقف تو نہیں کیا لیکن دوسرے کے قبضہ میں کوئی چیز دیکھی اور اسکو اس نے وقف کی چیز کہا اور قابض اس کے وقف ہونے سے انکار کرتا رہا، پھر وہی شخص جس نے وقف کی چیز کہا تھا اس کا مالک ہو گیا، خواہ بیع وشراء وہبہ سے یا وصیت ووراثت سے مالک ہوا ہو، اس شخص کے ملک میں داخل ہونے کے بعد وہ چیز اگر وقف ہونے کی صلاحیت رکھتی ہے تو بغیر وقف کئے اس کی ملکیت میں دخول سے وقف ہو جائے گی۔

اقر بأرض في يد غيره أنها وقف و كذبه ثم ملكها صارت وقفا (درمختار ۵۵۹) قوله ملكها اى المقر ولو بسبب جبرى قوله صارت وقفا مواخذة له بزعمه (شامی ۶/۵۵۹)۔

مثلاً اشیاء غیر منقول اور وہ اشیاء منقول جن کے وقف کرنے کا عرف ہو جیسے کتب وغیرہ، اگر ان کو کسی کے قبضہ میں دیکھ کر موقوفہ کہے اور قابض انکار کرے تو ایسی صورت میں جس نے وقف کی کہا ہے اگر وہ اس کا مالک ہو جائے تو وہ چیز وقف کی ہو جائے گی۔

جہات اوقاف:

جن کے لئے وقف صحیح ودرست ہوتا ہے وہ تین ہیں:

(۱) صرف فقراء کے لئے وقف ہو۔

(۲) اولاً اغنیاء کے لئے بعدہ فقراء کے لئے وقف ہو۔

(۳) ایسا وقف ہو جس میں اغنیاء وفقراء دونوں برابر ہوں۔ (درمختار ۶/۶۰۳)

ایسے اوقاف جس میں دونوں برابر کے شریک ہوتے ہیں وہ مساجد اور دیگر رفاہی کام ہیں، مثلاً مساجد، مسافرخانہ، قبرستان، پل، نہر وغیرہ، یعنی ہر وہ چیز جس کی ضرورت فقراء واغنیاء دونوں کو پڑتی ہو اور دونوں کے لئے وقف کرنے کا عرف ہو، تو ایسی صورت میں اگر واقف کسی کی تخصیص نہ کرے کہ یہ مدرسہ صرف غریبوں کے لئے ہے یا مسافرخانہ صرف محتاجوں کے لئے ہے بلکہ مطلق رکھے تو ایسی صورت میں المعروف کالمشروط کی بنا پر ان چیزوں کو اغنیاء اور فقراء دونوں کے لئے برابر مشترک سمجھا جائے گا، بغیر تخصیص کے تخصیص نہ ہوگی۔

في الدر كرباط و خان و مقابر و سقايات و قناطر و نحو ذلك كمساجد و طواحين طست لاحتياج الكل لذلك (درمختار ۶/۶۰۳)۔

وزاد في الهداية أن الفارق بين الموقوف للغلة و بين هذا هو العرف فان أهل العرف يريدون بذلك في الغلة للفقراء وفي غيرها التسوية بينهم وبين الأغنياء (شامی ۶۰۳)

اور اگر ایسی چیز کے لئے وقف کیا جس کی ضرورت اغنیاء وفقراء دونوں کو برابر نہیں پڑتی ہے اور دونوں کے

لئے مشترک طور پر وقف کرنے کا عرف بھی نہیں ہے تو ایسے وقف میں اغنیا صرف اس صورت میں داخل ہوں گے جب واقف صراحت کے ساتھ اغنیاء کے شریک ہونے کو بیان کردے، یا عمومیت کی تصریح کردے کہ سب کے لئے ہے تو اغنیا بھی فقراء کے تابع ہو کر داخل ہو جائیں گے اور اگر اغنیاء کی تصریح یا عمومیت کی وضاحت نہ کرے تو اغنیا ایسے وقف میں شریک نہ ہوں گے مثلاً دوا کے لئے وقف ہو تو اگر اغنیاء کی تصریح یا عمومیت ہو تو اغنیاء علاج کرا سکتے ہیں ورنہ نہیں۔

بخلاف الأدوية فلم يجز لغني بلا تعميم أو تنصيص فيدخل الأغنياء تبعاً للفقراء قوله

قوله بخلاف الأدوية . اى الموقوفة في البيمارخانة، فإن الحاجة إليها دون الحاجة إلى السقاية، فإن العطشان لو ترك شرب الماء يأثم، ولو ترك المريض التداوى لا يأثم (شامي ۶۰۳)

شرائط صحت وقف:

وقف کے صحیح ہونے کے لئے دو شرطیں ہیں:

(۱) فسق وفجور میں وقف نہ ہو۔

(۲) صرف اغنیاء پر نہ وقف ہو۔

کیونکہ وقف ایک عبادت ہے جو شی موقوف کو اپنی ملک سے نکال کر منافع کو علی الدوام صدقہ کرنے سے حاصل ہوتی ہے، اس لئے اگر کار خیر میں وقف نہ کرے بلکہ فسق وفجور کے لئے وقف کرے یا صرف اغنیاء پر وقف کرے تو صدقہ وعبادت ہونے کی وجہ سے وقف درست نہ ہوگا (کمافی الشامی)

ويشترط أن يكون قربة في ذاته (شامي ۶/۵۲۱) ولو وقف على الأغنياء وحدهم لم يجز لأنه ليس بقربة (شامي ۶/۵۱۹)۔

حالات وقف: شی موقوف کی پانچ حالتیں ممکن ہیں، لہذا پہلے ان کو ذکر کیا جاتا ہے بعدہ انشاء اللہ ان کے بیع واستبدال کا حکم مع شرائط ذکر کیا جائے گا:

(۱) شی موقوف ایسی ہو جس کے بدلنے کی واقف نے اپنے لئے یا دوسرے کے لئے شرط لگائی ہو۔

الاول: أن يشترط الواقف لنفسه أولغيره أو لنفسه وغيره.

(۲) شی موقوف ایسی ہو جس کے بدلنے کی واقف نے شرط تو نہ لگائی ہو (یعنی سکوت ہو یا عدم استبدال کی شرط ہو) لیکن وہ اس طرح ہو جائے کہ اس سے انتفاع کی کوئی صورت باقی نہ رہے۔ انقطاع انتفاع بالکلیہ خواہ آبادی کے منتقل ہونے یا انہدام اور لوگوں کی عدم ضرورت کی وجہ سے ہو یا کسی اور وجہ سے۔

والثاني: أن لا يشرطه سواء شرط عدمه اى سكت لكن صار بحيث لا ينتفع به بالكلية بأن لا يحصل منه شئ أصلاً.

(۳) شئی موقوف کا اپنا ذاتی خرچ بھی اس کی آمدنی سے پورا نہ ہو سکے۔

الثالث: لا یفی بمؤنته.

(۴) شئی موقوف ایسی ہو جس سے انتفاع تو ہو رہا ہو لیکن بیع و استبدال کی صورت میں نفع زیادہ ہو یعنی اس کا بدل انفع ہو۔

الرابع: أن لا یشرطه أیضا لکن فیه نفع فی الجملة و بدله خیر منه ریعا و نفعاً۔

(۵) شئی موقوف ایسی ہو جس کے استبدال و بیع کی نہ شرط ہو اور نہ ہی استبدال کی صورت میں نفع زیادہ ہو اور شئی موقوف سے انتفاع ہو رہا ہو۔ (شامی ۶/ ۵۸۳۔۵۸۴)

بیع و استبدال:

پہلے بیع و استبدال کے شرائط بیان کئے جاتے ہیں پھر ذکر کردہ اشیاء موقوفہ کی قسموں کا حکم لکھا جائے گا۔

شرائط استبدال: وقف کو بدلنے اور فروخت کرنے کی نو شرطیں ہیں:

(۱) شئی موقوف سے انتفاع کی کوئی صورت باقی نہ ہے۔

الاول: أن یخرج عن الانتفاع بالکلیه.

(۲) شئی موقوف کا کوئی ایسا فائدہ اور کوئی ایسی آمدنی نہ ہو جس کے ذریعہ اسکو قابل انتفاع بنایا جا سکے۔

الثانی: وأن لا یکون هناک ریع للوقف یعمر به.

(۳) بیع و استبدال کھلے ہوئے گھاٹے کے ساتھ نہ ہو۔

الثالث: أن لا یکون البیع بغبن فاحش.

(۴) بدلنے والا قاضی الجنۃ یعنی صاحب علم و تقوی و طہارت ہو اور قاضی کے فقدان کی صورت میں جو بھی بدلنے والا ہو اس کے لئے علم و عمل، تقوی و طہارت کا ہونا ضروری ہے۔

الرابع: أن یکون المستبدل قاضی الجنة المفسر بذی العلم والعمل لئلا یحصل التطریق إلی إبطال أوقاف المسلمین کما هو غالب فی زماننا.

(۵) مبدل منہ دراہم و دنانیر نہ ہو یعنی ایسی چیز سے نہ بدلا جائے جس کے ضیاع کا اندیشہ ہو۔

الخامس: ویجب فی زماننا أن یستبدل بعقار لا بدراهم ودنانیر.

(۶) ایسے شخص سے بیع و استبدال نہ کیا جائے جس کے حق میں بائع کی شہادت مقبول نہ ہو اور مشتری غیر مقبول الشہادۃ ہو بائع کے حق میں۔

السادس: وهو أن لا یبیعه ممن لا تقبل شهادته له (یعنی اپنے اولاد سے بیع نہ ہو وغیرہ)۔

(۷) بدل کی جگہ اور محل وقوع مبدل منہ سے اولیٰ و بہتر نہ ہو۔

السابع: یبیع إذا کانا فی محلة واحدة أو محلة أخری خیرا وبالعکس لا یجوز.

(۸) مشتری بائع کی اولاد صغیر نہ ہو۔

الثامن: أن لا يبيع من ابنه الصغير فانه لا يجوز اتفاقاً كالوكيل بالبيع من ابنه الصغير.

(۹) بیع اپنے قرض خواہ سے اس کے قرض کے بدلے نہ ہو، یعنی وہ وقف کو ایسے شخص سے فروخت نہ کرے جس کا متولی (فروخت کرنے والے) کے ذمہ قرض ہو اور اسی قرض کے بدلے وقف کو فروخت کرے تو یہ جائز نہیں ہے۔

التاسع: أن لا يبيع الوقف ممن له على المستبدل دين باعه الوقف بالدين فانه لا يجوز على قول أبي يوسف وهلال لأنهما لايجوزان البيع بالعروض فبالدين أولى (شامی ۶/۵۸۹)

تنقیح:

شرائط استبدال کو ذکر کرنے کے بعد ان کے تنقیح کی ضرورت معلوم ہوئی اس لئے شرائط مذکورہ میں سے خاص طور سے قاضی اور عقارات سے بدلنے اور اپنے نابالغ بچے سے نہ فروخت کی شرطیں قابل ذکر ہیں، اس لئے فائدہ کے عنوان سے ان شرائط کی تنقیح کی جاتی ہے۔

فائدہ-۱:

امور اوقاف خواہ وہ بیع واستبدال ہوں یا دیگر امور اوقاف، تمام امور میں واقف اور اس کے وصی نہ ہونے کی صورت میں حضرات فقہاء قاضی کی شرط لگاتے ہیں۔ یہ شرط انتظامی ہے، اس شرط کے ذریعہ اوقاف کی حفاظت مقصود ہے، اسی لئے اگر قاضی سے وقف کے ضائع ہونے کا اندیشہ ہو تو ایسی صورت میں قاضی کو امور اوقاف میں شریک نہیں کیا جائے گا، حضرات فقہاء نے اس زمانہ میں قاضیوں کی خیانت کی وجہ سے قاضی کو امور اوقاف میں شریک نہ کرنے کا فتوی دیا ہے، لہذا قاضی کے خائن یا اس کے نہ ہونے کی صورت میں دیندار علماء المسلمین کے مشورہ اور انتظام سے امور اوقاف انجام دیئے جائیں گے۔ كما في الشامية و حاشية البحر وغیرہ۔

وفي منحة الخالق: قوله فللقاضي أن يبيعه ويشترى بثمنه غيره الخ.

قال الرملي: لاتنس ماقدمه بأسطر عن شمس الائمة الحلواني بنقل الذخيرة حين سئل عن أوقاف المسجد إذا تعطلت، هل للمتولي أن يبيعها ويشترى مكانها أخرى قال نعم و لقولهم الولاية الخاصة أقوى من الولاية العامة ولاتفاق المشائخ المتأخرين على أن الأفضل لأهل المسجد أن ينصبوا متوليا ولا يعلموا القاضي في زماننا لما علم من طمع القضاة في أمور الأوقاف، صرح به في التتارخانية وغيرها في كثير من كتب المذهب (منحة الخالق ۵/۲۱۷)

وفي الشامية: ذكر عن التتارخانية ما حاصله أن أهل المسجد لو اتفقوا على نصب رجل متوليا لمصالح المسجد فعند المتقدمين يصح ولكن الأفضل كونه بإذن القاضي ثم اتفق المتأخرون أن الأفضل أن لا يعلموا القاضي في زماننا لما عرف من طمع القضاة في أموال

الوقف (شامی ۶/۶۳۲)

فائدہ۔۲:

اسی طرح عقارات سے بدلنے کی شرط حضرات فقہاء متاخرین نے اوقاف کی حفاظت کے لئے لگائی ہے لہذا اگر دراہم ودنانیر سے فروخت کر کے دوسرا وقف خرید لیا جائے تو یہ جائز ہے۔

قال فی البحر: ولو شرط أن یبیعها ویشتری بثمنها أرضا أخری ولم یزد صح استحسانا وصارت الثانیة وقفا بشرائط الأولی (شامی/۵۸۵)

عقارات سے بدلنے کی شرط فقہاء متاخرین نے تغیر عرف وزمانہ کی بناء پر لگائی ہے کہ دراہم ودنانیر سے بدلنے میں اس زمانہ میں وقف کے ضیاع کا اندیشہ ہے کہ متولی خود کھا جائے دوسرا وقف نہ خریدے، ضیاع سے بچانے کے لئے متاخرین نے یہ شرط لگائی، چنانچہ قاضی خان سے جواز کی صراحت منقول ہے۔

قال الرملی: کیف یخالف قاضی خان مع صراحته بالجواز الخ (منحة الخالق/۲۲۳)

ویجب أن یزاد آخر فی زماننا وهو أن یستبدل بعقار لا بالدراهم والدنانیر فانا قد شاهدنا النظار یأکلونها وقل أن یشتری بها بدل ولم نر أحدا من القضاة یفتش علی ذلک مع کثرة الاستبدال فی زماننا (ص/۲۲۳)۔

فائدہ۔۳:

اپنے نابالغ بچے سے فروخت کرنے میں روایتیں مختلف ہیں:

ایک روایت میں یہ ہے کہ موکل کی اجازت کے باوجود وکیل کے لئے اپنے چھوٹے نابالغ بچے سے فروخت کرنا جائز نہیں کیونکہ والدین اپنے نابالغ بچے کا وکیل ہوتا ہے اور متولی ہونے کی وجہ سے اوقاف کا وکیل ہوتا ہے، اور یہ قاعدہ ہے کہ بیوع میں کوئی شخص جانبین کا وکیل نہیں ہو سکتا ہے۔ (بحر/۲۵۸)

وفی السراج: لو أمره بالبیع من هؤلاء فانه یجوز إجماعا لا أن یبیعه من نفسه أو ولده الصغیر او عبده ولا دین علیه فلا یجوز قطعا وإن صرح به الموکل (شامی ۴/۴۰۷)

دوسری روایت میں ہے کہ اگر موکل اجازت دے دے تو اپنے چھوٹے بچے سے فروخت کرنا جائز ہے۔

وإن أمره الموکل أن یبیعه من نفسه وأولاده الصغار أو ممن لا تقبل شهادته فباع منهم جاز (شامی ۴/۴۰۷) علامہ شامی فرماتے ہیں دونوں قول میں تعارض ظاہر ہے تو معلوم ہوا کہ مسئلہ مذکورہ میں دو قول ہیں۔

ولا یخفی ما بینهما من المخالفة و ذکر مثل ما فی السراج فی النهایة عن المبسوط و مثل ما فی البزازیة فی الذخیرة عن الطحاوی وکان فی المسئلة قولین (شامی ۴/۴۰۷)۔

لہذا اگر جماعت المسلمین متولی کو اجازت دیں تو ایک روایت کے مطابق درست ہے دوسرے کے مطابق

نہیں۔

مذکورہ تینوں شرطوں کے علاوہ بقیہ جو شرائط ہیں وہ بھی وقف کو ضائع ہونے سے بچانے کے لئے ہیں جیسا کہ شرائط استبدال میں غور کرنے سے واضح ہے۔

احکام حالات وقف:

اب اشیاء موقوفہ کے احکام شروع کئے جاتے ہیں جیسا کہ حالات وقف کے تحت ان کا وعدہ کیا گیا تھا۔

(۱) شئی موقوف ایسی ہو جس کے بدلنے کی واقف نے اپنے لئے یا دوسرے کے لئے بدلنے کی شرط لگائی ہو، اس شرط کی بناء پر حق استبدال کے حاصل ہونے اور نہ ہونے کے سلسلے میں امام صاحب اور حضرات صاحبین کا اختلاف ہے، جو متفرع ہے اس مسئلہ مختلف فیہ پر جس میں واقف نے اپنے لئے تولیت وقف یا پیداوار وقف کی شرط لگائی ہو تو امام محمدؒ کے نزدیک شرط تسلیم اور عدم تخصیص منافع کی شرط مفقود ہونے کی وجہ سے وقف درست نہیں۔ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک چونکہ صحت وقف کے لئے کوئی شرط نہیں ہے اس لئے وقف جائز و درست ہے۔

كما في الدر: وجاز جعل غلة الوقف أو الولاية لنفسه عند الثاني وعند محمد لا يجوز بناء على اشتراطه التسليم إلى متول (الدرالمختار مع الرد ۵۸۴/۵، ۵۸۳)۔

اسی اختلاف پر شرط استبدال لنفسہ کا مسئلہ بھی متفرع ہے۔ لیکن اس شرط کی بناء پر امام محمدؒ کے نزدیک وقف صحیح ہو جاتا ہے اور شرط باطل ہو جاتی ہے، وابطل محمد الشرط وصحح الوقف (بحر ۲۴۱/۵)۔ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک شرط استبدال لنفسہ میں بھی وقف اور شرط دونوں صحیح ہیں۔

وفرع في الهداية على الاختلاف بين الشيخين شرط الاستبدال لنفسه فيجوزه أبو يوسف وأبطل محمد الشرط وصحح الوقف۔ (بحر ۲۲۳/۵، شامی ۵۸۳/۴)

القول المفتی بہ: شرط استبدال کی وجہ سے شئی موقوف کو فروخت کرنے کے سلسلے میں فتوی حضرت امام ابو یوسفؒ کے قول پر ہے، لہذا شرط استبدال کی وجہ سے مذکورہ شرائط استبدال میں سے قاضی، خروج عن الانتفاع، عدم قدرت تعمیر، ان تینوں کے علاوہ بقیہ تمام شرائط استبدال کے ساتھ حضرت امام ابو یوسفؒ کے مذہب کے مطابق شئی موقوفہ کو ایک مرتبہ بدلنا جائز ہوگا، اگر دوسری مرتبہ بدلنے کی شرط سے سکوت ہو، اور اگر دوسری مرتبہ بھی بدلنے کی شرط مذکور ہو تو دوسری مرتبہ بھی بدلنا جائز ہے۔

(۱) جاز جعل غلة الوقف لنفسه عند الثاني وعليه الفتوى قوله وعليه الفتوى كذا قاله الصدر الشهيد وهو مختار أصحاب المتون ورجحه في الفتح واختار مشائخ بلخ وفي البحر عن الحاوي انه المختار للفتوى ترغيبا للناس في الوقف وتكثيرا للخير (شامی ۵۸۳)۔

(۲) ولو شرطه لا يلزم خروجه عن الانتفاع ولا مباشرة القاضي له وعدم ريع يعمر به كما لا يخفى (شامی ۵۸۶)۔

نوٹ: اگر واقف نے شیٔ موقوفہ کو فروخت کر کے اس کے ثمن سے دوسرا وقف خریدنے کی شرط لگائی تو یہ بھی جائز ہے۔

قال في البحر: ولو شرط أن يبيعها و يشتري بثمنها أرضا أخرى ولم يزد صح استحسانا وصارت الثانية وقفا بشرائط الأولى (شامی ۵۸۵/۶)

(۲) شیٔ موقوفہ ایسی ہو جس سے انتفاع کی کوئی صورت باقی نہ رہے تو اس کی چار قسمیں ہوتی ہیں، کیونکہ وہ شیٔ موقوفہ یا تو منقول ہوگی، یا غیر منقول، اگر غیر منقول ہے تو اس کی دو قسمیں ہیں (۱) وہ آمدنی کے لئے وقف ہو (۲) آمدنی کے لئے وقف نہ ہو۔ اور اگر منقول ہے تو اس کی بھی دو قسمیں ہیں (۱) عمارت موقوفہ کا ملبہ ہو (۲) عمارت موقوفہ کے آلات ہوں۔ تو اس طرح سے چار شکلیں بنتی ہیں:

اقسام:

(۱) آمدنی کے اوقاف ہوں جو ویران ومنہدم ہو جائیں، جیسے دوکانیں اور زراعت کی زمین جو ناقابل کاشت ہو جائے۔

(۲) غیر آمدنی کے اوقاف ہوں، مثلاً مدارس، مساجد، مقابر وغیرہ۔

(۳) ملبہ اوقاف ہو یعنی عمارت موقوفہ کے وہ اجزاء جن کی ضرورت نہ رہ جائے ان کے خراب ہو جانے کی وجہ سے یا عمارت کے ویران ومنہدم ہو جانے کی وجہ سے مثلاً اینٹ، پتھر وغیرہ۔

(۴) آلات وقف یعنی وہ چیزیں جو وقف کی ضروریات کے لئے ہوں، مثلاً فرش، چٹائی، پنکھا وغیرہ۔

اختلاف علماء: اقسام مذکورہ سے جب انتفاع نہ ہو سکے ان اوقاف کے ویران ومنہدم ہو جانے کی بنا پر، اور لوگوں کی عدم ضرورت کی وجہ سے، یا اس جگہ سے مسلمانوں کے ہجرت کر جانے کی بنا پر اوقاف معطل غیر منتفع ہو جائیں تو ان کے حکم میں حضرات صاحبین کا اختلاف ہے، اور امام صاحبؒ سے امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ دونوں کے قولوں کے مطابق روایت ہے۔

امام محمدؒ سے دو روایتیں منقول ہیں:

(۱) بطلان وقف ورجوع الی الواقف کی ہے یعنی وقف باطل ہو جائے گا اور واقف کی ملکیت میں چلا جائے گا۔

(۲) دوسری روایت عدم بطلان وقف وعدم رجوع الی الواقف کی ہے۔ پہلی روایت کو ضعیف کہا گیا ہے۔

قال في الذخيرة وفي المنتقى قال هشام سمعت محمدا يقول: الوقف إذا صار بحيث لا ينتفع به المساكين فللقاضي أن يبيعه فيشتري بثمنه غيره وليس ذلك إلا للقاضي. و أما عود الوقف بعد خرابه إلى ملك الواقف أو ورثته فقد قدمنا ضعفه (شامی ۵۷۷/۴)

قول ابن ہمام: علامہ ابن ہمام امام محمدؒ کے قول کی توضیح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ویران اور منہدم

ہونے والے اوقاف دو طرح کے ہوتے ہیں:

(۱) ایک تو جس کی ویرانی اور انہدام کی وجہ سے واقف کا مقصود بالکل فوت ہو جاتا ہے، اور کوئی ایسی صورت نہیں ہوتی جس کے ذریعہ واقف کے مقصود کو بحال کیا جاسکے، مثلاً دکان جو منہدم ہو جائے اور اس کے تعمیر کی کوئی صورت نہ ہو اور وہ خالی زمین کرایہ پر بھی نہ لگ سکتی ہو، یا مسافر خانہ، مدرسہ، یا حوض، تالاب وغیرہ جو کسی وجہ سے اس طرح ویران ہو جائے یا منہدم ہو جائے کہ ان کو دوبارہ آباد کرنے پر قدرت نہ ہو، تو اس کا حکم یہ ہے کہ ایسی حالت میں یہ سب اوقاف واقف کی ملک میں لوٹ جائیں گے۔

(۲) اور دوسرے اوقاف وہ ہوتے ہیں جن کی ویرانی اور انہدام سے واقف کا مقصود بالکل فوت نہیں ہوتا ہے بلکہ ویران اور منہدم ہونے کے بعد بھی ان کے ذریعہ سے کسی نہ کسی درجے میں واقف کے مقصود کو باقی رکھا جاسکتا ہے، مثلاً کوئی زمین وقف کی ہو اور لوگ ہجرت کر جائیں، یا کرایہ کے ہوٹل وغیرہ ہوں، منہدم ہونے کے بعد ان سے انتفاع ممکن ہے، مثلاً زمین میں پودے لگوا دیے جائیں یا کسی کو کرایہ پر دے دے جو اس زمین اور جگہ پر تعمیر وغیرہ کر کے آمدنی حاصل کر کے زمین کا کرایہ ادا کرتا رہے، تو ایسے اوقاف جو منہدم ہونے کے بعد بھی واقف کے مقصود سے بالکل نہیں نکلتے ہیں ان کا حکم یہ ہے کہ وقف باطل نہیں ہوگا اور جو آمدنی حاصل ہوگی واقف کے بیان کردہ مصرف میں صرف کر دی جائے گی، ایسے اوقاف واقف کے ملک میں واپس نہ ہوں گے۔

كما في الشامية نقلا عن الفتح: ذكر في الفتح: مامعناه انه يفرع على الخلاف المذكور ما إذا انهدم الوقف وليس له من الغلة ما يعمر به فيرجع الى البانى أو ورثته عند محمد خلافا لأبي يوسف، لكن عند محمد إنما يعود إلى ملكه ما خرج عن الانتفاع المقصود للواقف بالكلية كحانوت احترق ولا يستاجر بشيء، و رباط وحوض محلة خرب وليس له ما يعمر به فاما كان معدا للغلة فلا يعود إلى الملك الا نقضه و تبقى ساحته وقفا تؤجر ولو بشيء قليل بخلاف الرباط ونحوه فانه موقوف للسكنى وامتنعت بانهدامه، أما دار الغلة فانها قد تخرب وتعمر كرما وهي بحيث لو نقل نقضها ليستاجر أرضها من يبني أو يغرس ولو بقليل فيغفل عن ذلك وتباع لواقفها مع انه لا يرجع إليه منها إلا النقض واستند في ذلك للخانية وغيرها ظاهر كلامه واعتمده (شامی ۶/۵۴۹)

عند ابی یوسفؒ: امام ابو یوسفؒ سے اس سلسلے میں روایت یہ ہے کہ وقف ہو جانے کے بعد وقف کبھی باطل نہیں ہوتا، خواہ انتفاع کی کوئی صورت باقی رہے یا نہ رہے۔

واستغنى عنه يبقى مسجدا عند الإمام والثاني قوله عند الإمام والثاني فلا يعود ميراثا فلا يجوز نقله و نقل ماله إلى مسجد آخر سواء كانوا يصلون فيه أو لا (درمختار مع الرد ۶/۵۴۸)۔

البتہ اس صورت میں اشیاء موقوفہ سے انتفاع نہ ہو، اس کی بیع کے سلسلے میں امام ابو یوسفؒ سے دو

روایتیں منقول ہیں:

(۱) ان کو علی حالہ چھوڑ دینا واجب ہے، اسکو فروخت کرنا یا بعینہ ان اوقاف کو دوسری جگہ منتقل کرنا جائز نہیں۔

لا یجوز نقله و نقل ماله إلى مسجد آخر (شامی ۶/۵۴۸)

(۲) ایسی اشیاء موقوفہ کو منتقل کرنا یا اس کی قیمت فروخت کرکے اسی جیسے دوسرے اوقاف میں استعمال کرنا واجب ہے۔

ولو خرب المسجد وما حوله وتفرق الناس عنه لا يعود الى ملك الواقف ، عند أبي يوسف: ويباع نقضه بإذن القاضي ويصرف ثمنه إلى بعض المساجد (شامی ۶/۵۴۹)۔

عندالامام حضرت امام ابوحنیفہؒ سے حضرت امام محمدؒ کی روایت کے مطابق عدم انتفاع کی صورت میں بطلان وقف کی روایت، اور حضرت امام ابو یوسفؒ کی روایت کے مطابق عدم بطلان وقف کی روایت منقول ہے۔

قال في الإسعاف: ذكر بعضهم أن قول أبي حنيفة كقول أبي يوسفؒ وبعضهم ذكره كقول محمدؒ (شامی ۶/۵۴۹)

حاصل:

امام محمدؒ کی دونوں روایتوں اور ابن ہمام کی توضیح کا یہ حاصل نکلتا ہے کہ بطلان وقف کی روایت ایسے اوقاف پر محمول ہے جن کے ویران اور انہدام یا لوگوں کے استغناء کی وجہ سے واقف کا مقصد بالکل ختم ہو جائے تو ایسے اوقاف ویران اور لوگوں کے مستغنی ہو جانے کی صورت میں واقف کی ملک میں لوٹ جائیں گے، خواہ وہ اشیاء منقولہ کی قبیل سے ہوں یا غیر منقولہ کی قبیل سے ہوں، مثلاً مدارس، جہاد کے لئے وقف کی ہوئی سواری، مسجد کی چٹائی، پنکھا وغیرہ اور جیسے اوقاف کے ملبے وغیرہ۔ اور عدم بطلان کی روایت جو بروایت ہشام ہے ایسے اوقاف پر محمول ہے جن کے تعطل اور لوگوں کے استغناء سے واقف کا مقصود نہیں فوت ہوتا ہے، مثلاً زراعت کی زمین اور باغات، یعنی ایسے اوقاف جو حصول آمدنی کے لئے ہوں تو ان کے انہدام اور تعطل کے باوجود کسی نہ کسی درجہ میں واقف کا مقصود باقی رہتا ہے، لہذا ایسے اوقاف کا وقف باطل نہ ہوگا بلکہ اگر آمدنی بہت کم ہو جائے تو اسکو فروخت کرکے نیا وقف آمدنی کے لئے تیار کیا جائے، اگرچہ اس کی آمدنی پہلے والے سے کم ہو، البتہ اگر اس کی قیمت سے نیا وقف بھی تیار نہ ہو سکے تو اس صورت میں مقصود ختم ہو جانے کی وجہ سے واقف کی ملک میں لوٹ جائے گا۔

والحال أنه إن أمكن شراء شيء بمستغل ولو قليلا أو إجارة الأرض بشيء ولو قليلا فعل وحفظ لعمارة مابقي ولو خرب الكل و تعذر أن يشتري بثمنه مستغل ولو قليلا حينئذ يرجع إلى الواقف (فتح القدیر ۶/۲۳۸)

لہذا امام محمدؒ کی روایت کے مطابق غیر آمدنی کے اوقاف اور اوقاف کے ملبے جو کارآمد نہ ہوں اور اوقاف

کے دوسرے سامان تعطل یا استغناء کی صورت میں واقف کی ملک ہو جائیں گے، اسی طرح آمدنی کے وہ اوقاف بھی واقف کی ملک ہو جائیں گے جن کے انہدام و تعطل سے مقصد ختم ہو جائے اور اس کی قیمت سے بھی دوسرے وقف کی تیاری ممکن نہ ہو، البتہ آمدنی کے وہ اوقاف جن کی اجرت و قیمت سے مقصد کی بحالی ممکن ہو ایسے اوقاف کا وقف باطل نہ ہوگا بلکہ اس کے مقصد کو بحال کیا جائے گا۔

اور امام ابو یوسف کی روایت کے مطابق وقف باطل نہ ہوگا، اور جواز بیع والی روایت کی بنا پر بیع و استبدال جائز ہے، لہذا تمام اوقاف جو منہدم یا مستغنی ہو جائیں ان کی بیع یا نقل واجب ہے۔

القول المفتی بہ:

اقسام مذکورہ میں سے قسم رابع یعنی وقف کے آلات (سامان ضرورت وغیرہ) کے سلسلہ میں فتوی امام محمدؒ کے قول پر ہے کہ اگر آلات نا قابل انتفاع ہو جائیں تو اگر واقف یا اس کے ورثاء کو معلوم ہو تو ان کی ملکیت میں لوٹ جائیں گے ورنہ بحکم لقطہ ہیں، كما صرح به في فتح القدير (۶/۲۳۸) إن الفتوى على قول محمد في آلات المسجد والمراد بآلات المسجد نحو القنديل والحصير (شامی ۴/۵۳۹) وهكذا في البحر (۵/۲۵۲)۔

آمدنی کے یا غیر آمدنی کے اوقاف و ملبۂ وقف میں قول مفتی بہ:

فرش اور چٹائی وغیرہ یعنی آلات وقف کے علاوہ وقف کی دوسری تمام چیزوں میں فتوی امام ابو یوسف کی دونوں روایتوں پر مصرح ہے، متقدمین کا فتوی عدم جواز بیع و نقل پر ہے، یعنی ان لوگوں کے نزدیک وقف کے سامان کو فروخت کرنا یا بغیر فروخت کئے اس سامان کو ضرورت نہ ہونے کے وقت دوسرے وقف میں صرف کرنا جائز نہیں۔

(عند الثاني) لا يجوز نقله و نقل ماله إلى مسجد آخر سواء كانوا يصلون فيه أولا، وهو الفتوى حاوي القدسي وأكثر المشائخ عليه مجتبى وهو الأوجه فتح اهـ (شامی ۴/۵۳۸)

اور متاخرین نے امام ابو یوسف کی دوسری روایت پر فتوی دیا ہے یعنی جب وقف ویران اور منہدم ہو جائے اور لوگوں کو اس کی ضرورت نہ ہو تو اس کے سامان کو یا اس کی قیمت کو قریبی جہت کے دوسرے وقف میں صرف کر دیا جائے گا۔

ولو خرب المسجد وما حوله وتفرق الناس عنه لا يعود إلى ملك الواقف عند أبي يوسف فيباع نقضه بإذن القاضي ويصرف ثمنه إلى المساجد (شامی ۴/۵۳۹) وفي الدر: فيصرف وقف المسجد والرباط والبئر إلى أقرب مسجد أو رباط أو بئر عليه تفريع إلى قولهما، هذا التفريع إنما يظهر على ما ذكره الشارح من الرواية الثانية عن أبي يوسف وقدمنا أنه جزم بها في الإسعاف (در مختار مع الرد ۴/۵۳۹)۔

نوٹ: لیکن حضرات متاخرین مسجد کے سلسلہ میں امام ابو یوسف کی روایت اولی کو ترجیح دیتے ہیں۔

حاصل: مسجد اور اسی طرح دوسری موقوفہ عمارتوں کے ملبے یعنی اینٹ، پتھر، لکڑی وغیرہ کا حکم یہ ہے کہ اگر اسی موقوفہ کو تعمیر کرنا ممکن ہو تو اس کی تعمیر میں ان کو یا ان کی قیمتوں کو صرف کر دیا جائے گا، اور اگر اس وقف کی تعمیر ممکن نہ ہو تو اسی جہت کے کسی دوسرے قریبی وقف میں وہ اشیاء اگر قابل استعمال ہوں ورنہ ان کی قیمتوں کو لگا دیا جائے گا۔ دوسری جہت کے اوقاف میں صرف کرنا جائز نہیں۔

سئل شيخ الإسلام عن أهل قرية رحلوا أو تداعى مسجدها إلى الخراب وبعض المتغلبة يستولون على خشبه وينقلونه إلى دورهم، هل لواحد لأهل المحلة أن يبيع الخشب بأمر القاضي ويمسك الثمن ليصرفه إلى بعض المساجد أو إلى هذا المسجد؟ قال: نعم، وحكي أنه وقع مثله في زمن سيدنا الإمام الأجل في رباط في بعض الطرق خرب ولا ينتفع المارة به، وله أوقاف عامرة فسئل هل يجوز نقلها إلى رباط آخر ينتفع الناس به، قال: نعم، لأن الواقف غرضه انتفاع المارة ويحصل ذلك بالثاني (شامی ۶/۵۵۰)

(۳) تیسری قسم یعنی جب موقوفہ اشیاء ایسی ہو جائیں کہ ان سے ان پر ہونے والا خرچ بھی حاصل نہ ہو سکے، چاہے وہ جائداد ہو یا دیگر اوقاف مستغلہ، ان کا حکم دوسری قسم کا حکم ہے کہ یہ انتفاع سے بالکلیہ خارج ہیں لہذا اس کی بیع و استبدال جائز ہے۔

أو لا يفي بمؤنته فهو جائز على الأصح (شامی ۶/۵۸۳)

(۴) چوتھی صورت یہ ہے کہ شئی موقوف سے انتفاع ہو رہا ہو لیکن بیع و استبدال کی صورت میں نفع زائد ہو یعنی بدل انفع ہو، اس کے حکم میں حضرات علماء کے دو قول ہیں:

۱۔ استبدال کی صورت میں اگر نفع زیادہ ہو تو بیع و استبدال جائز ہے۔

الرابعة: أن يرغب إنسان فيه ببدل أكثر غلة وأحسن صقعا فيجوز على قول أبي يوسف وعليه الفتوى الخ (شامی ۳/۳۸۹)۔

۲۔ اگر شئی موقوف سے انتفاع ہو رہا ہو تو اس کی بیع و استبدال جائز نہیں اگرچہ بدلے میں نفع زائد ہو۔

والعمل على قول أبي يوسف معارض بما قاله صدر الشريعة نحن لا نفتي به وقد شاهدنا في الاستبدال ما لا يعد و يحصى فإن ظلمة القضاة جعلوه حيلة لإبطال أوقاف المسلمين الخ (شامی ۳/۳۸۹)

ترجیح:

علامہ شامی نے قول ثانی کو راجح قرار دیا ہے کیونکہ بیع و استبدال اگر شرط واقف کی بناء پر نہ ہو تو بغیر ضرورت کے جائز نہیں اس بناء پر کہ وقف میں اصل اشیاء موقوفہ کو علی حالہ باقی رکھنا ہے اصل کے خلاف بغیر ضرورت کے نہ کیا جائے گا اور جب انتفاع بالکل ختم ہو جائے تو مجبوراً ضرورۃً بیع جائز ہے، اور جب نفع بالکل ختم نہ ہو بلکہ انتفاع ہو رہا ہو

اور بدلنے میں نفع زائد ہو تو اس صورت میں بیع و استبدال صرف نفع کو زائد کرنے کے لئے مقصد وقف کے بالکل خلاف ہے، لہذا بیع ناجائز ہوگی۔

قال العلامة البيري بعد نقله أقول وفي فتح القدير والحاصل أن الاستبدال إما عن شرط الاستبدال أو لا عن شرطه فإن كان لخروج الوقف عن انتفاع الموقوف عليهم فينبغي أن لا يختلف فيه وإن كان لا لذلك بل اتفق انه أمكن أن يؤخذ بثمنه ما هو خير منه مع كونه منتفعا به فينبغي أن لا يجوز لأن الواجب إبقاء الوقف على ما كان عليه دون زيادة . ولأنه لا موجب لتجويزه لأن الموجب في الأول الشرط وفي الثاني الضرورة . ولا ضرورة في هذا إذ لا تجب الزيادة بل نبقيه كما كان الخ. أقول ما قاله هذا المحقق هو الحق والصواب (شامی ۳/۳۸۹)

(۵) پانچویں قسم وہ اوقاف جن سے آمدنی جاری ہو اور واقف نے بدلنے کی شرط نہ لگائی ہو اور نہ ہی استبدال میں نفع زیادہ ہو تو ایسے اوقاف کی بیع باطل ہے۔ بیع کے بعد مشتری اگر اس سے نفع اٹھائے اور پھر بیع کو لوگ ختم کر دیں اور مشتری کو اس کا ثمن واپس کر دیں تو ایسی صورت میں جتنے دن مشتری نے اس وقف سے فائدہ حاصل کیا ہے اتنے دن کی اجرت مثل لازم ہوگی۔

وإذا صح الوقف لم يجز بيعه ولا تمليكه (ہدایہ ۲/۶۴۰)۔

اگرچہ وہ اوقاف آمدنی حاصل کرنے کے نہ ہوں مثلاً مسجد ہو یا مدرسہ، کما صرح۔

و دخل ما لو كان الوقف مسجداً أو مدرسة سكن فيه فتجب فيه أجرة المثل (شامی ۶/۶۱۵)

بطلان بیع وقف سے انتفاع کا حکم:

پانچویں قسم جس کا بیان سطور بالا میں ہوا اس سے انتفاع بیع کے باطل ہونے کی وجہ سے حرام ہے اور بیع کو ختم کر دینا واجب ہے، اگر بیع کو فوراً ختم نہ کیا اور وقف سے نفع اٹھاتا رہا تو جب لوگ بیع کو ختم کر کے مشتری کا پیسہ واپس کریں گے تو جتنے دن فائدہ حاصل کیا ہے اتنے دن کی اجرت مثل لازم ہوگی۔

كما في الشامي حتى لو باع المتولي دار الوقف فسكنها المشتري ثم أبطل القاضي البيع كان على المشتري أجرة المثل (فتح) وبه أفتى الرملي وغيره كما قدمناه وما في الاسماعيلية من الإفتاء بخلافه تبعا للقنية فهو ضعيف كما صرح به في البحر (شامی ۶/۶۱۵)

خلاصہ:

بیع و استبدال کی سب پانچ صورتیں ختم ہیں: (۱) واقف نے بدلنے کی شرط لگائی ہو، (۲) وقف سے انتفاع بالکل ختم ہو جائے خواہ وقف کی آمدنی صرف اتنی ہو جس سے وقف کا اپنا ذاتی خرچ بھی پورا نہ ہو سکے، (۳) کسی ایسے غاصب نے غصب کر لیا جس سے واپس لینا ناممکن ہو اور غاصب اس کا عوض دینے پر راضی ہو، (۴) وقف سے انتفاع

جاری ہو لیکن بیع واستبدال کی صورت میں واقف کی آمدنی زیادہ ہو جائے اور بدل مبدل سے زیادہ نافع ہو، (۵) وقف سے انتفاع جاری ہو اور بدلنے کی صورت میں کوئی نفع بھی نہ ہو۔

حکم:

مذکورہ صورتوں میں سے تین صورتوں میں مفتی بہ قول کے مطابق بیع واستبدال ذکر کردہ شرائط کے ساتھ جائز ہے۔ اور چوتھی صورت میں حضرات علماء کا اختلاف ہے۔ بہت سے علماء نے حضرت امام ابو یوسفؒ کے قول کے مطابق بیع کو جائز کہا ہے اور اسی کو قول مفتی بہ بھی بتلایا ہے، اور بہت سے علماء نے بیع ناجائز وحرام کہا ہے، علامہ شامیؒ نے استدراک قائم کر کے صاحب فتح کے قول کے ذریعہ عدم جواز کو ترجیح دیا ہے، کیونکہ ایسی صورت میں اگر بیع و استبدال کو جائز کہا جائے تو اس کے ذریعہ ابطال اوقاف کا دروازہ کھلے گا، نیز یہ استبدال بلا ضرورت ہے کیونکہ اوقاف کا مقصود آمدنی کا بڑھانا نہیں بلکہ ان کو حالت سابقہ پر باقی رکھنا ہے تو خلاف مقصود کے ذریعہ بلا ضرورت اس کے ضیاع کا اندیشہ کیوں پیدا کیا جائے لہذا ارجح عدم جواز ہے۔ پانچویں قسم کی بیع واستبدال بالاتفاق باطل ہے۔

نوٹ: بیع کے جواز وعدم جواز کا مدار صرف دو چیزوں پر ہے: ۱۔ شرط واقف ۲۔ ضرورت، ان دونوں میں سے کوئی ایک پائی جائے تو بیع واستبدال جائز ہے ورنہ ناجائز ہے۔

إلا في أربع الأولى لو شرطه الواقف، الثانية إذا غصبه غاصب وأجرى عليه الماء حتى صار بحرا فيضمن القيمة ويشترى المتولي بها أرضا بدلا، الثالثة أن يجحده الغاصب ولا بينة اى وأراد دفع القيمة فللمتولي أخذها يشترى بها بدلا، الرابعة أن يرغب إنسان فيه ببدل أكثر غلة وأحسن صقعا فيجوز على قول أبي يوسف و عليه الفتوى كما في فتاوى قارى الهداية، قال صاحب النهر في كتابه إجابة السائل قول قارى الهداية والعمل على قول أبي يوسف معارض، فيما قال صدر الشريعة: نحن لا نفتي به وقد شاهدنا في الاستبدال مالا يعد و يحصى فإن ظلمة القضاة جعلوه حيلة لإبطال أوقاف المسلمين وعلى تقديره فقد قال في الإسعاف: المراد بالقاضي هو قاضي الجنة المفسر بذى العلم والعمل ولعمرى إن هذا أعز من الكبريت الأحمر وما أراه إلا لفظا يذكر فالأقوى فيه السد خوفا من مجاوزة الحد والله سائل كل إنسان .

وقف کے بدل کے احکام:

بدل کی سب پانچ صورتیں ممکن ہیں کیونکہ جس کو بدلا جائے گا وہ دو حال سے خالی نہیں: (۱) یا تو وہ وقف کا ملبہ یعنی انقاض وقف ہوگا (۲) یا تو اوقاف ہوں گے، اگر اوقاف ہوں تو وہ بھی دو حال سے خالی نہیں: (۱) یا تو آمدنی کے لئے اوقاف ہوں گے (۲) یا تو آمدنی کے لئے نہ ہوں گے۔ پھر یہ بھی دو حال سے خالی نہیں: (۱) اصل وقف کو قائم کرنے کی ضرورت ہوگی (۲) یا نہ ہوگی۔

(۱) انقاض: اس کا حکم یہ ہے کہ اگر ان کے اوقاف موجود ہوں تو ان کو اگر قابل استعمال ہیں ورنہ اس کی

قیمت کو ان کے اوقاف میں صرف کیا جائے گا۔

فإن احتاج الوقف إلى عود النقض أعاده للحصول المقصود به وإن استغنى عنه أمسكه إلى أن يحتاج إلى عمارته (ولا يجوز) وإن تعذر إعادة عينه إلى موضعه بيع و صرف ثمنه إلى المرمة صرفا للبدل إلى مصرف المبدل. ملخصا (بحر الرائق ص ۲۲۰)

غیر آمدنی کے اوقاف:

(۲) غیر آمدنی کے جس وقف کو بدلنا ضروری ہو اس کا حکم یہ ہے کہ اس کے بدلے میں اسی نوع کا دوسرا وقف قرب و حسن مکانی کی رعایت کرتے ہوئے قائم کیا جائے جو جہت پہلے والے وقف کے دائرہ میں وقف ہوگا۔

وفي الخانية الصحيح قول أبي يوسف لأنه شرط لا يبطل حكم الوقف لأن الوقف يحتمل الانتقال من أرض إلى أرض أخرى ويكون الثاني قائما مقام الأولى الخ (بحر الرائق ۲۲۱)

(۳) غیر آمدنی کے جس وقف کو بدلنے اور فروخت کرنے کے علاوہ کوئی صورت نہ ہو اور اس کے بدلے دوسرے وقف کا قیام عدم ضرورت یا کسی اور وجہ سے متعذر ہو تو اس کا حکم یہ ہے کہ اسی جہت کے دوسرے اوقاف میں اس کی قیمت اور بدل کو استعمال کیا جائے۔

رباط بعيد واستغنى عنه المارة وبجنبه رباط آخر. قال السيد الإمام أبو الشجاع تصرف غلته إلى الرباط الثاني كالمسجد إذا خرب واستغنى عنه أهل القرية فرفع ذلك إلى القاضي فباع الخشب وصرف الثمن إلى مسجد آخر جاز (شامی ۵۵۰)۔

آمدنی کے اوقاف:

(۴) آمدنی کے جس وقف کو بدلنے اور بیع کرنے کے علاوہ اور کوئی صورت نہ ہو تو اس کا حکم یہ ہے کہ اس کے بدلے یا اس کی قیمت کے بدلے ایسا وقف حاصل کیا جائے جو پہلے وقف سے انفع یا کم سے کم اس کے مساوی ہو، اور اس کی آمدنی کو موقوف علیہم پر اگر موجود ہوں ورنہ اسی نوع کے دوسرے اوقاف میں استعمال کیا جائے۔

وإذا كانت موقوفة الاستغلال فالظاهر عدم اشتراط اتحاد الجنس على المنظور فيها كثرة الريع و قلة المرمة و قابلية البقاء. شرط آخر وهو اتحاد المحلة أو كون الثانية أحسن (بحر الرائق ۲۲۳) لو اشترى ببدل الوقف فإنه يصير وقفا كالاولى على شروطه وإن لم يذكر شيئاً (شامی ۶۲۷) في الخلاصة قال المسجد إذا خرب أو الحوض إذا خرب ولم يحتج إليه لتفرق الناس عنه صرفت أوقافه في مسجد آخر أو حوض آخر (شامی ۶۳۶)

(۵) آمدنی کے جس وقف کو بدلنا لازم ہو اور اسی جیسے دوسرے وقف کا قیام ناممکن ہو تو اس کا حکم یہ ہے کہ اس کا بدل اور اس کی قیمت موقوف علیہم ورنہ اسی جیسے دوسرے اوقاف میں استعمال کیا جائے۔

وينقل في الذخيرة عن شمس الأئمة الحلواني انه سئل عن مسجد أو حوض خرب

ولا يحتاج إليه لتفرق الناس عنه هل للقاضي أن يصرف أوقافه إلى مسجد أو حوض آخر فقال نعم و مثله في البحر عن القنية (شامی ۶/۵۵۰)۔

اقسامِ اوقافِ عامرہ: آباد اوقاف کی دو قسمیں ہیں:

(۱) وقف حصول آمدنی کے لئے ہوں یا حصول آمدنی کے لئے تو نہ ہوں لیکن ان اوقاف کے لئے آمدنی کے اوقاف ہوں۔

(۲) اوقاف حصول آمدنی کے نہ ہوں اور نہ ہی ان کے لئے آمدنی کے اوقاف ہوں۔

احکام: پہلی قسم کا حکم: جس وقف کے پاس آمدنی ہو خواہ وہ آمدنی اسی وقف سے حاصل ہو یا ان پر موقوفہ اوقاف سے حاصل ہو تو اس سلسلہ میں کچھ تفصیل ہے:

(۱) کہ اگر واقف نے اس وقف کے اخراجات کے لئے آمدنی کا کوئی حصہ متعین نہیں کیا ہے تو آمدنی میں سے پہلے اس وقف کے اخراجات ضروریہ نکالے جائیں گے اگر ضرورت ہو ورنہ اسکو موقوف علیہم کے اخراجات میں صرف کیا جائے گا۔

۱۔ الثاني عشر لو وقف على المساكين ولم يذكر العمارة يبدأ من الغلة بالعمارة و بما يصلحها ويخراجها و مؤنتها ثم يقسم الباقي على المساكين (۵/۴۱۹)۔

۲۔ فالمراد بالوقف الذي يبدأ من غلته بعمارته العين الموقوفة للغلة والعين الموقوف عليها كالمسجد إذ لا شك أن كلا موقوف عليه الغلة بمعنى أنهما مشروط صرف الغلة إلى عمارتها (تقریرات رافعی ۲/۸۱) (شامی ۶/۵۵۹)۔

(۲) اور اگر واقف نے آمدنی سے اوقاف کے ذاتی اخراجات کے لئے حصہ مقرر کیا ہے یا مقرر نہیں کیا ہے لیکن آمدنی سے اخراجات وقف کی شرط لگائی ہے تو پہلے آمدنی سے اوقاف کے اخراجات کے لئے حصہ متعینہ یا جتنی ضرورت پڑسکتی ہو نکال لیا جائے گا اگرچہ فی الحال کوئی ضرورت نہ ہو کیونکہ آئندہ ضرورت پڑنے کا امکان ہے اور یہ ہو سکتا ہے کہ جب ضرورت ہو اسوقت آمدنی نہ رہے تو اسی وضع کردہ واقف کے ذکر کردہ مصارف میں شرائط واقف کی رعایت کے ساتھ صرف کیا جائے گا۔

لو شرط الواقف تقديم العمارة ثم الفاضل للفقراء أو للمستحقين لزم الناظر امساك قدر العمارة كل سنة وإن لم يحتجه الآن لجواز أن يحدث حدث ولا غلة بخلاف ما إذا لم يشترطه فليحفظ الفرق بين الشرط وعدمه (در مختار ۶/۵۶۵، ۵۶۶) و كذا في البحر لو اجتمع من الغلة مقدار ما يحتاج الأرض والمسجد إلى العمارة ويمكن العمارة بها و يفضل تصرف الزيادة إلى الفقراء على ما شرط الواقف (بحر الرائق ۵/۴۱۵، ۴۱۹)

(۳) اوقاف کا خرچ نکالنے کے بعد اگر موقوف علیہم افراد اور جماعت متعینہ نہ ہوں تو اخراجات ضروریہ

کے بعد سب سے پہلے ان چیزوں پر صرف کیا جائے گا جو تعمیر سے معنوی طور پر زیادہ قریب ہیں یعنی جن کے نہ ہونے کی صورت میں تعطّل وقف ہو جاتا ہے تو یہ بھی حقیقت میں عمارت سے ملحق ہیں پھر دوسرے مصالح میں صرف کیا جائے گا، مثلاً مسجد و مدرسہ پر وقف ہو تو اس صورت میں پہلے آمدنی سے اخراجات عمارت نکالے جائیں گے پھر امام و مؤذن اور معلمین مدرسہ کو ان کی کفایت کے بقدر دیا جائے گا، پھر چٹائی، روشنی و دیگر مصالح وقف میں صرف کیا جائے گا۔

ویبدأ من غلته بعمارته ثم ما هو أقرب لعمارته کامام مسجد و مدرس مدرسة یعطون بقدر کفایتهم ثم السراج والبساط کذلک الی آخر المصالح (درمختار ۵۵۹،۶۶۰،۶۶۱)

قوله ثم ما هو أقرب لعمارته الخ ای فان انتهت عمارته و فضل من الغلة شئ یبدأ بما هو أقرب للعمارة وهو عمارته المعنویة التی هی قیام شعائره (شامی ۵۶۰) إلی قوله هذا إذا لم یکن معینا یعنی أن الصرف إلی ما هو أقرب إلی العمارة کالإمام ونحوه إنما هو فیما إذا لم یکن الوقف معینا علی جماعة معلومین کالمسجد والمدرسة (شامی ۶/۵۶۱)

(۳) اور اگر موقوف علیہم افراد و جماعت متعینہ ہوں تو اس کے اخراجات نکالنے کے بعد آمدنی ان لوگوں پر صرف کر دی جائے گی بغیر تقدم و تاخر کی رعایت کے، جیسے وقف علی الاولاد یا وقف علی الفقراء۔

اما لو کان معینا کالدار الموقوفة علی الذریة أو الفقراء فانه بعد العمارة یصرف الریع إلی ما عینه الواقف بلا تقدیم لأحد علی أحد۔ فاغتنم هذا التحریر (شامی ۵۶۱)

اگر واقف نے وقف حصول آمدنی کے لئے کیا لیکن موقوف علیہم اسکو اپنی دوسری ضرورتوں میں استعمال کریں تو جائز ہے۔ ان کے ذمہ اجرت بھی نہیں لازم ہوگی، البتہ اخراجات وقف ان کے ذمہ ہوں گے، اور موقوف علیہم کا آمدنی کے علاوہ دوسری ضرورتوں میں استعمال کرنا جائز ہے۔

فلاعمارة علی من له الاستغلال لأنه لا سکنی له فلو سکن هل تلزمه الأجرة الظاهر لا لعدم الفائدة إلا إذا احتیج للعمارة فیأخذها المتولی لیعمر بها (درمختار ۵۷۰،۵۷۱)

قوله لأنه لا سکنی له قال فی البحر وظاهر کلام المصنف وغیره أن من له الاستغلال لا یملک السکنی ومن له السکنی لا یملک الاستغلال إلی قوله قلت ویؤیده ان الخصاف سوی بین المسئلتین لکنه فرق بینهما فی محل آخر بأن من له الاستغلال له السکنی لأن سکناه کسکنی غیره بخلاف العکس لأنه یوجب فیها حقا لغیره ومن له الاستغلال إذا سکن لا یوجب حقا لغیره وادعی الشرنبلالی فی رسالته أن الراجح هذا (شامی۔ ۹ ۵۷۰،۵۷۱)

نوٹ: اور اگر رہائش کے لئے وقف کیا تو اسکو حصول آمدنی کے لئے استعمال نہیں کیا جائے گا۔

(۶) اور اگر واقف نے حصول آمدنی کے لئے وقف کیا اور اس کے اخراجات کی شرط موقوف علیہم کے ذمہ رکھا تو یہ شرط کالعدم ہے۔

ولو شرط الواقف غلتها له و مؤنتها عليه صحّا و هل يجبر على عمارتها؟ الظاهر لا (درمختار ۶/۵۷۱-۵۷۲) وفي الرد قلت علمت أن صحة الشرط غير صحيحة في عبارة التاتار خانية و تعليل الهداية شامل للشرط وغيره فهو دليل على عدم صحته إلى قوله لأن كلام الواقف لا يصلح ملزما له بتعميرها إذ لا ولاية له على المستحق (شامی ۶/۵۷۲)

حاصل یہ ہے کہ اگر وقف سے آمدنی ہوری ہو یا اس وقف کے پاس آمدنی کے دوسرے اوقاف ہوں تو اس کے اخراجات اسی کی آمدنی سے پورے کئے جائیں گے اگر چہ واقف نے اخراجات کی ذمہ داری موقوف علیہم کے ذمہ کی ہو۔

ابقاء وقف:

واقف نے آمدنی کے اوقاف کو جس عمل میں وقف کیا تھا اسکو اسی طرح باقی رکھا جائے گا، اگر باغات ہیں تو سوکھنے والے پودوں کی جگہ دوسرے نئے پودے لگائے جائیں گے اور زراعت کی زمین ہے تو اس کو قابل زراعت رکھنے کی پوری کوشش کی جائے گی، اگر دوکان ومکانات ہیں تو ان کی اصلاح ومرمت وغیرہ، یہ سب اسی وقف کی آمدنی سے اپنی اسی حالت پر باقی رکھے جائیں گے، مکانات میں رنگ وروغن وغیرہ نہیں کرتا تھا تو بغیر موقوف علیہم کی اجازت کے نہیں کئے جائیں گے۔

وقف میں زیادتی: اور اگر اس وقف میں ایسی زیادتی کی ضرورت پڑے جس سے وقف کی آمدنی بڑھ جائے اور وقف کا اپنا خرچ کم ہو جائے جس میں موقوف علیہم کا فائدہ ہو تو ایسی زیادتی جس میں موقوف علیہم کا فائدہ ہو بغیر اجازت کے بھی جائز ہے۔ آمدنی میں اضافہ کرنے والی زیادتی ممنوع نہیں ہے اور نہ ہی اس کے لئے اجازت شرط ہے۔

ولو كان الوقف على معين فالعمارة في ماله بقدر ما يبقى الموقوف على الصفة التي وقفه فإن خرب يبنى كذلك ولا تجوز الزيادة بلا رضاه ولو كان على الفقراء فكذلك وعند البعض تجوز والأول أصح (ہدایہ ملخصا) وبه علم أن عمارة الوقف زيادة على ما في زمن الواقف لا تجوز بلا رضا المستحقين وظاهر قوله بقدر ما يبقى منع البياض والحمرة على الحيطان من مال الوقف إن لم يكن فعله الواقف وإن فعله فلا منع (شامی/۵۶۰)

وفي حاشية الشامية مطبوعة مكتبة زكريا: قوله منع البياض الحمرة الخ قال شيخنا وقد رأيت تقييد ذلك بما إذا لم يورث البياض والحمرة زيادة في الأجرة إن كان كذلك فلا منع ثم قال وهو تقييد حسن ويظهر أن الزيادة في أماكنه كذلك، حاشية الشامية للمحشي الشيخ عادل احمد عبد الموجود والشيخ على محمد معوض (ص/۵۶۰)

جہت آمدنی کی تبدیلی کا حکم:

موقوفہ زمین میں اگر آمدنی میں اضافہ کرنے کے لیے دوکان یا مکان (ہوٹل) وغیرہ تعمیر کر دیے جائیں یا مزروعہ زمین میں باغ لگا دیے جائیں تو یہ سب امور انفع للوقف ہونے کی وجہ سے جائز ہیں۔ مثلاً شہر کے اندر خالی زمین وقف کی گئی اگر اس پر دوکان یا کرایہ کے مکانات تعمیر کر دیے جائیں، یا مزروعہ زمین ہے جس کی کاشت میں دشواری ہوتی ہے اگر باغ لگا دیے جائیں تو دشواری دور ہو جائے گی اور وقف کی آمدنی میں اضافہ بھی ہو جائے گا تو وقف کے فائدہ کے لئے جہت آمدنی کا تبدیل کر دینا جائز ہے۔

كما في البحر: وإن أراد قيم الوقف أن يبني في الأرض الموقوفة بيوتا يستغلها بالإجارة لا يكون له ذلك لأن استغلال أرض الوقف يكون بالزرع ولو كانت الأرض متصلة ببيوت المصر يرغب الناس في استئجار بيوتها وتكون غلة ذلك فوق غلة الزرع والنخل كان للقيم أن يبني فيها بيوتا فيؤاجرها لأن الاستغلال بهذا الوجه يكون أنفع للفقراء (بحرالرائق ۵/۲۱۹)

فاضل آمدنی کا مصرف:

ایک وقف کی فاضل آمدنی کو دوسرے جہت کے وقف میں یا اسی جہت کے وقف میں استعمال کرنے کی سب چار صورتیں نکلتی ہیں۔ ان میں سے دو جواز کی ہیں اور دو عدم جواز کی ہیں۔ اگر جہت متحد ہو تو ایک کی فاضل آمدنی دوسرے میں استعمال کرنا جائز ہے۔ اور اگر جہت مختلف ہو تو ایک کی فاضل آمدنی دوسرے میں استعمال کرنا جائز نہیں ہے جس کی تفصیل مندرجہ ذیل ہے:

(۱) واقف اور جہت وقف دونوں متحد ہوں یعنی ایک ہی شخص نے ایک جہت پر متعدد وقف کئے، ایک وقف ایک مصلحت کے لئے اور دوسرا دوسری مصلحت کے لئے۔ مثلاً زید نے مدرسہ پر دو زمینیں وقف کیں، ایک زمین معلمین کی تنخواہ کے لئے اور دوسری مدرسہ کی عمارت کے لئے۔

إن الوقف ومحل الوقف أعني الجهة إن اتحدت بأن كانا وقفا على المسجد، أحدهما إلى العمارة والآخر إلى إمامه أو مؤذنه (بحرالرائق ۵/۲۱۹)

حکم: اس صورت کا حکم یہ ہے کہ اگر ایک مصلحت سے آمدنی بچ جاتی ہے تو اسی جہت کی دوسری مصلحت میں فاضل آمدنی صرف کرنا جائز ہے۔

والإمام والمؤذن لا يستقر لقلة المرسوم للحاكم الدين أن يصرف من فاضل وقف المصالح والعمارة إلى الإمام والمؤذن باستصواب أهل الصلاح من أهل المحلة إن كان الواقف متحدا لأن غرض الواقف إحياء وقفه وذلك يحصل بما قلنا (بحرالرائق ۲۱۹)۔

(۲) دوسری صورت یہ ہے کہ واقف مختلف ہوں اور جہت وقف متحد ہوں یعنی چند لوگوں نے اپنی اپنی زمینوں کو ایک ہی جہت پر وقف کیا، مثلاً زید، عمرو، بکر نے مسجد یا مدرسہ پر اپنی اپنی زمین وقف کیا۔

حکم: اس صورت کا حکم بھی پہلی صورت کے حکم کی طرح ہے، یعنی ایک کے فاضل آمدنی کو دوسرے میں استعمال کرنا جائز ہے۔

مسجد له أوقاف مختلفة لا بأس للقيم أن يخلط غلتها وإن خرب حانوت فيها لا بأس بعمارته من غلة حانوت آخر اتحد الواقف أو لا (بحرالرائق وحاشیہ بحر ۵/۲۱۷)

(۳) تیسری قسم یہ ہے کہ واقف ایک ہو اور جہت مختلف ہو مثلاً زید نے ایک زمین مسجد کے لئے اور ایک زمین مدرسہ کے لئے وقف کیا، یا مکان کی ایک منزل رہائش کے لئے اور ایک منزل کرایہ کے لئے وقف کیا۔

اتحد الواقف واختلفت الجهة بأن بنى مدرسة و مسجدا وعين لكل وقفا (بحر/۲۱۶)

في الحاشية قال الرملي من اختلاف الجهة ما إذا كان الوقف منزلين أحدهما للسكنى والآخر للاستغلال (حاشیہ بحر/۲۱۶)

حکم: اس صورت کا حکم یہ ہے کہ ایک کی فاضل آمدنی دوسرے پر صرف نہیں کی جائے گی، بلکہ واقف کی شرط و مقصد کی اتباع واجب ہے۔

فلا يصرف أحدهما للآخر وهي واقعة الفتوى، تأمل (حاشیہ بحر/۲۱۶) وفضل من غلة أحدهما لا يبدل شرط الواقف.

(۴) واقف بھی الگ الگ ہوں اور جہت وقف بھی الگ الگ ہو، مثلاً چند لوگوں نے الگ الگ وقف الگ الگ جہت پر کیا، ایک نے مدرسہ پر دوسرے نے مسجد پر تیسرے نے مسافرخانہ پر۔

حکم: اس صورت کا حکم تیسری صورت کے حکم کی طرح ہے۔ ایک کی فاضل آمدنی دوسرے پر صرف کرنا جائز نہیں۔

وكذا إذا اختلف الواقف لا الجهة يتبع شرط الواقف (بحرالرائق/۲۱۷)۔

مذکورہ چاروں صورتوں اور ان کے احکامات سے یہ معلوم ہو گیا کہ ایک کی فاضل آمدنی کو دوسرے پر استعمال کرنا کس وقت جائز اور کس وقت ناجائز ہے۔ اب اس پر ہم تفریعاً چند مسئلہ ذکر کرتے ہیں۔

وقد علم بهذا التقرير اعمال الغلتين إحياء للوقف و رعاية شرط الواقف هذا هو الحاصل من الفتاوى (بحرالرائق/۲۱۷)

تفریع:

(۱) مسئلہ: اگر مسجد کی موقوفہ زمین قابل کاشت نہ رہ جائے اور اس میں مصالح عامہ کے لئے حوض یا تالاب بنا دیا جائے تو لوگوں کے لئے اس کے پانی کو استعمال کرنا جائز نہیں ہے۔

أرض وقف على المسجد صارت بحال لا تزرع فجعلها رجل حوضا للعامة لا يجوز

للمسلمين انتفاع بماء ذلک الحوض ، قنية (ہندیہ ۲/۴۶۴)

(۲) مسئلہ۔ مسجد کی آمدنی اس کی ضرورت سے زائد ہو تو اس کو فقراء و مساکین پر صرف کرنا جائز نہیں۔

الفاضل من وقف المسجد هل يصرف إلى الفقراء قيل لا يصرف وانه صحيح لكن اشترى به مستغلا للمسجد (ہندیہ ۲/۴۶۳)

(۳) مسئلہ وضو کے لئے وقف کئے گئے حوض سے پانی پینا جائز نہیں۔

إذا وقف للوضوء لا يجوز الشرب منه (ہندیہ ۲/۴۶۵)

(۴) مسئلہ مسجد کی آمدنی سے کپڑا خرید کر مساکین وفقراء کو دینا جائز نہیں اور دینے والے کے ذمہ ضمان آئے گا۔

ولو اشترى القيم بغلة المسجد ثوبا و دفع إلى المساكين لا يجوز وعليه ضمان ما نقد من مال الوقف (ہندیہ ۴۶۴)

زائد آمدنی جس کی حفاظت دشوار ہو: اگر کسی مسجد یا مدرسہ کے ایسے اوقاف ہوں جن کی آمدنی مسجد و مدرسہ وغیرہ کے خرچ سے زائد ہو اور آئندہ کے لئے بھی ضرورت محسوس نہ ہو رہی ہو تو اس آمدنی کو دوسرے مدرسہ یا مسجد یعنی اسی جہت کے دوسرے اوقاف کی ضرورتوں میں خرچ کیا جائے گا۔

وعند أبي يوسف يباع ذلک ويصرف ثمنه إلى حوائج المسجد فإن استغنى عنه هذا المسجد يحول إلى مسجد آخر (بحرالرائق ۵/۲۵۲)

اور اگر اسی وقف (موقوف علیہ) کو آئندہ ضرورت پڑنے کا اور آمدنی نہ ہونے کا اندیشہ ہو تو بقدر ضرورت اس وقف کے لئے آمدنی کو محفوظ کیا جائے گا۔ الفاضل من وقف المسجد هل يصرف إلى الفقراء قيل لا يصرف وانه صحيح لكن يشترى به مستغلا للمسجد (ہندیہ ۴۶۳) تاکہ ضرورت کے وقت کام آئے ، اور آمدنی کو محفوظ کرنے کا آسان طریقہ یہ ہے کہ کوئی زمین اس وقف کے نام سے خرید لی جائے اور ضرورت کے وقت فروخت کر کے اس کی قیمت استعمال کی جائے۔ اما فيما اشتراه المتولي من مستغلات الوقف فانه يجوز بيعه بلا هذا الشرط إلى قوله والمختار انه لا يكون وقفا فللقيم أن يبيعه متى شاء لمصلحة عرضت (منحۃ الخالق حاشیہ بحر)

وقف مجہول الجہت:

کسی زمین یا مکان و دوکان کا وقف ہونا لوگوں میں مشہور ہو کہ یہ چیز وقف کی ہے لیکن جہت وقف کا علم کسی کے پاس نہ ہو کہ یہ چیزیں کس مصرف کے لئے وقف کی گئی تھیں تو اس کا حکم یہ ہے کہ اس زمین کے سابقہ کاغذات اور پہلے کے منتظمین وقف کی فائلیں دیکھ کر معلوم کرنے کی کوشش کریں کہ وقف کس مصرف کے لئے تھا، اگر کسی طرح جہت وقف کا علم نہ ہو سکے تو ایسے اوقاف کی آمدنی کو فقراء پر صرف کیا جائے۔

في الدر لو انقطع ثبوته فما كان في دواوين القضاة (قوله انقطع ثبوته الخ) المراد علم أنه وقف بالشهرة ولكن جهلت شرائطه و مصارفه بأن لم يعلم حاله ولا تصرف قوامه السابقين كيف كانوا يعملون و إلى من يصرفونه فحينئذ ينظر إلى ما في دواوين القضاة فإن لم يوجد فيها لا يعطى أحد ممن يدعي فيه حقا لم يبرهن . فإن لم يبرهن يصرف للفقراء لأن الوقف في الأصل لهم وقد علم مجرد كونه وقفا ولم يثبت فيه حق لغيرهم فيصرف إليهم (شامی ۶/۶۶۸)

حکم معلوم الجہت ومعدوم المصرف:

اگر وقف کی جہت معلوم ہو اور موقوف علیہم مفقود ہوں یا ان تک آمدنی کا پہونچانا دشوار ہو، مثلاً کسی مدرسہ یا مسجد یا مسافرخانہ کا وقف تھا اور اب وہ سب ختم ہو گئے، یا کسی بستی کے مصالح عامہ پر وقف تھا اور اس بستی کے لوگ معلوم نہیں کہاں گئے، یا ان کی جگہ معلوم تو ہو لیکن ان لوگوں تک پہونچانا دشوار ہو تو اس کا یہ حکم ہے کہ اسی جہت کے مصارف میں صرف کیا جائے، مدرسہ کا وقف دوسرے مدرسہ پر اور مسجد کا دوسری مسجد پر صرف کیا جائے۔ جہت کے معلوم ہوتے ہوئے دوسری جہت پر صرف کرنا جائز نہیں۔

في رد المحتار حاصله أن المنقول عندنا أن الموقوف عليه إذا خرب يصرف وقفه إلى مجانسه فتصرف أوقاف المسجد إلى مسجد آخر و أوقاف الحوض إلى حوض آخر والا رصاد نظير الوقف (شامی ۶/۴۳۶)

حاصل یہ کہ بقدر ممکن واقف کے مقصد کی رعایت کی جائے گی، اسی لئے اگر موقوف علیہم کو فی الحال یا فی المآل اس فاضل آمدنی کی ضرورت ہو موقوف علیہ کے علاوہ دوسرے پر صرف نہ کیا جائے گا، اور اگر ضرورت نہ ہو تو اسی جہت پر صرف کیا جائے گا، لہذا اگر کسی آبادی کے لوگوں کے لئے وقف تھا تو چونکہ اس وقف کا اصل مقصود فقراء تھے اس لئے فقراء پر صرف کیا جائے گا۔

وقف کی دوسری قسم:

(۱) وہ اوقاف جو آمدنی کے لئے نہ ہوں بلکہ رہائش وغیرہ کے لئے ہوں تو ان کے اخراجات موقوف علیہم کے ذمہ ہوں گے۔

ولو كان الموقوف داراً فعمارته على من له السكنى ولو متعدداً من ماله لا من الغلة اذ الغرم بالغنم (درمختار ۵۶۸، ۵۶۹)

(۲) اور اگر موقوف علیہم فقیر ہوں یا خرچ نہ دیں اس وقت وقف کے اتنے حصے کو کرایہ پر دیا جائے گا جس سے وقف کی ضروریات پوری ہو سکیں۔

ولو بنى خانا واحتاج إلى المرمة روى عن محمد أنه يعزل منه بيت أو بيتان وتواجر و ينفق من غلتها عليه (بحر ۳۱۹)

(۳) اور اگر غیر آمدنی کے اوقاف کو موقوف علیہم آمدنی کے لئے استعمال کرنا چاہیں تو جائز نہیں، البتہ آمدنی کے اوقاف کو رہائش وغیرہ کے لئے استعمال کیا جا سکتا ہے۔

من له السكنى لا يملك الاستغلال بلا خلاف واختلف في عكسه والراجح الجواز كما حرره الشرنبلالي في رسالة (شامی ۵۶۹/۶)

تعمیر ومرمت: اگر موقوف علیہم کے پاس آمدنی ہو خواہ اسی سے حاصل ہوتی ہو یا اس پر موقوفہ اوقاف سے حاصل ہوتی ہو تو آمدنی کو اگر تعمیر ومرمت کی ضرورت ہو تو اس پر صرف کیا جائے گا، اگر تعمیر ضروری ہے اور تاخیر کی گنجائش نہیں ہے تو سب سے پہلے تعمیر میں استعمال کیا جائے گا، اگر بچے تو ان لوگوں کو دیا جائے گا جن کو نہ دینے میں وقف کا نقصان ہو، اور اگر نہ بچے بلکہ پوری آمدنی تعمیر ومرمت ہی میں ختم ہو جائے تو کسی کو کچھ بھی نہ ملے گا، اور اگر تاخیر کی گنجائش ہے تعمیر میں جو سب سے زیادہ ضروری ہو اس کو مقدم کیا جائے گا بعدہ بقدر کفایت ان لوگوں کو دیا جائے گا جن کو نہ دینے میں وقف کا نقصان ہو، زمانہ تعمیر میں خواہ ضروری ہو یا ضروری نہ ہو بلکہ تاخیر کی گنجائش ہو ان لوگوں کو کچھ نہ ملے گا جن کو نہ دینے میں وقف کا نقصان نہ ہو، ایسے لوگوں پر تعمیر ہر حال میں مقدم رہے گی۔

والحاصل بما تقرر وتحرر انه يبدأ بالتعمير الضروري حتى لو استغرق جميع الغلة صرفت كلها إليه ولا يعطى أحد ولو إماما أو مؤذنا فإن فضل عن التعمير شئ يعطى ما كان أقرب إليه مما في قطعه ضرر بين وكذا لو كان التعمير غير ضروري بأن كان لا يؤدي تركه إلى خراب العين ولو أخر الى غلة السنة القابلة فيقدم الأهم فالأهم ثم من لا يقطع يعطى المشروط له إذا كان قدر كفايته وإلا يزاد أو ينقص وان لم يكن في قطعه ضرر بين قدمت العمارة ليه وإن أمكن تاخيرها إلى غلة العام القابل كما هو مقتضى إطلاق المتون ولا يعطى شئ أصلا (شامی ۵۶۵/۶)

آمدنی نہ ہو تعمیر کی ضرورت ہو:

اگر اوقاف کے پاس آمدنی نہ ہو خواہ اس وجہ سے کہ وہ آمدنی کے اوقاف نہ ہوں اور موقوف علیہم تعمیر ومرمت کا خرچ نہ دیں اپنے فقر کی وجہ سے یا کسی اور وجہ سے، یا وہ آمدنی کے اوقاف ہوں یا ان کی آمدنی کے لئے دوسرے اوقاف ہوں لیکن آمدنی حاصل نہ ہو، یا آمدنی تو ہو لیکن تعمیر ومرمت اس آمدنی سے نہ ہو سکے، تو ایسے اوقاف کا حکم یہ ہے کہ ان اوقاف کو اتنے دن کے لئے کرایہ پر دے دیا جائے گا جتنے دن کی آمدنی سے تعمیر وغیرہ ہو جائے۔ اور اگر کرایہ پر نہ اٹھے یعنی وہ ایسا ہو کہ لوگ اسکو کرایہ پر نہیں لیتے ہیں یا ایسی جگہ ہو جس کی وجہ سے کرایہ نہ ملے تو قرض لے کر تعمیر کی جائے، اور اگر قرض نہ ملے اور نہ ہی کرایہ حاصل ہو تو بعض کو فروخت کر کے بقیہ وقف کو تعمیر کیا جائے، چونکہ اول اجارہ ہے پھر قرض ہے، پھر بیع ہے، اس لئے پہلے اجارہ وقف بعدہ استقراض للوقف اور پھر بیع وقف کو ذکر کیا جائے گا۔

احکام اجارۃ:

جب اوقاف کی تعمیر و مرمت کے لئے اتنی آمدنی نہ ہو جس سے وقف کی تعمیر و مرمت کی جائے تو ایسی صورت میں اوقاف کو اتنی مدت کے لئے جس کے کرایہ سے وقف کی تعمیر و مرمت ہو سکے کرایہ پر دینا جائز ہے، کسی خاص مدت کی تعیین ایسی صورت میں نہیں ہے، البتہ کرایہ پر دینے میں ایسا طریقہ اختیار کیا جائے جس سے وقف ضائع نہ ہو اور مدت اجارہ کے ختم ہونے کے بعد کرایہ دار کو الگ کرنے کا اختیار باقی رہے۔

وفي فتاوى قارى الهداية: إذا لم تحصل عمارة الوقف إلا بذلك يرفع الأمر للحاكم ليؤجره أكثر أي إذا احتيج إلى عمارته من أجرته يؤجره الحاكم مدة طويلة بقدر مايعمر به (شامی ۶/۶۰۶)

چونکہ اوقاف کے اجارہ کی مدت فقہاء متقدمین نے متعین نہیں کی تھی لیکن بعد کے فقہاء نے وقف کو ضائع ہونے سے بچانے کے لئے مدت اجارہ کو متعین کر دیا ہے۔ زراعت کی زمین کے لئے تین سال کی مدت اجارہ اور مکانوں وغیرہ کے لئے ایک سال مدت اجارہ متعین کی گئی ہے، لیکن جب مصلحت کا تقاضا ہو تو ایسی صورت میں کمی بیشی بھی کی جائے گی اور تجدید مدت کی علت وقف کو ضیاع سے بچانا ہے، لہذا اگر بغیر تجدید کے دوسری صورت سے یہ مقصد حاصل ہو جائے تو تجدید لازم نہ ہوگی۔

إن المختار أنه لا يجوز في الدور أكثر من سنة إلا إذا كانت المصلحة في الجواز وفي الضياع يجوز إلى ثلاث سنين إلا إذا كانت المصلحة في عدم الجواز وهذا أمر يختلف باختلاف الزمان والمواضع الخ، وأشار الشارح إلى أنه لا يخالف مافي المتن لأن أصل عدول المتأخرين عن قول المتقدمين بعدم التوقيت إلى التوقيت إنما هو بسبب الخوف على الوقف فإذا كانت المصلحة الزيادة أو النقص اتبعت وهو توفيق حسن (شامی ۶/۶۰۶)

اجرت مقدمہ: جس چیز کو کرایہ پر دے کر کرایہ پیشگی وصول کیا جائے اس کی تین صورتیں ہیں:

ا۔ کرایہ پر دی جانے والی چیز موجود ہو اور کرایہ وصول کر لینے کے بعد شئ مستاجرہ کرایہ دار کے سپرد کرنے کی شرط ہو۔

۲۔ شئ مستاجرہ موجود ہو اور آئندہ کسی تاریخ معینہ پر سپرد کرنے کا معاملہ ہو اور اجرت کو پیشگی ادا کرنا شرط ہو۔

۳۔ شئ مستاجرہ موجود نہ ہو اور اجرت پیشگی وصول کر کے آئندہ کسی تاریخ میں سپرد کرنے کی شرط ہو۔

احکام: پہلی صورت کا حکم یہ ہے کہ پیشگی اجرت وصول کر کے شئ مستاجرہ کو سپرد کر دینا جائز ہے، اور یہ عقد اجارہ لازم و درست ہے۔

أما إذا شرط في تعجيلها ملكت بالشرط وجب تعجيلها الخ (بدائع ۴/۲۰۲)

دوسری صورت یعنی اجرت پیشگی وصول کرنا اور شیٔ مستاجرہ کو آئندہ کسی تاریخ میں سپرد کرنے کی شرط لگانا، اسکو اصطلاح فقہ میں اجارۂ مضافہ کہتے ہیں، اور اس کے حکم میں حضرات علماء کا اختلاف ہے، بعض علماء فرماتے ہیں کہ اجارہ مضافہ لازم ہو جاتا ہے، اور پیشگی اجرت کا وصول کرنا اور اس کی شرط لگانا درست ہے، وصول کرنے کے بعد اجرت کا مالک ہو جائے گا۔ اور بعض علماء یہ فرماتے ہیں کہ یہ اجارہ لازم نہ ہوگا، لہذا وصول کردہ اجرت بحکم قرض ہوگی، اجارہ کے لازم نہ ہونے کی وجہ سے جانبین کو عقد اجارہ کے ختم کرنے کا اختیار ہوگا۔ اقوال مذکورہ میں سے دونوں اقوال کی تصحیح حضرات علماء نے فرمائی ہے لیکن اول کو صحیح اور ثانی کو اصح کہا ہے اور یہی قول مفتی بہ بھی ہے، اور ضرورت کے وقت قول صحیح یعنی لزوم عقد پر فتوی کی گنجائش ہے۔

كما ذكر في الشامية مطلب في لزوم الاجارة المضافة تصحيحان. وقال: قال قاضي خان وذكر شمس الائمة السرخسي إن الاجارة المضافة تكون لازمة في إحدى الروايتين وهو الصحيح.. ويؤخذ برواية الملك هنا للحاجة. قلت وقد ذكر الشارح في أواخر كتاب الإجارة أن رواية عدم اللزوم تأيدت بأن عليها الفتوى اى فتكون أصح التصحيحين لأن لفظ الفتوى في التصحيح أقوى. لكن أنت خبير بأن رواية عدم اللزوم هنا لاتنفع لأنه يثبت للمستاجر الفسخ فيرجع بما عجله من الأجرة وإن قلنا انها تملك بالتعجيل فينبغي هنا ترجيح رواية اللزوم للحاجة نظير ماقاله قاضي خان في رواية الملك (شامی ۶/۷ ۲۰)

تیسری صورت یعنی شیٔ مستاجرہ موجود نہ ہو اور عقد اجارہ کے ذریعہ پیشگی اجرت وصول کر لی جائے اور شیٔ مستاجرہ کو آئندہ کسی تاریخ تک تعمیر وغیرہ کر کے سپرد کرنے کا معاملہ ہو یعنی غیر موجود کا عقد اجارہ۔ اس کے حکم کی صراحت نظر سے نہیں گذری، البتہ اصول سے یہی سمجھ میں آتا ہے کہ غیر موجود کا عقد اجارہ منعقد نہ ہوگا۔ اور وہ کالعدم ہوگا، اجرت بحکم قرض ہوگی اور موجر کو دوسرے سے عقد اجارہ کرنے کا اختیار رہے گا۔ دلیل یہ ہے کہ اجارہ میں معقود علیہ منفعت ہوتی ہے لیکن اس کی جگہ پر اس کے سبب یعنی شیٔ مستاجرہ کو رکھ کر معاملہ درست ہو جاتا ہے، لہذا جب معقود علیہ نہ ہوگا تو عقد اجارہ کس پر منعقد ہوگا۔

اور صاحب بدائع عقد اجارہ ہو جانے کے بعد معقود علیہ کے ہلاک ہو جانے کی صورت میں عقد اجارہ کے بقاء اور عدم بقاء پر گفتگو کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں کہ جو چیز یقین سے ثابت ہو تو اس کی بقاء کے لئے احتمال کا وہم بھی کافی ہے، اور جو چیز یقین سے ثابت نہ ہو تو اس کے ثبوت کے لئے وہم کافی نہیں بلکہ یقین کی ضرورت ہے، لہذا جب معقود علیہ موجود نہ ہو تو صرف وجود کے وہم سے عقد اجارہ کیسے منعقد ہوگا۔

والأصل فيه أن العقد المنعقد بيقين يبقي لتوهم الفائدة لأن الثابت بيقين لا يزال بالشك كما أن غير الثابت بيقين لا يثبت بالشك (بدائع ۴/۱۹۶)

اجارۂ بعض کلفۃ الکل: پورے وقف کی حفاظت کے لئے بعض حصہ کو کرایہ پر دینا، مثلاً پورے قبرستان کی حفاظت کے

لئے اس کے بعض حصہ پر دوکان تعمیر کر دی جائے تو ایسا کرنا جائز ہے۔

الثالث عشرة لو بنى خانا واحتاج إلى المرمة روى عن محمد اله يعزل منه بيت أو بيتان فتواجر و ينفق من غلته عليه (بحر/۲۱۹)

بعض علماء نے وقف کو ظالم کی دست درازی سے بچانے کے لئے اس کی بیع اور اس کے ثمن کو اس کی مثل میں صرف کرنے کا فتوی دیا، لیکن چونکہ اس فتوی سے ضیاع وقف کا اندیشہ تھا اس لئے اسکو فتوی کے لئے اختیار نہیں کیا گیا۔

كما في البحر: وفي الفتاوى قيم وقف خاف من السلطان أو من وارث يغلب على أرض وقف يبيعها و يتصدق بثمنها وكذا كل قيم إذا خاف شيئاً من ذلك له ان يبيعه ويتصدق بثمنها قال الصدر الشهيد والفتوى على انه لا يبيع الخ (بحر/۵/۲۱۷)۔

جب وقف کو ظالم سے بچانے کے لئے بیع کی اجازت تھی تو اجارہ بعض تحکم شرع کے عین مطابق ہے اور شامی وغیرہ میں بھی اجارہ کی اجازت مصرح ہے۔

آمدنی کا حکم: جب وقف کے بعض حصہ پر بغرض حفاظت دوکان تعمیر کر دی جائے تو دوکان سے حاصل ہونے والی آمدنی کا حکم یہ ہے کہ اس وقف کو جتنی ضرورت ہو اتنا تو اس کی ضرورت میں صرف کیا جائے۔ اور جو باقی بچے اس کے مثل دوسرے اوقاف میں صرف کیا جائے۔

يصرف ثمنه إلى حوائج المسجد فإن استغنى عنه هذا المسجد يحول إلى مسجد آخر (بحر/۵/۲۵۲)

قبرستان کی دوکان کی آمدنی:

قبرستان کی حفاظت کی غرض سے جب دوکان تعمیر کی جائے تو اس کی آمدنی کا بھی مصرف وہی ہوگا جو چند صفحہ پہلے گذرا، یعنی جتنی ضرورت ہو اس قبرستان میں صرف کی جائے اور بقیہ کو دوسری قبرستانوں کی حفاظت میں خرچ کیا جائے یہی اولی واحوط ہے۔

رفاہی کاموں میں استعمال:

قبرستان کی زمین پر تعمیر شدہ دوکانوں کی فاضل آمدنی کا اصل مصرف تو دوسرے مقابر کی حفاظت ہے، البتہ علامہ عینی کی قبرستان کے بارے میں ذکر کردہ علت سے معلوم ہوتا ہے کہ دوسرے رفاہی و دینی کاموں میں استعمال کرنا جائز ہے، مثلاً مسجد کی ضروریات میں یا دینی مدارس وغیرہ میں۔

قال الحافظ العيني: فإن قلت هل يجوز أن تبنى المساجد على قبور المسلمين قلت قال ابن القاسم لو أن مقبرة من مقابر المسلمين عفت فبنى قوم عليها مسجدا لم أر بذلك بأسا و ذلك لأن المقابر وقف من أوقاف المسلمين لدفن موتاهم لا يجوز لأحد أن يملكها فإذا

درست واستغني عن الدفن فيها جاز صرفها إلى المسجد لأن المسجد أيضا وقف من أوقاف المسلمين الخ (عمدۃ القاری ۴/۱۷۹)۔

وقف کے لئے قرض، وقف کی ضرورتوں کے لئے قرض لینا جائز ہے۔

شرائط، دو شرطوں کے ساتھ۔ (۱) قاضی (اوقاف کے منتظمین مسلم دیانتدار) کی اجازت ہو، (۲) وقف کو کرایہ پر دے کر اس سے کرایہ حاصل کرنا اور اس کی اجرت کو ضرورتوں میں استعمال کرنا بہت دشوار ہو۔

لا تجوز الاستدانة على الوقف إلا إذا احتيج إليها لمصلحة الوقف كتعمير و شراء بذر فيجوز بشرطين. الأول إذن القاضي. والثاني أن لا تيسر إجارة العين والصرف من أجرتها (درمختار ۶/۶۵۷)

قرض کی شکلیں اور ان کا حکم:

(۱) وقف کے پاس آمدنی ہو اور متولی اپنے پاس سے وقف کی ضرورتوں میں صرف کر دے بغیر منتظم وقف کی اجازت کے، تو اس کا حکم یہ ہے کہ متولی اپنی خرچ کردہ رقم خود سے لے سکتا ہے دیانۃً، البتہ اگر منتظمین سے مطالبہ کرے گا تو گواہوں کے قیام کے بغیر نہ ملے گی۔

إن الناظر إذا أنفق من مال نفسه على عمارة الوقف ليرجع في غلته له الرجوع ديانة لكن لو ادعى ذلك لا يقبل منه بل لا بد أن يشهد أنه أنفق (شامی ۶/۶۵۸)

(۲) وقف میں ٹھیکہ پر تعمیر کروانا۔ مثلاً وقف کے پاس آمدنی نہ ہو اور وقف کو تعمیر کی ضرورت ہو تو متولی یا منتظمین وقف کسی بلڈر سے یہ معاملہ کر لیں کہ اس زمین پر تعمیر کر دو، اس کے عوض میں تم کو اتنی رقم ملے گی۔ یا جو مصارف آئیں گے وہ وقف دے گا اور بطور اجرت کے اتنی رقم مزید ملے گی، یا تعمیر ہو جانے کے بعد اس کا اتنا حصہ آپ کو بطور ملک کے ملے گا، یعنی آپ اتنے حصے کے مالک ہوں گے۔

حکم مذکورہ صورتوں میں تعمیر پر آنے والے مصارف کے بقدر، بلڈر کا وقف مقروض ہوگا اور جتنا خرچ آیا ہے وقف کے ذمہ قرض ہوگا یا متعینہ رقم قرض ہوگی۔

اور معاملہ میں تعمیر کے بعد بعض حصۂ وقف کے اجارہ یا بیع کی شرط لگانا شرط فاسد ہوگی جو قرض میں باطل ہو جاتی ہے، لہٰذا بیع و اجارہ کی شرط غیر معتبر ہوگی۔ اور شرط مذکور کی بنا پر بلڈر کو اجارہ یا بیع کے مطالبہ کا حق نہ ہوگا اور مطالبہ ناجائز و حرام ہوگا۔ ''كل قرض جر نفعا فهو ربا'' (الحدیث) بعض حصہ کو بیع کی شرط کے ساتھ بلڈر سے معاملہ کرنا ناجائز و حرام ہے کیونکہ اس میں بیع وقف ہے جو ناجائز ہے، اور اگر صرف عمارت کی بیع مانی جائے کہ جب تک اس حصہ کی عمارت موجود رہے گی بلڈر کو اس میں ہر طرح کے تصرفات کا حق ہوگا تو اجرت تعمیر مکان کی قبیل سے ہوگی۔

دفع أرضه ليغرس شجرا على أن تكون الأرض والشجر بينهما نصفين لم يجز والشجر لرب الأرض وعليه قيمة الشجر (ہندیہ ۳۳۵)

بیع البعض لبقاء الکل: وقف کے بعض حصہ کو یا کسی وقف پر موقوفہ وقف کو پورے وقف کی حفاظت کے لئے فروخت کرنا جائز ہے۔ یعنی کوئی وقف منہدم ہونے کے قریب ہو یا منہدم ہو گیا ہو یا معطل ہو گیا ہو اور اس کی تعمیر اور اس کی حفاظت کا کوئی طریقہ نہ ہو سوائے بعض حصہ کو فروخت کر کے اس کی قیمت سے تعمیر و تحفظ کیا جائے، نہ اجارہ پر اٹھ سکے نہ قرض مل سکے تو بقدر ضرورت وقف کو فروخت کرنا جائز ہے۔

فی الخيرية إن أمكن عمارة المسجد بغلتها شيئاً فشيئاً ولا يخشى انهدام المسجد يجب عمارته منها وان لم يمكن تباع و يعمر المسجد من ثمنها قال فی التتارخانية نقلا عن فتاوى النسفی سئل عن أهل محلة باعوا وقف المسجد لأجل العمارة قال يجوز بأمر القاضی وغيره . هو موافق للقاعدة المشهورة إذا اجتمع ضرران قدم أخفهما ولا نعلم أحدا من علمائنا خالف فی هذه المسئلة لاسيما الواقف لهما متحدان (فتاویٰ خیریہ ۱۴۹، حاشیہ البحر الرائق ۵/۲۲۰)

بیع البعض لمصالح الوقف: وقف کے بعض حصہ کو، موقوفہ جائداد وغیرہ کو وقف کی مصلحت یعنی توسیع آمدنی میں اضافہ وغیرہ کے لئے فروخت کرنا جائز نہیں۔

قال الرملی أقول قال فی البزازية بيع عقار المسجد لمصلحته لا يجوز (منحة الخالق ۵/۲۲۱)

معطل مقبرہ: وہ قبرستان جو آبادی کے اندر آ گئے ہیں اور ان پر دفن کا سلسلہ موقوف ہو خواہ حکومت کے پابندی لگانے کی وجہ سے یا کسی اور وجہ سے، جب قبرستان میں دفن کا سلسلہ بالکل ختم ہو جائے تو اس کا حکم انقطاع انتفاع بالکلیہ کا حکم ہے، یعنی حضرت امام ابو یوسفؒ کے مفتی بہ قول کے مطابق اس کے بدلہ دوسرا قبرستان قائم کر دیا جائے۔

وعن الثانی ينقل إلى مسجد آخر بإذن القاضی و مثله حشيش المسجد و كذا الرباط إلى أقرب مسجد أو رباط الخ (درمختار ۶/۵۳۹)

اور اگر اس کا بدلنا متعذر ہو تو اس قبرستان میں مسجد و مدرسہ اور دینی تعلیمی و تبلیغی مرکز قائم کر دیے جائیں۔ البتہ تمام قبروں کو برابر کر دیا جائے اور ان کو کھودا نہ جائے، اور بنیاد کی کھدائی میں جو ہڈیاں وغیرہ نکلیں ان کو احترام سے کسی جگہ دفن کر دے، اور مقبرہ کی زمین پر بیت الخلاء، استنجا خانہ وغیرہ اگر قبریں نئی ہوں تو قائم نہ کیا جائے۔

فی العمدة أن المقابر وقف من أوقاف المسلمين، والمسجد أيضا وقف من أوقاف المسلمين (عمدۃ ۵/۱۷۹) وحمل النهی على الجلوس لقضاء الحاجة يراد به نهی التحريم وما ذكره غيره من كراهة الوطأ الخ، يراد به كراهة التنزيه فی غير قضاء الحاجة وتنتفی الكراهة مطلقا إذا كان الجلوس للقراءة الخ (شامی ۱/۶۰۶)

قبرستان کی مسجد:

مقبرہ میں جو مسجد موجود ہے اس کی دو قسمیں ہیں: (۱) وہ زمین قبرستان کی ہو بعد میں ضرورتاً مسجد تعمیر کر لی

لئے دوسرے اوقاف کی طرح قاضی کا فیصلہ ضروری نہیں، اور امام محمدؒ کے نزدیک تسلیم الی المتولی کی شرط نہیں ہے اور امام ابو یوسفؒ کے یہاں شیوع مانع مسجدیت ہے جب کہ دوسرے اوقاف میں شیوع مانع وقف نہیں، اس لئے ہم مسجد کے احکام کو الگ ذکر کر رہے ہیں۔

اعلم أن المسجد يخالف سائر الأوقاف في عدم اشتراط التسليم إلى المتولي عند محمد وفي منع الشيوع عند أبي يوسف وفي خروجه عن ملك الواقف عند الإمام وإن لم يحكم به حاكم كما في الدرر وغيره (شامی ۴/۵۴۴)

سب سے پہلے مسجد ہونے کی شرائط ذکر کی جائیں گی کہ مسجد ہونے کے لئے کیا شرطیں ہیں اور جہاں اختلاف ہے وہاں قول مفتی بہ کیا ہے۔

شرائط:

۱۔ مسجد ہونے کے لئے تمام علماء کے نزدیک سب سے پہلی شرط یہ ہے کہ بانی مسجد حصہ مسجد کو اپنی ملکیت کی دوسری زمینوں سے بالکل الگ کر دے اور حدود مسجد کی حد بندی کر دے کیونکہ اگر کسی نے اپنے حصہ زمین یا مکان کو مسجد بنایا اور حد بندی نہ کی جس کی وجہ سے مسجد کا حصہ اس کی اور زمینوں سے الگ و ممتاز نہ ہو تو مسجد نہ بنے گی۔

لأن المسجد لو كان مشاعا لا يصح إجماعا (شامی ۴/۵۴۵)

۲۔ حضرات طرفین کے نزدیک دوسری شرط یہ ہے کہ جس حصہ کو مسجد کے لئے وقف کرے اس میں نماز ادا کر لی جائے کیونکہ حضرات طرفین کے نزدیک وقف کو متولی کے حوالہ کر دینا ضروری ہے اور وقف مسجد میں نماز ادا کر لینا تسلیم الی المتولی کے قائم مقام ہے۔

فأما الصلوة فيه فلأنه لا بد من التسليم عند أبي حنيفةؒ و محمد فيشترط تسليم نوعه و ذلك في المسجد بالصلاة فيه أو لأنه لما تعذر القبض يقام تحقق المقصود مقامه (بحر ۵/۲۴۸)

البتہ ایک شخص کا نماز ادا کر لینا کافی ہے یا اذان و جماعت کے ساتھ نماز کا ادا کرنا مسجد ہونے کے لئے ضروری ہے، اس میں دو روایتیں ہیں اور دونوں ظاہر الروایہ ہیں:

۱۔ حضرات طرفین نے مسجد ہونے کے لئے نماز باجماعت کی شرط لگائی ہے۔

شرط الإمام و محمد الصلوة بجماعة (درمختار/۵۴۵، ۵۴۶)

اشتراط الجماعة لأنها مقصودة من المسجد ولذا شرط أن تكون جهرا بأذان و إقامة وإلا لم يصر مسجدا قال الزيلعي وهذه الرواية الصحيحة. إلى قوله و صححه في الخانية أيضا و عنه اقتصر في كافي الحاكم فهو ظاهر الرواية أيضا (شامی ۴/۵۴۶)

۲۔ حضرات طرفین کی دوسری روایت یہ ہے کہ نماز باجماعت مسجد ہونے کے لئے ضروری نہیں بلکہ واقف مسجد کے علاوہ کسی ایک شخص کا نماز ادا کر لینا کافی ہے۔

وقيل يكفي واحد و جعله في الخانية ظاهر الرواية (درمختار ۶/۵۳۶)

في الحاشية وعليه المتون كالكنز والملتقى و غيرهما.

ولو صلى الواقف وحده فالصحيح انه لا يكفي. لأن الصلوة انما تشترط لأجل القبض للعامة و قبضه لنفسه لا يكفي فكذا صلاته فتح واسعاف (شامی ۶/۵۳۶)

نوٹ: مسجد کے لئے وقف کردہ زمین میں اگر نماز ادا کی جائے بلکہ وہ زمین متولی کے حوالے کردی جائے تو کیا وہ زمین مسجد ہو جائے گی یا نہیں اس مسئلہ میں بھی حضرات علماء سے دو روایتیں منقول ہیں:

ا۔ اگر مسجد کے لئے وقف کردہ زمین متولی یا عامۃ المسلمین کے قبضہ میں دے دی جائے تو اس زمین کے مسجد ہونے کے لئے نماز کی ادائیگی ضروری نہیں بلکہ متولی کے حوالے کردینے سے مسجد بن گئی اور اسی روایت کو اکثر علماء نے ترجیح دیا ہے۔

علمت انه بالتسليم إلى المتولي يكون مسجدا دونها. اى دون الصلاة هذا هو الأصح كما في الزيلعي وغيره وفي الفتح وهو الاوجه لان بالتسليم إليه يحصل تمام التسليم اليه تعالى و كذا لو سلمه إلى القاضي أو نائبه كما في الأسعاف (شامی ۶/۵۴۹)۔

دوسری روایت یہ ہے کہ مسجد کے لئے وقف کردہ زمین متولی یا عامۃ المسلمین کے سپرد کرنے سے مسجد نہ بنے گی بلکہ اس کے مسجد ہونے کے لئے نماز کا ادا کرنا شرط ہے۔

كما في الشامية: وقيل لا واختاره السرخسي (شامی ۶/۵۴۹)

حضرت امام ابو یوسفؒ کے نزدیک مسجد کے لئے زمین الگ کرنے کے بعد صرف اتنا کہنے سے بھی مسجد ہو جائے گی کہ میں نے اسکو مسجد بنایا۔ ان کے نزدیک نہ تو نماز کی ادائیگی مسجد ہونے کے لئے شرط ہے اور نہ ہی متولی و عامۃ المسلمین کے سپرد کرنا ضروری ہے۔ صرف اتنا کہہ کر زمین کو الگ کردینے سے مسجد ہو جائے گی۔

وبقوله جعلته مسجداً عند الثاني (درمختار ۶/۵۴۵)

قول راجح: حضرت امام ابو یوسف کا قول راجح ہے لہذا کسی زمین کے مسجد ہونے کے لئے نماز کی ادائیگی یا تسلیم الی المتولی و عامۃ المسلمین ضروری نہیں بلکہ صرف مسجد کی حد بندی کردینے سے مسجد ہو جائے گی۔

قدم في التنوير والدرر والوقاية وغيرها قول أبي يوسفؒ و علمت أرجحيته في الوقف والقضاء (شامی ۶/۵۴۹)

عید گاہ و جنازہ گاہ: عید گاہ اور جنازہ گاہ کے سلسلے میں علماء کے مختلف اقوال ہیں جن کو مختصر طور پر ذکر کیا جا رہا ہے۔

جنازہ گاہ: جنازہ کی نماز پڑھنے کے لئے اگر کوئی شخص زمین وقف کردے تو اس کا حکم مسجد کا حکم ہے، واقف کی ملکیت سے نکل جائے گی جس کی وجہ سے اس کی بیع اور اس کی وراثت کوئی چیز نافذ نہیں ہوگی۔

فی الدر: ویزول ملکہ عن المسجد والمصلی قولہ والمصلی شمل مصلی الجنازۃ و مصلی العید قال بعضھم یکون مسجدا حتی إذا مات لا یورث عنہ وقال بعضھم ھذا فی مصلی الجنازۃ (شامی ۶/۵۴۵)

عیدگاہ:

عیدگاہ کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے کہ عیدگاہ کے لئے اگر کوئی شخص زمین وقف کرے تو وہ واقف کی ملکیت سے نکلے گی یا نہیں اس کے احکام میں چند اقوال ہیں:

ا۔ بعض لوگوں نے کہا کہ واقف کی ملکیت سے نکل جائے گی، اور اس پر مسجد کے احکام جاری ہوں گے۔ اس میں نہ تو وراثت جاری ہوگی اور نہ ہی اس کی بیع جائز ہوگی اور اس میں حائضہ ونفساء کا دخول بھی حرام ہوگا اور یہ مسجد ہوگی۔

۲۔ اور بعض لوگوں نے یہ کہا کہ عیدگاہ کو مسجد کا حکم بالکل نہیں دیا جائے گا، البتہ امام کی اقتداء کے سلسلہ میں مسجد کے حکم میں ہوگی کہ اگر عید کی نماز میں عیدگاہ کے باہر کوئی شخص امام کی اقتداء کرلے اور صفوں کے اور مقتدی کے درمیان اگرچہ فصل ہو اقتداء درست ہوجائے گی اور باہر سے اقتداء کرنے والے کی نماز صحیح ہوجائے گی۔

أما مصلی العید لا یکون مسجدا مطلقا وإنما یعطی لہ حکم المسجد فی صحۃ الاقتداء بالإمام وإن کان منفصلا عن الصفوف وفیما سوی ذلک فلیس لہ حکم المسجد (شامی ۶/۵۴۵)

وقال بعضھم یکون مسجدا حال أداء الصلوۃ لا غیر وھو والجبانۃ سواء (شامی ۶/۵۴۵)

حکم: اس اختلاف کی بناء پر حضرات علماء نے فرمایا کہ مسجد کا حکم احتیاطا دیا جائے گا کہ اس سے جنبی اور حائضہ کو دور رکھا جائے گا۔

ویجنب ھذا المکان عما یجنب عنہ المساجد احتیاطا الخ (خانیۃ واسعاف) (شامی ۶/۵۴۵)

قول راجح: علامہ شامی فرماتے ہیں کہ قول اول یعنی عیدگاہ اور جنازہ گاہ کا مسجد ہونا راجح ہے کیونکہ قاضی خان قول اشہر کو مقدم رکھتے ہیں اور قول اول مسجد ہونے کا ہے۔

والظاھر ترجیح الأول لأنہ فی الخانیۃ یقدم الأشھر (شامی ۶/۵۴۵)

☆☆☆

جب تک اپنے مناسب حال پر ہیں اور واقف کے مقصد وشرط کے مطابق فائدہ دے رہے ہیں، خواہ کم ہو یا زیادہ اور کام آ رہے ہیں تو ان سے تعرض اور ان میں تصرف ایک بیجا عمل ہے۔ لیکن جب ان کی صورت حال یہ ہو جائے کہ وہ مقصد کے مطابق کام بالکل بند کر دیں، یا برائے نام ان کا کام رہ جائے، جس کے مختلف اسباب ہو سکتے ہیں، اور حالت یہ ہو جائے کہ موجودہ صورت حال کے باقی رہتے ہوئے کچھ کرنا، اور ان سے کسی طرح کا انتفاع یا مناسب انتفاع ممکن و متصور نہ ہو تو ان کے کام کو جاری رکھنے و کرنے کے لئے کوئی مناسب شکل و اقدام کا اختیار کرنا، تا کہ وقف اور اس کا مقصد زندہ وتابندہ رہے، اس کا کیا حکم ہے؟

اس کے تحت کئی صورتیں آتی ہیں:

۱۔ معطل و بیکار وقف کے حق میں تصرف، ۲۔ بکار آمد مگر ناقص کے حق میں اور مزید آمدنی کے لئے تصرف، ۳۔ مصارف میں توسیع واقف کی طے شدہ صورتوں و مواقع میں وسعت و اضافہ کر کے، جیسے ایک مقصد کے لئے وقف زمین کا دوسرے کسی مقصد میں بھی استعمال کرنا، یا آمدنی کا دوسرے مقاصد میں صرف کرنا۔

فقہاء کی تصریحات جہاں وقف کی اس حیثیت کو واضح و نمایاں کرتی ہیں جس کا تذکرہ پیچھے کیا گیا ہے، وہیں ان سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ایسی صورت حال میں مناسب اقدام و انتظام کی اجازت ہے۔ اور یہی بات معقول بھی ہے اس لئے کہ وقف کی حفاظت اور اس کے لئے مناسب تدابیر اختیار کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اس اقدام و انتظام میں وقف کی جگہ کا تبادلہ، جگہ کے بدلے جگہ کا معاملہ کر کے یا خرید و فروخت کے ذریعہ، یہ سب شامل ہے، فقہاء نے صراحۃً اس کی اجازت دی ہے، اسی طرح زائد جگہ و آمدنی کو ان دوسرے مواقع و مصارف میں استعمال کرنا جن پر وقف کیا جاتا ہے اور جو عامۃ المسلمین و اسلام کے مصالح سے تعلق رکھتے ہیں، اس کی بھی ضرورت میں اجازت ہے، ضرورت یہ بھی ہو سکتی ہے کہ جگہ بالکل خالی پڑی ہے، نہ اب تک اصل مصرف میں لگی نہ آئندہ عرصہ دراز تک متوقع ہے۔ اور یہ بھی کہ جگہ تو خالی نہیں پڑی، کسی شکل میں مستعمل ہے یا آئندہ جلد نوبت آ سکتی ہے مگر دوسری ضرورت در پیش ہے جو اہم ہے، جیسے مسجد کی فاضل و زائد زمین پر مدرسہ قائم کرنا، یا قبرستان کی زمین پر مسجد یا مدرسہ کی تعمیر۔

کبھی آمدنی مصارف و مقاصد سے فاضل ہی نہیں بلکہ بہت زیادہ ہوتی ہے کہ جس کی طویل عرصہ تک حفاظت مسئلہ ہوتی ہے، نہ تو یہ سوچا جا سکتا ہے کہ شیٔ موقوف کی کسی ضرورت میں اس کو جلد کام میں لیا جا سکے گا اور نہ کسی جگہ کسی صورت میں رکھنے پر اطمینان کیا جا سکتا ہے، نہ عوام نہ حکام، کسی کی طرف سے اطمینان نہیں ہوتا، اور دوسری طرف اسی قبیل کے اوقاف مصارف کے محتاج ہوتے ہیں اور ان کے لئے مناسب آمدنی نہیں پائی جاتی، یا دوسرے دینی و ملی کام متقاضی ہوتے ہیں کہ ان کی طرف توجہ کی جائے۔

متدین اور قابل اعتماد متولیان و ذمہ داران اگر ضرورت کا احساس کر کے اس طرح کا کوئی اقدام کریں اور کوئی صورت اختیار کریں تو قدیم فقہاء اور ماضی قریب و حال کے بعض فقہاء کی صراحتوں کے مطابق اس کی بھی گنجائش معلوم ہوتی ہے جب کہ مقصد بیجا تصرف و استعمال نہیں بلکہ بیجا دست برد سے بچانا، اور واقف کے مقاصد کی حفاظت

کے ساتھ ان کو وسعت دے اور اس طرح ان کے لئے ذخیرہ آخرت اور ثواب کا باعث مقصود ہو۔

ذیل میں فقہ حنفی کی کچھ عبارات وقف کی ذکر کی جا رہی ہیں جن کی روشنی میں احقر نے یہ بات قائم کی ہے۔

وقف کے احکام:

الاصح انه عنده جائز غير لازم كالعارية و عندهما هو حبسها على حكم ملك الله تعالى وصرف منفعتها على من احب ۔ وعليه الفتوى (درمختار ۳/۳۳۸،۳۳۹)

صحیح یہ ہے کہ وقف امام صاحب کے نزدیک جائز تو ہے مگر لازم نہیں جیسے عاریت، اور صاحبین کے نزدیک وقف شی موقوف کو اللہ کی ملک میں کر دینا ہے اور اس کی منفعت کو جہاں چاہے وہاں خرچ کرنا اور فتویٰ اسی قول پر ہے (یعنی صاحبین کے قول پر)۔

في الدرر: الصحيح ان التأبيد شرط اتفاقا لكن ذكره ليس بشرط عند ابي يوسف و عند محمد لابد ان ينص عليه ۔ واما التأبيد معنى فشرط اتفاقا على الصحيح و قد نص عليه محققو المشائخ (شامی ۳/۳۴۹)

صحیح یہ ہے کہ وقف میں تابید کا ہونا حضرات صاحبین کے نزدیک شرط ہے ہاں صراحت کرنے میں دونوں کے درمیان اختلاف ہے مگر معنی اس پر دونوں متفق ہیں۔

فاذا تم لا يملك ولا يملك ولا يعار ولا يرهن (درمختار ۳/۳۵۱)

وقف جب صحیح و مکمل ہو جائے تو نہ اس کا کوئی مالک رہ جائے گا اور نہ کسی کو اس کا مالک بنایا جا سکے گا، نہ اس کو عاریت میں دیا جا سکتا ہے اور نہ رہن میں۔

وقف کی حفاظت اور تعمیر و مرمت:

ويبدأ من غلته بعمارته ثم ما هو اقرب لعمارته كامام مسجد و مدرس مدرسة يعطون بقدر كفايتهم ثم السراج و البساط كذلك الى آخر المصالح ۔ وان لم يشرطه الواقف ۔ و تقطع الجهات للعمارة ان لم يخف ضرر (درمختار ۳/۳۶۷-۳۶۸)

اور وقف کی آمدنی کو پہلے موقوف کی تعمیر میں لگائیں گے، پھر جو چیز اس قبیل کی ہو جیسے مسجد کا امام اور مدرسہ کا مدرس وغیرہ ان کو بقدر ضرورت دیا جائے گا، پھر روشنی اور فرش کے انتظام پر خواہ واقف نے شرط میں ذکر کیا ہو یا نہیں، اور تعمیر کی ضرورت کی وجہ سے مذکورہ چیزوں (مثلاً شامیانہ) پر خرچ کو ترک دیں گے (بشرطیکہ کوئی اہم نقصان نہ ہو)۔

حتی کہ وقف اگر تعمیر و مرمت کا محتاج ہو تو لکھا ہے کہ یہ معاملہ بھی ہو سکتا ہے کہ کسی کے سپرد مال موقوفہ کو کر دیں کہ وہ اپنے خرچ سے بقدر ضرورت اس کی تعمیر و مرمت کر دے اور پھر اس کی آمدنی سے اس پیسے کو وصول کرتا رہے۔

اور اگر وقف کسی معین شخص پر ہے اور تعمیر کی ضرورت ہے اور آمدنی کی کوئی صورت نہیں ہے تو جس کے لئے

وقف ہے وہ اپنے ذاتی سرمایہ سے تعمیر کرائے (شامی ۴/۳۶۷)۔

جو عمارت محض سکونت ورہائش کے لئے وقف کی گئی ہو تو جن لوگوں کے لئے ہے وہ اپنے مال سے اس کا کام کرائیں، اور اگر وہ اس پر راضی نہ ہوں یا وسعت نہ رکھتے ہوں تو حاکم اس کو کرائے پر دے کر اس کی تعمیر ومرمت کا کوئی انتظام بنائے اور بعد میں اس کو مستحقین کے سپرد کرے (درمختار ۴/۳۷۳)

علامہ شامی نے کافی گفتگو کے بعد اخیر میں فرمایا ہے:

والحاصل لما تقرر و تحرر انه يبدأ بالتعمير الضروري حتى لو استغرق جميع الغلة صرفت كلها اليه ولا يعطى أحد ولو إماما ومؤذنا فإن فضل عن التعمير شيء يعطى ما كان أقرب اليه مما في قطعه ضرر بين وكذا لو كان التعمير غير ضروري بأن كان لا يؤدي تركه إلى خراب العين (شامی ۴/۳۷۰)

اورسابق تمام گفتگو کا حاصل یہ ہے کہ آمدنی کو ضروری تعمیر میں پہلے لگایا جائے حتی کہ اگر ضروری تعمیر ساری آمدنی کھا جائے تو سب لگادیں گے اور کسی کو نہ دیں گے نہ امام کو نہ مؤذن کو، جب بچے گا تو قریبی مواقع میں صرف کیا جائے گا کہ جہاں صرف نہ کرنے میں کھلا ہوا نقصان ہو، اسی طرح جو تعمیر ضروری نہ ہو اس میں صرف نہیں کریں گے مثلاً وہ حصہ کہ جس کو چھوڑ دیں تو اس کی وجہ سے پورا وقف خراب وبرباد نہ ہو۔

وقف کا تبادلہ:

اعلم ان الاستبدال على ثلاثة وجوه، الأول: أن يشرطه الواقف لنفسه أو لغيره أو لنفسه وغيره فالاستبدال فيه جائز على الصحيح وقيل اتفاقا۔

والثاني: أن لا يشرطه سواء شرط عدمه أو سكت لكن صار بحيث لا ينتفع بالكلية بأن لا يحصل منه شيء أصلا أو لا يفي بمؤنته فهو أيضا جائز على الأصح إذا كان بإذن القاضي ورأيه المصلحة فيه۔

والثالث: أن لا يشرطه أيضا ولكن فيه نفع في الجملة وبدله خير منه ريعا و نفعا وهذا لا يجوز استبداله على الأصح المختار (شامی ۴/۳۸۴)

استبدال کی تین صورتیں ہیں: پہلی یہ کہ واقف اس کی اپنے لئے یا غیر کے لئے یا اپنے اور غیر دونوں کے لئے شرط لگائے تو قول صحیح پر، بلکہ کہا جاتا ہے کہ بالاتفاق جائز ہے۔

دوسری یہ کہ شرط نہ لگائے خواہ خاموش رہے یا یہ کہ منع کی شرط لگائے، اور وقف کا حال یہ ہو جائے کہ اس سے کسی طرح فائدہ نہ اٹھایا جاسکے، یا یہ کہ اس کی ضروریات پوری نہ ہوتی ہوں تو بھی استبدال قول اصح پر جائز ہے۔ بشرطیکہ قاضی مصلحت سمجھے اور اجازت دے۔

تیسری صورت یہ ہے کہ شرط تو نہیں، اور نہ ہی وقف معطل وبیکار ہے بلکہ نفع بخش ہے اور تبادلہ وبدلہ میں

بحر میں لکھا ہوا درج ہے تو قول صحیح پر استبدال جائز نہیں ہے۔

اس سلسلہ کی شرطوں کی بابت گفتگو کرتے ہوئے شامی فرماتے ہیں:

لا يخفى ان هذه الشروط فيما لم يشترط الواقف استبداله لنفسه او غيره فلو شرطه لا يلزم خروجه عن الانتفاع ولا مباشرة القاضي له ولا عدم ريع يعمر به كما لا يخفى فاغتنم هذا التحرير (شامی ۳/ ۳۸۶، ۳۸۷)

مخفی نہ رہے کہ یہ شرطیں اس وقت ہیں جب کہ واقف استبدال کی شرط نہ لگائے، اور اگر اس کی طرف سے اس شرط کی صراحت ہے تو جواز کے لئے یہ ضروری نہیں ہے کہ وقف انتفاع سے نکل جائے اور نہ قاضی کی اجازت اور نہ آمدنی نہ ہونے کی کہ جس سے اس کو آباد کیا جا سکے۔

ایک موقع پر شامی نے وقف کے اندر اس انداز کے بعض تصرفات کے لئے لکھا ہے کہ ذمہ دار محلہ کے اہل صلاح مسلمانوں سے مشورہ کر کے کر سکتا ہے (شامی ۳/ ۳۶۰)

شامی نے علامہ البیری سے نقل کیا ہے: فتح القدیر میں آیا ہے کہ استبدال یا تو استبدال کی شرط کی وجہ سے اور اس کے بعد ہوگا یا اس کے بغیر ہوگا تو وقف کے انتفاع کی حد سے نکل جانے کی وجہ سے ہوگا، تو اس میں اختلاف نہیں کیا جا سکتا کہ یہ جائز و درست ہے۔ اور اگر نہ تو شرط استبدال موجود ہے اور نہ ہی یہ بات کہ وقف سے انتفاع باقی نہ رہ جائے بلکہ بات صرف یہ ہے کہ اس سے اچھی آمدنی کی جگہ دوسری اس کے بدلے میں مل رہی ہے تو اس کو جائز نہ ہونا چاہئے اس لئے کہ وقف کا اپنے حال پر باقی رہنا ضروری ہے، تبادلہ کے لئے دو ہی ہو سکتے ہیں: ایک شرط، دوسرے ضرورت، اور یہاں دونوں میں سے کوئی موجود نہیں ہے اس لئے کہ زیادتی ضروری نہیں ہے، اصل کو باقی و محفوظ رہنا چاہئے (شامی ۳/ ۳۸۸)

جو وقف زیادہ کارآمد ہو، محض احسن و انفع حاصل کرنے کی بات ہو تو اس کو عموماً منع لکھا ہے۔ مگر بعض حضرات نے بشرط مصلحت اس کی گنجائش ذکر کی ہے اس بابت قاری الہدایہ کا قول معروف ہے (شامی ۳/ ۳۸۷، ۳۸۸)

ایک وقف اور آمدنی کا دوسری جگہ صرف:

پچھلے نمبر کے تحت شامی کی جو عبارت ذکر کی گئی ہے اس میں اصل شیٔ موقوف کے نقل کرنے کے ساتھ اس کے اجزاء و ٹوٹ پھوٹ کو دوسری جگہ استعمال کرنے و منتقل کرنے کی بات زیر بحث آئی ہے۔ شامی کی نقل کے مطابق بہت سے حضرات نے اس کا فتویٰ دیا ہے۔ در مختار وغیرہ کی عبارت ہے:

ولو خرب ما حوله و استغنى عنه يبقى مسجداً عند الإمام والثاني ابدا إلى قيام الساعة وبه يفتى.... وعن الثاني ينقل إلى مسجد آخر باذن القاضي و مثله... حشيش المسجد وحصيره مع الاستغناء عنهما وكذا الرباط والبئر إذا لم ينتفع بهما فيصرف وقف المسجد

والرباط والبئر والحوض إلى أقرب مسجد أو رباط أو بئر أو حوض إليه، تفريع على قولهما (در مختار ۴/۳۵۸، ۳۵۹)

مسجد کا اطراف اگر غیر آباد ہو جائے اور مسجد سے بے نیازی ہو جائے تو بھی وہ حضرات شیخین کے نزدیک ہمیشہ کے لئے مسجد رہتی ہے، اور اسی پر فتویٰ ہے۔ اور امام ابو یوسف کا قول ہے کہ اس کا سامان دوسری مسجد میں منتقل کر دیا جائے جب کہ قاضی کی اجازت ہو، اسی طرح حکم گھاس وچٹائی کا بھی ہے۔ اور سرائے وکنواں وغیرہ جب کہ بیکار ہو جائے تو ان سب کا وقف قریب کی مسجد یا سرائے یا کنویں وغیرہ میں صرف کیا جائے اور لگایا جائے گا۔

شامی نے لکھا ہے کہ "اسعاف" میں امام ابو یوسف کی دوسری روایت کو ہی اختیار کیا گیا ہے اور اسی کے مطابق خانیہ وغیرہ میں فتاویٰ آئے ہیں (شامی ۴/۳۵۹)۔

فقہاء نے صراحت کی ہے کہ وقف کو تبدیل کرنا اس وقت درست ہے جب کہ ویران ہو جائے اور لائق انتفاع نہ رہ جائے خواہ زمین ہو یا عمارت، اور ذخیرہ میں بحوالہ منتقی امام محمد کا قول نقل کیا ہے کہ جب وقف مساکین کے لئے نفع بخش نہ رہ جائے تو قاضی اس کو بیچ کر اس کی جگہ دوسری (زمین ومکان) خریدے، قاضی کے علاوہ کسی کو یہ حق نہیں ہے۔

شامی نے اس بابت بعض مسائل کی تفصیل کے ضمن میں کہا ہے:

باع النقض بموضعين: عند تعذر عوده و عند خوف هلاكه. (بحر) (شامی ۴/۳۷۷)

وقف کی ٹوٹ پھوٹ وغیرہ کا بیچنا دو صورتوں میں درست ہے، ایک تو یہ کہ اب اس کا استعمال نہ ہو سکتا ہو، دوسرے ضیاع کا اندیشہ ہو۔

اتحد الواقف والجهة وقل مرسوم الموقوف عليه بسبب خراب وقف أحدهما جاز للحاكم أن يصرف من فاضل الوقف الآخر عليه لأنهما حينئذ كشئ واحد و إن اختلف أحدهما بأن بنى رجلان مسجدين أو رجل مسجدا و مدرسة و وقف عليهما أوقافا لا يجوز ذلك (درمختار ۴/۳۶۰)۔

اگر دو وقف ہیں اور واقف اور جہت وقف ایک ہے اور ایک کی آمدنی کم ہو گئی تو حاکم دوسرے وقف کی زائد آمدنی کو اس پر خرچ کرے، اس لئے کہ دونوں کی حیثیت ایک ہے۔ اور اگر واقف دو ہیں یا ایک مگر جہت دو، کہ ایک مسجد ایک مدرسہ تو ایک کے وقف کا دوسرے کے لئے استعمال درست نہیں ہے۔

نقل في البحر عن الولوالجية: مسجد له أوقاف مختلفة لا بأس للقيم أن يخلط غلتها كلها وإن خرب حانوت منها فلا بأس بعمارته من غلة حانوت آخر لأن الكل للمسجد ولو كان مختلفا لأن المعنى يجمعهما (شامی ۴/۳۶۱)۔

ولوالجیہ میں آیا ہے کہ کسی مسجد کے اگر کئی اوقاف ہوں تو نگراں سب کی آمدنی کو باہم ملا سکتا ہے، اور اگر

اس کی کوئی دوکان بیکار ہو جائے تو دوسری دوکان کی آمدنی سے اس کی تعمیر میں کوئی حرج نہیں ہے اس لئے کہ سب مسجد کے لئے ہے، الگ ہونے کے باوجود دونوں میں ایک اتحاد واجتماع ہے۔

فتاوی تاتارخانیہ میں فقیہ ابو اللیث کا فتوی نقل کیا ہے کہ اگر کسی سرائے تک پہونچنے کے لئے کوئی پل استعمال کیا جاتا ہو اور اس کے بغیر اس کے انتفاع اور اس تک پہونچنا ممکن نہ ہو اور وہ پل ٹوٹ جائے تو سرائے کی آمدنی سے اس پل کو بنایا جاسکتا ہے (تاتارخانیہ ۵/۸۷۷)۔

اسی طرح فقراء پر وقف کی آمدنی وقتی کار خیر میں صرف کی جاسکتی ہے، حتی کہ اس کی وجہ سے وقف کی مرمت وغیرہ موخر کی جاسکتی ہے اگر زیادہ نقصان نہ ہو ورنہ فاضل کو صرف کرسکتے ہیں، اسی طرح دیگر اوقاف میں گنجائش ہے، مگر جنس و نوع کا خیال رکھا جائے (تاتارخانیہ ۵/۸۷۸) اس طرح دیگر بعض حضرات سے مسجد کے اوقاف کی آمدنی کے علاوہ دوسرے اوقاف کی آمدنی کو دوسرے مصارف میں لگانے کی اجازت آئی ہے (۵/۸۹۱، ۸۸۰) لیکن امام ابو القاسم سے مسجد کے اوقاف کی آمدنی کو بالخصوص مسجد کے استغناء وغیرہ کی صورت میں فقراء پر صرف کرنے کی اجازت نقل کی گئی ہے (۵/۸۵۳، ۸۵۲)۔

یہ بعض فقہاء احناف کے اقوال و فتاوی ہیں جو قول ضعیف کی حیثیت رکھتے ہیں جن پر ضرورتاً عمل کی اجازت دیدی جاتی ہے۔

وقف کے طویل اجارے واستفادے کے بعض نظائر:

فقہ حنفی کی کتابوں میں ایسی کئی صورتیں ملتی ہیں جن میں وقف سے مستفید ہونے والا خاص حالات و انداز میں وقف پر خرچ کے بعد ایک طویل مدت تک اس سے استفادہ کا حق رکھتا ہے، اگرچہ ان صورتوں میں یہ حکم اتفاقی نہ ہو لیکن بہرحال اس کو ذکر کیا گیا ہے اور اس کو بہت سے حضرات نے اختیار بھی کیا ہے، اور ان کے لئے اصطلاحات متعین و مستعمل کی گئی ہیں، مثلاً:

۱۔ مرصد: جس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ ایک وقف جائداد محتاج تعمیر و مرمت ہوتی ہے اور کوئی سرمایہ اس کے لئے نہیں ہوتا تو ایک آدمی اپنا سرمایہ لگا کر اس سے استفادہ کو تیار ہوتا ہے اور اس کی وجہ سے وہ بہت معمولی کرایہ دیتا ہے، اور یہ سلسلہ اس وقت تک چلتا ہے جب تک کہ مدت پوری کرکے یا اوقاف کے ذمہ داروں کی طرف سے رقم ادا کرکے حساب نہ ہوجائے۔

۲۔ خلو الحوانیت: یعنی پگڑی کا تذکرہ بھی ان کتابوں میں اسی ضمن میں اور اوقاف کے اجارہ و استفادہ میں آیا ہے۔

۳۔ الحکر والقاطعہ: وقف زمین کی مالیت کے برابر رقم ادا کرنے کے بعد ماہانہ ایک کرایہ دے کر اس سے استفادہ، خود دینے والا ہے یا دوسرا۔ اس کرایہ میں رد و بدل بھی ہوتا رہتا ہے۔

۴۔ الکدک: وقف دوکان یا مکان میں ضرورت کے مطابق اپنے سرمایہ سے تعمیر اور پھر اس کے مطابق اس

سے مستقل یا طویل مدت تک استفادہ۔

ان سب صورتوں میں ملکیت نہیں ثابت ہوتی مگر حق استفادہ مستقل یا طویل مدت کے لئے مانا جاتا ہے اور کرایہ بھی ادا کیا جاتا ہے جو معمولاً روائی کرایہ (اجرت مثل) سے کم ہوتا ہے۔

۵۔ کھیتی وغیرہ کی زمین میں بھی اس انداز کی محنت و خرچ کر کے یہ حق حاصل کیا جاتا ہے، شامی میں ان مسائل کا تذکرہ مختلف مواقع میں آیا ہے مثلاً (۲۶،۲۵/۶ ـ ۴، ۳۶۷/۴، ۳۹۱، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۴ وغیرہ۔ الفقہ الاسلامی ۲۲۸/۸ حاشیہ)۔

فقہ حنبلی کے بعض توسعات:

إن الوقف إذا خرب و تعطلت منافعه كدار انهدمت أو أرض خربت و عادت مواتا ولم تمكن عمارتها... ولا عمارة بعضه إلا ببيع بعضه جاز بيع بعضه لتعمير به بقيته وإن لم يمكن الانتفاع بشئ منه بيع جميعه، قال أحمد في رواية أبي داؤد: إذا كان في المسجد خشبتان لهما قيمة جاز بيعهما و صرف ثمنهما عليه..... لأن فيما ذكرنا استبقاء الوقف بمعناه عند تعذر إبقائه بصورته فوجب ذلك.... وظاهر كلام الخرقي أن الوقف إذا بيع فأى شئ اشترى بثمنه مما يرد على أهل الوقف جاز سواء كان من جنسه أومن غير جنسه لأن المقصود المنفعة لا الجنس لكن تكون المنفعة مصروفة الى المصلحة التي كانت الأولى تصرف فيها لأنه لا يجوز تغيير المصرف مع إمكان المحافظة عليه كما لا يجوز تغيير الوقف بالبيع مع إمكان الانتفاع به..... وما فضل من حصر المسجد وزيته ولم يحتج إليه جاز أن يجعل في مسجد آخر أو يتصدق من ذلك على فقراء جيرانه وغيرهم.. قال المروزى سألت أبا عبدالله عن بوارى المسجد إذا فضل منه الشئ أو الخشبة قال يتصدق به وأرى أنه قد احتج بكسوة البيت إذا تخرقت تصدق بها وقال في موضع آخر كان شيبة يتصدق بخلقان الكعبة... وروى أن شيبة جاء إلى عائشة فقال: يا أم المومنين إن ثياب الكعبة تكثر عليها فننزعها فنحفر لها آبارًا فندفنها فيها حتى لاتلبسها الحائض والجنب قالت عائشة: بئس ما صنعت ولم تصب، إن ثياب الكعبة إذا نزعت لم يضرها من لبسها من حائض أو جنب ولكن لو بعتها و جعلت ثمنها في سبيل الله والمساكين فكان شيبة يبعث بها إلى اليمن فتباع فيضع ثمنها حيث أمرته عائشة وهذه قصة مثلها ينتشر ولم ينكر فيكون اجماعا ولأنه من مال الله تعالى لم يبق له مصرف فصرف إلى المساكين كالوقف المنقطع (المغنی ۲۳۱/۵، ۲۳۳، ۲۳۵، ۲۳۶ مع تلخیص و اختصار)

وقف جب ویران و بیکار ہو جائے مثلاً کوئی گھر گر جائے یا زمین بیکار ہو کر بنجر ہو جائے اور اس کا آباد کرنا ممکن نہ رہ جائے، یا ساری عمارت اس طرح مخدوش ہو جائے کہ اس کی نئی تعمیر اس کے کچھ حصے کو بغیر فروخت کئے ممکن

نہ ہو تو باقی کو آباد کرنے کے لئے بعض کی فروخت درست ہے، اور اگر اس کے کسی حصے سے بھی انتفاع ممکن نہ رہ جائے تو کل کا بیچنا درست ہے۔ امام احمدؒ نے ایک روایت میں فرمایا ہے کہ کسی مسجد کی اگر وہ کڑیاں قیمتی ہوں تو ان کو بیچ کر ان کی قیمت مسجد میں صرف کی جائے، ہماری دلیل یہ ہے کہ جب صورتاً وقف کا بقاء ممکن نہ رہا تو معنی اس کے بقاء کی یہی صورت ہے (لہذا ایسے تصرفات درست ہیں)، وقف کو بیچنے پر جو بھی چیز اس کی قیمت سے خریدی جائے اور اس سے اہل وقف کو فائدہ پہنچایا جائے تو جائز ہے، خواہ اس سے اسی کی جنس کی چیز خریدی جائے یا دوسری، اس لئے کہ مقصود تو منفعت ہے خود جنس وصورت تو مقصود نہیں ہے۔ البتہ یہ منفعت اصل وقف کے محل ومصرف میں لگائی جائے گی، اس لئے کہ جب تک اصل مصرف پر صرف ممکن ہو اس کا بدلنا اسی طرح جائز نہیں جیسے اصل وقف کا بدلنا اور بیچنا جائز نہیں جب کہ اس سے انتفاع ممکن ہو۔

اور مسجد کی چٹائی اور تیل وغیرہ سے جو کچھ بچے اور مسجد کو اس کی ضرورت نہ ہو تو اس کو دوسری مسجد میں صرف کرنا درست ہے، اسی طرح فقراء پر صرف وصدقہ کرنا بھی خواہ مسجد کے پڑوسی ہوں یا نہ ہوں۔ امام احمد سے مسجد کی بوریوں کے متعلق پوچھا گیا کہ اگر کچھ زائد ہو یا لکڑی تو فرمایا کہ اس کو صدقہ کردیا جائے۔

اور اس کی دلیل ان کے نزدیک بیت اللہ کے غلاف کا معاملہ ہے کہ بیت اللہ کے کلید بردار حضرت شیبہ نے حضرت عائشہؓ سے آکر عرض کیا کہ بیت اللہ کے کپڑے بہت ہو جاتے ہیں تو ہم اس خیال سے کہ اس کو حیض والی عورتیں اور جنبی نہ پہنیں گڑھے کھود کر ان میں دفن کر دیتے ہیں۔ فرمایا کہ تم یہ ٹھیک نہیں کرتے۔ اتار دینے کے بعد جو پہنے حرج نہیں ہے، اگر ایسا کرو کہ بیچ کر قیمت کو فی سبیل اللہ اور مساکین پر صرف کر دیا کرو تو اچھا ہے۔ چنانچہ وہ ان کپڑوں کو یمن بھیج دیا کرتے تھے وہاں وہ بکتے تھے پھر ان کی قیمت حضرت عائشہؓ کے حکم کے مطابق صرف کی جاتی تھی، اور یہ قصہ وہاں پھیلنے والا تھا نہیں لیکن کسی نے انکار نہیں کیا، پھر یہ کہ یہ اللہ کا مال ہے جس کا مصرف باقی نہیں رہا تو مساکین پر صرف کیا جائے گا، جیسے وہ وقف جس کی جہت منقطع اور ختم ہو جائے تو اس کو فقراء پر صرف کریں گے۔

اکابر علمائے ہند ومفتیان دیوبند کے خصوصی فتاوی:

ہندوستان کے اکابر ارباب افتاء اور بالخصوص ممتاز علمائے دیوبند نے وقف کی بابت جہاں عام احکام اور اصل مذہب کے مطابق فتاوی صادر کئے ہیں وہاں حالات اور گنجائشوں پر بھی نظر رکھی گئی ہے اور وسعت کے فتاوی بھی ان سے منقول ہیں۔

مولانا اشرف علی تھانویؒ نے مسجد کی فاضل آمدنی کو ضرورت پر دوسری مساجد میں صرف کرنے ولگانے کی بار بار اجازت دی ہے (امداد الفتاوی ۲/۶۱۳-۶۲۰) اور اگرچہ مدارس وغیرہ میں لگانے کی اجازت نہیں دی ہے اور فرمایا ہے کہ علاقہ کی نہ کسی ملک کی دوسری محتاج مساجد موجود ہیں، مگر ایک موقع پر یہ بھی تحریر فرمایا ہے: اب آگے امر اجتہادی ہے کہ آیا وقت استغناء صرف دوسری مساجد میں صرف کرنے کا فتوی دینے سے احتمال ضیاع کا مرتفع ہو سکتا ہے یا نہیں، اگر ہو سکتا ہے تب تو دوسری جہات میں صرف کرنے کی اجازت نہ دی جائے گی۔ لأن اتحاد الجهة

مرجع كما في الرسالة، ورنہ ضرورت اجازت دی جائے گی" وعليه بناء ما في الرسالة (امداد الفتاوی ۶۱۹/۲) معطل قبرستان میں عوامی انجمن کی اجازت دی ہے۔ بعلت اشتراک معلوم ہوا کہ انجمن کا مکان وقتی نفع عام کے لئے مقبرہ کی جگہ بنانا جائز ہے (امداد ۶۰۰/۲)

ایک فتویٰ میں تحریر فرماتے ہیں: روایات بالا سے معلوم ہوا کہ اصل اور راجح تو عدم جواز نقل ہے لیکن بعض علماء ضرورت میں جواز کے قائل ہوئے ہیں، سو بلا ضرورت شدیدہ تو اصل مذہب کو چھوڑنا جائز نہیں اور ضرورت شدیدہ میں گنجائش ہے، اور یہ بھی معلوم ہوا کہ جب ایک مسجد مستغنی عنہ ہو جائے اس کا وقف دوسری مسجد میں صرف کرنا بھی جائز ہے (امداد الفتاوی ۷۳۳/۲)

مولانا ظفر احمد صاحب نے اعلاء السنن میں کافی تفصیل کی ہے، اصل مذہب کی تقویت کے ساتھ المغنی کی گذشتہ عبارت مزید تفصیل کے ساتھ نیز بعض اجزاء پر تنقید کے ساتھ نقل کی ہے، اور اصل مسجد کو منتقل کرنے کی تو اجازت نہیں دی ہے، مگر فقہ حنفی کی بعض تصریحات اور آثار کی وجہ سے وسعت بھی ذکر فرمائی ہے، مثلاً راستے کو مسجد میں شامل کرنا یا مسجد کے کسی حصہ کو راستہ بنانا، نیز مسجد سے متعلق و متصل صحن یا چبوترہ میں ردوبدل کہ صحن و چبوترہ کو مسجد بنا دیا جائے اور مسجد کو صحن و چبوترہ۔

استاذی مفتی محمود حسن صاحب گنگوہیؒ نے ضرورت پر مسجد کا سامان منتقل کرنے ولگانے کی اجازت دی ہے، اور مقصود وقف کے فوت ہونے پر تبادلہ وقف کی بھی، نیز معطل قبرستان میں مسجد کی تعمیر کی بھی اجازت دی ہے (فتاویٰ محمودیہ ۲/۱۵، ۲/۱۳، ۱۹۲/۱۳، ۱۹۸/۹)

استاذی مفتی نظام الدین اعظمی کے فتاویٰ میں ایسے مسائل اور وسعت کی بات بار بار آئی ہے، جس میں ضرورتاً موقوفہ زمین کے بیچنے، متروکہ قبرستان میں مسجد کی تعمیر (خواہ وہ نئی ہو) یا توسیع، قبرستان کی حفاظت کے لئے دوکانوں کی چہار دیواری، اس کی فاضل آمدنی کا دوسرے مواقع میں صرف، نیز اس میں مدرسہ کی تعمیر، معطل قبرستان کو کسی طرح کارآمد بنا کر اس کی آمدنی سے فائدہ اٹھانا سب کا تذکرہ آیا ہے، ایک مفصل فتویٰ میں فرماتے ہیں: اوقاف کی فاضل آمدنی سے گورستان کی حفاظت و مرمت کی جاسکتی ہے، نیز جو قبرستان تدفین سے متروک ہو چکے ہوں یا قانوناً دفن سے روک دیے گئے ہوں اور ان کے ضائع ہونے کا اندیشہ ہو تو اس میں دینی ضرورت کے مطابق مسجد یا دینی مدرسہ قائم کرکے یا اس کو کسی ایسے کار خیر میں استعمال کرکے جس سے مسلم عوام اور بچوں کی مذہبی و اقتصادی تربیت و ترقی کا ایسا کام کیا جائے کہ اصل واقفین کو ثواب پہونچتا رہے (نظام الفتاویٰ جدید اول ۱۸۰، نیز ۱۹۰، ۱۹۱، ۱۹۲، ۱۹۷، ۱۷۳، ۱۷۹)۔

مفتی عبد الرحیم صاحب لاجپوری کے فتاویٰ بھی حالات و ضرورت کی رعایت میں توسع پر مبنی ہیں، استبدال و تبادلہ کے جواز کے علاوہ (رحیمیہ ۳۰۷/۹) فاضل آمدنی کی بابت متعدد فتاویٰ میں فرمایا ہے کہ اگر واقعی موجودہ و آئندہ ضرورت سے فاضل آمدنی ہے اور رکھنے میں ضیاع کا اندیشہ ہے تو دوسرے مواقع میں صرف کریں مگر ایک جنس

کی آمدنی اسی میں صرف کریں، نیز یہ بھی فرمایا ہے۔ اور اس مقصد سے کہ آبادی مسجد میں اضافہ ہو اس زائد اور فاضل رقم سے مسجد کے متعلق دینی تعلیم کا مدرسہ بھی قائم کر سکتے ہیں (فتاوی رحیمیہ ۱۸۵/۲، ۱۸۷)۔

خلاصہ عبارات وفتاوی:

گذشتہ عبارات وفتاوی کا حاصل یہ ہے کہ اوقاف کا بقاء اہم واقدم ہے لہذا ان کو ختم کرنے کی کوئی صورت اختیار کرنا درست نہیں ہے، لیکن جب ان کا حال یہ ہو جائے اور حالات ایسے ہوں کہ ان کا بقاء، واقف کے مقصد کا ان سے پورا ہونا نیز اس کے لئے حصول ثواب کا سلسلہ جاری رہے، یہ سب وقف میں رد وبدل وتصرف کے ذریعہ ہی ممکن ہو تو مجبوراً اس میں تبادلہ وتصرف کے اقدامات درست ہیں، ان کی حفاظت وبقاء اور ابدیت ودوام کو اولیت واہمیت دینے کی شرط کے ساتھ اصل وقف کے حق میں بھی، اور اس کی آمدنی کے حق میں بھی، اور قبرستان وغیرہ کے حق میں بھی اور مسجد کے حق میں بھی، خود فقہ حنفی میں بھی توسعات ہیں اور ائمہ مذاہب سے منقول ہیں، اس لئے فقہاء احناف اور بعد میں ہمارے اکابر ومفتیان نے بھی ضرورت ومجبوری کے حالات میں اجازت دی ہے اور ساتھ ہی اصل مذہب کو بھی نمایاں کرکے ذکر کیا ہے اور اس کی تقویت بھی کی ہے۔ اور جب مقصد وقف کی بقاء وحفاظت ہو اور اصل صورت ممکن نہ رہ جائے، اور فقہ حنفی میں گنجائش نہ ہو تو فقہ حنبلی کے توسعات سے بھی فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے، مثلاً ہمارے قدیم فقہاء نے تو ایک وقف کی آمدنی کو دوسری جگہ استعمال کرنے کی اجازت نہیں دی ہے یا شاذ ونادر ہی دی ہے۔ مگر امام احمد سے مسجد کے وقف کی آمدنی وفاضل اشیاء کو فقراء پر صرف کرنے کی اجازت منقول ہے، اور انہوں نے مسجد کے اوقاف کو صدقہ کرنے کے جواز میں بطور دلیل بعض آثار کو ذکر کیا ہے جن کا بعض علماء احناف نے جواب ضرور دیا ہے مگر وہ جواب احتمالی ہے، کوئی اثر وغیرہ نہیں، بجز حضرت عمرؓ کی معروف روایت کے جس سے وقف کے اصل حکم میں سب استدلال کرتے ہیں کہ اس کو بیچا نہیں جا سکتا وغیرہ، لیکن تو اس کے تو سب قائل ہیں، سوال ضرورت کے مواقع کا ہے، اور اس کا کہ دوسری صورت انتفاع وبقاء کی نہیں بن رہی ہے اور اس صورت کے اختیار کرنے میں واقف اور ملت وامت سب کا فائدہ ہے۔

مولانا ظفر احمد صاحب نے دار الاسلام ودار الکفر کی نسبت سے جو فرق کا خیال ظاہر فرمایا ہے کہ دار الکفر میں اوقاف کو واقف وبانی کی ملک میں واپس قرار دیا جائے، کیا اس سے بہتر یہ نہ ہوگا کہ دوسرے ائمہ بلکہ خود ہمارے بعض فقہاء وعلماء کی رائے پر عمل کرتے ہوئے ان کو امام ابو یوسف کی رائے پر وقف ہی برقرار رکھا جائے اور صورت بدل دی جائے جو ممکن ہو، مولانا نے مسجد کو چبوترہ بنانے کی بابت صاحب فتح القدیر کے قول کو یہ کہہ کر نقل کیا ہے کہ آخر جیسے مسجد کو چبوترہ بنانے کی بات ذکر کی گئی ہے، راستہ بنانے کی بات بھی نقل کی گئی ہے لیکن اس پر ان کو کوئی اشکال نہیں ہے، اور اس حکم کی تائید مولانا نے ضرورت کے احساس واعتبار کی بناء پر ہی کی ہے تو اسی کے تحت یہ گنجائش بھی ہونی چاہئے جس کی دوسرے حضرات نے صراحت بھی کی ہے۔

بعض حضرات نے مسجد کی زمین وآمدنی کو مدارس کے لئے استعمال کرنے کو منع کیا ہے، حضرت تھانوی کے

فتاویٰ میں بار بار آیا ہے، کچھ شامی وغیرہ کی عبارت بھی نقل فرمائی ہے کہ مدرس کی کیا حیثیت و نوعیت ہے (امداد الفتاویٰ ۲؍۶۲۰، شامی ۳؍۳۶۶، ۳۶۷) یعنی یہ کہ مدرسہ و مدرس کا مسجد کی آبادی میں کیا دخل اور اس کے مصالح سے کیا تعلق؟ لیکن اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا اور ہندوستان میں اس کا کھلا تجربہ ہے، اور دوسری جگہوں پر بھی محسوس کیا جا سکتا ہے کہ آج مساجد کی آبادی میں بالخصوص مساجد سے متصل و متعلق مکاتب و مدارس کا بہت بڑا دخل ہے، بچوں کے حق میں بھی اور بڑوں کے حق میں بھی، اور پھر ہمارے ملک کے حالات اور فاضل اوقاف سے انتفاع کا بھی ایک تقاضا ہے، اس کو محسوس کرتے ہوئے مفتی نظام الدین صاحب اور مفتی عبد الرحیم صاحب نے فاضل آمدنی کا، نیز فاضل زمین کا مدارس کے لئے استعمال کرنا درست قرار دیا ہے۔

اور حالات کو محسوس کر کے ان حضرات نے جو وسعت دی ہے اس کو دوسری اسی انداز کی چیزوں کے لئے بنیاد بنایا جا سکتا ہے، مثلاً مسجد کی فاضل زمین پر مدرسہ کی تعمیر، زمین تو ہمیشہ مسجد کی رہے گی، اور بہتر صورت یہ ہے کہ مسجد کو زمین کا کرایہ دیا جائے یا عمارت مسجد کی آمدنی سے تعمیر کرائی جائے اور اس عمارت کا کرایہ مسجد کو ملتا رہے، تا کہ براہ راست مسجد کا انتفاع پایا جائے، لیکن ضرورت و حالات کے تحت اگر بغیر کرایہ کے ایسا معاملہ کیا جائے جب کہ مسجد اس سے مستغنی ہو اور اس کی ضروریات کا پورا نظم بھی ہو تو اس میں کوئی حرج سمجھ میں نہیں آتا بلکہ بہتر ہے کہ اس سے مزید مسجد اور اس کے اوقاف کی حفاظت ہوتی ہے، اور واقف کے مقصد کی باحسن وجوہ تکمیل ہوتی ہے۔

رہ جاتی ہے یہ بات کہ وقف میں استبدال وغیرہ کے تصرف کے لئے فقہاء نے قاضی کی شرط، یعنی قاضی کے فیصلہ، نظر و حکم کی قید لگائی ہے، لیکن معروف ہے کہ ایسے بہت سے مسائل میں توسع اختیار کر لیا گیا ہے، معتمد و دیانتدار علماء و ذمہ داران اور ارباب حل وعقد کو قاضی کی حیثیت ضرور دی گئی ہے، لہٰذا ہندوستان میں اوقاف کے مسائل میں معتمد متکلمین کا فیصلہ معتبر ہوگا، اور مناسب ہوگا کہ یہ قید لگائی جائے اور توجہ دلائی جائے کہ وقف کے ذمہ داران ایسا فیصلہ کرنے میں صاحب نظر علماء سے رجوع کریں، ان کو شامل کریں یا کم از کم رابطہ و استفتاء کریں۔ شامی نے بعض معاملات میں محلہ کے مسلمانوں کی رائے کا ذکر کیا ہے اور ہمارے ارباب افتاء نے ایسے مسائل میں عموماً اس کا ذکر کیا ہے کہ ارباب حل وعقد و متکلمین جب مناسب سمجھیں یعنی ضروری و بہتر خیال کریں تو ایسے اقدام کریں۔ امداد الفتاویٰ (۲؍۶۳۷) میں بھی کچھ اس بابت تفصیل آئی ہے کہ قاضی نہ ہو تو کیا کیا جائے گا۔

☆☆☆

وقف کا حکم:

ایک بحث وقف کی صحت اور عدم صحت کی ہے کہ کسی چیز کا وقف صحیح ہے یا نہیں؟ اگر صحیح ہے تو شئی موقوف واقف کی ملکیت میں باقی رہتی ہے یا اس کی ملکیت سے نکل جاتی ہے؟ اور واقف کے لئے وقف کرنے کے بعد شئی موقوف کی خرید وفروخت یا اس کا ہبہ یا کوئی دوسرا جائز تصرف جو اپنی ملکیت میں ہوتا ہے، شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ اس سلسلہ میں فقہاء کرام کے مختلف اقوال ملتے ہیں، جن کا خلاصہ درج ذیل ہے

ا۔ پہلا قول یہ ہے کہ اگر کوئی شخص اپنی کوئی جائداد وغیرہ وقف کرنا چاہے تو وقف کرسکتا ہے۔ اس کا وقف صحیح ہوگا۔ اس پر تقریباً تمام اہل علم کا اتفاق ہے۔ بعض حضرات اگرچہ عدم صحت وقف کے قائل ہیں، لیکن ان کے قول کا اعتبار نہیں ہے۔ روایات، آثار صحابہ اور اقوال فقہاء صحت وقف پر متفق ہیں۔

امام ترمذی حضرت عمر کے واقعہ وقف والی روایت کو نقل کرنے کے بعد تحریر فرماتے ہیں:

"والعمل علی هذا عند أهل العلم من أصحاب النبی ﷺ وغیرهم لا نعلم بین المتقدمین منهم فی ذلک اختلافا فی إجارة وقف الأرضین وغیر ذلک" (ترمذی ۱/۱۶۵)۔

۲۔ دوسرا قول یہ ہے کہ وقف تو صحیح وجائز ہوتا ہے، لیکن لازم نہیں ہوتا۔ یعنی شئی موقوف واقف کی ملکیت سے نہیں نکلتی ہے۔ واقف اس کو فروخت بھی کرسکتا ہے اور ہبہ بھی، ہر طرح کے جائز تصرف کا اختیار واقف کو ہوگا، اس کے انتقال کے بعد اس میں وراثت بھی جاری ہوگی۔ اس کے قائل حضرت امام ابوحنیفہ ہیں۔ البتہ دو صورتوں میں امام صاحب کے نزدیک بھی شئی موقوف واقف کی ملکیت سے نکل جاتی ہے۔

الف۔ واقف نے اپنی کوئی چیز وقف کرکے متولی کے حوالہ کردیا، پھر متولی سے اپنی چیز کا مطالبہ کیا اور متولی نے دینے سے انکار کردیا۔ جب معاملہ قاضی شریعت کے پاس پہونچا تو قاضی شریعت نے لزوم وقف کا فیصلہ دیا۔ اس صورت میں امام صاحب کے نزدیک بھی وقف لازم ہوجائے گا اور شئی موقوف واقف کی ملکیت سے نکل جائے گی، اس لئے کہ یہ مجتہد فیہ مسئلہ ہے اور مجتہد فیہ مسئلہ میں قضاء قاضی رافع خلاف ہے۔

ب۔ دوسری صورت یہ ہے کہ واقف نے یہ وصیت کی کہ میرے مرنے کے بعد میری فلاں چیز وقف ہے، تو اس صورت میں وقف لازم ہوجائے گا، اور اس کے انتقال کے بعد اس میں وراثت جاری نہ ہوگی، لیکن اگر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ یہ صورت درحقیقت وقف کی نہیں ہے بلکہ وصیت کی ہے، لہذا اس صورت میں وصیت کے تمام احکام نافذ ہوں گے۔ مالک اگر اپنی زندگی میں رجوع کرنا چاہے تو رجوع کرسکتا ہے۔

قال أبو حنیفة: لا یزول ملک الواقف عن الوقف إلا أن یحکم به الحاکم أو یعلقه بموته فیقول إذا مت فقد وقفت داری علی کذا" (ہدایہ، کتاب الوقف)

شرح فتح القدیر میں دوسری صورت کی تشریح کرتے ہوئے لکھا ہے:

"وأما تعلیقه بالموت فالصحیح أنه لا یزول ملکه إلا أنه تصدق بمنافعه مؤبداً فیصیر

بمنزلة الوصية بالمنافع مؤبداً فيلزم) وإن لم يخرج عن ملكه لأنه بمنزلته إذ لا يتصور التصرف فيه ببيع ونحوه لما يلزم من إبطال الوصية وعلى هذا فله أن يرجع قبل موته كسائر الوصايا، وإنما يلزم بعد موته" (شرح فتح القدیر ۱۹۳/۶)

۳۔ تیسرا قول یہ ہے کہ شی موقوف واقف ہی کی ملکیت میں رہتی ہے، اس کی ملکیت سے نکلتی نہیں ہے، البتہ واقف کو فروخت کرنے یا ہبہ وغیرہ کرنے کا اختیار نہیں ہوتا ہے، بلکہ اس پر یا اس کے بعد مقرر کردہ متولی پر لازم ہے کہ شی موقوف سے حاصل ہونے والے منافع کو، واقف کی صراحت کے مطابق صرف کرے۔ یہ قول صحیح روایت کے مطابق امام مالک کا ہے (دیکھئے کتاب المواہب الجلیل شرح مختصر الخلیل ۱۸/۶)

۴۔ چوتھا قول یہ ہے کہ وقف لازم ہو جاتا ہے اور شی موقوف واقف کی ملکیت سے نکل کر اللہ کی ملکیت میں داخل ہو جاتی ہے، لیکن موقوف علیہ کی ملکیت میں نہیں آتی ہے۔ واقف نہ تو اس کو فروخت کر سکتا ہے اور نہ ہی ہبہ وغیرہ کر سکتا ہے، اور نہ ہی اس کے انتقال کے بعد اس میں وراثت جاری ہو سکتی ہے۔ یہ قول صاحبین (امام ابو یوسفؒ، امام محمدؒ) صحیح مذہب کے مطابق امام شافعیؒ، امام احمد بن حنبلؒ اور جمہور صحابہ، محدثین اور علماء امت کا ہے، البتہ امام ابو یوسفؒ کے نزدیک وقف کرتے ہی شی موقوف واقف کی ملکیت سے نکل جاتی ہے، اور امام محمدؒ کے نزدیک اس وقت نکلتی ہے جب کہ اس کو متولی کے حوالہ کر دیا جائے۔ فتویٰ امام ابو یوسفؒ کے قول پر ہے، اور علماء احناف کا عمل بھی اسی پر ہے۔

"وعندهما يلزم بدون ذلك وهو قول عامة العلماء وهو الصحيح ثم إن أبا يوسف يقول يصير وقفا بمجرد القول لأنه بمنزلة الإعتاق عنده وعليه الفتوى وقال محمد لا إلا بأربعة شروط" (رد المحتار کتاب الوقف ۳۵۸/۳۔ مزید دیکھئے نہایۃ المحتاج فی مذہب الامام الشافعی جلد پنجم کتاب الوقف۔ المغنی لابن قدامہ الحنبلی جلد پنجم کتاب الوقف۔ مواہب الجلیل فی مذہب الامام مالک جلد ششم کتاب الوقف)

قول راجح صاحب ہدایہ نے اس مسئلہ کو جس انداز سے بیان کیا ہے اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک امام صاحب کا قول راجح ہے، اس لئے کہ امام صاحب کے قول کی دلیل بعد میں بیان کرنا اور صاحبین کے دلائل کا جواب دینا اس بات کی دلیل ہے کہ ان کے نزدیک امام صاحب کا قول راجح ہے، لیکن احادیث اور آثار صحابہ کی روشنی میں صحیح اور راجح قول جمہور کا معلوم ہوتا ہے۔ بہت سے صحابہ نے اپنی استطاعت کے مطابق وقف کیا، اور کسی سے بھی شی موقوف کی واپسی یا اس کو فروخت کرنے اور اس کی قیمت کو اپنے مصرف میں لانے کا ثبوت نہیں ملتا ہے۔

علامہ علاء الدین الحصکفی نے ابن الکمال اور ابن الشحنہ کے حوالے سے اسی قول پر فتویٰ نقل کیا ہے۔

درمختار میں ہے: (وعندهما هو حبسها على) حكم (ملك الله تعالى وصرف منفعتها على من أحب) ولو غنيا فيلزم فلا يجوز له إبطاله ولا يورث عنه عليه الفتوى ابن الكمال وابن الشحنة".

اور علامہ شامی نے فتح القدیر کے حوالے سے اسی قول کو راجح قرار دیا ہے، اس لئے کہ بے شمار احادیث و آثار اس کی تائید میں ہیں، اور صحابہ، تابعین اور بعد کے علماء کا عمل بھی اسی پر رہا ہے۔

علامہ شامی "قول علیہ الفتوی" کے تحت لکھتے ہیں:

ای علی قولهما بلزومه قال فی الفتح والحق ترجح قول عامة العلماء بلزومه لأن الأحادیث والآثار متظافرة علی ذلک، واستمر عمل الصحابة والتابعین ومن بعدهم علی ذلک فلذلک ترجح خلاف قوله" (رد المحتار ۳/۳۵۸)

اس قول کی بنیاد عبداللہ بن عمرؓ کی روایت پر ہے کہ جب حضرت عمرؓ کو خیبر کی زمین حصہ میں ملی تو وہ حضور اکرم ﷺ کے پاس آئے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ خیبر کی جو زمین حصہ میں ملی ہے وہ میرے نزدیک بہت ہی پسندیدہ مال ہے، میں اس کو اللہ تعالیٰ کے راستہ میں صدقہ کرنا چاہتا ہوں، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اس کو صدقہ کردو، لیکن اصل زمین نہ تو فروخت کی جائے گی اور نہ ہبہ کیا جائے گا، اور نہ اس میں وراثت جاری ہوگی۔

"انه لا یباع أصلها ولا یبتاع ولا یورث ولا یوهب" (مسلم ۲/۴۱)

علامہ نووی نے اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے لکھا ہے:

"وفیه أن الوقف لا یباع ولا یوهب ولا یورث" (نووی شرح مسلم ۲/۴۲)

محقق ابن ہمام نے شرح فتح القدیر میں وقف کرنے والے صحابہ کی ایک لمبی فہرست شمار کی ہے، جن کا عمل لزوم وقف کی تائید کرتا ہے۔ ملاحظہ ہو ان کی عبارت:

والحق ترجح قول عامة العلماء بلزومه لأن الأحادیث والآثار متظافرة علی ذلک قولا کما صح من قوله علیه الصلوة والسلام لا یباع ولا یورث إلی آخره، وتکرر هذا فی أحادیث کثیرة واستمر عمل الأمة من الصحابة والتابعین ومن بعدهم علی ذلک أولها صدقة رسول الله ﷺ ثم صدقة أبی بکر و عمر و عثمان و علی والزبیر و معاذ بن جبل و زید بن ثابت و عائشة و أسماء أختها و أم سلمة و أم حبیبة و صفیة بنت حیّ وسعد بن أبی وقاص و خالد بن ولید و جابر بن عبدالله و عقبة بن عامر و أبی أروی الدوسی و عبد الله بن الزبیر، کل هؤلاء من الصحابة ثم التابعین بعدهم کلها بروایات و توارث الناس أجمعون ذلک فلا تعارض بمثل الحدیث الذی ذکره علی أن معنی حدیث شریح بیان نسخ ما کان فی الجاهلیة من الحامی و نحوه، وبالجملة فلا یبعد أن یکون إجماع الصحابة العملی ومن بعدهم متوارثا علی خلاف قوله فلذا ترجح خلافه الخ (شرح فتح القدیر کتاب الوقف ۶/۱۹۳)

علامہ ابن قدامہ نے المغنی میں عدم لزوم والے قول کو سنت نبویہ اور اجماع صحابہ کے خلاف قرار دیا ہے:

وهذا القول یخالف السنة الثابتة عن رسول الله واجماع الصحابة فان النبی ﷺ قال

اگر اس کو ضرورت نہ ہو تو قریب کے وقف پر صرف کیا جائے گا۔

اسی طرح مسجد کی گھاس اور اس کی چٹائیاں وغیرہ اگر نا قابل استعمال ہوں تو امام محمدؒ کے نزدیک واقف اور اس کے انتقال کے بعد اس کے وارثین مالک ہو جائیں گے۔ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک ان کو دوسری قریب کی مسجد میں منتقل کر دیا جائے گا، یا ان کو فروخت کر کے ان کی قیمت مسجد میں صرف کی جائے گی۔

استبدال وقف کا حکم:

شئ موقوف کے تبادل کا مسئلہ وقف کے اہم مسائل میں سے ہے۔ سوالنامہ کے زیادہ تر سوالات کے جوابات اسی پر موقوف ہیں۔ اس لئے اس مسئلہ کو قدرے تفصیل سے بیان کیا جا رہا ہے۔ یہ تو مصرح ہے کہ وقف تام اور مکمل ہو جانے کے بعد شئ موقوف کو خرید و فروخت یا ہبہ کے ذریعہ یا اس میں وراثت جاری کر کے وقفیت سے نہیں نکالا جا سکتا ہے، شرعاً اس کی اجازت نہیں ہے۔

فإذا تم ولزم لا يملك ولا يملک ولا يعار ولا يرهن (درمختار) (قوله لا يملک) اى لا يكون مملوكا لصاحبه ولا يملک اى لا يقبل التمليک لغيره بالبيع و نحوه لاستحالة تمليک الخارج عن ملكه الخ (ردالمحتار کتاب الوقف ۳/۳۶۷)

البتہ شئ موقوف کو دوسری شئ سے بدلنا یا ضرورتاً اس کو فروخت کر کے دوسری شئ خرید کر اس کو وقف قرار دینا درست ہے یا نہیں؟ اس سلسلہ میں فقہاء کرام نے تفصیلی بحث کی ہے، اور اس کی تین صورتیں ذکر کی ہیں:

۱۔ واقف نے بوقت وقف تبادل کی شرط لگا دی ہو، خواہ اپنے لئے لگائی ہو یا کسی دوسرے کے لئے۔

۲۔ واقف نے بوقت وقف تبادل کی کوئی شرط نہیں لگائی، نہ اپنے لئے اور نہ ہی دوسرے کے لئے۔ یا باقاعدہ یہ صراحت کر دی کہ کوئی بھی اس کا تبادلہ نہیں کر سکتا۔ لیکن شئ موقوف بالکل نا قابل انتفاع ہے، یا معمولی نفع ہے بھی تو اس نفع کے حاصل کرنے کے لئے اس پر ہونے والے اخراجات اس سے زائد ہوتے ہیں۔

۳۔ واقف نے اپنے لئے یا غیر کے لئے تبادلہ کی شرط نہیں لگائی اور شئ موقوف قابل انتفاع بھی ہے، اس سے آمدنی حاصل ہوتی ہے، البتہ اس کو زیادہ نفع آور بنانے کے لئے اس کا تبادلہ دوسری نفع آور شئ سے کیا جائے۔

پہلی صورت:

جب کہ واقف نے بوقت وقف یہ شرط لگا دی کہ ضرورت پڑنے پر میں خود یا فلاں شخص اس کو دوسری شئ سے بدل کر یا شئ موقوف کو فروخت کر کے اس کی جگہ پر دوسری شئ خرید کر وقف کر سکتا ہے، تو اس صورت میں واقف کی صراحت کے مطابق خود واقف کو یا اس کے نامزد کردہ شخص کو شئ موقوف کے تبادلہ کا اختیار رہوگا، اور شرط کے مطابق شئ موقوف کو فروخت کر کے اس کی جگہ دوسری شئ خرید کر وقف کر سکتا ہے۔

(وجاز شرط الاستبدال به) أرضا أخرى حينئذ أو شرط بيعه ويشترى بثمنه أرضا أخرى إذا شاء، فإذا فعل صارت الثانية كالأولى في شرائطها وإن لم يذكرها (درمختار)

(قوله وجاز شرط الاستبدال) اعلم أن الاستبدال على ثلاثة وجوه الأول ان يشترطه الواقف لنفسه أو لغيره أو لنفسه وغيره فالاستبدال فيه جائز على الصحيح وقيل اتفاقا الخ (رد المحتار کتاب الوقف ۳/۳۸۷)

واقف کی شرط کے مطابق استبدال کا حق اس لئے ہے کہ واقف کی شرط شرعاً معتبر ہے، اگر وہ غلہ یا ولایت کی شرط اپنے لئے لگا دے تو اس کی یہ شرط درست ہوگی، جب اپنے لئے غلہ اور ولایت کی شرط درست ہے تو استبدال کی شرط بدرجہ اولیٰ درست ہوگی... بلکہ کتب فقہ میں یہ صراحت موجود ہے کہ جس طرح شارع کی نص پر عمل کرنا واجب ہے اسی طرح واقف کی شرط پر عمل کرنا بھی واجب ہے۔

"شرط الواقف کنص الشارع ای فی المفهوم والدلالة ووجوب العمل به" (الدرالمختار بحاشیہ ردالمحتار ۳/۳۶۶)

دوسری صورت:

دوسری صورت میں جب کہ واقف نے بوقت وقف اس طرح کی شرط نہیں لگائی۔ وقف نامہ کسی طرح کی شرط سے خاموش ہے۔ یا یہ شرط لگا دی کہ کسی کو بھی حتی کہ قاضی شریعت کو بھی تبادلہ کا اختیار نہیں ہوگا۔ لیکن شی موقوف بالکل ناقابل انتفاع ہے یا معمولی نفع ہے جس کے حصول کے لئے اس سے زائد اخراجات ہوتے ہیں، اس صورت میں قاضی شریعت مصلحت سمجھ کر شی موقوف کو نفع آور بنانے کے لئے اس کا تبادلہ دوسری شی سے کر سکتے ہیں۔ یہ ان صورتوں میں سے ہے جن میں واقف کی شرط کی مخالفت قاضی شریعت کے لئے جائز ہے۔

"والثانی أن لا یشترطه سواء شرط عدمه أو سکت لکن صار بحیث لا ینتفع به بالکلیة بأن لا یحصل منه شئ أصلا أو لا یفی بمؤنته فهو أیضا جائز علی الأصح إذا کان بإذن القاضی ورأیه المصلحة فیه" (ردالمحتار ۳/۳۸۷)

اس صورت میں تبادلہ کا اختیار اس لئے ہے کہ تبادلہ نہ کرنے کی صورت میں واقف کا مقصد فوت ہو رہا ہے، کیونکہ اس کا مقصد یہ ہے کہ شی موقوف کی آمدنی مساکین یا دیگر کار خیر پر جس کی اس نے صراحت کی ہے صرف کی جائے جس کا ثواب اس کو مرنے کے بعد بھی ملتا رہے، اور یہ اصل شی کو باقی رکھتے ہوئے ممکن نہیں ہے، اور قاضی شریعت وقف کے مقاصد اور اس کے مصالح کے نگراں ہیں، اس کے تحفظ و بقا کے لئے کوشش قاضی شریعت کی ذمہ داری ہے، لہٰذا مقاصد وقف کے تحفظ و بقا کے پیش نظر قاضی شریعت اس کا تبادلہ دوسری شی سے کر دیں گے یا ضرورت پڑنے پر اس کو فروخت کر کے دوسری شی خرید کر اس کی جگہ پر وقف کر دیں گے۔

علامہ ابن قدامہ نے اس مسئلہ پر اچھی بحث کی ہے اور یہ لکھا ہے کہ اس صورت میں اصل شی کو باقی رکھنے پر جمود اختیار کرنا مقصد واقف کو ضائع کرنا ہے جو صحیح نہیں ہے۔

"وجمودنا علی العین مع تعطلها تضییع للغرض" (پوری بحث کے لئے دیکھئے المغنی لابن

قدامہ ۵/۶۳۳)

اس صورت میں قاضی کو تبادلہ کا جو اختیار ہے وہ چند شرطوں کے ساتھ ہے

۱۔ یہ اختیار اس قاضی کو ہے جو علم و عمل اور عدل میں ممتاز ہو، صاحب تقویٰ اور پابند شرع ہو۔

۲۔ شئ موقوف بالکلیہ قابل انتفاع ہو۔

۳۔ وقف کی کوئی آمدنی نہ ہو جس سے اس کی آبادکاری ہو سکے۔

۴۔ بیع غبن فاحش کے ساتھ نہ ہو۔

۵۔ قاضی کسی ایسے شخص سے تبادلہ نہ کرے جو اس کا قریبی رشتہ دار ہو یا پہلے سے اس کا قرض قاضی پر ہو۔

"والمعتمد انه بلا شرط يجوز للقاضي بشرط أن يخرج عن الانتفاع بالكلية وأن لايكون هناك ريع للوقف يعمر به وأن لا يكون البيع بغبن فاحش و شرط في الإسعاف أن يكون المستبدل قاضي الجنة المفسر بذي العلم والعمل لئلا يحصل التطرق الى إبطال أوقاف المسلمين كما هو الغالب في زماننا. . وأن لا يبيعه ممن لا تقبل شهادته له ولا ممن له عليه دين" (رد المحتار ۳/۳۸۸)

تیسری صورت:

اس صورت میں جب کہ واقف نے استبدال کی کوئی شرط نہیں لگائی، نہ اپنے لئے نہ ہی کسی غیر کے لئے، اور شئ موقوف قابل انتفاع بھی ہے البتہ اس کو زیادہ نفع آور بنانے کے لئے کسی دوسری نفع آور شئ سے اس کا تبادلہ کیا جائے، اس صورت کے جواز اور عدم جواز کے سلسلہ میں فقہاء کرام کے دو قول ملتے ہیں:

الف: ایک صورت میں تبادلہ جائز نہیں ہے۔ اس کے قائل امام ابوحنیفہؒ ہیں۔

ب: تبادلہ شرعاً جائز و درست ہے، یہ قول امام ابو یوسف اور حضرت ہلال کا ہے، اور ایک روایت کے مطابق امام محمدؒ کا۔

عام طور پر کتب فقہ حنفی میں عدم جواز کے قول کو راجح اور مفتی بہ قرار دیا گیا ہے۔ علامہ شامی نے رد المحتار میں اور علامہ ابن ہمام نے شرح فتح القدیر میں عدم جواز ہی کے قول کو راجح قرار دیا ہے۔ علامہ ابن قدامہ نے بھی المغنی میں اسی قول کو راجح قرار دیا ہے، چنانچہ تحریر فرماتے ہیں:

"وإن لم تتعطل مصلحة الوقف بالكلية لكن قلت وكان غيره أنفع منه وأكثر ردا على أهل الوقف لم يجز بيعه لأن الأصل تحريم البيع وإنما أبيح للضرورة صيانة لمقصود الوقف عن الضياع مع إمكان تحصيله ومع الانتفاع وإن قل ما يضيع المقصود" (المغنی لابن قدامہ ۵/۶۳۳)

اور اگر مصلحت وقف بالکلیہ ختم اور بے کار نہ ہو بلکہ کم پڑ جائے اور اس کا بدل اس سے زیادہ نفع بخش اور اہل وقف کو زیادہ آمدنی دینے والا ہو تو اس کی بیع جائز نہیں ہے۔ اس لئے کہ اصل بیع کی حرمت ہے۔ اور بیع کی اجازت

ترجیحات وفتاوے بھی مختلف ہیں۔ حضرت امام ابوحنیفہؒ نے اپنے زمانے کے قضاۃ کے حالات کو سامنے رکھ کر عدم جواز کا فتوی دیا ہے، اور امام ابو یوسفؒ نے اپنے زمانے کے حالات اور تقاضے کو سامنے رکھ کر اور مزید مقاصد واقف کی حفاظت کی غرض سے جواز کا فتوی دیا ہے۔ ہمارے اس زمانہ میں امام ابو یوسفؒ کے قول پر فتوی دینا اور اس پر عمل کرنا احسن معلوم ہوتا ہے، اس لئے کہ ممکن ہے کہ اس زمانہ کے قضاۃ سرکاری ہوتے ہوں اور ان میں ظلم وتشدد اور رشوت خوری عام ہو، لیکن ہمارے اس زمانہ میں چونکہ قاضی حضرات سرکاری نہیں ہیں اس لئے الحمد للہ جہاں بھی قضاء کا نظام ہے وہاں کے قاضی حضرات رشوت خوری وغیرہ کے مرض سے دور ہیں۔ خصوصا بہار، اڑیسہ میں قضاء کا نظام بہت ہی منظم ہے اور یہاں کے قاضی حضرات نہایت ہی دیانتدار، صاحب تقوی اور علم وعمل اور عدل میں ممتاز ہیں۔ رشوت لیکر اوقاف کو ضائع کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ جہاں تک یہ سوال ہے کہ حتی الامکان وقف کی وقفیت کو باقی رکھنا ضروری ہے، اور تبادلہ کی گنجائش یا تو وقف کی شرط کی بنیاد پر ہے یا ضرورت کی بنیاد پر، اور یہاں پر کوئی ضرورت نہیں ہے۔ تو میرے خیال میں اس صورت میں تبادلہ عین منشاء واقف اور مقاصد وقف کے مطابق ہے، اور اس میں اس کا تحفظ وبقا بھی زیادہ ہے۔ ظاہر ہے کہ واقف کا مقصد تو یہی ہے کہ وقف کی آمدنی زیادہ سے زیادہ ہو تاکہ کار خیر پر صرف ہو اور اس کا ثواب اس کو زیادہ سے زیادہ ملے، اور اگر فروخت کرکے اس کو زیادہ نفع آور بنانے کی کوشش نہ کی جائے تو ممکن ہے کہ وہ آہستہ آہستہ معطل و بے کار ہو جائے، اور ایک ایسا وقت آئے کہ اس سے انتفاع ممکن نہ ہو، اور اس وقت یہ ضروری نہیں ہے کہ اس کے تبادلہ یا اس کو خریدنے کے لئے کوئی شخص تیار بھی ہو جائے، اگر کوئی تیار بھی ہو تو ممکن ہے کہ معمولی قیمت دے۔ اور چونکہ قاضی مصالح کا نگراں ہے اور ہر قاضی کو تبادلہ کا اختیار بھی نہیں ہے، بلکہ قاضی الجنہ یعنی صاحب تقوی، علم وعمل اور عدل میں ممتاز قاضی کو اس کا اختیار ہے، اس لئے وہ یقینا مصالح کا خیال رکھ کر ہی تبادلہ کی اجازت دے سکتا ہے، لہذا اس صورت میں بھی راقم الحروف کی ناقص رائے میں حالات وضرورت کے پیش نظر امام ابو یوسفؒ کے قول پر عمل کی گنجائش ہونی چاہئے۔ البتہ یہ واضح رہے کہ اگر معمولی نفع کا فرق ہو تو قاضی کو اس کی اجازت نہیں دینی چاہئے۔

بانی امارت شرعیہ بہار واڑیسہ حضرت مولانا ابو المحاسن محمد سجادؒ نے اس صورت میں بھی قاضی شریعت کی اجازت سے تبادلہ کے جواز کا فتوی دیا ہے، چنانچہ وہ ایک استفتاء کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں: ”موقوفہ زمین کو بخیال زیادتی منافع تبدیل کرنا یا فروخت کرکے دوسری زمین خریدنا بحکم واجازت قاضی جائز ہے، بغیر اجازت وحکم جائز نہیں، پس اگر اس کی ضرورت ہے تو قاضی شریعت سے درخواست دے کر اور ثبوت بہم پہونچا کر اجازت حاصل کیجئے“ (مولانا سجاد صاحب کا یہ فتوی مطبوعہ نہیں ہے۔ طباعت کے بعد انشاء اللہ جلد ہی منظر عام پر آنے والا ہے)

واضح رہے کہ اس صورت میں اختلاف صرف اراضی موقوفہ کے سلسلہ میں ہے، مکان موقوفہ کے سلسلہ میں کوئی اختلاف نہیں ہے، بالاتفاق اس کا تبادلہ جائز نہیں ہے۔ مکان کا قیاس زمین پر نہیں کرسکتے ہیں، اس لئے کہ اگر زمین کی پیداوار کم ہو جائے تو لوگ اس کو اجارہ پر لینے بلکہ بعض دفعہ خریدنے کے لئے بھی تیار نہیں ہوتے، اس کے بر

خلاف مکان اگر اس کا کچھ حصہ ویران ہو جائے تو بھی لوگ اس کو طویل مدت کے لئے اجارہ پر لے سکتے ہیں۔

"إن الخلاف في الثالث إنما هو في الأرض إذا ضعفت عن الاستغلال بخلاف الدار إذا ضعفت بخراب بعضها ولم تذهب أصلاً فإنه لا يجوز حينئذ الاستبدال على كل الأقوال قال ولا يمكن قياسها على الأرض فإن الأرض إذا ضعفت لا يرغب غالباً في استئجارها بل في شرائها أما الدار فيرغب في استئجارها مدة طويلة لأجل تعميرها للسكنى" (ردالمحتار ۳/ ۳۸۷)

استبدال کی مزید دو صورتیں:

مذکورہ بالا تین صورتوں کے علاوہ استبدال کی مزید دو صورتیں کتب فقہ میں ملتی ہیں:

الف۔ کسی شخص نے اراضی وقف کو غصب کیا اور اس پر پانی جاری کر دیا، یہاں تک کہ وہ سمندر ہو گیا، تو ایسی صورت میں غاصب ان اراضی کی قیمت کا ضامن ہوگا، اس قیمت سے دوسری اراضی خریدی جائیں گی جو پہلی اراضی کی جگہ پر وقف ہوں گی۔

ب۔ غاصب نے وقف کی جائداد دینے سے انکار کر دیا اور متولی کے پاس کوئی بینہ بھی موجود نہیں ہے، پھر غاصب نے اس کی قیمت دینے کا ارادہ کیا تو متولی قیمت لے کر دوسری زمین خرید کر وقف کرے گا۔

"لا يجوز استبدال العامر إلا في أربع" (درمختار) (قوله إلا في أربع) الأولى لو شرطه الواقف الثانية إذا غصبه غاصب وأجرى عليه الماء حتى صار بحراً فيضمن القيمة ويشترى المتولي بها أرضاً بدلاً الثالثة ان يجحده الغاصب ولا بينة اى وأراد دفع القيمة فللمتولي أخذها ليشتري بها بدلاً" (ردالمحتار ۳/ ۳۸۹)

شیٔ موقوف کے تبادلہ کا اختیار کس کو ہوگا:

جن صورتوں میں واقف نے تبادلے کی شرط اپنے لئے لگائی ہے یا کسی دوسرے کے لئے، ان صورتوں میں تبادلہ کا اختیار، واقف کی شرط کے مطابق خود واقف کو یا اس کے نامزد کردہ شخص کو ہوگا۔ اور جن صورتوں میں واقف نے اپنے یا کسی غیر کے لئے کوئی شرط نہیں لگائی ہے اور شرعاً تبادلہ کی گنجائش ہے، ان صورتوں میں تبادلہ کا اختیار صرف قاضی شریعت کو ہوگا، جو علم وعمل اور عدل میں ممتاز ہوں۔

(وأما) الاستبدال ولو للمساكين آل (بدون الشرط فلا يملكه القاضي) والمستبدل قاضي الجنة المفسر بذي العلم والعمل الخ (در مختار)

علامہ شامی استبدال کی شرطیں بیان کرنے کے بعد تحریر فرماتے ہیں:

"ولا يخفى ان هذه الشروط فيما لم يشترط الواقف استبداله لنفسه أو غيره فلو شرطه لا يلزم خروجه عن الانتفاع ولا مباشرة القاضي له ولا عدم ريع يعمر به كما لا يخفى فاغتنم هذا التحرير" (ردالمحتار ۳/ ۳۸۸)

اب رہا یہ سوال کہ جن مقامات پر قاضی شریعت موجود نہ ہوں وہاں پر یہ اختیار کس کو ہوگا، تو میرے خیال میں چونکہ متولی مصالح وقف کا نگراں اور محافظ ہے اس لئے اگر متولی دیانتدار، صاحب تقویٰ اور پابند شرع ہے تو اس کو یہ اختیار ہونا چاہئے، لیکن وہ اس طرح کا تبادلہ اپنے علاقہ کے متدین اور صاحب تقویٰ علماء کی نگرانی میں کرے، اور اگر متولی بھی نہ ہو تو وہاں کے مسلمان کسی صاحب علم و عمل اور عدل میں ممتاز شخص کو اس کا متولی اور نگراں بنادیں، اور وہ تبادلہ کرے۔

فی الذخیرة سئل شمس الأئمة الحلوانی عن أوقاف المسجد إذا تعطلت و تعذر استغلالها هل للمتولی أن يبيعها ويشترى بثمنها مكانها أخرى قال نعم" (منحۃ الخالق علی ہامش البحر الرائق ۵/۲۲۴) "اتفاق المشائخ المتاخرين على أن الأفضل لأهل المسجد أن ينصبوا متوليا ولا يعلموا القاضی فی زماننا لما علم من طمع القضاة فی أمور الأوقاف صرح به فی التتارخانية و غيرها فی كثير من كتب المذهب" (منحۃ الخالق علی ہامش البحر الرائق ۵/۲۲۳)۔

مسجد اور دیگر اوقاف میں فرق:

واضح رہے کہ تبادلہ وقف کے سلسلہ میں مذکورہ بالا پوری تفصیل مسجد کے علاوہ دیگر اوقاف یا خود مسجد پر وقف شدہ جائدادوں سے متعلق ہے، خود مسجد کے سلسلہ میں یہ تفصیل نہیں ہے، بلکہ مسجد مفتیٰ بہ قول کے مطابق تاقیامت مسجد ہی رہتی ہے، اس کی مسجدیت کو باقی رکھنا ضروری ہے، کسی بھی حال میں، اگرچہ اس کے اردگرد آبادی ختم ہوگئی ہو، ایک شخص بھی نماز پڑھنے والا نہ ہو، پھر بھی نہ تو اس پر ملکیت کے احکام جاری ہوں گے، نہ اس کی خرید و فروخت جائز ہے، نہ اس کا تبادلہ اور نہ ہی اس میں کوئی ایسا کام کرسکتے ہیں جو احترام مسجد کے خلاف ہو۔

"ولو خرب ماحوله واستغنى عنه يبقى مسجدا عند الإمام والثانی) أبداً إلى قيام الساعة (وبه يفتی) حاوی القدسی (درمختار) (قوله ولو خرب ماحوله الخ) ای ولو مع بقائه عامراً و كذا لو خرب وليس له ما يعمر به وقد استغنى الناس عنه لبناء مسجد آخر (قوله عند الإمام والثانی) فلا يعود ميراثا ولا يجوز نقله و نقل ماله إلى مسجد آخر سواء كانوا يصلون فيه أولا وهو الفتوى حاوی القدسی وأكثر المشائخ عليه مجتبی وهو الأوجه فتح" (ردالمحتار ۳/۳۷۱)

منشاء واقف کی رعایت اور مقاصد وقف کا تحفظ و بقا ضروری ہے:

اوقاف کے سلسلہ میں منشاء واقف کی رعایت اور مقاصد وقف کا تحفظ و بقا ضروری ہے۔ یہ خیال رکھنا پڑے گا کہ واقف نے کس مقصد کے لئے وقف کیا ہے، جس مقصد کے لئے وقف کیا ہے اسی میں اس کا استعمال ضروری ہے، دوسرے مقاصد میں استعمال منشاء واقف کے خلاف ہے۔ مثلاً اگر مسجد کے لئے اراضی وقف ہیں تو ان اراضی کی پیداوار کو مسجد ہی پر صرف کرنی ہوگی، مدرسہ یا دیگر کار خیر میں صرف نہیں کرسکتے۔ اسی طرح یہ بھی ضروری ہے کہ مقصد وقف کو ضائع ہونے سے بچایا جائے، کوئی ایسا کام نہ ہو جس سے مقصد وقف فوت ہوجائے، اگر کسی وجہ سے ضائع

ہونے کا اندیشہ ہو تو قاضی شریعت یا قاضی شریعت نہ ہوں تو متولی کی ذمہ داری ہے کہ ایسی کوشش کرے جس سے مقصد وقف کی حفاظت ہو سکے۔ مثلاً قدیم مسجد شہید کر کے نئی مسجد بنائی گئی، قدیم مسجد کے سامان مثلاً اینٹ یا لکڑیاں جن کی ضرورت نئی مسجد کو نہیں پڑی، اور ان کو فروخت نہ کرنے کی صورت میں ضائع ہونے کا یا چوری ہونے کا اندیشہ ہے تو اس صورت میں مقاصد وقف کے تحفظ وبقا کے پیش نظر قاضی شریعت کی اجازت سے وہ فروخت کر دی جائیں گی اور قیمت مسجد میں صرف ہوگی، یا کوئی قبرستان ہے جو بہت ہی وسیع ہے، مردے کم دفن ہوتے ہیں، کچھ حصہ پر غیروں نے قبضہ کر لیا ہے اور بقیہ حصہ پر بھی قبضہ کر لینے کا خطرہ ہے، تو ایسی صورت میں قبرستان کی حفاظت کی غرض سے چاروں طرف سے دوکان بنا کر کرایہ پر لگانے کی گنجائش ہے، قاضی شریعت کی اجازت سے ایسا کر سکتے ہیں۔

"على أنهم صرحوا بأن مراعاة غرض الواقفين واجبة" (ردالمحتار ۴۴۳/۳)

"وما انهدم من بناء الوقف وآلته صرفه الحاكم في عمارة الوقف إن احتاج إليه وإن استغنى عنه أمسكه حتى يحتاج إلى عمارته فيصرفه فيها لأنه لابد من العمارة ليبقى على التابيد فيحصل مقصود الواقف فإن مست الحاجة إليه في الحال صرفها فيها وإلا أمسكها حتى لا يتعذر عليه ذلك أو ان الحاجة فيبطل المقصود وإن تعذر إعادة عينه إلى موضعه بيع وصرف ثمنه إلى المرمة صرفا للبدل إلى مصرف المبدل" (ہدایہ کتاب الوقف ۶۳۲/۲)

وقف کی فاضل آمدنی کا مصرف:

اس ذیل میں ایک اہم بحث یہ آتی ہے کہ ایک وقف کی فاضل آمدنی جو اس کی ضروریات سے زائد ہے، اور مستقبل قریب میں بھی اس کی ضرورت پڑنے والی نہیں ہے، تو ایسی صورت میں اس فاضل آمدنی کو کس مصرف میں صرف کیا جائے۔ مثلاً کسی مسجد پر کافی اراضی وقف ہیں، ان اراضی کی آمدنی ہر سال اتنی ہوتی ہے کہ مسجد کی ضروریات پر صرف ہونے کے باوجود بہت زیادہ بچ جاتی ہے، اس طرح ہر سال آمدنی میں اضافہ ہوتا رہتا ہے، جس کی ضرورت مسجد مذکور کو نہیں ہے، تو ایسی صورت میں مسجد مذکور کی موقوفہ اراضی سے حاصل ہونے والی فاضل آمدنی کو کس مصرف پر صرف کیا جائے؟... اس سلسلہ میں کتب فقہ میں یہ صراحت موجود ہے کہ ایک وقف کی آمدنی اولاً اسی وقف پر یا اس کی ضروریات پر صرف کی جائے گی، مثلاً مسجد پر موقوفہ جائداد کی آمدنی پہلے مسجد پر یا اس کی دیگر ضروریات جیسے امام ومؤذن کی تنخواہ یا اس کے لئے چٹائیاں یا تیل وغیرہ پر صرف کی جائے گی، لیکن اگر مسجد مذکور کی آمدنی اس کی ضروریات سے فاضل ہو جس سے مسجد کو بے نیازی ہو، یا مسجد کی گھاس یا اس کی چٹائیاں ہیں جن سے مسجد بے نیاز ہے، یا حوض یا مسافر خانہ یا کنواں ہے جس پر اراضی وقف ہیں، اور وہ حوض یا مسافر خانہ یا کنواں خراب و ویران اور بے مصرف ہو گیا، اس پر رقم صرف کرنے کی ضرورت نہیں۔ یا اس کی موقوفہ اراضی سے حاصل ہونے والی آمدنی بہت زیادہ ہے، جو اس کی ضروریات سے فاضل ہے، موقوفہ اراضی سے حاصل ہونے والی آمدنی کی حفاظت کا کوئی ذریعہ نہیں ہے، اور مزید اراضی خریدنے کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی ہے، نیز رقم کو محفوظ رکھنے میں ضیاع کا اندیشہ ہے اس لئے کہ یہ ممکن ہے کہ

متولی وغیرہ اس کا بے جا استعمال کریں، تو ایسی صورت میں ایک وقف کی آمدنی اسی جنس کے وقف پر جو اس سے قریب ہو صرف کی جائے گی۔ مثلاً کسی مسجد کی فاضل آمدنی اس سے قریب کی مسجد یا اس کی ضروریات پر، پھر اس سے جو قریب ہو اس طرح الاقرب فالاقرب کی ترتیب سے پورے ہندوستان کی مساجد پر صرف ہوگی۔ یا حوض کی آمدنی قریب کے حوض پر، مسافر خانہ کی آمدنی مسافر خانہ پر، مدرسہ کی آمدنی مدرسہ پر صرف ہوگی۔ مسجد کی آمدنی مدرسہ پر یا مدرسہ کی آمدنی مسجد پر یا مسجد ومدرسہ کی آمدنی حوض یا مسافر خانہ یا کنواں پر صرف نہیں ہوگی۔

" (ومثله) في الخلاف المذكور (حشيش المسجد و حصره مع الاستغناء عنهما و) كذا (الرباط والبئر إذا لم ينتفع بهما فيصرف وقف المسجد والرباط والبئر) والحوض (إلى أقرب مسجد أو رباط أو بئر) أو حوض (إليه) (درمختار) قوله إلى أقرب مسجد أو رباط الخ ،لف ونشر مرتب و ظاهره أنه لا يجوز صرف وقف مسجد خرب إلى حوض و عكسه وفي شرح الملتقى يصرف وقفها لأقرب مجانس لها" (ردالمحتار ۳/ ۴۷۷)

درمختار اور اس کے حاشیہ ردالمحتار میں اسی صفحہ کے بعد یہ صراحت بھی موجود ہے کہ اگر واقف اور جہت وقف دونوں متحد ہوں، تو ایسی صورت میں ایک وقف کی آمدنی دوسرے وقف پر صرف کر سکتے ہیں، مثلاً کسی شخص نے اپنی ایک زمین کسی مسجد کی تعمیر، چونہ گردانی وغیرہ پر وقف کی اور دوسری زمین اسی مسجد کے امام ومؤذن کی تنخواہ کے لئے وقف کی تو ایسی صورت میں چونکہ واقف اور جہت وقف دونوں متحد ہیں، اس لئے اگر امام ومؤذن کی تنخواہ اس پر موقوفہ اراضی کی آمدنی سے پوری نہیں ہو پاتی ہے تو دوسری اراضی جو اسی مسجد کی تعمیر یا چونہ گردانی وغیرہ پر وقف تھی اس کی آمدنی امام ومؤذن کی تنخواہ پر صرف ہوگی... اور اگر واقف یا جہت وقف دونوں میں سے کوئی ایک بھی مختلف ہو تو پھر ایک وقف کی فاضل آمدنی دوسرے وقف پر صرف نہیں کر سکتے ہیں۔ مثلاً دو آدمیوں نے الگ الگ مسجد بنائی یا ایک شخص نے ایک مسجد اور ایک مدرسہ بنایا اور ان دونوں پر کچھ اراضی وغیرہ وقف کیا تو مسجد کی فاضل آمدنی مدرسہ پر یا مدرسہ کی فاضل آمدنی مسجد پر صرف نہیں کر سکتے ہیں۔ اسی طرح اگر دو منزلہ عمارت وقف ہو، جس کی ایک منزل رہنے کے لئے اور دوسری منزل آمدنی حاصل کرنے کے لئے ہو تو یہ بھی جہت وقف کے مختلف ہونے کی صورت ہے، اس میں بھی ایک کی آمدنی دوسرے پر صرف نہیں کر سکتے ہیں۔

(اتحد الواقف والجهة وقل مرسوم بعض الموقوف عليه) بسبب خراب وقف أحدهما (جاز للحاكم أن يصرف من فاضل الوقف الآخر عليه) لأنهما حينئذ كشيء واحد (وإن اختلف أحدهما) بأن بنى رجلان مسجدين أو رجل مسجدا و مدرسة ووقف عليهما أوقافا (لا) يجوز له ذلك (درمختار) (قوله اتحد الواقف والجهة) بأن وقف وقفين على المسجد أحدهما على العمارة والآخر إلى إمامه و مؤذنه والإمام والمؤذن لا يستقر لقلة المرسوم للحاكم الديني أن يصرف من فاضل وقف المصالح والعمارة إلى الإمام والمؤذن باستصواب أهل الصلاح من

أهل المحلة ان كان الوقف متحدا لأن غرضه إحياء وقفه و ذلك يحصل بما قلنا... (قوله بسبب خراب وقف أحدهما) اى خراب أماكن أحد الوقفين... (تنبيه) قال الخير الرملي أقول ومن اختلاف الجهة ما إذا كان الوقف منزلين أحدهما للسكنى والأخر للاستغلال فلا يصرف أحدهما للآخر وهي واقعة الفتوى (رد المحتار ۳/ ۳۷۲)

حضرت تھانوی امداد الفتاویٰ میں اس طرح کے سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں:

رہا یہ کہ وہ مصالح مسجد سے بچ جاتا ہے اور اس کے جمع رکھنے میں احتمال ضیاع کا ہے تو اس کی صورت یہ ہے کہ اس فاضل کو دوسرے مساجد کے مصالح پر صرف کرنا چاہئے جو مسجد موقوف علیہ سے قریب ہو، اور اگر اس مسجد قریب میں بھی استغناء ہو تو پھر اس کے بعد جو مساجد قریب ہوں حتی کہ دوسری بلاد و بندگی مسجد تک اس کی محل ہیں (امداد الفتاوی ۲/ ۶۱۳)

دوسرے سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں:

مدرسہ جنس مسجد سے نہیں، اس لئے زائد رقم دوسری مساجد میں صرف کرنا چاہئے، اگر اس شہر میں حاجت نہ ہو تو دوسرے شہر کی مساجد میں صرف کریں جو زیادہ قریب ہو اس کا حق مقدم ہے، اسی طرح بہ ترتیب۔ (امداد الفتاوی ۲/ ۶۱۸)

فتاویٰ دار العلوم قدیم میں مفتی عزیز الرحمن صاحب، مفتی دار العلوم دیوبند ایک سوال (مسجد کی موقوفہ اراضی میں واقف یا غیر واقف مدرسہ بنا سکتا ہے یا نہیں؟) کے جواب میں فرماتے ہیں: نہیں بنا سکتا۔ (فتاوی دار العلوم قدیم ۵/ ۲۵۳)

خلاصہ یہ ہے کہ ایک وقف کی فاضل آمدنی کو اسی نوع پر الاقرب فالاقرب کی ترتیب سے صرف کریں گے، دوسرے وقف پر صرف نہیں کر سکتے ہیں۔

☆☆☆

وقف کے بنیادی اصول واحکام

شیخ عبد المحسن محمد العثمان
سکریٹری جنرل الامانۃ العامۃ للاوقاف، کویت

احمدک اللھم، شاکراً لسابغ فضلک، واستھدیک ھادیاً قویماً منجیاً... واصلی واسلم علی رسولک نبی الرحمۃ، جاء بعقیدۃ التوحید، وشریعۃ العدل، وحضارۃ الأخلاق... وعلی آلہ وصحبہ ومن سار علی ھدیہ إلی یوم الدین وبعد...،

مجھے اسلامک فقہ اکیڈمی (انڈیا) کے ذمہ داروں کا شکریہ ادا کرتے ہوئے بے انتہا خوشی محسوس ہو رہی ہے جس نے مجھے اس اہم سیمینار کی سرگرمیوں میں شرکت کی پرخلوص دعوت دی... امت مسلمہ کی موجودہ صورتحال کا تقاضا یہ ہے کہ ہم ایک اسلامی تہذیبی پروگرام کے آئینہ میں اپنے کو موجودہ زمانہ سے مربوط کرنے کی نوعیت پر غور وفکر کریں جس کے ذریعہ امت اسلامیہ کی وہ عظمت رفتہ پھر بحال ہو جائے جس کا تعلیم ومعاشرت کے مختلف میدانوں کے اندر ایک اہم حصہ رہا ہے۔

انسانی تہذیب کی تشکیل میں ہم اگر اپنی معاشرتی سرگرمیوں کے معیار کو بلند کرنے کے لئے کمربستہ ہیں تو ہمارے لئے ضروری ہے کہ ہم اصولوں اور اپنے کامیاب تاریخی تجربات سے بھرپور استفادہ کریں، تا کہ ہماری معاشرتی ترقی اور فلاح کو مزید سرگرم بنانے والے مناسب حال اسلامی تہذیبی نقشوں اور طریقہ کار کو درجہ کمال تک پہنچانے والی تدابیر اور راہیں ہم پر آشکارا ہو سکیں، ان تدابیر سے واقفیت حاصل کرنے کے لئے ان ترقیاتی کاوشوں پر نظر رکھنے کی ضرورت ہے جو سماج کے مختلف اداروں، خصوصاً ملی سماجی اداروں کی طرف سے کی جارہی ہیں، اور یہ ایک امر واقعہ ہے کہ موجودہ زمانہ میں عالمی سطح پر ترقیاتی عمل کی باگ ڈور بڑی حد تک ان ہی اداروں کے ہاتھوں میں ہے، صورتحال کی اس نزاکت کا تقاضا ہے کہ ہم وقف کی سنت کو ایک مؤثر اسلامی ترقیاتی پروگرام کی حیثیت سے پھر سے زندہ کرنے کی کوشش کریں۔

اس مسئلہ پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے تین بنیادی عناصر ہیں:

۱۔ ہماری موجودہ زندگی میں اسلام کے بارے میں تصور

۲۔ ترقی کے بارے میں ہمارا موجودہ تصور

۳۔ موجودہ مسلم معاشرہ کے ترقیاتی نظام میں وقف کا مقام

ا۔ ہماری موجودہ زندگی میں ہمارا اسلامی تصور:

شاید کوئی یہ سوال کرے کہ کیا ہم اسلام کے بارے میں بحث کر رہے ہیں..؟! اسلام تو اپنے اصول، مرجعیت، اقدار اور قوانین واحکام کے اعتبار سے معروف ومسلّم ہے۔

یہ سوال درست ہے، لیکن ہمارا موضوع بحث اس وقت وہ وسیع باب ہے جسے شریعت نے فقہ کے لئے چھوڑ دیا ہے.. تاکہ ہم اپنی معاشرتی سرگرمیوں اور طرز زندگی میں اصولی اور فقہی اجتہاد کے ذریعہ زمانہ کے تقاضوں کو پورا کر سکیں۔ ہم لوگ اس بات کو محسوس کر رہے ہیں کہ اس وقت مسلمان انفرادی اور اجتماعی طور پر دوسروں سے زیادہ فکری انتشار سے دوچار ہیں اور ان کی ایک بڑی اکثریت اس کا شکار ہے، اور ظاہر ہے کہ یہ انتشار زبردست نقصانات کا سبب بنتا ہے اور ہر ایک الگ الگ مسلم معاشرہ کی ترقی کی راہ میں رکاوٹیں کھڑی کر دیتا ہے اور پورے عالم اسلام کے لئے بھی ضرر رساں بنتا ہے..... یہ ایسا خسارہ ہے جس کا اندازہ ماہرین ترقیاتی پیمانے کے ان معیاروں کے مطابق آسانی سے لگا سکتے ہیں جو موجودہ انسانی فکر کا ماحصل ہیں، ہمارے ناقص ادراک کے مطابق یہ حقیقت ہمیں مسلسل اسلام کے متعلق گفتگو کرنے پر مجبور کرتی ہے، یہ گفتگو خواہ مخصوص سیمیناروں کی سطح پر ہو یا عام محفلوں اور مجلسوں کی سطح پر.... موضوع کا نازک پہلو یہ ہے کہ ہمیں کس اسلام کے متعلق "[illegible]" کرنے کی ضرورت ہے؟...

بہت سے ماہرین عصر حاضر کو "انفارمیشن ایج" سے تعبیر کرتے ہیں، یہ تعبیر بڑی حد تک درست نظر آتی ہے، تحقیق ومطالعہ سے یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ ان معلومات کا حجم جو اس وقت صرف ایک سال میں مدون ہوتی ہیں اور جو عالمی سطح پر متداول ہوتی ہیں پوری طویل انسانی تاریخ کے مدون ومتداول علوم ومعارف سے زائد ہے، ہو سکتا ہے اس تخمینہ میں ہمارے درمیان اختلاف رائے ہو، لیکن اس میں کوئی دو رائے نہیں کہ اس وقت روزانہ مختلف ذرائع سے علوم ومعارف کا بے پناہ ذخیرہ منظر عام پر آ رہا ہے، یہ ذرائع ہی ان کی تخلیق کرتے اور ان والوں کی ایک بڑی تعداد کے درمیان ان کو رواج دینے کی کوشش کرتے ہیں جو دانستہ یا نادانستہ ان کو قبول کرتے ہیں۔

عصر حاضر کی اس مخصوص علامت کی طرف اشارہ کرنے کا مقصد یہ ہے کہ ہم یہ جان لیں کہ بلا شبہ نشر و اشاعت کے مختلف مراکز، ذرائع ابلاغ اور ارسال وترسیل کی بے انتہا قوت اور برق رفتاری کا حامل انٹرنیٹ کے ذریعہ انجام دی جانے والی ان علمی سرگرمیوں میں اسلام کا تناسب ناقابل لحاظ حد تک پایا جاتا ہے۔

چنانچہ اسلام کے حدود اربعہ کی وہ تعیین جس کے متعلق ہم گفتگو کرنا چاہتے اور خوشخبری دینا چاہتے ہیں کہ اسلام اس انفارمیشن ایج میں ایک اہم ضرورت بن چکا ہے جس کا دعوت الی اللہ کی فطرت تقاضا کرتی ہے.... اور چونکہ جو خود پیاسا ہو وہ دوسروں کی پیاس نہیں بجھا سکتا، اس لئے ضروری ہے کہ پہلے ہم خود اپنی موجودہ زندگی میں اسلامی تصور اور حیثیت کو اجاگر کریں۔

جب انبیاء علیہم السلام اور خاتم النبیین محمد ﷺ نے فریضہ تبلیغ ادا کیا اور دینی اقدار کی ترویج اور اصول شریعت کی تطبیق کا ایک مکمل نمونہ ہمارے سامنے پیش فرما دیا، پھر صحابہ، تابعین اور تبع تابعین نے تاریخ اسلامی کے

مختلف ادوار میں اپنے حالات زمانہ کے مطابق بہتر طور پر اصول شریعت کی تطبیق کے اس مبارک عمل کو جاری رکھا اور جب خدائے بزرگ و برتر کی مشیت یہی ہے کہ دعوت الی اللہ کا عمل تاقیامت جاری رہے۔ تو ہمارا فرض ہے کہ ہم اپنی موجودہ زندگی میں اسلام کے تطبیقی تصورات و مفاہیم کے استنباط کا اہتمام کریں۔ اس لئے کہ ہم تصور کا یہ انقطاع ترقیاتی کاوشوں پر بہت ہی واضح اثر ڈالتا ہے بلکہ ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ یہ پسماندگی کی ایک علامت ہے جسے دور کرنا ضروری ہے۔

اگر ہمارے پاس بحیثیت امت مسلمہ اسلام کے واضح تطبیقی تصورات و مفاہیم نہیں ہیں جن پر ہمارے عوام الناس کا ایمان ہو اور اسلامی عدل کی طرف اپنے مقدمات میں وہ رجوع کر رہے ہوں، اسلامی اخلاق سے آراستہ ہوں اور اسلامی طریقے کے مطابق ہی دوسروں کے ساتھ ان کا رہن سہن اور ان کے معاملات ہوں، اور جب ہماری ہی جنس کے غیر مسلموں کے لئے ان تصورات کا احاطہ مشکل ہو تو اس صورت میں ہم سب اپنے اندازے کے مطابق بسا اوقات مسلم معاشرہ بحیثیت داخلی اور خارجی انتشار اور کشمکش میں مبتلا رہیں گے، اور یہ داخلی و خارجی کشمکش ترقیاتی عمل اور ان کے حصول کے لئے سم قاتل ہے۔

اسلامی اصولوں کے لئے موجودہ تطبیقی تصورات کے فقدان کی ایک مثال ہم بیان کرتے ہیں۔ شاید اس سے ہمارے موجودہ فکری انتشار کا اندازہ لگایا جا سکے اور زیر بحث مسئلہ کی ماہیت واضح ہو سکے۔ یہ مثال مفہوم مال کے تعلق سے ہے۔

سوال یہ ہے کہ کیا ہم مال کے مفہوم کے کسی معاصر واضح اور متفق نقطہ نظر یا اکثریت کے اتفاق پر مبنی نقطہ نظر کے حامل ہیں اس طور پر کہ اس کے مقابلہ میں کوئی دوسرا نظریہ شاذ کے درجہ میں ہو۔

ہر ایک کو معلوم ہے کہ سرمایہ دارانہ اور اشتراکی کیمپوں کے درمیان سرد جنگ اور جنگ کے نتیجہ میں ہر ایک کو اپنا حامی بنانے کی زبردست تگ و دو کے آغاز ہی میں مسلمانوں کے درمیان ایک فکری تحریک ظہور پذیر ہوئی جس کا خیال تھا کہ اسلام ایک اشتراکی مذہب ہے۔ اس کے بالمقابل ایک دوسری تحریک منظر عام پر آئی جس کا دعوی تھا کہ اسلام ایک سرمایہ دارانہ مذہب ہے۔ اور یہ بھی سچ ہے کہ ان دونوں ایک دوسرا فکری رجحان موجود رہا ہے جو اسلام کے حقیقی تصورات اور سماج اور اداروں سے اس کے رابطۂ تعلق کی نوعیت کو واضح کرنے کی کوشش میں ہے۔ مگر اس طرز فکر کی خامی یہ ہے کہ یہ بدرجہ اتم دنیا پر چھائے ہوئے "اشتراکی اور سرمایہ دارانہ" دونوں نظریوں میں سے ہر ایک کو اپنا ہمنوا بنانے والی تحریک کی ناکامی اور کمزوری سے قوت حاصل کرنے کی کوشش میں ہے۔ اس کی قوت کا سرچشمہ قوت و طاقت کے ذاتی عوامل نہیں ہے۔

ہم ذہنوں کو کریدنا نہیں چاہتے، بلکہ اسلام کے تصورات کی آمیزش کی ایک مثال دینا چاہتے ہیں۔ نوے کی دہائی کی ابتداء میں اپنے مسلم عرب پڑوسی عراق کی طرف سے کویت پر کیا جانے والا حملہ اس کی ایک واضح مثال ہے۔ پڑوسی ملک پر حملے کے دیگر وجوہ کے ساتھ ساتھ ایک وجہ زر مال کے غلط تصور کا استعمال بھی ہے۔ کیا بحیثیت امت

ہمارے فکری انتشار کی یہ ایک واضح دلیل نہیں ہے؟... اس انتشار کے ہوتے ہوئے مسلم معاشروں کی ترقی اور ان کی ترقی کو بروئے کار لانے کے تقاضوں کی تکمیل کبھی نہیں ہو سکتی، یہ ملکوں اور ایک ہی سماج کے مختلف طبقوں کے درمیان بہت سے جھگڑوں کے برپا ہونے کا سبب ہے، اور تباہی، ہلاکت اور زوال کا باعث ہے، اسلامی اصولوں کے تطبیقی مفاہیم میں خلط و التباس کی زد بہت سارے ان فکری عناصر پر پڑتی ہے جن پر ہمیں موجودہ ترقیاتی نظریہ کی بنیاد رکھنی چاہئے... ان میں سے مثال کے طور پر چند یہ ہیں، ملکیت اور حقوق ملکیت کا تصور، استخلاف فی الارض کا تصور، معاشرہ میں وقف اور زکوۃ کا کردار، دعوت اور اجتہاد کا تصور، آزادی اظہار رائے اور حدود و اختلاف رائے کا تصور، رفاہی امور کا تصور، فساد فی الارض اور جہاد کا تصور، اقتدار و ذمہ داری، شورائیت، اجتماع اور اکثریت کے تصورات، اور ان کے علاوہ دوسرے بہت سے امور جن کے لئے ایسے مفاہیم کی تلاش ہے جو شریعت کے مطابق ہوں، ہمارے اس دور میں قابل عمل ہوں، اور جن پر امت کا اتفاق ہو۔

۲۔ ترقی کا موجودہ مفہوم:

ترقی سے ہماری کیا مراد ہے؟... ماہرین کی اصطلاح سے صرف نظر کرتے ہوئے اگر ہم اس سوال کا جواب دینا چاہیں تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ "ترقی" کا لفظ عربی زبان کے ایک مفرد کی حیثیت سے صرف عصر حاضر میں معروف ہے، اور اگر غیر عربی زبان کے مطابق "ترقی" تغیر اور نمو کے عمل کا نام ہے تو میں پورے وثوق کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ ترقی انسانی زندگی کی فطرت کا ایک حصہ اور پوری انسانی تاریخ میں ایک ثابت شدہ حقیقت ہے، اور لوگوں نے ہر دور میں زمان و مکان اور حالات کے اختلاف کے باوجود ترقی کے لئے ہمیشہ جد و جہد کی ہے۔

چنانچہ آج کا مسئلہ ترقی کے وجود کا نہیں ہے، اس لئے کہ ترقی تو موجود ہے اور ہر ایک تغیر و نمو کے عمل سے گذر رہا ہے، بلکہ آج کا اصل مسئلہ ترقی کے اغراض و مقاصد اور اس کے ذرائع و وسائل کا ہے، ہم کیوں کر نمو و تغیر کو قبول کریں اور کیسے قبول کریں؟ ترقی و تغیر کے لئے مختلف اسالیب کو ہمارے اختیار کرنے کے اسباب کیا ہیں؟ اور پھر ترقی و تغیر کے اس عمل میں نفع و نقصان کی مقدار کیا ہے؟

میرا خیال ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ اکثر لوگ میری اس رائے سے اتفاق کریں گے کہ ترقی کا کوئی ایک نمونہ نہیں ہے جس کی تقلید لازمی ہو، اس لئے کہ ہر قوم، بلکہ ہر شہر کی کچھ اپنی خصوصیات ہوتی ہیں اور ان کے تدریجی حالات ہوتے ہیں جن کے زیر اثر وہ اپنی طرف سے تیار کردہ ترقی کے نمونہ کی تشکیل کرتے ہیں، بلکہ بعض کے نزدیک خصوصیت کی رعایت اور تشکیل میں ان کے نفوذ کی وجہ سے معاملہ یہاں تک پہونچ گیا ہے کہ صرف معاشرتی ترقی (یعنی الگ الگ ہر چھوٹے معاشرے کی مقامی ترقی) پر روشنی ڈالی جا رہی ہے، جیسا کہ ترقی کا کوئی ایک بنیادی مرکز یا ادارہ ہو جو علاقائی پیمانے پر ہو یا پورے مسلم معاشرے یا ملک یا اسٹیٹ کو شامل ہو۔

میں چاہتا ہوں کہ تنمیہ کے مسئلہ سے متعلق کچھ بنیادی مفاہیم کی طرف اشارہ کرتا چلوں، وہ یہ ہیں

(الف) اس بات کی ضرورت کہ مسلمان اسلام کی قیادت کو تسلیم کریں

(ب) پسماندگی سے ترقی کے تعلق کی نوعیت کا مسئلہ

(ج) ترقیاتی سرگرمیوں کے معیارات

(الف) اس بات کی ضرورت کہ مسلمان اسلام کی قیادت کو تسلیم کریں:

تاریخ اسلام کا بغور مطالعہ اس بات کی واضح رہنمائی کرتا ہے کہ مسلمانوں کی سرزمین میں اسلام کی جڑیں راسخ ہیں، اور اس کی شدید ضرورت ہے کہ امت کی تمام طاقتیں اور اس کے تمام اجتماعی ڈھانچے ٹھیک ٹھیک اسلام کو قبول کریں۔ اس کی تاریخی مثال یہ ہے کہ سامراجی طاقت جنوبی امریکہ کی اقوام کا اپنی فطری جڑوں سے رابطہ اور تعلق کو توڑنے میں کامیاب ہو گئی ٹھیک اسی وقت قرب مسافت کے باوجود شمالی افریقہ اور بحیرۂ روم کے مشرق میں آباد مسلم قوموں کا اسلام سے تعلق توڑنے میں ناکام رہی لہٰذا مسلم معاشرے کا اسلام کی سربراہی اور قیادت کو تسلیم نہ کرنا سخت تضادات کا باعث ہوگا جس کے نتیجے میں ہمیں ترقی کی سنجیدہ کوششوں کو کمزور کرنے کے سوا کچھ ہاتھ نہ آئے گا۔

(ب) ترقی کا پسماندگی سے رابطے کی نوعیت کا مسئلہ:

یہ بات معلوم ہے کہ ترقی، اپنے ایک مفہوم کے اعتبار سے۔ پسماندگی کے ازالہ کا نام ہے، بالفاظ دیگر ہمیں اس پسماندگی کو سمجھنے کی ضرورت ہے جس کا ازالہ اور خاتمہ ہم چاہتے ہیں۔ اس سوال کا براہ راست، واضح اور صحیح جواب ہی دراصل میرے خیال میں ترقی کے منصوبوں کی مضبوط بنیاد بنے گا، میرا خیال ہے اس جواب کے بغیر ہم خالی خولی دائرہ میں گھومتے پھرتے رہیں گے۔

تہذیبی ادبار اور سماجی و اقتصادی پسماندگی کے اسباب مختلف ہیں اور اس کے پیمانے متعدد ہیں جن میں سے اہم کا احاطہ مندرجہ ذیل امور میں ممکن ہے:

۱۔ مفاہیم میں خلط ملط، فکری حرکیت کا زمانے کے ساتھ چلنے سے باز رہنا، معاشرہ کی اصل اور حقیقی ثقافت سے حاصل شدہ کسی نئے اسلوب سے مسائل زمانہ کا مقابلہ کرنے سے پیچھے ہٹنا۔

۲۔ روایت پرستی اور دوسری تہذیبوں کی تقلید ان دونوں قسم کی انتہاپسندی کے درمیان فکری تصادم۔

۳۔ سیاسی زندگی میں جاری مفاہیم اور ان کے انطباق میں معاشرہ کے تمام افراد اور جماعتوں کے اندر التباس، خصوصاً ان تطبیقات میں جن کا تعلق حقوق و فرائض کے مفاہیم سے ہے۔

۴۔ معاشرہ کے عمومی نظام میں کمزوری اور اس کی امن و سلامتی کو در پیش بڑھتے خطرات۔

۵۔ معاشرے کے مختلف عام و خاص اداروں کے انتظام و انصرام میں کمزوری، پالیسیوں کی گڑبڑی، کرپشن کا عام ہونا اور افراد و جماعتوں کے باہمی رابطہ اور لین دین پر منفی اقدار کا تسلط۔

۶۔ اجتماعی کفالت و نگہداشت کے فقدان اور غربت و محرومی سے دوچار طبقوں کے ساتھ مسلسل زیادتی کے باوجود سرمائے اور آمدنیوں کی تقسیم میں پایا جانے والا زبردست تفاوت۔

۷۔ معاشرہ کے مختلف طبقات کے درمیان پائے جانے والے سماجی امتیازات کو مٹانے والی اجتماعی حرکت کی

مشینوں کا بند ہو جانا۔

۸۔ تعلیم و صحت اور خدمات عامہ کے معیار کی پستی اور با مقصد تفریح کے تصور کا فقدان۔

۹۔ تحقیقی علوم اور ثقافت سے عدم دلچسپی۔

۱۰۔ اقتصادی مساوات کے دونوں پہلوؤں طلب و رسد کے درمیان عدم توازن، جس کے نتیجہ میں سماج مختلف مشاکل میں پھنس کر رہ جاتا ہے جیسے افراط زر، آمدنیوں کی حقیقی قوت خرید کی گراوٹ، داخلی و خارجی قرضوں میں دب جانا جس کا بوجھ سال بسال بڑھتا ہی جاتا ہے۔ اور سماج کے بہت بڑے حصے میں غربت و افلاس کا عام ہونا۔

۱۱۔ اقتصادی تنوع میں عدم توازن، چنانچہ کبھی اقتصادیات یکرخی آمدنی اور نفع آمیز ہو کر رہ جاتی ہے، آمدنی کا معیار بڑھ جاتا ہے اور سماج میں پسندیدہ اور اختیاری بے روزگاری بڑی حد تک بڑھ جاتی ہے، اور عمومی طور پر کام کرنے والی طاقتوں کی سرگرمیوں کا معیار گھٹ جاتا ہے۔

۱۲۔ مختلف شعبہ جات، پیشوں اور معیارات کے درمیان کام کرنے والے عوامل کی بازی کی تشکیل میں عدم توازن۔

۱۳۔ بیرونی تجارتی تعلقات کا خام مواد کی برآمدات اور مکمل بنی ہوئی مصنوعات کی درآمدات پر زور صرف کرنا

(ج) ترقیاتی سرگرمیوں کے معیارات:

فطری بات ہے کہ ترقیاتی منصوبہ اور اس کی تنظیم کے لئے سرگرمیوں کے معیارات کی ضرورت ہوگی۔ اس موقع پر خود بخود جو سوال پیدا ہوتا ہے وہ یہ کہ کیا خالص اقتصادی تغیرات کے اشارات ہی سے ترقی کے نتائج کو پرکھنا ضروری ہے؟ جیسے: قومی آمدنی کی بڑھوتری کا اوسط اور ہر فرد کا اس میں حصہ، کام کا پروڈکشن، ذخیرہ اندوزی کا رجحان اور اس کا حجم، سرمایہ کاریوں کا حجم، یا اور اس طرح کے دوسرے معیارات جن کا استعمال ہی بعض ملکوں کی اقتصادیات کی درجہ بندی کرتا ہے اور یہ طے کرتا ہے کہ یہ اقتصادی طور پر پسماندہ ہیں اور اس کے نتیجہ میں اس درجہ بندی سے نکلنے کے لئے یہ ممالک خالی خولی دائرے میں چکر لگاتے پھرتے ہیں، یہاں تک کہ اس درجہ بندی کی رو سے غریب ملک کی تعریف اس طرح کی جاتی ہے "چونکہ فلاں ملک غریب ہے اس لئے وہ غریب ہے"۔

چند دہائیوں سے اکثر ماہرین اقتصادیات ترقی و پسماندگی کی درجہ بندی کے لئے ان معیارات کو استعمال کرتے آئے ہیں، بہت سے غریب اور امیر اور ان ملکوں کے تجرباتی مطالعے کے بعد جن کو اس درجہ بندی کی رو سے ترقی پذیر ملک قرار دیا گیا تھا حالانکہ وہ مختلف قسم کی پسماندگی کے مظاہر میں مبتلا تھے اس خیال کی غلطی واضح ہو چکی ہے، یہ خیال اس لئے بھی درست نہیں کہ ہمیں اس وقت ایسے معیارات کی ضرورت ہے جو مسئلہ کے وسیع الاطراف وجوانب سے ہم آہنگ ہوں۔

اس مقصد کے حصول کے لئے جب ہم اسلام کی طرف رجوع کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ اسلام کے پاس اس کے لئے ایک فکری و عملی دائرہ موجود ہے، اسلام اصول سازی کرتا ہے اور پھر زمان و مکان کے حالات سے ہم آہنگی کے لئے وسیع میدان چھوڑ دیتا ہے، اسلام اپنے اصولوں کی بنیاد پر ہمیں اس قابل بنا دیتا ہے کہ ہم پسماندگی کے آثار کا ازالہ کریں اور ترقی کو بروئے کار لائیں، اور ایسا اس طرح کہ:

۱۔ اسلام تخلیق کی حکمت اور مخلوقات میں انسان کے مقام کے سلسلہ میں غور و فکر کی دعوت دیتا ہے، اسلام انسان کو اس پہلو سے بھی تدبر کی دعوت دیتا ہے کہ اسے اپنی ذات اور دیگر انسانوں اور مخلوقات کے تعلق سے بڑی بڑی ذمہ داریوں کا مکلف کیوں بنایا گیا ہے؟ اسی طرح اسلام مکمل طور پر فکری جمود کو رد کرتا ہے، اور ہر زمان و مکان میں مسلمانوں کو درپیش مسائل و مشکلات کا حل تلاش کرنے کے مقصد سے قوانین کی تشکیل، مفاہیم کی تجدید اور ان کی تطبیقی شکلوں کو بہتر سے بہتر بنانے کے لئے اجتہاد پر ابھارتا ہے۔

۲۔ فرائض کے تعلق سے مسلم معاشرہ کے افراد کے درمیان وحدت، فکری انتشار اسلام میں ممنوع ہے، انتہا پسندی اور غلو اعتدال پر مبنی اسلامی تعلیمات سے کوئی تعلق نہیں رکھتے، لہذا اس کی تعلیمات کے مطابق فکر، زندگی کے معاملات اور دوسری تہذیبوں سے تال میل میں انتہا پسندی اور غلو سے احتراز کی ضرورت ہے۔

۳۔ اسلام نے درست سیاسی زندگی کے لئے واضح اصول مقرر کئے ہیں، اور ان کے نفاذ کی تفصیلات کو ہر معاشرہ اور ہر زمانہ کے مناسب حال اجتہاد پر چھوڑ دیا ہے، مسلم معاشروں کی سیاسی زندگی میں کمزوری اسی وقت پیدا ہوتی ہے جب معاشرے کے افراد اور اداروں کی طرف سے اسلامی اصولوں کی غلط تعبیر پیش کی جاتی ہے، خاص طور سے شریعت کے مقرر کردہ حقوق و فرائض کے مفاہیم کے تعلق سے جب کوئی غلط تصور سامنے آتا ہے۔

۴۔ اسلام نے حقوق و فرائض کے مفاہیم کی جو موزوں درجہ بندی کی ہے، اس کے نتیجہ میں معاشرہ کا عمومی نظام درست ہو جاتا ہے اور یہ معاشرہ کے امن کی ضمانت بھی ہے۔

۵۔ جہاں تک انتظامیہ کا تعلق ہے تو اسلام ہر ذمہ دار کو اپنے ماتحت کے ساتھ حسن سلوک پر ابھارتا ہے، اس کا تقاضا ہے کہ اغراض و مقاصد اور پالیسیوں کی واضح تعیین کی جائے۔ فرائض کی بجا آوری کا معیار بلند ہو، فساد اور خرابی کے تمام مظاہر سے دور رہا جائے اور افراد و جماعتوں کے باہمی تعامل میں مثبت اقدار کی حکمرانی اور بالادستی تسلیم کی جائے۔

۶۔ اسلام نے (زکوۃ، وقف اور دیگر صدقات کے حوالے سے) دولت کی تقسیم میں توازن

اور عام اقتصادی امور اور تمام ذی احتیاج اور کمزور طبقات کی اجتماعی نگہداشت اور کفالت کے عمل کو بروئے کار لانے سے متعلق ایک بیش بہا اور متوازن نظام پیش کیا ہے۔

۷۔ اسلام نے رنگ، قومیت، انسان کی مالی حالت اور انسان اور انسان کے درمیان تفریق کرنے والے دیگر معیارات سے قطع نظر ہر انسان کو اس کے عمل کے مطابق افضل قرار دیتے ہوئے اجتماعی عمل کے ایسے معیارات ترتیب دیئے ہیں جو مختلف افراد کی صفوں میں شمولیت کی تنظیم کرتے ہیں۔

۸۔ اور جہاں تک تعلیم، صحت، جسم و جان کے حقوق، اسی طرح محنت، فرائض کی ادائیگی اور کام کو جاری رکھنے میں معاون تفریح کے درمیان توازن کا مسئلہ ہے۔ تو ان تمام امور میں اسلامی تعلیمات واضح اور متعین ہیں۔ اسلام ان امور کو کمالیات نہیں بلکہ ضروریات کا درجہ دیتا ہے۔

۹۔ اسلام نے لوگوں کو طلب علم کے لئے جدوجہد اور مختلف قوموں کی تہذیبوں اور ان کے علوم سے واقفیت حاصل کرنے کی ضرورت کی طرف توجہ دلائی، اسی طرح اسلام نے اپنے پیروؤں کو تلاش رزق، اپنی ضروریات کی تکمیل اور اس سلسلے میں اسباب و ذرائع کو اختیار کرنے کی ترغیب دی۔ اور یہی وہ فلسفیانہ بنیاد ہے جو تحقیقی علوم کی تحریک کے پیچھے پوشیدہ ہے۔

۱۰۔ اقتصادی میدان میں اللہ تعالیٰ ہمیں محنت، پیداوار اور اعتدال کے ساتھ بغیر کسی تخریب اور ضیاع کے تمام موجودات اور مسخر اشیاء سے فائدہ اٹھانے کا حکم دیتا ہے۔۔۔ وہ ہمیں زندگی سے لطف اندوز ہونے کا حکم دیتا ہے لیکن خرچ میں اسراف کے بغیر۔۔۔ یہ حکم اس لئے ہے تاکہ معاشی مساوات کے دونوں پہلوؤں، آمد و خرچ کے درمیان توازن برقرار رہے۔

۱۱۔ اقتصادیات کو متنوع بنانے کے سلسلے میں مسلمانوں کو اس بات کا مکلف بنایا گیا ہے کہ رزق کے حصول کے لئے سرمایہ کے کسی ایک ذریعہ پر تکیہ کرنے کے بجائے مختلف ذرائع سے تلاش رزق کی کوشش کریں۔

۱۲۔ اسلام میں عمل کی قدر، اور کام کرنے والے کا احترام، اس کے مرتبے، اختیارات اور کام کی نوعیت سے قطع نظر ایک ایسی طاقتور بنیاد فراہم کرتا ہے جو کچھ متعین کاموں پر توجہ مرکوز کرنے اور دوسرے کاموں کو نظر انداز کرنے کے نتیجے میں مختلف پیشوں، شعبوں اور معیارات کے درمیان کام کرنے والی قوتوں کے ڈھانچے کی تعمیر میں واقع ہونے والی خرابی کو دور کرتی ہے۔

۱۳۔ جہاں تک مسلم معاشرے کے بیرونی تجارتی تعلقات کا معاملہ ہے تو اس میں منافع اور اشیاء کے تبادل میں بڑی حد تک ممکنہ توازن کا پایا جانا ضروری ہے۔

۳۔ موجودہ مسلم معاشرہ میں ترقیاتی عملی نظام میں وقف کا مقام:

یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ ترقی بغیر تبدیلی کے ممکن نہیں۔ وقف کا نظام شرعی اصولوں سے مربوط تغیر کے عمل کے لئے موزوں دائرہ کار فراہم کرتا ہے۔۔۔ اسی طرح یہ سماجی ذرائع اور وسائل کی تشکیل کا سامان فراہم کرتا ہے۔ خواہ وہ وسائل مادی ہوں یا بشری اور مخصوص فنی تجربات، اسلام ان ذرائع سے ترقی کے مقاصد کی تکمیل میں کام لیتا ہے، مندرجہ ذیل اہم اشارات سے یہ بات واضح ہو جائے گی۔

۱۔ تاریخ نے وقف اور ترقی کے درمیان گہرے رابطہ کو پختہ دیا ہے، چنانچہ اسلامی تاریخ کے روشن ادوار میں زندگی کے مختلف میدانوں میں انجام دیے جانے والے بیشتر عظیم تہذیبی اور ترقیاتی کارناموں میں وقف کے نظام کی کارفرمائی نظر آتی ہے۔۔۔ جو انہیں سرمایہ، محنت اور فنی تجربات کے ذریعہ تقویت پہنچایا کرتا تھا۔

۲۔ وقف کے ترقیاتی اقدامات سے واضح طور پر موجودہ اسلامی تہذیبی رجحانات کے اہم خطوط کی نمائندگی ہوتی ہے۔ وقف کا نظام اسلام کی ترقیاتی اقدار اور عبادات وعقیدہ کی اقدار کے درمیان ہم آہنگی کو ظاہر کرنے کی اصل اور حقیقی شکل ہے۔ ان ہی اقدار کی بنیاد پر اسلامی معاشرہ دوسرے معاشروں سے ممتاز ہوتا ہے۔

۳۔ نظام وقف کی ترقی سے اسلام کے اعلی اخلاق واقدار کی حقیقت نمایاں ہوتی ہے۔ یعنی اسلام کے انسانی جذبہ کفالت، دوسروں کے ساتھ ہمدردی، ان کی خیر خواہی خواہ وہ ہمارے لئے غیر معروف اور ہم سے دور ہوں، اور اس کے برعکس وہ اقدار بھی ہیں جن سے انسانیت دوچار ہے یعنی مادی فائدے کا حریص ہونا اور افراد کی اپنی شخصی مصلحت کے ساتھ اختیارات کو اپنی حد تک مرتکز کرنے کے سلسلہ میں انتہا پسندی۔ اوقافی پروجیکٹس میں معاونین اہل خیر کی شرکت معاشرے کے مستطیع افراد کی سماجی ذمہ داریوں کے اصول کو واضح کرتی ہے۔ شرعی نقطہ نظر سے مال اللہ کی ملکیت ہے اور اس نے ہمیں مال کے سلسلہ میں اپنا جانشین بنایا ہے، اور سماجی نقطہ نظر سے اللہ نے صاحب ثروت افراد کو ان کے ماحول اور معاشرہ کے بہت سارے وسائل سے نواز رکھا ہے۔ ایمان کی صداقت انہیں اپنے ماحول اور معاشرہ کے تعلق سے ان کی ذمہ داریوں اور فرائض کا بہتر طور پر احساس دلاتی ہے، ایمان کی صداقت ہی ان کو اس بات کا شعور عطا کرتی ہے کہ ان کی ترقی واستحکام میں ماحول ومعاشرہ کا کیا کردار ہے؟ وقف کے نظام کے عام ہونے کی وجہ سے سرمایہ پر سے یہ قدیم تاریخی الزام رفع ہو جاتا ہے کہ اس کی وجہ سے انسان انانیت پسند ہو جاتا ہے، یا اپنے شعور کو کھو بیٹھتا ہے، یا اس کے ذریعہ انسان اپنے دوسرے بھائی کا استحصال کرنے کے لئے کچھ اختیارات حاصل کرنا چاہتا ہے۔۔۔ سرمایہ کی اپنی اجتماعی ذمہ داریوں کی طرف منتقلی موجودہ دور میں معاشرہ کی ترقی کی ایک نمایاں علامت ہے، اور یہی حال ہر زمانے میں رہا ہے۔

۴۔ تاریخ اسلام کے مطالعہ سے یہ بات پایۂ ثبوت کو پہونچ چکی ہے کہ وقف کا نظام سرکاری اور عوامی کا

رشتوں کے درمیان ہم آہنگی اور تفاہم پیدا کرنے، انہیں ایک مشترک مقصد پر مرکوز کرنے اور دونوں طرف کے شکوک و شبہات کے ازالہ کا ایک بنیادی اور اہم طریق کار رہا ہے۔ تاریخ اسلام کے ہر دور اور زریں عہد میں اوقاف نے وقتی میدان میں غربت دور کرنے میں، علوم و ثقافت کی ترقی میں، صحتی خدمات کے میدان میں، سرحدوں کی دیکھ ریکھ کرنے اور راستوں کو پرامن بنانے کے میدان میں مملکت کی کوششوں کے ساتھ تعاون کیا ہے۔ ان کے علاوہ دیگر اعلیٰ تہذیبی اور معاشرتی فلاح و بہبود کے میدانوں میں بھی اوقاف کی خدمات مسلم ہیں۔

۵۔ وقف کا نظام مسلم معاشرہ کو اپنے مختلف طبقات اور گروہوں سے مربوط رہنے کا مستقل موقع عطا کرتا ہے، چنانچہ خدمت عامہ کی بنیاد پر جس میں معاشرے کے تمام افراد کے حال و مستقبل کا مشترک مفاد پنہاں ہوتا ہے وہ ایک دوسرے سے متحد ہو جاتے ہیں۔

۶۔ جہاں تک وقف کی اسکیموں کی تنفیذ و انتظام میں شرکاء کی رضاکارانہ کوششوں کا تعلق ہے، تو یہ شہریوں کے درمیان صحیح جمہوری نظام کو عملی جامہ پہنانے کی بہترین کوشش ہے، اور ہمیں یہ کہنے دیجئے کہ جمہوریت کا مفہوم زبانوں اور نعروں سے پہلے عمل اور قدروں میں ہو جاتا ہے۔

۷۔ وقف کی اسکیموں کے ذریعہ خصوصی صلاحیتوں، مادی اور انسانی وسائل کی تنظیم کے نتیجہ میں انفاق عام کو صحیح رخ ملتا ہے، حکومت کے عام بجٹ کا بوجھ ہلکا ہوتا ہے، نہ صرف رفاہی امور میں انفاق کو مناسب سمت ملتی ہے بلکہ معاشرتی امور کے انتظام میں بھی انفاق کو صحیح رہنمائی حاصل ہوتی ہے۔ صرف حکومت ہی کی ذمہ داری نہیں ہے کہ وہ تمام شہریوں کی ضروریات کی تکمیل کرے اور ان کی ضروری سہولتوں کی فراہمی پر مکمل خرچ کرے۔

۸۔ وقف کے ترقیاتی تجربہ کے تسلسل اور اس سے متعلق صلاحیتوں کے ارتکاز سے ارتقائی اداروں کو تقویت حاصل ہوگی اور وہ بحران سے نمٹنے کا بہتر نظام بن جائیں گے، ایسا اس وقت ہوتا ہے جب وقف کے انتظامات میں سرگرم سرکاری اور قومی صلاحیتوں سے مشکلات کے وقوع پذیر ہونے سے پہلے ہی ان سے نمٹنے کے منصوبوں کے سلسلہ میں فائدہ اٹھایا جائے۔ اور ترقی پیچیدگیوں اور روٹینی طریقوں کو چھوڑ کر بحرانات سے مقابلہ کی ضروری تدبیر اختیار کی جائیں۔

۹۔ وقف اہم سماجی ترقیاتی شعبوں کے لئے مالی استحکام کی بہت معقول رقم مختص کرتا ہے اور ان شعبوں کو حکومت کے مالیاتی نظام کے تغیرات سے محفوظ رکھتا ہے جو کبھی آمدنیوں کی قلت کی وجہ سے اور کبھی بحران اور ہنگامی صورتحال کے پیش آجانے کے نتیجہ میں زائد اخراجات کی وجہ سے مشکلات کا شکار ہو جاتے ہیں، اسی طرح کبھی کبھی خصوصی امداد بھی جو رضاکارانہ انفاق میں اضافہ کا ذریعہ ہوتے ہیں اقتصادی کساد بازاری اور بحران کے زمانے میں پیش آنے والے نامساعد حالات میں اپنا اہم رول ادا کر سکتی ہے۔ ایسے مواقع پر وقف ہی دکھوں کا مداوا اور معاشی تغیرات و حوادث سے نجات کا ضامن بن کر سامنے آتا ہے۔

۱۰۔ وقف ان افراد کے لئے جو اپنی وفات کے بعد اپنی اولاد کے تحفظ کے خواہشمند ہوتے ہیں ارتقائی

ذخیرہ اندوزی کے ذریعہ اجتماعی تحفظ کی مختلف صورتوں میں سے ایک مؤثر صورت ہے، اس اعتبار سے وقف اولاد کے حق میں زندگی کی ضمانت کی ایک بہترین دستاویز ہے، نہ صرف ایک نسل کے لئے بلکہ آئندہ آنے والی تمام نسلوں کے لئے جب تک اس کی پیداوار کی مستحق اولاد دنیا میں موجود رہے گی اس وقت تک کوئی اس میں تصرف کرنے یا اسے اپنے لئے خاص کرنے کا مجاز نہ ہوگا۔ اس طرح اپنی اولاد و ذریت کیلئے وقف کی ذخیرہ اندوزی آمدنی کو اس مبارک مقصد کی طرف پھیر دیتی ہے۔ اور اس طرح مال کے مالک اسراف وتبذیر کے مختلف راستوں سے اپنے سرمایہ کو بچانے میں کامیاب ہو جاتے ہیں۔

۱۱۔ افراد اور معاشرہ کے وقفی سرمائے سے ترقیاتی اسکیموں میں کام لینے کی صورت میں بڑھتی ہوئی جدید اور ترقی یافتہ مالی قوت حاصل ہوتی ہے جس سے ملکی اقتصادیات کو سپورٹ ملتا ہے۔

۱۲۔ ترقی کے لئے کوشاں مختلف ممالک میں آج عام ہو رہا ہے "پرائیویٹائزیشن کے عمل" کے نتیجہ میں ضمناً مرتب ہونے والے سماجی اور اقتصادی اثرات ومشکلات کے حل کی تلاش وجستجو میں وقف پوری سرگرمی کا مظاہرہ کرتا ہے، ان مسائل میں سرفہرست ایک طرف بے روزگاری کی صورتحال ہے اور دوسری طرف نوجوان طبقہ میں کام کی بھرپور طاقت وقوت ہے۔ ظاہر ہے کہ بے روزگاری اور نوجوانوں کی بیکاری کے مسائل سرمایہ کاری کے پرکشش میدان نہیں ہیں۔

۱۳۔ "رضا کارانہ اور رفاہی شعبوں" کے ذریعہ معاشرتی اساس کی تشکیل میں وقف کا ایک بڑا رول ہے۔ رضا کارانہ خدمت کا شعبہ دراصل سرکاری اور پرائیویٹ دونوں شعبوں کی تکمیل کرتا ہے اور جو آج پوری دنیا میں معاشرتی ترقی کے کارواں کو آگے بڑھانے میں اساسی حیثیت کا حامل ہو گیا ہے اور ترقیاتی عمل میں توازن پیدا کرنے کا یہ ایک مؤثر ذریعہ ہے۔ وقف اس تیسرے شعبہ کا اساسی جزء بن کر اور اس میں نمایاں کردار ادا کر کے ان مسائل ومشکلات کے حل کا ایک بنیادی اور اہم عنصر بن گیا ہے جو اس شعبہ کی کارکردگی کو متاثر کرتے ہیں۔

اس کے اولین نقاط یہ ہیں:

۱۔ رضا کارانہ اور رفاہی شعبہ کی تحریک کے لئے ایک تنظیمی چھتر سایہ کی فراہمی... باوجودیکہ بعض غیر سودی اداروں مثلاً کوآپریٹو جمعیتوں کا اپنا وفاق ہے جو ان کی قوتوں کو یکجا رکھتا اور ان کے وسائل سے استفادہ کو وسیع کرتا ہے۔ مگر مجموعی حیثیت سے ترقی پذیر ملکوں میں رضا کارانہ رفاہی شعبہ کے لئے تنظیمی وفاق مفقود ہے جو اس شعبہ کو زیادہ نمایاں کرتا اور سرکاری اور پرائیویٹ شعبوں کی تکمیل میں اس کے رول کو طاقتور رکھتا۔

۲۔ ان رضا کارانہ اور رفاہی اداروں کے درمیان تعاون اور تال میل کے ذرائع پیدا کرنا، کچھ لوگوں کے نزدیک اس وقت رفاہ عامہ کی تنظیموں اور اسلامی رفاہی اداروں کی تقسیم علاحدہ کی جاتی ہے، جب کہ یہ تمام ہی ادارے مسلم معاشرے سے تعلق رکھتے ہیں، اور اپنے پروگرام اور دائرہ کار کے اختلاف کے باوجود مسلم معاشرہ ہی کو اپنی خدمات پیش کرتے ہیں۔

۳۔ ہر ملک میں امور اوقاف کی نگرانی کرنے والے مرکزی ادارے سماجی مسائل اور ترقیاتی و رفاہی کاموں کے مختلف میدانوں سے متعلق معلومات کی کمی پر قابو پانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ اس دور میں ہر اسکیم اور منصوبہ کی افادیت کا دارومدار علمی تحقیقات پر ہے، خواہ وہ سرکاری اسکیمیں ہوں یا غیر سرکاری یا رضاکارانہ اور رفاہی۔ یہ کوئی پسندیدہ بات نہ ہوگی کہ رفاہی سرمائے کو (بشمول اوقاف کے سرمائے) غیر سوچے سمجھے پروجیکٹس پر ضائع کیا جائے۔ یا ان کو ان مقاصد کے لئے استعمال کیا جائے جو ترجیحات کی فہرست میں کسی نمایاں مقام کے حامل نہیں ہیں۔ اس سلسلہ میں بنیادی بات معلومات کی فراہمی ہے جن کے ذریعہ وقف کے نظام کو بہتر سے بہتر شکل دی جا سکتی ہے۔

۴۔ رضاکارانہ رفاہی ادارے کے لئے ایسے مناسب ماحول کی تشکیل جس سے مالیات کی فراہمی کے ذرائع اور نئے نئے رضاکار افراد کی تیاری میں مدد لی جا سکے۔ تمام ہی رفاہی تنظیمیں اور رضاکار ادارے لوگوں میں مقبولیت حاصل کرنے کے سلسلہ میں مدوجزر کے مختلف حالات سے گزرتے ہیں۔ یا تو مخصوص قائدانہ شخصیات سے وابستہ رہنے کی وجہ سے، یا مخصوص تاریخی حالات کی وجہ سے، یا از کار رفتہ مقاصد کو اپنا منتہائے نظر بنانے کی وجہ سے۔۔۔ اس کے برعکس وقف ایک پائیدار، ہر زمانہ کا مطلوب اور اپنے متعلقہ اغراض کی تکمیل کے ذریعہ تنفیذی حرکت کا ایک لچکدار نظام ہے، دوسرے الفاظ میں وقف ایک ایسا رفاہی اور رضاکارانہ عمل ہے جس کے اندر ہر زمانہ میں رضاکارانہ محنت کرنے والے اور مالی تعاون کرنے والے افراد پیدا کرنے کی پوری پوری صلاحیت موجود ہے۔

۵۔ رضاکارانہ اور رفاہی خدمت کے اداروں میں قیادت کی صلاحیت رکھنے والے افراد کے تسلسل کو تقویت پہنچانے کی کوشش اور اس کے انتظامات کے طریقوں کی تجدید۔ تسلسل اور دوام کی صفات جن سے وقف کے ادارے متصف ہوتے ہیں، رضاکار افراد کو تسلسل کے ساتھ اپنی خدمات پیش کرنے کا موقع دیتی ہیں۔ اسی کے نتیجہ میں عملی قیادت کرنے والے افراد سامنے آتے ہیں۔ یہ خصوصیت صرف وقف کے نظام کی ہے اور وقف کے سوا دوسرے نظاموں کو یہ خصوصیت حاصل نہیں ہے، دوسرے نظاموں کا حال یہ ہے کہ کبھی ان میں قیادت موجود ہوتی ہے اور کبھی خدمت کا جذبہ ہوتے ہوئے بھی ان ذمہ داریوں کو سنبھالنے کی طرف آدمی کا رجحان نہیں جاتا۔

۶۔ وقف کا نظام رضاکار اور رفاہی اداروں کو یہ موقع فراہم کرتا ہے کہ وہ حکومت کی ترقیاتی اسکیموں اور ان کے نفاذ کی پالیسیوں کی تشکیل میں شریک ہوں۔۔۔ اور ایسا وقف کی متعدد امتیازی خصوصیات کے پیش نظر ہوتا ہے۔۔۔ جن میں سے کچھ اہم خصوصیات یہ ہیں:

☆ امور اوقاف کی تشکیل حکومت کی انتظامی اور قانونی تنظیم کے ماتحت ہوتی ہے، حکومت ان کی تشکیل اور ان کے نگراں اداروں کے لئے اپنے قوانین لاگو کرتی ہے۔

☆ وقف کے اداروں کے اغراض و مقاصد ایک پائیدار حکمت عملی کے تابع ہوتے ہیں، وقف کی خصوصیت یہ ہے کہ اول روز ہی سے اس کے مقاصد متعین ہو جاتے ہیں۔ اور واقف کی وفات کے بعد ان اغراض میں ترمیم نہیں کی

باہمی۔

☆ وقف کے اداروں کا مالی استحکام۔۔وقف کے سرمائے اپنے مقاصد پر وقف ہوتے ہیں، وقف کا یہ مالی استحکام وقف کے سرمائے کو ہمیشہ اچھے ثمرات عطا کرتا ہے۔۔مالی استحکام ہی کی وجہ سے وقف منصوبہ بندی کرنے والے افراد کی نظر میں خدماتی اور ترقیاتی پروگراموں کو تقویت پہنچانے کا ایک مضبوط سہارا ہے۔

☆ وقفی سرمایوں کے ذرائع واضح ہوتے ہیں۔۔ان کے اغراض ومقاصد اور وسائل میں شکوک وشبہات کے امکانات نہیں ہوتے۔

☆ عوامی توانائیوں کو ایک ایسے رخ پر منظم کیا جاتا ہے جو اغراض ومقاصد کے اعتبار سے حکومت کے ترقیاتی منصوبوں اور پالیسیوں سے ہم آہنگ ہوتا ہے۔

خاتمہ:

ہم خدا کا شکر ادا کرتے ہیں کہ اس نے ہمیں اسلام کی ہدایت عطا کی، اور ایسے طریقے سے اسے سمجھنے کی توفیق بخشی جس سے ہمارا معاشرہ خیر سے مالا مال ہو جائے اور اس کے ذریعہ ہمیں ہر زمانے کے حالات وظروف کے مناسب صورتحال کی تبدیلی کے لئے پرامن دائرہ کار اور ترقی کے وسائل فراہم ہوں۔۔ہمارا فرض ہے کہ ہم اس نعمت پر اللہ کا شکر ادا کریں کہ اس نے ہمیں موجودہ تطبیقی تصورات اور عملی پروگراموں کے ذریعہ ان ربانی تعلیمات کی تنفیذ کا مکلف بنایا ہے۔ موجودہ تطبیقی تصورات اور عملی پروگراموں کے عام ضوابط میں ہم متحد ہیں، اس کے ساتھ ساتھ اسلام کی پوشیدہ ترقیاتی توانائیوں اور طاقتوں سے استفادہ کے طریقوں میں ہمارے درمیان اجتہاد کی بنیاد پر اختلاف رائے ہو سکتا ہے، اسلام کی خوابیدہ ترقیاتی توانائیوں میں سب سے زیادہ موثر اور فعال توانائی وقف ہے۔

آخر میں ہم خدا سے دعا کرتے ہیں کہ وہ ہماری امت کی فلاح وبہبود کے لئے کی جانے والی کوششوں کو کامیاب فرمائے۔۔اور مختلف اسلامی معاشروں کی تمام سرکاری اور عوامی طاقتوں اور حلقوں سے پرزور اپیل کرتے ہیں کہ وہ حتی الوسع وقف کے ترقیاتی کاروان کو تقویت پہنچانے پر اپنے تمام تر مالی وسائل وذرائع کو صرف کریں۔ اسی میں مسلم قوموں کا بہتر مستقبل مضمر ہے۔۔اور موجودہ دنیا میں جہاں بے نظیر "گلوبلائزیشن" کی ہوائیں تیزی سے چل رہی ہیں، مسلمانوں کی تہذیب وثقافت کی بقا وتحفظ کا واحد ذریعہ بھی وقف کا نظام ہے۔

☆☆☆

سورة الفاتحة

اوقاف سے متعلق چند اہم سوالات

ہندوستان کے مختلف صوبوں اور علاقوں میں مختلف مقاصد کے لئے بے شمار اوقاف ہیں جو زمانہ قدیم سے چلے آرہے ہیں، اوقاف کی دیکھ بھال کے لئے حکومت نے سنٹرل وقف بورڈ اور صوبائی وقف بورڈس بھی قائم کر رکھے ہیں، مختلف صوبوں کے مختلف وقف ایکٹ ہیں اور مرکزی حکومت نے سنہ ( ) میں نیا وقف ایکٹ بنایا، اس بات کی ضرورت شدت سے محسوس کی جارہی ہے کہ مختلف ریاستوں میں نافذ قانون وقف اور سنٹرل وقف ایکٹ کا جائزہ وقف کے شرعی احکام کی روشنی میں لیا جائے، اس سلسلہ میں مختلف ریاستوں میں نافذ قوانین وقف اور سنٹرل قانون وقف کے جائزہ کے لئے ماہرین قانون کو زحمت دی جارہی ہے، ان کی رپورٹس آنے کے بعد انشاء اللہ کچھ متعین سوالات آپ حضرات کی خدمت میں شرعی نقطۂ نظر معلوم کرنے کے لئے ارسال کئے جائیں گے، فی الوقت اوقاف سے متعلق چند اہم سوالات جو بار بار اوقاف کے ذمہ داروں اور قانون وقف کے ماہرین کی طرف سے علماء کی خدمت میں وقتاً فوقتاً پیش کئے جاتے رہے ہیں، انہیں ذیل میں درج کیا جاتا ہے، ان مسائل پر آپ کی واضح و مدلل رائے مطلوب ہے۔

سوال نمبر ۱: بہت سے اوقاف (خصوصاً پنجاب و ہریانہ اور دہلی و مغربی یوپی میں) ۱۹۴۷ء میں پاکستان کی طرف مسلمانوں کی آبادی منتقل ہوجانے کی وجہ سے ویران ہوچکے ہیں، اور جن مقامات پر وہ اوقاف ہیں وہاں دور دور تک مسلمانوں کی آبادی نہ ہونے کی وجہ سے ان اوقاف کو آباد کرنا اور واقف کے مقاصد کے مطابق انہیں بروئے کار لانا ناقابل عمل ہوگیا ہے۔ اس میں قبرستان، مدارس وخانقاہیں ہر قسم کے اوقاف ہیں، ایسے اوقاف پر حکومت یا غیر مسلموں کا قبضہ بڑھتا جارہا ہے۔ اس سلسلہ میں درج ذیل سوالات ہیں:

الف۔ ایسے اوقاف کو فروخت کر کے مقاصد واقف کا خیال رکھتے ہوئے کسی دوسرے مقام پر جہاں مسلمانوں کی آبادی ہے متبادل وقف قائم کیا جاسکتا ہے؟

سوال نمبر ۱:

ب۔ کیا ایسے ویران اوقاف حکومت یا کسی فرد کے حوالے کر کے اس کے عوض دوسری زمین یا مکان حاصل کر کے مقاصد وقف کو جاری کرنے کی شکل اختیار کی جاسکتی ہے؟

ج۔ کیا شرعاً اس کی گنجائش ہے کہ ایسے ویران، ناقابل استعمال اوقاف کو فروخت کر کے واقف کے مقاصد کی پابندی کئے بغیر ان کے ذریعہ مسلمانوں کے تعلیمی یا رفاہی ادارے قائم کردیے جائیں۔

سوال نمبر ۲:

بہت سے مقامات ایسے ہیں جہاں مساجد و مدارس یا مقابر کے بڑے بڑے اوقاف ہیں، اور مسلمانوں کی

آبادی وہاں بہت معمولی رہ گئی ہے، مثلاً ایک مسجد ہے، اس کے لئے بہت سی زمینیں اور مکانات وقف ہیں، مسجد کے اوقاف کی آمدنی اس کے مصارف سے زیادہ ہے، اس سلسلہ میں دو باتیں دریافت طلب ہیں:

الف: کیا مسجد پر وقف اراضی میں جو فی الحال مسجد کی ضروریات سے زائد ہے، مسلمانوں کے لئے دینی یا عصری تعلیم کا ادارہ قائم کیا جا سکتا ہے؟

ب: کیا مسجد کی آمدنی تعلیمی یا رفاہی مقاصد کے لئے استعمال کی جا سکتی ہے؟ جب کہ واقف نے ان زمینوں اور مکانات کو مسجد ہی کے لئے وقف کیا تھا۔

سوال نمبر ۳:

بہت سے اوقاف کی آمدنی ان کے لئے متعین مصارف سے بہت زیادہ ہے، جو سال بسال جمع ہو کر ایک بڑا سرمایہ بنتی جا رہی ہے۔ جس کی طویل عرصہ تک حفاظت ایک دشوار مسئلہ بلکہ خالی از خطرہ نہیں، یہ خطرہ حکومت کی دست درازی کا بھی ہے اور منتظمین وغیرہ کی طرف سے بھی، اور نہ ہی روز مرہ کی ضروریات کے اندر اس کے صرف کو سوچا جا سکتا ہے، اور نہ آئندہ حفاظت یا اصلاح و مرمت وغیرہ کے کاموں کے لئے، تو کیا ایسی فاضل آمدنی کا دوسرے مواقع میں صرف کرنا درست ہوگا مثلاً:

الف: اسی نوع کے اوقاف کی ضروریات میں؟

ب: دیگر ملی و دینی و علمی کاموں اور مساجد وغیرہ میں؟

سوال نمبر ۴:

بہت سے اوقاف اپنی موجودہ شکل میں کم منفعت بخش ہیں، مثلاً کسی مسجد یا مدرسہ پر کوئی مکان وقف ہے، جو محلہ کے اندر واقع ہے، اس کا معمولی کرایہ ملتا ہے، جس سے مسجد یا مدرسہ کی ضرورتیں پوری نہیں ہوتیں۔ اور اس کو فروخت کر کے کسی تجارتی مقام پر کوئی دوکان خرید لی جائے تو اس سے حاصل ہونے والی آمدنی مکان موقوف کی آمدنی سے کئی گنا زیادہ ہوگی۔ کیا ایسا کیا جا سکتا ہے کہ مکان موقوف کو فروخت کر کے ایسی کوئی بھی شکل اختیار کی جائے جس میں وقف کی آمدنی زیادہ ہو جائے؟

سوال نمبر ۵:

بہت سے اوقاف کے مصارف ختم ہو چکے ہیں، مثلاً کوئی جاگیر، کسی خاص خاندان کے فقراء کے لئے وقف کی گئی تھی، وہ خاندان ختم ہو گیا، یا اس کے افراد دوسری جگہ منتقل ہو گئے، یا کسی مسجد و مدرسہ کے لئے وقف تھا اور اب نہ وہ مسجد ہے نہ مدرسہ۔ تو ان اوقاف کی آمدنی کا کیا مصرف ہوگا؟

سوال۔ نمبر ۶

الف: بعض اوقاف کی عمارتیں مخدوش حالت میں ہیں، اور وقف کے پاس تعمیر کے لئے سرمایہ نہیں ہے۔ اور کوئی بلڈر اس کے لئے تیار ہے کہ اس مخدوش عمارت کو ڈھا کر نئے سرے سے چند منزلہ عمارت اپنے مصارف

بایں شرط کے ساتھ تعمیر کرے کہ اس کی ایک یا دو منزلیں اس کی ملکیت ہوں جس میں اس کو ہر قسم کے تصرف کا حق ہو اور بقیہ وقف کے مصارف کے لئے، کیا شرعاً ایسا معاملہ درست ہے۔ اسی طرح وقف کی ایک زمین ہے جس پر کسی قسم کی کوئی عمارت نہیں اور نہ ہی اس سے انتفاع کی کوئی صورت ہے۔ اس زمین سے فائدہ اٹھانے کے لئے اگر کسی بلڈر سے اسی طرح کا معاملہ کر لیا جائے تو اس کا کیا حکم ہے؟

ب: اسی طرح کسی وقف شدہ منہدم عمارت کی نئی تعمیر کے لئے یا خالی زمین پر عمارت قائم کرنے کے لئے یا جامع مسجد کی تعمیر کے لئے، وقف شدہ زمین و جائداد کا کوئی حصہ فروخت کر کے اس سے نئی تعمیر کی جا سکتی ہے جب کہ اس کا مقصد وقف کی حفاظت ہے اور اس کے بغیر یہ ممکن نہیں ہے؟

سوال نمبر ۷:

مسجد یا قبرستان کے لئے وقف زمین، جو کہ ضرورت سے زائد ہے، اس پر مدرسہ کی تعمیر کی جا سکتی ہے کہ دونوں ایک کار خیر میں استعمال ہوں؟

سوال نمبر ۸:

جن قبرستانوں کے اطراف سے مسلمانوں کی آبادیاں ختم ہو گئی ہیں جس سے ان کا استعمال بہ حیثیت قبرستان ہو رہا ہے، یا یہ کہ قبرستان آبادی کے اندر آ گیا، جس کی وجہ سے اب اس کے مستقل استعمال میں تدفین پر پابندی عائد کر دی گئی ہے، اور اس کی وجہ سے ان پر قبضہ کا خطرہ ہے، بلکہ قبضہ ہو رہا ہے، تو ان قبرستانوں کے لئے کیا حکم ہوگا۔ اور ان سے انتفاع کو باقی رکھنے کے لئے کیا صورت اختیار کی جا سکتی ہے؟

سوال نمبر ۹:

بہت سی قدیم مساجد اپنی تاریخی اہمیت کی بنا پر محکمہ آثار قدیمہ کے زیر نگرانی ہیں۔ ان میں بعض مساجد میں حکومت نے نماز کی ادائیگی کو ممنوع کر دیا ہے۔ شرعاً اس کا کیا حکم ہے، کیا حکومت کو اس طرح کا کوئی حق ہے؟

سوال نمبر ۱۰:

قبرستان کی حفاظت کے لئے جب کہ صرف باؤنڈری بنانے کا کوئی ذریعہ نہ ہو، اس کے اطراف میں دکانوں کی تعمیر کر دی جائے، جس کے لئے پیشگی کرایہ کے طور پر رقم لے لی جائے اور اس سے یہ کام کرایا جائے، جس میں قبرستان کے اطراف کا چند فٹ دکانوں میں چلا جائے گا، کیا یہ درست ہوگا؟ اور بعد میں جو آمدنی ہو وہ حسب مصرف خیر میں لگا دی جائے۔

سوال نمبر ۱۱:

آج کل بعض بڑے شہروں میں مسلمان اس صورت حال سے دوچار ہیں کہ وسیع قبرستان میں ایک چھوٹی سی مسجد ہے، جو ممکن ہے کسی زمانہ میں تدفین کے لئے آنے والوں کی رعایت سے بنائی گئی ہو کہ وہ وہاں نماز ادا کر

سکیں۔ اب اس علاقہ میں آبادی بڑھ گئی ہے اور مسجد کی توسیع ضروری ہوگئی ہے، نیز قبرستان میں ابھی تدفین کا سلسلہ جاری ہے، تو کیا قبرستان کے حصہ میں مسجد کی توسیع کی جاسکتی ہے؟ اور کیا اس میں ویران اور زیر استعمال قبرستان اور جدید وقدیم قبروں کے حکم میں فرق ہے؟

سوال نمبر ۱۱: ہندوستان کی بعض ریاستوں میں ہندو راجاؤں اور جاگیرداروں نے مساجد پر بھی اراضی وقف کی ہیں، اور شاید واقف کے ہندو ہونے کے باعث یہ مساجد اب ہندو اوقاف کے تحت ہیں، اور ہندو وقف بورڈ ہی مسجد سے متعلق تمام نظم ونسق انجام دیتا ہے، تو کیا مساجد و مقابر اور اسلامی مقاصد کے تحت وجود میں آنے والے اوقاف کا غیر مسلم اداروں کی تولیت میں رہنا درست ہے؟

★ ★ ★

تلخیص مقالات

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تلخیص مقالات اوقاف

۱۔

الف: جو اوقاف مسلمانوں کی آبادی وہاں سے منتقل ہو جانے کی وجہ سے ویران ہو چکے ہیں، اور واقف کے مقاصد کے مطابق انہیں بروئے کار لانا ناقابل عمل ہو گیا ہے، نیز ان پر حکومت یا غیر مسلموں کا قبضہ ہوتا جا رہا ہے، ایسے اوقاف کو فروخت کر کے مقاصد واقف کا خیال رکھتے ہوئے کسی دوسرے مقام پر متبادل وقف قائم کرنے کے جواز پر تقریباً تمام مقالہ نگار علماء کرام کا اتفاق ہے، کیونکہ وقف کا مقصد ہی اس کی نافعیت کو برقرار رکھنا ہے، موجودہ صورت میں یہ مقصد متبادل وقف قائم کرنے ہی سے حاصل ہو سکتا ہے تو خواہ واقف نے اس کی اجازت دی ہو یا نہ دی ہو، یا واقف کی کوئی صراحت نہ ہو، استبدال جائز ہوگا۔

علامہ ابن ہمام لکھتے ہیں:

قال هشام سمعت محمداً يقول: الوقف إذا صار بحيث لا ينتفع به المساكين فللقاضي أن يبيعه ويشتري بثمنه غيره وليس ذلك إلا للقاضي (البحر الرائق ۵/۲۱۹)

متعدد حضرات نے استبدال وقف کی اجازت کے لئے علامہ شامی وغیرہ کی عائد کردہ شرائط کو ملحوظ رکھنا ضروری قرار دیا ہے، جن میں اہم ترین یہ ہیں:

۱۔ اراضی وقف معمولی قیمت پر فروخت نہ کی جائیں، بلکہ مروجہ قیمت حاصل کی جائے۔

۲۔ تبادلہ اوقاف کا مجاز عام متولیوں کے بجائے دیانتدار و ذمہ دار ادارہ کو بنایا جائے، یا معتمد منتظمین صاحب نظر علماء سے رجوع کر کے قدم اٹھائیں (مولانا عبید اللہ اسعدی، مولانا خالد سیف اللہ رحمانی، مفتی جنید عالم ندوی، مولانا زبیر احمد قاسمی وغیرہ)

ب: ایسے ویران اوقاف کو حکومت یا کسی فرد کے حوالہ کر کے اس کے عوض دوسری زمین یا مکان حاصل کر کے مقاصد وقف کو جاری کرنے کی شکل اختیار کرنا بھی مذکورہ نقطہ نظر اور اس کے دلائل کے تحت تمام حضرات کے نزدیک جائز ہے۔

ج: لیکن ایسے ویران اوقاف کو فروخت کر کے واقف کے مقاصد کی پابندی کئے بغیر ان کے ذریعہ مسلمانوں کے تعلیمی یا رفاہی ادارے قائم کرنے کے مسئلہ میں مقالہ نگار علماء کرام کی آراء مختلف ہیں۔ بیشتر حضرات کی رائے میں مقاصد واقف کی رعایت ضروری ہے، فقہاء کرام نے اس کی صراحت فرمائی ہے، علامہ شامی لکھتے ہیں:

إنهم صرحوا بأن مراعاة غرض الواقفين واجبة (رد المحتار ۳/۴۲۵) (مولانا زبیر احمد قاسمی،

جناب شمس پیرزادہ، مولانا ایوب ندوی، مولانا شکیل احمد وغیرہ)

☆ بعض حضرات نے مقاصد واقف کی رعایت کا دائرہ وسیع کرتے ہوئے دینی تعلیم کے ادارے یا ایسے عصری تعلیمی ادارے جہاں دینیات و دینی تربیت کا بھی نظم ہو، قائم کرنے کی گنجائش ذکر کی ہے (مولانا فضیل الرحمن ہلال عثمانی، مولانا عبید اللہ اسعدی، مولانا ظفر عالم ندوی، مفتی محبوب علی وجیہی وغیرہ)۔

۲۔

الف۔ مسجد پر وقف اراضی جو فی الحال مسجد کی ضروریات سے زائد ہیں، ان میں مسلمانوں کے لئے دینی یا عصری تعلیم کے ادارے کے قیام کے مسئلہ میں بیشتر حضرات کے نزدیک دینی تعلیم کے ادارے اور مدارس قائم کئے جاسکتے ہیں، ان حضرات کا استدلال یہ ہے کہ بالخصوص موجودہ زمانہ میں مسجد کی آبادکاری اور تحفظ کا سب سے اہم ذریعہ مدرسہ کا قیام ہے، لہذا مدرسہ کے قیام میں خود اراضی وقف کا تحفظ ہے، اور مقاصد واقف کی تکمیل بھی، دوسری جانب مسجد اور مدرسہ کا تصور تقریباً لازم ملزوم سا اس زمانہ میں ہو چکا ہے۔ (مولانا خالد سیف اللہ رحمانی، مولانا زبیر احمد قاسمی، مولانا حبیب اللہ قاسمی)۔

☆ جواز کے قائلین میں متعدد حضرات نے دینی ادارے کی قید نہیں لگائی ہے، بلکہ دینی یا عصری دونوں کے قیام کی اجازت دی ہے (مفتی محبوب علی وجیہی، حکیم ظل الرحمن، ڈاکٹر عبد العظیم اصلاحی، جناب شمس پیرزادہ، مولانا ایوب ندوی، مولانا عتیق احمد قاسمی)

☆ دوسری رائے کی رو سے ایسی اراضی پر تعلیمی ادارہ قائم کرنے کی گنجائش نہیں ہے، بلکہ زائد آمدنی اسی نوع کے دیگر اوقاف پر صرف کی جاسکتی ہے (مولانا ظفر عالم ندوی، مولانا ظفر الاسلام، مولانا ابوسفیان مفتاحی، مولانا شکیل احمد وغیرہ)۔

☆ مولانا عبید اللہ اسعدی صاحب نے اس مسئلہ پر معاصر اور ماضی قریب کے اکابر مفتیان کرام کے دونوں طرح کے فتاوے ذکر کر کے ان پر سیر حاصل تنقیدی گفتگو کی ہے، اور آخر میں ایسی اراضی پر دینی اداروں کے قیام کی رائے کو ہی راجح قرار دیا ہے۔

مسجد کے لئے وقف زمینوں اور مکانات کی زائد از ضروریات آمدنی بعض حضرات کی رائے میں دینی تعلیمی مقاصد کے لئے استعمال کی جاسکتی ہے (مولانا عبید اللہ اسعدی، مولانا زبیر احمد قاسمی، مولانا تنویر عالم قاسمی، مولانا حبیب اللہ قاسمی)۔

☆ بعض لوگوں نے دینی تربیت کے ساتھ عصری تعلیم کے لئے استعمال کی بھی اجازت دی ہے (مولانا فضیل الرحمن ہلال عثمانی، مفتی محبوب علی وجیہی، مولانا شمس پیرزادہ)۔

☆ لیکن متعدد حضرات نے اس جواز سے اختلاف کرتے ہوئے ایسی زائد آمدنی کو اسی جنس کے مصارف یا قیاس اقرب مصارف میں خرچ کرنے کی رائے دی ہے (مولانا ظفر الاسلام، مولانا جنید عالم ندوی)۔

۳۔

الف اوقاف کی زائد از ضرورت آمدنی کو اسی نوع کے دیگر اوقاف میں صرف کے جواز پر تمام مقالہ نگار علماء کرام کا اتفاق ہے۔

ب دیگر ملی، دینی و علمی کاموں میں ایسی آمدنی کے صرف کی بابت متعدد حضرات کی رائے یہ ہے کہ اگر ضرورت درپیش ہو تو یہ رقم ان کاموں میں خرچ کی جا سکتی ہے (ڈاکٹر عبد العظیم اصلاحی، مولانا فضیل الرحمن ہلال عثمانی، مولانا ابو سفیان مفتاحی، جناب شمس پیرزادہ، مولانا ایوب ندوی)۔

☆ دوسری رائے کی رو سے ایسے کاموں میں وہ رقم خرچ نہیں کی جا سکتی (مولانا زبیر احمد قاسمی، مولانا جنید عالم ندوی، مولانا عتیق احمد، مولانا ظفر احمد وغیرہ)۔

۴۔ کم منفعت بخش اوقاف کو فروخت کر کے ایسا متبادل وقف قائم کرنا جس سے زائد آمدنی حاصل ہو، بیشتر حضرات کے خیال میں درست ہے۔

☆ بعض حضرات کی رائے میں جب تک کوئی وقف کسی بھی درجہ میں منفعت بخش ہے، محض زائد آمدنی کی نیت سے اس کی فروختگی جائز نہیں ہوگی (مفتی محبوب علی، مولانا عبد القیوم پالنپوری، مولانا ایوب ندوی، مولانا شکیل احمد، مولانا عتیق احمد بستوی)

۵۔ جن اوقاف کے مصارف ختم ہو چکے ہیں، ان کی آمدنی کا مصرف اسی نوع کے دوسرے اوقاف یا قریب ترین نوع کے اوقاف ہوں گے۔ بعض حضرات نے مزید یہ وضاحت بھی کی ہے کہ اگر اسی نوع کے اوقاف نہ ہوں تو فقراء مصرف ہوں گے، کچھ لوگوں نے صدقات جاریہ کے کاموں میں صرف کرنے کی بات کی ہے۔

۶۔ اوقاف کی منہدم شدہ عمارتوں کی از سر نو تعمیر کے لئے کسی بلڈر سے ایسا معاملہ کہ ایک دو منزل اس کی ملکیت ہو گی اور بقیہ وقف کے مصارف کے لئے ہوں گی، متعدد حضرات کی رائے میں درست ہے (مولانا فضیل الرحمن، مولانا ظفر الاسلام، مولانا عبد القیوم پالنپوری، مولانا شمس پیرزادہ، مولانا خالد سیف اللہ رحمانی، مولانا عتیق احمد)۔

☆ جبکہ بعض حضرات نے ایک دو منزل بلڈر کی ملکیت میں دینے کے بجائے اس سے کرایہ داری کا معاملہ کرنے کی رائے دی ہے، یعنی ایک محدود مدت تک عمارت کے مخصوص حصہ پر اس کا قبضہ رہے گا، جس دوران وہ اپنا خرچ وصول کر سکتا ہے، مالکانہ حقوق وقف ہی کے رہیں گے (مولانا عبید اللہ اسعدی، مولانا زبیر احمد قاسمی، مولانا تنویر عالم قاسمی، حکیم ظل الرحمن، ڈاکٹر عبد العظیم اصلاحی وغیرہ)۔

۷۔ وقف کی حفاظت کے لئے وقف کا کوئی حصہ فروخت کر کے آمدنی سے نئی تعمیر کرنے کے مسئلہ میں بھی بیشتر حضرات نے یہ رائے دی ہے کہ اگر حفاظت کی کوئی دوسری شکل نہ ہو تو ایسا کیا جا سکتا ہے۔

☆ بعض حضرات نے اس رائے سے اختلاف کیا ہے، اور وقف کی زمین فروخت کرنے کو درست قرار نہیں دیا ہے (مفتی حبیب اللہ قاسمی، حکیم ظل الرحمن، مولانا عبد القیوم پالنپوری)۔

۸۔ مسجد یا قبرستان کے لئے وقف زمین پر جو ضرورت سے زائد ہے، مدرسہ کی تعمیر کو متعدد حضرات نے درست قرار دیا ہے (مولانا عبید اللہ اسعدی، مولانا زبیر احمد قاسمی، مولانا ابوسفیان مفتاحی، ڈاکٹر عبد العظیم اصلاحی، جناب شمس پیرزادہ)۔

☆ بعض حضرات نے کرایہ داری کا معاملہ کرنے کی رائے دی ہے تاکہ مسجد یا قبرستان براہ راست مستفید بھی ہوتے رہیں (مولانا عبید اللہ اسعدی، مولانا سلطان احمد اصلاحی، مولانا خالد سیف اللہ رحمانی، مولانا فضیل الرحمن، مولانا عتیق احمد)

☆ دوسرے متعدد حضرات نے اسے درست نہیں قرار دیا ہے (مولانا ظفر عالم ندوی، مولانا حبیب اللہ قاسمی، مولانا اخلاق الرحمن قاسمی، حکیم ظل الرحمن)

۹۔ ایسے غیر مستعمل قبرستان سے خواہ وہاں سے مسلم آبادی ختم ہو جائے یا آبادی کے اندر آ جانے کی وجہ سے استعمال متروک ہو، انتفاع کو باقی رکھنے کے لئے مختلف حضرات نے مختلف شکلیں تجویز فرمائی ہیں:

☆ ایک رائے یہ ہے کہ ایسے قبرستان کے گرد دیواریں اٹھا کر انہیں محفوظ کر دیا جائے (مولانا ظفر عالم ندوی، مفتی عبد الرحیم)۔

☆ دوسری رائے یہ ہے کہ اسے فروخت کر دیا جائے اور آمدنی سے دوسری جگہ قبرستان بنا لیا جائے (مولانا حبیب اللہ قاسمی، مولانا اخلاق الرحمن، مولانا عتیق احمد، جناب شمس پیرزادہ، مولانا ایوب ندوی، مولانا شکیل احمد)۔

☆ تیسری رائے کے اندر یہ تفصیل ہے کہ اگر چہار دیواری سے تحفظ یقینی نہ ہو تو فروخت کر کے دوسری جگہ قبرستان بنایا جائے، اور تحفظ کے لئے مسجد یا مدرسہ یا رفاہی ادارہ بھی اس میں قائم کیا جا سکتا ہے (مولانا ابوسفیان مفتاحی، مولانا جمیل احمد نذیری، ڈاکٹر عبد العظیم اصلاحی، مولانا عبد القیوم پالنپوری)۔

۱۰۔ اس سوال کے جواب میں تمام مقالہ نگار حضرات کا اتفاق ہے کہ کسی بھی مسجد میں خواہ آثار قدیمہ کے تحت آتی ہو، نماز کی ادائیگی سے روکنے کا حکومت کو ہرگز اختیار نہیں ہے، مسلمانوں کو چاہئے کہ اس پابندی کو ختم کرائیں۔

۱۱۔ قبرستان کے تحفظ کے لئے پیشگی کرایہ کی رقم لے کر اطراف میں دوکانیں بنا دی جائیں جن میں قبرستان کی چند فٹ زمین دوکان میں چلی جائے گی، بیشتر حضرات کے نزدیک یہ درست ہے۔

☆ قائلین جواز میں سے بعض حضرات نے یہ صراحت بھی کی ہے کہ یہ دوکانیں وقف ہوں گی (مولانا زبیر احمد قاسمی، ڈاکٹر عبد العظیم اصلاحی)۔ مفتی فضیل الرحمن ہلال عثمانی، جناب شمس پیرزادہ اور حکیم ظل الرحمن نے اس رائے سے اختلاف کرتے ہوئے اسے درست قرار نہیں دیا ہے۔

۱۲۔ قبرستان کے حصہ میں مسجد کی توسیع کے جواز سے اکثر حضرات نے اتفاق کیا ہے، ان میں سے متعدد حضرات نے یہ تفصیل بھی کی ہے کہ قبرستان بہت کشادہ ہو یا ویران ہو، زیر استعمال قبرستان یا تنگ قبرستان میں اگر مسجد کی توسیع کی ضرورت درپیش ہو تو ستون اٹھا کر اوپر مسجد بنائی جائے تاکہ نیچے تدفین کا سلسلہ جاری رہے (مولانا عبید

اللہ اسعدی، مفتی محبوب علی وجیہی، جناب شمس پیرزادہ، مولانا خالد سیف اللہ رحمانی وغیرہ)۔

☆ مفتی حبیب اللہ قاسمی اور مولانا اخلاق الرحمن قاسمی کا خیال ہے کہ قبرستان کے اندر مسجد کی توسیع درست نہیں ہوگی کیونکہ قبرستان کے لئے وقف زمین میں مسجد بنانا درست نہیں، جو جگہ نماز پڑھنے کے لئے متعین کردی گئی ہے اس میں نماز تو ہو جاتی ہے لیکن شرعاً وہ مسجد نہیں ہے۔

☆ مولانا سلطان احمد اصلاحی صاحب نے بھی قبرستان میں مسجد کی توسیع کی رائے سے اختلاف کیا ہے۔

۳- مساجد و مقابر اور اسلامی مقاصد کے تحت وجود میں آنے والے اوقاف کا غیر مسلم اداروں کی تولیت میں رہنا

بیشتر مقالہ نگار حضرات کی رائے میں یہ درست ہے کیونکہ تولیت اوقاف کے لئے اسلام شرط نہیں ہے۔

ان میں سے متعدد حضرات نے یہ بھی لکھا ہے کہ اگر غیر مسلم ادارہ مناسب طریقہ پر دیکھ ریکھ انجام دے رہا ہو تو بہتر ہے ورنہ وہاں سے نکالنے کی کوشش کی جائے۔

☆ بعض حضرات کا خیال یہ ہے کہ چونکہ تولیت کے لئے امانت شرط ہے اور امانت کا تصور بغیر اسلام ممکن نہیں لہٰذا غیر مسلم اداروں کی تولیت میں رہنا درست نہیں ہے (مولانا ظفر عالم ندوی، جناب شمس پیرزادہ)۔

☆ حکیم ظل الرحمن صاحب نے وضاحت کی ہے کہ کسی ہندو وقف بورڈ کا وجود میرے علم کے مطابق نہیں ہے، البتہ بعض مساجد کا انتظام غیر مسلم ادارے یا اشخاص کرتے ہیں، اور جب تک ان کا نظم و نسق درست ہے ان کی تولیت میں رکھا جا سکتا ہے۔

☆☆☆

مولانا عبدالقیوم پالن پوری گجرات
مولانا محمد ایوب ندوی۔ بھٹکل
مفتی حبیب اللہ قاسمی۔ اعظم گڑھ
مولانا تنویر عالم قاسمی۔ سیتامڑھی بہار
مولانا ابراہیم قاسمی۔ گجرات
ڈاکٹر عبدالعظیم اصلاحی۔ علی گڈھ
مولانا قدرت اللہ باقوی۔ (کرناٹک)
مولانا مسیح اللہ قاسمی۔ سیتامڑھی بہار
مولانا اسعد اللہ قاسمی۔ ٹانڈہ بادلی رامپور
مولانا عبداللطیف پالن پوری۔ گجرات
مولانا اقبال احمد قاسمی۔ شکرپور بہار
مولانا محمد نورالقاسمی۔ جے پور
مولانا عطاء اللہ صاحب۔ کوپاگنج مئو
مولانا ابرار خاں ندوی۔ جے پور
مولانا محمد مصطفیٰ آروا پور۔ بہار
مولانا صدر عالم قاسمی۔ اعظم گڈھ
مفتی جمیل احمد نذیری۔ مبارکپور
مولانا ابوسفیان مفتاحی۔ مئو
مولانا ظفرالاسلام صاحب۔ مئو
مولانا قمرالزماں ندوی۔ پرتاپ گڈھ
مولانا اخلاق الرحمن قاسمی۔ اکل کوا مہاراشٹر
عتیق احمد قاسمی دارالعلوم۔ ندوۃ العلماء لکھنؤ

دارالعلوم سبیل حیدرآباد میں زیر تربیت فضلاء مدارس جن کے مقالات اوقاف کے موضوع پر موصول ہوئے ہیں ان کے اسماء یہ ہیں:

مولانا محمد ارشد قاسمی
مولانا محمد مستفیض الرحمن قاسمی
مولانا محمد طاہر مظاہری
مولانا محمد شاہد سبیر ساوی
مولانا قمر عالم سبیلی
مولانا سید محمد ایوب سبیلی

دارالعلوم سبیل السلام حیدرآباد میں زیر تربیت فضلاء مدارس کے مقالات کے بارے میں اس تاثر کا اظہار ضروری سمجھتا ہوں کہ یہ مقالات کافی محنت اور مطالعہ کے ساتھ لکھے گئے ہیں، ان میں تحقیق وتحریر دونوں کا سلیقہ پایا جاتا ہے اور مقالہ نگاروں کے روشن مستقبل کی غمازی کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ ان ہونہار فضلاء مدارس کو دین کا خادم ومجاہد اور میدان تحقیق وتصنیف کا شہسوار بنائے۔ جناب مولانا رضوان القاسمی اور جناب مولانا خالد سیف اللہ رحمانی قابل مبارکباد ہیں جن کی توجہات اور کوششوں سے فضلاء مدارس کی تربیت کا مفید ترکام دارالعلوم سبیل السلام میں انجام پارہا ہے۔

عرض مسئلہ بابت سوال نمبر ا

اوقاف کے سوالنامہ کا سوال نمبر ا۔ یہ ہے:

بہت سے اوقاف (خصوصاً پنجاب، ہریانہ، دہلی ومغربی یوپی میں) ۱۹۴۷ء میں پاکستان کی طرف مسلمانوں کی آبادی منتقل ہونے کی وجہ سے ویران ہو چکے ہیں، اور جن مقامات پر وہ اوقاف ہیں وہاں دور دور تک مسلمانوں کی آبادی نہ ہونے کی وجہ سے ان اوقاف کو آباد کرنا اور واقف کے مقاصد کے مطابق انہیں بروئے کار لانا

ناقابل عمل ہو گیا ہے، اس میں مساجد، قبرستان، مدارس وخانقاہیں ہر قسم کے اوقاف ہیں، ایسے اوقاف پر حکومت یا غیر مسلموں کا قبضہ بڑھتا جارہا ہے، اس سلسلے میں درج ذیل سوالات ہیں:

الف۔ کیا ایسے اوقاف کو فروخت کر کے مقاصد واقف کا خیال رکھتے ہوئے کسی دوسرے مقام پر جہاں مسلمانوں کی آبادی ہے متبادل وقف قائم کیا جا سکتا ہے؟

ب۔ کیا ایسے ویران اوقاف حکومت یا کسی فرد کے حوالہ کر کے اس کے عوض دوسری زمین یا مکان حاصل کر کے مقاصد وقف کو جاری کرنے کی شکل اختیار کی جا سکتی ہے؟

ج۔ کیا شرعاً اس کی گنجائش ہے کہ ایسے ویران، ناقابل استعمال اوقاف کو فروخت کر کے واقف کے مقاصد کی پابندی کئے بغیر ان کے ذریعہ مسلمانوں کے تعلیمی یا رفاہی ادارے قائم کرے جائیں؟

اس سوال کے تمام اجزاء کا تعلق ان صوبوں اور علاقوں کے اوقاف سے ہے جہاں تقسیم ہند سے پہلے مسلمانوں کی بڑی آبادیاں تھیں، بڑے بڑے آباد اوقاف تھے لیکن تقسیم ہند کا حادثہ پیش آنے پر وہ صوبے اور علاقے مسلمانوں سے خالی ہو گئے، مساجد ومدارس ویران ہو گئے، ان پر دوسروں کا قبضہ ہوتا گیا، خانقاہیں اور ان کے اوقاف اجاڑ ہو گئے، سب سے برا حال طویل وعریض قبرستانوں کا ہوا، ان کا کوئی پرسان حال نہیں رہا، ناجائز قبضے بڑھتے گئے اگر ہمارے سامنے پنجاب، ہماچل پردیش، ہریانہ، دہلی کے اوقاف کا جائزہ ہوتا کہ تقسیم ہند سے پہلے وہاں کتنے اور کیسے کیسے اوقاف تھے اور تقسیم کے بعد ان کا کیا حشر ہوا، کتنے اوقاف باقی ہیں، کتنے ناپید ہو گئے اور کتنے معرض خطر میں ہیں تو صورت حال کی سنگینی سمجھنے میں زیادہ آسانی ہوتی۔

سوال نمبر ۱۔ جز الف۔ ب کے جواب میں تمام حضرات اس بات پر متفق ہیں کہ مساجد کے علاوہ دوسرے ویران اوقاف جن کی آبادکاری مستقبل میں بھی ممکن نظر نہیں آتی اور ان پر قبضہ غاصبانہ کا پورا خطرہ ہے تو انہیں فروخت کر کے متبادل اوقاف قائم کرنا یا دوسری زمین یا مکان ودوکان سے ان کا تبادلہ جائز ہے، اس بارے میں بہت سے حضرات نے ائمہ مذاہب کی تصریحات اور مختلف فقہاء اور اصحاب افتاء کی عبارتیں اور فتاوی پیش کئے ہیں۔

سوال نمبر ۱۔ (الف، ب) میں ذکر کردہ صورتوں میں استبدال کی اجازت دینے کے بعد متعدد حضرات نے یہ بنیادی سوال اٹھایا ہے کہ اوقاف کے استبدال میں عام طور پر فقہاء اذن قاضی کی شرط لگاتے ہیں۔ بعض فقہاء نے اس سے بڑھ کر قاضی ذی علم ہونے کی شرط لگائی ہے، ہر قاضی کے اذن کو کافی نہیں سمجھا ہے، ہندوستان میں بہت کم علاقوں میں نظام قضاء قائم ہے تو اذن قاضی کی شرط کس طرح پوری ہوگی، کیا وقف بورڈ کی اجازت اذن قاضی کی جگہ لے سکتی ہے؟

مولانا مفتی فضیل الرحمن ہلال عثمانی اپنے مقالہ کے آغاز میں لکھتے ہیں:

اوقاف کے تعلق سے سوالات کے جوابات سے پہلے یہ عرض کرنا ضروری ہے کہ وقف کے مصرف میں تبدیلی، وقف کے تحفظ کے لئے اس کی فروخت اس طرح کے تمام معاملات میں قاضی اسلامی عدالت کے فیصلے کی شرط

رکھی گئی ہے۔ ہمیں ہندوستان کے موجودہ نظام میں اس کا بدل تلاش کرنا ہوگا، اتنے اہم معاملے کو وقف بورڈ کے ارکان یا افسران کی صوابدید پر چھوڑنا مناسب نہ ہوگا، وقف بورڈ کی رکنیت میں سیاسی مصلحتوں کو اہمیت دی جاتی ہے نہ کہ اہلیت وصلاحیت کو۔ قاضی یا اسلامی عدالت کا بدل کیا ہو اس کے لئے ایک صورت "اوقاف کی شرعی کمیٹی" ہو سکتی ہے، جس میں سرکردہ ماہرین قانون اور علمائے دین شامل ہوں۔

جناب عبید اللہ الاسعدی صاحب اذن قاضی کی شرط کے بابت لکھتے ہیں:

"رہ جاتی ہے یہ بات کہ وقف میں تبادل وغیرہ کے تصرف کے لئے فقہاء نے قاضی کی شرط یعنی قاضی کے فیصلہ ونظر وحکم کی قید لگائی ہے، لیکن معروف ہے کہ ایسے بہت سے مسائل میں توسع اختیار کر لیا گیا ہے، معتمد ودیانتدار علماء وذمہ داران اور ارباب حل وعقد کو قاضی کی حیثیت ضرورتاً دی گئی ہے، لہذا ہندوستان میں اوقاف کے مسائل میں معتمد منتظمین کا فیصلہ معتبر ہوگا، مناسب ہوگا کہ یہ قید لگائی جائے اور توجہ دلائی جائے کہ وقف کے ذمہ داران ایسا فیصلہ کرنے میں صاحب نظر علماء سے رجوع کریں، ان کو شامل کریں یا کم از کم رابطہ، استفتاء کریں، شامی نے بعض معاملات میں محلہ کے مسلمانوں کی رائے کا ذکر کیا ہے، اور ہمارے ارباب افتاء نے ایسے مسائل میں عموماً اس کا ذکر کیا ہے کہ ارباب حل وعقد، منتظمین جب مناسب سمجھیں یعنی ضروری وبہتر خیال کریں تو ایسے اقدام کریں، امداد الفتاوی ۲/۷۶۳ میں بھی کچھ اس بابت تفصیل آئی ہے کہ قاضی نہ ہو تو کیا کیا جائے"۔

بہر حال یہ مسئلہ کافی اہم اور نازک ہے کہ قاضی نہ ہونے کی صورت میں استبدال وقف کی اجازت کون دے سکتا ہے، جن صوبوں اور علاقوں میں مسلمانوں نے نظام قضاء قائم کر رکھا ہے وہاں کا مسئلہ تو کسی حد تک آسان ہے لیکن ہندوستان کے اکثر صوبے نظام قضاء سے محروم ہیں، متولی خواہ کتنا دیانت دار ہو، اسے اپنی صوابدید سے استبدال کی اجازت دینا درست نہیں۔ اگر استبدال وقف متولی کے دائرے کا عمل ہوتا تو فقہاء نے اذن قاضی کی شرط نہ لگائی ہوتی۔ متولیوں کو استبدال اوقاف کا اختیار دینے میں (خواہ یہ اختیار کتنی پابندیوں کے ساتھ دیا جائے) اوقاف کی تباہی اور بربادی ہے۔ وقف بورڈوں کی صورت حال محتاج بیان نہیں۔ عیاں راچہ بیان۔ وقف بورڈ کے افسران یا ارکان کی اجازت کو بھی اذن قاضی کا قائم مقام قرار نہیں دیا جا سکتا، ورنہ اوقاف کی صورت حال مزید بد سے بدتر ہوتی چلی جائے گی۔

حاکم مسلم اور قاضی کی عدم موجودگی میں فقہاء نے متعدد مسائل میں جماعۃ المسلمین یا ارباب حل وعقد کو قاضی کے قائم مقام مانا ہے، مثلاً متولی کے عزل ونصب کے مسئلہ میں فقہاء کی ایسی صراحتیں ملتی ہیں، علامہ شامی نے فتاوی تاتارخانیہ کے حوالے سے لکھا ہے:

إن أهل المسجد لو اتفقوا على نصب رجل متوليا لمصالح المسجد فعند المتقدمين يصح ولكن الأفضل كونه باذن القاضي ثم اتفق المتأخرون ان الأفضل أن لا يعلموا القاضي في زماننا لماعرف من طمع القضاة في أموال الأوقاف (ردالمحتار ۳/۴۳۳)

مفتی جمیل احمد نذیری لکھتے ہیں: ''موجودہ زمانہ میں جب کہ قاضی موجود نہیں ہے، اکثر علاقوں کا یہی حال ہے، لہذا عوام بمنزلہ قاضی قرار پائیں گے، مساجد و مدارس اور اداروں کی کمیٹیاں عوام کی نمائندہ مانی جاتی ہیں، لہذا سارے عوام کو اکٹھا کرنے کے بجائے ان کمیٹیوں کا غور و خوض اور فیصلہ عوام کے فیصلے کے درجہ میں ہوگا''۔

لیکن حالات سے باخبر اصحاب بصیرت سے یہ بات مخفی نہیں ہے کہ آج کل عموماً کمیٹیاں عوام کی نمائندہ کم ہوتی ہیں، اوقاف کے متولی اور اداروں کے ذمہ دار ایسی کمیٹیاں تشکیل دے لیتے ہیں جن میں عوام کی نمائندگی کا لحاظ کم سے کم ہوتا ہے، ایسے افراد کو کمیٹی کا ممبر بنایا جاتا ہے جو متولیان کے ہر فیصلہ اور رائے کی تصدیق و تصویب کریں، اس لئے میرے خیال میں استبدال وقف جیسے نازک مسئلے میں کمیٹی پر اعتماد کرنا اوقاف کے مفاد میں نہیں ہوگا، مناسب اور محتاط بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ ہر صوبہ یا ہر ضلع میں ایک کمیٹی بنادی جائے جس میں بالغ نظر علماء، اصحاب افتاء، متدین و امانت دار ماہرین قانون شامل ہوں، یہ کمیٹی استبدال اوقاف کے مسائل کو دیکھے، اس کمیٹی کی تحقیق و تفتیش اور فیصلہ و اجازت کے بعد ہی متولی کو استبدال کا حق حاصل ہو، یہ کمیٹی تحقیق کرتے وقت اس علاقہ کے چند سرکردہ و دیانت دار مسلمانوں کو بھی شریک کار کرلے جہاں متعلقہ وقف واقع ہے۔

ہندوستان کے علماء کا اجماعی فیصلہ ہے کہ مسجد کی مسجدیت میں کوئی تبدیلی نہیں ہوسکتی، اس لئے مسجد کے استبدال کی شرعاً کوئی گنجائش نہیں ہے۔ آل انڈیا پرسنل لا بورڈ کے فیصلے کا حوالہ اس سلسلہ میں دیا جاسکتا ہے۔

فقہاء مجتہدین کی غالب اکثریت اسی رائے پر ہے، اس سلسلے میں مختلف فقہی مسالک کے مصنفین کی چند عبارتیں درج کی جاتی ہیں:

علامہ ابن ہمام فتح القدیر میں لکھتے ہیں:

استغنی عن الصلاۃ فیہ اھل تلک المحلۃ او القریۃ بان کان فی قریۃ فخربت و حولت مزارع یبقی مسجدا علی حالہ عند ابی یوسف وھو قول ابی حنیفۃ و مالک والشافعی (فتح القدیر جلد۵/۴۳۶)

علامہ حصکفی الدرالمختار میں تحریر فرماتے ہیں

ولو خرب ماحولہ واستغنی عنہ یبقی مسجدا عند الامام الثانی ابدا الی قیام الساعۃ و بہ یفتی (الدرالمختار مع الشامی جلد۴/۳۵۸)

امام نووی شافعی شرح المہذب میں تحریر فرماتے ہیں

وان وقف مسجدا فخرب المکان و انقطعت الصلوۃ فیہ لم یعد الی الملک ولم یجز التصرف فیہ (شرح المہذب ۱۵/۳۶۰)

مشہور شافعی فقیہ امام قفال شاشی ''حلیۃ العلماء فی معرفۃ مذاہب الفقہاء'' میں لکھتے ہیں

فان وقف مسجدا فخرب او خرب المکان الذی کان علیہ وانقطعت الصلاۃ فیہ لم

يعد الى الملك ولم يجز التصرف فيه ولا يجوز نقضه ولا نقله الى غيره وبه قال مالک (جلد۹ /ص۳)

علامہ احمد بن یحییٰ الونشریسی مالکی "المعیار المعرب عن فتاوی علماء افریقیہ والاندلس وبلاد المغرب" میں لکھتے ہیں:

سئل (سيدى عبد الله العبدوسى) عن مسجد قائم معطلت منفعة و خرب ما حوله من الدور لمن يصرف وقفه المحلس عليه والمسجد ما ترجى له عمارة فى الوقت اصلا وريعه اما ارض او جزاء لمن يكون معل للجامع الاعظم او لا توب المساجد اليه او يبقى موقوفا؟ فا جاب اما المسجد المذكور فان احتاج الى بناء يقام به رسمه و تبقى عليه به حرمة المسجد مخافة دثوره فانه يبنى من غلة احباسه وما فضل من ذلک فقيل يصرف الى اقرب المساجد اليه وقيل الى احوجها وان بعد وبه افتى (ص۵۶)

فقہ حنبلی کے بارے میں معروف بات تو یہی ہے کہ حنابلہ کے نزدیک ویران مساجد جن کے آباد ہونے کی کوئی امید نہ ہو ان کی فروختگی جائز ہے لیکن ابن حنبل کا دوسرا قول جسے بعض حنبلی فقہاء نے راجح قرار دیا ہے یہ ہے کہ مسجد کی زمین کی بیع جائز نہیں ہے ہاں اگر مسجد کی عمارت کے بارے میں چوروں ڈاکوؤں وغیرہ کا خطرہ ہو تو اسے منتقل کیا جا سکتا ہے یا فروخت کیا جا سکتا ہے۔

ہریانہ و پنجاب وغیرہ کے ویران اوقاف خصوصاً ویران مساجد کے مسئلہ پر غور کرتے ہوئے اس پہلو پر نظر رکھنا بھی ضروری ہے کہ اس دور میں کسی علاقہ سے آبادی ختم ہونا پھر دوبارہ آباد ہو جانا پہلے زمانوں کی طرح مشکل نہیں رہا، پنجاب اور ہریانہ کے جو شہر تقسیم ہند کے وقت مسلمانوں سے کلیۃً خالی ہو چکے تھے وہاں اب دوبارہ مسلمان رفتہ رفتہ آباد ہو رہے ہیں، ملازمت اور تجارت کے سلسلے میں مسلمان وہاں آباد ہو رہے ہیں، پنجاب و ہریانہ کی زرعی، صنعتی ترقیات نے مزدوروں کا رخ اس علاقہ کی طرف موڑ دیا ہے، اس میں ایک بڑی تعداد مسلمانوں کی بھی ہے، پنجاب و ہریانہ کی فیکٹریوں اور کھیتوں میں مسلمان مزدور بھی کام کر رہے ہیں، اسی طرح شہروں ہی میں نہیں بلکہ قصبات اور دیہاتوں میں مسلمان بکھرے بکھرے آباد ہو رہے ہیں اور جہاں بھی چند مسلمان جمع ہو جائیں مسجد ان کی سب سے پہلی دینی ضرورت ہے۔ ان بدلے ہوئے حالات میں ہمارے غور و فکر کا رخ یہ ہونا چاہئے کہ ان ویران مساجد کو کس طرح آباد کیا جائے اور ان کے تحفظ کے لئے کیا کیا قانونی اور عملی تدبیریں اختیار کی جائیں، اس پہلو کی طرف جناب عبد الرحیم قریشی صاحب سکریٹری آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ نے اپنے مقالہ میں متوجہ کیا ہے۔

میرے خیال میں فقہ اکیڈمی کو پوری صراحت اور قوت سے اس بات کا اعلان و اظہار کرنا چاہئے کہ مساجد کی فروختگی اور استبدال کسی حال میں جائز نہیں ہے، کیونکہ دلائل کے اعتبار سے یہ موقف مضبوط اور پختہ ہے، مصالح و حالات کے مطابق بھی ہے۔ ہندوستان میں مساجد پر غاصبانہ قبضہ کرنے اور انہیں مندروں میں تبدیل کرنے کی منظم

اور طاقتور تحریک چل رہی ہے، ایسے حالات میں استبدال مساجد کی گنجائش پیدا کرنا تمام مساجد واوقاف کو خطرہ میں ڈالنا ہے۔

سوال نمبر ۱۔ (ج) میں دریافت کیا گیا تھا کیا شرعاً اس کی گنجائش ہے کہ ایسے ویران ناقابل استعمال اوقاف کو فروخت کر کے واقف کے مقاصد کی پابندی کئے بغیر ان کے ذریعہ مسلمانوں کے تعلیمی یا رفاہی ادارے قائم کر دئے جائیں؟

اس سوال کے جواب میں اکیس حضرات نے لکھا ہے کہ واقف کے مقاصد کی پابندی ضروری ہے، اس کی پابندی کئے بغیر مسلمانوں کے تعلیمی یا رفاہی ادارے قائم نہیں کئے جا سکتے، چند حضرات نے کچھ گنجائش ذکر کی ہے، لیکن ان حضرات کا منشا یہ نہیں ہے کہ فروخت شدہ اوقاف کی قیمت صرف کرنے میں واقف کے مقاصد کا لحاظ نہیں رکھا جائے گا۔

مولانا عبید اللہ الاسعدی لکھتے ہیں: تبادلہ میں اس کا لحاظ کیا جائے کہ اصل وقف کی جو جہت ہو اس کا نظم کیا جائے اس لئے کہ اس قسم کی ضرورت دوسرے مواقع میں پائی جاتی ہے..... استبدال اور تبادلہ کی اجازت ضرورت میں اور پابندیوں کے ساتھ ہے، اور ضرورت کی رعایت میں واقف کی عدم اجازت کا بھی خیال نہیں کیا گیا ہے مگر مقصد اہم ہے، مدارس، مسافر خانے اور اسپتال آج بھی بنائے جا سکتے ہیں، ان سے واقف کے مقصد کی کسی نہ کسی درجہ میں بہر حال تکمیل ہوگی، یتیم خانہ بھی ایک اہم ضرورت ہے، نیز چھوٹے پیمانے کے ٹیکنیکل ادارے جن سے معمولی گھرانے کے بچے اور بچیاں اور عورتیں ہنر سیکھ کر اپنی معیشت کا نظم کر سکیں، خالص عصری تعلیم کے اداروں کا قیام اپنے حالات کے اعتبار سے وقف اور اس کے مقاصد سے ہم آہنگ نہیں۔

مفتی محبوب علی وجیہی لکھتے ہیں: واقف کی شرائط نص شارع کے حکم میں ہیں لہٰذا ان کی مکمل پابندی کی جائے، البتہ جہاں مصارف وقف موجود نہ ہوں یا ان کی تکمیل کے بعد کچھ رقم فاضل رہتی ہے تو وہ مسلمانوں کے تعلیمی اور رفاہی کاموں میں خرچ کر سکتے ہیں، اور ایسے پرانے اوقاف جن کی شرائط معلوم نہ ہوں ان کی آمدنی پہلے فقراء و مساکین اور پھر دینی وملی ضروریات پر خرچ کی جا سکتی ہیں۔

مفتی فضیل الرحمن ہلال عثمانی لکھتے ہیں: حتی الامکان واقف کے مقاصد کی پابندی ضروری ہے تاہم مجوزہ شرعی کمیٹی یا قاضی کی اجازت سے مسلمانوں کے ایسے رفاہی اور تعلیمی اداروں پر خرچ کرنے کی گنجائش ہے جہاں دینی تربیت ہو۔

مولانا اخلاق الرحمن قاسمی لکھتے ہیں: اس شرط کے ساتھ گنجائش ہے کہ واقف کے مقاصد کی پابندی دشوار ہو۔

مولانا ظفر عالم ندوی لکھتے ہیں: قاضی شریعت یا جماعت مسلمین کے فیصلہ سے تعلیمی یا رفاہی ادارہ قائم کرنے کی گنجائش ہے۔

مولانا عبد العظیم اصلاحی لکھتے ہیں: ویران اور ناقابل استعمال اوقاف کو فروخت کرکے اگر مصلحت متقاضی ہو ان کے ذریعہ مسلمانوں کے لئے تعلیمی ورفاہی ادارے قائم کرنے میں حرج معلوم نہیں ہوتا۔

اس تفصیل سے یہ بات واضح ہوئی کہ تقریباً تمام ہی شرکاء ویران اوقاف کی قیمتوں کے صرف کرنے میں مقاصد وقف کی رعایت ضروری قرار دیتے ہیں اور اس بات کی اجازت نہیں دیتے کہ مقاصد وقف کا خیال کئے بغیر کیف ما اتفق کوئی بھی تعلیمی یا رفاہی ادارہ قائم کردیا جائے۔ مقاصد واقف کی پابندی دشوار ہو یا اس کے بعد فاضل رقم بچ جاتی ہو تو ایسی صورت میں کسی اور نیک کام میں صرف کرنا علیحدہ مسئلہ ہے جو یہاں زیر بحث نہیں ہے، قاضی شریعت یا شرعی کمیٹی بھی اجازت دینے میں اس بات کی پابند ہوگی کہ مقاصد وقف کا خیال رکھے کسی انتہائی مجبوری اور ضرورت ہی میں مقاصد وقف سے باہر صرف کرنے کی اجازت دے۔

سوال ۲ کا متن یہ ہے:

بہت سے مقامات ایسے ہیں جہاں مساجد ومدارس یا مقابر کے بڑے بڑے اوقاف ہیں اور مسلمانوں کی آبادی وہاں بہت معمولی رہ گئی ہے، مثلاً ایک مسجد ہے اس کے لئے بہت سی زمینیں اور مکانات وقف ہیں، مسجد کے اوقاف کی آمدنی اس کے مصارف سے زیادہ ہے اس سلسلے میں دو باتیں دریافت طلب ہیں۔

الف۔ کیا مسجد پر وقف اراضی میں جو فی الحال مسجد کی ضروریات سے زائد ہے مسلمانوں کے لئے دینی یا عصری تعلیم کا ادارہ قائم کیا جاسکتا ہے۔

ب۔ کیا مسجد کی زائد آمدنی تعلیمی یا رفاہی مقاصد کے لئے استعمال کی جاسکتی ہے جب کہ واقف نے ان زمینوں اور مکانات کو مسجد ہی کے لئے وقف کیا تھا۔

سوال ۲ (الف) کے جواب میں علماء اور اصحاب افتاء کے کئی موقف سامنے آئے ہیں:

ایک موقف یہ ہے کہ مسجد کی زائد اراضی میں نہ دینی تعلیم کے ادارے قائم کئے جاسکتے ہیں نہ عصری تعلیم کے ادارے، یہ موقف درج ذیل حضرات کا ہے:

مفتی شکیل احمد سیتاپوری	مولانا ابوسفیان مفتاحی
مولانا عبد اللطیف پالن پوری	مولانا ابراہیم فلاحی
مولانا نور الحق قاسمی	مولانا ظفر عالم ندوی
مولانا عطاء اللہ قاسمی	

ان حضرات نے بطور استدلال فقہاء کی وہ عبارتیں پیش کی ہیں جن میں واقف کے مقاصد وشرائط کی پابندی لازم قرار دی گئی ہے اور ایک وقف کی فاضل آمدنی کو اسی جنس کے اوقاف میں لگانے کا حکم دیا گیا ہے، اس سلسلے میں حضرت تھانوی کا ایک فتوی بھی پیش کیا گیا ہے، حضرت تھانویؒ ایک سوال کے جواب میں لکھتے ہیں: "مدرسہ جنس مسجد سے نہیں، اس لئے زائد رقم دوسری مساجد میں صرف کرنا چاہئے۔ اگر اس شہر میں حاجت نہ ہو تو دوسرے شہروں کی

مساجد میں صرف کریں، جو زیادہ قریب ہو اس کا حق مقدم ہے اسی طرح بہ ترتیب" (امداد الفتاوی ۲/ ۵۹۵)

دوسرا موقف یہ ہے کہ مسجد کی زائد اراضی جن کی مسجد کو فی الحال ضرورت نہیں ہے اور نہ ہی مستقبل قریب میں اس کی ضرورت ہوگی اس پر دینی تعلیم کے ادارے تو قائم کئے جاسکتے ہیں۔ عصری تعلیم کے ادارے قائم نہیں کئے جا سکتے، یہ موقف درج ذیل حضرات کا ہے:

حضرت مولانا نظام الدین صاحب۔ دارالعلوم دیوبند — مولانا عبید اللہ اسعدی

مولانا زبیر احمد قاسمی — مولانا تنویر عالم قاسمی[1]

مفتی جمیل احمد نذیری — مولانا صدر عالم قاسمی

مولانا عبد القیوم پالنپوری — مولانا سمیع اللہ قاسمی

مولانا ابرار خان ندوی — مولانا اقبال قاسمی

مولانا ابوبکر قاسمی — مولانا اسعد اللہ قاسمی

یہ موقف اختیار کرنے والوں کا استدلال سمجھنے کے لئے مولانا زبیر احمد قاسمی کے مقالہ کا ایک اقتباس پیش کرتا ہوں، موصوف لکھتے ہیں: یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ عمارۃ مسجد اور مصالح مسجد دونوں ایک ہی درجہ کے مساوی مصارف ہیں" والاصح ما قال الامام ظهير الدين ان الوقف على عمارة المسجد و مصالح المسجد سواء كذا في فتح القدير (فتاوی ہندیہ ۲/ ۴۶۲) اب اگر مصالح مسجد کے مصداق ومفہوم میں کچھ مزید عموم کردیا جائے اور کہا جائے کہ ہر وہ کام جس سے مسجد کی حفاظت، اس کی موقوفہ اراضی کو دوسروں کی دست برد سے بچانا اور مسجد کی آبادی میں آج یا کل اضافہ ہونا متوقع ہو سب ہی مصالح مسجد میں داخل ہیں تو پھر ہمارے خیال میں مسجد کی موجودہ ضروریات سے زائد زمین پر دینی مدرسے کے قیام کی اجازت دی جاسکتی ہے، کیونکہ دینی ادارے سے دینی تعلیم کے نتیجے میں بہ ظن غالب عام طور پر مسجد کے حفاظ، مصلی، امام، موذن اور دیگر مصالح قسم کے خدام ہی پیدا ہوا کرتے ہیں جو یقیناً مسجد کی آبادی میں دخیل ومؤثر ہوتے ہیں اور انہیں لوگوں سے مساجد آباد رہا کرتے ہیں لیکن عصری تعلیم کے ادارے سے مساجد کے آباد کرنے والے افراد شاذ ونادر ہی نکلا کرتے ہیں۔ اس لئے خواہ مسجد کی موقوفہ زمین زائد از ضرورت ہو یا اس کی آمدنیاں، کسی کو عصری تعلیم کے ادارے کے قیام میں صرف کرنا جائز نہیں کیا جاسکتا، یہ مصالح مسجد سے بھی خارج ہیں، چنانچہ حال وماضی قریب کے بعض اکابر مفتیان کرام کے فتاوی بھی کچھ اس طرح کے ملتے ہیں۔

---

(۱) مولانا تنویر عالم قاسمی کے نزدیک مدرسہ کی فاضل اراضی میں دینی مدرسے کے قیام کا جواز چند شرطوں کے ساتھ مشروط ہے ا۔ وہ اراضی ویران اور ناقابل انتفاع ہو جائیں جس کی وجہ سے قبضہ ختم ہو جانے کا قوی خطرہ لاحق ہو... (۲) دوسری شرط یہ ہے کہ دینی ادارہ قائم کرنے کی ضرورت بھی ہو اور مدرسہ قائم ہونے کی صورت میں ان خطرات کے ختم ہو جانے کا ظن غالب ہو اگر یہ شرطیں نہ پائی جائیں تو زائد زمین فروخت کرکے حاصل شدہ رقم سے دیگر مساجد کے لئے ذریعہ آمدنی پیدا کیا جائے۔

اس موقف کی تائید میں حضرت مفتی محمود الحسن صاحب، مفتی عبد الرحیم صاحب، حضرت مفتی نظام الدین صاحب کے فتاوی بھی مختلف حضرات نے پیش کئے ہیں۔

بعض حضرات نے مسجد کی فاضل اراضی میں دینی تعلیم اور عصری تعلیم دونوں کے ادارے قائم کرنے کو درست قرار دیا ہے۔

مولانا عبد العظیم اصلاحی　　　　مولانا شمس پیرزادہ۔ بمبئی

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی لکھتے ہیں: مسجد پر وقف اراضی اگر کافی وسیع ہو اور بہ ظاہر طویل عرصہ تک مسجد کی توسیع کی ضرورت پڑنے کا امکان نہ ہو تو زائد اراضی میں دینی درسگاہ یا مسلمانوں کیلئے (بنیادی دینی تعلیم و تربیت کے ساتھ) مخصوص عصری تعلیمی ادارہ قائم کیا جا سکتا ہے، البتہ ادارہ سے مسجد کو کچھ کرایہ بھی دلانا چاہئے تاکہ اس زمین کا نفع مسجد کی طرف لوٹے اور واقف کا منشا بھی پورا ہو۔

اسی سے ملتی جلتی رائے مفتی فضیل الرحمن ہلال عثمانی نے بھی ظاہر کی ہے، موصوف لکھتے ہیں: زائد اراضی کرایہ پر دے کر اس میں دینی تعلیم یا عصری تعلیم کا ادارہ جس میں دینی تربیت ہو قائم کیا جا سکتا ہے، مولانا قدرت اللہ باقوی کی رائے ہے کہ ان اراضی کو دینی تعلیم کیلئے استعمال کی کوشش کی جائے، بصورت دیگر عصری تعلیم کا ادارہ قائم کیا جائے۔

ظاہر ہے کہ اگر مدرسہ کی تعمیر کر کے اس کا کرایہ مسجد کو دیا جا رہا ہے تو مسئلہ زیادہ اختلافی نہیں رہ جاتا خواہ دینی مدرسہ ہو یا عصری تعلیم گاہ، جن حضرات نے مسجد کی زائد اراضی میں دینی مدرسہ اور عصری تعلیم گاہ دونوں کے قیام کی اجازت دی ہے ان کا استدلال یہ ہے کہ عہد نبوی میں مسجد تعلیم گاہ بھی تھی اور مسجد کے احاطہ میں مدرسہ کا ہونا ایک معروف بات ہے، اس کے لئے واقف کی طرف سے صراحت کی ضرورت نہیں ہے، لیکن یہ دونوں باتیں ان لوگوں کے حق میں جاتی ہیں جو مساجد کی زائد اراضی پر صرف دینی تعلیم کے ادارے قائم کرنے کے حق میں ہیں، کیونکہ عہد نبوی میں مساجد میں دین ہی کی تعلیم ہوتی تھی، اور مساجد کے احاطہ میں اگر مدارس کا ہونا معروف ہے تو وہ دینی مدارس ہیں نہ کہ عصری تعلیم کے مدارس۔

مساجد کی فاضل اراضی کا مسئلہ مساجد کی فاضل آمدنی کی طرح ہے، دونوں کی نوعیت تقریباً یکساں ہے، اوقاف کی زائد آمدنی کے مسئلہ پر سوال ۳ (ب) کے تحت گفتگو آئے گی وہاں اس مسئلہ پر مزید روشنی ڈالی جائے گی۔

سوال ۲ کا جز (ب) تھا: کیا مسجد کی زائد آمدنی تعلیمی یا رفاہی مقاصد کے لئے استعمال کی جا سکتی ہے جب کہ واقف نے ان زمینوں اور مکانات کو مسجد ہی کیلئے وقف کیا تھا؟

اس سوال کے جواب میں درج ذیل حضرات نے لکھا ہے کہ مسجد کی زائد آمدنی تعلیمی یا رفاہی مقاصد کے لئے استعمال نہیں کی جا سکتی۔

مفتی شکیل احمد سیتاپوری　　　　مولانا تنویر عالم قاسمی

مولانا ظفر عالم ندوی
مفتی جمیل احمد نذیری

مولانا ابوسفیان مفتاحی
مولانا ایوب ندوی بھٹکلی

مولانا ابراہیم فلاحی۔ گجرات
مولانا عبدالقیوم پالن پوری

مولانا عبداللطیف پالن پوری
مولانا عطاء اللہ قاسمی

مولانا قمرالزماں ندوی
مولانا سمیع اللہ قاسمی

مولانا نوراللہ قاسمی
مولانا اخلاق الرحمن قاسمی

مولانا صدر عالم قاسمی

چند حضرات علماء کی رائے یہ ہے کہ مسجد کی فاضل آمدنی جس کی مستقبل قریب میں بظاہر مسجد کو ضرورت نہ ہوگی دینی تعلیم اور مدرسے میں صرف کی جاسکتی ہے۔

(۱) مولانا عبیداللہ اسعدی
(۲) مولانا اقبال قاسمی

(۳) مولانا ابوبکر قاسمی
(۴) مولانا اسعداللہ قاسمی

(۵) مفتی حبیب اللہ قاسمی۔

مفتی محبوب علی وجیہی لکھتے ہیں: دینی ادارہ یا عصری تعلیم کا مرکز جس میں دینیات بھی پڑھائے جاتے ہوں ان پر مساجد کی فاضل آمدنی خرچ کی جاسکتی ہے لیکن اگر کسی وقت مسجد کو اس فاضل رقم کی ضرورت پڑے تو پھر مسجد ہی میں خرچ کی جائے۔

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب لکھتے ہیں: مسجد کی فاضل آمدنی دوسری مساجد اور جہاں مساجد نہیں ہیں وہاں مساجد کی تعمیر پر صرف کی جانی چاہئے۔ کیونکہ ہندوستان میں ابھی ہزارہا ہزار دیہات اور قریہ جات ایسے ہیں جو مسجد کو ترس رہے ہیں۔۔۔ وہاں مسجدوں کی تعمیر اور ان میں بنیادی دینی تعلیم کے لئے مکاتب کا انتظام مدارس اور عصری درسگاہوں کے قیام سے زیادہ اہم ہے۔

مولانا فضیل الرحمن ہلال عثمانی کی رائے ہے: مسجد کی فاضل آمدنی بطور قرض لی جاسکتی ہے اور اس سے مسلمانوں کے مذہبی تعلیم کے ادارے یا عصری تعلیم اور ٹیکنکل تعلیم کا ادارہ جس میں دینی تربیت ہو قائم کیا جاسکتا ہے۔

مولانا ظفرالاسلام (مئو) لکھتے ہیں: قاضی یا جماعت مسلمین کی اجازت سے سارے فاضل چیزوں کو جن کے ضائع ہونے کا خطرہ ہے الاقرب فالاقرب کا لحاظ کرتے ہوئے اس طرح کے دیگر مصارف پر جن میں احتیاج ہو خرچ کیا جاسکتا ہے۔

ڈاکٹر عبدالعظیم اصلاحی کی رائے ہے: مساجد کی فاضل آمدنی بہتر ہے دوسری مساجد پر خرچ کریں، اگر ضرورت نہ ہو تو دوسرے تعلیمی و رفاہی مقاصد میں خرچ کی جاسکتی ہے۔

جناب شمس پیرزادہ صاحب لکھتے ہیں: مسجد کی فاضل آمدنی کسی دوسری مسجد پر صرف کی جائے، اگر ایسی

صورت ممکن نہ ہو تو البتہ تعلیمی یا رفاہی مقاصد میں استعمال کی جائے۔

مساجد کی فاضل آمدنی کو دینی تعلیم اور دوسرے رفاہی کاموں پر خرچ کرنے کا مسئلہ پہلے دور میں بھی کافی معرکۃ الآراء رہا ہے، اس سلسلے کے مختلف سوالوں کے جواب میں حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی نے مساجد کی فاضل آمدنی کو تعلیمی یا رفاہی کاموں میں صرف کرنے سے منع کیا ہے اور دوسری مساجد پر صرف کرنے کا حکم دیا ہے، اس کے برخلاف اس موضوع پر حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب نے ایک مفصل فتویٰ لکھا اور فتویٰ کے آخر میں بطور خلاصہ لکھا: "مذکورہ بالا تحقیق کی بنا پر ایسی حالت میں کہ مسجد کے اموال کثیرہ جمع ہوں اور مسجد کو نہ فی الحال ان کی حاجت ہو اور نہ ظن غالب فی المآل، اور ان اموال کے اس طرح جمع رہنے میں ضائع ہو جانے اور متغلبین کے کھا جانے کا اندیشہ ہو تو بقدر حاجت اموال جمع شدہ کسی دوسری محتاج مسجد میں خرچ ہو سکتے ہیں۔ اسی طرح ایسے دینی مدرسہ میں جو علوم شریعت تفسیر، حدیث، فقہ وغیرہ کی تعلیم دیتا ہو خرچ کرنا جائز ہے" (کفایت المفتی ۷/۲۷۵)

اس فتویٰ پر دیوبند اور دہلی کے اٹھارہ علماء کے تصویبی دستخط ہیں، ان میں مفتی عزیز الرحمٰن صاحب، علامہ انور شاہ کشمیری، مولانا شبیر احمد عثمانی، مولانا اعزاز علی صاحب جیسی بلند پایہ شخصیات بھی ہیں، لہٰذا اس فتویٰ کی حیثیت انفرادی نہیں بلکہ اجتماعی اور دستاویزی ہے۔

مفتی کفایت اللہ صاحب نے اپنے بعض دوسرے فتاویٰ میں مساجد کی فاضل رقم کو بعض دوسرے دینی اور رفاہی کاموں میں صرف کرنے کی بھی اجازت دی ہے، مثلاً مدارس دینیہ کے طلبہ کو وظائف دینا، جائز و مباح علوم معاشیہ کے نادار و غیر مستطیع طلبہ کو وظائف دینا، مساجد میں مدارس دینیہ کا اجراء، دینی ضرورتوں کے تحت دار المطالعہ کا قیام، ترک کے مجاہدین و مجروحین کی امداد وغیرہ۔

ماضی قریب اور حال کے ممتاز اصحاب افتاء میں سے مفتی محمود صاحب گنگوہیؒ، مفتی عبد الرحیم لاجپوری اور مفتی نظام الدین صاحب نے مساجد کی فاضل رقم کو دینی مدارس کے اجراء و امداد میں صرف کرنے کا بار بار فتویٰ دیا ہے۔

میرے خیال میں مساجد کی فاضل آمدنی اگر ضرورت ہو تو سب سے پہلے خود ان مساجد کو آباد کرنے میں صرف کی جائے، مثلاً جن مساجد کے آس پاس مسلمانوں کی آبادی نہیں ہے یا بہت معمولی ہے اس کی وجہ سے مسجد ویران رہتی ہے، بعض اوقات مسجد میں اتنے لوگ بھی نہیں ہوتے کہ جماعت کے ساتھ نماز پڑھی جا سکے ایسی مساجد کی فاضل اراضی پر فاضل آمدنی سے دینی مدارس قائم کر دیے جائیں تاکہ مساجد اچھی طرح آباد ہو جائیں اور مساجد کی اراضی اور جائدادوں پر غاصبانہ قبضہ کا خطرہ بھی کم ہو جائے۔

جو مساجد ہر طرح آباد ہیں اور ان کے پاس اتنی بڑی مقدار میں فاضل آمدنی ہے کہ مساجد کو مستقبل میں بھی اس کی ضرورت پیش آنے کی امید نہیں ہے نیز اتنی بڑی رقم جمع رہنے کی صورت میں اس کے خرد برد ہونے کا بھی قوی اندیشہ ہے ایسی مساجد کی فاضل آمدنی کو دوسری مساجد کی تعمیر یا محتاج مساجد کی امداد میں صرف کیا جائے۔

ہندوستان میں اب بھی بے شمار گاؤں ہیں جہاں مسلمانوں کی تھوڑی بہت آبادی ہونے کے باوجود کوئی مسجد و مکتب نہیں
ہے وہاں مسلمانوں کے کان اذان کی آواز سے نا آشنا ہیں اور وہاں کے مسلمان اور ان کے بچے بنیادی کلمہ ایمان،
روزہ نماز اور دین کے مبادیات سے ناواقف ہیں، مساجد کی فاضل آمدنی سے ایسے گاؤں میں مساجد کی تعمیر کی جائے اور
بنیادی دینی تعلیم کے مکاتب قائم کئے جائیں۔

کسی قانونی یا کسی دشواری کی وجہ سے اگر کسی مسجد کی فاضل آمدنی دوسری مساجد کی تعمیر یا مدارس میں صرف
کرنا ممکن نہ ہو یا ان پر صرف کرنے کے بعد بھی فاضل بچ رہی ہو تو اسے دوسرے دینی اور رفاہی کاموں میں صرف کیا
جاسکتا ہے۔

عرض مسئلہ بابت سوال نمبر ۳ (الف، ب)

سوال ۳ کا متن یہ تھا:

بہت سے اوقاف کی آمدنی ان کے لئے متعین مصارف سے بہت زیادہ ہوتی ہے، ہر سال جمع ہو کر
ایک بڑا سرمایہ بن جاتا ہے، جس کی حفاظت بھی ایک مستقل مسئلہ ہے بلکہ خورد برد کا خطرہ بھی، دوسری طرف ملت کی
بہت بڑا مسئلہ ہے اور متعلقین وغیرہ کی طرف سے بھی ملت کی روز مرہ کی ضروریات کے لئے ان کے مصرف کو
سوچا جا سکتا ہے اور کتنے حفاظت یا املاک کی مرمت وغیرہ کے کاموں کے لئے تو کیا ایسی فاضل آمدنی دوسرے
مواقع میں صرف کرنا درست ہوگا:

الف۔ اسی نوع کے اوقاف کی ضروریات میں۔

ب۔ دیگر ملی، دینی، علمی کاموں اور مساجد وغیرہ میں۔

سوال ۳ (جزء الف) کے جواب میں تمام حضرات متفق ہیں کہ اوقاف کی فاضل آمدنی اسی نوع کے
اوقاف میں صرف کی جاسکتی ہے، چنانچہ مسجد کی فاضل آمدنی مساجد میں، مدارس کی فاضل آمدنی مدارس میں، مسافر
خانوں کی فاضل آمدنی مسافر خانوں میں، لیکن (جزء ب) کے جواب میں اختلاف ہے۔
اوقاف کی فاضل آمدنی دیگر ملی، دینی، علمی کاموں میں صرف کی جاسکتی ہے یا نہیں، اس سلسلے میں جن
حضرات کا جواب صراحۃً نفی میں ہے ان کے نام یہ ہیں:

مولانا زبیر احمد قاسمی
مولانا تنویر عالم قاسمی
مولانا خضر عالم ندوی
مولانا طارق الرحمٰن قاسمی
مولانا مسعود عالم قاسمی
مولانا سمیع اللہ قاسمی
مولانا عبداللطیف پالن پوری
مولانا عطاء اللہ قاسمی
مفتی شکیل احمد سیتاپوری

اس مسئلہ میں دوسری رائے یہ ہے کہ اگر اسی نوع کے اوقاف کی ضرورت نہ ہو یا اس نوع کے اوقاف نہ

صرف کرنے کی کوئی صورت نہ ہو تب دوسرے دینی، ملی کاموں پر فاضل آمدنی صرف کی جاسکتی ہے، اس میں بھی الاقرب فالاقرب الانسب فالانسب کا لحاظ کیا جائے، یہ رائے درج ذیل حضرات کی ہے:

مولانا عبیداللہ اسعدی	مفتی محبوب علی وجیہی
مولانا عبدالقیوم پالن پوری	مولانا شمس پیرزادہ
مولانا ایوب جھنگی ندوی	

تیسری رائے یہ ہے کہ اوقاف کی فاضل آمدنی کو دوسری نوع کے ملی، دینی اور تعلیمی کاموں میں صرف کیا جاسکتا ہے خصوصاً دینی تعلیم کے اجراء و فروغ میں، اس رائے کے حاملین یہ حضرات ہیں:

مفتی حبیب اللہ قاسمی	مولانا ابوسفیان مفتاحی
مفتی جمیل احمد نذیری	مولانا عبدالعظیم اصلاحی
مولانا نورالقاسمی	مولانا ابرارخاں ندوی
مولانا قمرالزماں ندوی	

مفتی فضیل الرحمن ہلال عثمانی لکھتے ہیں: قاضی یا مجوزہ شرعی کمیٹی کی اجازت سے دوسرے دینی و ملی کاموں میں اوقاف کی فاضل آمدنی صرف کی جاسکتی ہے۔

مولانا ظفرالاسلام (مئو) کی رائے ہے، مسجد کی زائد آمدنی تو مسجد ہی میں صرف ہوگی، دوسرے اوقاف کی زائد آمدنی دیگر ملی ورفاہی اداروں میں خرچ کی جاسکتی ہے۔

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی لکھتے ہیں: اگر اس نوع کے اوقاف میں ان کا استعمال ممکن نہ ہو تو ایسے رفاہی اور تعلیمی کاموں میں ان کا استعمال ہونا چاہئے جو غریب مسلمانوں کے لئے مخصوص ہوں کیونکہ ہر وقف کا آخری مصرف فقراء ہیں۔

مولانا ابوبکر قاسمی اور مولانا ابراہیم فلاحی کے نزدیک ضرورۃ اوقاف کی فاضل آمدنی دوسرے ملی اور رفاہی کاموں پر صرف کی جاسکتی ہے۔

عرض مسئلہ بابت سوال نمبر ۴

سوال نمبر ۴ کا متن ہے:

بہت سے اوقاف اپنی موجودہ شکل میں کم منفعت بخش ہیں، مثلاً کسی مسجد یا مدرسے پر کوئی مکان وقف ہے جو محلہ کے اندر واقع ہے، اس کا معمولی کرایہ ملتا ہے جس سے مسجد یا مدرسے کی ضرورتیں پوری نہیں ہوتیں اور اس کو فروخت کرکے کسی تجارتی مقام پر کوئی دوکان خرید لی جائے تو اس سے حاصل ہونے والی آمدنی مکان موقوفہ کی آمدنی سے کئی گنا زیادہ ہوگی، کیا ایسا کیا جاسکتا ہے کہ مکان موقوفہ کو فروخت کرکے ایسی کوئی بھی شکل اختیار کی جائے جس میں وقف کی آمدنی زیادہ ہو جائے؟

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی کی رائے ہے: کوئی دیانت دار ادارہ ہو تو گنجائش ہے لیکن حکومت کے وقف بورڈ کو اس کی اجازت نہیں دی جا سکتی۔

مولانا جمیل نذیری لکھتے ہیں محتاط طریقہ سے گنجائش نظر آتی ہے لیکن سد اللذرائع جواز کا عام فتویٰ نہیں دیا جا سکتا۔ مولانا نور القاسمی نے بھی اسی طرح کی رائے ظاہر کی ہے۔

درج ذیل حضرات نے استبدال بالقطع کو جائز قرار دیا ہے:

مولانا نذیر احمد قاسمی — مولانا تنویر عالم قاسمی

مولانا ظفر عالم ندوی — مولانا منظر الاسلام۔ مئو

مولانا اخلاق الرحمن قاسمی — مفتی محبوب علی وجیہی

مولانا ابو سفیان مفتاحی — مولانا شمس پیرزادہ

مولانا عبد العظیم اصلاحی — مولانا اسعد اللہ قاسمی

مولانا ابرار خاں ندوی — مولانا قدرت اللہ باقوی

مولانا قمر الزماں ندوی۔

میرے نزدیک درج ذیل وجوہ کی بنا پر استبدال بالقطع کی اجازت نہ دینا ہی راجح معلوم ہوتا ہے۔

(۱) اوقاف میں اصل یہی ہے کہ انہیں فروخت نہ کیا جائے بلکہ حتی الامکان باقی رکھا جائے استبدال کی اجازت انتہائی ضرورت و مجبوری کی بنا پر ہوتی ہے، استبدال بالقطع میں ایسی کوئی مجبوری نہیں ہے۔

(۲) جمہور فقہاء کا مذہب استبدال بالقطع کی ممانعت کا ہے۔

(۳) استبدال بالقطع کی اجازت دینے میں خواہ یہ اجازت کتنی شرطوں اور پابندیوں کے ساتھ ہو اوقاف کو بیچ کھانے اور ان میں خرد برد کرنے کے مواقع بڑھ جائیں گے، موجودہ دور میں امانت و دیانت کا شدید قحط ہے، وقف بورڈوں کا نظام صحیح نہ ہونے اور غلط ہاتھوں میں چلے جانے کی وجہ سے دیانت دار افراد کا اوقاف کا متولی بننا اور رہنا مشکل ہو رہا ہے، دن بدن حالات بدتر ہوتے جا رہے ہیں، ان حالات میں استبدال بالقطع کی اجازت اوقاف کی ابتری میں اضافہ کرے گی، استبدال بالقطع کی اجازت دینے میں جلب منفعت بلکہ ازدیاد منفعت ہے اور اجازت نہ دینے میں دفع ضرر ہے اور دفع ضرر جلب منفعت سے مقدم ہے۔

استبدال بالقطع کی بحث ختم کرنے سے پہلے دو باتوں کی طرف متوجہ کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔

(۱) جن اوقاف کو کم منفعت سمجھ کر بیچنے کی بات سوچی جاتی ہے ان کے کم منفعت بخش ہونے میں اکثر خود ہمارا دخل ہوتا ہے، جیسے پچاس سال پہلے وقف کی کوئی جائداد کرایہ پر دی گئی، اس وقت جو کرایہ

(حالانکہ تیس روپے) سے ہوا تھا وہی کرایہ اب بھی چل رہا ہے، حالانکہ مارکیٹ میں اس جیسی جائداد کا کرایہ تیس گنا ہو چکا ہے، اتنا تو کسی اتفاقی مجبوری کے بغیر، اتنے طویل زمانے کے لئے وقف کی جائداد کرایہ پر دینا درست نہیں ہے، اور اگر کسی مجبوری میں ایسا کرنا پڑا ہے تو متولیان اور کرایہ داروں کی ذمہ داری ہے کہ وقت گذرنے کے ساتھ کرایہ میں بھی اضافہ کریں، اکثر ایسا ہوتا ہے کہ نہ مسلمان کرایہ دار کے دل میں خوف خدا پیدا ہوتا ہے کہ وہ وقف کی دوکان یا مکان کتنے معمولی کرایہ میں استعمال کررہا ہے نہ متولی کو فکر ہوتی ہے کہ وہ اس کا معقول کرایہ مقرر کرائے۔ اوقاف کا کرایہ معقول اور مناسب کرنے میں اگر کچھ سرکاری قوانین حائل ہیں تو انہیں بدلوانے کی کوشش کرنی چاہئے۔

(۲) کسی وقف پراپرٹی کی آمدنی اگر اتنی قلیل اور مختصر ہے کہ خود اس وقف کے اخراجات اس آمدنی سے پورے نہیں ہوتے بلکہ قرض لے کر وقف کے اخراجات پورے کئے جارہے ہیں اس طرح وقف پر قرض کا بار بڑھتا جارہا ہے، اور متولی کی فکر و تدبیر اور جد وجہد کے باوجود اس وقف کی آمدنی بڑھنے کی مستقبل قریب میں کوئی امید نہیں ہے، تو اس وقف پراپرٹی کو فروخت کرکے دوسری زیادہ منفعت بخش جائداد خریدنا استبدال برائے نفع کے قبیل کی چیز نہیں ہے بلکہ فوات نفع وقف کا استبدال ہے، اس لئے شرائط استبدال کی پابندی کے ساتھ اس وقف کے استبدال کی اجازت ہونی چاہئے۔

سوال نمبر ۷ کا متن ہے:

"کیا کسی وقف شدہ مسجد کی عمارت کی تعمیر کیلئے یا خالی زمین پر عمارت تعمیر کرنے کے لئے یا کسی نئی مسجد کی تعمیر کیلئے وقف شدہ زمین، جائداد کا کوئی حصہ فروخت کرکے اس سے نئی تعمیر کی جاسکتی ہے جب کہ اس کا مقصد وقف کی حفاظت ہے اور اس کے بغیر یہ ممکن نہیں ہے؟"

اس صورت معاملہ کو ان حضرات نے جائز کہا ہے:

مولانا زبیر احمد قاسمی — مولانا تنویر عالم قاسمی
مولانا فضیل الرحمن ہلال عثمانی — مولانا ظفر عالم ندوی
مولانا ظفر الاسلام مئو — مولانا اخلاق الرحمن قاسمی
مفتی محبوب علی وجیہی — مولانا خالد سیف اللہ رحمانی
مفتی شکیل احمد سیتاپوری — مولانا ایوب ندوی بھٹکلی
مولانا شمس پیرزادہ — مولانا عبد العظیم اصلاحی
مولانا ابو سفیان مفتاحی — مولانا اسعد اللہ قاسمی
مولانا قمر الزماں ندوی — مولانا ابرار خاں ندوی

درج ذیل حضرات نے اس صورت معاملہ کو ناجائز قرار دیا ہے

مفتی حبیب اللہ قاسمی	مولانا جمیل احمد نذیری
مولانا صدر عالم قاسمی	مولانا عبدالقیوم پالن پوری
مولانا سمیع اللہ قاسمی	مولانا نوراللہ قاسمی
مولانا اقبال قاسمی	مولانا ابراہیم فلاحی
مولانا ابوبکر قاسمی	مولانا عبداللطیف پالن پوری
مولانا عطاء اللہ قاسمی	مولانا قدرت اللہ باقوی

جناب مولانا عبید اللہ الاسعدی لکھتے ہیں کہ فقہ حنفی میں گنجائش نہیں ہے، ہاں انتہائی مجبوری اور ضرورت میں فقہ حنبلی سے اس کی گنجائش اختیار کی جاسکتی ہے۔

فقہ مالکی اور فقہ شافعی کے مطابق تعمیر وقف کی کوئی شکل نہ نکلنے پر بھی وقف کے بعض حصہ کو باقی کی تعمیر کے لئے فروخت کرنا درست نہیں ہے، فقہ حنبلی کے مطابق اس کی اجازت ہے جیسا کہ المغنی وغیرہ سے معلوم ہوتا ہے، ابن قدامہ لکھتے ہیں:

ان الوقف إذا خرب وتعطلت منافعه كدار انهدمت او أرض خربت وعادت مواتا ولم تمكن عمارتها ..... إلا ببيع بعضه جاز بيع بعضه لتعمر به بقيته (المغنی ۹۳۱/۵، ۹۳۲)

فقہ حنفی کے معروف واصح قول کے مطابق ویران وقف کی تعمیر کے لئے اس کے بعض حصہ کی فروختگی جائز نہیں ہے، ناجائز کہنے والوں نے عام طور پر فتاوی عالمگیری کی اس عبارت کو پیش کیا ہے:

وإذا خربت أرض الوقف وأراد القيم أن يبيع بعضا منها ليرمّ الباقي بثمن ما باع ليس له ذلك (فتاوی عالمگیری ۴۱۷/۲)

بعض حضرات نے جامع الرموز کی یہ عبارت پیش کی ہے:

ولا يملك الواقف بالبيع ونحوه ولو لإحياء الباقي.

مفتی فضیل الرحمن ہلال عثمانی نے سوال نمبر ۲ کے جواب میں لکھا ہے "تعمیر وقف کے لئے اس کی بھی گنجائش ہے مگر باجازت قاضی"۔ پھر جامع الرموز کی مذکورہ بالا عبارت نقل کی ہے، حالانکہ یہ عبارت گنجائش کے بجائے عدم گنجائش پر دلالت کرتی ہے۔

علامہ صدر الشریعہ صاحب شرح وقایہ کی صراحت کے مطابق بعض متاخرین فقہاء احناف نے اس بات کو جائز قرار دیا ہے کہ مجبوری کی صورت میں وقف کے کچھ حصہ کو فروخت کر کے اس کی قیمت سے باقی وقف کی تعمیر و مرمت کرائی جائے، صدر الشریعہ کی عبارت ہے:

اعلم أن بعض المتأخرين جوزوا بيع بعض الوقف إذا خرب لعمارة الباقي والأصح انه لا يجوز (شرح وقایہ ۳۵۴/۲)

مولانا عبدالحی فرنگی محلی رحمۃ اللہ علیہ عمدۃ الرعایۃ میں اس عبارت کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

یعنی إذا خرب الموقوف ولم یکن فی غلته ما یعمر به جاز أن یبیع بعضا منه فیعمر الباقی بثمنه لأن فی بیع البعض إبقاء البعض وفی ترکه ذهاب کله وإعدام انتفاع به ومن ابتلی ببلیتین یختار أهونهما (شرح وقایہ ۲/۳۵۳، حاشیہ۔۱۰)

اوقاف کے مسائل میں فقہاء کی صراحتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ ان حضرات نے اوقاف کے تابید کے پہلو کو مد نظر رکھتے ہوئے کلایا جزءا اوقاف کی فروختگی کی اجازت بالکل آخری درجہ کی مجبوری میں دی ہے، عام حالات میں یا معمولی پریشانیوں میں اس کی اجازت نہیں دی ہے اس لئے ویران یا محتاج تعمیر وقف کی تعمیر یا مرمت کی ضرورت پر کوئی اور راستہ نہ ہونے کی صورت میں فقہاء نے یہ مشورہ دیا ہے کہ وقف جائداد مختصر یا طویل عرصہ کے لئے کسی کو کرایہ پر دے دی جائے اور اس کرایہ سے اس کی تعمیر یا مرمت کی جائے، فقہاء احناف نے مجبوری کی صورت میں مسجد کی چھت کو کرایہ پر اٹھانے کی اجازت دی ہے، یہ سب اسی لئے کیا ہے کہ اصل وقف پورا پورا کا برقرار رہے، اس لئے میرے خیال میں عام حالات میں تو اس کی اجازت نہیں دی جانی چاہئے کہ وقف کا ایک حصہ بیچ کر باقی کی تعمیر کر لی جائے، لیکن جہاں آخری درجہ کی مجبوری ہو، جدوجہد کے باوجود تعمیر وقف کی کوئی صورت نہ بن پا رہی ہو، نہ اہل خیر متوجہ ہو رہے ہوں، نہ کرایہ پر اٹھا کر تعمیر کی کوئی شکل پیدا ہو رہی ہو اور نہ قرض پر تعمیر کے بقدر رقم مل پا رہی ہو، اور وقف کے ویران پڑے رہنے میں اس کے لئے خطرہ ہو، ایسی مجبوری کی صورت حال میں فقہ حنبلی کے مطابق اور بعض متاخرین احناف کی رائے کے مطابق اس کی اجازت دی جانی چاہئے کہ وقف پراپرٹی کا کچھ حصہ فروخت کر کے باقی وقف کی تعمیر یا مرمت کر لی جائے۔

یہاں یہ وضاحت بھی ضروری ہے کہ براہ راست وقف کی ہوئی زمین وجائداد اور وقف کی آمدنی سے خریدی ہوئی زمین وجائداد کے حکم میں بڑا فرق ہے۔ پہلی قسم کی زمین وجائداد کو فروخت نہیں کیا جا سکتا، اور دوسری قسم کی زمین وجائداد کو اصل وقف کی ضرورت ومصلحت سے فروخت کیا جا سکتا ہے، مثلاً مسجد کی آمدنی سے ایک زمین خریدی گئی، اور اب مسجد کی تعمیر نو کی ضرورت ہے تو اس خرید کردہ زمین کو فروخت کر کے مسجد کی تعمیر میں لگایا جا سکتا ہے۔

علامہ شامی لکھتے ہیں:

اما إذا اشتراه المتولی من مستغلات الوقف فإنه یجوز بیعه بلا هذا الشرط (ای تعذر الانتفاع) لأن فی صیرورته وقفاً خلافا والمختار انه لا یکون وقفاً فللقیم أن یبیعه متی شاء لمصلحة عرضت (رد المحتار ۳/۴۱۹)

عرض مسئلہ بابت سوال نمبر ۹

سوال نمبر ۹ کا متن یہ ہے:

جس قبرستان کے اطراف سے مسلمانوں کی آبادیاں ختم ہو جانے کی وجہ سے ان کا استعمال بطور قبرستان

نہیں ہو رہا ہے یا یہ کہ قبرستان آبادی کے اندر آ گیا، اس کی وجہ سے اب اس کے استعمال اور اس میں تدفین پر پابندی عائد کر دی گئی ہے اور اس کی وجہ سے ان پر قبضہ کا خطرہ ہے بلکہ قبضہ ختم ہو رہا ہے تو اب ان قبرستانوں کے لئے کیا حکم ہوگا اور ان سے انتفاع کو باقی رکھنے کے لئے کیا صورت اختیار کی جا سکتی ہے؟

اس سوال میں دو طرح کے قبرستانوں کی بابت دریافت کیا گیا ہے:

(۱) جس قبرستان کے اطراف سے مسلمانوں کی آبادیاں ختم ہو جانے کی وجہ سے ان کا استعمال بطور قبرستان نہیں ہو رہا ہے۔

(۲) جو قبرستان آبادی کے اندر آ گیا اور اس میں تدفین پر پابندی عائد کر دی گئی جس کی وجہ سے قبرستان کی اراضی پر ناجائز قبضہ ہو رہا ہے۔

جواب تحریر کرنے والے بعض حضرات نے دونوں قسم کے قبرستان کو نفع بخش بنانے کی تدبیریں لکھی ہیں، بعض حضرات نے جواب لکھتے وقت صرف ایک قسم کے قبرستان کو پیش نظر رکھا اور اسی کو نفع بخش بنانے کا طریقہ بتایا۔

پہلے قسم کا قبرستان (جس کے اطراف سے مسلمانوں کی آبادیاں ختم ہو جانے کی وجہ سے اس کا استعمال بطور قبرستان نہیں ہو رہا ہے) سوال نمبر ا (الف، ب) کے ذیل میں آ گیا، اس کا جواب وہی ہوگا جو سوال نمبر ا (الف وب) کے تحت دیا گیا یعنی اس قبرستان کو فروخت کر کے دوسری جگہ جہاں مسلمانوں کو قبرستان کی ضرورت ہو متبادل قبرستان بنا دیا جائے، خصوصاً اس وقت جب کہ قبرستان کی اراضی پر قبضہ غاصبانہ کا پورا خطرہ ہو، خطرہ نہ ہونے کی صورت میں اور نگہداشت ممکن ہونے کی صورت میں ایسا بھی کیا جا سکتا ہے کہ قبرستان کو کرایہ پر اٹھا دیا جائے یا اس میں باغبانی یا کاشت کی جائے اور اس کی آمدنی سے دوسرا قبرستان بنایا جائے یا دوسرے قبرستان پر اس آمدنی کو صرف کیا جائے۔

دوسرے قسم کے قبرستان کو مد نظر رکھتے ہوئے زیادہ تر جوابات تحریر کئے گئے ہیں، ان جوابات میں قبرستان کو نافع بنانے کے لئے مختلف تجویزیں پیش کی گئی ہیں، مثلاً:

(۱) قبرستان کا احاطہ کروا دیا جائے اور اس میں دفن پر عائد پابندی ختم کرانے کی کوشش کی جائے۔

(۲) اسے فروخت کر کے دوسرا قبرستان بنا لیا جائے۔

(۳) اس قبرستان میں مسجد، مدرسہ یا کوئی رفاہی ادارہ قائم کر لیا جائے۔

(۴) اس میں باغبانی یا زراعت کی جائے اور اس کی آمدنی دوسرے محتاج قبرستانوں پر صرف کی جائے یا مسجد، مدرسہ وغیرہ میں صرف کی جائے۔

☆☆☆

اوقاف سے متعلق سوال نمبر ۵ اور نمبر ۶ کا عرض مسئلہ

محمد ظفر عالم ندوی، دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

مسئلہ اوقاف سے متعلق پیش کردہ سوال نمبر ۵ اور ۶ کا عرض مسئلہ سب سے پہلے مقالہ نگاروں کے نام، پھر ان کے دلائل ذکر کریں گے، پھر اپنی بات پیش کریں گے، میرے پاس جن حضرات کے مقالے آئے ہیں ان کے نام درج ذیل ہیں

مولانا ظفیر الدین صاحب، صدر مفتی دار العلوم دیوبند
مولانا خالد سیف اللہ رحمانی
مولانا عبید اللہ اسعدی
مولانا محمد ایوب ندوی
ڈاکٹر عبد العظیم اصلاحی
جناب ڈاکٹر قدرت اللہ باقوی
مفتی فضیل احمد، دار العلوم حقانی
مفتی فضیل الرحمن ہلال عثمانی
مفتی جمیل احمد نذیری
مولانا شفیق اللہ قاسمی
مولانا مسعود عالم قاسمی
مولانا محمد نور القاسمی
مولانا قمر الزماں ندوی
مولانا قمر عالم سبیلی
مولانا سید محمد ایوب سبیلی
مولانا عبد اللطیف پالنپوری
مولانا محمد اقبال قاسمی
مولانا محمد طاہر مظاہری
مولانا تنویر عالم قاسمی

مولانا زبیر احمد قاسمی صاحب
مولانا جاوید قاسمی
مولانا شفیق الرحمن قاسمی
مولانا عبد القیوم پالنپوری
جناب محمد فضل الرحمن
مفتی حبیب اللہ قاسمی
مفتی محبوب علی وجیہی
مولانا شمس پیرزادہ
مولانا اسعد اللہ قاسمی
مولانا عطاء اللہ قاسمی
مولانا ارشد قاسمی
مولانا ابراہیم فلاحی
مولانا شاہد سبیلی
مولانا حفیظ الرحمن سبیلی
مولانا مصطفیٰ قاسمی
مولانا رضوان القاسمی
مولانا ابو سفیان مفتاحی
مولانا اختر امام عادل مظاہری

ان علماء اور ارباب افتاء کی آراء اور دلائل ذکر کرنے سے قبل ہم سوال پڑھ دیتے ہیں تاکہ صورت مسئلہ ذہن میں تازہ رہے۔

سوال نمبر ۵: بہت سے اوقاف کے مصارف ختم ہو چکے ہیں مثلاً کوئی جاگیر کسی خاص خاندان کے فقراء کے لئے وقف کی گئی تھی، وہ خاندان ختم ہو گیا یا اس کے افراد دوسری جگہ منتقل ہو گئے یا کسی مسجد و مدرسہ کے لئے وقف تھا اور اب نہ وہ مسجد ہے نہ مدرسہ تو ان اوقاف کی آمدنی کا کیا مصرف ہوگا؟

اس سوال کے جواب میں اکثر مقالہ نگاروں کی رائے یہ ہے کہ اسی نوع کے مصارف پر وہ آمدنی صرف ہوگی۔ یعنی اگر کسی خاص خاندان کے فقراء پر کوئی جائداد وقف تھی اور وہ خاندان ختم ہو گیا یا اس کے افراد دوسری جگہ منتقل ہو گئے تو اس کی آمدنی عام فقراء پر صرف ہوگی۔ اگر مسجد یا مدرسہ کے لئے وقف تھی تو اس مسجد کے نہ ہونے کی صورت میں اس سے قریب تر مسجد اور اس مدرسہ کے نہ ہونے کی صورت میں اس سے قریب تر مدرسہ پر صرف ہوگی۔

اس رائے کے حاملین درج ذیل حضرات ہیں:

مولانا زبیر احمد قاسمی	مولانا ابوبکر قاسمی	مفتی جمیل احمد نذیری
مولانا خالد سیف اللہ رحمانی	مفتی فضیل الرحمن ہلال عثمانی	مولانا قمر الزماں ندوی
مولانا عبد اللہ الاسعدی	مولانا عطاء اللہ قاسمی	مولانا قمر عالم سہیلی
مولانا محمد اقبال قاسمی	مولانا ارشد قاسمی	مولانا عبد اللطیف پالنپوری
مولانا محمد نور القاسمی	مولانا عطاء اللہ قاسمی	مولانا صدر عالم قاسمی
مولانا ڈاکٹر عبد العظیم اصلاحی	مولانا ابراہیم فلاحی	مولانا ابوسفیان مفتاحی
مولانا مستفیض الرحمن قاسمی	مولانا تنویر عالم قاسمی	مولانا عبد القیوم پالنپوری
مولانا ابرار خاں ندوی	مولانا ظفر الاسلام اعظمی	مولانا شاہد میر ساوی
مولانا اخلاق الرحمن قاسمی	مفتی شکیل احمد سیتاپوری	جناب شمس پیرزادہ
مفتی حبیب اللہ قاسمی	مولانا سمیع اللہ قاسمی	

دلائل:

ان حضرات نے جو دلائل دیے ہیں ان میں عام طور پر رد المحتار کے حوالے سے شرح الملتقی کی یہ عبارت ہے: "یصرف وقفها لأقرب مجانس لها" (رد المحتار ۳/۳۷۲)۔ دوسری دلیل رد المحتار ہی کے حوالے سے یہ نقل کی ہے: "وحکی أنه وقع مثله فی زمن الإمام الأجل فی رباط بعض الطرق خرب ولا ینتفع المارة وله أوقاف عامرة فسئل هل یجوز نقلها إلی رباط آخر لینتفع الناس به؟ قال نعم! لأن غرض الواقف انتفاع المارة ویحصل ذلک بالثانی" (رد المحتار ۳/۳۷۱) بعض حضرات نے قاضی خاں کے حوالے سے یہی دلیل اس عبارت میں پیش کی ہے:

"رباط في طريق بعيد استغنى عنه المارة و بجنبه رباط آخر قال السيد الإمام أبو شجاع يصرف عنه إلى الرباط الثاني كالمسجد إذا خرب واستغنى أهل القرية فرفع ذلك إلى القاضي فباع الخشب و صرف الثمن إلى مسجد آخر جاز" (قاضی خاں علی الہندیہ ۳۱۵/۲)۔

کچھ حضرات نے البحرالرائق کی یہ عبارت بھی درج کی ہے:

"ولو وقف على إنسان بعينه أو عليه وأولاده أو على قرابته وهم يحصون أو على أمهات أولاده فمات الموقوف عليه فعلى الأول يعود إلى ورثة الواقف قال الناطقي إلى الأجناس وعليه الفتوى" (البحر ۲۰۳/۵)

بعض حضرات نے مزید جزئیات بھی درج کئے ہیں، لیکن حاصل استدلال ایک ہی ہے۔

مذکورہ رائے کے علاوہ بعض حضرات نے کچھ اور رائیں دی ہیں جو قدرے جدا ہیں، ہم ہر ایک کو ان کے ضروری دلائل کے ساتھ مختصراً ذکر کر رہے ہیں۔

مولانا اسعد اللہ قاسمی کی رائے ہے کہ جن لوگوں پر یہ جائداد وقف تھی ان میں سے اگر کوئی بھی زندہ ہوگا تو ان کے لئے ان کا حصہ الگ کر دیا جائے گا اور جو آمدنی بچ جائے گی وہ فقراء پر صرف ہوگی۔ انہوں نے معارف السنن کے حوالے سے مزید یہ بات بھی کہی ہے کہ فقراء پر صرف کرنے کے بجائے اس آمدنی سے اگر مدارس قائم کئے جائیں یا وہ آمدنی اشاعت علم میں صرف کی جائے تو اس کی بھی گنجائش ہے۔

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی نے مماثل مصارف پر خرچ کرنے کے ساتھ فقراء پر صرف کرنے کی دو شکلیں پیش کی ہیں۔ ایک یہ کہ آمدنی براہ راست فقراء پر صرف ہو، دوسری یہ کہ اس آمدنی کو کسی ایسے رفاہی کام کے لئے استعمال کیا جائے جس سے استفادہ فقراء ہی کیلئے مخصوص ہو۔

ڈاکٹر قدرت اللہ صاحب کی رائے ہے کہ یہ آمدنی قومی ورفاہی کام کے لئے صرف کی جاسکتی ہے۔ مولانا ایوب صاحب ندوی شافعی کا خیال ہے کہ اس آمدنی کو واقف کے قریب رشتہ داروں پر صرف کیا جائے گا، چاہے عصبہ ہوں یا ذوی الارحام اگر وہ بھی مفقود ہوں تو اس آمدنی کو مصالح مسلمین پر صرف کیا جائے گا۔ جناب حکیم ظل الرحمن صاحب کی رائے ہے کہ اس طرح کی آمدنی کو جس کے مصارف ختم ہو چکے ہوں دیگر صدقات جاریہ پر صرف کر سکتے ہیں۔ جناب مفتی محبوب علی رامپوری نے اپنی رائے یہ پیش کی ہے کہ اگر ان اوقاف کے شرائط معلوم ہوں تو شرائط کے مطابق آمدنی صرف کی جائے گی۔ ورنہ مسلمان غرباء، تعلیم، علاج، مساجد ومدارس وغیرہ پر صرف کی جائے گی۔

جناب ابرار خان ندوی نے ہم جنس مصارف پر صرف کرنے کی رائے سے اتفاق کرتے ہوئے اس نوٹ کا بھی اضافہ کیا ہے کہ اگر اس خاندان کے فقراء ایسی جگہ منتقل ہو گئے ہیں جو سابق بستی ہی میں شمار ہوتی ہے تو وہ اپنے حصے سے محروم نہیں کئے جائیں گے اور اگر اس جگہ کا شمار سابق بستی میں نہ ہو تو وہ حصے سے محروم ہو گئے۔ انہوں نے فتاوی بزازیہ کے حوالے سے یہ جزئیہ بھی نقل کیا ہے:

"وقف علی فقراء أقربائهم المقيمين بخوارزم فانتقلوا إلی بلد آخر إن كان مما يحصون لا تنقطع وظيفتهم وإن كان لا يحصون تنقطع ثم إن بقي هناك منهم أحد يصرف الكل إليه وإن لم يكن صرف الكل إلى الفقراء (بزازیہ علی الہندیہ ۲۷۹/۶)

جناب مولانا مصطفی صاحب قاسمی نے تقریباً اسی طرح کا خیال ظاہر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اگر موقوف علیہ فقراء کسی دوسرے گاؤں میں منتقل ہو گئے ہوں تو وہ رقم ان فقراء تک پہونچانے کی سعی بلیغ کرنی چاہئے۔

جناب سید محمد ایوب سمیلی کا خیال ہے کہ اس آمدنی کو دوسرے مدارس دینی وملی ورفاہی کاموں پر صرف کر سکتے ہیں، البتہ ہم جنس پر صرف کرنا بہتر ہے۔

جناب مستفیض الرحمن صاحب نے ایک تحریر یہ واضح کیا ہے کہ یہاں منشاء واقف ومنشاء شارع دونوں یکساں ہیں اس لئے اس وقف کی آمدنی کو ہم جنس مصارف پر بھی صرف کر سکتے ہیں اور دینی وعصری تعلیم گاہوں پر بھی اور ذمہ داران وقف کو اپنی صوابدید سے صرف کرنے کا بھی اختیار رہے گا۔ اگر وہاں وقف بورڈ ہو تو اس کے بھی حوالہ کیا جا سکتا ہے۔

ان تمام آراء اور دلائل کو اختصار سے ذکر کرنے کے بعد ناچیز اپنی بات بھی چند جملوں میں ظاہر کر دینا مناسب سمجھتا ہے، میرے نزدیک اس طرح کے اوقاف کی آمدنی اسی نوع کے مصارف پر صرف کی جائے گی جیسا کہ اکثر مقالہ نگاروں کی رائے ہے۔ جن حضرات نے دوسری رائیں دی ہیں ان کی آراء اور دلائل سے محسوس ہوتا ہے کہ اوقاف اور ان کے مصارف کو عام صدقات اور کار خیر کی طرح تصور کیا ہے، حالانکہ عام صدقات وکار خیر اور اوقاف میں بڑا فرق ہے، باب وقف میں منشاء واقف کو بڑی اہمیت حاصل ہے اسی لئے فقہاء نے صراحت کی ہے: "قول الواقف كنص الشارع" أو "شرط الواقف كنص الشارع" اگر ہم اس بنیادی نکتہ کو سامنے رکھیں تو بات واضح ہو جاتی ہے کہ واقف کی منشاء جس مصرف میں صرف کرنے کی ہو اس وقف کی آمدنی کو اسی مصرف میں صرف ہونا چاہئے اور منشاء واقف کی رعایت اسی وقت ہو سکے گی جبکہ ہم جنس مصرف پر وہ آمدنی صرف ہو۔ اس باب کے تمام جزئیات و فتاوی اور فقہاء کی تصریحات کا احاطہ کرنے سے اسی رائے کی تائید ہوتی ہے۔ (ہذا ما عندی واللہ اعلم بالصواب)

آیئے! اب سوال نمبر ۲ کو ذہن میں تازہ کر لیں:

بعض اوقاف کی عمارتیں مخدوش حالت میں ہیں، اوقاف کے پاس تعمیر کے لئے سرمایہ نہیں ہے اور کوئی بلڈر اس کے لئے تیار ہے کہ اس مخدوش عمارت کو ڈھا کر نئے سرے سے چند منزلہ عمارت اپنے مصارف پر اس شرط کے ساتھ تعمیر کر دے کہ اس کی ایک یا دو منزل اس کی ملکیت ہوگی جس میں اس کو ہر قسم کے تصرف کا حق ہوگا اور بقیہ وقف کے مصارف کے لئے۔ کیا شرعاً ایسا معاملہ درست ہے؟ اسی طرح وقف کی ایک زمین ہے جس پر کسی طرح کی کوئی عمارت نہیں ہے اور نہ ہی اس سے انتفاع کی کوئی صورت ہے، اس زمین سے فائدہ اٹھانے کیلئے اگر کسی بلڈر سے اسی طرح کا معاملہ کر لیا جائے تو اس کا کیا حکم ہے؟

اس سوال کے جواب میں مقالہ نگاروں کی رائیں مختلف ہیں جو درج ذیل ہیں:

۱۔ ایک رائے یہ ہے کہ بلڈر کی ملکیت میں ایک یا دو منزل کا دینا درست نہیں ہے، البتہ بلڈر کو بقدر اخراجات ایک خاص مدت تک کے لئے کچھ حصوں سے انتفاع کی اجازت دی جاسکتی ہے جو کرایہ کی شکل ہوگی۔

اس رائے کے حاملین میں درج ذیل حضرات ہیں:

مولانا زبیر احمد قاسمی — مولانا ابوسفیان مفتاحی — جناب ڈاکٹر قدرت اللہ باقوی

مولانا عبیداللہ الاسعدی — مولانا اسعد اللہ قاسمی — جناب حکیم ظل الرحمن

مولانا ابوبکر قاسمی — مولانا عطاء اللہ قاسمی — مولانا عبداللطیف پالنپوری

مفتی جمیل احمد نذیری — مولانا تنویر عالم قاسمی — مولانا محمد نوراالقاسمی

مولانا قمر الزماں ندوی — مولانا سمیع اللہ قاسمی — مولانا قمر عالم سبیلی

مولانا صدر عالم قاسمی — مولانا ارشد قاسمی

ان حضرات نے عام طور پر درج ذیل دلائل پیش کئے ہیں:

(۱) "وإذا خربت أرض الوقف وأراد القيم أن يبيع بعضاً منها ليرمّ الباقي بثمن ما باع ليس له ذلك" (ہندیہ ۲/۴۱۷)

(۲) "انهدم الوقف وليس له من الغلة ما يعاد به جاز دفع النقض إلى الواقف أو وارثه" (بزازیہ علی الہندیہ ۶/۲۷۴)

(۳) "أن الخان لو احتاج إلى المرمة آجر بيتاً أو بيتين وأنفق عليه" (ردالمحتار ۴/۳۷۹)

(۴) شجرة جوز في دار وقف فخربت الدار لم يبع القيم الشجر لأجل عمارة الوقف لكن يكري الدار ويعمرها ويستعين بالجوز على العمارة لا بنفس الشجرة" (فتاویٰ ہندیہ ۲/۴۱۷)

(۵) بعض حضرات نے شرح وقایہ کے حوالے سے یہ عبارت بھی درج کی ہے، جس میں مفتی بہ قول کی بھی صراحت ہے:

"اعلم أن بعض المتأخرين جوزوا بيع بعض الوقف إذا خرب لعمارة الباقي والأصح أنه لا يجوز لأن الوقف بعد الصحة لا يقبل الملك كالحر لا يقبل الرقبة" (شرح وقایہ ۲/۳۵۴)

۲۔ دوسری رائے یہ ہے کہ بلڈر سے اس طرح کا معاملہ وقف کے تحفظ ہی کی غرض سے کیا جارہا ہے اس لئے اس کی اجازت ہوگی۔ یہ رائے درج ذیل حضرات کی ہے۔

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی — مولانا محمد ایوب ندوی شافعی — مولانا محمد ابرار خان ندوی

مولانا اخلاق الرحمن قاسمی — مفتی فضیل الرحمن ہلال عثمانی — مولانا ابراہیم فلاحی

مفتی شکیل احمد دارالعلوم بستی — مولانا مفتی حبیب اللہ قاسمی — مولانا محمد شاہد سمیلی

جناب شمس پیرزادہ — مولانا محمد طاہر مظاہری — مولانا سید محمد ایوب سمیلی

ڈاکٹر عبدالعظیم اصلاحی — مولانا محمد اقبال قاسمی — مولانا مستفیض الرحمن قاسمی

مولانا محمد شاہد سمساوی

ان حضرات نے اپنی رائے کی تائید میں درج ذیل دلائل ذکر کئے ہیں:

(۱) "إن الوقف إذا خرب و تعطلت منافعه كدار انهدمت أو أرض خربت و عادت مواتا ولم تكن عمارتها او مسجدا انتقل أهل القرية عنه صار في موضع لا يصلي فيه أو ضاق بأهله ولم يمكن توسيعه في موضعه و تشعب جميعه فلم تكن عمارته، ولا عمارة بعضه إلا ببيع بعضه جاز بيع بعضه لتعمر به بقيته وإن لم يمكن الانتفاع بشئ منه بيع جميعه" (المغنی ۵/۹۳۲)

(۲) "وإن باع بعضه لإصلاح باقيه لخراب كله جاز" (فتاوی بزازیہ علی الہندیہ ۶/۲۴۷)

(۳) "الوقف إذا صار بحيث لا ينتفع به المساكين فللقاضي أن يبيعه ويشتري بثمنه غيره" (البحر ۵/۹۳۲)

(۴) مفتی عبدالقیوم پالنپوری نے فتاوی ہندیہ کی یہ عبارت بھی درج کی ہے:

"وكذا وقف صحيح إذا خرب ولا ينتفع به وهو بعيد عن القرية لا يرغب أحد في عمارته ولا يستأجر أصله يبطل الوقف ويجوز بيعه، وإن كان أصله يستأجر بشئ قليل يبقى أصله وقفا، وهذا الجواب صحيح على قول محمدؒ فاما عند أبي يوسف ففيه نظر" (ہندیہ ۲/۳۶۵) آگے ردالمحتار کی اس عبارت "ويفتى بكل ما هو أنفع للوقف فيما اختلف العلماء فيه" سے اس مختلف فیہ قول میں انفع جواز کے پہلو کو بتایا ہے۔ جناب مفتی محبوب علی صاحب نے "قانون العدل والإنصاف" کے حوالے سے جواز کی یہ دلیل بھی دی ہے: ولا تباع الا إذا تعذر الانتفاع بها" (ص ۷۱، مادہ ۳۶)

بعض حضرات نے کچھ جزوی شرطوں کے ساتھ جواز کی رائے کو ترجیح دی ہے اور دلائل بھی دیے ہیں۔ لیکن سب کا حاصل یہی ہے کہ بلڈر سے اس طرح کا معاملہ کیا جاسکتا ہے۔

میرا خیال یہ ہے کہ عمارت کے کچھ حصے یا منزل کو مستقل طور پر بلڈر کی ملکیت میں دینا صحیح نہیں ہے، ہاں! جس قدر رقم اس کی تعمیر یا مرمت میں صرف ہو اس کے عوض ایک خاص مدت تک انتفاع کیلئے کچھ حصے دیے جاسکتے ہیں، البتہ اگر کوئی بھی بلڈر اس کیلئے تیار نہ ہو اور نہ ہی کوئی اور صورت مرمت یا تعمیر کی ہو اور مخدوش عمارت کے اس طرح رہنے سے وقف کا نقصان ہو تو ایسی صورت میں قاضی شریعت یا دیندار مسلمانوں کی جماعت جس میں عالم دین بھی ہو کی اجازت سے اس مخدوش عمارت یا غیر نفع بخش زمین کو فروخت کر کے اس کی قیمت سے دوسری عمارت یا کار

آمدزمین وقف کے لئے خریدی جاسکتی ہے۔ فقہاء کی تصریحات اس سلسلہ میں بکثرت ملتی ہیں، ہم یہاں چند ضروری عبارتوں کی نقل پر اکتفا کرتے ہیں تاکہ اختصاراً مسئلہ کی وضاحت ہوجائے۔

علامہ شامی رد المحتار میں تحریر فرماتے ہیں:

"الوقف إذا صار بحيث لا ينتفع به المساكين فللقاضي أن يبيعه ويشتري بثمنه غيره وليس ذلك إلا للقاضي فالحاصل ان الموقوف عليه السكنى إذا امتنع من العمارة ولم يوجد مستأجر باعها القاضي واشترى بثمنها ما يكون وقفا" (رد المحتار ۳/۳۸۴)

علامہ ابن عابدین رد المحتار میں نقل کرتے ہیں:

"سئل عن وقف إنهدم ولم يكن له شئ يعمر منه ولا امكن إجارته ولا تعميره هل تباع انقاضه من حجر وطوب وخشب؟ أجاب: إن كان الأمر كذلك صح بيعه بأمر الحاكم ويشترى بثمنه وقف مكانه" (رد المحتار ۳/۳۷۶ جدید نسخہ)

مذکورہ تفصیلات کی روشنی میں ہم اس نتیجہ پر پہونچتے ہیں کہ وقف کی منہدم شدہ عمارت یا زمین بلڈر کے حوالہ کر کے مرمت یا تعمیر کا کام کرانا اور اس کے عوض چند منزلیں بلڈر کی ملکیت میں دے دینا صحیح نہیں ہے، ہاں جب کرایہ کی شکل ممکن نہ ہو تب استبدال کی شکل باذن قاضی یا باذن جماعت اہل حل وعقد اختیار کی جاسکتی ہے۔ (ہذا ما عندی واللہ اعلم بالصواب)

☆☆☆☆

عرض مسئلہ۔ اوقاف

مفتی فضیل الرحمن ہلال عثمانی۔ مالیر کوٹلہ پنجاب

سوال ۸، ۱۱، ۱۲، ۱۳

حضرات علماء کرام! ہم سب جانتے ہیں کہ قانون میں سب سے اہم چیز اس کا مقصد ہوتا ہے۔ مقصد کو پورا کرنے کے لئے اصول مقرر کئے جاتے ہیں اور اصولوں کے تحت احکامات دیے جاتے ہیں۔

قانون وقف کا مقصد آخرت کا اجر و ثواب اور دنیا میں مخلوق کی نفع رسانی ہے۔ وقف کے ذریعے انسان اپنی عارضی ملکیت کو جو اس دنیا میں تصرف کرنے کے لئے اس کے خالق و مالک نے عطا کی ہے، مالک حقیقی کی طرف منتقل کر دیتا ہے۔ اسی لئے کہا گیا ہے کہ الوقف لا یملک۔ وقف کا کوئی انسان مالک نہیں ہوتا اس کا مالک اللہ تعالیٰ ہے۔ اور اسی لئے وقف کو بیچا نہیں جا سکتا اس میں میراث جاری نہیں ہوتی، اور اس کا تحفظ اس طرح کیا جاتا ہے کہ وہ وقف کرنے والے کے لئے صدقہ جاریہ بنا رہے، جس مقصد کے لئے وقف کیا گیا ہے وہ مقصد پورا ہوتا رہے اور اس کے ذریعے سے زیادہ سے زیادہ لوگوں کو فائدہ پہنچتا رہے۔

اس وقت میں آپ کی خدمت میں وقف کے موضوع پر عرض مسئلہ کے لئے حاضر ہوا ہوں۔ وقف کے متعلق سوالات میں سے سوال نمبر ۸، ۱۱، ۱۲، ۱۳ یہ چار سوال میرے سامنے ہیں۔

سوال نمبر ۸ یہ ہے کہ مسجد یا قبرستان کیلئے وقف زمین جو کہ ضرورت سے زائد ہے اس پر مدرسہ کی تعمیر کی جا سکتی ہے کہ وہ زمین ایک کار خیر میں استعمال ہو۔

اس سوال کے جوابات ۳۸ علماء کرام کی طرف سے دئے گئے ہیں جن میں سے ۲۳ علماء نے مسجد یا قبرستان کی وقف زمین پر مدرسہ کی تعمیر کو درست اور جائز قرار دیا ہے:

مولانا عبید اللہ اسعدی	مولانا زبیر احمد قاسمی
مولانا تنویر عالم قاسمی	مفتی فضیل الرحمن ہلال عثمانی
مولانا ظفر الاسلام اعظمی	مفتی محبوب علی وجیہی
مفتی ابوسفیان مفتاحی	مفتی جمیل احمد نذیری
مولانا محمد قمر الزماں ندوی	مولانا محمد صدر عالم قاسمی
مولانا عبد العظیم اصلاحی	مولانا شمس پیرزادہ
مولانا سمیع اللہ قاسمی	مولانا ابرار خاں ندوی
مولانا خالد سیف اللہ رحمانی	مولانا ابوبکر قاسمی
مولانا اسعد اللہ قاسمی	مولانا محمد ارشد قاسمی

مولانا محمد طاہر مظاہری — مولانا قمر عالم سبیلی

مولانا سید محمد ایوب سبیلی — ڈاکٹر قدرت اللہ باقوی

مولانا محمد ایوب ندوی — مفتی نظام الدین۔ دارالعلوم دیوبند

دس علماء کرام نے اس کو ناجائز فرمایا ہے

مولانا مظفر عالم ندوی — مفتی حبیب اللہ قاسمی

مولانا اخلاق الرحمن قاسمی — حکیم ظل الرحمن

مولانا عبد القیوم پالنپوری — مولانا ابراہیم فلاحی

مولانا عطاء اللہ قاسمی — مولانا محمد مطیع الرحمن

مولانا محمد شاہد سہارنپوری — مفتی شکیل احمد سیتاپوری

اور چار حضرات نے مسجد اور قبرستان کی زمین میں فرق کرتے ہوئے ناجائز قرار دیا ہے۔

مولانا نور اللہ قاسمی صاحب لکھتے ہیں کہ مسجد کی زمین پر جائز نہیں ہے قبرستان کی زمین پر جائز ہے۔

مولانا محمد اقبال قاسمی صاحب لکھتے ہیں کہ قبرستان کی زمین پر جائز نہیں ہے مسجد کی زمین پر درست ہے۔

مولانا مصطفی قاسمی صاحب لکھتے ہیں مسجد کی زمین پر جائز نہیں ہے قبرستان کی زمین پر جائز ہے۔

مولانا عبد اللطیف پالنپوری کے نزدیک جائز نہیں ہے، بوقت ضرورت کرایہ کی صورت اختیار کی جا سکتی ہے۔

جن حضرات نے اس کو جائز قرار دیا ہے ان میں سے اکثر کی دلیل علت مشترکہ ہے، کیونکہ مسجد اور قبرستان بھی وقف ہے اور دینی مدرسہ بھی وقف ہوتا ہے اس لئے اس پر مدرسہ کی تعمیر جائز ہونی چاہئے۔ اس حصہ میں سب سے نمایاں رائے یہ ہے کہ مسجد یا قبرستان کے متولی یا اس کی انتظامیہ اس جگہ کو مدرسہ کی تعمیر کیلئے کرایہ پر دے دے تاکہ واقف کا منشا بھی فوت نہ ہو اور اس کا فائدہ بھی زیادہ عام ہو جائے جس سے واقف کے اجر وثواب میں مزید ترقی کی امید ہے۔

جن حضرات نے اس کو جائز قرار نہیں دیا ان کے پیش نظر یہ بات ہے کہ وقف کے مصرف کو بدلا نہیں جا سکتا۔

جن حضرات نے مسجد اور قبرستان کے وقف میں فرق کیا ہے ان کی دلیل یہ ہے کہ مدرسہ جنس مسجد سے نہیں ہے البتہ قبرستان کی جائز زمین پر مدرسہ کی تعمیر کی اجازت دی جا سکتی ہے۔

تمام دلائل کا وزن اپنی اپنی جگہ اہمیت رکھتا ہے اور آپ حضرات اچھی طرح جانتے ہیں کہ وقف کے سلسلے میں منصوص احکام بہت کم ہیں اور زیادہ تر مسائل کا تعلق اجتہاد اور مصالح عامہ سے ہے۔ اور غالباً اسی لئے وقف کے مصرف کو بدلنے کے سلسلے میں بعض ائمہ نے شرط واقف سے توسع کی ہے۔ قاضی بحیثیت مفاد عامہ کا نگراں ہوتا ہے اسی لئے شریعت نے اس کو وسیع اختیارات دیئے ہیں۔

اس ملک میں اس سہولت سے محروم ہونے کی وجہ سے اور قوت نافذہ نہ ہونے کی وجہ سے جو مشکلات پیش آتی ہیں انمیں اس موتمر مجلس میں اس پر بھی غور کرنا چاہئے کہ کیا اس کا حل ایک باوقار اور معتبر وقف کونسل کی صورت میں ممکن ہے یا نہیں ہے۔

وقف کے تعلق سے سوال ۱۱ یہ ہے:

قبرستان کی حفاظت کے لئے جب کہ صرف باؤنڈری بنانے کا کوئی ذریعہ نہ ہو اس کے اطراف میں دو کانوں کی تعمیر کرادی جائے جس کے لئے پیشگی کرایہ کے طور پر رقم لے لی جائے اور اس سے یہ کام کرایا جائے۔ جس میں قبرستان کے اطراف کا چند فٹ دوکانوں میں چلا جائے گا کیا یہ درست ہوگا، اور بقیہ میں فاضل آمدنی مناسب مصارف خیر میں لگادی جائے؟

اس سوال کا جواب ۳۷ علماء کرام نے دیا ہے، حضرت مولانا مفتی نظام الدین صاحب نے براہ راست جواب نہیں دیا بلکہ وقف کے متعلق بنیادی امور کا تذکرہ فرمایا ہے۔ ۳۷ میں سے ۳۳ حضرات نے اس کو جائز قرار دیا ہے اور ۳ نے اس کو ناجائز کہا ہے۔

جواز کے قائلین یہ ہیں:

مولانا عبید اللہ اسعدی	مولانا زبیر احمد قاسمی
مولانا تنویر عالم قاسمی	مولانا ظفر عالم ندوی
مولانا ظفر الاسلام اعظمی	مفتی حبیب اللہ قاسمی
مولانا اخلاق الرحمن قاسمی	مفتی محبوب علی وجیہی
مولانا ابوسفیان مفتاحی	مفتی جمیل احمد نذیری
مولانا محمد قمر الزماں ندوی	مولانا محمد صدر عالم قاسمی
مولانا عبد العظیم اصلاحی	مولانا عبد القیوم پالنپوری
مولانا سمیع اللہ قاسمی	مولانا نور الحق قاسمی
مولانا ابرار خاں ندوی	مولانا خالد سیف اللہ رحمانی
مولانا مصطفی قاسمی	مولانا ابراہیم فلاحی
مولانا ابوبکر قاسمی	مولانا عبد اللطیف پالنپوری
مولانا عطاء اللہ قاسمی	مولانا اسعد اللہ قاسمی
مولانا محمد ارشد قاسمی	مولانا محمد مطیع الرحمن
مولانا محمد طاہر مظاہری	مولانا محمد شاہد سبرساوی
قمر عالم سبیلی	مولانا سید محمد ایوب

ڈاکٹر قدرت اللہ باقوی — مولانا محمد ایوب ندوی

مفتی شکیل احمد سیتاپوری

جن ۴ حضرات نے اس کو ناجائز قرار دیا ہے ان کے اسمائے گرامی یہ ہیں:

مفتی فضیل الرحمن ہلال عثمانی — حکیم ظل الرحمن

مولانا شمس پیرزادہ — مولانا محمد اقبال قاسمی

جن حضرات نے اس کو جائز قرار دیا ہے ان کے سامنے وقف کا تحفظ اور اس کو ناجائز قبضوں سے بچانے کی یہ ایک مناسب صورت ہے، اور جن حضرات نے اس کو ناجائز فرمایا ہے ان کے پیش نظر یہ بات ہے کہ اس طرح قبرستان کے گرد دوکانیں بنانے سے نہ صرف یہ کہ اس کی شکل تجارتی ہو جائے گی بلکہ قبرستان کا سوگوار ماحول بھی متاثر ہوگا۔

وقف کے تعلق سے سوال نمبر ۱۲ یہ ہے:

آج کل بعض بڑے شہروں میں مسلمان اس صورت حال سے دوچار ہیں کہ وسیع قبرستان میں ایک چھوٹی سے مسجد ہے جو ممکن ہے کسی زمانہ میں یہ تدفین کے لئے آنے والوں کی رعایت سے بنائی گئی ہو کہ وہ وہاں نماز ادا کر سکیں، اب اس علاقہ میں آبادی بڑھ گئی ہے اور مسجد کی توسیع ضروری ہو گئی ہے، نیز قبرستان میں بھی تدفین کا سلسلہ جاری ہے، تو کیا قبرستان کے حصہ میں مسجد کی توسیع کی جا سکتی ہے؟ اور کیا اس میں ویران اور زیر استعمال قبرستان اور جدید وقدیم قبروں کے حکم میں فرق ہے؟

اس سوال کے جوابات بھی ۳۸ علماء کرام سے موصول ہوئے ہیں جن میں ۳۵ علماء نے مسجد کی توسیع کو جائز قرار دیا ہے، اور صرف ۳ حضرات ہیں جنہوں نے اس سے اتفاق نہیں فرمایا۔

قائلین جواز کے اسمائے گرامی یہ ہیں:

مولانا عبید اللہ اسعدی — مولانا زبیر احمد قاسمی

مولانا تنویر عالم قاسمی — مفتی فضیل الرحمن ہلال عثمانی

مولانا ظفر الاسلام اعظمی — مولانا ظفر عالم ندوی

مفتی محبوب علی وجیہی — مولانا ابوسفیان مفتاحی

حکیم ظل الرحمن — مفتی جمیل احمد نذیری

مولانا محمد قمر الزماں ندوی — محمد صدر عالم قاسمی

مولانا عبد العظیم اصلاحی — مولانا عبد القیوم پالنپوری

مولانا سمیع اللہ قاسمی — مولانا نور الحق قاسمی

محمد ابرار خاں ندوی — مولانا خالد سیف اللہ رحمانی

مولانا محمد اقبال قاسمی
مولانا مصطفیٰ قاسمی
مولانا ابراہیم فلاحی
مولانا ابوبکر قاسمی
مولانا عبداللطیف پالنپوری
مولانا عطاء اللہ قاسمی
مولانا اسعد اللہ قاسمی
محمد ارشد قاسمی
محمد مطیع الرحمن
محمد طاہر مظاہری
محمد شاہد سہسرامی
قمر عالم سبیلی
سید محمد ایوب سبیلی
ڈاکٹر قدرت اللہ باقوی
محمد ایوب ندوی
مفتی شکیل احمد سیتاپوری
مفتی نظام الدین صاحب ۔ دیوبند

قائلین عدم جواز کے اسمائے گرامی یہ ہیں:

مفتی حبیب اللہ قاسمی
مولانا اخلاق الرحمن قاسمی
مولانا شمس پیرزادہ

بعض حضرات نے نئی اور پرانی قبروں میں بھی فرق کیا ہے اور بعض حضرات نے یہ صورت تجویز کی ہے کہ مسجد کی توسیع اس طرح کی جائے جس میں نیچے تدفین ہوتی رہے اور چھت ڈال کر اوپر سے مسجد کا کام لیا جائے۔ اس سلسلے میں نئی پرانی قبروں کے فرق کے علاوہ غالباً وارثوں کے جذبات سے بھی اس کا تعلق ہے اس لئے ان کی اجازت اور مرضی کے پہلو کو بھی ضرور سامنے رکھنا چاہئے۔

وقف کے سلسلے میں سوال نمبر ۱۳ یہ ہے:

ہندوستان کی بعض ریاستوں میں ہندو راجاؤں اور جاگیرداروں نے مساجد پر بھی اراضی وقف کی ہیں اور شاید واقف کے ہندو ہونے کے باعث یہ مساجد اب ہندو اوقاف کے تحت ہیں اور ہندو وقف بورڈ ہی مسجد سے متعلق تمام نظم ونسق انجام دیتا ہے، تو کیا مساجد و مقابر اور اسلامی مقاصد کے تحت وجود میں آنے والے اوقاف کا غیر مسلم ادارہ کی تولیت میں رہنا درست ہے؟

اس سوال کے بھی ۳۷ علماء کرام نے جوابات عنایت فرمائے ہیں، حضرت مولانا مفتی نظام الدین صاحب نے اس سوال کا جواب براہ راست تحریر نہیں فرمایا۔ ۳۷ میں سے ۲۲ حضرات نے اس کو جائز قرار دیا ہے اور چندہ نے اس کو ناجائز فرمایا ہے۔

جنہوں نے جائز قرار دیا ہے ان کے اسمائے گرامی یہ ہیں:

مولانا عبیداللہ اسعدی
مولانا زبیر احمد قاسمی
مولانا تنویر عالم قاسمی
مفتی فضیل الرحمن ہلال عثمانی

استبدال وقف

اس مسئلہ سے متعلق جواب دینے والے علماء کرام کے اسماء گرامی

مولانا عبیداللہ اسعدی
مولانا عتیق احمد قاسمی
مولانا زبیر احمد قاسمی
مولانا انیس الرحمن
مفتی نسیم احمد قاسمی
مولانا شمس پیرزادہ
مفتی جمیل احمد نذیری
مفتی محبوب علی وجیہی
مولانا حبیب اللہ قاسمی
مفتی شکیل احمد سیتاپوری
مولانا مفتی محمد حنیف
مفتی شیر علی گجراتی
مولانا ایوب ندوی
مولانا عبدالقیوم پالنپوری
مفتی عبدالرحیم قاسمی
مولانا محمد مسعود عالم قاسمی
مولانا عبداللطیف پالنپوری
مولانا اخلاق الرحمن قاسمی
مولانا محمد نورالقاسمی
مولانا ابراہیم فلاحی پارڈولی
مولانا محمد صدر عالم قاسمی
مولانا اسعد اللہ قاسمی

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی
مفتی جنید عالم قاسمی
مولانا عبدالجلیل قاسمی
مفتی شبیر احمد قاسمی
مولانا ظفر عالم ندوی
ڈاکٹر عبدالعظیم اصلاحی
مولانا ابوسفیان مفتاحی
مولانا ظفرالاسلام اعظمی
مفتی فضیل الرحمن ہلال عثمانی
مولانا سلطان احمد اصلاحی
مولانا محمد رضوان قاسمی
مولانا محمد ارشادالقاسمی
مولانا ابوبکر قاسمی
مولانا تنویر عالم قاسمی
مولانا نذر توحید مظاہری
ڈاکٹر قدرت اللہ باقوی
مولانا محمد مصطفی قاسمی
مولانا قمرالزمان ندوی
مولانا ابرارزمان ندوی
مولانا سمیع اللہ قاسمی
مولانا عطاءاللہ قاسمی
مولانا محمد ارشد قاسمی

استبدال وقف

سوال: بہت سے اوقاف (خصوصاً پنجاب وہریانہ اور دہلی ومغربی یوپی میں) ۱۹۴۷ء میں پاکستان کی طرف مسلمانوں کی آبادی منتقل ہو جانے کی وجہ سے ویران ہو چکے ہیں، اور جن مقامات پر وہ اوقاف ہیں وہاں دور دور تک مسلمانوں کی آبادی نہ ہونے کی وجہ سے ان اوقاف کو آباد کرنا اور واقف کے مقاصد کے مطابق انہیں بروئے کار لانا ناقابل عمل ہو گیا ہے۔ اس میں قبرستان، مدارس وخانقاہیں ہر قسم کے اوقاف ہیں، ایسے اوقاف پر حکومت یا غیر مسلموں کا قبضہ بڑھتا جا رہا ہے، اس سلسلہ میں درج ذیل سوالات ہیں:

الف۔ ایسے اوقاف کو فروخت کر کے مقاصد واقف کا خیال رکھتے ہوئے کسی دوسرے مقام پر جہاں مسلمانوں کی آبادی ہے متبادل وقف قائم کیا جا سکتا ہے؟

ب۔ کیا ایسے ویران اوقاف حکومت یا کسی فرد کے حوالے کر کے اس کے عوض دوسری زمین یا مکان حاصل کر کے مقاصد وقف کو جاری کرنے کی شکل اختیار کی جا سکتی ہے؟

جوابات

الف۔ ایسے اوقاف جو معطل وبیکار ہیں اور ناجائز قبضوں میں ہیں، ان کو کارآمد بنانے کے لئے دوسری کسی جگہ جہاں فائدہ اٹھایا جا سکے ان کا متبادل وقف قائم کیا جا سکتا ہے۔

ملاحظہ ہو: عبارات نمبر ۳، نیز فتاوی علمائے دیوبند

ب۔ متبادل صورت کے لئے شخصی معاملہ یا حکومت وادارے سے معاملہ سب درست ہے۔

شرنبلالی وغیرہ کے کہنے کے مطابق مسجد کے ماسوا تمام اوقاف میں نقل کی اجازت دی گئی ہے۔

ملاحظہ ہو: عبارات نمبر ۳، نیز فتاوی حضرت تھانوی ومفتی عبدالرحیم۔

مولانا عبید اللہ اسعدی

الف۔ وقف کی چیز کو بیچ کر دوسری چیز اس سے خرید کرنی یا خود موقوفہ شی کا دوسری شی سے تبادلہ کرنا فقہاء کے یہاں "استبدال وقف" کہلاتا ہے۔

اوقاف میں دو باتیں بنیادی اہمیت کی حامل ہیں، ایک وقف کرنے والے کی شرط، دوسرے خود وقف کی مصلحت، فقہاء نے واقف کی شرط کو شریعت کی شرط کے مماثل سمجھا ہے، بشرطیکہ اس میں کوئی خلاف شرع بات نہ ہو، وقف کی مصلحت سے مراد ہے مقاصد وقف کو باقی رکھنا، ان کو تقویت پہونچانا، اور ان کی نافعیت میں اضافہ کرنا، اس

لئے مصالح وقف کی اہمیت اور احکام وقف کی بابت اس کے اثرات محتاج اظہار نہیں۔ وقف کی تبدیلی کا مسئلہ بھی انہی دو جہتوں سے متعلق ہے۔

چنانچہ اگر خود وقف کرنے والے نے اپنے لئے یا کسی اور شخص کے لئے حق استبدال کی شرط لگا دی تھی اور وقف میں تبدیلی کا حق باقی رکھا تھا، تب تو بالاتفاق متعلق شخص کو اس کا حق حاصل ہوگا، کیوں کہ یہ ایک جائز اور معتبر شرط ہے، اور استبدال کا عمل واقف کی شرائط کے دائرہ میں رہتے ہوئے کیا جا رہا ہے، چنانچہ علامہ ابن نجیم مصری کا بیان ہے:

واجمعوا انه إذا شرط الاستبدال لنفسه من أصل الوقف ان الشرط والوقف صحيحان ويملك الاستبدال (البحر الرائق ۲۲۲/۵)

اگر وقف کرنے والے نے ایسی کوئی شرط نہیں لگائی تو اس صورت میں اصولی طور پر وقف کا تبادلہ ممکن نہیں، کہ ایک تو اس سلسلے میں واقف کا منشا مؤید نہیں، دوسرے خود رسول اللہ ﷺ نے وقف کے بارے میں جو اصول متعین فرمایا ہے، وہ یہی کہ اس کی خرید و فروخت نہیں ہوگی، نہ کسی اور کو مالک بنایا جائے گا، بلکہ اصل شئ کو باقی رکھتے ہوئے اس کی منفعت کو مقررہ مصارف پر خرچ کیا جائے، "أن لا يباع أصلها ولا تبتاع ولا توهب ولا تورث" لیکن اگر مقاصد وقف کو جاری اور باقی رکھنا اس کے استبدال ہی پر موقوف ہو تو پھر یہ صورت استبدال کی ممانعت کے دائرہ میں نہیں آتی، کیوں کہ جب واقف نے اپنے وقف کا ایک منشا متعین کر دیا ہے تو گویا یہ نگران وقف کے لئے اس بات کی ہدایت ہے کہ وہ اس وقف کو ان مقاصد کے لئے مفید اور کارآمد بنائے رکھے، اور وقف کی افادیت استبدال پر موقوف ہے تو گویا خود صاحب وقف کی طرف سے معنیً اور دلالۃً استبدال کی اجازت ہے، نیز منشاء نبوی بھی یہی ہے کہ اصل وقف کو باقی رکھ کر اسکے نفع کو دیرپا بنایا جائے اور اس کی حفاظت یقینی ہو سکے، اب اگر وقف کی حفاظت اور اس کی نافعیت ہی استبدال پر موقوف ہو تو ظاہر ہے کہ استبدال وقف ہی سے منشاء نبوی کی تکمیل ہو سکے گی، لہذا وقف کی مصالح کی بناء پر استبدال، شارع علیہ السلام اور واقف کے مقصد و منشاء کے موافق ہی ہے نہ کہ اس کے خلاف۔

یہ تو اس سلسلے میں اصولی گفتگو تھی، فقہی جزئیات بھی اسی سمت میں ہماری رہنمائی کرتے ہیں، علامہ ابن ہمام نے اس سلسلے میں فقہاء کے مباحث کا تجزیہ یوں کیا ہے کہ اگر واقف کی طرف سے استبدال کی شرط ہو تب تو استبدال جائز ہے ہی، اگر واقف نے ایسی شرط نہ لگائی ہو تو ایک صورت تو یہ ہے کہ استبدال کے بغیر وقف سے نفع اٹھانا ہی ممکن نہ ہو، اس صورت میں بالاتفاق استبدال جائز ہے، فينبغي ان لا يختلف فيه، دوسری صورت یہ ہے کہ وقف تو اب بھی قابل انتفاع ہے لیکن استبدال کے ذریعہ اس کی نافعیت میں مزید اضافہ کیا جا سکتا ہے، ابن ہمام کا خیال ہے کہ یہ صورت جائز نہیں ہوگی۔

إنه أمكن أن يؤخذ بثمنه ما هو خير منه مع كونه منتفعا به فينبغي أن لا يجوز (رد المحتار ۵۸۹/۶ مع تحقیق شیخ عادل و شیخ علی۔ بحوالہ فتح القدیر)

تاہم علامہ حصکفی نے چار صورتوں میں ایسی زمین کے استبدال کی اجازت دی ہے جو آبادکاری کے لائق

ہو، اوران میں سے ایک اس صورت کو بھی شمار کیا ہے کہ ارض وقف کی منفعت تو باقی ہو لیکن استبدال وقف کے ذریعہ اس کو زیادہ نفع خیز بنایا جاسکتا ہو، حصکفی کا بیان ہے: لایجوز استبدال العامر إلا فی الأربع.

شامی نے ان چار صورتوں کی توضیح کرتے ہوئے لکھا ہے:

الأولی: لو شرطه الواقف. الثانیة: إذا غصبه غاصب و أجری علیه الماء حتی صار بحراً فیضمن القیمة، ویشتری المتولی بها أرضا بدلاً. الثالثة: ان یجحده الغاصب ولا بینة ای وأراد دفع القیمة، فللمتولی أخذها لیشتری بها بدلا، الرابعة: أن یرغب إنسان فیه ببدل أکثر غلة و أحسن صقعا، فیجوز علی قول أبی یوسف وعلیه الفتوی کما فی فتاوی قاری الهدایة (رد المحتار، ۵۸۸/۶)

پس ابن ہمام کے بیان کے مطابق ایسے اوقاف کا استبدال بالاتفاق جائز ہے۔ فقہاء کے یہاں اس طرح کی بہت سی جزئیات موجود ہیں، علامہ ابن ہمام قمطراز ہیں:

قال هشام: سمعت محمداً یقول: الوقف إذا صار بحیث لا ینتفع به المساکین فللقاضی أن یبیعه و یشتری بثمنه غیره ولیس ذلک الا للقاضی (البحر الرائق ۲۱۹/۵)

ابن نجیم ہی نے شمس الائمہ حلوانی کا نقطہ نظر یوں نقل کیا ہے:

سئل عن شمس الائمة الحلوانی من أوقاف المسجد إذا تعطلت و تعذر استغلالها هل للمتولی أن یبیعها و یشتری مکانها أخری قال: نعم (حوالہ سابق)

علامہ ابن ہمام فرماتے ہیں:

لکن لایبیعها إلا بإذن الحاکم و ینبغی للحاکم إذا رفع إلیه ولا منفعة فی الوقف أن یأذن فی بیعها إذا رآه أنظر لأهل الوقف (فتح القدیر ۲۲۸/۶)

تاہم علامہ شامیؒ وغیرہ نے استبدال کی اجازت کے لئے جو شرطیں عائد کی ہیں ان کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے ان میں سے تین شرطیں فی زمانہ بڑی اہمیت کی حامل ہیں، ایک یہ کہ اراضی وقف معمولی قیمت پر فروخت نہ کی جائیں، بلکہ ان کی مناسب اور مروجہ قیمت حاصل کی جائے ان لا یکون البیع بغبن فاحش۔ دوسرے بیع کی اجازت دیانت دار اور ذمہ دار ادارہ کو حاصل ہوگی، اگر عام متولیوں کو استبدال کا مجاز ٹھہرایا جائے تو تحفظ کے بجائے یہ اوقاف کا ضیاع ہوگا فقہاء نے اس کے لئے "قاضی جنت" کی شرط لگائی ہے، اور قاضی جنت سے ایسا قاضی مراد لیا ہے جو علم اور عمل صالح دونوں کا حامل ہو، أن یکون المستبدل قاضی الجنة۔ تیسرے موقوفہ اراضی اور مکانات کے بدلے، مکانات اور اراضی ہی حاصل کی جائیں روپے، پیسے سے تبادلہ نہ ہو، یا اگر ہو تو فوراً ہی اس سے غیر منقولہ جائداد خرید لی جائے ان یستبدل بعقار لا بدراهم ودنانیر (رد المحتار ۵۸۶/۶)۔ کیوں کہ تجربہ ہے کہ جہاں کہیں موقوفہ اراضی کے بدلے نقد رقم ملتی ہے نقد رقم ناجائز تصرف اور تغلب میں آجاتی ہے۔ والی اللہ

المشتکی۔

فقہاء حنفیہ کے علاوہ فقہاء حنابلہ کی رائے بھی یہی ہے کہ نا قابل انتفاع اوقاف کا استبدال جائز ہے، ابن قدامہ رقمطراز ہیں:

إذا خرب الوقف ولم یرد شیئاً واشتری بثمنه ما یرد علی أهل الوقف وجعل وقفا کالأول... ان الوقف إذا بیع فأی شیء اشتری بثمنه مما یرد علی أهل الوقف جاز سواء کان من جنسه او من غیر جنسه (المغنی ۵/۳۶۸-۳۶۹)

ابن ہمام نے جو اس صورت میں استبدال پر فقہاء کا اتفاق نقل کیا ہے تو اس سے یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ اس پر تمام ہی فقہاء متفق ہیں، غالباً ابن ہمام کا منشا فقہاء حنفیہ کا اتفاق کرنا ہے چنانچہ ابن قدامہ نے امام مالک اور امام شافعی سے مطلقاً استبدال کا ناجائز ہونا نقل کیا ہے، قال مالک والشافعی لا یجوز بیع شیء من ذلک (المغنی ۵/۳۶۸)، شوافع کے مسلک کی خود فقہاء شوافع کی کتب میں صراحت نہیں مل پائی، البتہ مالکیہ کی صراحتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سلسلے میں امام مالک کے دو اقوال ہیں، ایک روایت ابو الفرج کی ہے:

عن مالک إن رأی الإمام بیع ذلک لمصلحة جاز ویجعل ثمنه فی مثله وهو مذهب ابی حنیفة أیضا فعندهم بیع عقار الوقف إذا خرب یجعل ثمنه فی مثله (الشرح الکبیر مع الدسوقی ۹۱/۴)

دوسرا قول عدم جواز کا ہے جو فقہ مالکی کی بنیادی ماخذ ''المدونہ'' میں منقول ہے، اور اہل علم پر مخفی نہیں کہ فقہاء مالکیہ عام طور پر امام مالک کی مدونہ کی روایت کی طرف رجحان رکھتے ہیں، اسی لئے اس مسئلہ میں بھی مالکیہ کا رجحان عدم جواز کی طرف محسوس ہوتا ہے (دیکھئے: حاشیہ الدسوقی مع الشرح الکبیر ۹۱/۴)

زمین کے بدلہ زمین:

ب۔ وقف کا استبدال خواہ اس طرح ہو کہ فروخت کر کے اس سے دوسری چیز حاصل کر لی جائے یا دوسری زمین ہی اس زمین کے بدلے لے لی جائے دونوں ہی صورتیں درست ہیں اور دونوں کا حکم ایک ہی ہے، بلکہ یہ دوسری صورت زیادہ بہتر ہے، کیوں کہ اس میں اوقاف کے ضائع ہونے کا خطرہ کم ہے، اور یہ علامہ شامی کے منشا کے عین مطابق ہے کہ اوقاف کا تبادلہ اراضی یا مکانات سے ہونا چاہئے، نہ کہ درہم و دینار سے۔

مساجد اور دوسرے اوقاف میں فرق:

فقہاء نے مساجد اور دوسرے اوقاف کے درمیان کچھ فرق کئے ہیں، ان میں بعض کا تعلق وقف کے ثبوت اور اس کی تکمیل سے ہے اور بعض کا تعلق مال وقف کے حکم اور اس پر مرتب ہونے والے اثرات سے، مجموعی طور پر چار فروق کا ذکر آتا ہے:

ا۔ امام محمدؒ کے یہاں مشاع کا وقف مطلقاً درست نہیں، امام ابو یوسفؒ مشترک و مشاع چیز کے وقف کرنے

کی اجازت دیتے ہیں، لیکن مساجد کی بابت امام ابو یوسفؒ بھی متفق ہیں کہ وقف مشاع درست نہیں ہے۔

۲۔ امام ابو یوسفؒ کے یہاں وقف کے درست ہونے کے لئے متولی کے حوالہ کرنا ضروری نہیں، امام محمدؒ کے یہاں ضروری ہے، لیکن مساجد کی حد تک امام محمدؒ بھی متولی کو سپردگی ضروری خیال نہیں کرتے۔

۳۔ امام ابو حنیفہؒ کے یہاں وقف کی دوسری شرائط کے پائے جانے کے بعد بھی جب تک حاکم اس کے بارے میں وقف کے درست و نافذ ہونے کا فیصلہ نہ کردے تو وقف پایہ تکمیل کو نہیں پہنچتا، فیصلہ کے بعد ہی وقف کی ہوئی شی سے واقف کی ملکیت ختم ہوتی ہے، لیکن مساجد کے بارے میں امام ابو حنیفہؒ بھی اس کے قائل ہیں کہ حاکم کے فیصلہ کے بغیر بھی مسجد ہونے کا تحقق ہو جاتا ہے، اور مسجد کی موقوفہ زمین وقف کرنے والے کی ملکیت سے نکل جاتی ہے۔

یہ تینوں شرطیں وقف کے ثبوت اور تکمیل سے متعلق ہیں، اور علامہ شامیؒ نے اس کا اس طرح تذکرہ کیا ہے:

اعلم أن المسجد يخالف سائر الأوقاف في عدم اشتراط التسليم إلى المتولي عند محمد وفي منع الشيوع عند أبي يوسف وفي خروجه عن ملك الواقف عند الإمام وإن لم يحكم به حاكم (ردالمحتار ۳/۳۶۹، نیز دیکھئے: فتح القدیر ۶/۲۳۲-۲۳۳)

مسجد ہمیشہ کے لئے مسجد:

۴۔ اہم اور اساسی فرق مساجد اور دوسری موقوفہ اراضی کے درمیان یہ ہے کہ مسجد ہمیشہ کے لئے مسجد بن جاتی ہے، خواہ مسجد ویران اور ناقابل استعمال ہو گئی ہو یا اس پر ظلماً قبضہ کر لیا گیا ہو، بہر صورت وہ قیامت تک مسجد ہی رہے گی، چنانچہ علامہ ابن نجیمؒ رقمطراز ہیں:

في الخلاصة وفي فتاوى النسفي بيع عقار المسجد لمصلحة المسجد لا يجوز وإن كان بأمر القاضي وإن كان خرابا (البحر الرائق ۵/۲۲۳)

یہی رائے فقہاء شوافع کی ہے، علامہ نوویؒ کا بیان ہے:

أما المسجد فإنه إذا انهدم و تعذرت إعادته فإنه لا يباع بحال لإمكان الانتفاع به حالا بالصلوة في أرضه (شرح مہذب ۱۵/۳۶۱)

اس سے بھی زیادہ واضح اور صریح نوویؒ کی یہ عبارت ہے:

وإن وقف مسجدا فخرب المكان وانقطعت الصلوة فيه لم يعد إلى الملك ولم يجز التصرف فيه (شرح مہذب ۱۵/۳۶۰)

فقہ حنبلی کے ترجمان عالی مقام ابن قدامہؒ کا بھی یہی نقطہ نظر ہے:

إن المساجد لا تباع وإنما تنقل آلاتها (المغنی ۵/۳۶۷)

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی

الف۔ متبادل وقف قائم کیا جاسکتا ہے۔

ب۔ ایسے ویران اوقاف کے عوض دوسری زمین یا مکان حاصل کرکے مقاصد وقف کو جاری کرنے کی شکل اختیار کی جاسکتی ہے لیکن استبدال وقف کی بنیادی شرط مسلمان قاضی عدل کی اجازت ہے جو ہندوستان کے اکثر علاقوں میں مفقود ہے، وقف بورڈ کو قاضی عدل کے قائم مقام نہیں بنایا جاسکتا، کیونکہ اس کی تشکیل خالص سیاسی بنیادوں پر ہوتی ہے، متدین اور امین افراد وقف بورڈ میں کم ہی جگہ پاتے ہیں۔

مولانا عتیق احمد قاسمی

الف۔ غیر آباد وقف کو فروخت کرکے دوسری جگہ متبادل وقف قائم کرنا:

اوپر تمہید میں استبدال وقف سے متعلق پوری تفصیل بیان کی گئی ہے، جس کی روشنی میں اس سوال کا جواب یہ ہے کہ اگر مذکورہ موقوفہ قبرستان مدارس اور خانقاہیں یا ان پر موقوفہ جائداد جو مسلمانوں کے وہاں سے منتقل ہوجانے کی وجہ سے ویران اور غیر آباد ہیں، اور ان پر حکومت یا غیر مسلموں کا قبضہ بڑھتا جارہا ہے۔ اگر ان اوقاف کے کاغذات موجود ہیں اور ان کاغذات میں یہ صراحت موجود ہے کہ خود واقف کو یا اس کے نامزد کردہ شخص کو شئ موقوف فروخت کرکے متبادل وقف قائم کرنے کا اختیار ہوگا، یا بلاشبہ خود واقف کو یا اس کے نامزد کردہ شخص کو واقف کی شرط کے مطابق مذکورہ اوقاف کو فروخت کرکے دوسری جگہ متبادل وقف قائم کرنے کا اختیار ہوگا۔ اور اگر وقف ڈیڈ میں اس طرح کی صراحت موجود نہیں ہے تو بھی چونکہ شئ موقوف فی الحال بے مصرف اور ویران ہے، مزید اس کے ضیاع کا اندیشہ ہے، اس لئے مفاد واقف کے تحفظ وبقا کے پیش نظر قاضی شریعت کی اجازت سے ان اوقاف کو فروخت کرکے دوسری جگہ متبادل وقف قائم کرسکتے ہیں۔ اگر قاضی شریعت موجود نہ ہوں تو پھر صاحب تقوی اور پابند شرع متولی اپنے علاقہ کے ایسے علماء کے مشورے سے جو علم وعمل اور عدل میں ممتاز ہوں یہ کام کرسکتا ہے۔ اگر متولی بھی موجود نہ ہو تو پھر وہاں کے مسلمان کسی عالم یا عمل اور عدل میں ممتاز شخص کو متولی بنادیں وہ یہ کام کرسکتا ہے۔

ب۔ کسی فرد یا حکومت سے تبادلہ:

ان اوقاف کا تبادلہ بھی شرعاً جائز ودرست ہے، خواہ حکومت سے کریں یا کسی فرد سے، مذکورہ اوقاف کو حکومت یا کسی فرد کے حوالہ کرکے اس کے عوض دوسری زمین یا مکان حاصل کرکے مقاصد وقف کو جاری کرنے کی صورت اختیار کی جاسکتی ہے۔

فروخت کرنے یا تبادلہ کرنے میں مساجد اور دیگر اوقاف کے درمیان فرق ہے۔ مذکورہ صورت میں اوقاف کو فروخت کرنے یا تبادلہ کرنے کا جو اختیار ہے وہ عام اوقاف کا حکم ہے، مسجد کا یہ حکم نہیں ہے، چونکہ جس جگہ ایک مرتبہ مسجد بن جاتی ہے وہ جگہ تا قیامت مسجد کے حکم میں رہتی ہے، اس کی مسجدیت کو تا قیامت باقی رکھنا ضروری ہے، اس لئے نہ تو مسجد کی جگہ کو فروخت کرسکتے ہیں اور نہ ہی اس کا تبادلہ کرسکتے ہیں، اور نہ اس میں کوئی ایسا کام کرسکتے ہیں جو احترام مسجد کے خلاف ہو۔

مفتی جنید عالم قاسمی ندوی

مناسب یہی معلوم ہوتا ہے کہ اولاً فقہاء کرام کی تصریحات اور فقہی روایات ہی نقل کردی جائیں تاکہ سوالوں کا باضابطہ جواب مدلل ہونے کے علاوہ مختصر انداز کا بھی کافی وشافی بن سکے۔

الرواية الأولى: قال محمد الوقف إذا صار بحيث لا ينتفع به المساكين فللقاضي أن يبيعه ويشتري بثمنه غيره وليس ذلك إلا للقاضي (البحر الرائق ۵/۲۱۹)۔ والثانية: إن أهل المسجد لو اتفقوا على نصب رجل متوليا لمصالح المسجد فعند المتقدمين يصح (شامی ۳/۴۰۹)۔ والثالثة: قال مولانا أشرف علي التهانوي قلت لما جاز نصب المسلمين متولياً مع وجود القاضي لبعض العوارض فكيف مع عدم القاضي (امداد الفتاوی ۲/۵۱۹)۔ والرابعة: والظاهر أن حكم عمارة أوقاف المسجد والحوض والبئر وأمثالها حكم الوقف على الفقراء (شامی ۳/۳۸۴)۔ والخامسة: مراعاة غرض الواقفين واجبة (شامی ۳/۴۴۳)۔ والسادسة: حاصله أنه يعمل بقول أبي يوسف حيث أمكن وإلا فبقول محمد (ایضا ۵۱۹)۔ والسابعة: ولا يملك القاضي التصرف في الوقف مع وجود الناظر ولو من قبله (ایضا ۳۸۱)۔ والثامنة: ولو اشترى ببدل الوقف فإنه يصير وقفا كالأول على شروطه وإن لم يذكر شيئا (ایضا ۴/ ۴۰)۔ والتاسعة: قوله إلى أقرب مسجد أو رباط الخ لف ونشر مرتب وظاهره أنه لا يجوز صرف وقف مسجد خرب إلى حوض وعكسه (ایضا ۳۷۱)۔

مذکورۃ الصدر فقہی روایتوں کی روشنی میں سوال (۱) کے جوابات حسب ذیل ہیں:

الف۔ مسلمانوں کی آبادی منتقل ہوجانے کی وجہ سے جو اوقاف ویران ہوچکے ہیں اور اب بحالت موجودہ ان کی آبادی اور واقف کے مقصد کی تکمیل ناممکن بن چکی ہے، بلکہ ان اوقاف پر حکومت یا غیر مسلموں کے قبضہ وتسلط ہوجانے کے سبب ان اوقاف کا وجود ہی خطرہ میں پڑ گیا ہے۔

تو وہ اوقاف، مدارس اور مساکین وفقراء پر ہوں یا مساجد، مدارس اور خانقاہ ومقابر ہی ہوں، تمام ہی قسم کے اوقاف کو فروخت کرکے واقف کے منشاء ومقاصد کو مدنظر رکھتے ہوئے دوسرے مقام پر اسی نوع کا دوسرا متبادل وقف قائم کیا جاسکتا ہے۔ لیکن اس کے فروخت کرنے کا حق ہر عام وخاص کو نہیں ہوگا، بلکہ اگر متولی قدیم یا بعد والا امین موجود ہے تو وہ فروخت کرے گا، ورنہ قاضی شریعت، یہ بھی نہ ہوں تو عامۃ المسلمین جسے نیا متولی بناکر اختیار دیں گے وہ بھی فروخت کرکے دوسرا متبادل وقف قائم کرسکتا ہے۔

ب۔ بیع نام ہی ہے ایک چیز کے عوض دوسری چیز لینے کا، تو جب مذکورہ بالا سطور جواب سے اوقاف کے ناقابل انتفاع ہوجانے کی صورت میں تبادلہ کا جواز معلوم ہوگیا تو اسی سے یہ بھی واضح ہوگیا کہ ویران اوقاف کو حکومت یا کسی بھی فرد کے حوالہ کرکے اس کے عوض دوسری زمین یا مکان حاصل کرکے مقصد وقف کی تکمیل کی صورت اختیار کی جاسکتی ہے۔

مولانا زبیر احمد قاسمی

اشیاء موقوفہ میں اس بات کی رعایت ضروری ہے کہ وہ اشیاء باقی رہیں اور ان سے حاصل شدہ نفع واقف کے منشاء کے مطابق کار خیر میں خرچ ہوتا رہے۔

اراضی وقف کے تبادلہ کا مسئلہ ان چند اہم مسائل میں سے ہے جن کی اہمیت ہر دور میں رہی ہے، اور علماء سلف نے اس پر تفصیلی کلام کیا ہے، مسئلہ کی تین صورتیں ہیں:

(۱) پہلی صورت یہ ہے کہ واقف نے وقف کرتے وقت اس کی صراحت کردی ہو کہ اسے یا اس کے قائم مقام متولیان کو اراضی وقف کے تبادلہ کا اختیار ہوگا۔

(۲) دوسری صورت یہ ہے کہ واقف نے ایسی کوئی صراحت نہیں کی، وقف نامہ اس بارے میں ساکت ہے، یا واقف نے صراحت کردی ہو کہ خود وہ یا کوئی اور ان اراضی موقوفہ کا تبادلہ نہیں کرسکتا۔

پھر اس کی دو صورتیں ہیں:

اول یہ کہ ان اراضی وقف سے کوئی نفع حاصل نہیں ہوتا ہو، یا نفع تو ہوتا ہو مگر اس نفع کو حاصل کرنے میں اخراجات نفع کے برابر یا اس سے بھی زائد ہوں۔

دوم یہ کہ اس جائداد سے کچھ نہ کچھ نفع تو ہوتا ہے لیکن اگر اس کا تبادلہ دوسری اراضی سے کردیا جائے تو نفع کے زائد ہونے کی توقع ہے۔

پہلی صورت میں جبکہ واقف نے اپنے لئے یا دوسروں کے لئے تبادلہ کا اختیار رکھا ہو، اگر اراضی وقف سے آمدنی ختم ہوگئی ہو تو اس اراضی کا دوسری ایسی اراضی سے تبادلہ کرنا جس سے نفع زیادہ حاصل ہو جائز ہوگا۔

و اعلم أن الاستبدال علی ثلاثة وجوه الأول أن یشترطه الواقف لنفسه أو لغیره أو لنفسه و غیره فالاستبدال فیه جائز علی الصحیح وقیل اتفاقا (ردالمحتار ۳/۳۸۷)

فلو شرطه لایلزم خروجه عن الانتفاع و لا مباشرة القاضي و لاعدم ریع یعمر به کما لایخفی (ردالمحتار ۳/۳۸۸)

دوسری صورت کی پہلی شق میں اگر اراضی وقف سے کوئی نفع نہیں ہے یا خرچ نفع سے زائد ہے تو اگرچہ واقف نے اس کے تبادلہ کی اجازت نہ دی ہو یا تبادلہ پر روک لگائی ہو، لیکن قاضی مصلحت وقف کو دیکھتے ہوئے تبادلہ کی اجازت دے سکتا ہے۔

و الثاني أن لایشترطه سواء شرط عدمه أو سکت لکن صار بحیث لاینتفع به بالکلیة بأن لایحصل منه شیء أصلا او لایفي بمؤنته فهو أیضا جائز علی الأصح إذا کان بإذن القاضي (ردالمحتار ۳/۳۸۷)

دوسری صورت کی دوسری شق میں جبکہ اراضی وقف کی آمدنی بالکل ختم نہ ہوئی ہو تو عام طور پر فقہاء تبادلہ کی اجازت نہیں دیتے ہیں، مگر امام ابو یوسفؒ کے نزدیک اس صورت میں بھی قاضی کی اجازت سے تبادلہ صحیح ہے، اور ایک

روایت امام محمدؒ سے بھی یہی ہے۔

الرابعة أن يرغب إنسان فيه ببدل أكثر غلة و أحسن صقعا فيجوز على قول أبي يوسف و عليه الفتوى كما في فتاوى قارى الهداية (ردالمحتار ۳۸۹/۳)

و قد روى عن محمد إذا ضعفت الأرض الموقوفة عن الاستغلال و القيم يجد بثمنها أخرى أكثر ريعا كان له ان يبيعها و يشترى بثمنها ما هو أكثر ريعا (منحة الخالق على البحر ۲۲۷/۵)

الف۔ب۔ ایسے اوقاف جو مسلمانوں کے منتقل ہو جانے کی وجہ سے ویران ہو چکے ہیں یا دور دور تک مسلمانوں کی آبادی نہ ہونے کی وجہ سے ان اوقاف کو آباد کرنا اور واقف کے مقاصد کے مطابق انہیں بروئے کار لانا ناقابل عمل ہو گیا ہے ایسے اوقاف کو حکومت یا کسی فرد کے حوالہ کر کے اس کے بدلے میں دوسری اراضی حاصل کرنا یا اس کو فروخت کر کے دوسری زمین خرید کر اسکی جگہ پر وقف کرنا جائز ہوگا۔

تبادلہ کی اجازت مسجد کے علاوہ دوسرے اوقاف یا خود مسجد کے لئے وقف شدہ اراضی کے بارے میں ہے وہ زمین جس پر مسجد بنی ہوئی ہے اور جس میں نماز پڑھی گئی ہو اس کو بدلنے کی اجازت نہیں ہے۔ اس لئے کہ مسجد مفتی بہ قول کے مطابق تا قیامت مسجد رہتی ہے۔

ولو خرب ما حوله واستغنى عنه يبقى مسجدا.... أبدا إلى قيام الساعة وبه يفتي حاوى لقدسي (درمختار ۳۷۱/۳)

مولانا عبد الجليل قاسمي

نیکی اور خیر کے کاموں کی بقاء، مقاصد شریعت کی تکمیل اور فقراء وضعفاء کی مدد جیسے اعمال خیر کے لئے اللہ تعالی شانہ نے جان و مال کو خرچ کرنے کی ترغیب دی ہے۔

خیر کے کاموں میں مال خرچ کرنے کے دو طریقے ہوتے ہیں۔ ایک یہ کہ وقتی ضرورت اور لازمی مصارف میں صدقات نافلہ وصدقات واجبہ خرچ کیا جائے تا کہ حاجتمندوں کی ضرورت پوری ہو۔ اور دوسرا طریقہ یہ ہے کہ وقتی حاجت کی تکمیل کے ساتھ ساتھ اجتماعی ضرورت اور اپنے بعد آنے والی نسلوں کی ضروریات کا خیال کرتے ہوئے ٹھوس اموال کو ہمیشہ کے لئے وقف کر دیا جائے تا کہ اصل شی کو باقی رکھتے ہوئے اسکے منافع استعمال میں لائے جائیں اور اس سے واقف کو اس کی وفات کے بعد بھی ہمیشہ اجر وثواب ملتا رہے، جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

إذا مات ابن آدم انقطع عمله إلا من ثلاث: صدقة جارية، أو علم ينتفع به، أو ولد صالح يدعو له (مشكوة المصابيح)

رسول اللہ ﷺ نے صدقہ جاریہ چھوڑنے کی نہ صرف ترغیب دی ہے بلکہ عملی طور پر بھی اسے اختیار کر کے انسانیت کے لئے بہترین اسوہ چھوڑا ہے۔ اور اپنی زندگی میں اپنے سات باغ جو مدینہ میں تھے وقف کیا (روى البيهقي انه صلى الله عليه وسلم جعل سبع حيطان بها بالمدينة صدقة على بني عبد المطلب وبني هاشم و ذكر الماوردي لمالي حيطان) بلکہ اپنی زندگی کے تمام اندوختہ کو بھی وقف قرار دیا (ما ترک

رسول الله صلى الله عليه وسلم إلا بغلته البيضاء وسلاحه وأرضا جعلها صدقة، وروى أبو بكر قول النبي صلى الله عليه وسلم نحن معاشر الأنبياء ما تركناه صدقة)(بخاری) اسی طرح آپ ﷺ کے صحابہ میں جتنے بھی اصحاب مال تھے انہوں نے بھی کسی نہ کسی خیر کے کام میں مکان وزمین وغیرہ وقف کیا (قال جابر بن عبد الله لم يكن أحد من أصحاب النبي ذو مقدرة إلا وقف)(المغنی لابن قدامہ ۵/۵۲۵) اور اس کا اثر بعد کی صدیوں میں بھی یہ رہا کہ تمام ایسی جگہوں میں جہاں مسلمان آباد ہوئے انہوں نے خیر کے کاموں میں زمین ومکان وغیرہ وقف کیا، اور آج عالم اسلام کا کوئی خطہ اس سے خالی نہیں ہے، یہی وجہ ہے کہ اوقاف کی حفاظت اور نگرانی کے لئے تمام اسلامی ممالک میں "وزارت اوقاف" اور وقف کے ادارے قائم ہیں۔

وقف کی صورت حال:

لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ اوقاف نے جہاں دینی تعلیم کی نشر واشاعت مسکینوں وبیواؤں کی مدد، مسافروں ومجاہدوں کی نصرت وحمایت اور اسلامی زندگی کی بقاء واستحکام میں ایک موثر کردار ادا کیا، وہیں یہ بھی حقیقت ہے کہ امتداد زمانہ کے ساتھ ساتھ اوقاف کی بڑی تعداد قلت پیداوار یا تعطل کا شکار ہوکر اپنا سابقہ کردار کھو چکی ہے۔ ہوتا یہ ہے کہ وقف اپنی ابتداء میں چاہے وہ مکانات ہوں، زرعی اراضی ہوں یا باغات ہوں۔ اپنی بہتر پیداوار وآمدنی کی وجہ سے مقاصد کے لئے بہت مفید ہوتا ہے، مگر بعد میں آہستہ آہستہ طول دہر سے مکان کی بنیاد جب کمزور ہو جاتی ہے پھر وہ منہدم ہو جاتا ہے، یا باغات واراضی کی دیکھ بھال کی کمی سے پیداوار صفر کے درجہ میں آجاتی ہے تو وقف اپنے مقصد میں ناکام ہو جاتا ہے، جب کہ ذاتی باغات یا اراضی میں نئے درخت اور پودے لگائے جاتے ہیں اور ان کی دیکھ بھال ہوتی ہے اس لئے وہ زرخیزی کو باقی رکھتے ہیں۔ علاوہ ازیں انقلابات دہر کی بناء پر بھی پوری کی پوری آبادی وہاں سے منتقل ہو جاتی ہے اور اوقاف بنجر بن جاتے ہیں۔ آج بیشتر ممالک کی اوقاف کی جائدادیں اپنے بنجر پنا، بوسیدگی، اور کھنڈر پنے کے ذریعہ پہچانی جاتی ہیں، بلکہ ایسے ممالک جہاں سے مسلمان مختلف سیاسی حالات اور ظلم وتشدد کی بناء پر نقل وہجرت سے دوچار ہوئے ہیں۔ جیسے برما، ہندوستان، روس، صقلیہ وغیرہ وہاں تو اوقاف کی حالت یہ ہے کہ یا تو ظالمین وغاصبین کے قبضہ میں ہیں۔ جس میں افراد بھی ہیں اور حکومتیں بھی یا اگر موجود ہیں تو بنجر پنا کا شکار ہوکر غیر نافع ہو گئے ہیں۔ خود ہندوستان کی وہ ریاستیں جہاں سے مسلمان یا تو یا اسکے قبل ہجرت کر گئے، یا شہید ہو گئے اور بستیاں ویران ہو گئیں جیسے ریاست پنجاب، ہریانہ، اتر پردیش، وغیرہ کے بعض علاقے وہاں کی مساجد، اور ان کی جائدادیں، مدرسے وخانقاہیں اور مسافر خانے وغیرہ سے متعلق سیکڑوں اوقاف ایسے ہیں جن پر افراد یا حکومتوں کا قبضہ ہو گیا ہے، اور جو باقی ہیں وہ معرض خطر میں ہیں، اور ان کی حفاظت مشکل ہے، نیز ان کی واقفین کے منشاء وارادوں کے مطابق ان کا استعمال بھی ناقابل عمل ہو گیا ہے، اس لئے یہ سوال انتہائی اہم ہے کہ ایسے اوقاف کا کیا کیا جائے؟

وقف کا حکم:

اوقاف کے بارے میں گرچہ شریعت اسلامی کا عمومی حکم یہی ہے کہ جب کسی کار خیر کے لئے وقف کیا

قیمت دوسری مسجد میں صرف کردی جائے۔

وعن الثاني: ينقل إلى مسجد آخر بإذن القاضي جزم به في الإسعاف حيث قال، ولو خرب المسجد وما حوله و تفرق الناس عنه لايعود إلى ملك الواقف عند أبي يوسف فيباع نقضه بإذن القاضي ويصرف ثمنه إلى بعض المساجد (ردالمحتار ۳۵۹/۳)

یہی ایک قول امام احمد کا ہے:

وعن أحمد يباع نقضه ويصرف إلى مسجد آخر (فتح القدير ۲۳۶/۹)۔ وقد روى علي بن سعيد عن الإمام أحمد ان المساجد لاتباع ولكن تنقل آلتها (مجموع في المناقلة والاستبدال۔ تحقیق محمد سلیمان الاشقر/۵۱)

ایسا ہی قول بعض اصحاب شافعی سے منقول ہے:

ولهم في آلة الوقف كالخشب انه ان تعطلت وجه لمساغ بيعها، وسوغوا نقل آلة المسجد إذا تعطل الانتفاع به بخراب المحلة ونحوه إلى مسجد آخر ولم يخرجوا الأول عن كونه وقفا (مجموع في المناقلة والاستبدال۔ تحقیق محمد سلیمان الاشقر/۵۱)

امام ابو یوسفؒ کے اس دوسرے قول کو مشائخ احناف میں سے امام ابوشجاع، شمس الائمہ حلوانی، شیخ الاسلام، علامہ ابن عابدین وغیرہ نے اختیار کیا ہے۔

وفي الخانية: رباط بعيد استغنى عنه المارة وبجنبه رباط آخر قال السيد الامام أبو شجاع تصرف غلته إلى الرباط الثاني كالمسجد إذا خرب واستغنى عنه أهل القرية فرفع ذلك إلى القاضي فباع الخشب و صرف الثمن إلى مسجد آخر جاز۔ ونقل في الذخيرة عن شمس الائمة الحلواني انه سئل عن مسجد أو حوض خرب لا يحتاج إليه لتفرق الناس عنه هل للقاضي ان يصرف أوقافه إلى مسجد أو حوض آخر۔ قال نعم۔ و مثله في البحر عن القنية (ردالمحتار ۳۵۹/۳)

فتاویٰ خانیہ میں ہے کہ مسافرخانہ جو رہ گذر سے دور ہو اور گذرنے والے اس سے قریبی سرائے کی وجہ سے مستغنی ہوں تو سید الامام ابوشجاع کا قول ہے کہ اس کا سامان وغلہ دوسرے سرائے میں استعمال کیا جائے گا۔ جیسے کہ مسجد ویران ہو جائے اور گاؤں والوں کو اس کی ضرورت نہ ہو پھر معاملہ قاضی کے سامنے پیش کیا جائے، اور وہ لکڑی فروخت کردے اور اس کی قیمت دوسری مسجد میں لگادے تو جائز ہے۔ نیز ذخیرہ میں شمس الائمہ حلوانی سے منقول ہے کہ ان سے ایسی ویران مسجد یا حوض کے بارے میں دریافت کیا گیا جس کی آبادی وہاں سے منتقل ہو گئی ہو اور لوگوں کو اس کی ضرورت نہ ہو تو کیا قاضی کے لئے یہ جائز ہے کہ اس کی اوقاف کو دوسری مسجد یا دوسرے حوض میں صرف کرے تو انہوں نے کہا ہاں۔

علامہ ابن عابدین شامی اس مسئلہ پر اور لوگوں کی رائے نقل کرنے کے بعد اپنی رائے ظاہر کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ مسجد اور حوض کے درمیان کوئی فرق کئے بغیر مذکورہ بالا مشائخ کا اتباع کیا جانا چاہئے، جیسا کہ امام ابو شجاع اور امام حلوانی نے فتوی دیا ہے۔ و کفی بھما قدوۃ۔

اسکے بعد پھر "ذخیرہ" میں فتاوی نسفی کے حوالے سے یہ ملا کہ شیخ الاسلام سے ایک ایسے محلہ کے بارے میں سوال کیا گیا جس کے افراد اس جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہو گئے ہیں اور اس کی مسجد خراب و خستہ ہو رہی ہے اور کچھ لوگ اس کی لکڑیوں کو اٹھا کر اپنے گھروں کو لے جا رہے ہیں تو کیا اس محلہ کے رہنے والوں میں سے کسی کے لئے اس کی اجازت ہے کہ قاضی کی اجازت سے اس کی لکڑیوں کو فروخت کر دے اور اس کی قیمت کو محفوظ رکھے تا کہ کسی دوسری مسجد میں یا اسی مسجد میں پھر صرف کر سکے۔ تو انہوں نے جواب دیا ہاں۔ (رد المحتار ۳/۳۷۰)

۸۔ مساجد کے بارے میں اس بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ ویران و شکستہ مساجد کے سامان، مثلاً فرش، چٹائیاں، کتابیں، واٹر پمپ، پنکھا وغیرہ کو دوسری مساجد میں یا تو بعینہ منتقل کر دیا جائے یا اسے فروخت کر دیا جائے، جیسا کہ امام ابو یوسف سے منقول ہے اور ایک قول میں امام صاحب بھی یہی کہتے ہیں، اور یہی فتوی شمس الائمہ حلوانی اور امام ابو شجاع نے دیا ہے۔ علامہ ابن ہمام لکھتے ہیں:

واما الحصير و القناديل فالصحيح من مذهب أبي يوسف انه لا يعود إلى ملك متخذه بل يحول إلى مسجد آخر او يبيعه قيم المسجد للمسجد لأنه ما جعله مسجدا ليصلي فيه أهل تلك المحلة لاغيره بل يصلي فيه العامة مطلقا أهل تلك المحلة وغير هم. قال محمد — ولو جعل جنازة و ملاءة و مغتسلا وقفا في محلة ومات أهلها كلهم ، لايرد إلى الورثة بل يحمل الى مكان آخر. فان صح هذا من محمد فهو رواية في الحصر والبوارى انها لا تعود إلى الورثة (فتح القدیر ۶/۲۳۷)

یہی مسلک علماء ہند میں مفتی کفایت اللہ دہلوی، حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی وغیرہ کا ہے (کفایت المفتی ۷/۲۹۹-۳۰۰)

۹۔ اور اگر مسجد ویران و شکستہ ہو جس میں لکڑیاں، اینٹیں، پتھر، لوہے، دروازہ وغیرہ ہوں جن کی ضرورت اس مسجد میں نہ ہو اور اسکے ضائع ہو جانے کا اندیشہ ہو تو انہیں بھی امام ابو شجاع اور امام حلوانی کے فتوی پر عمل کرتے ہوئے دوسری مسجد میں بعینہ لگا دی جائے، یا ان کو فروخت کر کے ان کی قیمت لگا دی جائے۔

فقہاء کی عبارتوں سے انقاض مسجد کے بارے میں معلوم ہوتا ہے کہ جہاں قاضی موجود ہو اس کی اجازت سے ہی اسکو منتقل کیا جائے، اور جہاں قاضی نہ ہو وہاں اہل محلہ، یا وقف بورڈ، اصحاب فتوی کے مشورہ سے منتقل کریں یا فروخت کریں (قاضی خاں حاشیہ فتاوی ہندیہ ۳/۲۹۲) لیکن فقہاء کی بعض عبارتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ انقاض مسجد کی منتقلی کے لئے قاضی کی اجازت ضروری نہیں ہے، انقاض مسجد کو منتقل کرنے کے جواز کے قول کو مفتی کفایت اللہ صاحب،

مفتی عزیز الرحمن عثمانی، علامہ انور شاہ کشمیری وغیرہ نے بھی اختیار کیا ہے (فتاویٰ مظاہر علوم ۱۵۰/۱)

مفتی کفایت اللہ صاحب ایک سوال کے جواب میں لکھتے ہیں:

مساجد اگر ایسی حالت میں ہو جائیں کہ ان میں پنجگانہ جماعت نہیں ہوتی اور ان کی حفاظت ضروری تو ان کو محفوظ مقفل کر کے چھوڑ دیا جائے، اور یہ اندیشہ ہو کہ لوگ اس کا سامان چرا کر لے جائیں گے تو ایسی چیزیں جو جدا کی جا سکتی ہوں دوسری قریب ترین مسجد میں منتقل کر دینا چاہئے۔

ایک دوسرے جواب میں لکھتے ہیں: مسجد منہدم شدہ میں اگر وہ لکڑیاں کام میں نہ آسکیں تو دوسری مسجد میں یا مسجد کے موقوفہ مکانات میں استعمال کی جا سکتی ہیں (کفایت المفتی ۲۹۹/۷، ۳۰۰)

مولانا انیس الرحمن قاسمی

تقسیم ہند کے بعد ویران شدہ اوقاف:

ہندوستان تقسیم ہو جانے کے بعد پنجاب، ہریانہ، ہماچل پردیش، دارالسلطنت دہلی وغیرہ کے بے شمار اوقاف ویران ہو چکے ہیں جن میں مساجد، مدارس، قبرستان، خانقاہ غرضیکہ ہر قسم کے اوقاف شامل ہیں، پنجاب و ہریانہ میں لاکھوں مساجد میں غیر مسلموں کی تحویل رہتی ہے اور ہزاروں مساجد بند پڑی ہیں سینکڑوں مدارس پر مالکانہ قبضہ ہو چکا ہے قبرستانوں پر آبادیاں بس گئی ہیں نئی دہلی میں سینکڑوں چھوٹی بڑی مساجد بند پڑی ہیں اور جو مسلمان ان مقامات پر جا کر آباد ہو گئے ہیں ان کے لئے ان مساجد کو منجانب حکومت کھلوا دینا ضروری ہے مگر کھولی نہیں جا رہی ہیں، اس صورت حال کو دیکھ کر ہر صاحب ایمان کے دل پر کیا اثر پڑتا ہوگا یہ دیکھنے والے کو معلوم ہے، انبالہ شہر میں کافی لمبی چوڑی ایک عمارت کو دیکھنے کا اتفاق ہوا ہے جس میں باضابطہ سرکاری اسکول چل رہا ہے، معلوم ہوا کہ یہ مسجد تھی اور مسجد کے آثار موجود ہیں اور کئی مساجد جن کے مینارہ محراب سب موجود ہیں مگر ان میں کھیتی ہو رہی ہے جن کو از خود دیکھنے کا اتفاق ہوا ہے، اللہ تعالیٰ غیب سے کوئی شکل پیدا فرمائیں، تمام ہی مسلمانوں کو ان عبادت گاہوں کے بارے میں فکر کرنے کی ضرورت ہے۔

ویران مساجد کا تبادلہ:

جب کسی جگہ مسجد بن کر تیار ہو جاتی ہے اس وقت سے قیامت تک کے لئے وہ مسجد ہی رہتی ہے، اسکو کسی دوسرے امور میں منتقل کرنا کسی بھی انسان کے لئے جائز نہیں ہے، یہاں تک کہ اگر وہ مقام ویران ہو جائے اور وہاں سے تمام مسلمان دوسری جگہ منتقل ہو جائیں اور پورا علاقہ اجاڑ ہو جائے، مسجد بالکل ویران ہو جائے اور اس پر اغیار کا قبضہ ہونا شروع ہو جائے تب بھی وہ مقام مسجد ہی کے حکم میں رہے گا، قیامت تک اس مقام کو کسی دوسرے امور میں منتقل کرنا جائز نہیں ہوگا، یہی صحیح اور مفتیٰ بہ قول ہے۔

لہذا جو زمین ایک دفعہ مسجد میں داخل ہو جائے تو پھر اس کی عمارت باقی رہے یا نہ رہے، اس میں نماز ہوتی ہو یا نہ ہوتی ہو، وہ زمین تا قیامت مسجد ہی رہے گی اس کو عبادت کے علاوہ کسی اور کام میں لانا جائز نہیں، لہذا اس کو بیچنا،

اور ایسے ہی ہر نوع کے وقف کا حکم حضرت امام ابو یوسفؒ کے نزدیک ہے، مگر موقوف علیہ کے اس سے فائدہ اٹھانے کے دائرہ سے نکل چکا ہو تو حاکم یا ذمہ داران کی اجازت سے دوسری زمین یا دوسرے مکان کے عوض میں تبادلہ جائز ہے جب کہ اس زمین یا مکان کو اس کے مقابلہ میں وقف ہی قرار دیا جائے۔

اور اس کو البحر الرائق میں علامہ ابن نجیم نے ان الفاظ میں نقل فرمایا ہے:

سئل الحلواني عن أوقاف المسجد إذا تعطلت وتعذر استغلالها للمتولي أن يبيعها ويشتري بثمنها أخرى قال نعم الخ (البحر الرائق ۲۲۵/۵، فتاوی ہندیہ ۴۷۸/۲)

امام شمس الائمہ حلوانی سے مسجد کے اوقاف کے بارے میں پوچھا گیا جو بالکل معطل اور ویران ہو چکے ہوں اور ان سے آمدنی حاصل کرنا متعذر ہو گیا ہو تو کیا متولی کے لئے ان کو فروخت کر کے ان کی رقم سے دوسرا خرید لینا جائز ہوگا یا نہیں؟ تو فرمایا جی ہاں جائز ہوگا۔

يصرف وقفها لأقرب مجانس لها (شامی ۵۴۹/۶)

ان کی آمدنی کو ان سے قریب ترین ہم جنس اوقاف میں صرف کیا جائے۔

اسی کو عمدۃ القاری شرح بخاری میں ان الفاظ سے نقل فرمایا گیا ہے:

لو أن مقبرة من مقابر المسلمين عفت فبنى قوم عليها مسجدا لم أر بذلك بأسا وذلك لأن المقابر وقف من أوقاف المسلمين لدفن موتاهم لا يجوز لأحد يملكها فإذا درست واستغني عن الدفن فيها جاز صرفها إلى المسجد لأن المسجد أيضا وقف من أوقاف المسلمين (عمدۃ القاری ۱۷۹/۴)

اگر مسلمانوں کے قبرستان میں سے کوئی افتادہ ہو جائے پھر اس میں لوگ مسجد بنا دیں تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے، اور یہ اس لئے کہ قبرستان بھی مسلمانوں کے دفن کے کام کے لئے منجملہ اوقاف میں سے ایک وقف ہے، کسی کو اس کا مالک بننے کا حق نہیں ہے، لہذا جب پرانا اور افتادہ ہو جائے تو اس کو مسجد کے حق میں منتقل کرنا جائز ہے، اس لئے کہ مسجد بھی مسلمانوں کے اوقاف میں سے ایک وقف ہے۔

اس کو شامی میں اس طرح کے الفاظ سے نقل فرمایا ہے:

الثالثة ان يجحده الغاصب ولا بينة اى وأراد دفع القيمة فللمتولي اخذها يشترى بها بدلا (شامی ۵۸۸/۶)

تیسری صورت یہ ہے کہ غاصب انکار کرے اور گواہ بھی نہ ہو اور وہ قیمت دینا چاہتا ہے تو متولی کے لئے قیمت لے کر اس کا متبادل وقف کی زمین خرید لینا جائز ہے۔

مساجد و دیگر اوقاف کا فرق اور غیر جنس میں خرچ:

مساجد اور دیگر اوقاف میں بڑا فرق ہے کہ مساجد کو بحیثیت فروخت کرنا اور ان کا تبادلہ کسی حال میں

بھی جائز نہیں ہے اور دیگر اوقاف کا ناگزیر حالات میں تبادلہ جائز ہے، نیز جن اوقاف میں تبادلہ جائز ہے ان کا تبادلہ ہم جنس ہی میں جائز ہوتا ہے یا ان سے اعلیٰ اور ارفع اوقاف میں جائز ہو سکتا ہے، مثلاً اگر مدرسہ تھا تو تبادلہ میں مدرسہ ہی ہو جانا چاہئے یا مسجد، مگر قبرستان یا مسافرخانہ میں تبادلہ جائز نہ ہوگا، غرض کہ اقرب اجناس یا ارفع و اعلیٰ اجناس میں جائز ہے ادنیٰ میں نہیں، جیسا کہ فقہاء کی عبارات سے واضح ہوتا ہے، اس کو اعلاء السنن میں اس طرح کے الفاظ سے نقل کیا گیا ہے:

والفرق بينها وبين المساجد أن المساجد لا تبطل بخرابها أو خراب ما حولها" واستغناء عنها الجهة التي عينت له لأنها لم تجعل مساجد لأهل المحلة والقرية بل للعامة ولا يشترط للمسجدية البناء بل العرصة وحدها مسجد كما لا يخفى بخلاف سائر الوقف التي سلمت لمتوليها فإنها إذا خربت و تعطلت منافعها تبطل الجهة التي عينت له وهي إعانة الموقوف عليهم بغلتها (اعلاء السنن ۱۳/۲۱۳)

مساجد اور دیگر اوقاف میں بڑا فرق ہے کہ مسجدیں ویران ہو جائیں اور اس کے گردونواح اجاڑ ہو جائے اور جس مقصد کیلئے متعین کیا گیا ہے اس سے استغناء ہو جانے کی وجہ سے مسجد باطل نہیں ہوتی ہے اس لئے کہ مساجد صرف محلہ یا ایک گاؤں کے لئے متعین نہیں ہوتیں بلکہ عامۃ المسلمین کے لئے وقف ہوتی ہیں اور شرعی مسجد کے لئے بناء اور عمارت شرط نہیں بلکہ تنہا خالی زمین بھی مسجد ہو سکتی ہے جیسا کہ مخفی نہیں ہے، اس کے برخلاف دیگر تمام اوقاف کے جن کے منافع کا سلسلہ ختم ہو گیا ہو اس لئے کہ جب ایسے اوقاف ویران ہو گئے یا کٹ گئے تو وہ مقصد ہی ختم ہو جاتا ہے اور مقصد ان کی آمدنی سے موقوف علیہم کی مدد ہوتی ہے۔

اس کو علامہ شامی نے ان الفاظ سے نقل فرمایا ہے:

مبادلة الوقف بدار آخر انما يجوز إذا كانتا في محلة واحدة أو محلة أخرى خيرا وبالعكس لا يجوز (درمختار مع الشامی ۶/۵۸۹) وكذا الرباط والبئر إذا لم ينتفع بهما فيصرف وقف المسجد والرباط والبئر والحوض إلى أقرب مسجد أو رباط أو بئر إليه وتحته في الشامية يصرف وقفها لأقرب مجانس لها (شامی ۶/۵۴۹)

وقف کو دوسرے مکان سے بدلنا اس وقت جائز ہے جب کہ دونوں ایک محلہ میں ہوں یا دوسرے محلہ میں اس سے بہتر ہو اور اس کے برعکس جائز نہیں ہے اور ایسا ہی موقوفہ چھاؤنی اور کنواں وغیرہ جب قابل انتفاع نہ رہ جائے تو مسجد کی موقوفہ زمین اور موقوفہ سرحدی چھاؤنی اور کنواں اور حوض کو اس کے قریب ترین اجناس میں منتقل کرنا جائز ہے، اور شامی میں ہے کہ ان موقوفہ اشیاء کو اقرب اجناس کی طرف منتقل کر دیا جائے۔

مفتی شبیر احمد قاسمی

استبدال وقف:

مسائل وقف کے ذیل میں استبدال کی بحث نہایت ہی اہم اور قابل توجہ ہے۔ اسلامک فقہ اکیڈمی کے

وقف سے متعلق سوالنامہ کے زیادہ تر سوالات اسی سے متعلق ہیں۔ اس لئے اس بحث کو تفصیل اور وضاحت سے تحریر کرنا ضروری ہے۔ نصوص فقہیہ سے یہ صراحتاً ثابت ہے کہ وقف کے مکمل اور تام ہو جانے کے بعد اشیاء موقوفہ کی خرید و فروخت اور ہبہ درست نہیں ہیں، اور واقف کی موت کی صورت میں اس میں وراثت جاری نہیں ہوگی۔

ہدایہ میں ہے:

"واذا صح الوقف لم یجز بیعه ولا تملیکه" (ہدایہ، فتح القدیر علی ہامش ۲۰۵/۶)

علامہ علاء الدین الحصکفی نے تحریر کیا ہے: فاذا تم ولزم لا یملک ولا یعار ولا یرهن۔ اور صاحب ردالمحتار نے "لا یملک" کے ذیل میں تحریر کیا ہے:

"ای لا یکون مملوکا لصاحبه ولا یملک ای لا یقبل التملیک لغیره بالبیع ونحوه" (ردالمحتار ۵۳۹/۶)

اب رہا یہ سوال کہ اشیاء موقوفہ کو دوسری اشیاء سے بدلنا یا ضرورتاً اسے فروخت کر کے دوسری اشیاء خرید کر کے اسے "وقف" قرار دینا جائز ہوگا یا نہیں؟ اس سلسلہ میں فقہاء نے تفصیل سے بحث کیا ہے۔

استبدال وقف کے سلسلہ میں فقہاء کے حسب ذیل اقوال ہیں:

مالکیہ۔ امام مالکؒ کے نزدیک حسب ذیل دو صورتوں میں استبدال وقف بالکل ہی ممنوع ہے:

الف: ایک مسجد کا تبادلہ دوسری مسجد سے جائز نہیں ہے۔ استبدال مسجد کے عدم جواز پر فقہاء کا اتفاق ہے۔

ب: وقف عقار کی صورت میں ہو، اور اس سے اناج اور غلہ پیدا ہوتا ہو، تو ایسی صورت میں ارض موقوفہ کی بیع اور تبادلہ جائز نہیں ہوگا، البتہ مسجد، مقبرہ اور عام راستہ کی توسیع کی صورت میں ضرورتاً اراضی موقوفہ کا تبادلہ جائز ہوگا۔ فقہ مالکی کی معروف کتاب شرح مختصر خلیل میں ہے:

"لا بأس بیع الدار المحبسة وغیرها، ویکره الناس السلطان علی بیعها إذا احتاج الناس الیها لجامعهم الذی فیه الخطبة وکذلک إذا احتاج الطریق إلیها، وإذا کان النهر بجانب طریق عظیمة من طرق المسلمین التی یسلک علیها العامة فحضرها حتی قطعها فإن أهل تلک الأرض التی حولها یجبرون علی بیع ما یوسع به الطریق" (شرح مختصر خلیل المسمی بالتاج والاکلیل ۴۲/۶)

عقار کی صورت میں اکثر فقہاء مالکیہ استبدال کے عدم جواز کے قائل ہیں، اگرچہ مقصد وقف فوت ہو رہا ہو، اور اراضی موقوفہ سے انتفاع واستغلال ختم ہو گیا ہو، البتہ اس صورت میں بعض مالکیہ استبدال کو جائز قرار دیتے ہیں۔

وقف منقول کی صورت میں مالکیہ کے نزدیک استبدال جائز ہے، امام مالکؒ سے منقول ہے:

"ما ضعف من الدواب المحبسة فی سبیل الله تعالی حتی لا یکون فیه قوة علی الغزو بیع واشتری بثمنه ماینتفع به من الخیل فیجعل فی سبیل الله" (شرح مختصر خلیل المسمی بالتاج والاکلیل

(۶/۴۱۹)

مالکیہ کے نزدیک عقار اور منقول کے استبدال میں فرق کرنے کی وجہ یہ ہے کہ عقار میں مستقبل میں انتفاع کی امید رہتی ہے جب کہ منقول میں انتفاع کی امید نہیں رہتی ہے، بلکہ ضیاع کا خطرہ رہتا ہے، اس لئے عقار میں تنگی اور منقول میں توسع سے کام لیا گیا ہے۔

شافعیہ: استبدال وقف کے بارے میں شافعیہ کی رائے مالکیہ کی رائے سے زیادہ قریب ہے، ان کے نزدیک بھی اس میں تشدد اور تنگی سے کام لیا گیا ہے۔ اگر عقار بالکل ہی قابل انتفاع نہ رہے تو اس صورت میں عقار موقوف کا استبدال درست ہوگا یا نہیں؟ اس میں شافعیہ کے دو قول ہیں:

ایک قول جواز کا ہے، اور دوسرا قول عدم جواز کا ہے، فقہ المہذب میں ہے:

وان وقف نخلة فجفت او بهيمة فزمنت او جذوعا على مسجد فتكسرت ففيه وجهان: أحدهما: لا يجوز بيعه كما ذكرنا في المسجد، والثاني: يجوز بيعه لأنه لا يرجى منفعته فكان بيعه أولى من تركه بخلاف المسجد (المہذب)

حنابلہ: حنابلہ کے نزدیک استبدال وقف میں زیادہ توسع سے کام لیا گیا ہے۔

حنفیہ: حنفیہ کے نزدیک استبدال وقف میں زیادہ توسع ہے، صرف مسجد کی حد تک توسع کا دروازہ بند کر دیا گیا ہے، حنفیہ کے نزدیک استبدال کی حسب ذیل تین صورتیں ہیں:

۱۔ وقف کرتے وقت واقف نے اپنے لئے یا وقف کے متولی کے لئے استبدال کی شرط لگائی ہو، مثلاً وقف کرتے وقت واقف نے یہ کہا کہ میری یہ زمین وقف ہے اس شرط کے ساتھ کہ مجھے اس کے استبدال کا حق حاصل ہوگا، ایسی صورت میں وقف درست قرار پائے گا، امام ابو یوسف اور بعض روایات کے مطابق امام محمدؒ کے نزدیک استبدال کی شرط بھی درست قرار پائے گی۔ امام محمدؒ سے ایک روایت یہ ہے کہ وقف درست قرار پائے گا اور شرط باطل قرار پائے گی، فقہائے حنفیہ میں سے ہلال اور خصاف بھی استبدال کی شرط کے جواز کے قائل ہیں، فتاوی قاضی خاں میں امام ابو یوسف اور امام ہلال کے قول کو صحیح قرار دیا گیا ہے۔

علامہ ابن ہمام نے استبدال وقف کے سلسلہ میں فقہاء حنفیہ کا نقطۂ نظر اور مسلک مختار کی نشاندہی کرتے ہوئے لکھا ہے:

"ولو شرط أن يستبدل بها أرضا أخرى تكون وقفا مكانها فهو جائز عند أبي يوسف و هلال والخصاف وهو استحسان وكذا لو قال على أن أبيعها واشترى بثمنها أخرى مكانها وقال محمد يصح الوقف ويبطل الشرط. وفي فتاوى قاضي خان قول هلال و أبي يوسف هو الصحيح" (فتح القدیر ۶/)

شمس الائمہ سرخسی نے مبسوط میں استبدال وقف کی مذکورہ بالا صورت کا تذکرہ کرتے ہوئے تحریر فرمایا

ہے، اگر واقف نے یہ شرط لگائی کہ اگر وہ چاہے تو ارض موقوفہ کا دوسری زمین سے تبادلہ کرسکتا ہے، تو یہ شرط امام ابو یوسفؒ کے نزدیک جائز ہوگی، امام محمدؒ کے نزدیک اور یہی اہل بصرہ کا بھی قول ہے، وقف جائز ہوگا اور استبدال کی شرط باطل قرار پائے گی۔ اس لئے کہ یہ شرط بقاء وقف میں موثر نہیں ہوگی اور وقف اس کے ذریعہ تام ہو جائے گا (المبسوط للسرخسی ۴۲/۱۲)

علامہ ابن عابدین شامی نے البحر الرائق کے حاشیہ میں امام محمدؒ سے وقف اور شرط دونوں کے بطلان کا قول نقل کیا ہے (حاشیہ منحۃ الخالق علی البحر الرائق)۔

حنفیہ کا قول مختار یہ ہے کہ اگر واقف اپنے لئے یا متولی کے لئے استبدال وقف کی شرط لگا دے تو وقف درست قرار پائے گا اور شرط بھی نافذ ہوگی، اس لئے یہ اس قسم کی شرط لزوم وقف اور اس کی تابید کے منافی نہیں ہے، جہاں تک وقف کے لزوم و تابید کا سوال ہے تو یہ کسی ارض معینہ کے ساتھ مخصوص نہیں ہے کہ اس کے وقف کے زوال سے وقف زائل ہو جائے گا۔ وقف کا اصل مقصد یہ ہے کہ اصل شیٔ کو باقی رکھتے ہوئے اس کی منفعت موقوف علیہم پر صرف ہوتی رہے۔ اور یہ مقصد استبدال وقف کی صورت میں بھی حاصل رہتا ہے۔

استبدال کی شرط لگانے کی صورت میں واقف اور متولی کو اختیار ہوگا کہ وہ اراضی موقوفہ کا تبادلہ کر کے یا اسے فروخت کر کے دوسری اراضی وقف کرے اگر چہ قاضی کی طرف سے استبدال کی اجازت حاصل نہ ہو، کیونکہ واقف کی شرائط شریعت اسلامی کی طرف سے دی گئی ولایت خاصہ کی وجہ سے نافذ قرار پاتی ہیں۔

اشتراط کی صورت میں واقف کو استبدال کا حق حاصل ہوگا چاہے شیٔ موقوفہ کی ذات سے فائدہ اور نفع کا سلسلہ جاری ہو۔

فقہاء حنفیہ کا اس بارے میں اتفاق ہے کہ مسجد کے بارے میں استبدال کی شرط درست نہیں ہے، اشتراط کی صورت میں وقف درست قرار پائے گا اور شرط باطل ہوگی۔

۲۔ دوسری صورت یہ ہے کہ واقف نے اپنے لئے یا غیر کے لئے استبدال کی شرط نہیں لگائی مگر وقف قابل انتفاع نہیں رہا، مثلاً وقف کا مکان منہدم ہوگیا، اور اس کی تعمیر کی کوئی صورت نہیں رہی، یا ارض موقوفہ قابل کاشت نہیں رہی، پیداوار سے زیادہ اس پر خرچ آرہا ہو تو آیا ایسی صورت میں استبدال وقف کی اجازت ہوگی یا نہیں، فقہاء حنفیہ کی اکثریت جواز کی قائل ہے۔ شمس الائمہ الحلوانی سے سوال کیا گیا کہ اگر اوقاف مسجد کی نافعیت ختم ہوگئی اور استغلال کی شکل باقی نہ رہے تو ایسی صورت میں متولی وقف کو اوقاف کو فروخت کرنے اور اس کی جگہ دوسری اراضی خریدنے کی اجازت ہوگی یا نہیں؟ انہوں نے فرمایا ہاں۔ (النفع الوسائل ر ۱۱۳)

امام محمد بن الحسن شیبانیؒ سے بھی اس صورت میں استبدال وقف کا جواز ثابت ہے۔ فتاوی الطرطوسی میں ہے:

"وروی عن محمد أنه إذا ضعفت الأرض الموقوفة والقيم يجد بثمنها ما هو أكثر ريعا

في المنتقى قال هشام سمعت محمدا يقول في الوقف: إذا صار بحيث لا ينتفع به المساكين فللقاضي أن يبيعه ويشتري بثمنه غيره وليس ذلك إلا للقاضي" (أنفع الوسائل ر۱۱۳)

حسب ذیل دو صورتوں میں بھی متولی کو استبدال وقف اور وقف کی فروختگی کا حق حاصل ہوگا:

۱۔ غاصب نے وقف کی جائداد غصب کر لی، وقف کا متولی اس جائداد کی واپسی سے عاجز ہو اور کسی دلیل سے غصب کا ثابت کرنا مشکل ہو، غاصب ارض موقوفہ کی قیمت کی ادائیگی پر آمادہ ہو تو ایسی صورت میں غاصب سے ارض موقوفہ کا معاوضہ اور بدل لازمی طور پر قبول کر لیا جائے گا، اور اس کے ذریعہ عقار خرید کر کے مغصوب کے بدلے میں اسے "وقف" قرار دیا جائے گا۔

۲۔ غاصب نے ارض موقوفہ کو غصب کر کے اس میں تالاب بنا دیا اس طرح کہ وہ حصہ دریا کا جز بن گیا، جس کی وجہ سے وہ زمین قابل کاشت نہ رہی، اس صورت میں متولی غاصب سے ارض موقوفہ کی قیمت وصول کرے گا، اور اس سے دوسری زمین خرید کر کے اسے "وقف" کر دے گا۔

۳۔ استبدال وقف کی تیسری صورت یہ ہے کہ اوقاف قابل انتفاع اور قابل استغلال ہوں، اوقاف پر آنے والے مصارف سے زیادہ آمدنی اور فائدہ ہو، جسے مصارف وقف پر صرف کیا جاتا ہو، مگر اس کا امکان ہو کہ استبدال کے ذریعہ اوقاف کو زیادہ مفید اور نفع بخش بنایا جائے، یعنی اوقاف کے عدم تعطل کے باوجود صرف زیادہ مفید اور نفع بخش بنانے کی غرض سے اوقاف کی اراضی کا دوسری اراضی سے تبادلہ کیا جائے، اس صورت میں استبدال وقف جائز ہوگا یا نہیں؟ اس میں ائمہ احناف کا شدید اختلاف پایا جاتا ہے، امام ابو یوسفؒ اس صورت کے بھی جواز کے قائل ہیں، چنانچہ ذخیرہ میں ہے:

"روی عن أبي يوسف أنه قال: لابأس باستبدال الوقف مما روی عن علي بن أبي طالب أنه وقف علی الحسن والحسين، فلما خرج إلی صفين قال إن نابت بهم الدار فيبعوها واقتسموا ثمنها بينهم" (المحاضرة في الوقف ر۱۶۳)

امام ابو یوسف کا استدلال یہ ہے کہ استبدال وقف کی صورت میں وقف کا زیادہ فائدہ ہے، کہ اس صورت میں استبدال وقف، مقصد وقف کے منافی بھی نہیں ہے، بلکہ عین مطابق ہے، امام ہلال اس صورت کے عدم جواز کے قائل ہیں (المحاضرة في الوقف ر۱۶۳)

علامہ ابن الہمام حنفی بھی عدم جواز کے قائل ہیں، ان کے نزدیک استبدال وقف یا تو شرط کی وجہ سے جائز ہوگا یا پھر ضرورت کی بنیاد پر، مذکورہ صورت میں نہ تو واقف کی طرف سے شرط پائی جاتی ہے اور نہ ہی ضرورت کا تحقق ہے۔

فتح القدیر میں ہے:

"فينبغي أن لا يجوز (أي الاستبدال في حال وجود غلة) لأن الواجب ابقاء الوقف

على ما كان عليه دون زيادة أخرى، ولأنه لا موجب لتجويزه لأن الموجب في الأول الشرط وفي الثاني الضرورة ولا ضرورة في هذا إذ لا تجب الزيادة فيه بل تبقيه كما كان" (فتح القدير ۶/۲۱۴)

علامہ ابن عابدین شامی نے عدم جواز کے قول کو "اصح" اور "مختار" قرار دیا ہے (رد المحتار ۶/۵۸۴)۔ علامہ ابن قدامہ حنبلی نے بھی عدم جواز کے قول ہی کو راجح اور مفتی بہ قرار دیا ہے (المغنی لابن قدامہ حنبلی ۵/۶۳۲) مگر فتاوی قاری الہدایہ میں امام ابو یوسف کے قول کو مفتی بہ قرار دیا گیا ہے...علامہ ابن عابدین شامی تحریر فرماتے ہیں:

"الرابعة أن يرغب الإنسان فيه ببدل أكثر غلة وأحسن صقعا فيجوز على قول أبي يوسف وعليه الفتوى كما فتاوى قارى الهداية" (رد المحتار ۶/...)

شرائط استبدال:

استبدال وقف کی حسب ذیل شرطیں ہیں:

۱۔ وقف کا استبدال اور اس کی بیع غبن فاحش کے ذریعہ نہ ہو۔

۲۔ متولی ایسے شخص سے بیع کا معاملہ نہ کرے جس کے حق میں اس کی شہادت مقبول نہیں ہے، اور نہ ایسے شخص سے معاملہ کرے جس کا دین اس کے ذمہ ہو اس لئے کہ دونوں صورتوں میں اس کا احتمال ہے کہ متولی وقف کی اصلی قیمت سے کم قیمت پر اسے فروخت کر دے، لہذا موضع تہمت ہونے کی وجہ سے دونوں صورتوں میں اسے استبدال اور بیع سے روک دیا گیا ہے۔

۳۔ وقف کی فروخت کی گئی زمین کے مقابلہ میں خریدی گئی زمین زیادہ سود مند اور نفع بخش ہو (المحاضرۃ فی الوقف۔ ابوزہرۃ/۱۶۶۔۱۶۷)

۴۔ استبدال دنانیر و دراہم اور کرنسیوں کے ذریعہ نہ ہو بلکہ عقارات کے ذریعہ ہو۔

استبدال وقف کے لئے قاضی کی اجازت:

اشتراط کی صورت میں تو واقف کو شرط کی بنیاد پر استبدال وقف کا حق حاصل ہوگا، اور قاضی کی اجازت کی ضرورت نہیں ہوگی، البتہ عدم اشتراط کی صورت میں استبدال کا حق براہ راست واقف یا متولی کو حاصل ہوگا، یا اس کے لئے قاضی کی اجازت ہوگی۔

فقہاء حنفیہ نے استبدال کو قاضی کی اجازت کے ساتھ مشروط قرار دیا ہے، اور یہ حق ہر قاضی کو نہیں دیا گیا ہے بلکہ قاضی الجنۃ کو اس کا مجاز ٹھہرایا گیا ہے، "قاضی الجنۃ" سے مراد وہ قاضی ہے جو صاحب علم و عمل اور صاحب زہد و تقوی ہو۔

صاحب اسعاف نے استبدال وقف کی بحث میں تحریر کیا ہے:

وأما إذا لم يشترط فقد أشار في السير إلى أنه لا يملكه إلا القاضي إذا رأى المصلحة في ذلك، ويجب أن يخص برأي أول القضاة الثلاثة المشار إليه بقوله عليه الصلوة

والسلام: "قاض في الجنة وقاضيان في النار" المفسر بذي العلم والعمل لئلا يحصل التطرق إلى إبطال الوقف، كما هو الغالب في زماننا" (الاسعاف/۳۲)

علامہ ابن عابدین شامی نے بھی استبدال وقف کے جواز کے لئے قاضی الجنۃ کی اجازت کو ضروری قرار دیا ہے (رد المحتار ۶/ ۵۸۸)

لہذا عدم اشتراط کی صورت میں شرائط استبدال کی رعایت کرتے ہوئے صاحب علم وعمل قاضی کی اجازت سے استبدال وقف درست ہوگا، قاضی الجنۃ کی اصطلاح بہت ہی مناسب اور تحفظ اوقاف کے لئے بہتر ہے، اگر علی الاطلاق تمام قضاۃ کو اس کا مجاز بنا دیا جاتا تو اس کا غالب اندیشہ تھا کہ دنیادار قضاۃ ناجائز طور پر لوگوں کو اوقاف کی خرید وفروخت کی اجازت دے کر اوقاف کی املاک کے ضیاع وہلاکت کی راہ ہموار کرتے۔ بہار واڑیسہ یا ہندوستان کی وہ ریاستیں جن میں باضابطہ نظام قضاء قائم ہے، اور قضاۃ مقرر ہیں ان ریاستوں اور مقامات میں استبدال وقف کے لئے اذن قاضی ضروری ہوگا، البتہ جہاں باضابطہ نظام قضاء قائم نہیں ہے، وہاں مستند علماء جو صاحب علم وعمل ہوں ان کی اجازت استبدال کے لئے کافی ہے۔

اوقاف کی فاضل آمدنی کا مصرف:

مسائل اوقاف کے ذیل میں ایک اہم سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اوقاف کی فاضل آمدنی جو اس کے مصارف اور اس کی ضروریات سے زائد ہو، اور مستقبل قریب میں بھی ضرورت پڑنے کی توقع نہ ہو تو ایسی حالت میں فاضل آمدنی کا مصرف کیا ہوگا، اور اسے کہاں صرف کیا جائے گا۔ مثلاً کسی قبرستان، مدرسہ یا مسجد پر کافی اراضی وقف ہوں، اراضی موقوفہ میں دکانیں ہوں، اور آمدنی کے دیگر ذرائع ہوں، اوقاف سے حاصل شدہ آمدنی اس کے متعینہ مصارف پر صرف کرنے کے باوجود آمدنی کا کچھ حصہ بچ جاتا ہو، اس سلسلہ میں فقہاء کرام کی صراحت کے مطابق اگر وقف سے حاصل آمدنی کی وقف کو آئندہ مستقبل قریب میں بھی ضرورت نہ ہو تو "الاقرب فالاقرب" کے قاعدہ کے مطابق مسجد کے وقف کی فاضل آمدنی کو اس مسجد سے قریب تر دوسری مسجد کی ضروریات پر صرف کیا جائے گا، قبرستان کے وقف کی فاضل آمدنی کو اس سے قریبی قبرستان کی ضروریات میں صرف کیا جائے گا، اسی طرح مدرسہ کے وقف کی فاضل آمدنی کو اس سے قریبی مدرسہ کی ضروریات میں صرف کیا جائے گا، پھر اس سے جو قریب ہو، ایک جنس کے اوقاف کی فاضل آمدنی اسی جنس پر صرف کرنا ضروری ہوگا، اس کی اجازت نہیں ہوگی کہ مسجد کے وقف کی آمدنی قبرستان یا مدرسہ یا دیگر رفاہ عام کے کاموں کی ضروریات میں صرف کیا جائے۔

فتاویٰ ہندیہ میں ہے:

"سئل شمس الائمة الحلواني عن مسجد أو حوض خرب ولا يحتاج إليه لتفرق الناس هل للقاضي أن يصرف أوقافه إلى مسجد آخر أو حوض آخر قال نعم، ولو لم يتفرق الناس ولكن استغنى الحوض عن العمارة وهناك مسجد محتاج إلى العمارة أو على العكس هل

يجوز للقاضي صرف وقف ما استغنى عن العمارة إلى عمارة ماهو محتاج إلى العمارة قال لا" (۳۷۸/۲)

علامہ ابن عابدین شامی نے تحریر فرمایا ہے:

"وظاهره أنه لا يجوز صرف وقف مسجد خرب إلى حوض وعكسه وفي شرح الملتقى يصرف وقفها لأقرب مجانس لها" (ردالمحتار ۵۵۱/۶)

البتہ اگر واقف اور جہت وقف دونوں میں اتحاد ہو تو ایسی صورت میں ایک وقف کی فاضل آمدنی دوسرے وقف پر صرف کی جاسکتی ہے، مثلاً ایک صاحب خیر نے اپنی ایک دکان کسی مسجد کی تعمیری ضروریات کے لئے وقف کی اور دوسری دوکان اسی مسجد کے امام ومؤذن اور دیگر عملہ کی تنخواہ کے لئے وقف کی تو ایسی صورت میں ایک موقوفہ دکان کی فاضل آمدنی دوسرے وقف کے مصرف میں صرف کی جاسکتی ہے، اور اگر واقف یا جہت وقف میں سے کسی ایک میں بھی اختلاف ہو تو ایسی صورت میں ایک وقف کی فاضل آمدنی دوسرے وقف پر صرف نہیں کی جاسکتی ہے، مثلاً ایک شخص نے دو مسجدیں الگ الگ بنائیں، یا ایک شخص نے اپنی طرف سے ایک مسجد اور ایک مدرسہ بنایا، دونوں پر اپنی اراضی وقف کی تو مسجد کی فاضل آمدنی مدرسہ کی ضروریات میں یا مدرسہ کی آمدنی مسجد کی ضروریات پر صرف کرنا درست نہیں ہوگا۔

درمختار میں ہے:

"(اتحد الواقف والجهة وقل مرسوم بعض الموقوف عليه) بسبب خراب وقف أحدهما (جاز للحاكم أن يصرف من فاضل الوقف الآخر عليه. وإن اختلف أحدهما بأن بنى رجلان مسجدين) أو رجل مسجداً ومدرسة ووقف عليهما أوقافا (لايجوز له ذلك" (ردالمحتار ۵۵۱/۶)

حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی نے اوقاف کی فاضل آمدنی کا مصرف ذکر کرتے ہوئے ایک سوال کے جواب میں تحریر فرمایا ہے:

"مدرسہ جنس مسجد سے نہیں، اس لئے زائد رقم دوسری مساجد میں صرف کرنا چاہئے، اگر اس شہر میں مسجد نہ ہو تو دوسرے شہر کی مساجد میں صرف کریں جو زیادہ قریب ہو اس کا حق مقدم ہے اسی طرح بہ ترتیب (امداد الفتاوی ۶۱۳/۲)

حاصل کلام یہ ہے کہ اوقاف کی زائد اور فاضل آمدنی کو اسی جنس کے اوقاف کی ضروریات میں الاقرب فالاقرب کی ترتیب سے صرف کیا جائے گا، دوسری جنس کے اوقاف پر صرف کرنا درست نہیں ہوگا۔ تمہیدی کلمات کے بعد اصل سوالات کے جوابات تحریر کئے جاتے ہیں:

الف۔ غیر آباد وقف کا تبادلہ:

اگر موقوفہ قبرستان، مدارس، خانقاہیں یا ان پر موقوفہ اراضی وہاں کے مسلمانوں کے منتقل یا فسادات میں تباہ

و برباد ہو جانے کی وجہ سے ویران اور غیر آباد ہیں اور اوقاف کی املاک پر حکومت وقت یا غیر مسلموں کے قبضہ کا خطرہ ہے، اگر وقف نامہ میں واقف یا اس کے منتخب کردہ متولی کو اشیاء موقوفہ کی فروختگی اور تبادلہ کا اختیار دیا گیا ہو تو بلاشبہ واقف یا اس کے متولی کو واقف کے شرط کے مطابق اوقاف کے فروخت کرنے اور دوسری جگہ متبادل وقف قائم کرنے کا حق حاصل ہوگا، اور اگر "وقف نامہ" میں اس کی صراحت نہیں کی گئی ہو تو بھی چونکہ اشیاء موقوفہ فی الحال بے فائدہ اور ویران ہیں اضیاع کا اندیشہ ہے، اس لئے تحفظ اوقاف، مصالح اوقاف اور منشاء واقف کی رعایت کرتے ہوئے قاضی شریعت (قاضی البلد) کی اجازت سے مذکورہ اوقاف کو فروخت کر کے دوسری جگہ زیادہ مفید متبادل اوقاف قائم کرنے کی گنجائش ہوگی، قاضی شریعت کے موجود نہ ہونے کی صورت میں متدینین اور اصحاب زہد و تقوی علماء کی اجازت سے بھی تبادلہ کی گنجائش ہوگی۔

ب۔ اشخاص یا حکومت سے تبادلہ:

مذکورہ بالا صورت میں ویران اور بے مصرف اوقاف کا تبادلہ چاہے اشخاص سے کیا جائے یا مرکزی و ریاستی حکومتوں سے، ہر صورت میں اوقاف کے تبادلہ اور مذکورہ اوقاف کو اشخاص یا حکومتوں کے حوالہ کر کے اس کے عوض دوسری اراضی یا مکانات حاصل کر کے مقاصد اوقاف کو باقی رکھنے کا طریقہ اپنایا جا سکتا ہے، اس میں شرعاً کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

مفتی نسیم احمد قاسمی

جو اوقاف ویران ہو چکے ہیں، مسلمانوں کی آبادی وہاں نہ ہونے کی وجہ سے ان کا آباد کرنا اور واقف کے مقاصد کے مطابق ان کو بروئے کار لانا ناقابل عمل ہو گیا ہے اور ان پر حکومت یا غیر مسلموں کا قبضہ بڑھتا جا رہا ہے، مساجد کے علاوہ ایسے تمام اوقاف کو فروخت کر کے واقف کے مقاصد کی رعایت کرتے ہوئے ان کی جگہ متبادل وقف ایسی جگہ قائم کرنا جہاں مسلمانوں کی آبادی ہو شرع اسلامی کی رو سے جائز اور درست ہے، استبدال وقف کے سلسلہ میں فقہاء نے جو تفصیلات بیان کی ہیں ان کے پیش نظر سوال میں مذکور صورت کے جواز میں کوئی کلام نہیں ہے۔ علامہ ابن عابدین شامیؒ نے استبدال وقف پر بحث کرتے ہوئے لکھا ہے:

والثاني أن لا يشرطه سواء شرط عدمه أو سكت لكن صار بحيث لا ينتفع به بالكلية بأن لا يحصل منه شيء أصلا أو لا يفي بمؤنته فهو أيضا جائز على الأصح إذا كان بإذن القاضي ورأيه المصلحة فيه (رد المحتار علی الدر المختار ۳۸۴/۳)۔

اس سلسلہ میں علامہ ابن ہمامؒ نے فتح القدیر میں بڑی تفصیلی بحث کی ہے، استبدال کی شرطوں، اس کے جواز و عدم جواز کے پہلوؤں کا جائزہ لیا ہے اور اس سلسلہ کے جزئیات کو بھی پیش کیا ہے، طوالت کے خوف سے علامہ موصوف کے کلام کو یہاں پیش کرنے سے گریز کیا جا رہا ہے۔

مساجد و دیگر اوقاف میں فرق ہے، ویران یا غیر مفید ہونے کی صورت میں عام اوقاف کا استبدال درست ہے لیکن مساجد کا استبدال اور منتقلی جمہور فقہاء کی رائے کے مطابق ہرگز درست نہیں، علامہ حصکفیؒ نے درمختار میں لکھا

ہے:

ولو خرب ما حوله واستغنى عنه يبقى مسجدا عند الإمام والثاني أبدا إلى قيام الساعة وبه يفتى (درمختار ۴/۳۵۸)

علامہ ابن عابدین شامیؒ نے مزید وضاحت فرماتے ہوئے لکھا ہے:

وكذا لو خرب ما حوله وليس له ما تعمر به وقد استغنى الناس عنه لبناء مسجد آخر ... فلا يعود ميراثا ولا يجوز نقله ونقل ماله إلى مسجد آخر سواء كانوا يصلون فيه أو لا وأكثر المشائخ عليه وهو الأوجه (ردالمحتار علی الدرالمختار ۴/۳۵۸)

علامہ ابن نجیم مصریؒ نے مسجد کی حیثیت متعین کرتے ہوئے امام ابو یوسف کا قول عدم استبدال کا نقل کیا ہے، فرماتے ہیں:

وقال ابو يوسفؒ هو مسجد أبدا إلى قيام الساعة لا يعود ميراثا ولا يجوز نقله، ونقل ماله إلى مسجد آخر سواء كانوا يصلون فيه أو لا وهو الفتوى" (البحرالرائق ۵/۲۵۱)

فتاوی ہندیہ میں اسی طرح فتاوی قاضی خان (ص ۵/۱۷) وفتح القدیر (۶/۲۳۸) میں بہت سے جزئیات موجود ہیں جن سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ بوقت ضرورت بھی مسجد کا استبدال اور اس کی تبدیلی جائز نہیں۔ فتاوی ہندیہ سے ایک جزئیہ یہاں بطور نظیر درج کیا جاتا ہے تاکہ مسئلہ کی پوری نوعیت واضح ہو جائے:

ولو كان مسجد في محلة ضاق على أهله ولا يسعهم أن يزيدوا فيه فسألهم بعض الجيران أن يجعلوا ذلك المسجد له ليدخله في داره ويعطيهم مكانه عوضاً ماهو خير له، فيسع فيه أهل المحلة قال محمدؒ لا يسعهم ذلك (فتاوی ہندیہ ۲/۲۵۷)۔

اس جگہ یہ واضح کر دینا ضروری ہے کہ مسجد کا حکم الگ ہے اور اس کے اوقاف کا حکم الگ ہے، مساجد کے اوقاف کا حکم عام اوقاف کی طرح ہے، علامہ ظفر احمد عثمانیؒ نے واقدیؒ کے حوالے سے لکھا ہے:

"والوقف على المسجد ليس كالمسجد في حرمة البيع والاستبدال مطلقاً"۔

آگے فتاوی ظہیریہ کے حوالے سے ایک فتوی نقل ہے، جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ مساجد کے اوقاف کا حکم مساجد سے جدا ہے۔

سئل الحلواني عن أوقاف المساجد تعطلت وتعذر استغلالها هل للمتولي أن يبيعها ويشتري بثمنها أخرى؟ قال: نعم" (اعلاء السنن ۱۳/۱۹۶)

مولانا ظفر عالم ندوی

الف۔ کیا ایسے اوقاف کو فروخت کر کے مقاصد واقف کا خیال رکھتے ہوئے کسی دوسرے مقام پر جہاں مسلمانوں کی آبادی ہے متبادل وقف قائم کیا جا سکتا ہے؟

یہ اوقاف جب مسلمانوں کی آبادی نہ ہونے کی وجہ سے ویران ہو چکے ہیں تو ان کو قائم رکھنے کی کوئی وجہ

تھیں، ان اوقاف کی زمینوں کی فروخت سے جو آمدنی ہو اس سے دوسرے مقام پر جہاں مسلمانوں کی آبادی ہے متبادل وقف قائم کر دینا چاہئے، اس سلسلہ میں واقف کے مقاصد کا خیال رکھنا ضروری ہے الا یہ کہ کوئی مقصد غیر شرعی ہو۔

ب۔ کیا ایسے ویران اوقاف حکومت یا کسی فرد کے حوالہ کر کے اس کے عوض دوسری زمین یا مکان حاصل کر کے مقاصد وقف کو جاری کرنے کی شکل اختیار کی جا سکتی ہے؟

مساجد کا تقدس اور حرمت سب سے بڑھ کر ہے، قبرستان اور مقبروں کو مساجد کے مقام پر نہیں رکھا جا سکتا۔ مسجد ہمیشہ کے لئے مسجد ہوتی ہے لیکن قبرستان اور مقبرے ایک مدت گزرنے کے بعد ضرورتاً ختم کئے جا سکتے ہیں۔ ایسا کرنے میں شریعت کا کوئی حکم مانع نہیں ہے۔ مولانا شمس پیرزادہ

الف۔ مذکورہ حالات میں ایسے اوقاف کو فروخت کر کے مقاصد واقف کا خیال رکھتے ہوئے کسی دوسرے مقام پر جہاں مسلمانوں کی آبادی ہے متبادل وقف قائم کرنا صرف یہ کہ جائز ہے بلکہ ضروری ہے۔

ب۔ بالکل اختیار کی جا سکتی ہے۔ ڈاکٹر عبد العظیم اصلاحی

الف، ب۔ ناقابل انتفاع اوقاف کو فروخت کر کے مقاصد واقف کا خیال رکھتے ہوئے کسی دوسرے مقام پر جہاں مسلمانوں کی آبادی ہے، متبادل وقف قائم کیا جا سکتا ہے۔

اسی طرح ایسے ویران اوقاف حکومت یا کسی فرد کے حوالہ کر کے اس کے عوض دوسری زمین یا مکان حاصل کر کے مقاصد وقف کو جاری کرنے کی شکل اختیار کی جا سکتی ہے۔

رد المحتار میں ہے:

والثاني أن لا يشرطه سواء شرط عدمه أو سكت لكن صار بحيث لا ينتفع به بالكلية بأن لا يحصل منه شيء أصلاً أو لا يفي بمؤنته فهو أيضاً جائز على الأصح إذا كان بإذن القاضي ورأيه المصلحة فيه (رد المحتار ۳/ ۴۲۴)

استبدال کی دوسری صورت یہ ہے کہ واقف نے استبدال کی شرط نہ لگائی ہو، خواہ استبدال نہ کرنے کی شرط لگائی ہو یا اس سے سکوت اختیار کیا ہو لیکن موقوفہ جائداد بالکلیہ قابل انتفاع نہ ہو اور اس سے کچھ بھی حاصل نہ ہوتا ہو، یا اس سے اس کا خرچ نہ پورا ہوتا ہو، اس صورت میں بھی اصح مذہب کے مطابق استبدال جائز ہے اگر قاضی کی اجازت سے ہو اور وہ اس میں مصلحت سمجھے۔

موجودہ زمانہ میں جب کہ قاضی موجود نہیں ہیں، اکثر علاقوں کا حال یہی ہے لہذا عوام بمنزلہ قاضی قرار پائیں گے (امداد الفتاوی ۲/ ۶۱۵) مساجد و مدارس اور اداروں کی کمیٹیاں عوام کی نمائندہ مانی جاتی ہیں لہذا سارے عوام کو اکٹھا کرنے کے بجائے ان کمیٹیوں کا غور و خوض اور فیصلہ عوام کے فیصلے کے درجہ میں ہوگا۔

البحر الرائق میں ہے:

والمعتمد انه بلا شرط يجوز للقاضي بشرط أن يخرج عن الانتفاع بالكلية وأن لا يكون هناك ريع للوقف يعمر به وان لا يكون البيع بغبن فاحش وشرط في الاسعاف ان يكون المستبدل قاضي الجنة المفسر بذي العلم والعمل كيلا يحصل التطرق إلى إبطال اوقاف المسلمين كما هو الغالب في زماننا الخ ... ويجب أن يزاد آخر في زماننا وهوان يستبدل بعقار لا بالدراهم والدنانير فانا قد شاهدنا النظار يأكلونها وقل ان يشترى بها بدل و لم نر أحداً من القضاة يفتش على ذلك مع كثرة الاستبدال في زماننا مع أني نبهت بعض القضاة على ذلك وهم بالتفتيش ثم ترک (البحر الرائق ۵ر۲۲۳)

معتمد یہ ہے کہ واقف نے استبدال کی شرط نہ لگائی ہو تو بھی قاضی کے لئے استبدال جائز ہے، بشرطیکہ جائداد موقوفہ انتفاع سے بالکلیہ نکل گئی ہو اور وہاں پر وقف کی کوئی ایسی آمدنی نہیں جس سے اسے آباد و تعمیر کیا جا سکے، اور بیع غبن فاحش کے ساتھ نہ ہو، اور اسعاف میں شرط لگائی ہے کہ استبدال کرنے والا قاضی جنت ہو، یعنی ایسا قاضی جو صاحب علم بھی ہو اور صاحب عمل بھی، تا کہ اوقاف مسلمین کے ضیاع وابطال کا راستہ نہ کھل جائے، جیسا کہ یہی ہمارے زمانہ میں غالب ہے، اور ہمارے زمانہ میں ایک مزید شرط کا اضافہ ضروری ہے وہ یہ کہ استبدال، جائداد غیر منقولہ سے ہو دراہم ودنانیر سے نہ ہو، اس لئے کہ ہم نے مشاہدہ کیا ہے کہ متولی حضرات نقد پیسے کھا جاتے ہیں اور بہت کم اس کے ذریعہ متبادل خریدا جاتا ہے، اور ہم نے کسی قاضی کو نہیں دیکھا کہ وہ اس کی تفتیش کرے جب کہ ہمارے زمانہ میں بکثرت استبدال ہو رہا ہے، حالانکہ میں نے بعض قاضیوں کو اس پر آگاہ کیا، انہوں نے تفتیش کا ارادہ کیا، پھر ترک کر دیا۔

اشمر کی عبارت سے پتہ چلتا ہے کہ اگر پورا اطمینان ہو کہ دراہم ودنانیر ضائع نہیں ہوں گے اور ان کے عوض دوسری زمین خرید لی جائے گی تو دراہم ودنانیر سے بھی استبدال جائز ہے (درمختار ۳ر۴۲۵)

وأجاز بعضهم الاستبدال به نقوداً مادام المستبدل قاضي الجنة (الفقہ الاسلامی وادلتہ ۸ر۲۲۴)

بعض فقہاء نے نقود کے ذریعہ استبدال کی اجازت دی ہے جب کہ استبدال کرنے والا قاضی جنت ہو۔

استبدال کے جواز کی ایک شرط یہ بھی ہے کہ:

أن لا يبيعه ممن لا تقبل شهادته له ولا ممن له عليه دين (رد المحتار ۳ر۴۲۵)

ایسے شخص کو فروخت نہ کرے جس کی گواہی اس کے حق میں قبول نہ ہو اور نہ ایسے شخص کو فروخت کرے جس پر اس کا قرض ہو۔

مزید یہ کہ جس علاقہ کی زمین بدلے میں لی جا رہی ہے وہ علاقہ پہلے علاقہ سے بہتر مانا جاتا ہو (ایضا)

البتہ مساجد کا معاملہ دوسرے اوقاف سے جدا ہے، اگر کسی مسجد کا وہی حال ہو جو سوال میں درج ہے، تو بھی

اس کی بیع وشراء جائز نہیں، اس کا تبادل قائم کرنے کی گنجائش نہیں، مسجد ابدالآباد کے لئے مسجد ہوتی ہے، محض احاطہ بندی یا چہار دیواری ہی کرا کے اسے محفوظ رکھا جائے، مگر محفوظ رکھنا بہرحال ضروری ہے، فتح القدیر میں ہے:

(قوله ولو خرب ماحول المسجد واستغنى عنه) اى استغنى عن الصلوٰة فيه اهل تلك المحلة او القرية بان كان فى قرية فخربت وحولت مزارع يبقى مسجداً على حاله عند ابى يوسف وهو قول ابى حنيفة و مالك والشافعى (فتح القدیر ۵/۴۴۶)

اگر مسجد کے آس پاس کا علاقہ ویران ہوجائے اور اس محلہ یا بستی کے لوگ اس مسجد میں نماز پڑھنے سے بے نیاز ہوجائیں، مثلاً مسجد جس بستی میں تھی وہ ویران ہوگئی اور کھیت بن گئی تو بھی مسجد علی حالہ مسجد باقی رہے گی، یہ امام ابو یوسفؒ کے نزدیک ہے، اور یہی قول امام ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کا بھی ہے۔

درمختار میں ہے:

ولو خرب ما حوله واستغنى عنه يبقى مسجداً عند الإمام والثانى أبداً إلى قيام الساعة وبه يفتى (درمختار ۳/۴۰۶)

اگر مسجد کے اردگرد کا حصہ ویران ہوجائے تو بھی امام ابوحنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک قیامت تک مسجد رہے گی اور اسی پر فتویٰ ہے۔ مولانا جمیل احمد نذیری

الف۔ وہ اوقاف جہاں کے مسلمانوں کی آبادی کے منتقل ہوجانے کی وجہ سے ویران ہو چکے ہوں اور دور دور تک مسلم آبادی نہ ہونے کی وجہ اس اوقاف کو آباد کرنا اور واقف کے مقاصد کے مطابق انہیں بروئے کار لانا ناقابل عمل ہوگیا ہو، اس میں مساجد، قبرستان، مدارس، اور خانقاہیں، ہر قسم کے اوقاف ہیں، ایسے اوقاف کو فروخت کرکے مقاصد واقف کا خیال رکھتے ہوئے کسی دوسرے مقام پر، جہاں مسلم آبادی ہو تبادل اوقاف قائم کئے جاسکنے میں قدرے تفصیل ہے، جو مندرجہ ذیل ہے:

مساجد: جس جگہ مسجد قائم ہے اور جس زمین کا رقبہ کہ مسجد کے نام سے موسوم کردیا گیا ہے اور اس میں نماز ادا ہونے لگی ہے اس کی عمارت قائم رہے یا منہدم ہوجائے، اس وقت اس میں کوئی نماز پڑھے یا نہ پڑھے، اس جگہ کی مسلم آبادی رہے یا ویران ہوجائے اور مسلم آبادی کہیں اور منتقل ہوجائے، بہرحال وہ جگہ تا قیامت مسجد ہی رہے گی، تو اس مسجد کو فروخت کرنا اور فروخت کرکے کسی دوسرے مقام پر جہاں کہ مسلم آبادی ہو، تبادل وقف قائم کرنا یعنی مسجد منتقل کرنا جائز نہیں ہے، یہی ہمارے شیخین امام ابوحنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کا قول ہے کہ وہ جگہ تا قیامت مسجد ہی رہے گی، نہ اسکو منتقل کرنا جائز ہے اور نہ وہ واقف کے ورثہ کے درمیان میراث بن سکتی ہے، چاہے اس میں لوگ نماز پڑھتے ہوں یا نہ پڑھتے ہوں، لہٰذا صورت مسئولہ میں مسجد کو اپنی حالت پر باقی رکھنے کے لئے پوری کوشش کیجائے اور محفوظ کردیا جائے تاکہ بے ادبی سے محفوظ رہے، اس باب میں فقہائے کرام کی تصریحات مندرجہ ذیل ہیں:

ولو خرب ما حوله واستغنى عنه يبقى مسجداً عند الإمام والثانى أبداً الى قيام الساعة

وبه يفتى، حاوى القدسي (وقال الشامي) فلا يعود ميراثا ولا يجوز نقله ونقل ماله إلى مسجد آخر سواء كانوا يصلون فيه أولا وهو الفتوى، حاوى القدسي. وأكثر المشائخ عليه مجتبى وهو الأوجه (فتح) وكذا في البحر (۲۵۲،۲۵۱/۵) وبه علم أن الفتوى على قول محمدٌ في آلات المسجد. وعلى قول ابي يوسف في تأبيد المسجد. (درمختار ۳/۴۰۶)

یعنی مسجد ویران ہو جائے اور وہاں کے باشندے اس سے بے نیاز ہو جائیں، اور صورت حال ایسی ہوگئی ہے کہ اس میں نماز نہیں پڑھی جاتی ہے یا یہ کہ مسلم آبادی نہیں اور منتقل ہو گئی ہے پھر بھی وہ مسجد ہی رہے گی ہمیشہ کے لئے، اس کا تبادل جائز نہیں ہے۔

والفتوى على قول ابي يوسفؒ انه لا يعود إلى ملك مالك أبداً لأن المسجد وإن خرب واستغنى عنه أهله لا يعود إلى ملك الباني كذا في المضمرات، اور نیز (فتاوی ہندیہ ۲/۴۷۰) پر ہے سئل القاضي الامام شمس الائمه محمود الاوزجندی عن مسجد لم يبق له قوم وخرب ما حوله واستغنى الناس عنه هل يجوز جعله مقبرة، قال لا.

یعنی مسجد کی ویرانی اور لوگوں کی بے نیازی کی صورت میں مسجد کو قبرستان بنانا جائز نہیں ہے۔ بلکہ وہ مسجد ہی تا قیامت رہے گی۔ کذا فی الخانیہ علی حاشیہ الہندیہ (۳/۲۹۸) وفی البدائع (۶/۲۲۱)

خلاصہ کلام:

خلاصہ یہ ہے کہ مفتی بہ قول کے مطابق صورت مسئولہ میں مسجد کو فروخت کر کے اس کی متبادل مسجد بنانا جائز نہیں ہے جو جگہ مسجد ہو چکی وہ تا قیامت مسجد ہی رہے گی چاہے مسلمانوں کی آبادی رہے یا منتقل ہو جائے، اس میں لوگ نماز پڑھیں یا نہ پڑھیں۔

قبرستان:

صورت مسئولہ میں اس طرح کے قبرستان کو فروخت کر کے مقاصد واقف کا خیال کر کے کسی دوسری جگہ جہاں مسلم آبادی ہے اس کا متبادل وقف مثلاً قبرستان وغیرہ قائم کیا جانا جائز ہے، کیونکہ پہلی قبرستان سے انتفاع کی کوئی بھی شکل نہیں ہے، بلکہ اہانت کی شکلیں موجود ہیں لہٰذا اسے فروخت کر کے دوسری جگہ مسلم آبادی میں متبادل وقف قائم کرنے میں خیر محض اور نفع خالص ہے اس سلسلے میں فقہاء رحمہم اللہ کی عبارتوں سے استدلال کیا جا سکتا ہے، چنانچہ در مختار مع شامی (۱/۶۶۲) میں ہے:

ويخير المالك بين إخراجه ومساواته بالأرض والبناء عليه إذا بلى وصار ترابا.

اور (۱/۶۶۷) پر علامہ شامی یہی عبارت نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

ومقتضاه جواز المشي فوقه. وكذا في البحر (۱/۱۹۵)۔

اس کا حاصل یہ ہے کہ جب قبرستان بوسیدہ ہو جائے اور برابر ہو کر مٹی ہو جائے تو اس پر کھیتی کرنا اور عمارت

مسلم آبادی میں ان کا متبادل وقف قائم کرنا جائز ہے، کہ اس میں خیر محض اور نفع خالص ہے۔ واللہ اعلم۔

خلاصہ کلام: یہ ہے کہ صورت مسئولہ میں ایسی جگہوں کے مدارس وخانقاہیں فروخت کر کے دوسری جگہ مسلم آبادی میں اس کا متبادل وقف قائم کرنا جائز ہے۔ واللہ اعلم۔

ب۔ صورت مسئولہ میں ایسے اوقاف جن سے مسلمانوں کے انتفاع کی کوئی شکل باقی نہ رہ جائے حکومت یا کسی فرد کے حوالہ کر کے اس کے عوض دوسری زمین یا مکان حاصل کر کے مقاصد وقف کو جاری کرنے کی شکل اختیار کرنے کی گنجائش نکالی جاسکتی ہے۔ واللہ اعلم۔

خلاصہ کلام: ایسے اوقاف کے عوض دوسری زمین یا مکان حاصل کر کے مقاصد وقف کو جاری کرنے کی شکل اختیار کرنا درست ہے۔ واللہ اعلم۔

مولانا ابو سفیان مفتاحی

الف۔ اس زمانہ میں ایماندار اور دیانتدار آدمی کا ملنا بہت دشوار ہے اس لئے وقف کی بیع اور تبدیلی میں احتیاط بہت ضروری ہے، پس صورت مذکورہ میں مساجد کو چھوڑ کر بجبوری اوقاف کو فروخت کر کے اس کی جگہ دوسرا وقف شرائط واقف کے مطابق کیا جاسکتا ہے، تاکہ واقف کی منشا پوری ہوسکے اور اس کو اجر ملتا رہے، مگر شرط یہ ہے کہ اس تبدیلی کے لئے کسی جج یا ایسی اتھارٹی سے جو اس کی مجاز ہو، اجازت لے لی جائے، پس ایسے اوقاف جن کے ضائع ہونے کا خطرہ وظن غالب کے درجہ میں ہے یا ان کی آمدنی ختم ہو چکی ہے یا کسی غاصب کے قبضہ میں ہے جس سے اس کو چھڑانا ممکن نہیں ہے، ان کو فروخت کر کے اس رقم سے دوسری جگہ خرید کر شرائط وقف کے مطابق وقف کر دیا جائے، قانون العدل والانصاف مؤلفہ محمد قدری پاشا مطبوعہ مصر میں ہے:

إنما يجوز بيع الوقف بشرى بثمنه ما يكون وقفاً بدلا عنه إذا شرط الواقف استبداله سواء شرط له أو لغيره أو سوغت الضرورة والمصلحة للقاضي بيعه والاستبدال به.

ب۔ اگر اس وقف سے مقاصد وقف حاصل نہ ہو رہے ہوں تو حکومت یا کسی فرد کو دے کر اس سے بہتر منفعت کی چیز جس سے مقاصد وقف پورے ہوتے ہوں جج یا کسی مجاز اتھارٹی کی اجازت سے تبدیلی جائز اور درست ہے۔ كما بينه من قانون العدل والانصاف (ص ۱۶، مادہ ۳۵، اور ص ۹۳، مادہ ۱۳۳)

مساجد اور دیگر اوقاف میں فرق ہے، اوقاف کی تبدیلی و شکلی باجازت جج وقف کی بقا، احیاء اور ترقی کے لئے جائز ہے، لیکن مساجد کی بیع یا تبدیلی ممکن نہیں ہے کیونکہ مسجد بننے کے بعد وہ جگہ قیامت تک مسجد ہی رہتی ہے، اس کی مسجدیت میں کوئی فرق نہیں آتا ہے چاہے شکل وصورت کچھ بھی ہو جائے، فتاوی قاضی خاں میں ہے:

وعند أبي يوسف يبقى المسجد بعد خراب ماحوله مسجداً۔

اور شامی میں تحت قوله مثله حشيش المسجد وبه علم أن الفتوى على قول محمد في آلات المسجد، وعلى قول أبي يوسف في تأبيد المسجد۔

اس لئے مسجد کی بیع یا تبدیلی ممکن نہیں ہے، کبھی بھی اللہ تعالی نے مسلمانوں کو موقع عطا فرمایا تو جن مسجدوں

پر ناجائز اور ظالمانہ قبضہ ہو گیا ہے ان سے واگذاشت کر کے ان کو مسجد ہی بنایا جائے گا۔ اس لئے محکمہ اوقاف وغیرہ کے لئے ضروری ہے کہ سرکاری کاغذات وغیرہ میں ان کو مسجد ہی لکھوایا جائے۔ البتہ ایسی مسجدیں جو ویران ہو گئیں تو ان کا سامان نکال کر دوسری حاجتمند مسجدوں میں لگایا جا سکتا ہے یا اس سامان کی قیمت دوسری مسجدوں میں خرچ کی جا سکتی ہے۔ شامی میں ہے:

جزم به الاسعاف حيث قال ولو خرب المسجد و ماحوله وتفرق الناس عنه لايعود الى ملك الواقف عند ابى يوسف و يباع نقضه باذن القاضى و يصرف ثمنه إلى بعض المساجد۔

مفتی محبوب علی وجیہی

الف۔ چونکہ "شرط الواقف كنص الشارع" ہے اس لئے شرط واقف و جہت وقف ملحوظ رکھتے ہوئے کسی دوسرے مقام پر (اس موقوفہ کو فروخت کر کے) استبدال وقف قائم کیا جا سکتا ہے۔

"قال فى التنوير: و مثله حشيش المسجد وحصيره مع الاستغناء عنها والرباط والبئر إذا لم ينتفع بهما فيصرف وقف المسجد والرباط والبئر إلى أقرب مسجد أو رباط أو بئر، وقال الشامية لايجوز صرف وقف مسجد خرب إلى حوض وعكسه، و فى شرح الملتقى يصرف وقفها لأقرب مجانس لها" (ردالمحتار ۳/ ۵۱۳)

تنویر و شامی کی عبارت سے جہاں بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ موقوف علیہ سے اگر استغناء ہو جائے تو وقف کی آمدنی مجانس اقرب میں خرچ کی جائے گی وہیں یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ موقوفہ کو فروخت کر کے اس کا استبدال وقف کیا جا سکتا ہے۔ اسی کی تائید عالمگیری کے اس جزئیہ سے بھی ہو رہی ہے:

"سئل شمس الائمة الحلوانى عن مسجد أو حوض خرب ولايحتاج إليه لتفرق الناس هل للقاضى ان يصرف أوقافه إلى مسجد آخر أو حوض آخر قال نعم" (فتاویٰ ہندیہ ۲/ ۳۵۴) (ہدایہ ۲/ ۱۰۰۷)

ب۔ ہاں اس کی گنجائش ہے کہ ویران اور ناقابل انتفاع اوقاف کو بیچ کر یا کسی فرد یا حکومت کے حوالے کر کے دوسری جگہ لے لی جائے، مگر ساتھ ہی ساتھ یہ بھی ملحوظ رہے کہ حکومت وہ جگہ ملی و رفاہی مقاصد کے خلاف استعمال نہ کرے، مثلاً اس جگہ اسلحہ و بارود وغیرہ کے کارخانے قائم کر دئے گئے جن کا مقصد مسلمانوں کو نقصان پہونچانا ہو، بہرحال اس سلسلہ میں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ائمہ ثلاثہ کی اولاً آراء درج کر دی جائیں:

ولو خرب ماحوله و استغنى عنه يبقى مسجدا عند الإمام والثانى ابدا إلى قيام الساعة وبه يفتى ... وعاد إلى الملك اى ملك البانى أو ورثته عند محمد (درمختار علی ہامش ردالمحتار ۳/ ۵۱۳) اگر مسجد کا گرد و پیش ویران ہو جائے اور اس سے مستغنی ہو جایا جائے تو بھی ہمیشہ قیامت تک کے لئے مسجد ہی رہے گی اور اسی پر فتویٰ ہے۔

دلائل کی رو سے شیخین کی بات میں قوت ہے، جیسا کہ علامہ شامی لکھتے ہیں:

"فلا یعود میراثا ولا یجوز نقله ونقل ماله علی مسجد آخر سواء کانوا یصلون فیه أولا وهو الفتوی حاوی القدسی وأکثر المشائخ علیه مجتبی وهو الأوجه فتح (شامی ۵۱۳/۳)

علامہ ابن تیمیہ تحریر فرماتے ہیں:

وإذا خرب مکان موقوف فتعطل نفعه بیع وصرف ثمنه فی نظیره وکذلک إذا خرب بعض الأماکن الموقوف علیها (فتاوی ابن تیمیہ ۹۲/۳۱) علامہ ابن تیمیہ کا توسع مسئلہ مذکورہ پر غالبا اس اصل کے توسع کے باعث ہے جس میں کہا گیا ہے کہ "شرط الواقف کنص الشارع" اس کا مطلب ہرگز یہ نہیں تھا کہ واقف کے منشاء کے مطابق عمل وجوبی ہے بلکہ یہ اصل وقف کی مراد پر دلالت کرنے میں مثل نص کے ہے۔

ومن قال من الفقهاء إن شروط الواقف نصوص کألفاظ الشارع فمراده أنها کالنصوص فی الدلالة علی مراد الواقف لا فی وجوب العمل بها (فتاوی ابن تیمیہ ۴۷/۳۱)

فقہ حنفی کی مشہور کتاب بحرالرائق سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے:

وإنما الکلام الآن من شروط الواقفین فقد أفادوا هنا أنه لیس کل شرط یجب اتباعه فقالوا هنا إن اشتراطه أن لا یعزله القاضی شرط باطل مخالف للشرع وبهذا علم أن قولهم شرط الواقف کنص الشارع لیس علی عمومه (۲۲۳/۵)

نیز عالم اسلام کے ایک تبحر عالم قاضی القضاۃ حضرت مولانا مجاہد الاسلام صاحب اطال اللہ عمرہ نے بحث و نظر کے ایک شمارہ میں بڑی تفصیل سے جائزہ لینے کے بعد فیصلہ دیا ہے کہ "موجودہ صورت حال یہ ہے کہ قدیم، مردہ اور غیر آباد قبرستانوں کو اگر لیز پر لگا دیا جائے تو ہزار ہا قبرستان جو ابھی آباد ہیں اور ان کا تحفظ خطرہ میں ہے ایسے قبرستانوں کے تحفظ کی صورت نکالی جاسکتی ہے، البتہ میرے نزدیک شرع اسلام کی رو سے ایسے مردہ اور قدیم قبرستانوں کی تعمیرات یا کاشت کے لئے لیز پر دیا جاسکتا ہے، اور اس طرح کی آمدنی کو اولا دیگر مقابر کے تحفظ، یا ایسے شہروں اور آبادیوں کے لئے قبرستان کی اراضی حاصل کرنے پر خرچ کرنا چاہئے جہاں قبرستان کی ضرورت ہے، اگر اس طرح کے مدات پر خرچ کے بعد رقم بچ جائے تو اسے مدارس، مسافر خانوں، نادار بچوں کی تعلیم اور دوسرے رفاہی کاموں پر خرچ کیا جاسکتا ہے (بحث ونظر ص ۱۰۵۔ ج ۵۔ شمارہ ۲۱)

حضرت مفتی رشید احمد صاحب کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ وقف غیر مسجد کا بصورت تعطل استبدال باذن قاضی جائز ہے، مفتی موصوف نے شامی کی یہ عبارت استدلالا پیش کی ہے:

والثانی أن لا یشرطه سواء عدمه أو سکت لکن صار بحیث لا ینتفع به بالکلیة بأن لا یحصل منه شیء أصلا أو لا یفی بمؤنته فهو أیضا جائز علی الأصح إذا کان بإذن القاضی ورأیه المصلحة فیه (احسن الفتاوی ۴۹۱/۶)۔

حنبلی مسلک کے ایک بڑے عالم منصور بن یوسف البہوتی اپنی کتاب (شرح الاقناع موسوم کشاف القناع صفحہ ۲۹۴) پر لکھتے ہیں:

فإن تعذر الإنفاق من الموقوف عليه لعجزه أو غيبته أو نحوهما بيع الوقف وصرف ثمنه في عين أخرى تكون وقفا لمحل الضرورة.

اس کی تائید فتاویٰ ابن تیمیہ (۳۱/۲۲۹) کے فتویٰ سے بھی ہوتی ہے:

قال في ترغيب القاصد ..... الخامس إذا تعطل الوقف فله أحوال الثانية أن يبقى منه بقيته متمولة كالشجرة إذا عطبت والفرس إذا أعجف والمسجد إذا خرب فإن ذلك يباع ويصرفه في تحصيله.

ابوالفرج ابن قدامہ مقدسی کی رائے بھی پیش خدمت ہے:

وجملة ذلك أن الوقف إذا خرب وتعطلت منافعه كدار انهدمت أو أرض خربت وعادت مواتا..... جاز بيع بعضه لتعمر به بقيته وإن لم يمكن الانتفاع بشيء منه بيع جميعه (مغنی ابن قدامہ ۶/۲۲۵)۔

مولانا ظفر الاسلام اعظمی

الف۔ اوقاف کی بیع تو شرعاً جائز نہیں ہے، علامہ شامی کی رائے یہ ہے کہ بیع باطل ہے لیکن جن اوقاف کی بابت دریافت کیا گیا ہے ان کی بیع مجبوری کی وجہ سے جائز ہے، اور مقاصد واقف کا خیال رکھتے ہوئے کسی ایسے دوسرے مقام پر جو ان اوقاف سے زیادہ قریب ہو متبادل وقف قائم کیا جا سکتا ہے۔

مطلب بيع الوقف باطل لا فاسد (شامی ۳/۳۹۴) وكذا الرباط والبئر والحوض إذا لم ينتفع بهما فيصرف وقف المسجد والرباط والبئر إلى أقرب مسجد أو رباط أو بئر (درمختار ۳/۳۷۱)

ب۔ ایسے ویران اوقاف حکومت یا کسی فرد کے حوالہ کر کے اس کے عوض دوسری زمین یا مکان حاصل کر کے مقاصد واقف کو جاری کرنے کی شکل اختیار کی جا سکتی ہے۔

اس سلسلے میں تمام اوقاف کا حکم یکساں ہے، خواہ وہاں مدارس کے اوقاف ہوں یا مساجد اور مقابر و خانقاہوں کے، واقف کے شرائط کی رعایت کرتے ہوئے ایسے تمام ویران غیر منتفع اوقاف کے معاوضہ یا تبادلہ کی شکل اختیار کی جا سکتی ہے (شامی ۳/۳۸۷)۔

مولانا حبیب اللہ قاسمی

فتاویٰ خیریہ (از شیخ خیر الدین بن احمد علی رملی ۹۹۳-۱۰۸۱ھ) میں ایک مسجد کے متعلق جو کسی وجہ سے ویران اور غیر آباد ہو جائے مفصل بحث کی گئی ہے، عبارت یہ ہے:

إن المسئلة فيها خلاف بين الائمة الأسلاف، فقال أبو يوسف: يبقى مسجداً إلى قيام الساعة لا يعود ميراثا ولا يجوز نقله ونقل ماله إلى مسجد آخر سواء كانوا يصلون فيه أو لا.

الف۔ مقاصد وقف کا خیال رکھتے ہوئے کسی دوسرے مقام پر جہاں مسلمانوں کی آبادی ہے متبادل وقف ایسے اوقاف کو فروخت کر کے باجازت قاضی یا مجوزہ شرعی کمیٹی کی اجازت سے قائم کرنے کی گنجائش ہے۔

ب۔ ایسے ویران اوقاف حکومت یا کسی فرد کے حوالے کر کے اس کے عوض دوسری زمین یا مکان مقاصد وقف کو جاری رکھنے کے لئے حاصل کی جاسکتی ہے۔ مفتی فضیل الرحمن ہلال عثمانی

الف، ب۔ جو اوقاف ویران ہو چکے ہیں اور وہاں سے مسلمان منتقل ہو گئے ہیں یا جن پر حکومت یا غیر مسلموں کا قبضہ بڑھتا جا رہا ہے یا جہاں واقف کے مقاصد کی تحصیل تقریباً ناممکن ہو گئی ہے، ان اوقاف کو فروخت کر کے مقاصد کا خیال رکھتے ہوئے مسلمانوں کی آبادی میں متبادل وقف قائم کیا جاسکتا ہے، نیز تفصیل مذکور کے مطابق اراضی کا اراضی سے تبادلہ بھی کیا جاسکتا ہے۔ مفتی شکیل احمد سیتاپوری

الف، ب۔ وقف کے سلسلے میں مسئلہ معروف ہے کہ:

الوقف لا یباع ولا یوهب ولا یورث (ہدایہ ۲/۷۱)۔

پنجاب وہریانہ ودہلی ومغربی (یوپی) کے بھی مسجد وغیر مسجد جملہ اوقاف کی نسبت اس پر ہی عمل مناسب ہے، اس وقت جب کہ صورت حال یہ ہے کہ مسلمان متولیوں اور ٹرسٹیوں کی طرف سے ان کا دیانتدارانہ انتظام بھی نہیں ہو پا رہا ہے۔ ان میں خرد برد عام اور مالی بدعنوانیاں اس کے نظام کا حصہ بن چکی ہیں، ان حالات میں ان کی فروخت اور منتقلی دوسرے لفظوں میں ان اوقاف کو ختم کرنے کے مترادف ہے۔ یہ صحیح ہے کہ مخصوص حالات میں یہ اوقاف مسائل سے گھرے ہوئے ہیں لیکن ان کی فروخت ان کے مسائل کا کسی طرح حل نہیں ہے۔ بحمد اللہ ان علاقوں میں مسلمانوں کی آبادی ہونا شروع ہو گئی ہے، ضرورت اس کی ہے کہ پوری امت کی توجہ ان کی طرف مبذول ہو۔ مسلم پرسنل لاء بورڈ میں ان کے لئے الگ متحرک (Cell) بنایا جائے اور مسلمانوں کی تمام مذہبی اور سیاسی جماعتوں اور تنظیموں کے پروگراموں کا یہ لازمی حصہ بنیں۔ خلاصہ یہ کہ فروخت اور منتقلی کے بجائے ملت اسلامیہ ہند یہ ان کی حفاظت پر کمربستہ ہو، اس عمل میں امکانی کچھ اوقاف کا ضائع ہو جانا اس کے مقابلہ میں بہتر معلوم ہوتا ہے کہ عمومی خرید و فروخت کے ذریعہ بڑے پیمانے پر ان کے ضیاع کا خطرہ مول لیا جائے۔

مولانا سلطان احمد اصلاحی

اوقاف کا مقصود مخلوق کو نفع رسانی ہے۔ وہ کسی کی مملوک نہیں ہوتے ہیں بلکہ وہ ملکیت سے حُر کی طرح سے آزاد ہوتے ہیں، اسی لئے اوقاف پر ملکیت کے آثار، بیع، ہبہ، وراثت وغیرہ جاری نہیں ہوتے، البتہ مقصود یعنی انتفاع کے ختم ہونے کی صورت میں دوبارہ اس کے نفع کو جاری کرنے کے لئے بیع واستبدال کی اجازت حضرات فقہاء شروط وقیود کے ساتھ دیتے ہیں، اور ان شروط وقیود کا اہم مقصد وقف کی ضیاع سے حفاظت ہے، لہذا حتی الامکان فقہاء کی ذکر کردہ شرائط کی پابندی واجب ہے۔ انہی شرائط میں سے ایک شرط منقولات سے عدم استبدال کی ہے، لہذا بقدر ممکن اس کی رعایت کرتے ہوئے روپیہ پیسہ سے وقف کو ہرگز نہ بدلا جائے، البتہ نفع کے بالکلیہ معدوم ہونے کی

صورت میں وقف کو غیر منقولات زمین ، مکان وغیرہ سے بدل کر اسی وقف کو دوبارہ جاری کرنے کی اجازت ہے۔ اور اگر اسی وقف کو کسی وجہ سے جاری کرنا ممکن نہ ہو تو نوع سابق کے قریبی اوقاف میں صرف کرنا جائز ہے دوسرے مصرف میں استعمال ناجائز ہے۔ بیع واستبدال کے سلسلے میں مسجد کے علاوہ بقیہ تمام اوقاف خواہ وہ اوقاف مسجد ہوں یا دوسرے اوقاف سب کا حکم ایک ہے۔

الظاهر ان حكم عمارة أوقاف المسجد والحوض والبئر وأمثالها حكم الوقف على الفقراء (شامی ۶/۵۷۳)

الف۔ روپئے سے فروخت کرنے میں وقف کے ضیاع کا اندیشہ ہے اس لئے بقدر ممکن احتراز واجب ہے۔

ب۔ کی جاسکتی ہے۔ نفس مسجد کے علاوہ بقیہ تمام اوقاف کا حکم ایک ہے۔

مولانا مفتی محمد حنیف صاحب

منتقلی وقف کا حکم:

الف ، ب۔ آبادی کے منتقل ہونے کی وجہ سے مقصد وقف فوت ہو چکا ہے ایسی صورت میں جہاں مسلمانوں کی آبادی ہے، وہاں متبادل وقف قائم کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟ تو اس سلسلہ میں علامہ ابن عابدین شامی کی یہ تحریر مشعل راہ کا درجہ رکھتی ہے:

لكن صار بحيث لا ينتفع به بالكلية بأن لا يحصل منه شئ أصلا أو لا يفي بمؤنته فهو أيضا جائز على الأصح إذا كان بإذن القاضي ورأيه المصلحة فيه (رد المحتار ۶/۵۸۴)۔

استبدال وقف اسی صورت میں جائز ہے جب کہ مکمل طور پر اس وقف سے انتفاع کی صورت ختم ہو چکی ہو، اس طور کہ اس وقف سے کوئی شئی حاصل ہی نہ ہو، یا اس کے اخراجات بھی پورے نہ ہوتے ہوں تو صحیح تر قول کے مطابق جب قاضی کی اجازت ہو اور اس میں مصلحت بھی ہو تو استبدال جائز ہے۔

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ جب مقصد وقف فوت ہو گیا تو استبدال وقف کی گنجائش ہے، اسی طرح اگر واقف نے استبدال کی شرط لگا دی ہو تو بھی جائز ہے، جیسا کہ علامہ حصکفی کی عبارت سے ظاہر ہے:

أو شرط بيعه ويشتري بثمنه أرضا أخرى (الدر على الرد ۶/۵۸۳)۔

یا واقف نے بیع کی شرط لگا دی ہو تو اس کے ثمن سے دوسری زمین خریدنا بھی جائز ہے۔ (در علی الرد ۶/۵۸۳)

البتہ تیسری صورت یعنی جب کہ فی الجملہ وقف سے نفع ہو رہا ہو تو ایسی حالت میں استبدال کو فقہاء نے ناجائز قرار دیا ہے پس خلاصہ یہ ہے کہ جب واقف نے استبدال کی اجازت دی ہو یا وقف کا مقصد ہی فوت ہو چکا ہو تو دونوں صورتوں میں متبادل وقف قائم کرنے کی اجازت ہوگی، ہاں صرف زیادتی منفعت کے لئے استبدال وقف کی اجازت نہ ہوگی۔

مولانا محمد رضوان قاسمی

الف۔ ایسی صورت میں ایسے اوقاف کو باستثناء مسجد فروخت کر کے مقاصد واقف کا خیال رکھتے ہوئے کسی دوسرے مقام پر متبادل وقف قائم کیا جا سکتا ہے، جو اسی جنس کا ہو۔

علامہ شامی تحریر فرماتے ہیں:

قوله وجاز شرط الاستبدال به اعلم أن الاستبدال على ثلاثة وجوه، الأول: أن يشرطه الواقف لنفسه أو لغيره أو لنفسه وغيره فالاستبدال فيه جائز على الصحيح وقيل اتفاقا، والثاني: أن لا يشرطه سواء شرط عدمه أو سكت لكن صار بحيث لا ينتفع به بالكلية بأن لا يحصل منه شئ أصلا أو لا يفي بمؤنته فهو أيضا جائز على الأصح إذا كان بإذن القاضي ورأيه المصلحة فيه، والثالث: أن لا يشرطه أيضا ولكن فيه نفع في الجملة وبدله خير منه ريعا ونفعا وهذا لا يجوز استبداله على الأصح المختار كذا حرره العلامة قنالي زاده في رسالته الموضوعة في الاستبدال الخ (شامی ۵۸۳/۶)

صاحب البحر الرائق فرماتے ہیں:

نقل عن الشيخ الإمام الحلواني في المسجد والحوض إذا خرب ولا يحتاج إليه لتفرق الناس عنه انه تصرف أوقافه إلى مسجد آخر أو حوض آخر (۲۵۲/۵)۔

شروط الاستبدال: إذا كان الوقف عقارا غير مسجد فالمعتمد أنه يجوز للقاضي الاستبدال به للضرورة بلا شرط الواقف بشروط ستة:

۱۔ أن يخرج الموقوف على الانتفاع به بالكلية اى يصبح عديم المنفعة.

۲۔ الا يكون هناك ريع للوقف يعمر به.

۳۔ الا يكون البيع بغبن فاحش.

۴۔ أن يكون المستبدل قاضي الجنة وهو ذو العلم والعمل لئلا يؤدى الاستبدال إلى إبطال أوقاف المسلمين كما هو الغالب في الزمن الاخير.

۵۔ أن يستبدل به عقار لا دراهم و دنانير لئلا يأكلها النظار ولأنه قل أن يشترى بها الناظر بدلا وجاز بعضهم الاستبدال به نقودا مادام المستبدل قاضي الجنة.

۶۔ أن لا يبيعه القاضي لمن لا تقبل شهادته له ولا لمن له عليه دين خشية التهمة و المحاباة فإذا لم تتوافر هذه الشروط كان بيع الوقف باطلا لا فاسدا وإذا صح بيع الحاكم بطل وقفيته ما باعه ويبقى الباقي على ما كان (الفقہ الاسلامی وادلتہ ۲۲۲،۲۲۱/۸)

مذکورہ بالا شروط کو ملحوظ رکھتے ہوئے فروخت کرنے کی اجازت ہے اور متبادل وقف قائم کیا جا سکتا ہے۔

ب۔ جواب نمبر اول میں ذکر کردہ شرائط کی رعایت کرتے ہوئے اس کے عوض دوسری زمین یا مکان حاصل کیا

جا سکتا ہے۔

وفی القنیة مبادلة دار الوقف بدار أخری إنما یجوز إذا کانتا فی محلة واحدة أو محلة أخری خیرا، ان أرض الوقف لو قل ریعها فللقیم أن یبیعها و یشتری بثمنها أرضا أخری ریعها أکثر نفعا للفقراء فیجوز استبدال الأرض بالأرض. (بزازیہ بر حاشیہ علی ہندیہ ۶/۲۵۴)

اور مسجد میں کسی طرح تبدیلی جائز نہیں ہے۔

ولو خرب ما حوله واستغنی عنه یبقی مسجدا عند الامام والثانی أبدا إلی قیام الساعة وبه یفتی حاوی القدسی (شامی ۶/۵۴۸) مولانا شیر علی صاحب

الف، ب۔ خلاصہ اس سوال کا یہ ہے کہ جو اوقاف ویران اور معطل ہو چکے ہوں، وہاں سے مسلمانوں کی آبادی ختم ہو چکی ہو، اوقاف سے نفع اور انتفاع کی کوئی صورت باقی نہ ہو تو ایسی صورت میں ان اوقاف کو کیا کیا جائے۔ یونہی معطل بیکار چھوڑ دیا جائے جس کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ وہ اوقاف غیروں کی ملکیت اور استعمال میں آ جائے گا، یا اس کے بدل واستبدال کی شرعی گنجائش ہوگی۔

جی ہاں ایسے اوقاف کا متبادل وقف قائم کیا جا سکتا ہے، اگر اسکے بقا اور انتفاع کی کوئی شکل نہ ہو تو اس کو فروخت کر کے دوسرا متبادل وقف قائم کیا جا سکتا ہے۔ قریب قریب تمام فقہاء نے اس کی اجازت دی ہے۔ علامہ حصکفی درمختار میں لکھتے ہیں:

وکذا الرباط والبئر إذا لم ینتفع بهما فیصرف وقف المسجد والبئر والحوض إلی أقرب مسجد أو رباط أو بئر أو حوض (۴/۳۵۲)

اسعاف اور قاضی خان کے حوالے سے ہے:

رباط بعید استغنی عنه المارة وبجنبه رباط آخر قال السید الإمام أبو الشجاع تصرف غلته إلی الرباط الثانی (ص۳۵۹)۔

اسی طرح ایک اور مقام پر ہے:

حوض و بئر و رباط ودابة و سیف... فقد ذکر التاتارخانیة وغیرها جواز نقلها (صفحہ ۳۶۰)

اسی طرح ابن ہمام کی فتح القدیر میں بھی جائز لکھا ہے:

إذا ضعفت الأرض عن الاستغلال و یجد القیم بثمنها اخری مما أکثر ریعا کان له أن یبیعها و یشتری بثمنها ما هو أکثر ریعا (صفحہ ۲۲)۔

اسی طرح ابن ہمام نے ظہیریہ کے حوالے سے لکھا ہے:

سئل الحلوانی عن اوقاف المسجد إذا تعطلت و تعذرت استغلالها هل للمتولی بیعها

و یشتری بثمنها أخری قال نعم.

اسی طرح ابن ہمام نے ہشام کے واسطے سے امام محمد کی روایت نقل کی ہے:

وروی ابن هشام عن محمد أنه قال إذا صار الوقف بحیث لاینتفع به المساکین فللقاضی أن یبیعه ویشتری بثمنه غیره (صفحہ ۲۳۷)

اور جن لوگوں نے اس قول کو اختیار کیا ہے کہ واقف یا اس کے وارث کی جانب لوٹ آئے گا، اس قول کی تردید اور اسے غیر مفتی بہ قرار دیتے ہیں:

وعلی هذا لایفتی علی قوله برجوعه إلی ملک الواقف و ورثته بمجرد تعطله و خرابه (صفحہ ۲۳۷) وهکذا فی الشامی (۳۷۹/۴).

لہٰذا نہ واقف، نہ واقف کے وارثوں کی جانب لوٹایا جائے گا بلکہ اس کا متبادل وقف قائم کیا جائے گا۔

اسی طرح قاضی خان کے حوالے سے ابن ہمام لکھتے ہیں:

وقف علی مسکین خرب ولاینتفع به ولایستاجر أصله یبطل الوقف ویجوز بیعه (صفحہ ۲۳۷)

اسی طرح ابن نجیم کی بحرالرائق میں ہے:

الوقف إذا صار بحیث لاینتفع به المساکین فللقاضی أن یبیعه ویشتری بثمنه غیره ولیس ذلک إلا للقاضی (۲۲۳/۵ـ۲۳۷)

اسی طرح منحۃ الخالق حاشیہ بحرالرائق میں علامہ شامی لکھتے ہیں:

سئل عن أوقاف المسجد إذا تعطلت هل للمتولی أن یبیعها و یشتری مکانها أخری قال نعم (۲۲۳/۵، ۲۳۷/۵)۔

قاضی کی طرح متولی بھی معطل اوقاف کو فروخت کرکے اس کے بدلے دوسرے اوقاف کو خرید سکتا ہے۔

ابن نجیم نے بحرالرائق میں شمس الائمہ حلوانی کے قول کو نقل کرتے ہوئے لکھا ہے:

أوقاف المسجد إذا تعطلت و تعذر استغلالها هل للمتولی أن یبیعها ویشتری مکانا آخر قال نعم (۲۲۳/۵)

اسی طرح مجمع الانہر میں ہے:

حوض أو مسجد خرب و تفرق الناس عنه فللقاضی أن یصرف أوقافه إلی مسجد أو حوض آخر (۷۳۹/۱)۔

اسی طرح ہندیہ میں ہے:

وقف صحیح علی أقوام مسمین خرب ولا ینتفع به وهو بعید من القریة لا یرغب أحد

فی عمارته ولا یستاجر اصله یبطل الوقف ویجوز بیعه (صفحہ ۳۸۰)

اسی طرح قاضی خاں میں ہے:

فإذا ضعفت الأرض الموقوفة عن الاستغلال والقیم یجد بثمنها أرضا أخری هی أنفع للفقراء وأکثر ریعا کان له أن یبیع هذه الأرض ویشتری بثمنها أرضا أخری (۳۰۰/۳ برحاشیہ ہندیہ)

حاصل کلام:

فقہاء کی ان تمام عبارتوں سے معلوم ہوا کہ وہ اوقاف جو معطل اور ویران ہو جائے اس کا متبادل وقف اسے فروخت کر کے قائم کیا جا سکتا ہے، اس کی صورت یہ ہوگی کہ اسے فروخت کر کے اسی جیسا وقف اختیار کیا جائے گا، اگر مسجد پر وقف تھا تو اس رقم سے خرید کر زمین یا مکان وغیرہ مسجد پر وقف کر دیا جائے گا، اگر سرائے خانہ یا حوض تھا تو اسی طرح سرائے خانہ یا حوض بنوا دیا جائے گا، اور قریبی مسجد پر اس کی آمدنی استعمال ہوگی۔ کذا فی الشامی

وفی شرح الملتقی یصرف وقفها لأقرب مجانس لها (صفحہ ۳۵۹) یعنی دونوں کی جہت ایک ہوگی۔

معطل ویران اوقاف کو لقطہ میں داخل کرنا:

فقہاء کے کلام میں اس کی بھی اجازت ملتی ہے کہ ایسے اوقاف کو لقطہ میں داخل کر دیا جائے۔ چنانچہ ابن نجیم کی بحر الرائق میں ہے:

حوض محلة خرب وصار بحال لا یمکن عمارته فهو للواقف ولورثته فإن کان واقفه وورثته لا تعرف فهو لقطة وزاد فی فتاوی الخلاصة إذا کان کاللقطة یتصدقون به علی فقیر ثم یبیعه الفقیر ثم ینتفع بثمنه (۲۲۳/۵)۔

ابن ہمام ہدایہ کی شرح فتح القدیر میں لکھتے ہیں:

حوض محلة خرب وصار بحیث لا تمکن عمارته فهو للواقف ولورثته فإن کان واقفه وورثته لا تعرف فهو لقطة کذا فی الخلاصة. إذا کان کاللقطة یتصدقون به علی فقیر ثم یبیعه الفقیر فینتفع بثمنه (ص ۲۲۱)

خیال رہے کہ وقف کا ملک واقف کی جانب لوٹنا قول غیر مفتی بہ ہے:

وقال صدر الشهید... لأن الوقف بعد ما خرج إلی الله تعالی لا یعود إلی ملک الواقف (فتح ۲۲۱/)

اسی طرح علامہ شامی نے رجوع الی الوارث کو ضعیف اور ناقابل فتویٰ قرار دیا ہے:

وأما عود الوقف بعد خرابه إلی ملک الواقف أو ورثته فقد قدمنا ضعفه (۳۴۹/۳)۔

لقطہ اور اس کا مصرف:

ماقبل سے یہ معلوم ہوا کہ اوقاف معطلہ اور ویران کو فقہاء کرام کے ایک قول میں لقطہ مانا گیا ہے۔ اور لقطہ کا مصرف جہاں یہ ہے کہ فقراء پر تصدق ہو، وہاں علامہ "حصکفی" نے لقطہ کا مصرف بیت المال بھی بتایا ہے۔ یعنی لقطہ کا مال جس کا مالک نہ مل رہا ہو اسے بیت المال میں داخل کر دیا جائے۔ اور بیت المال کا مصرف عام تو اب المسلمین ہے جس میں رفاہی کام بھی داخل ہے۔

كذا في الدر المختار: فهو مصرف جزية و خراج و مصرف زكوة و عشر مر في الزكاة و مصرف خمس وركاز مر في السر وبقي رابع وهو لقطة. وتركة بلا وارث (۳/۲۱۹)۔

الانتباہ: خیال رہے کہ ویران و معطل اور ناقابل انتفاع و استعمال اوقاف کے استبدال کی اجازت مطلقاً کھلے عام ہر ایک کو ہر وقت اجازت نہیں ہے۔ بلکہ اس کے لئے فقہاء نے شرطیں ذکر کی ہیں جو متعدد مقام پر موضوع کے ذیل میں مذکور ہیں، جن میں لابدی شرطیں یہ ہیں:

۱۔ غبن فاحش کے ساتھ انتہائی کم قیمت میں فروخت نہ کیا جا رہا ہو۔

۲۔ اس کے بدلہ زمین ہی خریدی جائے، روپیہ پیسہ کی شکل میں یا غیر منقولہ شکل میں اسے نہ منتقل کیا جائے، کہ یہ قریب الہلاکت ہوتے ہیں اور جو ابقاء وقف اور انفع للوقف کے خلاف ہے۔

۳۔ ایسا متولی یا قاضی فروخت کر سکتا ہے جو نہایت صالح اور امانت دار ہو۔ جس کی تشریح فقہاء قاضی الجنۃ سے کرتے ہیں۔

علامہ زحیلی نے بھی ان شرطوں کو ذکر کیا ہے (الفقہ الاسلامی ۸/۲۴۴)۔

لہذا ان اوقاف کا استبدال نہایت احتیاط سے شروط مذکورہ کی رعایت کرتے ہوئے کیا جائے گا۔

مساجد اور دوسرے اوقاف میں فرق:

مفتی بہ اور محقق قول کے اعتبار سے مسجد کو منتقل یا فروخت یا اس کا تبادل دوسری مسجد میں نہیں کیا جا سکتا ہے۔

درمختار میں ہے:

ولو خرب ما حوله واستغنى عنه يبقى مسجدا عند الإمام والثاني أبدا إلى قيام الساعة وبه يفتى.

علامہ شامی اس کی مزید تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں: لو خرب وليس له ما يعمر به وقد استغنى الناس عنه فلا يعود ميراثا ولا يجوز نقله ونقل ماله إلى مسجد آخر.

حتی کہ لوگ نماز چھوڑ چکے ہوں۔ آبادی ختم ہونے کی وجہ سے یا اور کسی غلط اقدام مثلاً دوسروں کا غاصبانہ قبضہ ہو جانے کی وجہ سے، تب بھی اس کی مسجدیت باقی رہے گی۔

چنانچہ علامہ شامی لکھتے ہیں سواء کانوا یصلون فیہ أولا۔ اور یہی فتوی بھی ہے۔ وھو الفتوی واکثر المشائخ علیہ وھو الاوجہ (۳۵۸/۳)۔

دوسری یہ کہ مسجد کا منتقل کرنا بھی جائز نہیں۔ چنانچہ علامہ شامی لکھتے ہیں۔

انہ لایجوز نقلہ ونقل مالہ الی مسجد آخر کما مر عن الحاوی (۳۵۹/۳)

شیخ سراج الدین نے بھی یہی فتوی دیا ہے۔

اسی طرح بحر الرائق میں ہے حرمت القریۃ والمسجد ولا یصلی فیہ أحد عند الثانی ھو مسجد أبداً لأن کونہ مسجدا لا یتوقف فی الابتداء علی الصورۃ عندہ فکذا فی البقاء (۲۴۷/۶)

اسی طرح ہندیہ میں ہے: والفتوی علی قول أبی یوسفؒ انہ لا یعود إلی ملک مالک أبداً کما فی المضمرات (۴۵۸/۲) وإذا خرب المسجد واستغنی أھلہ وصار بحیث لا یصلی فیہ قیل ھو مسجد أبدا وھو الأصح کذا فی خزانۃ (۴۵۸/۲)

اسی طرح فتح القدیر میں ہے۔ یبقی مسجداً علی حالہ عند أبی یوسف وھو قول أبی حنیفۃ ومالک والشافعی۔

فقہائے کرام کی ان تمام عبارتوں سے یہ بات بالکل صحیح اور واضح ہوگئی کہ دیگر اوقاف اور مساجد میں فرق ہے۔ جب ایک مرتبہ مسجد بن جائے گی شرعی مسجد ہو جائے گی تو پھر اب خواہ قریہ ویران و معطل ہو جائے یا نماز متروک ہو جائے اور دیوار منہدم ہو جائے اس کی مسجدیت باقی رہے گی۔ یہی قول ہے اقوال سے اقرب ہے کہ مسجد قیامت تک مسجد رہے گی حتی کہ کفر و شرک کا غلبہ ہو جائے وہاں بت رکھ دئے جائیں، نماز و ذکر عبادت کی حرام ہو جائے شرعی مسجد کی حیثیت باقی رہے گی۔ کعبہ پر ایک طویل زمانے تک مشرکین کا تسلط رہا، بت رکھے ہوئے تھے، پھر بھی مسجد رہی کہ جب اسلام کا اقتدار حاصل ہوا تو کعبہ کی مسجدیت باقی رکھی گئی۔

کذا فی فتح القدیر: واستدل أبو یوسف وجمہور العلماء بالکعبۃ فإن الإجماع علی عدم خروج موضعہا عن المسجدیۃ والقربۃ (۲۳۴/۶)۔

مولانا محمد ارشاد القاسمی

الف۔ ب۔ ج شق کے جواب ایک ساتھ ہیں

مولانا ایوب ندوی

یہاں یہ بات بتانے کی قطعاً ضرورت نہیں ہے کہ تقسیم ملک کے بعد ۱۹۴۷ء میں مسلمانوں کی آبادی کے پاکستان کی طرف منتقل ہو جانے کے سبب تقریباً بہت سے اوقاف ویران ہو چکے ہیں، اور اگر کسی بستی میں کچھ اوقاف بچ بھی جاتے ہیں تو وہاں دور دراز تک مسلمانوں کی آبادی کے نہ ہونے کے سبب ان اوقاف کی اراضی کو بادشاہ واقف کے منشا اور اس کے اغراض و مقاصد کے تحت ان اراضی کی پیداوار کا استعمال کرنا ایک حد تک ناممکن سا ہو گیا

ہے، بلکہ دوسری طرف صورت حال یہ ہے کہ اس قسم کے اوقاف پر حکومت یا غیر مسلموں کا قبضہ بڑھتا جا رہا ہے۔

اوقاف کی خرید وفروخت اور اس میں تبدیلی کا شرعی حکم:

اب ایسی صورت میں اوقاف کے تحفظ کی خاطر سب سے پہلا سوال یہ ہوتا ہے کہ کیا ایسے قریب الہلاک اوقاف کو فروخت کر کے واقف کے اغراض ومقاصد کو ملحوظ رکھتے ہوئے کسی دوسری جگہ جہاں مسلمانوں کی کثیر آبادی پائی جاتی ہو اس کا متبادل وقف قائم کیا جا سکتا ہے یا نہیں؟ تو اس سلسلہ میں حضرات فقہاء کے کلام کو بغور پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں کے وہ اوقاف جو مسلمانوں کی آبادی کے منتقل ہو جانے سے بالکل ویران ہو چکے ہیں، اور وہاں پر مسلمانوں کی آبادی نہ ہونے کی وجہ سے ان اوقاف کو آباد کرنا اور انہیں واقف کی منشا کے مطابق بروئے کار لانا ممکن نہیں رہ گیا ہے، تو اگر یہ اوقاف مساجد ومقابر موقوفہ کے علاوہ ہیں، تو انہیں چند شرائط کے ساتھ فروخت کر کے واقف کے مقاصد کا خیال رکھتے ہوئے کسی دوسرے مقام پر جہاں مسلمانوں کی آبادی ہے ان کے متبادل وقف قائم کیا جا سکتا ہے، اب وہ شرائط کیا ہیں اور استبدال کی کتنی صورتیں جائز ہیں، تو اس سلسلہ میں علامہ ابن نجیم مصری نے الاشباہ والنظائر میں اور علامہ شامی نے رد المحتار میں شرح وبسط کے ساتھ کلام کیا ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ استبدال کی پانچ صورتیں ہیں:

۱۔ اگر واقف نے وقف کے دوران ہی اپنے لئے یا کسی دوسرے شخص کے لئے استبدال کی شرط رکھی ہو تو صحیح قول کے مطابق بلاشبہ استبدال جائز ہے، شامی میں ہے:

اعلم أن الاستبدال على ثلاثة أوجه: الأول أن يشرطه الواقف لنفسه أو لغيره أو لنفسه وغيره، فالاستبدال فيه جائز على الصحيح وقيل اتفاقا... الخ (رد المحتار ۳/۴۲۴) وفي الهندية إذا شرط في أصل الوقف أن يستبدل به أرضا أخرى إذا شاء ذلك فتكون وقفا مكانها فالوقف والشرط جائز عند أبي يوسفؒ وكذا لو شرط أن يبيعها ويستبدل بثمنها مكانها، وفي واقعات القاضي الإمام فخر الدين قول هلالؒ مع أبي يوسفؒ وعليه الفتوى، كذا في الخلاصة (فتاوى عالمگیری ۲/۳۹۹) وفي البزازية وإن قال الواقف وقفت على أن اشترى بثمنها أرضا أخرى إن احتاج إلى ذلك صح استحسانا لأن الأولى وإن تعينت للوقف فقيمتها يقوم مقامها في الحكم (بزازیہ علی الہندیہ ۶/۲۵۶)۔

۲۔ دوسری صورت یہ ہے کہ استبدال کی تو شرط نہ لگائی ہو، لیکن وہ وقف بالکل ویران ہو کر رہ گیا ہو اور اس سے منتفع ہونے کی امید نہ ہو تو ایسی صورت میں بھی اصح قول کے مطابق استبدال جائز ہے، شامی میں ہے:

والثاني أن لا يشرطه سواء شرط عدمه أو سكت لكن صار بحيث لا ينتفع به بالكلية بأن لا يحصل منه شئ أصلا أو لا يفي بمؤنته فهو أيضا جائز على الأصح إذا كان بإذن القاضي ورأيه المصلحة فيه (رد المحتار ۳/۴۲۴) وفي البزازية شرط في أصل الوقف لا يستبدل أو البيع،

شراء أرض أخرى بثمنها صح الشرط والوقف عند الثاني و عند محمد و هلال الوقف جائز و الشرط باطل.... وعليه الفتوى لأن الوقف يحتمل للانتقال من أرض إلى أرض، و ذكر القاضي قول هلال مع الثاني (بزازیہ علی الہندیہ ۲۵۶/۶)۔

۳۔ تیسری صورت یہ ہے کہ نہ واقف نے استبدال کی کوئی شرط لگائی اور نہ ہی وقف ویران ہوا ہے، بلکہ اس کو باقی رکھتے ہوئے بھی نفع کے طور پر اس سے فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے، تو اس صورت میں اصح اور مختار قول یہ ہے کہ استبدال جائز نہیں ہے۔

قال ابن عابدين في رد المحتار: والثالث أن لا يشرطه أيضا ولكن فيه نفع في الجملة و بدله خير منه ريعا و نفعا وهذا لا يجوز استبداله على الاصح المختار كذا حرره العلامة قنالي زادة في رسالته الموضوعة في الاستبدال وأطنب فيها عليه الاستدلال وهو مأخوذ من الفتح أيضا كما سنذكره عند قول الشارح لا يجوز استبدال العامر (ردالمحتار ۳۲۳/۳)۔

۴۔ چوتھی صورت یہ ہے کہ اشیاء موقوفہ کو غاصب نے قبضہ کرکے اس میں ایسا تصرف کردیا ہے کہ وہ اراضی ناقابل کاشت ہوگئی، اور اب وہ قیمت دینے پر رضامند ہے، یا غاصب نے اس زمین کے وقف ہونے کا انکار کردیا اور اس پر متولی کے پاس کوئی بینہ نہیں ہے، لیکن غاصب قیمت دینا چاہتا ہے، تو ان صورتوں میں بھی متولی کے لئے جائز ہے کہ قیمت لے کر ان اراضی موقوفہ کے بدلہ دوسری جگہ زمین خرید لے۔

في رد المحتار نقلا عن الاشباه الثانية إذا غصب غاصب وأجرى عليه الماء حتى صار بحرًا فيضمن القيمة و يشترى المتولي بها أرضا بدلا. الثالثة أن يجحده الغاصب ولا بينة اى و اراد دفع القيمة فللمتولي أخذها ويشترى بها بدلا (ردالمحتار ۳۲۹/۳، الاشباہ والنظائر ۱۰۳، کتاب الوقف) وفي هامش الاشباه قوله يجحده الغاصب اى فيصالحه الناظر على مال صلحا عن انكار (ہامش الاشباہ ۳۰۱) وقال في الخانية فإن أرض الوقف إذا غصبها غاصب وأجرى الماء عليها حتى صار بحرًا لا يصلح للزراعة يضمن قيمتها ويشترى بقيمتها أرضا أخرى فتكون الثانية وقفًا على وجه الأولى (خانیہ علی الہندیہ ۳۰۶/۳) وفي البزازية غصب أرض الوقف غاصب واجرى عليها الماء حتى صار بحرًا يضمن قيمتها ويشترى بالقيمة أرض أخرى ويكون وقفًا مكانها (بزازیہ علی الہندیہ ۲۵۹/۶)۔

۵۔ پانچویں صورت یہ ہے کہ اراضی موقوفہ کو کوئی شخص لینے کا خواہش مند ہے، اور وہ اس کے بدلہ میں اس سے بہتر اور زیادہ پیداوار والی زمین دینا چاہتا ہے، تو حضرت امام ابو یوسفؒ کے نزدیک اس صورت میں استبدال جائز ہے، اور حضرات فقہاء نے اس قول کو مفتی بہ بھی کہا ہے۔

وفي الاشباه الرابعة أن يرغب إنسان فيه ببدل أكثر غلة وأحسن وصفًا فيجوز على

قول أبي يوسف و عليه الفتوى كما في فتاوى قارى الهداية (الاشباه ۳/۱۰۳، رد المحتار ۳/۴۲۶)۔

مندرجہ تفصیل سے معلوم ہوا کہ حضرات فقہاء نے لوگوں کے بدلتے ہوئے حالات کو پیش نظر رکھ کر چند صورتوں میں استبدال کو جائز اور بعض جگہ استبدال کو ناجائز قرار دیا ہے، اور ساتھ ہی جس قول کے جواز و عدم جواز کا قول کیا ہے اس کے مفتی بہ ہونے کی تصریح بھی فرمادی ہے، علامہ ابن الہمام نے بھی مختصراً استبدال کے جواز وغیرہ پر کلام کیا ہے، چنانچہ لکھتے ہیں:

والحاصل أن الاستبدال إما عن شرط الاستبدال أو لا عن شرطه فإن كان لخروج الوقف عن انتفاع الموقوف عليهم فينبغي أن لايختلف فيه وإن كان لا لذلك بل اتفق انه أمكن أن يوخذ بثمنه ما هو خير منه مع كونه منتفعا به فينبغي أن لايجوز لأن الواجب إبقاء الوقف على ما كان عليه دون زيادة ولأنه لا موجب لتجويزه لأن الموجب في الأول الشرط وفي الثاني الضرورة ولا ضرورة في هذا (اى الثالث) إذ لاتجب الزيادة بل تبقيه كما كان الخ (فتح القدير بحوالہ رد المحتار ۳/۴۲۷) قال ابن عابدين أقول ما قاله هذا المحقق هو الحق و الصواب (رد المحتار ۳/۴۲۷) قال الراقم في الرابع والخامس أيضا الضرورة فافهم.

لیکن صاحب شرح وقایہ نے کتاب الوقف میں استبدال کے سلسلہ میں حضرات صاحبین کا اختلاف درج کرنے کے بعد لکھا ہے:

ونحن لا نفتي به فقد شاهدنا في الاستبدال من الفساد ما لايعد و لايحصى فإن ظلمة القضاة جعلوه حيلة إلى إبطال أكثر أوقاف المسلمين وفعلوا ما فعلوا ... الخ (شرح وقایہ ۲/۳۵۳، و مثلہ فی رد المحتار ۳/۴۲۶)

مندرجہ سطور میں صدر الشریعہ علیہ الرحمہ نے استبدال کی صورت میں جن مفسدات کی طرف اشارہ فرمایا ہے ان مفسدات کی پیش بندی کے لئے حضرات فقہاء نے آٹھ شرطوں کے ساتھ استبدال کو مشروط کیا ہے جو حسب ذیل ہیں:

شرائط استبدال:

(۱) پہلی شرط یہ ہے کہ وقف ویران ہو گیا ہو، اور اس کی آمدنی اور اس کا نفع بالکل ختم ہو گیا ہو۔

(۲) دوسری شرط یہ ہے کہ اس جگہ وقف کی کوئی دوسری آمدنی نہ ہو کہ جہاں دوسری تعمیر ہو سکے۔

(۳) وقف کی بیع اور اس کا استبدال غبن فاحش (بہت زیادہ گھاٹے) کے ساتھ نہ ہو۔

(۴) بدلنے والا قاضی علم و عمل دونوں کا جامع ہو، اور وہ استبدال ہی میں وقف کے لئے مصلحت سمجھتا ہو۔

(۵) اراضی موقوفہ کا تبادلہ دوسری اراضی ہی سے ہو، روپے پیسے، درہم و دنانیر سے نہ ہو، اس لئے کہ اس صورت میں خطرہ ہے کہ کہیں بدلنے والے لوگ استبدال سے پہلے ہی وقف کے روپے کو ہضم نہ کر

جائیں۔

(۶) وقف کے تبادلہ کا معاملہ مقبول الشہادت شخص ہی سے کیا جائے، ایسے شخص سے نہ کیا جائے جس کی شرعاً شہادت قبول نہیں ہوتی ہے، لہذا اگر کوئی شخص چھوٹے بچے وغیرہ سے اوقاف کا تبادلہ کرے تو یہ جائز نہیں ہے، نیز وقف کے تبادلہ کا معاملہ ایسے شخص سے نہ کیا جائے جس کا دَین بدلنے والے پر باقی ہو، کیونکہ خطرہ ہے کہ بدلنے والا کہیں وقف کو دین کے عوض فروخت نہ کر دے، یا دوسرے لفظوں میں ممکن ہے کہ وہ ان اپنے دین کے عوض وقف کی اراضی کو رکھ لے اور بدلنے والے مدیون سے کہہ دے کہ میرے دین کے عوض تم ہی وقف کا ثمن ادا کر دو، نیز حضرت امام ابو یوسف نے جب وقف کی بیع سامان کے عوض کرنے کو ناجائز قرار دیا ہے تو پھر وہ کیونکر دین کے عوض وقف کے فروخت کرنے کا فتویٰ دیں گے۔

(۷) ایک وقف مکان کا دوسرے مکان سے تبادلہ کرنے کے لئے صاحب قنیہ نے یہ شرط لگائی ہے کہ ایک ہی محلہ کے اندر ہو، کیونکہ اگر وقف مکان کا تبادلہ دوسرے محلہ کے مکان سے کیا جائے تو اگرچہ ممکن ہے کہ اس کی قیمت زیادہ ہو، لیکن دوسرے محلہ میں واقع ہونے کی وجہ سے احتمال ہے کہ لوگوں کی رغبت اس سے کم ہو جائے، البتہ اگر دوسرا محلہ پہلے محلہ سے بہتر ہو اور وہاں کے باشندے نیک ہوں، نیز تبادلہ کی وجہ سے آمدنی میں اضافہ ہو جانے کی توقع ہو تو اس صورت میں پہلے محلہ میں واقع وقف مکان کو دوسرے محلہ کے مکان سے بدل سکتے ہیں، ورنہ تبادلہ جائز نہیں۔

(۸) علامہ قنالی زادہ نے اپنے رسالہ میں استبدال کے جواز کے لئے آٹھویں شرط یہ ذکر کی ہے کہ بدل اور مبدل منہ ایک ہی جنس سے ہو، کیونکہ فتاویٰ خانیہ میں ہے کہ اگر خود واقف نے اپنے لئے وقف گھر کو کسی دوسرے گھر سے استبدال کی شرط لگائی ہو تو خود اس کو بھی یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ اس وقت گھر کا تبادلہ گھر کے بجائے کسی زمین سے کر دے، یا اس کے برعکس معاملہ کرے، علامہ شامی فرماتے ہیں کہ بظاہر اس شرط کی ضرورت نہیں ہے، کیونکہ تبادلہ کی جس صورت میں خرچہ کم ہو اور آمدنی زیادہ آئے تو یہ تو اچھی بات ہے۔ (مستفاد از رد المحتار ۳/۴۲۵)

یہاں یہ بات ملحوظ رہے کہ حضرات فقہاء نے جس طرح بعض صورتوں میں واقف کو استبدال کی اجازت دی ہے، اسی طرح قاضی کو بھی دی ہے، لیکن صاحب فتاویٰ خانیہ کا کلام قاضی کے سلسلہ میں مختلف ہے، ایک جگہ انہوں نے بغیر واقف کی شرط کے مطلقاً قاضی کو استبدال کی اجازت دی ہے، اور کہا ہے کہ جہاں وہ مصلحت دیکھے وقف کا استبدال کرے، لیکن دوسری جگہ مطلقاً منع کیا ہے، اگرچہ وقف ویران ہی کیوں نہ ہو جائے، لیکن مفتیٰ بہ قول یہ ہے کہ بغیر کسی شرط کے قاضی کے لئے استبدال کی شرعاً اجازت ہے، البتہ قاضی پر لازم ہوگا کہ وہ مندرجہ بالا شرائط کا لحاظ کر کے وقف کا استبدال کرے، البتہ فقہ کی مشہور کتاب اسعاف سے نقل کرتے ہوئے فتاویٰ عالمگیری، اور رد المحتار میں لکھا ہے کہ قاضی علم و عمل کا پیکر ہو، تاکہ ظالم قاضیوں کی طرف سے اوقاف مسلمین کے ابطال کا جو خطرہ صدر الشریعہ علیہ الرحمہ کے حوالہ سے بیان کیا گیا وہ سامنے نہ آئے۔

قال العلامة عبد الحي في عمدة الرعاية الاستبدال بدون الشرط لايملكه إلا للقاضي

الغير الجائز بشروط أحدها أن يخرج الموقوف عن الانتفاع بالكلية الخ (عمدۃ الرعایہ، حاشیہ شرح وقایہ ۲/۳۵۳)۔

یہاں یہ بات مدنظر رہے کہ مساجد و مقابر موقوفہ کا تبادلہ اگرچہ وہ ویران ہی کیوں نہ ہو جائیں، شرعاً جائز نہیں ہے۔

قال في الهداية ومن اتخذ أرضه مسجدا لم يكن له أن يرجع فيه ولا يبيعه ولا يورث عنه (ہدایہ ۲/۶۳۵) و في الهندية نقلا عن فتاوى الحجة لو صار أحد المسجدين قديما و تداعى إلى الخراب فأراد أهل السكة بيع القديم و صرفه في الجديد فإنه لا يجوز اما على قول أبي يوسف فلأن المسجد وإن خرب واستغنى عنه أهله لا يعود إلى ملك الباني (الى قوله) والفتوى على قول أبي يوسف..... كذا في المضمرات (ہندیہ ۲/۴۵۸) سئل القاضي الإمام شمس الائمة محمود الاوزجندى عن مسجد لم يبق له قوم و خرب ما حوله واستغنى الناس عنه هل يجوز جعله مقبرة قال لا وسئل هو أيضا عن المقبرة في القرى إذا اندرست ولم يبق فيها أثر الموتى لا العظم ولا غيره هل يجوز زرعها و استغلالها قال لا ولها حكم المقبرة، كذا في المحيط (فتاوی عالمگیری ۲/۴۷۰-۴۷۱) قال في هامش الهندية، قوله لا، هذا لا ينافي ما قاله الزيلعي في باب الجنائز من أن الميت إذا بلي وصار تراباً جاز زرعه، والبناء عليه، لأن المانع هنا كون المحل موقوفا على الدفن فلا يجوز استعماله في غيره، فليتأمل وليحرر (حاشیہ عالمگیری ۲/۴۷۱)۔

مندرجہ بالا تفصیلات کی روشنی میں سوال میں پوچھے گئے امور کے جوابات حسب ذیل ہیں:

الف۔ ویران اوقاف کو فروخت کر کے مقاصد واقف کا خیال رکھتے ہوئے کسی دوسرے مقام پر جہاں مسلمانوں کی آبادی ہے، متبادل وقف قائم کیا جا سکتا ہے (مستفاد از فتاوی عبدالحی ۳۶۷)

وفي البزازية وعن محمدؒ ضعفت الموقوفة عن الاستغلال والقيم يجد بثمنه أرضا أخرى أكثر ريعا منه له البيع و شراء ما هو أكثر منه ريعا (بزازیہ علی الہندیہ ۶/۲۷۱) وفي الخانية روى عن محمدؒ... قال إذا ضعفت الأرض الموقوفة على الاستغلال والقيم يجد بثمنها أرضا أخرى هي أنفع للفقراء وأكثر ريعا كان له أن يبيع هذه الأرض ويشترى بثمنها أرضا أخرى جوّز رحمه الله تعالى استبدال الأرض بالأرض (فتاوی خانیہ علی ہامش الہندیہ ۳/۳۰۰)

ب۔ ویران اوقاف کو حکومت کے بجائے کسی فرد کے حوالہ کر کے اس کے عوض دوسری زمین یا مکان حاصل کر کے مقاصد وقف کو جاری رکھنے کی شکل شرعاً اختیار کی جا سکتی ہے۔

قال في رد المحتار فلو استبدل الحانوت بأرض تزرع و يحصل عنها غلة قدر أجرة الحانوت كان احسن لأن الأرض ادوم وأبقى وأغنى عن كلفة الترميم والتعمير... الخ (ردالمحتار

الواقف عند أبي يوسف ، فيباع نقضه بإذن القاضي و يصرف ثمنه إلى بعض المساجد الخ (أيضاً فيه) قال في البحر و به علم أن الفتوى على قول محمد في آلات المسجد و على قول أبي يوسف في تأبيد المسجد.... الخ. و المراد بآلات المسجد نحو القنديل و الحصير بخلاف أنقاضه لما قدمناه عنه قريباً من أن الفتوى على أن المسجد لايعود ميراثا و لايجوز نقله و نقل ماله إلى مسجد آخر (۵۱۳/۳)۔

حضرت مولانا محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہ تحریر فرماتے ہیں کہ جن مقامات کو مسلمان مساجد کی طرح وقف کرکے شرعی مسجد بنالیتے ہیں، جمہور فقہاء (امام مالک، امام شافعی، امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف وغیرہ) کے نزدیک اس قسم کی جگہوں کا حکم یہ ہے کہ وہ مکان اب قیامت تک کے لئے مسجد بن گیا، اس کو کسی صورت میں بھی بیچنا جائز نہیں ... چنانچہ مسلک شافعی کے امام خطیب شربینی فرماتے ہیں ولو انهدم مسجد و تعذرت إعادته أو تعطل بخراب البلد مثلا لم يعد ملكا ولم يبع بحال.... (مغنی المحتاج ۳۹۲/۲) اور فقہاء مالکیہ میں سے علامہ مواق تحریر فرماتے ہیں "وفي الطرر عن ابن عبدالغفور لايجوز بيع مواضع المساجد الخربة لأنها وقف ولا بأس ببيع نقضها" طرر میں ابن عبدالغفور سے یہ عبارت منقول ہے کہ ویران مساجد کی جگہوں کو بیچنا وقف ہونے کی بناء پر جائز نہیں، البتہ ان کا ملبہ بیچنا جائز ہے (التاج والاکلیل للمواق حاشیہ حطاب ۴۲/۶) (فقہی مقالات اول ص ۲۳۰ تا ۲۳۵)۔

مسجد کے علاوہ دوسرے اوقاف (مدارس، خانقاہیں، قبرستان یا ان پر اور مسجد پر وقف اراضی و مکانات) کو بھی جہاں تک ممکن ہو قانونی طور سے ان کی حفاظت کی کوشش کی جائے، اور اگر ان کی حفاظت کی کوئی صورت نہ ہو اور دوسروں کے غلط قبضہ کا یقین ہو تو ان اوقاف کا زمین یا قیمت لے کر یا دونوں لے کر تبادلہ کرنے کی گنجائش ہے۔

مولانا عبد القیوم پالنپوری

واقفین کا مقصد وقف سے یہی ہوتا ہے کہ مخلوق خدا جائداد موقوف سے فائدہ اٹھائے، لوگوں کی اجتماعی ضرورتوں کی تکمیل ہو جس کے نتیجہ میں خدائے عزوجل ہماری خطاؤں اور لغزشوں کو معاف فرمائے، اور مقصود اصلی آخرت کی کامیابی و کامرانی سے ہمکنار اور بہرہ ور کرے، خواہ وہ انسان اپنی جائداد کو مساجد، مدارس، خانقاہوں وغیرہ میں سے جس نوع پر وقف کرے اس کا مقصود یہی ہوا کرتا ہے جو اوپر لکھا جا چکا ہے۔

موجودہ صورتحال میں سخت ضرورت ہے کہ اراضی موقوفہ کا جائزہ لیکر اس کی ویرانی و بربادی کو ختم کیا جائے، اور اس کی حفاظت کے اسباب مہیا اور فراہم کرکے اسے قابل انتفاع بنایا جائے، جہاں ان اراضی سے ملت کی اجتماعی ضرورتوں کو بروئے کار لانا ہے وہیں واقف کے منشاء ومقصد کی تکمیل بھی ہے۔

مذکورہ بالا تمہید کے بعد مرسلہ سوالوں کے جوابات یہ ہیں:

الف۔ وہ وقف جو اپنا مقصد کھوچکا ہے، ویرانی و بربادی کا شکار ہے، وہ اپنی موجودہ شکل میں ناقابل انتفاع ہے،

جس پر غیروں کا قبضہ وتسلط کا خطرہ یقینی درجہ تک پہونچ چکا ہے تو ایسے اوقاف کو فروخت کر کے مقاصد واقف کا خیال رکھتے ہوئے کسی دوسرے مقام پر جہاں مسلمانوں کی آبادی ہے متبادل وقف قائم کرنے کی اجازت شریعت نے دی ہے، علامہ ابن نجیم مصریؒ ذخیرہ اور منتقی کی عبارت نقل کرنے کے بعد تحریر فرماتے ہیں:

والحاصل أن الموقوف عليه السكنى إذا امتنع من العمارة ولم يوجد مستأجر باعها القاضي واشترى بثمنها ما يكون وقفا (بحر الرائق، ۵؍۲۱۹)

حاصل یہ ہے کہ جس شخص پر رہائش کے لئے وقف کیا جائے اگر وہ خود موقوف مکان کی تعمیر نہ کرائے اور نہ کرایہ دار ملے تو قاضی اس کو بیچ کر اس کی قیمت سے دوسری زمین ومکان خریدے جو وقف قرار پائے گا۔

ب۔ جب مشروط صورت میں اوقاف کی فروختگی کا ثبوت اور اس کا جواز اوپر معلوم ہو چکا تو پھر یہ سوال کہ "کیا ویران اوقاف حکومت یا کسی فرد کے حوالہ کر کے اس کے عوض دوسری زمین ومکان حاصل کر کے ایخ" میرے خیال میں تحصیل حاصل اور عبث ہے۔

جس زمین پر مسجد قائم ہے وہ اوقاف کی زمین اور دیگر اوقاف کی زمین میں فرق یہ ہے کہ بوقت ضرورت تمام اوقاف کی زمینوں کو بالاتفاق فروخت کیا جا سکتا ہے، لیکن امام شیخینؒ کے نزدیک جس زمین پر مسجد قائم ہے اسے کسی حال میں فروخت کرنے کی اجازت نہیں ہے۔

مسجد کے اوقاف اور دیگر یعنی مدارس، قبرستان وغیرہ کے اوقاف میں تبدیلی کا حق صرف قاضی کو ہے کہ قاضی حالات یعنی ضرورت شدیدہ، غیر شدیدہ کا جائزہ لیکر تبدیلی اور عدم تبدیلی کا فیصلہ کرے۔

قال في الذخيرة وفي المنتقى قال هشام سمعت محمداً يقول الوقف إذا صار بحيث لا ينتفع به المساكين فللقاضي أن يبيعه ويشتري بثمنه غيره وليس ذلك إلا للقاضي (بحر ۵؍۲۱۹)۔

مولانا تنویر عالم قاسمی

الف۔ اصل یہ ہے کہ جب کوئی شی شرعی قواعد کے مطابق وقف ہو جائے تو اس کی بیع ناجائز ہوتی ہے، جس زمین کو شرعی مسجد بنادی گئی اس کی بیع کسی حال میں درست نہیں، وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے وقف اور مسجد بن چکی، جائداد منقول جو کہ مسجد کی ملک ہے وہ "" بارے میں مسجد کے حکم میں نہیں، جب مسجد غیر آباد ہو جائے اور کوئی توقع اس کی آبادی کی نہ رہے اور اس جائداد کے ضائع ہونے کا اندیشہ ہو تو اس کی بیع درست ہے، اور ایسی حالت میں بہتر یہ ہے کہ بعینہ اس جائداد کو کسی قریبی مسجد میں صرف کیا جائے، اگر یہ دشوار ہو تو اس کو فروخت کر کے اس کی قیمت کو دوسری مسجد میں صرف کیا جائے، اور غیر آباد مسجد کا احترام باقی رکھنے کے لئے اگر اس کی چہاردیواری نہ ہو تو اس کا احاطہ بنا دیا جائے، جو جائداد غیر منقولہ زمین وغیرہ مسجد کے لئے خریدی گئی، مسجد کے غیر آباد ہونے یا ضرورت شدیدہ پیش آنے کے وقت اس کی بیع اہل محلہ کی رائے سے درست ہے، اور جو جائداد غیر منقولہ خود واقف نے وقف کی ہے اس کی بیع درست نہیں، بلکہ مسجد کے غیر آباد ہونے کی صورت میں اس جائداد کی آمدنی کو دوسری قریبی مسجد پر اہل محلہ کی رائے

سے صرف کرنا درست ہے (فتاوی محمودیہ ۱۹/۶)۔

اصل اور راجح تو عدم جواز نقل ہے، لیکن بعض علماء ضرورت میں جواز کے قائل ہوئے ہیں، سو بلا ضرورت شدیدہ تو اصل مذہب کو چھوڑنا جائز نہیں، اور ضرورت شدیدہ میں گنجائش ہے، اور یہ بھی معلوم ہوا کہ جب ایک مسجد مستغنی عنہ ہو جائے تو اس کا وقف دوسری مسجد میں صرف کرنا بھی جائز ہے (امداد الفتاوی ۷۳۳/۲)۔

ب۔ جس جگہ مسجد قائم ہے اور جس زمین کے رقبہ کو مسجد کے نام سے موسوم کیا گیا ہے اس کی عمارت قائم رہے یا منہدم ہو جائے، اس میں کوئی نماز پڑھے یا نہ پڑھے، اس جگہ کی بستی آباد رہے یا ویران ہو جائے، ہر حال میں وہ جگہ علی الدوام تا قیامت مسجد ہی رہے گی دوسری زمینوں کی طرح فنا نہ ہوگی بلکہ جنت میں پہنچا دی جائے گی، لہذا صورت مسئولہ میں حتی الامکان مسجد کو اپنی حالت پر برقرار رکھنے کی سعی بلیغ کی جائے اور محفوظ کر دیا جائے کہ بے ادبی سے مصئون و محفوظ رہے۔ اگر سامان ضائع ہونے کا اندیشہ ہو تو اسے دوسری مسجد کے لئے ہٹا لیا جائے، اگر عمارت توڑ دئے جانے کا یقین ہو تو اسے بھی توڑ کر دوسری مسجد کے لئے رکھ لیا جائے، اور اصل جگہ محصور کر لی جائے تاکہ بے حرمتی سے محفوظ رہ سکے (رحیمیہ ۱۸۳/۲)، بحالت مجبوری اسکو منظور کیا جا سکتا ہے کہ حکومت اس جگہ کے عوض دوسری مسجد بنوادے (فتاوی رحیمیہ ۱۸۹/۲)۔

مفتی عبدالرحیم قاسمی، بھوپال

وقف کی حقیقت عرفیہ یہ ہے کہ کوئی شخص اپنی زمین و جائداد وغیرہ کو اپنی ملکیت سے نکال کر اللہ تبارک و تعالی کے ملک میں ودیعت کر دے تاکہ وہ شئی موقوف باقی رہے اور اسکے منافع کو حسب تصریح واقف مصارف خیر میں صرف کیا جاتا رہے۔ قرون اولی سے وقف کرنے کا دستور چلا آ رہا ہے، اسلاف کے بہت سارے اوقاف آج بھی مساجد، مدارس، خانقاہوں و مسافر خانوں وغیرہ کی شکل میں موجود ہیں۔

اوقاف کے منافع سے استفادہ حسب تصریح واقف لازم و ضروری ہے جیسا کہ فقہاء کی صراحت ہے کہ شرط الواقف کنص الشارع (رد المحتار ۴۵۶/۳) واقف کی صراحت کے خلاف کسی وقف کا استعمال کرنا جائز نہیں ہے۔

فی زمانہ بہت سارے اوقاف سے استفادہ نا ممکن ہو گیا ہے کیونکہ ان اوقاف کے دور دور تک مسلم آبادی نہیں ہے جو ان سے استفادہ کرے یا مسلم آبادی تو ہے مگر ان اوقاف پر کسی کا غاصبانہ قبضہ ہے، تو ان حالات میں ان اوقاف کی جگہ دوسرے اوقاف قائم کرنا جائز ہوگا یا نہیں اس سلسلہ میں فقہاء کرام کی آراء حسب ذیل ہیں:

استبدال وقف کی تین صورتیں ہیں:

۱۔ واقف وقف کرنے کے وقت استبدال کی شرط اپنے لئے یا دوسرے کے لئے یا اپنے اور دوسرے کے لئے لگائی ہو تو بالاتفاق وقف کا استبدال جائز ہے۔

۲۔ واقف نے وقف کرتے ہوئے استبدال کی نفی کر دی ہو یا استبدال کے متعلق خاموش ہو (نہ اثبات کیا ہو اور نہ نفی) اور وقف اس حالت میں ہو کہ اس سے بالکلیہ نفع حاصل نہیں کیا جا سکتا ہو تو با اجازت قاضی استبدال جائز

ہوگا۔ یا کوئی شخص وقف پر غاصبانہ قبضہ کر لیا ہو یا کوئی ایسا کام کیا ہو مثلاً بند باندھا ہو یا تالاب کی کھدائی کر دیا ہو جس سے موقوفہ زمین سیلابی ہو گئی ہو اور قابل زراعت نہیں رہی، اس وقت غاصب زمین کا ضمان قیمت دے۔ یا غاصب نے تو غصب کر لیا مگر اس کا اعتراف نہیں کرتا اور نہ ہی متولی و قیم کے پاس بینہ ہو تو اس وقت غاصب کچھ دے رہا ہو تو ان صورتوں میں استبدال جائز ہوگا۔

۳۔ واقف نے وقف کرتے وقت استبدال کی شرط نہیں لگائی ہے اور وقف سے فی الجملہ نفع حاصل ہو رہا ہو مگر اس حال میں ہو کہ اس کو فروخت کر کے دوسری جگہ وقف قائم کر دیا جائے تو وقف کی آمدنی بڑھ جائے گی تو اس مقصد کے لئے استبدال اصح قول کے مطابق جائز نہیں ہے۔

خلاصہ یہ کہ استبدال دو صورتوں میں جائز ہے۔ (۱) شرط (۲) ضرورت

ضرورت کی وجہ سے جائز ہے مگر وہ چند شرائط کے ساتھ مشروط ہے

۱۔ وہ وقف بالکلیہ قابل انتفاع نہ ہو

۲۔ مستبدل متولی یا قیم ہو۔

۳۔ استبدال باجازت قاضی ہو۔ ایسے قاضی کی اجازت جس کی دیانت و امانت مسلم ہو اور علم و عمل میں فائق ہو۔

۴۔ فقدان قاضی کی صورت میں جماعت مسلمین کی اجازت سے ہو۔ جماعت مسلمین سے مراد ایسے افراد کی جماعت ہے جو دیانت و امانت وغیرہ کے اعتبار سے معتمد ہوں۔

اعلم ان الاستبدال على ثلاثة وجوه الأول أن يشترطه الواقف لنفسه أو لغيره أو لنفسه وغيره فالاستبدال فيه جائز على الصحيح وقيل اتفاقاً والثاني أن لايشترطه سواء شرط عدمه او سكت لكن صار بحيث لا ينتفع به بالكلية بأن لايحصل منه شئ اصلا ولا يفي بمؤنته فهو أيضا جائز على الأصح إذا كان بإذن القاضي ورأيه المصلحة فيه والثالث أن لا يشرطه أيضا ولكن فيه نفع في الجملة وبدله خير منه ريعاً و نفعاً وهذا لايجوز استبداله على الأصح المختار كذا حرره العلامة قنالي زادة في رسالته الموضوعة في الاستبدال وأطنب فيها عليه الاستدلال وهو ماخوذ من الفتح (ردالمحتار ۳/۳۸۴)۔

وقد اختلف كلام قاضيخان في موضع جوزه القاضي بلا شرط الواقف حيث رأى المصلحة فيه في موضع منع منه ولو صارت الأرض بحال لاينتفع بها و المعتمد انه بلا شرط يجوز للقاضي بشرط أن يخرج عن الانتفاع بالكلية وأن لايكون هناك ريع للوقف يعمر به وأن لايكون البيع بغبن فاحش وشرط في الإسعاف أن يكون المستبدل قاضي الجنة المفسر بذي العلم والعمل لئلا يحصل التطرق إلى إبطال أوقاف المسلمين كما هو الغالب في زماننا (رد

البحر ۳/۲۲۵)۔

حضرت مولانا مفتی رشید احمد لدھیانوی دامت برکاتہم ایک سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں:

سوال: نئی عیدگاہ بننے کے بعد پرانی عیدگاہ بالکل ویران ہے کیا اسے مفت یا قیمتاً خرید کر مدرسہ میں داخل کرنا جائز ہے؟

جواب: اس میں اختلاف ہے کہ عیدگاہ بحکم مسجد ہے یا نہیں، ایسی ضرورت کے موقع پر قول ثانی انسب ہے اور وقف غیر مسجد کا بصورت تعطل استبدال باذن القاضی جائز ہے (شامی ۳/۳۹۹) تحقیق مذکور کے مطابق معطل عیدگاہ کی جگہ مدرسہ بنوانے کی صورت یہ ہو سکتی ہے کہ اس عیدگاہ کے عوض اس کی قیمت کے برابر یا اس سے زیادہ قیمتی زمین کسی قریب تر شہری عیدگاہ کے لئے وقف کی جائے، یہ استبدال باذن قاضی ہو، اور فقدان قاضی کی صورت میں باتفاق جماعت مسلمین واللہ اعلم بالصواب (احسن الفتاویٰ ۶/۴۹۱)۔

حضرت مولانا مفتی عبدالرحیم صاحب لاجپوری مدظلہ ایک سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں:

الجواب: واقف نے وقف نامہ میں فروخت کرنے کی اجازت دی ہو یا وقف اس حالت میں ہو کہ اس سے کوئی نفع حاصل نہ ہو سکے تو فروخت کرنے کی اجازت ہے، اگر کچھ بھی نفع حاصل ہو تو اسے فروخت کرنے کی شرعاً اجازت نہیں ہے۔ شامی میں ہے

(قوله وجاز شرط الاستبدال به) اعلم أن الاستبدال على ثلاثة وجوه الخ (بحوالہ شامی ۳/۵۳۵، فتاویٰ رحیمیہ ۶/۳۷)۔

استاذی حضرت مولانا مفتی محمود حسن گنگوہی ایک سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں:

الجواب: حامداً و مصلیاً! جو زمین مسجد کے مصارف کے لئے وقف ہو چکی ہے اس کی بیع ناجائز ہے اس کی اجازت نہیں کہ اسکو فروخت کر کے اس سے زیادہ آمدنی کی زمین خریدی جائے۔

فإذا تم ولزم لا يملك ولا يملك اى لا يقبل التمليك لغيره بالبيع ونحوه لاستحالة تمليك الخارج عن ملكه (شامی ۳/۵۰۷)

البتہ مسجد کی زمین پر کسی کا غاصبانہ قبضہ ہو جائے اس کی واگذاری کرانا ممکن نہ ہو تو مجبوراً معاوضہ لے کر دوسری زمین خرید کر وقف کر دی جائے، یا اگر وقف شدہ زمین قابل انتفاع نہ رہے تب بھی اجازت ہے کہ اسکو فروخت کر کے اس کی قیمت سے دوسری زمین لے کر اس کو وقف کر دی جائے، جو زمین، مکان، دوکان جو بھی مسجد کا تھا اور اس مجبوری کی وجہ سے فروخت کر دیا گیا اور اب وہ مسجد نہیں رہی اور خریدار نے کوئی اس میں غیر اسلامی حرکت کی تو وہ خود اس کا ذمہ دار ہے نہ کہ متنظمین (فتاویٰ محمودیہ ۱۵/۲۱۹)۔

ایک اور سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں:

الجواب: حامداً و مصلیاً! واقف نے جب کہ وقف نامہ میں جائداد موقوفہ پر ہر قسم کے انتقال کو صراحتاً منع کر دیا ہے

وقف کے لغوی معنی:

الوقف في اللغة الحبس عن التصرف

یعنی تصرف سے روکنے کا نام وقف ہے (الفقہ الاسلامی وادلتہ ۱۵۳/۸)

وقف کی اصطلاحی تعریف:

وقف کی اصطلاحی تعریف میں فقہاء کرام کا اختلاف ہے:

امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک وقف کہتے ہیں عین کا روکنا واقف کی ملکیت میں اور نفع کا صدقہ کرنا جس کو چاہے، حبس العين على ملك الواقف و تصدق بالمنفعة إلى من أحب إليه.

صاحبین کے نزدیک وقف کہتے ہیں عین کا روکنا اللہ تعالیٰ کی ملکیت میں اور اس کے نفع کا صدقہ کرنا جس پر واقف چاہے حبس العين إلى حكم ملك الله تعالى والمنفعة على وجه تعود منفعته إلى العباد (فتاوی ہندیہ ۳۵۱/۲)

اور بحرالرائق میں ہے حبس العين إلى حكم ملك الله تعالى وصرف منفعتها على من أحب. (البحرالرائق ۲۵۲/۵)۔

وقف کے تام اور لازم ہونے اور نہ ہونے میں ائمہ کا اختلاف ہے، امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں وقف دو طریقے سے تام اور لازم ہوتا ہے: (۱) قضاء قاضی کے ذریعہ یعنی قاضی متولی مقرر کردے اور واقف اسے شئی موقوف دیدے۔ (۲) وصیت کے ذریعہ یعنی واقف یہ کہہ دے کہ فلاں چیز میرے مرنے کے بعد مسجد کے لئے یا مدرسے کے لئے وقف ہے۔

ولا يلزم إلا بأحد الأمرين إما أن يحكم به القاضي أو يخرجه مخرج الوصية (شامی ۳۵۸/۳)

ان الإمام لم يقل بكون الوقف جائز غير لازم مطلقا بل هو عنده لازم إذا علقه الواقف بالموت أو قضى به القاضي (شامی ۳۶۱/۳)

امام محمد فرماتے ہیں کہ وقف اس وقت تام اور لازم ہوگا جب کہ واقف شئی موقوف کو متولی کے سپرد کردے تو اس کی ملکیت ختم ہوجائے گی اور وقف تام ہوجائے گا۔ (ہدایہ ۶۳۷/۲)

امام ابویوسفؒ فرماتے ہیں کہ شئی موقوف واقف کی ملکیت سے محض قول سے نکل جاتی ہے، اور وقف تام اور لازم ہوجاتا ہے، مثلاً واقف یہ کہے کہ میں فلاں چیز مسجد یا مدرسے کے لئے وقف کرتا ہوں، تو محض اس کے قول کی بنیاد پر واقف کی ملکیت سے نکل جاتی ہے اور وقف تام اور لازم ہوجاتا ہے، جس طرح اعتاق سے، محض غلام کو یہ کہہ دینے سے کہ میں نے تجھ کو آزاد کیا تو آزاد ہوجاتا ہے۔ (بنایہ شرح ہدایہ ۱۹۳/۶)

امام مالک وشافعی اور اکثر اہل علم علماء کا قول بھی امام ابویوسف کے مطابق ہے اور ان کے یہاں بھی قول

سے وقف تام اور لازم ہو جاتا ہے اور یہی مفتی بہ قول ہے جیسا کہ اوپر کی عبارتوں سے واضح ہے۔

ارکان وقف:

وقف ایسے الفاظ خاصہ کے ذریعہ ہو جو وقف پر دلالت کرے، صاحب بحر الرائق نے اس طرح کے الفاظ تقریباً ستائیس ذکر کئے ہیں، تفصیل کے لئے دیکھئے (البحر الرائق ۵/۲۰۵)

سبب وقف:

تقرب الی اللہ

وقف کے شرائط:

(۱) عقل اور بلوغ کا ہونا، یعنی وقف کرتے وقت واقف کا عاقل و بالغ ہونا۔ (۲) حریت، یعنی واقف کا آزاد ہونا۔ (۳) قربت فی ذاتہ کا ہونا، یعنی شئی موقوفہ کو جس چیز پر وقف کیا جا رہا ہو اس کا فی نفسہ باعث قربت ہونا ضروری ہے۔ (۴) وقف کرتے وقت شئی موقوفہ واقف کی ملکیت میں ہو۔ (۵) واقف بے عقلی اور قرض کی وجہ سے مجور نہ ہو۔ (۶) شئی موقوفہ متعین ہو مجہول نہ ہو۔ (۷) تنجیز ہو معلق نہ ہو، یعنی اس طرح نہ کہا ہو کہ اگر میرا لڑکا آئے گا تو میرا گھر وقف ہے وغیرہ۔ (۸) واقف شئی موقوفہ کو فروخت کر کے اپنے مصرف میں ثمن خرچ کرنے کی شرط نہ لگایا ہو۔ (۹) واقف نے وقف کرتے وقت خیار شرط نہ لگایا ہو۔ (۱۰) تابید یعنی شئی موقوفہ کو ہمیشہ ہمیش کے لئے وقف کیا ہو۔ یہ شرط تمام ائمہ کے نزدیک ہے، لیکن امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ اس کا وقف کرتے وقت ذکر کرنا ضروری نہیں ہے، فتوی بھی امام ابو یوسفؒ ہی کے قول پر ہے۔

الصحیح أن التابید شرط اتفاقاً لکن ذکرہ لیس بشرط عند أبی یوسفؒ وعند محمدؒ لابد أن ینص علیہ (شامی ۳/۳۶۵)

(۱۱) واقف ایسی جہت ذکر کرے جو کبھی بھی ختم ہونے والی نہ ہو۔ (۱۲) غیر منقولی اشیاء ہو جیسے زمین، گھر وغیرہ منقولی اشیاء نہ ہو، البتہ امام ابو یوسفؒ کے نزدیک منقولی اشیاء کا بھی وقف جائز ہے (فتاوی ہندیہ ۲/۳۵۷)

وقف کے متعلق جوابات دینے سے قبل بطور تمہید تبادلہ وفروخت کے سلسلہ میں کچھ باتیں عرض کی جاتی ہیں جن کو حضرت علامہ شامیؒ نے ذکر کیا ہے تاکہ سوالات کے جوابات سمجھنے میں آسانی ہو۔

تبادلہ اور خرید وفروخت کی قسمیں:

شئی موقوف کے تبادلہ اور خرید وفروخت کی پانچ صورتیں ہو سکتی ہیں

پہلی قسم: واقف نے بوقت وقف شرط لگا دی ہو کہ متولی یا میں خود اگر تبادلہ یا فروخت کی ضرورت محسوس کروں تو تبادلہ یا فروخت کر سکتا ہوں تو ایسی صورت میں شئی موقوف کا تبادلہ اور فروخت جائز ہے۔ (شامی ۳/۳۸۷)

دوسری قسم: واقف نے تبادلہ کی کوئی شرط نہ لگائی ہو نہ ہی اپنے لئے اور نہ ہی کسی غیر کے لئے، لیکن شئی موقوف بالکل ناقابل انتفاع ہے تو اس کو فروخت کر کے اس کی جگہ پر دوسرا وقف قائم کرنا یا اس کا تبادلہ کسی دوسری شئی سے درست

ہوگا، لیکن تبادلہ یا فروخت کرنے کا اختیار ہر کس و ناکس کو نہیں ہوگا بلکہ قاضی شریعت جو ذی علم با عمل ہو، اور قاضی شریعت کے مفقود ہونے کی صورت میں جماعت مسلمین جو دین دار اور ذی علم ہوں ان کی اجازت سے تبادلہ یا فروخت جائز ہوگا۔ (شامی ۳/ ۳۸۸)

تبادلہ وفروخت کی تیسری صورت:

واقف نے شرط نہیں لگائی اور شئ موقوف بالکل ناقابل انتفاع بھی نہیں ہے لیکن جس شئ سے موقوف شئ کا تبادلہ کیا جا رہا ہے وہ زیادہ نفع بخش ہے تو اس صورت میں امام ابو یوسفؒ کا قول یہ ہے کہ استبدال جائز ہے، بعض حضرات نے اسی پر فتویٰ نقل کیا ہے، لیکن علامہ شامی نے صحیح اور معتمد قول یہ نقل کیا ہے کہ اس طرح کا تبادلہ جائز نہیں ہے اور خود ان کا رجحان بھی عدم جواز کی طرف ہے، اس لئے کہ اس زمانے میں قاضی حضرات میں پوری دیانت داری نہیں تھی جس کی وجہ سے حیلہ بہانے کے ذریعہ اوقاف میں خرد برد کر دیا کرتے تھے، اس طرح اوقاف ضائع ہو جایا کرتے تھے، اور ہر متولی کے اندر اتنی صلاحیت بھی نہیں تھی کہ وقف کے مسئلہ کو صحیح ڈھنگ سے پیش کر سکے، اب اس وقت کے حالات کے پیش نظر امام ابو یوسفؒ کے قول پر عمل کرنا جیسا کہ بعض حضرات نے فتویٰ بھی نقل کیا ہے، زیادہ بہتر اور اقرب الی الفقہ معلوم ہوتا ہے، لیکن اس میں بھی قاضی شریعت جو ذی علم اور باعمل ہو اور قاضی کے مفقود ہونے کی صورت میں جماعت مسلمین جو دین دار اور احوال وقف سے واقف ہو ان کی اجازت ضروری ہوگی۔

استبدال کی چوتھی صورت:

شئ موقوفہ کو غاصب نے غصب کر لیا اور اس پر پانی بہا دیا، یہاں تک کہ وہ دریا ہو گیا اور قابل زراعت نہیں رہا تو غاصب اس کے قیمت کا ضامن ہوگا اور متولی اس سے دوسری زمین خرید کر وقف کرے۔ (فتح القدیر ۵/ ۵۸، شامی ۳/ ۳۸۹)

استبدال کی پانچویں صورت:

غاصب نے زمین غصب کیا اور وہ انکار کرتا ہے اور اس پر کوئی بینہ نہیں ہے اور غاصب کچھ رقم متولی کو دیتا ہے تو متولی اس رقم سے دوسری زمین خرید لے تو اس طرح کا تبادلہ اور فروخت جائز ہے۔ (شامی ۳/ ۳۸۹)

علامہ شامیؒ کے تبادلہ کی ان صورتوں کو ذکر کرنے کے بعد اب فقہ اکیڈمی کے سوالات کے جوابات پیش خدمت ہیں:

الف۔ ایسے اوقاف جہاں سے مسلمانوں کی آبادی منتقل ہو جانے کی وجہ سے ویران ہو چکا ہو اور دور دور تک مسلمانوں کی آبادی نہ ہونے کی وجہ سے اوقاف کو آباد کرنا اور واقف کے مقاصد کے مطابق اسے بروئے کار لانا ناقابل عمل ہو گیا ہو تو ایسے اوقاف کو فروخت یا تبادلہ کرکے دوسرے مقام پر جہاں مسلمانوں کی آبادی ہو وہاں مقاصد واقف کا خیال رکھتے ہوئے دوسرا متبادل وقف قائم کیا جا سکتا ہے اس کی گنجائش ہے، یہ صورت علامہ شامیؒ کے ذکر کردہ تبادلہ کی بالکل دوسری صورت ہے۔

الثاني أن لا يشرطه سواء شرط عدمه أو سكت لكن صار بحيث لا ينتفع به بالكلية بأن لا يحصل منه شيء أصلا أو لا يفي بمؤنته فهو جائز على الأصح إذا كان بإذن القاضي ورأيه المصلحة فيه (شامی ۳/۳۸۶)

ب۔ اسی طرح ویران اوقاف کو کسی فرد یا حکومت کے حوالہ کر کے اس کے عوض دوسری جگہ یا زمین حاصل کر کے تبادل وقف مقاصد واقف کا خیال رکھتے ہوئے کیا جا سکتا ہے ان دونوں صورتوں میں قاضی شریعت یا جماعت مسلمین کی اجازت شرط ہوگی۔

مسجد اور دوسرے اوقاف میں فرق ہے، تبادلہ یا فروخت مسجد کے علاوہ اوقاف میں کیا جا سکتا ہے، مسجد گرچہ آبادی ختم ہو جانے کی وجہ سے ویران ہوگئی ہو، منہدم ہوگئی ہو پھر بھی وہ قیامت تک مسجد ہی رہے گی عمارت کے منہدم ہو جانے سے مسجدیت ختم نہیں ہوتی۔

ولو خرب ما حوله واستغني عنه يبقى مسجدا عند الإمام والثاني أبدا إلى قيام الساعة وبه يفتى (حاوی قدسی درمختار ۳/۴۷۱)

عند الإمام والثاني فلا يعود ميراثا ولا يجوز نقله ونقل ماله إلى مسجد آخر سواء كانوا يصلون فيه أو لا وهو الفتوى حاوي القدسي (شامی ۳/۴۷۱)

مولانا محمد مسعود عالم قاسمی

الف، ب، ہم اوقاف جن سے واقف کے مقاصد پورے نہ ہو رہے ہوں تا قابل عمل امر ہو ایسے اوقاف کو فروخت کر کے مقاصد واقف کا خیال رکھتے ہوئے کسی دوسرے مقام پر جہاں مسلمانوں کی آبادی ہے تبادل وقف قائم کیا جا سکتا ہے۔

ڈاکٹر قدرت اللہ باقوی

الف۔ اوقاف کے سلسلے میں اگر واقف نے وقف نامہ میں فروخت کرنے کی اجازت دی ہو یا وقف کی حالت میں ہو کہ اس سے کوئی نفع حاصل نہ ہو سکے یا وقف کے تحفظ کی کوئی صورت باقی نہ رہے اور اس پر غاصبانہ قبضہ ہو کر مقصد وقف ہی کے باطل ہو جانے کا خطرہ ہو تو مجبوراً دوسری زمین سے اس کا تبادلہ کیا جائے یا اسے فروخت کر کے مقاصد واقف کا خیال رکھتے ہوئے کسی دوسرے مقام پر جہاں مسلمانوں کی آبادی ہو تبادل وقف قائم کیا جائے۔

اعلم أن الاستبدال على ثلاثة وجوه: الأول أن يشرطه الواقف لنفسه أو لغيره أو لنفسه وغيره فالاستبدال فيه جائز على الصحيح وقيل اتفاقا والثاني أن لا يشرطه سواء شرط عدمه أو سكت لكن صار بحيث لا ينتفع به بالكلية بأن لا يحصل منه شيء أصلا أو لا يفي بمؤنته فهو أيضا جائز على الأصح إذا كان بإذن القاضي ورأيه المصلحة فيه والثالث أن لا يشرطه أيضا ولكن فيه نفع في الجملة وبدله خير منه ريعا ونفعا وهذا لا يجوز استبداله على الأصح المختار كذا حرره العلامة قنالي زاده (شامی ۳/۳۸۶، فتاوی محمودیہ ۱۴/۳۸۹، فتاوی رحیمیہ ۶/۱۷۸)۔

ب۔ وقف کے احکام بہت نازک ہیں واقف کی غرض اور مقصد کا لحاظ اور اس کی شرائط کی پابندی ضروری ہے، لہٰذا جن صورتوں میں شریعت نے ویران اور ناقابل استعمال اوقاف کو فروخت کرنے کی اجازت دی ہے ان صورتوں میں مقاصد واقف کا خیال رکھتے ہوئے کسی دوسرے مقام پر جہاں ضرورت ہو متبادل وقف قائم کرنا چاہئے۔ واقف کے مقاصد کی پابندی کے بغیر ان اوقاف کی قیمت سے مسلمانوں کے تعلیمی یا رفاہی ادارے قائم کرنا جائز نہیں ہے۔

فإذا تم ولزم لايملك ولايملك ولايعار ولا يرهن (درمختار) (قوله لايملك) اى لا يكون مملوكا لصاحبه ولا يملك اى لايقبل التمليك لغيره بالبيع ونحوه لاستحالة تمليك الخارج عن ملكه ولا يعار ولا يرهن لاقتضاء هما الملك درر ويستثنى من عدم تمليكه مالو اشترط الواقف استبداله (شامی ۳/۳۶۷)

وان اختلف أحدهما بأن بنى رجلان مسجدين أو رجل مسجداً و مدرسةً ووقف عليهما أوقافا لا يجوز له ذلك (درمختار) (قوله لا يجوز له ذلك) اى الصرف المذكور (شامی ۳/۳۷۶) (احسن الفتاوی ۶/۴۲۲) (فتاوی محمودیہ ۱۸/۱۸۶)

مولانا عبد اللطیف پالنپوری

اوقاف کے سلسلہ میں حضرات فقہاء کے کلام کو پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ چند شرائط انہیں فروخت کر کے مقاصد واقف کا خیال رکھتے ہوئے کسی دوسرے مقام پر جہاں مسلمانوں کی آبادی ہے متبادل وقف قائم کیا جاسکتا ہے، اب وہ شرائط کیا ہیں؟ تو اس سلسلہ میں علامہ ابن نجیم علیہ الرحمہ نے الاشباہ والنظائر میں اور علامہ شامی نے "ردالمحتار" میں شرح وبسط سے کلام کیا ہے جس کا خلاصہ مندرجہ ذیل ہے:

(۱) اگر واقف نے وقف کے دوران ہی اپنے لئے یا کسی دوسرے شخص کے لئے استبدال کی شرط رکھی ہو تو صحیح قول کے مطابق بلاشبہ استبدال جائز ہے۔

واعلم أن الاستبدال على ثلاثة وجوه: الأول ان يشرطه الواقف لنفسه أو لغيره أو لنفسه وغيره فالاستبدال فيه جائز على الصحيح وقيل اتفاقا (ردالمحتار ۳/۴۲۳، وكذا فی الفتاوی العالمگیریہ ۲/۳۹۹)

(۲) دوسری صورت یہ ہے کہ واقف نے استبدال کی تو شرط نہ لگائی ہو، لیکن وہ وقف بالکل ویران ہو کر رہ گیا ہو اور اس سے منتفع ہونے کی امید نہ ہو تو ایسی صورت میں بھی اصح قول کے مطابق استبدال جائز ہے۔

"والثانی ان لا يشرطه سواء شرط عدمه او سكت لكن صار بحيث لا ينتفع به بالكلية بأن لا يحصل منه شئ أصلا أو لا يفی بمؤنته فهو أيضا جائز على الصحيح إذا كان بإذن القاضی ورأيه المصلحة فيه" (ردالمحتار ۳/۴۲۳)

(۳) تیسری صورت یہ ہے کہ نہ واقف نے استبدال کی کوئی شرط لگائی اور نہ ہی وقف ویران ہوا ہے، بلکہ

اس کو باقی رکھتے ہوئے کچھ نہ کچھ اس سے فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے تو اس صورت میں اصح اور مختار قول یہ ہے کہ استبدال جائز نہیں ہے۔

" والثالث ان لا يشرطه ايضا ولكن فيه نفع في الجملة وبدله خير منه ريعا ونفعا وهذا لا يجوز استبداله على الأصح المختار كذا حرره العلامة قنالي زاده في رسالته الموضوعة في الاستبدال وأطنب فيها عليه الاستدلال وهو مأخوذ من الفتح . الخ (رد المحتار ۳/۴۲۴)

(۴) چوتھی صورت یہ ہے کہ واقف کے بعد اراضی موقوفہ کو کسی غاصب نے قبضہ کر کے ایسا تصرف کر دیا کہ وہ اراضی ناقابل کاشت ہو گئی، یا غاصب نے اس کے وقف میں ہونے کا انکار کر دیا اور اس پر متولی کے پاس کوئی بینہ نہیں ہے، لیکن غاصب قیمت دینا چاہتا ہے تو ان صورتوں میں بھی متولی کے لئے جائز ہے کہ غاصب سے قیمت لے کر ان اراضی موقوفہ کے بدلے میں دوسری جگہ زمین خرید لے۔

في رد المحتار نقلا عن الاشباه والنظائر (قولها إلا في أربع) الأولى لو شرطه الواقف ، الثانية إذا غصبه غاصب وأجرى عليه الماء حتى صار بحرا فيضمن القيمة ويشترى المتولي بها أرضا بدلا ، الثالثة أن يجحده الغاصب ولا بينة اي وأراد دفع القيمة فللمتولي أخذها ويشترى بها بدلا " (رد المحتار ۳/۴۲۹، الاشباہ والنظائر ۱۰۳ تا ۱۰۴، فتاوی خانیہ ۳/۳۰۰، فتاوی بزازیہ ۳/۲۵۶)

(۵) پانچویں صورت یہ ہے کہ اراضی موقوفہ کو کوئی شخص لینے کا خواہش مند ہے، اور وہ اس کے بدلے اس سے بہتر اور زیادہ پیداوار والی زمین دینا چاہتا ہے تو حضرت امام ابو یوسف علیہ الرحمۃ کے نزدیک اس صورت میں بھی استبدال جائز ہے، اور حضرات فقہاء نے اس قول کو مفتی بہ بھی قرار دیا ہے۔

في الاشباه: الرابعة أن يرغب إنسان فيه ببدل أكثر غلة وأحسن وصفا فيجوز على قول أبي يوسف وعليه الفتوى كما في فتاوى قارئ الهداية (الاشباہ والنظائر ۱۰۳ تا ۱۰۴، ومثلہ فی رد المحتار ۳/۴۲۹)

مذکورہ تفصیل سے معلوم ہوا کہ حضرات فقہاء نے لوگوں کے بدلتے ہوئے حالات کو پیش نظر رکھ کر چند شرائط کے ساتھ استبدال کو جائز قرار دیا ہے اور ساتھ ہی قول جواز کے مفتی بہ ہونے کی تصریح فرمائی ہے، علامہ ابن الہمام نے بھی مختصراً استبدال کے جواز پر کلام کیا ہے، لکھتے ہیں:

والحاصل أن الاستبدال إما عن شرط الاستبدال أولا عن شرطه فإن كان لخروج الوقف عن انتفاع الموقوف عليهم فينبغي أن لا يجوز لأن الواجب إبقاء الوقف على ما كان عليه دون زيادة ولأنه لا موجب لتجويزه لأن الموجب في الأول الشرط وفي الثاني الضرورة ولا ضرورة في هذا (في الثالث) إذ لا تجب زيادة بل تبقيه كما كان (قال ابن عابدين) أقول ما قاله هذا المحقق هو الحق الصواب (رد المحتار ۳/۴۲۷، بحوالہ فتح القدیر)

لیکن صاحب شرح وقایہ نے کتاب الوقف میں استبدال کے سلسلہ میں حضرات صاحبین کا اختلاف درج کرنے کے بعد لکھا ہے:

ونحن لا نفتي به فقد شاهدنا في الاستبدال من الفساد وما لا يعد لا يحصى فإن ظلمة القضاة جعلوه حيلة إلى إبطال أكثر أوقاف المسلمين وفعلوا ما فعلوا (شرح وقایہ ۲؍۳۵۳-۳۵۴)

(ہم اس کا فتویٰ نہیں دیتے اس لئے کہ ہم نے استبدال کی صورت میں جو فساد دیکھا ہے اس کو بیان نہیں کیا جا سکتا، ظالم قاضیوں نے اس کو اوقاف کے ختم کرنے کا ایک بہانہ بنا لیا ہے اور پھر جو سمجھ میں آیا کیا)۔

مندرجہ سطور میں صدر الشریعہ علیہ الرحمہ نے استبدال کی صورت میں جن مفسدات کی طرف اشارہ کیا ہے، ان مفسدات کی پیش بندی کے لئے حضرات فقہاء نے آٹھ شرطوں کا ذکر کیا ہے:

(۱) پہلی شرط یہ ہے کہ وقف ویران ہو گیا ہو اور اس کی آمدنی اور اس کا نفع بالکل ختم ہو گیا ہو۔

(۲) دوسری شرط یہ ہے کہ اس جگہ وقف کی کوئی دوسری بلند جگہ نہ ہو کہ جہاں دوسری تعمیر ہو سکے۔

(۳) وقف کی بیع اور اس کا استبدال غبن فاحش (بہت زیادہ خسارہ) کے ساتھ نہ ہو۔

(۴) بدلنے والا قاضی علم وعمل دونوں کا جامع ہو۔

(۵) اراضی موقوفہ کا تبادلہ دوسری زمین ہی سے ہو، دراہم ودنانیر روپے پیسے سے نہ ہو اس لئے کہ اس صورت میں خطرہ ہے کہ کہیں بدلنے والے لوگ استبدال سے پہلے ہی روپے کو ہضم نہ کر جائیں۔

(۶) وقف کا تبادلہ ایسے شخص سے نہ کیا جائے جس کی شرعاً شہادت قبول نہیں ہوتی ہے، اور نہ ایسے شخص سے کیا جائے جس کا دین (قرض) بدلنے والے پر ہو، کیونکہ خطرہ ہے کہ بدلنے والا کہیں وقف کو دین کے عوض نہ فروخت کر دے، حالانکہ حضرت امام ابو یوسف علیہ الرحمہ نے وقف کی بیع سامان کے عوض کرنے کو ناجائز قرار دیا ہے، پھر وہ کیونکر دین کے عوض وقف کے فروخت کرنے کا فتویٰ دیں گے۔

(۷) ساتویں شرط یہ ہے کہ ایک وقف کا تبادلہ دوسرے وقف سے ایک ہی محلہ کے اندر کیا جائے، اور اگر دوسرے محلہ کے اندر کیا جائے تو شرط یہ ہے کہ وہ محلہ پہلے محلہ سے بہتر ہو، اگر بہتر نہ ہو تو پھر تبادلہ جائز نہیں ہے۔

(۸) آٹھویں شرط علامہ قنالی زادہ نے یہ ذکر کی ہے کہ بدل اور مبدل منہ ایک ہی جنس سے ہو، لیکن علامہ شامی فرماتے ہیں کہ بظاہر اس شرط کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ جہاں تبادلہ کی صورت میں خرچ کم ہو اور آمدنی زیادہ آئے تو یہ اچھی بات ہے، یاد رہے کہ حضرات فقہاء نے جس طرح بعض صورتوں میں واقف کو استبدال کی اجازت دی ہے اسی طرح قاضی کو بھی اجازت دی ہے، لیکن صاحب فتاویٰ قاضی خان کا کلام قاضی کے سلسلہ میں مختلف ہے۔

ایک جگہ انہوں نے بغیر واقف کی شرط کے مطلقاً قاضی کو استبدال کی اجازت دی ہے کہ جہاں وہ مصلحت دیکھے وقف کا استبدال کرے، لیکن دوسری جگہ مطلقاً منع کیا ہے، اگرچہ وقف ویران ہی کیوں نہ ہو جائے۔

لیکن مفتیٰ بہ قول یہ ہے کہ بغیر کسی شرط کے قاضی کے لئے استبدال کی شرعاً اجازت ہے جب کہ وہ مندرجہ

یا شرطوں کا لحاظ کرکے استبدال کرے، البتہ فقہ کی مشہور کتب "اسعاف" سے نقل کرتے ہوئے فتاوی عالمگیری اور رد المحتار میں لکھا ہے کہ قاضی علم و عمل دونوں کا پیکر ہو، تا کہ ظالم قاضیوں کی طرف سے اوقاف مسلمین کے ابطال کا جو خطرہ اور صدر الشریعہ علیہ الرحمہ کی طرف سے پیش کیا گیا ہے وہ سامنے نہ آئے۔

یہاں پر یہ بات ملحوظ رہے کہ مساجد و مقابر کے اوقاف کا تبادل اگرچہ وہ ویران ہی کیوں نہ ہو جائیں شرعاً جائز نہیں ہے۔

سئل القاضي الإمام شمس الائمة محمود الأوزجندي عن مسجد لم يبق له قوم و خرب ما حوله واستغنى الناس عنه هل يجوز جعله مقبرة قال لا وسئل هو أيضا عن المقبرة في القرى إذا اندرست ولم يبق فيها أثر الموتى لا العظم الخ (فتاوی ہندیہ ۲/۴۷۰، ۴۵۵-۵۶، ہدایہ ۲/۴۳۵، المبسوط ۱۲/۴۳۵، بزازیہ ۳/۲۷۰)۔

الف۔ ایسے اوقاف کو فروخت کرکے مقاصد واقف کا خیال رکھتے ہوئے کسی دوسری جگہ پر جہاں مسلمانوں کی آبادی ہو متبادل وقف قائم کیا جا سکتا ہے، ایسے مراحل و نوازل کے مواقع کے سلسلہ میں صاحب فتاوی خانیہ علیہ الرحمہ لکھتے ہیں:

قال إذا ضعفت الأرض الموقوفة عن الاستغلال والقيم يجد بثمنها أرضا أخرى هي أنفع للفقراء وأكثر ريعا كان له أن يبيع هذه الأرض ويشترى بثمنها أرضا أخرى جوز رحمه الله تعالى استبدال الأرض بالأرض (الفتاوی الخانیہ ۳/۳۰۷)

وقال شمس الأئمة السرخسي في المبسوط: ومن ذلک أنه إذا شرط في الوقف أن يستبدل به أرضا أخرى إذا شاء ذلک فهو جائز عند أبي يوسف وعند محمد وهو قول أهل البصرة الوقف جائز والشرط باطل لأن هذا الشرط لا يؤثر في المنع من زواله والوقف يتم بذلک ولا ينعدم به معنى التأبيد في أصل الوقف فيتم الوقف بشروطه ويبقى الاستبدال شرطا فاسدا فيكون باطلا في نفسه كالمسجد إذا شرط الاستبدال به أو شرط أن يصلي فيه قوم دون قوم فالشرط باطل واتخاذ المسجد صحيح فهذا مثله (المبسوط ۱۲/۴۱-۴۲)

ب۔ ویران اوقاف کو حکومت کے بجائے کسی فرد کے حوالہ کرکے اس کے عوض میں دوسری زمین یا مکان حاصل کرکے مقاصد وقف کو جاری رکھنے کی شکل شرعاً اختیار کی جا سکتی ہے، قال ابن عابدین الشامی فی رد المحتار:

فلو استبدل الحانوت بأرض تزرع ويحصل منها غلة قدر أجرة الحانوت كان أحسن لأن الأرض أدوم وأبقى وأغنى عن كلفة الترميم والتعمير بخلاف الموقوفة للسكنى لظهور أن قصد الواقف الانتفاع بالسكنى (رد المحتار ۳/۴۲۵)

حضرات فقہاء کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ مساجد و مقابر موقوفہ اور دیگر اوقاف میں فرق ہے، مساجد و

مقابر موقوفہ کا تو تبادلہ کسی حال میں جائز نہیں ہے، البتہ دیگر عام ویران اوقاف کا تبادلہ شرعاً کیا جا سکتا ہے، نیز مسجد و مدرسہ، حوض وغیرہ کے اوقاف کا حکم عام اوقاف کا ہے کہ ان کا تبادلہ شرائط استبدال کے ساتھ جائز ہے۔

قال ومن اتخذ أرضه مسجدا لم يكن له أن يرجع فيه ولا يبيعه ولا يورث عنه لأنه يحرز عن حق العباد وصار خالصاً لله تعالى الخ (ہدایہ ۲/۶۲۵)

والظاهر ان حكم عمارة أوقاف المسجد والحوض والبئر وأمثالها حكم الوقف على الفقراء (رد المحتار ۳/۴۱۹)

مولانا محمد مصطفیٰ قاسمی

موقوف شی خالص اللہ کی ملکیت ہوتی ہے، اس میں دوام وثبات ہوتا ہے، وقف کی اصل حضرت ابراہیم کی ذات اقدس ہے، انہوں نے بیت اللہ شریف اور خانہ کعبہ کی زمین وقف کر کے خانہ کعبہ تعمیر فرمایا تھا (حاشیہ شرح وقایہ دربیان وقف) علامہ ابن ہمام نے صیغہ تمریض استعمال کرتے ہوئے یہ بات بھی کہی ہے کہ ارض کعبہ اس سے قبل ہی سے موقوف تھی۔

وقف صدقات ہی کی طرح خالص اللہ کی ملکیت ہوتی ہے، پھر اللہ کی جانب سے بندے اس کے مستحق ہوتے ہیں، وقف کے اندر اصل یہی ہے کہ وقف ایسی چیزوں کی ہونی چاہئے جس میں دوام ہوتا ہے اور زوال کو قبول نہیں کرتا ہے، بایں وجہ منقولی اشیاء کا وقف درست نہیں ہے، گرچہ شروط وقیود کے ساتھ منقولی اشیاء کا وقف بھی درست ہے، اب وقف کا جو بھی پہلو اختیار کیا جائے خواہ وہ غیر منقولی ہو یا منقولی ہو، ہر پہلو میں منافع للناس ہی مضمر اور پوشیدہ ہے، پھر وقف میں تملیک شرط ہے یعنی مالک بنانا، جس طرح صدقات وزکوۃ میں تملیک شرط ہے، یہ بات دیگر ہے کہ صورتوں میں قدرے اختلاف اور تفاوت ہے۔

اس تمہید وتقدیم کے بعد اب اوقاف کے بارے میں عرض یہ ہے کہ بہت سے وہ اوقاف جو مسلمانوں کی آبادی منتقل ہو جانے کی وجہ سے ویران ہو چکے ہیں، یا وہ اوقاف جہاں بھی ہیں وہاں دور تک مسلمانوں کی آبادی نہ ہونے کی وجہ سے ان اوقاف کو آباد کرنا اور واقف کے مقاصد کے مطابق بروئے کار لانا ناقابل عمل ہو گیا، اس میں مساجد ومقابر خانقاہیں ہر طرح کے اوقاف ہیں، ایسے اوقاف پر حکومت اور غیر مسلمانوں کا قبضہ بڑھتا جا رہا ہے۔

الف۔ ایسی صورتوں میں ایسے اوقاف کو فروخت کر کے مقاصد وقف کا خیال رکھتے ہوئے کسی دوسرے مقام پر جہاں مسلمانوں کی آبادی ہے متبادل وقف قائم کیا جا سکتا ہے اور منشاء حدیث کے خلاف بھی نہیں ہے۔

ب۔ ایسے ویران اوقاف حکومت یا کسی فرد کے حوالے کر کے اس کے عوض کسی دوسری زمین یا مکان حاصل کر کے مقاصد وقف کے جاری کرنے کی شکل اختیار کی جا سکتی ہے۔

مولانا اخلاق الرحمن قاسمی

اسلام ایک مکمل دین اور کامل دستور العمل ہے، جس میں انسان کے زندگی گذارنے کے لئے تمام اسباب

وسائل فراہم اور مہیا ہیں۔ مذہب اسلام کا ایک خاص وصف یہ ہے کہ اس نے انسان کے معاشی مشکلات اور اقتصادی پریشانی کو دور کرنے کے لئے مختلف مدات کو متعین کیا ہے تاکہ انسان صحیح طریقے سے زندگی گذار سکے۔ ان مدات میں ایک اہم شعبہ اوقاف کا ہے جس میں ایک شخص اپنی جائداد کو للہ فی اللہ وقف کرتا ہے تاکہ محتاج وضرورت مند اپنی ضرورتوں کو پوری کرسکیں۔ اسکے ساتھ ہی موجودہ دور میں حکومت اور متولیان وقف کی بے راہ روی اور حرص وہوس کی وجہ سے اوقاف کے چند نئے مسائل ابھر کر سامنے آگئے ہیں۔ ذیل میں ان سوالوں کے جوابات جدید وقدیم فقہ وفتاویٰ کی کتابوں سے دئے جارہے ہیں۔ (واللہ من وراء القصد وهو يهدي السبيل)

الف۔ ایسے اوقاف کو جو مسلمانوں کی آبادی کے منتقل ہوجانے کی وجہ سے ویران ہوچکے ہیں اور جن مقامات پر وہ اوقاف ہیں اگر وہاں دور دور تک مسلمانوں کی آبادی نہ ہو، اور واقف کے مقاصد کو بروئے کار لانا ناقابل عمل ہوگیا ہو تو ایسے اوقاف کو فروخت کرکے مقاصد واقف کا خیال رکھتے ہوئے کسی دوسرے مقام پر جہاں مسلمانوں کی آبادی ہو متبادل وقف قائم کیا جاسکتا ہے، لیکن یہ اس صورت میں ہے جب اوقاف کے ضائع ہوجانے کا ظن غالب ہو، یا بالکل ہی ناقابل انتفاع ہوجائیں، تو فروخت کرکے ان کے بدلے میں متوازی وسائل دوسری چیزیں خرید کر وقف کردی جائیں۔

قال هشام سمعت محمدا يقول الوقف إذا صار بحيث لا ينتفع به المساكين فللقاضي أن يبيعه ويشتري بثمنه غيره وليس ذلك إلا للقاضي (بحر الرائق ج۵ ص۲۰۲)

ہشام کہتے ہیں کہ امام محمدؒ سے کہتے ہوئے سنا کہ جب وقف اس پوزیشن میں ہوجائے کہ اس سے مساکین فائدہ نہ اٹھاسکیں تو قاضی کو حق ہے کہ وہ اسکو بیچ دے اور اس کی قیمت سے اسی کے متوازی خرید لے۔ یہ حق صرف قاضی ہی کو ہے۔

عن شمس الأئمة الحلواني ينقل الذخيرة حين سئل عن أوقاف المسجد إذا تعطلت هل للمتولي أن يبيعه ويشتري مكانه أخرى قال نعم. والمختار أنه يجوز بيعها إن احتاجوا إليه قال الفقيه أبو جعفر ينبغي أن يكون ذلك بأمر الحاكم احتياطا في موضع الخلاف (بحر الرائق ج۵ ص۲۰۲)

شمس الائمہ حلوانی نقل کرتے ہیں، جب ان سے اس مسجد کے اوقاف کے بارے میں سوال کیا گیا جو معطل اور بیکار ہو، کیا متولی کو یہ حق ہے کہ وہ اس کو بیچ کر دوسری خرید لے تو انہوں نے کہا ہاں، اور مناسب اور درست یہ ہے کہ بیچنا جب واقعتا ضروری ہو تو جائز ہے۔ فقیہ ابو جعفر کہتے ہیں کہ مناسب یہ ہے کہ مختلف فیہ مقامات میں یہ حکم حاکم کی اجازت سے ہو۔

ب۔ ویران اوقاف حکومت یا کسی فرد کے حوالے کرکے اس کے عوض دوسری زمین یا مکان حاصل کرکے مقاصد وقف کو جاری کرنے کی شکل اختیار کی جاسکتی ہے لیکن عمومی صورت میں نہیں، یہ اس صورت میں ہے جب اوقاف پر

حکومت اور غیر مسلموں کا قبضہ بڑھتا جا رہا ہو اور جن مقامات پر وہ اوقاف ہوں ان کو آباد کرنا ناممکن ہو گیا ہو۔

مولانا قمر الزماں ندوی

سوالات کے جوابات تحریر کرنے سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ استبدال وقف کے شرائط و حالات پر ایک نظر ڈال لی جائے تاکہ آگے مسائل کے حل کرنے اور اسے اچھی طرح سمجھنے میں مدد مل سکے۔

حنفی نقطہ نظر:

احناف کے نزدیک شرائط استبدال وقف تین ہیں:

۱۔ ایک تو یہ کہ واقف نے خود اپنے لئے یا کسی دوسرے شخص کے لئے یا اپنے ساتھ ساتھ دوسرے کے لئے بھی استبدال کی شرط لگا دی ہو، بایں طور کہ جب چاہیں گے اس وقف کا تبادلہ کر دیں گے، تو اس صورت میں استبدال جائز ہوگا۔

۲۔ دوسری صورت یہ ہے کہ واقف نے کوئی شرط نہیں لگائی، بایں طور کہ بالکل خاموش رہا یا عدم استبدال کی صراحۃً شرط لگا دی، لیکن آگے چل کر وقف کی ایسی حالت ہو گئی کہ یا تو اس سے بالکلیہ استفادہ مفقود ہو گیا ہے یا صرف اتنا فائدہ ہوتا ہے کہ وہ سارا کا سارا وقف شدہ چیز کے خرچ میں صرف ہو جاتا ہے، تو ایسی صورت میں بھی استبدال وقف جائز ہے۔

۳۔ تیسری صورت یہ ہے کہ واقف نے کوئی شرط نہیں لگائی، بایں طور کہ بالکل خاموش رہا یا عدم استبدال کی شرط لگا دی ہے، لیکن وقف سے کچھ نہ کچھ فائدہ بھی حاصل ہوتا ہے، اور استبدال میں فائدہ زیادہ نظر آتا ہے، تو ایسی صورت میں صحیح قول کے مطابق زیادہ فائدہ کے لئے استبدال جائز نہیں ہے۔ (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: رد المحتار ۳۸۷/۳)

مالکی مذہب:

مالکیہ نے اوقاف کی تین قسمیں بیان کی ہیں، اور ہر ایک کے لئے الگ الگ احکام بھی بیان کئے ہیں:

۱۔ مساجد کی خرید و فروخت کسی بھی حالت میں جائز نہیں ہے۔

۲۔ زمینوں (عقار) کی بھی خرید و فروخت جائز نہیں گرچہ وہ خراب ہو رہی ہوں، اور نہ ہی اسی جنس کی دوسری زمین سے ان کا استبدال جائز ہے، نیز ان کی لکڑیوں کی بیع بھی جائز نہیں ہے، ہاں اگر ان لکڑیوں کا موقوفہ زمین میں واپس آنا ممکن نہ ہو تو اسی جیسی دوسری موقوفہ زمین میں منتقل کرنا جائز ہے، مالکیہ کے مسلک کے اعتبار سے صرف ایک صورت میں موقوفہ زمینوں کو فروخت کر سکتے ہیں اور وہ ہے مسجد یا راستہ کو کشادہ کرنے کے لئے۔

۳۔ موقوفہ سامان یا جانور کو اس صورت میں فروخت کرنا جائز ہے جب کہ ان کی منفعت ختم ہو چکی ہو، بایں طور کہ جانور بڑھاپے کی وجہ سے ناقابل انتفاع ہو گیا ہو، یا کپڑا اتنا پرانا ہو کہ اس کا استعمال ممکن نہ ہو۔ یہ مسلک تو مشہور مالکی فقیہ ابن القاسم کے مطابق ہے لیکن ایک دوسرے فقیہ ابن ماجشون ان سے اختلاف کرتے ہوئے

کہتے ہیں کہ ان کی بھی بیع جائز نہیں۔

شافعی فکر:

شوافع کے مسلک کی تفصیل کچھ اس طرح ہے:

۱۔ مساجد: ان میں تصرف کرنے کا کسی کو حق نہیں ہے، نہ خرید و فروخت کے ذریعہ اور نہ کسی دوسرے ذرائع سے، خواہ مسجد منہدم ہو گئی ہو یا محلہ اور شہر کی آبادی ختم ہونے کی وجہ سے اس میں نماز ادا نہ کی جاتی ہو، ایسی صورت میں اس مسجد کے "نقض" کو دوسری مسجد جو قریب ترین ہو لگایا جا سکتا ہے۔

۲۔ مسجد کی چٹائیاں: عدم انتفاع کی صورت میں ان کی بیع جائز ہے، لیکن ان کی قیمت مصالح مسجد ہی میں صرف کرنا ضروری ہوگا۔

۳۔ ان کے علاوہ موقوفہ جانور اور درخت وغیرہ، اگر ان سے انتفاع کی کوئی صورت نہ ہو تو فروخت کیا جا سکتا ہے بلکہ فروخت کر دینا بہتر ہے اور ان کی قیمت فقراء و مساکین اور مصالح مسلمین میں صرف کر دی جائے۔

حنبلی مذہب:

اوقاف کی منفعت جب کالعدم ہو جائے تو فروخت کر دینا جائز ہے، ہاں اگر ان سے تھوڑا بھی انتفاع ہو رہا ہو تو بیچنا جائز نہ ہوگا، اس لئے کہ اصلاً اوقاف کی بیع ناجائز ہے، اس کی اجازت صرف ضرورت اور اوقاف کے مقصود کو بچانے کے لئے دی گئی ہے، اسی طرح مسجد کو بھی صرف اس وقت منتقل کرنا جائز ہے جب کہ اس سے انتفاع ممکن نہ ہو (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: الفقہ الاسلامی وادلتہ ۸/ ۲۲۳ - ۲۲۶)

پنجاب و ہریانہ وغیرہ کے اوقاف کی منتقلی

بہت سے اوقاف خصوصاً پنجاب و ہریانہ، دہلی اور مغربی یوپی میں جو ۱۹۴۷ء میں پاکستان کی طرف مسلمانوں کی آبادی منتقل ہو جانے کی وجہ سے ویران ہو چکے ہیں اور جن مقامات پر وہ اوقاف ہیں وہاں دور دور تک مسلمانوں کی آبادی نہ ہونے کی وجہ سے ان اوقاف کو آباد کرنا اور واقف کے مقاصد کے مطابق انہیں بروئے کار لانا تقریباً ناممکن ہو گیا ہے، ان میں مساجد، قبرستان، مدارس اور خانقاہیں ہر قسم کے اوقاف ہیں، ایسے اوقاف پر حکومت یا غیر مسلموں کا قبضہ بڑھتا جا رہا ہے، ایسی صورت میں:

الف۔ اوقاف کو فروخت کر کے مقصد واقف کا خیال رکھتے ہوئے کسی دوسرے مقام پر جہاں مسلمانوں کی آبادی ہے متبادل وقف قائم کیا جا سکتا ہے، چنانچہ علامہ شامی نقل فرماتے ہیں:

عن شمس الأئمة الحلواني أنه سئل عن مسجد أو حوض خرب ولا يحتاج إليه لتفرق الناس عنه هل للقاضي أن يصرف أوقافه إلى مسجد أو حوض آخر فقال نعم... ولا سيما في زماننا فإن المسجد أو غيره من رباط أو حوض إذا لم ينقل يأخذ أنقاضه اللصوص والمتغلبون كما هو

مشاهد وكذلك أوقافه يأكلها النظار أو غيرهم ويلزم من عدم النقل خراب المسجد الآخر المحتاج إلى النقل إليه (ردالمحتار ۳ر۳۷۴)

شمس الائمہ حلوانی سے مروی ہے کہ ان سے ایک مسجد اور حوض کے بارے میں دریافت کیا گیا جو ویران ہو گئی ہو اور لوگوں کی آبادی ختم ہو جانے کی وجہ سے اس کی ضرورت باقی نہ ہو تو کیا قاضی کو اختیار ہے کہ وہ ان کے اوقاف کو کسی مسجد یا حوض کی طرف منتقل کر دے؟ تو انہوں نے فرمایا کہ جی ہاں اختیار ہے۔۔۔اور خاص طور سے ہمارے زمانہ میں، اس لئے کہ اگر مسجد اور اس کے علاوہ مثلاً سرائے اور حوض جب منتقل نہ کی جائیں گی تو چور اور شر پسند عناصر اس وقف کی کوئی چھوٹی چیز پر اپنا قبضہ جمالیں گے، جیسا کہ مشاہدہ ہے، اور اسی طرح اس کے اوقاف کو منتظمین وغیرہ کھا جائیں گے، اور منتقل نہ کرنے سے ایک خرابی یہ بھی لازم آئے گی کہ وہ مسجد جو ضرورت مند ہے وہ بھی ویران اور خراب ہو جائے گی۔

نیز دوسری جگہ تحریر فرماتے ہیں:

لكن صار بحيث لا ينتفع به بالكلية بأن لا يحصل منه شيء أصلا أو لا يفي بمؤنته فهو أيضا جائز على الأصح إذا كان بإذن القاضي ورأيه المصلحة فيه (ردالمحتار ۳ر۳۸۷)

لیکن اگر وقف کی یہ حالت ہو گئی ہو کہ اس سے انتفاع بالکل نہ ہو رہا ہو بایں طور کہ اس سے کچھ حاصل ہی نہ ہوتا ہو یا اس کی آمدنی سے وقف کی ضرورت بھی پوری نہ ہوتی ہو تو بھی صحیح قول کے مطابق تبادلہ جائز ہے جب کہ قاضی کی اجازت سے ہو اور قاضی اس میں مصلحت دیکھتا ہو۔

اور اس سلسلہ میں فقیہ مصر ڈاکٹر وہبہ زحیلی یوں روشنی ڈالتے ہیں:

إذا انهدم وقف ولم يكن له شيء يعمر منه ولا أمكن إجارته ولا تعميره ولم تبق إلا أنقاضه من حجر و طوب و خشب صح بيعه بأمر الحاكم (الفقہ الاسلامی وأدلتہ ۸ر۲۲۱)

جب وقف منہدم ہو گیا ہو اور اس کی تعمیر کے لئے کچھ نہ ہو، اور نہ ہی اس کو اجارہ پر دینا ممکن ہو اور نہ ہی اس کی تعمیر ممکن ہو، اور سوائے اس کی کوئی چھوٹی چیز مثلاً پتھر، اینٹ، اور لکڑی کے کچھ بھی باقی نہ ہو تو حاکم کی اجازت سے اسے فروخت کر دینا جائز ہے۔

علامہ شامی ایک جگہ یوں رقم طراز ہیں:

قال هشام سمعت محمداً يقول الوقف إذا صار بحيث لا ينتفع به المساكين فللقاضي أن يبيعه ويشتري بثمنه غيره وليس ذلك إلا للقاضي (ردالمحتار ۳ر۳۸۴)

ہشام فرماتے ہیں کہ میں نے امام محمد کو کہتے ہوئے سنا کہ وقف جب اس حالت میں ہو پہنچ جائے کہ اس سے مساکین کا فائدہ ختم ہو گیا ہو تو قاضی کو اختیار ہے کہ وہ اسے فروخت کر دے اور اس کے ثمن سے دوسری چیز خرید لے، اور یہ اختیار صرف قاضی کو ہے۔

ب۔ نیز ایسے ویران اوقاف حکومت یا کسی فرد کے حوالہ کر کے اس کے عوض دوسری زمین یا مکان حاصل کر کے مقاصد وقف کو جاری رکھنے کی شکل اختیار کی جاسکتی ہے۔ اس لئے کہ یہ بھی مبادلۃ المال بالمال ہے، گو دونوں کی جنس ایک ہے۔

مولانا محمد نور القاسمی

نظام اوقاف اسلام کا وہ نادر الوجود شاہکار ہے، قبل اسلام جس کی کوئی نظیر نہیں ملتی، مصر و یونان میں بڑی بڑی تہذیبوں نے جنم لیا، جنہوں نے معاشی دنیا میں تہلکہ مچا دیا، مگر وہ وقف کے تصور تک نہ پہونچ سکیں، افلاطون نے مدنیت کے قانون مرتب کرنے میں شہرہ آفاق کارنامہ انجام دیا، مگر اس کی پرواز وقف کی اس عدیم المثال ایجاد تک نہ ہو سکی، دنیا کے بڑے بڑے فلاسفر، مصلحین، دانشوران اور سیاست دانوں نے سماج کی ترقی کا بیڑا اٹھایا، مگر وقف کا نعم البدل پیش نہ کر سکے۔

صرف اور صرف اسلام ہی دنیا کا وہ تنہا مذہب ہے، جس نے امت کو اس عظیم نعمت سے نوازا، حضور ﷺ نے بذات خود مدینہ میں بہت ساری جائدادیں وقف کیں، صحابہ کرامؓ نے بھی اوقاف میں حصہ لیا، اور حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام کے اوقاف آج تک باقی ہیں (تفصیل کے لئے دیکھئے: مجمع الانہر ۱؍ ۷۳۰)۔

تاریخ اوقاف کا مطالعہ کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ اوقاف وہ نسخہ کیمیا ہے، جس کے ذریعہ افلاس و تنگ دستی، غربت و ناداری کا علاج، اور معاشی و اقتصادی مسائل کی عقدہ کشائیاں کی جاتی ہیں اور یہ ایک ایسا قابل فخر تمدنی کارنامہ ہے جس کے ذریعہ غرباء کی امداد، مساکین کی اعانت، یتیموں کی سرپرستی، بیواؤں کی خبر گیری، قرض داروں کی گلو خلاصی اور بے سہارا طبقہ کی دستگیری ہوتی ہے، یہی نہیں بلکہ معاشی بدحالی میں پھنسے ہوئے اور ذہنی پستی میں دبے ہوئے لوگوں کو سماج میں آبرومندانہ زندگی بسر کرنے کی ضمانت بھی ہے۔

لیکن افسوس صد افسوس! کہ گردش زمانہ کے ساتھ ساتھ اس مجرب نسخہ کو فراموش کر دیا گیا، اور ملت کے مفید و کار آمد منصوبے مال و دولت کا شکوہ کر رہے ہیں، کیونکہ ملت کے بے شمار اوقاف ہماری غفلتوں کی وجہ سے ویران، ناقابل استعمال اور بے توجہی کا شکار ہیں۔ خدا جزائے خیر دے "اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا" کے دردمند افراد کو، جنہوں نے اس جانب توجہ کی، اور ہندوستانی اوقاف کو قابل استعمال بنانے کے لئے کیا تدابیر اختیار کی جائیں؟ اس کے لئے اکیڈمی نے سوالات مرتب کر کے شرعی نقطہ نظر معلوم کرنے کی کوشش کی ہے۔

خدا سے دعا ہے کہ سوالات کے جوابات عرض کرنے میں صحیح اور شرعی حل پیش کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

اوقاف کا تبدیل کرنا:

الف۔ موجودہ نازک حالات میں مقابر و خانقاہوں کو فروخت کرنا اور ان کو تبدیل کرنا کیسا ہے؟ اور کیا شریعت اسلامیہ میں اوقاف سے فائدہ اٹھانے کی خاطر اس کی گنجائش ہے؟ تو اس سلسلہ میں تھوڑی تفصیل اور شرائط ہمارے فقہاء نے بیان کی ہیں کہ:

اگر واقف زندہ ہے تو اسے اس کا کلی اختیار ہے کہ وہ اپنی وقف کردہ شی کو بیچ کر اس کی جگہ دوسری چیز وقف کر دے لیکن اگر وقف کرنے والا زندہ نہ ہو، اور اس نے وقف کو بیچنے کی نہ وصیت کی ہو اور نہ ہی شرط لگائی ہو، بلکہ وقف کو بیچنے، تبدیل کرنے سے منع کیا ہے، یا منع نہ کیا ہو اور نہ ہی اجازت دی ہے بلکہ خاموش ہے، تو ایسی صورت میں اگر موقوف بالکل ویران وتباہ حالی کا شکار ہو جائے، مقاصد وقف فوت ہو رہے ہوں، اور انہیں بروئے کار لانے کے لئے اس کے علاوہ کوئی راستہ نہ ہو کہ انہیں بیچ دیا جائے اور اس کی جگہ اسی پیسے سے متوازی اور اسی طرح کا وقف جہاں آبادی ہے قائم کر دیا جائے، تو اس حالت میں صرف قاضی کو استبدال وقف اور اس کی خرید وفروخت کی اجازت ہے، اس کے علاوہ کسی دوسرے کے لئے اجازت نہیں ہے۔

فقہ حنفی کے مایہ ناز فقیہ علامہ ابن عابدین (متوفی ۱۲۵۲ھ) ان صورتوں کا تذکرہ کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

والثاني: أن لا يشرطه سواء شرط عدمه أو سكت لكن صار بحيث لا ينتفع بالكلية بأن لا يحصل منه شيء أصلا أو لا يفي بمؤنته فهو أيضاً جائز على الأصح، إذا كان بإذن القاضي ورأيه المصلحة فيه (دیکھئے: رد المحتار ۳/۳۸۷، فتاوی ہندیہ ۲/۴۰۱، احکام الوصایا والاوقاف ۲۰۳)

دوسری صورت یہ ہے کہ وقف کرنے والے نے اس کو تبدیل کرنے کی شرط نہ لگائی ہو، اگر اس نے عدم استبدال کی شرط لگائی ہے یا اس سلسلے میں بالکل خاموش رہا لیکن موقوف شی اس حال میں ہو کہ اس سے بالکل فائدہ نہ اٹھایا جا سکتا ہو، اس طور پر کہ اس سے اصلا کوئی چیز حاصل نہ ہو یا اس کا خرچ اس سے پورا نہ ہوتا ہو تو اصح قول کے مطابق قاضی کی اجازت ہو اور اس کی رائے مصلحت پر مبنی ہو تو استبدال جائز ہوگا۔

نیز مشہور فقیہ علامہ ابن نجیم مصری (متوفی ۹۷۰ھ) تحریر فرماتے ہیں:

شرط الوقف عدم الاستبدال فللقاضي الاستبدال إذا كان أصلح (الاشباہ والنظائر، مجمع الانہر ۱/۳۹۷)

شرط وقف عدم استبدال ہے اور استبدال کا حق صرف قاضی کو ہے اگر وہ استبدال کو بہتر سمجھے۔

نیز علامہ شامی نے قاضی جس کو استبدال وقف کا حق حاصل ہے اس کے لئے کچھ اوصاف کا تذکرہ ان الفاظ میں کیا ہے:

وشرط في الإسعاف أن يكون المستبدل قاضي الجنة المفسر بذي العلم والعمل لئلا يحصل التطرق إلى أوقاف المسلمين كما هو الغالب في زماننا (رد المحتار ۳/۳۸۸، مجمع الانہر ۱/۳۹۷)

اور اسعاف کے اندر شرط لگائی گئی ہے کہ تبدیل کرنے والا قاضی علم کے ساتھ عمل کا بھی پیکر ہو (یعنی علم و عمل کا جامع ہو) تاکہ مسلم اوقاف کے ضیاع کا باعث نہ ہو جیسا کہ ہمارے دور میں اکثر ہو رہا ہے۔

لیکن یہ بات ذہن نشیں رہے کہ قاضی کے لئے ضروری ہوگا کہ اس ویران وقف کو تبدیل کرنے یا فروخت

کرنے کے بعد اس کے متوازی و مماثل وقف قائم کرے، اور یہ دوسرا وقف اپنی تمام شرائط کے ساتھ جس طرح پہلا وقف تھا جاری ہوگا۔

فقہ حنفی کے رمز شناس فقیہ علامہ قدوری نے اس کو یوں ذکر کیا ہے:

وصح شرط أن يستبدل به اى بالوقف غيره اى يبيعه ويشترى بثمنه أرضا أخرى إذا شاء عند أبي يوسف استحسانا فإذا فعل صارت الثانية كالاولى في شرائطها (مجمع الانہر ۱/۷۳۹، در مختار ۳/۳۸۷)

یہ شرط لگانا کہ وہ جب چاہے گا وقف کو فروخت کرکے اس کی قیمت سے دوسری زمین خرید سکتا ہے امام ابو یوسفؒ کے نزدیک استحساناً درست ہے، لیکن جب وہ ایسا کرے گا تو دوسرا وقف پہلے وقف کی طرح ہوگا تمام شرائط کے اندر۔

نیز موجودہ دور کے مشہور عالم دین حضرت مفتی نظام الدین صاحب کا فتویٰ بھی یہی ہے، مفتی صاحب تحریر فرماتے ہیں:

"اگر ضائع ہوجانے کا ظن غالب ہوجائے یا بالکل ناقابل انتفاع ہوجائے تو اس کو فروخت کرکے اس کے بدلہ میں اسی موقوف کے متوازی و مماثل دوسری چیز یں خرید کر وقف کردی جائیں گی" (نظام الفتاویٰ ۱/۹۰)

اوقاف کو حکومت کے حوالہ کرنا:

ب۔ اوقاف کے قرب و جوار میں مسلم آبادی نہ ہونے کے سبب جہاں یہ مسائل درپیش ہیں، ان کو حکومت یا کسی فرد کے حوالہ کرکے اس کے عوض مناسب جگہ اس کے متوازی چیز لینے میں کوئی قباحت نہیں ہے، لیکن زیادہ بہتر اور مناسب ہے کہ اوقاف کو مسلمانوں کے ہاتھ فروخت کی جائے۔

مفتی کفایت اللہ صاحب کا معروف فتویٰ ہے:

"مسجد کا پرانا سامان اور ملبہ جو اسی مسجد کی تعمیر جدید میں کام نہ آسکتا ہو فروخت کردینا جائز ہے، بہتر ہے کہ مسلمان کے ہاتھ فروخت کیا جائے اور اس کی قیمت کو اسی مسجد کی ضرورت تعمیر میں یا جس قسم کا سامان تھا، اسی کے مثل میں صرف کردیا جائے (کفایت المفتی)۔

مولانا ابرار خاں ندوی

الف۔ بہت سے اوقاف ویران ہوچکے ہیں اور جن مقامات پر اوقاف ہیں وہاں دور دور تک مسلمانوں کی آبادی نہیں ہے۔ جس کی وجہ سے ان اوقاف کو آباد کرنا اور واقف کے مقاصد کے مطابق انہیں بروئے کار لانا ناقابل عمل ہوگیا ہے تو کیا ایسے اوقاف کو فروخت کرکے مقاصد واقف کا خیال رکھتے ہوئے کسی دوسرے مقام پر جہاں مسلمانوں کی آبادی ہو وہاں متبادل وقف قائم کیا جاسکتا ہے؟

اس کا حکم یہ ہے کہ وقف تام اور مکمل ہوجانے کے بعد اس کا بیچنا، خریدنا، ہبہ کرنا، رہن رکھنا وغیرہ کچھ بھی جائز نہیں، شامی میں ہے:

فاذا تم ای الوقف ولزم لا یملک ولا یملک ولا یعار ولا یرھن (شامی ۳/۵۰۷)

ہاں اگر ضائع ہونے کا ظن غالب ہو جائے یا بالکل ہی ناقابل انتفاع ہو جائے تو اسکو فروخت کر کے اس کے بدل میں اسی موقوفہ کے متوازی و مماثل دوسری چیز خرید کر وقف کر دی جائے (نظام الفتاویٰ ۱۹۰)

اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ایسے ویران اوقاف حکومت یا کسی فرد کے حوالہ کر کے اسکے عوض دوسری زمین یا مکان حاصل کر کے مقاصد وقف کو جاری کرنے کی کوشش کی جائے۔

شامی میں ہے "وجاز شرط الاستبدال الخ" میں استبدال کی دوسری شرط یہ ذکر فرمائی ہے "ان لا یشرطه الاستبدال سواء شرط عدمه او سکت ولکن صار بحیث لا ینتفع به بالکلیة بان لا یحصل منه شئ اصلاً او لا یفی بمؤنته فهو ایضا جائز اذا کان باذن القاضی ورأیه المصلحة فیه (شامی ۳/۴۴۴)

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ اگر وقف سے کوئی فائدہ حاصل نہ ہو، یا ہو لیکن ضائع ہو جانے کا اندیشہ ہو تو اسکو دوسری زمین یا مکان سے بدلنا جائز ہے، لیکن اس میں مسلم ذمہ داروں سے مشورہ اور رائے لینا بھی ضروری ہے۔

مولانا ابراهیم فلاحی بارڈولی

وقف کی حقیقت کیا ہے؟ کن اشیاء میں وقف صحیح ہے اور کن میں صحیح نہیں ہے؟ اس کی بتدریج تفصیل بیان کی جاتی ہے۔

وقف کی لغوی تعریف:

اکثر لغت میں اس کی تعریف حبس سے کی ہے، یعنی ٹھہرنا، اور لسان العرب میں "خلاف الجلوس" یعنی بیٹھنے کے مقابلے میں کھڑے ہونے سے کیا ہے۔

وقف کی اصطلاحی تعریف:

وقف کی اصطلاحی تعریف اکثر کتب فقہ میں امام صاحب کے نزدیک یہ ہے:

حبس العین علی ملک الواقف والتصدق بالمنفعة علی الفقراء، وزاد فتح القدیر علی من احب فیدخل فیه الغنی، وزاد فی الهندیة علی وجه تعود منفعتها إلی العباد۔

کسی سامان کو واقف کی ملکیت میں محصور کر کے اس کی منفعت کو فقراء پر صدقہ کرنا۔ "فتح القدیر" میں مزید ہے: منفعت کا صدقہ کرنا جس پر چاہے تو غنی بھی اس کے تحت داخل ہو جائے گا۔ اور "ہندیہ" میں ہے: اس طرح کر دینا کہ منفعت بندوں کو ہوتی رہے۔ اور صاحبین کے نزدیک وقف کی اصطلاحی تعریف حبس العین علی حکم ملک الله تعالی (سامان کو اللہ تعالی کی ملکیت کے حکم میں کر دینا) ہے۔

وقف کا حکم:

چونکہ امام صاحب کے نزدیک وقف کی اصطلاحی تعریف "حبس العین علی ملک الواقف

والتصدق بالمنفعة على الفقراء أو على من أحب" ہے اس لئے نہ وقف لازم ہوگا اور نہ شئ موقوف واقف کی ملکیت سے باہر ہوگی حتی کہ واقف کو شئ موقوف بیچنے اور ہبہ کرنے کا اختیار ہے، اور واقف کے مرنے کے بعد شئ موقوف میں وراثت بھی جاری ہوگی۔

لیکن تین صورتیں ایسی ہیں جن میں بالاتفاق شئ موقوف واقف کی ملکیت سے باہر ہو جاتی ہے:

(۱) کوئی شخص مسجد کے لئے وقف کرتا ہے تو شئ موقوف واقف کی ملکیت سے خارج ہو جائے گی بالاتفاق۔

(۲) قضاء قاضی یعنی قاضی نے شئ موقوف ہونے کا فیصلہ کر دیا تو واقف کی ملکیت سے باہر ہو جائے گی۔

(۳) اگر واقف اپنی موت کے ساتھ معلق کر دے تو شئ موقوف واقف کی ملکیت سے باہر ہو جائے گی۔ اور صاحبین کے نزدیک چونکہ وقف کی تعریف "حبس العين على حكم ملك الله" ہے لہذا جب واقف کا وقف کرنا صحیح ہو گیا تمام شرائط کے ساتھ تو وقف لازم ہو گیا اور شئ موقوف واقف کی ملکیت سے باہر ہو کر اللہ تعالیٰ کی ملکیت میں داخل ہوگی۔

لیکن صاحبین کے مابین بھی تھوڑا اختلاف ہے امام ابو یوسفؒ کے نزدیک مطلقاً وقف کر دینے سے وقف ہو جاتا ہے اور شئ موقوف واقف کی ملکیت سے خارج ہو جاتی ہے، اور امام محمدؒ کے نزدیک چونکہ وقف کے اندر تسلیم شرط ہے اس لئے جب تک سپرد نہ کیا جائے یا استعمال میں نہ لے آیا جائے تب تک وقف لازم نہیں ہوگا اور شئ موقوف واقف کی ملکیت سے باہر نہیں ہوگی، لہذا جب تسلیم (سپردگی) ہو جائے یا شئ موقوف مستعمل ہونے لگے تو وقف لازم بھی ہو گیا اور شئ موقوف واقف کی ملکیت سے خارج بھی ہوگی۔ لیکن اس صورت میں امام ابو یوسفؒ کا قول اقرب الی الفقہ اور راجح معلوم ہوتا ہے۔

مسجد اور دیگر اوقاف میں فرق:

مسجد کے اندر تو بالاتفاق شئ موقوف واقف کی ملکیت سے نکل کر اللہ کی ملکیت میں داخل ہو جاتی ہے، اور امام محمدؒ کے نزدیک جب تک اس مسجد کے اندر نماز نہ پڑھے واقف کی ملکیت سے نہیں نکلتی ہے اور قبرستان، پیاؤ (پانی پینے یا پلانے کے نظم کی کوئی شکل)، حوض، مسافر خانہ، و دیگر اوقاف کے اندر امام صاحب کے نزدیک چونکہ وقف کی تعریف حبس العين على ملك الواقف والتصدق بالمنفعة على الفقراء ہے لہذا مسجد کے علاوہ ان تمام صورتوں میں شئ موقوف واقف کی ملکیت سے نہیں نکلے گی، لہذا اس کو بیچنے اور ہبہ کرنے کا اختیار ہے اور اس میں وراثت بھی جاری ہوگی، ہاں دو صورتوں میں واقف کی ملکیت سے خارج ہو جاتی ہے اور وقف لازم ہو جاتا ہے۔

(۱) قضاء قاضی، یعنی قاضی صاحب نے فیصلہ کر دیا ہے تو واقف کی ملکیت سے خارج ہو جائے گی اور وقف لازم ہو جائیگا۔

(۲) تعلق بالموت، یعنی اپنے موت کے ساتھ متعلق کر دے کہ میرے مرنے کے بعد یہ شئ وقف ہے تو یہ وقف لازم ہو جائے گا، اور صاحبین کے نزدیک چونکہ وقف کی تعریف "حبس العين على حكم ملك الله" یعنی

عین کا خاص کرنا اللہ تعالیٰ کی ملکیت میں ہے، اس لئے ان تمام صورتوں میں وقف لازم ہو جائے گا اور شیٔ موقوف واقف کی ملکیت سے خارج ہو کر اللہ تعالیٰ کی ملکیت میں داخل ہو جائے گی۔

لیکن امام ابو یوسفؒ کے نزدیک مطلقاً وقف کر دینے سے شیٔ موقوف واقف کی ملکیت سے خارج ہو جاتی ہے اور چونکہ امام محمدؒ کے نزدیک تسلیم (سپردگی) شرط ہے لہذا جب مسافر خانہ میں کوئی رہنے لگے یا قبرستان میں ایک بھی مردہ دفن ہو جائے یا اس کے علاوہ تسلیم (کسی شخص میں سپردگی) ہو جائے تو وقف لازم ہو گیا اور شیٔ موقوف واقف کی ملکیت سے خارج ہو گئی۔

امام صاحبؒ کی دلیل:

حضور ﷺ کا قول ہے: "لا حبس عن فرائض اللہ" یعنی اللہ تعالیٰ نے فرائض کے معاملہ میں جو حکم دیا ہے اس کے اندر وقف جاری نہیں ہوگا۔ یعنی اس کو خاص نہیں کیا جائیگا، اور جب کوئی شخص انتقال کرتا ہے تو اس کی متروکہ اشیاء کو اللہ تعالیٰ نے اسکے وارثین میں تقسیم کرنے کا حکم دیا ہے، اور جب وارثین کا حق اس سے متعلق ہو گیا تو اس کو اس کے مرنے کے بعد کیونکر روک کر رکھا جا سکتا ہے، اور وہ دونوں صورتیں جن میں وقف لازم ہو جاتا ہے اس میں بیان کرتے ہیں کہ حاکم چونکہ مجتہد ہے اس وجہ سے اس کے حکم سے وقف لازم ہو جائے گا، اسی طرح سے تعلق بعد الموت میں چونکہ وصیت ثلث مال میں صحیح ہے اس لئے مرنے کے بعد معلق کرتا ہے تو وقف لازم ہو جائے گا۔

اس کے بعد دوسری دلیل دیتے ہیں کہ ہم دیکھتے ہیں کہ کوئی شخص قبرستان کی زمین وقف کرتا ہے، اسی طرح سے پیاؤ یا مسافر خانہ وقف کرتا ہے تو قبرستان میں خود مدفون بھی ہو سکتا ہے اور مسافر خانہ میں بھی خود بھی ٹھہر سکتا ہے، اگر موقوف چیز اس کی ملکیت سے زائل ہو جاتی تو قبرستان میں اس کو دفن نہیں کیا جا سکتا تھا اور مسافر خانہ میں ٹھہر بھی نہیں سکتا تھا اس لئے کہ وہ مال غیر ہو گیا، لہذا وقف نہ لازم ہو گا اور نہ ہی واقف کی ملکیت سے خارج ہو گا لیکن وقف بہر حال صحیح ہو جائے گا، جیسا کہ عاریت میں رہتا ہے کہ شیٔ مستعار اس کی ملکیت میں رہتی ہے اور اس کے منافع کا حق دوسروں کو دیتا ہے، یعنی ملکیت تو مالک کی رہتی ہے لیکن اس کو شیٔ سے نفع حاصل کرنے کا حق ہوتا ہے۔

صاحبین کی دلیل: ان کی دلیل یہ ہے کہ جب واقف نے کہا "وقفت داری" تو اس میں دو احتمال ہے، ایک تو یہ کہ وہ شے اس کی ملکیت میں ہے اور دوسرا احتمال یہ ہے کہ شیٔ موقوف اس کی ملکیت سے خارج ہو گئی، اور جب دونوں کا احتمال ہے تو ایک کو راجح اور دوسرے کو مرجوح شمار کر کے کسی ایک پر عمل کیا جائے گا، لہذا جب ہم نے غور و خوض کیا تو ایک حدیث شریف سامنے آئی، جس کی بناء پر ہم نے دوسرے کو راجح قرار دیکر مسئلہ کو صاف کر دیا، حدیث شریف یہ ہے جب حضرت عمرؓ نے خیبر کی زمین کا وقف کرنا چاہا تو حضور ﷺ نے فرمایا تھا اس کے عین کو صدقہ کر دو، یہی محل استدلال ہے کہ جب تک شیٔ موقوف واقف کی ملکیت سے نہیں نکلتی تب تک صدقہ کا تحقق کس طرح ہو گا یعنی عین کا صدقہ کس طرح سامنے آئیگا، لہذا جب عین کا صدقہ ہو جائے گا تو وقف بھی لازم ہو جائے گا اور شیٔ موقوف واقف کی ملکیت سے خارج ہو جائے گی، اب جب شیٔ موقوف واقف کی ملکیت سے خارج ہو گئی تو نہ اس کو بیچے اور نہ ہی اس کو

ہبہ کرنے کا اختیار ہے اور نہ ہی اس میں وراثت جاری ہوگی یہی وجہ ہے اس کو ترجیح دینے کی۔

صاحبین کی دوسری دلیل یہ کہ ضرورت بھی یہی ہے کہ وقف لازم ہو جائے اس لئے کہ جب تک وقف لازم نہیں ہوگا ہمیشہ کے لئے واقف کو وقف کا ثواب حاصل نہیں ہوگا بلکہ جب وہ شئی موقوف کو بیچ دیگا یا ہبہ کردے گا یا اس میں وراثت جاری ہوگی تو اس کا ثواب منقطع ہو جائے گا، لہذا جب تک وقف لازم نہیں ہوگا موقوف شے اس کی ملکیت سے خارج نہیں ہوگی اور اس کو ثواب نہیں ملے گا۔

اس کے بعد وقف کے شرائط کو بیان کرتے ہیں کہ کن کن شرطوں کی بنا پر وقف صحیح ہو جاتا ہے اور کون سی شرط ایسی ہے جس کی وجہ سے وقف فاسد ہو جائے گا اور کون سی شرط سے شرط فاسد اور وقف صحیح ہو جائے گا۔

شرائط واقف:

(۱) پہلی شرط تو یہ ہے کہ واقف آزاد ہو، اسی لئے اگر کوئی غلام وقف کرتا ہے تو اس کا وقف صحیح نہیں ہوگا بلکہ وقف باطل ہو جائے گا، اس لئے کہ غلام کسی چیز کا مالک نہیں ہے، جو کچھ اس کے پاس ہے اس کے آقا کی ملکیت ہے۔

(۲) واقف بالغ ہو، اس لئے کہ اگر نابالغ وقف کرتا ہے تو اس کا وقف صحیح نہیں ہوگا، ہاں اس کا وقف موقوف رہیگا قاضی کی اجازت پر، اگر قاضی صاحب اجازت دیتے ہیں تو اس کا وقف بھی نافذ ہو جائے گا۔

(۳) واقف عاقل ہو، اسی لئے اگر کوئی مجنون، دیوانہ، پاگل کسی شئی کا وقف کرتا ہے تو اس کا وقف صحیح نہیں ہوگا، وجہ یہ ہے کہ وقف کہتے ہیں بغیر کسی عوض کے اپنے ملک کو زائل کرنا بنیت ثواب، اور نابالغ اور مجنون کا مال نقصان والے تصرفات کا محل نہیں ہے۔

(۴) یہ ہے کہ وقف کرتے وقت شئی موقوف واقف کی ملکیت میں ہو، لہذا اگر کوئی شخص ارض مغصوبہ کا وقف کرتا ہے تو اس کا وقف صحیح نہیں ہوگا، اس لئے کہ وہ جس چیز کا وقف کر رہا ہے اس کا وہ مالک نہیں ہے، اسی طرح سے اگر وہ بعد میں ارض مغصوبہ کا مالک بن جاتا ہے کسی وجہ سے بھی تو وقف درست نہیں ہوگا، اس لئے کہ بوقت وقف شئی موقوف کا اس کی ملکیت میں موجود ہونا شرط ہے اور وہ شخص وقف کرتے وقت اس کا مالک نہیں تھا۔

(۵) پانچویں شرط یہ ہے کہ وقف منجز ہو معلق نہ ہو، یعنی اس شرط کے ساتھ وقف کرتا ہے کہ اگر میرا لڑکا آگیا یا فلاں شخص کا انتقال ہو گیا تو میری زمین وقف ہے تو وقف صحیح نہیں ہوگا، اس لئے وقف بلا شرط ہو اور صاف وضاحت کے ساتھ وقف کرے۔

(۶) یہ ہے کہ شئی موقوف معلوم ہو مجہول نہ ہو، یعنی جو چیز وقف کرتا ہے اس کا متعین کرنا ضروری ہے لہذا اس کے برخلاف اگر کوئی شخص کہتا ہے کہ میری زمین وقف ہے تو وقف درست نہیں ہوگا، اس لئے کہ وقف کے اندر متعین کرنا ضروری ہے کہ کتنی اور کون سی زمین وقف کر رہا ہے ورنہ وقف باطل ہو جائے گا۔

(۷) یہ ہے کہ محجور علیہ نہ ہو، یعنی قاضی کی طرف سے اس کو تصرف سے منع نہ کیا گیا ہو، جیسا کہ کوئی

دیوانہ ہے یا مقروض ہے اس کی وجہ سے قاضی نے اس کو محجور علیہ قرار دیا ہے تو اس کا وقف صحیح نہ ہوگا۔

(۸) ایک شرط یہ بھی ہے کہ واقف شئی موقوف کی آخری جہت ایسی بیان کرے جو کبھی ختم ہونے والی نہ ہو، یہ شرط طرفین کے نزدیک ہے ان کے برخلاف امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ آخری جہت بیان فرمانے کی ضرورت نہیں بلکہ وہ اس کے بعد فقراء اور مساکین پر خود بخود وقف ہو جائے گی، مثلاً کوئی شخص کہتا ہے کہ میری فلاں زمین زید پر وقف ہے، اس کے بعد اتنا کہہ کر خاموش ہو گیا تو طرفین کے نزدیک وقف درست نہیں ہوگا، لیکن امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ زید کی اولاد کے بعد وہ شئی خود بخود فقراء پر وقف ہو جائے گی، بیان کرنے کی ضرورت نہیں۔

(۹) یہ ہے کہ وقف مؤبد ہو موقت نہ ہو اس لئے کہ وقف کہتے ہیں غیر محدود طریقے پر اپنی ملکیت کو زائل کرنا اور موقت میں ایسا نہیں ہے، لہذا اگر کوئی شخص کہتا ہے کہ میرے مرنے کے بعد ایک سال کے لئے زمین فقراء پر وقف ہے تو یہ وقف باطل ہو جائے گا۔

(۱۰) یہ ہے کہ وقف کو خیار شرط کے ساتھ معلق نہ کیا ہو لہذا اگر کسی شخص نے خیار شرط کے ساتھ معلق کیا ہو تو امام ابو یوسفؒ کے نزدیک تین دن تک خیار شرط ہے اس کے بعد خیار باطل ہو جائے گا، اور امام محمد مطلقاً خیار کو باطل قرار دیتے ہیں، یہ اختلاف مسجد کے علاوہ میں ہے ورنہ مسجد کے بارے میں بالاتفاق خیار باطل ہو جائے گا۔

(۱۱) یہ ہے کہ وقف کرتے وقت بیع کی شرط نہ لگایا ہو اس لئے کہ وقف کرنے سے شئی موقوف واقف کی ملکیت سے خارج ہو کر اللہ تعالیٰ کی ملکیت میں داخل ہو جاتی ہے، اور جب بیع کی شرط لگائے گا تو پھر اس کی ملکیت سے خارج نہیں ہوگی، اس وجہ سے کہ بیع کی شرط وقف میں جائز نہیں ہے۔

(۱۲) یہ ہے کہ وقف غیر منقول اشیاء میں ہو، جیسے زمین اور مکان وغیرہ، ہاں وہ اشیاء جو غیر منقولی کے تابع ہیں جیسے زمین کی کاشتکاری کے لئے بیل ہل کی ضرورت پڑتی ہے اور یہ اس کے تابع ہے لہذا اس طرح کی اشیاء غیر منقول کے تابع ہو کر وقف صحیح ہو جائے گا اس قاعدے کے تحت جس کو ہدایہ میں ذکر کیا گیا ہے۔

کم من شئی یثبت تبعا لم یثبت مقصودا الخ (بہت سی چیزیں ضمناً تو ثابت ہوتی ہیں اور اصالۃً ثابت نہیں ہوتیں)

اوقاف کے اندر شرطوں کی بحث:

اب بیان کیا جاتا ہے کہ اوقاف کے اندر شرائط کی حیثیت کیا ہے، وقف کے اندر جتنی شرطیں ذکر کی گئیں ہیں تمام شرطیں پائی جاتی ہیں تو وقف صحیح اور درست ہو جائے گا، اور اگر تمام شرطیں نہیں پائی جاتی ہیں تو وقف باطل ہو جائے گا، لیکن بعض شرطیں ایسی ہیں جو کہ شروط فاسدہ کہلاتی ہیں، جنکی وجہ سے وقف صحیح اور شرط باطل ہو جاتی ہے۔ مثلاً وقف کی ایک شرط یہ ہے کہ واقف آزاد اور عاقل و بالغ ہو لہذا اگر غلام یا مجنون اور بچہ وقف کرتا ہے تو وقف باطل ہے، اسی طرح سے وقف کے لئے شئی کا معلوم ہونا شرط ہے لہذا اگر کوئی شخص مجہول شئی کا وقف کرتا ہے تو وقف باطل ہو جائے گا۔

شرائط کی دوسری قسم میں اختلاف ہے، مثلاً کوئی شخص وقف کرتا ہے خیار شرط کے ساتھ تو اس کے بارے

میں امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ وقف درست ہو جائیگا اور خیار کی شرط فاسد ہے، اور امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ اس کے لئے تین دن تک کے لئے خیار ہوگا اور تین دن گذر جانے کے بعد خیار باطل ہو کر وقف صحیح ہو جائے گا، یہی مسئلہ اس صورت میں ہے جب کہ موقوفہ اشیاء کے بدلنے کی شرط لگائے۔

شرائط کی تیسری قسم:

اگر کوئی شخص مسجد کے لئے زمین وقف کرتا ہے اور اس کے اندر کسی قسم کی شرط لگاتا ہے تو بالاتفاق وقف صحیح اور درست ہو جائے گا اور شرط فاسد قرار پائے گی۔

وقف کے الفاظ:

علامہ شامی نے ردالمحتار میں ذکر کیا ہے کہ وقف کے الفاظ تقریباً (۲۰) ہیں جن میں کچھ کا شمار انہوں نے کیا ہے، مثلاً کوئی شخص یہ کہے کہ میری فلاں زمین کا غلہ ہمیشہ کے لئے وقف ہے، یا یہ کہتا ہے کہ میری فلاں جائداد زید پر موقوف ہے، اس کے بعد اس کی اولاد پر، اس کے بعد فقراء پر، اسی طرح سے یہ کہے کہ میری فلاں زمین فقراء پر صدقہ ہے، یا اپنے مرنے کے ساتھ معلق کر دیا کہ میری فلاں زمین فقراء پر وقف ہے تو اس کے ثلث مال میں سے وقف جاری کیا جائے گا۔ لیکن اصل لفظ جو ہے موقوف یعنی موقوف کا لفظ استعمال کرنے سے بلا تامل وقف ہو جائے گا، یعنی یہ کہہ دینا ہی کافی ہے کہ میری فلاں زمین موقوف ہے "ارضی ھذہ موقوفۃ" اس طرح کے الفاظ کہہ دینے سے وقف صحیح ہو جائے گا، یا اس صورت کے ساتھ خاص ہے جب کہ کسی معین شخص کے لئے وقف نہ کیا ہو، اگر معین شخص کے لئے وقف کیا ہے تو اس معین شخص کے مرنے کے بعد شئی مذکورہ خود بخود فقراء پر وقف ہو جائے گی۔ اس سلسلے میں علامہ شامیؒ نے یہ ذکر کیا ہے کہ صدر الشہید کا قول یہ ہے کہ مشائخ بلخ کا اسی پر فتویٰ ہے، انہوں نے عرف کا اعتبار کیا ہے، عرف یہ ہے کہ جب انسان کسی معین شخص پر وقف کرتا ہے اور اسکے بعد کچھ نہیں ذکر کرتا ہے تو خود بخود شئی مذکور فقراء پر وقف ہو جائے گی، وجہ یہ ہے کہ عموماً وقف جو کیا جاتا ہے فقراء پر ہی کیا جاتا ہے۔

منقولی اشیاء کا وقف:

منقولی اشیاء کے اندر امام ابو یوسف کا قول یہ ہے کہ کراع یعنی سواری کا جانور اور ہتھیار کے علاوہ کسی منقولی اشیاء میں وقف صحیح نہیں ہے، اور کراع اور اسلحہ کے بارے میں بھی فرماتے ہیں کہ قیاس کا تقاضا تو یہ تھا کہ ان میں بھی وقف درست نہیں ہو لیکن چونکہ ان دونوں کے بارے میں نص وارد ہے اس وجہ سے اس کو جائز قرار دیا اس لئے کہ وقف کے اندر تابید شرط ہے اور کراع واسلحہ ہمیشہ رہنے والی چیز نہیں ہے لہذا قیاس تو یہ کہتا ہے کہ وقف درست نہ ہو لیکن اس کے بارے میں حدیث ہے، حضور ﷺ نے فرمایا:

اما خالد فقد حبس ادرعا وافراسا له في سبيل الله واما طلحة حبس درعه في سبيله

(خالد نے اپنی زرہیں اور گھوڑے اللہ کے راستے میں دیدیئے ہیں اور طلحہ نے اپنی زرہ اللہ کے راستے میں دیدیا ہے)

اس حدیث کی بنا پر ان دونوں میں وقف درست ہے، اور امام محمد فرماتے ہیں کہ وہ شی جس کو عرف عام میں وقف کیا جاتا ہے جیسے قرآن کریم، کلہاڑی وغیرہ، تو چونکہ شریعت میں عرف کا بہت بڑا دخل ہے اس وجہ سے عرف کا اعتبار کرتے ہوئے ان اشیاء میں بھی وقف درست ہو جائے گا۔ ان کی دلیل "ما رآہ المسلمون حسناً فہو عند اللہ حسن" اس لئے کہ مسلمان کسی برائی کو حسن نہیں کہہ سکتا ہے، اور امام محمد کا قول اقرب إلى الفقہ معلوم ہوتا ہے یہی قول ہمارے یہاں مفتی بہ قرار پا کر فتویٰ اسی پر دیا جاتا ہے۔

غیر مسلم کا کیا ہوا وقف:

غیر مسلم کا کیا ہوا وقف صحیح اور درست ہے، لیکن اس کے لئے شرط یہ ہے کہ جس چیز کے لئے وقف کر رہا ہے وہ شی ہمارے یہاں بھی قربت اور ان کے یہاں بھی قربت ہو یعنی باعث ثواب ہو، لیکن اگر کسی ایک کے یہاں قربت ہو اور دوسرے کے یہاں باعث قربت نہیں ہے تو صحیح نہیں ہے، دونوں کے نزدیک قربت ہونے کی مثال، جیسے کوئی غیر مسلم فقراء کے لئے وقف کرتا ہے تو ان کے یہاں بھی قربت ہے اور ہمارے یہاں بھی باعث ثواب ہے، اسی طرح بیت المقدس کے لئے وقف کو وہ بھی قربت مانتے ہیں لہذا اس صورت میں وقف درست قرار پائیگا۔

مشترک اشیاء کا وقف:

مشترک اشیاء کا وقف صحیح بھی ہے اور نہیں بھی ہے، اگر مشترک اشیاء ایسی ہیں جو قابل تقسیم نہ ہو تو ایسی صورت میں بالاتفاق اشیاء کا وقف صحیح ہے، مثلاً چھوٹا کمرہ یا غسل خانہ ہے، اب اس میں دو آدمی شریک ہیں ان میں سے ایک اپنے حصہ کو وقف کرنا چاہتا ہے تو اس کا وقف بالاتفاق درست ہے اس لئے کہ یہ ایسی زمین ہے جو نا قابل تقسیم ہے۔

اور اگر مشترک اشیاء ایسی ہیں جو قابل تقسیم ہیں تو اس میں ائمہ کا اختلاف ہے، امام ابو یوسفؒ مشترک اشیاء کے وقف کو جائز قرار دیتے ہیں اس لئے کہ تقسیم قبضہ کو مکمل کرنے کے لئے ہوتی ہے، اور ان کے نزدیک قبضہ شرط نہیں ہے، لہذا مشترک اشیاء کا وقف درست ہو جائے گا، اور امام محمد کے نزدیک چونکہ تسلیم (سپردگی) شرط ہے اور مشترک اشیاء میں تسلیم نہیں پایا جاتا ہے، لہذا مشترک اشیاء کا وقف صحیح نہیں ہے۔

شی موقوف کا تبادلہ:

اگر واقف شی موقوف کے تبادلے کی شرط لگاتا ہے تو امام ابو یوسفؒ کے نزدیک جائز ہے، اور امام محمد فرماتے ہیں کہ اگر تبادلے کی شرط لگاتا ہے تو وقف صحیح ہو جائے گا اور شرط باطل ہو جائے گی، اسی طرح سے اگر شرط لگاتا ہے کہ شی موقوف کو بیچ کر اس کی قیمت سے دوسری شی خریدی جائے گی، تو امام ابو یوسفؒ کے نزدیک یہ شرط بھی درست ہے، لیکن امام محمد فرماتے ہیں کہ وقف صحیح ہو جائے گا اور شرط فاسد ہو جائے گی، لیکن امام ابو یوسفؒ کے نزدیک بھی اس کو ایک ہی مرتبہ کا اختیار ہوگا، دوسری مرتبہ پھر اس کا تبادلہ کرنا چاہتا ہے تو اس کا اختیار نہیں ہے اس لئے کہ پہلی مرتبہ تبادلہ سے شرط ختم ہو گئی، اب شرط مفقود ہے اس لئے اختیار نہیں ہوگا۔

(دیکھئے فإن شرائط الواقف معتبرة ما لم تخالف الشرع (واقف کی شرطیں اگر خلاف شرع نہ ہوں تو معتبر ہیں)

واقف کے کن کن شرطوں کی رعایت ضروری ہے:

واقف ایسی شرطیں لگاتا ہے جو کہ شرع کے مخالف نہ ہو تو قاضی کے لئے ایسی شرطوں کی رعایت ضروری ہے مثلاً واقف دینی مدارس کو وقف کرتا ہے اور شرط لگاتا ہے کہ اس زمین کا غلہ اس پر خرچ ہوگا تو یہ صحیح ہے اسی طرح سے اگر یہ شرط لگاتا ہے کہ اس کی اولاد کی رعایت کے لئے ہے تو یہ شرط لگانا بھی صحیح اور درست ہے، اور ان شرطوں کی رعایت قاضی پر ضروری ہے البتہ اس کو قاضی کی ولایت اس کے لئے ثابت ہوگی۔

شی موقوف کا مقصد اگر فوت ہو جائے تو کیا حکم ہے:

امام محمد کے نزدیک مطلقاً شی موقوف کا مقصد اگر فوت ہو جائے، یا وقف کوئی ایسی پرانی چیز تھی جو بیکار پڑی ہوئی ہے تو یہ تمام اشیاء واقف کی طرف لوٹ آئیں گی بشرطیکہ واقف بقید حیات ہو، اور اگر واقف کا انتقال ہو جائے تو اس کے ورثاء میں تقسیم ہوں گی، اور مسجد کے بارے میں امام صاحب اور امام ابو یوسف کی ایک روایت یہ ہے کہ اگر مسجد ٹوٹ جائے اور ویران ہو جائے اور وہاں پر کوئی مسلمان آباد نہیں ہے جو مسجد کو دوبارہ تعمیر کر کے آباد کرے تب بھی وہ قیامت تک مسجد ہی رہے گی، جب وہاں مسلمان پہنچ جائیں تو ان کو اس جگہ پر مسجد بنانا ضروری ہوگا لیکن امام ابو یوسف کی ایک روایت یہ ہے کہ اگر ان اشیاء کا مقصد فوت ہو گیا ہو، چاہے وہ مسجد ہو یا اوقاف کی دیگر اشیاء ہوں ان سب کو قاضی کے حکم سے بیچ کر قریب والی مسجد میں اس کے ثمن کو صرف کیا جائیگا، اسی طرح سے جو بھی اوقاف کی چیزیں بیکار پڑی ہوئی ہیں یا ان کا مقصد فوت ہو گیا ہے تو قاضی کے حکم سے اس کو بیچ کر اس ثمن کو قریب والے اوقاف میں صرف کیا جائے گا بشرطیکہ وقف کسی متعین شخص کے لئے نہ ہو بلکہ عام فقراء کے لئے ہو۔

الف۔ ب۔ ایسے اوقاف کے استبدال کے سلسلے میں فرق ہے کہ اگر مساجد ہیں تو بالاتفاق وہ مسجد ہی قیامت تک مسجد ہی رہیں گی اس سے مسجد کا حکم ختم نہیں ہوگا، بلکہ اس جگہ جب بھی مسلمان آکر آباد ہونگے ان کے لئے اس جگہ مسجد تعمیر کرنا ضروری ہوگا۔ ہاں مسجد کے وہ سامان جو مصرف کے لائق نہیں اس کو قریب والی مسجد کی طرف منتقل کیا جا سکتا ہے، اور اس کے اندر بھی ارباب حل و عقد کے مشورہ سے اگر کیا جا سکتا ہے تو اس وقف کو منتقل کرنے کی اجازت دی جا سکتی ہے، اور دوسرے اوقاف کے سلسلے میں مسئلہ یہ ہے کہ اگر واقف کے مقاصد کو باقی رکھتے ہوئے کسی دوسرے مقام پر تبادلہ وقف کا نظم کیا جاتا ہے تو شرعاً اس کی گنجائش ہے اس لئے کہ فقہاء کا قاعدہ ہے "شرط الواقف کنص الشارع"۔

جو مسجد غیر آباد ہو چکی ہے کہ وہاں نماز پڑھنے کی کوئی صورت نہیں رہی اس جگہ کو مقفل کر دیا جائے، مفتی بہ قول کے مطابق وہ ہمیشہ مسجد ہی رہے گی، ہاں اس مسجد کا سامان دوسری مسجد میں لگنے کا امکان ہو تو ارباب حل و عقد کی رائے سے اس سامان کو فروخت کر کے قیمت دوسری مسجد میں صرف کر دی جائے لیکن مسجد کا سامان بلا قیمت مدرسہ یا

مسافر خانہ وغیرہ میں صرف کرنا درست نہیں ہے۔ شامی میں ہے:

ولو خرب ما حوله واستغنی عنه یبقی مسجداً عند الإمام والثانی أبداً إلی قیام الساعة وبه یفتی، وروی الملک عن محمد وعن الثانی ینقل إلی مسجد آخر بإذن القاضی وکذا الرباط والبئر والحوض إلی أقرب مسجد أو رباط أو بئر أو حوض۔

قوله وخرب ما حوله ای ولو مع بقائه عامراً وکذا لو خرب ولیس له ما یعمر وقد استغنی الناس عنه لبناء مسجد آخر قوله وعند الثانی جزم به فی الاسعاف حیث قال لو خرب المسجد وما حوله وتفرق الناس عنه لا یعود إلی ملک الواقف عند أبی یوسف فیباع نقضه بإذن القاضی ویصرف القاضی إلی بعض المساجد قوله إلی أقرب مسجد أو رباط، لف ونشر مرتب وظاهره انه لا یجوز صرف وقف مسجد خرب إلی حوض وعکسه۔

اس پوری عبارت سے پورا مسئلہ صاف ہو جاتا ہے کہ مسجد اور دیگر اوقاف کے اندر فرق ہے، لہذا مسجد کے علاوہ ان اوقاف کے سامان کو جن کا مقصد بالکل فوت ہو چکا ہے دوسرے اوقاف کے اندر صرف کیا جا سکتا ہے، چاہے وہ اوقاف قبرستان ہو یا حوض یا مسافر خانہ کسی بھی قسم میں ہو، اور اگر بالکلیہ طور پر انتفاع منقطع ہو جائے تو قاضی شرعی جہاں قائم ہے ورنہ ارباب حل وعقد کو چند شرائط کے ساتھ اس کا متبادل وقف قائم کرنے کی اجازت ہے۔

والمعتمد انه یجوز القاضی بشرط ان یخرج عن الانتفاع بالکلیة وان لا یکون هناک ریع لوقف یعمر به وان لا یکون البیع بغبن فاحش کذا فی البحر الرائق. وشرط فی الاسعاف ان یکون المستبدل قاضی الجنة المفسر بذی العلم۔

یعنی بالکلیہ طور پر ناقابل انتفاع ہے یا اس کی آمدنی اتنی نہیں ہو رہی ہے جس سے اس کی تعمیر ہو سکے اور بیع بڑے خسارے سے بھی نہیں ہو رہی ہے تو اس صورت میں قاضی جنت جو کہ ذی علم ہو اس کے حکم سے استبدال جائز ہے۔ ایک بات باقی رہ جاتی ہے کہ اگر واقف کے مقاصد کی پابندی کئے بغیر ان ناقابل استعمال اوقاف کو فروخت کر کے مسلمانوں کے تعلیمی یا رفاہی ادارے قائم کئے جا سکتے ہیں یا نہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ "شرط الواقف کنص الشارع" یعنی واقف کی شرط شارع کے نص کی طرح ہے۔

مولانا سمیع اللہ قاسمی

اشیاء موقوفہ کا حکم:

الف ب۔ جب کسی شی کو وقف کر دیا گیا تو وہ شی واقف کی ملکیت سے نکل جانے کی وجہ سے نہ تو فروخت کی جا سکتی ہے نہ ہبہ کی جا سکتی ہے اور نہ ہی اس میں اجراء وراثت ہی ممکن ہے، نہ اس کا استبدال ہی جائز ہے۔

فإذا تم الوقف ولزم لا یملک ولا یرهن قوله لا یملک ای لا یقبل التملیک لغیره بالبیع ونحوه لاستحالة تملیکه الخارج عن ملکه (رد المحتار ۳/۴۲۲) ولو خرب ما حوله واستغنی

عنه يبقى مسجدا عند الامام و الثاني أبداً إلى قيام الساعة (رد المحتار ۳/ ۵۱۳)

اشیاء موقوفہ میں تبادلہ کی گنجائش:

اگر کوئی ایسی صورت حال پیش آجائے کہ مقاصد اوقاف باقی نہ رہ سکیں مثلاً وہ علاقے جہاں یہ اوقاف ہیں مسلمانوں کے بالکلیہ ختم ہو جانے کی وجہ سے ویران ہو چکی ہوں، دور دور تک مسلمانوں کا نام و نشان نہیں ہے اور ان اوقاف کا بچ رہنے کا راستہ مشکل ہو گیا ہو اور ایسے اوقاف پر حکومت کا ناجائز قبضہ ہوتا جا رہا ہو تو ان مذکورہ صورتوں میں تین علتوں کی بناپر اوقاف کو فروخت کرنے یا کسی دیگر افراد کو حوالہ کر کے اس کے عوض متبادل اوقاف قائم کرنے کی احقر کے نزدیک گنجائش معلوم ہوتی ہے۔

ایک علت تو مقاصد اوقاف کا معطل اور برباد ہونا ہے کیونکہ فقہاء کا اصول ہے "إن مراعاة غرض الواقف واجبة (رد المحتار ۳/ ۴۶۲) (واقف کی غرض کی رعایت واجب ہے)۔

دوسری علت عدم حفاظ اوقاف ہے جو کہ حکومت کے ناجائز قبضہ کی وجہ سے رونما ہو رہی ہے۔

وفي فتح القدير فمن أرض الوقف إذا غصبها الغاصب وأجرى عليها الماء حتى صارت بحراً لا تصلح للزراعة يضمن قيمتها ويشتري بها أرضا أخرى فتكون أرضا مكانها الخ (فتح ۵/ ۲۳۹)

وقف کی زمین کو اگر کوئی غصب کرلے اور اس میں اتنا پانی ڈالے کہ وہ پانی کی زیادتی کی وجہ سے قابل کاشت نہ رہ جائے تو وہ قیمت کا ضامن ہوگا اور اس سے دوسری زمین خرید کر اس کو اس کی جگہ وقف قرار دیا جائے گا۔

تیسری علت فقدان منافع اوقاف ہے، کیونکہ فقہاء نے تصریح کی ہے کہ جب اوقاف کے منافع بالکلیہ مفقود ہو جائیں تو ان اوقاف کو فروخت کر کے بدل قائم کئے جا سکتے ہیں۔

والثاني لا يشرطه سواء شرط عدمه أو سكت لكن صار بحيث لا ينتفع به بالكلية بأن لا يحصل منه شيء أصلا أولا يفي بمؤنته فهو أيضا جائز (رد المحتار ۳/ ۴۲۴)

الفقه الاسلامي وأدلته کے اندر ہے (شروط الاستبدال) أن يخرج الموقوف عن الانتفاع به بالكلية اى يصبح عديم المنفعة (الفقه الاسلامي وأدلته ۸/ ۲۲۴)

استبدال کے سلسلے میں اوقاف مساجد اور دیگر اوقاف کے حکم میں مساوات:

استبدال کے سلسلے میں اوقاف مساجد اور دیگر اوقاف کے احکام مساوی ہیں یعنی جس طرح دیگر اوقاف کے مجبوری کی وجہ سے بدل قائم کئے جا سکتے ہیں اسی طرح مساجد کے اوقاف کے بھی بدل قائم کئے جا سکتے ہیں۔

مولانا محمد صدر عالم قاسمی

الف۔ ایسے اوقاف جو مسلمانوں کی اجتماعی نقل آبادی کے سبب ویران ہو چکے ہیں، یا اوقاف ایسے مقامات پر ہیں کہ دور دور تک مسلمانوں کی آبادی نہ ہونے کی وجہ سے ان اوقاف کو آباد کرنا اور واقف کے مقاصد کے مطابق انہیں

بروئے کار لانا ناممکن ہو چکا ہے پھر بھی ایسے اوقاف کو فروخت کرنا جائز نہیں ہے۔

إذا صح الوقف لم يجز بيعه ولا تمليكه (ہدایہ ۲/۶۴۰)

نیز فتاوی عالمگیری میں ہے:

"الوقف مرسلا لم يذكر فيه شرط الاستبدال لم يكن له أن يبيعها و يستبدل بها وإن كان أرض الوقف سبخة لا ينتفع بها كذا في فتاوى قاضي خان" (الفتاوی الہندیہ ۲/۴۳۰)۔

ب۔ ہاں ایسے اوقاف کا استبدال جائز ہے یعنی ایسے ویران اوقاف حکومت یا کسی فرد کے حوالے کر کے اس کے عوض دوسری زمین یا مکان حاصل کر لیا جائے، یہ عوض معوض کی نوع کا ہی وقف قرار پائے گا، اور معوض کے ہی مقاصد اس پر جاری ہوں گے۔

والمعتمد أنه يجوز للقاضي بشرط ان يخرج عن الانتفاع بالكلية و أن لا يكون هناك ريع للوقف يعمر به وان لا يكون البيع بغبن فاحش كذا في البحر الرائق. (فتاوی عالمگیری ۲/۴۳۰)۔

استبدال وقف کے سلسلے میں مساجد اور دوسرے اوقاف کا حکم قطعاً یکساں نہیں ہے بلکہ دونوں میں بنیادی فرق ہے، اور وہ یہ کہ مساجد کے علاوہ دوسرے تمام اوقاف حتی کہ مساجد پر وقف جائداد کا استبدال بشرائط جائز ہے، لیکن مساجد کا استبدال جائز نہیں ہے، کیونکہ جو جگہ ایک بار مسجد ہو گئی وہ ابداً آباد تک مسجد ہی رہے گی، اور وہ جگہ شخصی تصرفات وملکیت سے خارج ہو کر حق تعالی کی ملک ہو جاتی ہے۔

قال الله تعالى: "إن المساجد لله"

وفي رد المحتار: إن المسجد إذا خرب يبقى مسجداً أبداً.

مفتی اعظم مولانا کفایت اللہ صاحبؒ ایک استفتاء کے جواب میں لکھتے ہیں: جب مسجد کی جگہ ویران ہو جائے اور مسجد میں نمازی نہ رہیں اور اس کو آباد رکھنے کی کوئی صورت متصور نہ ہو تو اس کو مقفل کر کے محفوظ کر دیا جائے اور اس کا روپیہ کسی دوسری حاجتمند مسجد میں صرف کر دیا جائے (کفایت المفتی ۷/۹۲)۔

مولانا عطاء اللہ قاسمی

اوقاف کا شرعی حکم کیا ہے:

اوقاف کے بارے میں شریعت کا اصل حکم تو یہی ہے کہ واقف نے جس غرض کے لئے کوئی چیز وقف کی ہے وہ موقوفہ چیز اس دائرہ تک محدود رہے اس کو کسی دوسرے مصرف میں لانا یا اس کو فروخت کرنا یا دوسری جگہ سے تبدیل کرنا جائز نہیں ہے، اس وجہ سے کہ فقہاء کرام اس بات کی صراحت کرتے ہیں کہ موقوفہ چیزوں میں واقفین کی غرض کی رعایت کرنا ضروری ہے لہذا جس شخص نے مسجد کے لئے زمین وقف کی ہے تو وہ زمین مسجد ہی کی رہے گی اس کو مدرسہ میں تبدیل کرنا اور اس جگہ پر مدرسہ قائم کرنا جائز نہیں ہوگا، یہی دوسرے اوقاف کا حکم ہے، فقہاء فرماتے ہیں:

شرط الواقف کنص الشارع (شامی ۳/۴۵۰)

واقف کا شرط لگانا شارع کے حکم کے مانند ہے۔ واقفین کے غرض کی رعایت کرنا ضروری ہے۔ مراعاۃ

غرض الواقفین واجبۃ (شامی ۳/۴۶۲)

غیر اسلامی ملک ہندوستان میں بہت سے اوقاف مثلاً مساجد و مدارس و قبرستان وغیرہ ایسے ویران اور معطل ہو چکے ہیں کہ اب وہاں کوئی ایسی صورت حال نہیں پائی جاتی کہ ان کو آباد کیا جائے، یا تو اس لئے کہ وہ اوقاف ایسے علاقوں میں ہیں جہاں موجودہ دور میں مسلمان آباد نہیں ہیں بلکہ غیر مسلم لوگ آباد ہیں اور یا اس لئے کہ وہ غیر مسلموں کے قبضہ میں ہیں تو ایسی صورت حال میں ان اوقاف کو شرعی اعتبار سے بروئے کار لانا مشکل ہے، ایسی صورت میں واقفین کی رعایت کرتے ہوئے ان اوقاف کو بروئے کار لانے کے لئے ہمارے سامنے مندرجہ ذیل احکامات سامنے آتے ہیں، جن کو بالترتیب بیان کیا جاتا ہے:

مسجد کے بارے میں حکم:

جس جگہ مسجد قائم کردی گئی ہو وہ شرعی اعتبار سے مسجد بن جاتی ہے۔ اب اس کے بعد کسی وجہ سے وہ مسجد بالکل ویران اور برباد ہو جائے اور اس میں کبھی کوئی نماز نہ پڑھی جاتی ہو بلکہ معطل ہو یا اور دوسرے کام اس مسجد میں کئے جانے لگے ہوں یا اس میں دکانیں اسکول وغیرہ قائم کر دیئے گئے ہوں، یا جو توڑ پھوڑ وغیرہ کئے جانے لگے ہوں تو ایسی صورت میں معروف و راجح مسلک یہ ہے کہ جب ایک مرتبہ مسجد بن جاتی ہے تو وہ ہمیشہ مسجد رہتی ہے خواہ وہ کتنی ہی ویران و برباد ہو جائے پھر بھی شریعت کا اصل حکم یہی ہے کہ وہ مسجد ہی رہے امام ابو حنیفہ، امام ابو یوسف، امام شافعی، امام مالک رحمہم اللہ کا یہی مسلک ہے صاحب فتح القدیر نے اس کو ان الفاظ میں نقل فرمایا ہے:

ولو خرب ما حول المسجد واستغنی عنہ ای استغنی عن الصلوۃ فیہ أھل تلک المحلۃ أو القریۃ بأن کان فی قریۃ فخربت وحولت مزارع یبقی مسجداً علی حالہ عند أبی یوسف وھو قول أبی حنیفۃ ومالک والشافعی (فتح القدیر ۵/۴۴۳)

اور اگر مسجد کے ارد گرد ویران ہو جائے اور لوگ محلہ والے یا گاؤں والے اس میں نماز پڑھنے سے بے نیاز ہو جائیں، اس طرح سے کہ گاؤں پوری طرح ویران ہو جائے اور ان جگہوں کو کھیت بنالیا جائے تو ایسی حالت میں بھی وہ مسجد ہی رہے گی امام ابو یوسف کے نزدیک، یہی قول امام ابو حنیفہ، شافعی و مالک کا ہے۔

دیگر اوقاف کا شرعی حکم:

تمام اوقاف کے بارے میں اصل حکم تو یہی ہے کہ جس مقصد کے لئے واقف نے کوئی شیٔ وقف کی ہے وہ وقف کی غرض کے مطابق اس دائرے تک محدود رہے اس سے تجاوز نہ کرے، اور اس کو کسی دوسری جگہ سے تبدیل کرنا یا فروخت کرنا جائز نہیں ہے، جیسا کہ علامہ ابن نجیم مصری کی مندرجہ ذیل عبارت سے معلوم ہوتا ہے:

ولو کان الوقف مرسلاً لم یذکر فیہ شرط الاستبدال لم یکن لہ أن یبیعھا ویستبدل بھا

وإن كانت الأرض سبخة لا ينتفع بها لأن سبيل الوقف أن يكون مؤبداً لا يباع (البحر الرائق ۵/۲۰۶)

اور اگر وقف مطلق ہے واقف نے بدلنے کی شرط ذکر نہیں کی تو اس کو فروخت کرنا اور دوسری جگہ سے تبادلہ کرنا جائز نہیں ہے، زمین اگرچہ دلدلی ہو جس سے کوئی فائدہ نہ ہوتا ہو، اس لئے کہ وقف کی راہ تو یہی ہے کہ موقوفہ زمین ابدی ہوتی ہے اس کو فروخت نہیں کیا جاتا۔

مذکورہ بالا عبارات سے یہ بات معلوم ہوئی کہ موقوفہ جگہ کو تبدیل کرنا یا فروخت کرنا صرف اس صورت میں جائز ہے جب کہ واقف نے وقف کرتے وقت یہ شرط لگادی ہو کہ اگر موقوفہ جگہ سے فائدہ نہ ہو تو اس کو تبدیل کرنے یا فروخت کرنے کی اجازت ہے، اس کے علاوہ فروخت کرنا یا دوسری جگہ سے تبدیل کرنا جائز نہیں ہے۔

لیکن جب ہم دوسری طرف نظر کرتے ہیں تو اس بات کا خطرہ ہوتا ہے کہ اگر اس موقوفہ جگہ کا دوسری جگہ سے تبادلہ یا اس کو فروخت نہیں کیا جاتا تو اس جگہ پر غیر مسلموں اور شر پسندوں کا قبضہ ہو جائے گا اور اس جگہ سے غلط کام لئے جانے لگیں گے، تو ایسی صورت کے بارے میں فقہاء کرام سے کوئی صراحت منقول نہیں ہے، البتہ ویران شدہ مساجد وحوض ورباط وغیرہ کے انقاض کے بارے میں فقہاء لکھتے ہیں کہ ان کو قریبی مساجد وحوض ورباط وغیرہ میں خرچ کیا جائے تو یہ درست ہے، چنانچہ علامہ ابن عابدین شامیؒ فرماتے ہیں:

والذي ينبغي متابعة المشائخ المذكورين في جواز النقل بلا فرق بين مسجد أو حوض كما افتى به الإمام أبو شجاع والإمام الحلواني وكفى بهما قدوة ولاسيما في زماننا فإن المسجد أو غيره من رباط أو حوض إذا لم ينقل يأخذ أنقاضه اللصوص والمتغلبون كما هو مشاهد وكذلك أوقافه يأكلها النظار أو غيرهم (رد المحتار ۳/۴۰۷، ومثله في البحر ۵/۲۵۲، الفتح ۵/۴۳۶)

اور مشائخ کی پیروی مناسب ہے نقل انقاض (بیکار ہو جانے والی اشیاء) کے بارے میں، مسجد اور حوض کے درمیان بلا فرق کئے، جیسا کہ نقل انقاض کا امام ابو شجاعؒ اور امام حلوانیؒ نے فتویٰ دیا اور ہم کو ان دونوں کی اقتداء کافی ہے، خاص طور سے ہمارے زمانے میں، کیونکہ مسجد، رباط، حوض وغیرہ کے انقاض کو اگر منتقل نہیں کیا جائے گا تو اس پر شر پسند اور چور وغیرہ قبضہ کرلیں گے جیسا کہ مشاہدہ ہے، اور ایسے ہی ان اوقاف کا حکم ہے جس کو متولی وغیرہ ہتھیا لیں۔

اس عبارت سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ جب اوقاف بالکل ایسی حالت میں پہونچ جائیں کہ اب ان سے کچھ نفع کی امید نہ ہو اور واقفین کی غرض بھی اس سے پوری نہ ہوتی ہو تو ایسی صورت میں ان اوقاف کو فروخت کرکے یا دوسری جگہ سے تبدیل کرکے مسلمانوں کی آبادی میں (خاص طور سے جہاں پسماندہ لوگ ہوں) اس مصرف میں خرچ کیا جائے جس کے لئے واقف نے وقف کیا تھا تو یہ جائز ہے بلکہ ایسی جگہ میں خرچ کرنا واجب اور ضروری ہے (امداد الفتاوی ۲/۶۷۱)۔

مولانا اسعد اللہ قاسمی

اوقاف کی ابتداء حضور اکرم ﷺ کے زمانہ میں ہوئی جو ایک ضابطہ اور ایک اصول بن گیا اور اسی ضابطے اور

اصول کے مطابق دنیا میں آج تک وقف کا باقاعدہ وانتظام مساجد، قبرستان، مکاتب، مدارس، اور مسافر خانہ وغیرہ کی شکل میں چلا آ رہا ہے، جس کا مقصد عام لوگوں کو فائدہ پہنچانا ہوتا ہے (شامی ۳ر۳۵۷) لیکن کبھی کبھی اس کے ساتھ بڑی بڑی پیچیدگیاں بھی پیش آتی ہیں جن کو قرآن وحدیث اور اصول وقواعد کی روشنی میں حل کرنا ضروری ہوتا ہے۔

ناقابل استعمال اوقاف کو فروخت کر کے متبادل وقف قائم کرنا:

کتب احناف سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اگر کسی علاقہ میں اوقاف ناقابل استعمال یا ویران ہو جائے جیسا کہ بعض جگہوں میں نقل آبادی کی وجہ سے ہو گیا ہے تو ایسے اوقاف کو حکومت یا کسی ادارہ یا کسی فرد کے حوالہ کر کے یا اس کو فروخت کر کے جہاں مسلمانوں کی آبادی موجود ہے وہاں متبادل وقف قائم کیا جا سکتا ہے، چنانچہ علامہ ابن عابدین شامی لکھتے ہیں کہ اگر کوئی وقف شدہ زمین اس قابل ہو جائے کہ جس سے انتفاع ممکن نہ ہو تو اس کو کسی کے حوالہ کر کے اس کے عوض ان سے متبادل زمین حاصل کی جا سکتی ہے، نیز ذخیرہ اور منتقی کے حوالے سے دوسری جگہ لکھتے ہیں کہ ہشام نے کہا کہ میں نے امام محمدؒ کو کہتے ہوئے سنا کہ اگر کوئی وقف کی زمین اس قابل ہو جائے کہ جس سے فائدہ نہ اٹھایا جا سکے تو قاضی کو چاہئے کہ اس ناقابل استعمال زمین کو فروخت کر کے اس کی جگہ کوئی متبادل وقف قائم کر دے۔

ولو صارت الأرض بحال لا ينتفع بها جاز شرط الاستبدال به أرضا أخرى حينئذ (در مختار ۳ر۳۸۷)

في الذخيرة و في المنتقى قال هشام سمعت محمدا يقول إذا صار بحيث لا ينتفع به المساكين فللقاضي أن يبيعه ويشترى بثمنه غيره وليس ذلك إلا للقاضي ..... كلام المشائخ ان محل الاستبدال عند التعذر (شامی ۳ر۳۸۲)

حنابلہ اور مالکیہ کا بھی یہی مسلک ہے کہ اگر وقف شدہ چیز ناقابل استعمال ہو جائے جس کو اگر اہل وقف کی طرف واپس کرنا چاہیں تو نہ کر سکیں یا اس کے باقی نہ رکھنے ہی میں کوئی مصلحت ہو تو اس کو فروخت یا کسی کے حوالہ کر کے اس کی جگہ اس کا کوئی متبادل قائم کیا جا سکتا ہے۔

إذا خرب الوقف ولم يرد شيئا بيع واشترى بثمنه ما يرد على أهل الوقف وجعل وقفا كالأول ... إن الوقف إذا بيع فأى شيء اشترى بثمنه مما يرد على أهل الوقف جاز سواء من جنسه أو من غير جنسه (المغنی ۵ر۳۶۹)

اگر وقف ویران ہو جائے اور اس سے آمدنی حاصل نہ ہو پائے تو اسے فروخت کر دیا جائے اور اس کی قیمت سے کوئی ایسی چیز خرید لی جائے جو اہل وقف پر لوٹا دی جائے اور اس کو بھی پہلے وقف کی طرح وقف کر دیا جائے، خواہ وہ وقف کی جنس سے ہو یا غیر جنس سے۔

رواية أبي الفرج عن مالك إن رأى الإمام بيع ذلك لمصلحة جاز ويجعل ثمنه في مثله (شرح الكبير ۴ر۹۱)

ابو الفرج کی امام مالکؒ سے روایت ہے کہ اگر امام موقوفہ جائداد کو فروخت کرنے میں مصلحت سمجھے تو اس کا ایسا کرنا جائز ہے لیکن اس کے ثمن کو اسی نوع کے اوقاف میں لگا دے۔

مساجد اور دیگر اوقاف میں فرق:

مساجد اور دیگر اوقاف میں فقہاء احناف نے مختلف انداز اور مختلف طرز سے فرق کو ظاہر کیا ہے، امام ابو حنیفہؒ کا کہنا ہے کہ کوئی شخص جب کوئی چیز وقف کرتا ہے تو وہ اس کی ملکیت سے اس وقت تک نہیں نکلتی ہے جب تک حاکم اس کے نکلنے کا فیصلہ نہ کر دے لیکن مساجد چونکہ محض اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اور رضا اور عبادت کے لئے وقف کی جاتی ہیں اس لئے یہ وقف کرتے ہی واقف کی ملکیت سے نکل جاتی ہیں، حاکم کے فیصلے کی اس میں کوئی ضرورت نہیں ہے۔

امام محمدؒ کے نزدیک مساجد کے سوا دیگر اوقاف کے درست ہونے کے لئے شرط ہے کہ اس کو وقف کرنے کے بعد متولی کے سپرد کر دیا جائے لیکن مساجد کا وقف بغیر متولی کے سپرد کئے درست ہو جائے گا۔

امام ابو یوسفؒ چونکہ اوقاف کے درست ہونے کے لئے متولی کو سپردگی شرط قرار نہیں دیتے اس لئے وقف مشاع جو قابل قسمت ہو اس کو جائز قرار دیتے ہیں لیکن مساجد اور مقابر میں وقف مشاع جائز قرار نہیں دیتے ہیں۔

اعلم أن المسجد يخالف سائر الأوقاف في عدم اشتراط التسليم إلى المتولي عند محمد وفي منع الشيوع عند أبي يوسف وفي خروجه عن ملك الواقف عند الإمام وإن لم يحكم به حاكم. (شامی ۳ر۳۶۹)

مسجد تمام اوقاف کے خلاف ہے متولی کی طرف سپردگی کی شرط نہ ہونے میں امام محمدؒ کے نزدیک، اور وقف مشاع مسجد میں امام ابو یوسفؒ کے نزدیک ممنوع ہے، امام صاحب کے نزدیک اوقاف واقف کی ملکیت سے نہیں نکلے گا جب تک حاکم نہ فیصلہ کر دے لیکن مسجد میں ایسا نہیں ہے۔

مسلک شافعی وحنبلی:

امام شافعی اور امام احمدؒ کے یہاں بھی مساجد اور دیگر اوقاف میں فرق کیا گیا ہے، چنانچہ علامہ نووی لکھتے ہیں کہ مساجد جب منہدم ہو جائیں اور نوبت یہ آ جائے کہ ان کا اعادہ بھی ممکن نہ ہو سکے تو اس کے باوجود اس کو فروخت کیا جا سکتا ہے نہ اس میں کسی طرح کا تصرف کیا جا سکتا ہے اور نہ اس کو مالک کی ملکیت کی طرف لوٹایا جا سکتا ہے بخلاف دیگر اوقاف کے کہ جب وہ اس مرحلہ میں آ جائے کہ اس سے انتفاع ناممکن ہو جائے تو اس کو فروخت کر کے اس کا متبادل قائم کیا جا سکتا ہے۔

ابن قدامہ نے بھی یہی بات تحریر کی ہے کہ مساجد جب اس مرحلہ میں آ جائیں کہ ان میں نماز پڑھنا ناممکن ہو جائے تو اس کو فروخت نہیں کیا جائے گا بخلاف دیگر اوقاف کے کہ جب وہ اس قابل ہو جائیں کہ ان سے انتفاع ممکن نہ ہو تو ان کو فروخت کیا جا سکتا ہے۔

أما المسجد فإنه إذا انهدم و تعذرت إعادته فإنه لا يباع بحال لإمكان الانتفاع به حالا

بالصلوة فی أرضه (شرح مہذب ۳۶۱/۱۵)

مسجد جب منہدم ہو جائے اور اس کا اعادہ متعذر ہو جائے تو اس کو کسی بھی حالت میں نہیں بیچا جائے گا، کیونکہ ممکن ہے اس زمین میں کبھی نہ کبھی نماز پڑھی جائے۔

وإن وقف مسجدا فخرب المكان وانقطعت الصلوة لم يعد إلى الملك ولم يجز التصرف فيه (شرح مہذب ۳۶۰/۱۵)

اگر کسی نے مسجد وقف کیا پس وہ جگہ ویران ہو گئی اور نماز پڑھنا اس جگہ میں بند ہو گیا تو وہ مالک کی ملکیت کی طرف نہیں لوٹے گی اور نہ اس میں تصرف جائز ہوگا۔

قال أبو بكر: وقد روى علي بن سعيد أن المساجد لا تباع وإنما تنقل آلاتها (أحكام القرآن ۳۶۸/۵)۔

ابوبکر نے کہا کہ علی بن سعید کی روایت ہے کہ مساجد فروخت نہیں کی جائے گی البتہ اس کے اسباب منتقل کئے جائیں گے۔ مولانا محمد ارشد قاسمی

☆☆☆☆

ناقابل انتفاع اوقاف سے تعلیمی ورفاہی اداروں کا قیام

اس مسئلہ سے متعلق جواب دینے والے علماء کرام کے اسمائے گرامی

مولانا عبید اللہ اسعدی
مولانا عتیق احمد قاسمی
مولانا زبیر احمد قاسمی
مفتی شبیر احمد قاسمی
مولانا نظر عالم ندوی
ڈاکٹر عبد العظیم اصلاحی
مولانا ابوسفیان مفتاحی
مولانا ظفر الاسلام اعظمی
مفتی فضیل الرحمن ہلال عثمانی
مولانا مفتی محمد حنیف
مفتی شیر علی گجراتی
مولانا ابوبکر قاسمی
مفتی عبد الرحیم قاسمی
مولانا محمد مسعود عالم قاسمی
مولانا محمد مصطفی قاسمی
مولانا قمر الزماں ندوی
مولانا ابرار خاں ندوی
مولانا محمد صدر عالم قاسمی
مولانا محمد ارشد قاسمی

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی
مفتی جنید عالم قاسمی
مولانا عبد الجلیل قاسمی
مفتی نسیم احمد قاسمی
مولانا شمس پیرزادہ
مفتی جمیل احمد نذیری
مفتی محبوب علی وجیہی
مولانا حبیب اللہ قاسمی
مفتی شکیل احمد سیتاپوری
مولانا محمد رضوان قاسمی
مولانا ایوب ندوی
مولانا تنویر عالم قاسمی
مولانا نذر توحید مظاہری
ڈاکٹر قدرت اللہ باقوی
مولانا اخلاق الرحمن قاسمی
مولانا محمد نور القاسمی
مولانا ابراہیم قاسمی بارڈولی
مولانا عطاء اللہ قاسمی

ناقابل انتفاع اوقاف سے تعلیمی و رفاہی اداروں کا قیام

سوال: کیا شرعاً اس کی گنجائش ہے کہ ایسے ویران، ناقابل استعمال اوقاف کو فروخت کرکے واقف کے مقاصد کی پابندی کے بغیر ان کے ذریعہ مسلمانوں کے تعلیمی یا رفاہی ادارے قائم کردئے جائیں؟

جوابات

تبادل میں اس کا لحاظ کیا جائے گا کہ اصل وقف کی جو جہت ہو اس کا نظم کیا جائے اس لئے کہ اس قسم کی ضرورت دوسرے مواقع میں پائی جاتی ہے، اور وہ صورت اپنائی جائے کہ جس میں واقف کے مقصد اور صورت وشرط کی حتی الامکان رعایت پائی جائے۔

اس لئے کہ استبدال وتبادل کی اجازت ضرورت میں اور پابندیوں کے ساتھ ہے، اور ضرورت کی رعایت میں واقف کی عدم اجازت کا بھی خیال نہیں کیا گیا ہے مگر مقصد اہم ہے، مدارس، مسافرخانے اور اسپتال آج بھی بنائے جاسکتے ہیں، ان سے واقف کے مقصد کی کسی نہ کسی درجہ میں بہرحال تکمیل ہوگی، یتیم خانہ بھی ایک اہم ضرورت ہے، نیز چھوٹے پیمانے کے ٹیکنیکل ادارے جن سے معمولی گھرانے کے بچے وبچیاں اور عورتیں ہنر سیکھ کر اپنی حیثیت کا نظم کرسکیں۔ جیسا کہ مفتی نظام الدین صاحب کے فتاویٰ میں ذکر آیا ہے، خالص عصری تعلیم کے اداروں کا قیام اپنے حالات کے اعتبار سے وقف اور اس کے مقاصد سے ہم آہنگ نہیں۔ مولانا عبید اللہ اسعدی

اوقاف کا مقصد مسلمانوں کے فلاح وبہبود کی عمومی خدمت نہیں بلکہ واقف کی شرط کے دائرہ میں رہتے ہوئے اور اس کے منشا کی تکمیل کرتے ہوئے فلاحی کام کرنے کی گنجائش ہے، لہٰذا ضروری ہوگا کہ استبدال وقف کے بعد متبادل وقف کو انہی مقاصد میں استعمال کیا جائے، جن مقاصد کے لئے اسے وقف کیا گیا تھا، علامہ شامی نے اس سلسلے میں یہ اصول بیان کیا ہے:

وحاصله: ان المنقول عندنا أن الموقوف عليه إن خرب يصرف وقفه إلى مجانسه فتصرف أوقاف المسجد إلى مسجد آخر و أوقاف الحوض إلى حوض آخر (رد المحتار ۵/۳۶۵)

لہٰذا واقف کے مقصد ومنشا کو نظر انداز کرتے ہوئے وقف کا استعمال درست نہیں، بلکہ مساجد سے متعلق اوقاف کو مساجد پر اور قبرستان کے اوقاف کو قبرستان ہی پر استعمال کرنا ضروری ہوگا، ہاں ویران مدارس اور تعلیم گاہوں کے اوقاف تعلیمی اغراض کے لئے استعمال ہوں گے، لیکن ان میں بھی یہ ضروری ہوگا کہ دینی درسگاہوں کے اوقاف

دینی تعلیم ہی کے لئے خرچ ہوں، کیوں کہ عام طور پر جو لوگ دینی تعلیمی ادارہ پر کوئی چیز وقف کرتے ہیں وہ اسی مقصد میں اس کے استعمال کے خواہش مند ہوتے ہیں۔

دوسرے فقہاء کا بھی یہی نقطہ نظر ہے، فقہاء مالکیہ میں علامہ علیش مالکی کا بیان ہے:

(شرطه) ای الواقف وجوبا (إن جاز) الشرط فیجب العمل به و لا یجوز العدول عنه إلا ان یتعذر فیصرف فی مثله کما تقدم فی القنطرة و نحوها (شرح منح الجلیل ۴/۹۲)

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی

اس کی گنجائش نہیں ہے، اوقاف کو فروخت کر کے مقاصد وقف ہی میں صرف کیا جانا ضروری ہے، واقف کے مقاصد کو نظر انداز کر کے دوسرے تعلیمی یا رفاہی کاموں میں صرف کرنا درست نہیں۔

مولانا عتیق احمد قاسمی

مقاصد واقف کے خلاف کام کرنا:

چونکہ منشاء واقف اور مقاصد وقف کی رعایت ضروری ہے کوئی ایسا کام نہیں کر سکتے ہیں جو منشاء واقف اور مقاصد وقف کے خلاف ہو، لہذا صورت مذکورہ میں مذکورہ نا قابل استعمال اوقاف کو فروخت کر کے واقف کے مقاصد کی پابندی کئے بغیر ان کے ذریعہ مسلمانوں کے تعلیمی یا رفاہی ادارے قائم نہیں کر سکتے ہیں، شرعاً اس کی اجازت نہیں ہے۔

مفتی جنید عالم قاسمی ندوی

ویران نا قابل استعمال وانتفاع اوقاف کو فروخت کر کے اس کی آمدنی سے واقف کے منشاء ومقصد کی رعایت کئے بغیر مطلقاً تعلیمی ورفاہی ادارے قائم کرنا درست نہیں۔

فقہاء کی صراحت ہے کہ سابق نا قابل انتفاع اوقاف کو فروخت کر کے اس کا جو بدل حاصل ہوگا اس سے جو چیز خریدی جائے گی بعینہ وقف سابق کے حکم میں ہوگی۔

پھر واقفین کے اغراض ومقاصد کی رعایت بھی ضروری ہے، اس لئے اولاً تو کوشش یہی کی جائے گی کہ ویران اوقاف مثلاً مساجد ومدارس، رباط، کنواں اور حوض وغیرہ کی قیمت سے مسجد ومدرسہ، رباط، حوض وغیرہ ہی بنایا جائے، اور اگر حالات وموانعات کے سبب یہ ممکن نہ ہو تو اسی نوع کے دیگر قدیم محتاج اوقاف پر خرچ کیا جائے۔

مولانا زبیر احمد قاسمی

اس طرح کے اوقاف کو فروخت کر کے واقف کے منشاء کے خلاف مسلمانوں کے تعلیمی ورفاہی ادارے قائم کرنا جائز نہیں ہوگا، اس لئے کہ واقف کے منشاء کی رعایت بہر حال ضروری ہے، مشہور جزئیہ ہے:

شرط الواقف کنص الشارع ای فی المفهوم و الدلالة و وجوب العمل به (درمختار ۴/۲۱۹)

علی أنهم صرحوا بأن مراعاة غرض الواقفین واجبة (رد المحتار ۳/۲۱۹)

مولانا عبد الجلیل قاسمی

ویران اوقاف کی آمدنی غرض واقف کے خلاف مصرف میں لگانا:

مساجد کے علاوہ دیگر ویران اوقاف کو فروخت کر کے اس کے متبادل اوقاف کا انتظام کرنا جائز ہے جیسا کہ ماقبل کی سرخیوں کے تحت گذر چکا ہے، اب سوال یہ ہے کہ ان ویران اوقاف کی رقم سے واقف کے مقاصد کی پابندی کے بغیر خلاف جنس دینی امور میں مثلاً تعلیمی یا رفاہی ادارے قائم کرنا جائز ہوسکتا ہے یا نہیں؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ غرض واقف کے خلاف عمل کرنا جائز نہیں ہے اس کی پابندی کرنا ذمہ داران وقف پر لازم ہوتا ہے، نیز شریعت نے واقف کی شرطوں کو نصوص شرعیہ کا درجہ دیا ہے اس لئے خلاف جنس کے لئے تصرف جائز نہیں ہوگا، اس کو حضرات فقہاء نے اس طرح کے الفاظ سے نقل فرمایا ہے:

إنهم صرحوا بأن مراعاة غرض الواقفين واجبة الخ (شامی ۶/۶۶۵)

بے شک فقہاء نے اس کی صراحت کردی ہے کہ وقف کرنے والوں کی غرض اور مقصد کی رعایت کرنا واجب ہوتا ہے۔

شرط الواقف كنص الشارع (شامی کراچی ۴/۴۳۳، شامی دیوبند ۶/۶۴۹)

واقف کی شرط شارع کی صراحت کے درجہ میں ہوتی ہے۔

اور الاشباہ والنظائر میں ہے:

شرط الواقف لأن مخالفته كمخالفة النص (الاشباہ والنظائر ص ۱۹۴)

اور الاشباہ میں واقف کی شرط کے متعلق لکھا ہے کہ اس کی مخالفت نص شرعی کی مخالفت کے مرادف ہے۔

اور شامی میں اس سے بھی واضح عبارت موجود ہے:

وهو أن يكون البدل والمبدل من جنس واحد (شامی ۶/۵۸۶)

اور وہ شرط یہ ہے کہ بدل اور مبدل منہ دونوں ایک ہی جنس کے ہوں۔

ہاں اتنی رعایت ضرور ہے کہ اگر بدل اپنے مبدل منہ سے زیادہ اچھا اور انفع ہے اور بدل زیادہ پائیدار اور زیادہ آمدنی کا ذریعہ ہے اور مقاصد وقف کے واضح خلاف بھی نہیں ہے تو خلاف جنس میں تبدیلی جائز ہے مگر اس کی آمدنی ہم جنس میں خرچ کرنا لازم ہوگا، اس کو حضرات فقہاء نے ان الفاظ سے نقل فرمایا ہے:

والظاهر عدم اشتراط اتحاد الـ[illegible] في الموقوفة للاستغلال لأن المنظور فيها كثرة الريع وقلة المرمة والمونة فلو استبدل الحانوت بأرض تزرع، ويحصل منها غلة قدر أجرة الحانوت كان أحسن لأن الأرض أدوم وأبقى وأغنى عن كلفة الترميم والتعمير بخلاف الموقوفة للسكنى (شامی زکریا دیوبند ۶/۵۸۶، شامی کراچی ۴/۳۸۶)

اور ظاہر یہ ہے کہ اس میں اتحاد جنس کی پابندی لازم نہیں اس لئے کہ اس میں کثرت نفع اور قلت مرمت اور قلت خرچ پیش نظر ہوتی ہے، لہذا اب دوکان کھیتی سے تبدیل کی جائے گی اور اس میں دوکان کے مقابلہ میں زیادہ

مقدار میں آمدنی ہے تو تبدیلی زیادہ بہتر ہے اس لئے کہ زمین دائمی باقی رہتی ہے اور ترمیم و تعمیر سے بے نیاز ہوتی ہے برخلاف رہائش موقوفہ کے۔

مفتی شبیر احمد قاسمی

شرعی نقطۂ نظر سے واقف کے منشا اور مقاصد وقف کی رعایت ضروری ہے، لہذا استبدال اوقاف کی صورت میں بھی کسی ایسے کام کی اجازت نہیں ہوگی جو واقف کے منشا اور مقاصد اوقاف کے خلاف ہو، ویران اور ناقابل استعمال اوقاف کو فروخت کر کے واقف کے مقاصد کی پابندی اور رعایت کئے بغیر ان کے ذریعہ مسلمانوں کے لئے تعلیمی و رفاہی اداروں کا قیام درست نہیں ہوگا، ہر صورت میں منشاء واقف اور مقاصد وقف کی رعایت ضروری ہوگی۔

مفتی نسیم احمد قاسمی

فقہاء نے صراحت کی ہے کہ واقف کے مقاصد کی رعایت کرنا واجب ہے جب کہ وہ اصول شرع سے متصادم نہ ہوں، علامہ ابن عابدین شامیؒ تحریر فرماتے ہیں:

إنهم صرحوا بأن مراعاة غرض الواقفين واجبة (رد المحتار ۳/ ۴۴۵)

لیکن اگر قاضی شریعت یا دیندار مسلمانوں کی جماعت جس میں کم از کم ایک عالم دین ہو، کا اگر یہ فیصلہ ہو جائے کہ ویران اور ناقابل استعمال و ناقابل انتفاع اوقاف کو فروخت کر کے ان کی قیمت سے دینی تعلیمی ادارہ یا رفاہی ادارہ قائم کرنا بہتر ہے تو فقہ اسلامی کی رو سے اس کی اجازت ہوگی۔

مولانا ظفر عالم ندوی

واقف کے مقاصد کی پابندی ضروری ہے الا یہ کہ کوئی مقصد خلاف شرع ہو، ایسی صورت میں کوئی جائز صورت اختیار کی جاسکتی ہے۔

مولانا شمس پیرزادہ

ایک مقولہ یا اصول ہے "عبارة الواقف كنص الشارع" وقف کرنے والے کی عبارت شارع کے نص کی طرح ہے، اس کے مفہوم میں وجوب اور قدامت شامل کر کے بعد کے لوگوں نے اوقاف سے متعلق بڑا جامد رویہ اپنایا ہے، حالانکہ اس کا مفہوم جیسا کہ علامہ ابن تیمیہؒ نے تحریر کیا ہے یہ ہے کہ وقف کرنے والے کی عبارت اپنے مفہوم کی دلالت میں ویسے ہی ہے جیسے شارع کی نص اپنے مفہوم کے سلسلہ میں قطعی ہوتی ہے، اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ واقف کی عبارت اپنے وجوب میں شارع کے نص کی طرح ہوتی ہے، اگر ایسا مفہوم لیا جائے تو ایک عام شخص کو شارع قرار دینے کے ہم معنی ہوگا، اس لئے ویران اور ناقابل استعمال اوقاف کو فروخت کر کے اگر مصلحت متقاضی ہو تو اس کے ذریعہ مسلمانوں کے لئے تعلیمی و رفاہی ادارے قائم کرنے میں حرج نہیں معلوم ہوتا، اس سے واقف کے ثواب میں اضافہ ہی ہوگا، اس لئے کہ پہلی شکل میں اس سے منفعت موقوف ہوگئی تھی جس سے اس کا ثواب بھی موقوف ہوسکتا ہے۔

مولانا عبد العظیم اصلاحی

ویران، ناقابل استعمال اوقاف کو فروخت کرنے کے بعد ان کا متبادل اسی طور پر قائم کیا جائے جس سے واقف کا مقصد حاصل ہو، واقف کے منشاء و مقصد کی خلاف ورزی شرعاً جائز نہ ہوگی۔

اشباہ میں ہے:

شرط الواقف يجب اتباعه لقولهم شرط الواقف كنص الشارع اى فى وجوب العمل به و فى المفهوم والدلالة (غمز عيون البصائر شرح الاشباہ والنظائر ۲/۲۲۹)

واقف کی شرط واجب الاتباع ہے، فقہاء کا قول ہے کہ واقف کی شرط نص شارع کی طرح ہے، یعنی مفہوم اور دلالت میں اور عمل کے واجب ہونے میں نص شارع کی طرح ہے۔

ردالمحتار میں ہے:

(قوله اى فى المفهوم والدلالة الخ) كذا عبر فى الاشباه والذى فى البحر عن العلامة قاسم فى الفهم والدلالة وهو المناسب لأن المفهوم عندنا غير معتبر فى النصوص (ردالمحتار ۳/۳۵۹)

اشباہ میں بھی مفہوم اور دلالت کے ہی الفاظ ہیں، لیکن البحر الرائق میں علامہ قاسم سے فہم اور دلالت کے الفاظ منقول ہیں، یہی الفاظ مناسب ہیں کیونکہ مفہوم ہمارے نزدیک نصوص میں معتبر نہیں۔

مولانا جمیل احمد نذیری

صورت مسئول میں تمام ایسے ویران اور ناقابل استعمال اوقاف فروخت کر کے واقف کے مقاصد کی پابندی کئے بغیر ان کے ذریعہ مسلمانوں کے تعلیمی یا رفاہی ادارے قائم کئے جانے کی شرعاً گنجائش نہیں ہے۔

علامہ عینی شرح بخاری میں لکھتے ہیں:

و ذكر أصحابنا إذا خرب ودثر لم يبق حوله جماعة والمقبرة إذا عفت ودثرت تعود ملكا لأربابها فإذا عادت ملكا يجوز أن يبنى موضع المسجد دارا و موضع المقبرة مسجداً وغير ذلك فإذا لم يكن لها أرباب تكون لبيت المال (عمدۃ القاری ۳/۱۷۹)

یعنی مسجد اور قبرستان کے ویران ہونے کی صورت میں اور واقف کی ملک میں آجانے کے بعد خود واقف کے لئے اپنی شی مملوک میں مسجد کو گھر بنانے اور قبرستان کو مسجد بنانے کی اجازت ہے، اور غیر واقف کے لئے واقف کے مقاصد کی پابندی واجب ہے، اگر واقف کے مقاصد میں مسلمانوں کے تعلیمی ادارے یا رفاہی ادارے قائم کیا جانا شامل ہے تو بنا سکتے ہیں، ورنہ نہیں، کیونکہ واقف کے مقاصد کی رعایت واجب ہے، چنانچہ علامہ شامیؒ (۳/۴۴۳) میں لکھتے ہیں:

مراعاة غرض الواقفين واجبة اور (۳/۳۰۵) پر لکھتے ہیں فان شرائط الواقف معتبرة إذا لم تخالف الشرع وهو مالك فله أن يجعله ماله حيث شاء مالم يكن معصية، وله أن يخص صنفاً من الفقراء.

اور قواعد الفقہ کے (صفحہ ۸۵) پر ہے: شرط الواقف كنص الشارع فى وجوب العمل به وفى المفهوم والدلالة۔ اور الاشباہ والنظائر کے (صفحہ ۲۰۵) پر ہے: فيجب اتباع شرط الواقفين فى أوقافهم۔

یعنی واقف کی شرط کی اتباع واجب ہے اس کے خلاف کرنا جائز نہیں ہے، واللہ اعلم۔۔

خلاصہ کلام صورت مسئولہ میں ایسے ویران ناقابل استعمال اوقاف کو فروخت کرکے واقف کے مقاصد کی پابندی ورعایت کے بغیر مسلمانوں کے تعلیمی ادارے یا رفاہی ادارے قائم کرنے کی شرعاً گنجائش نہیں ہے۔۔۔ واللہ اعلم۔

مولانا ابوسفیان مفتاحی

واقف کی شرائط نص شارع کے حکم میں ہیں، لہذا ان کی مکمل پابندی کی جائے، البتہ جہاں مصارف وقف موجود نہ ہوں یا ان کی تکمیل کے بعد کچھ رقم فاضل رہتی ہے تو وہ مسلمانوں کے تعلیمی اور رفاہی کاموں میں خرچ کر سکتے ہیں، اور ایسے پرانے اوقاف جن کے شرائط معلوم نہ ہوں ان کی آمدنی پہلے غرباء ومساکین اور پھر دینی وملی ضروریات پر خرچ کی جاسکتی ہے۔

مفتی محبوب علی وجیہی

مساجد وغیر مساجد کے اوقاف میں فرق ہے جیسا کہ (امداد الفتاوی ۲/۵۹۲) پر حضرت تھانوی نے درمختار و شامی وغیرہ کی عبارتوں کو نقل فرمانے کے بعد لکھا ہے کہ وقف مسجد میں سے صرف انہیں مصارف میں صرف کرنا جائز ہے جن کو مسجد کی آبادی میں دخل ہے، نیز صفحہ مذکورہ کے حاشیہ پر حضرت نے لکھا ہے کہ "دو سال ہوئے کہ (المشیر جلد ۲ نمبر ۲۹ صفحہ ۱۰، کالم ۲) مورخہ ۱۱ر جولائی ۱۹۱۲ء میں میرا ایک لکھا ہوا جواب اس کے خلاف چھپ گیا سو وہ میری غلطی تھی، صحیح جواب یہ ہے کہ وقف مسجد میں سے مدرسہ میں صرف نہیں ہو سکتا۔ نیز (احسن الفتاوی ج ۶) کتاب الوقف میں کئی ایک استفتاء کے جوابات سے یہی مفہوم ہوتا ہے کہ دونوں کی حیثیت جداگانہ ہے۔

مولانا ظفر الاسلام اعظمی

واقف کے مقاصد کی پابندی کے بغیر ان ویران اوقاف کے ذریعہ مسلمانوں کے تعلیمی ورفاہی ادارے قائم کرنا درست نہیں۔

لأن شرط الواقف كنص الشارع (درمختار، الاشباہ والنظائر)

مفتی حبیب اللہ قاسمی

حتی الامکان واقف کے مقاصد کی پابندی ضروری ہے، تاہم چونکہ وقف کا مقصد امور دینیہ سے متعلق ہوتا ہے اس لئے قاضی کی یا مجوزہ شرعی کمیٹی کی اجازت سے مسلمانوں کے رفاہی اور ایسے تعلیمی اداروں پر جن میں تربیت دینی ہو خواہ دینی تعلیم کے ساتھ عصری تعلیم بھی ہو خرچ کرنے کی گنجائش ہے۔

مفتی فضیل الرحمن ہلال عثمانی

واقف کے مقاصد کی پابندی ضروری ہے، تعلیمی یا رفاہی ادارے نہیں قائم کئے جاسکتے۔

شرط الواقف كنص الشارع اتفق الفقهاء على هذه العبارة (الفقہ الاسلامی وادلتہ ۸/ ۱۷۸) یعنی فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ وقف کرنے والے کے شرائط نص شارع کی طرح قابل رعایت ہیں۔

مفتی شکیل احمد سیتاپوری

نہیں، مقصود واقف کی رعایت بہرحال واجب ہے۔

مولانا محمد حنیف صاحب

منشاء واقف کی عدم رعایت:

عام حالات میں واقف کے منشا کی خلاف ورزی درست نہیں لیکن بعض مواقع ایسے ضرور ہیں جہاں فقہاء نے منشاء واقف سے انحراف کو بھی روا رکھا ہے، اور یہ اس وقت ہے جب کہ وقف کا مفاد اسی میں ہو، چنانچہ علامہ شامی تحریر فرماتے ہیں:

او کان فی الزیادة نفع للفقراء فللقاضی المخالفة دون الناظر (شامی ۳/ ۵۸۹)

واقف کی شرائط کے خلاف کرنے میں فقراء کے لئے نفع ہو تو قاضی کو اس کی اجازت ہے نہ کہ نگران (متولی) کو۔

سوال میں مذکور ہے کہ اگر واقف کے منشا کے خلاف عمل نہ کیا جائے تو محض اس ملکیت کا اس سے نفع اٹھانا تو درکنار بلکہ اوقاف کے ضائع ہونے کا یقین ہے، اس لئے مذکورہ صورت میں شرط واقف کی خلاف ورزی کی بھی گنجائش ہے۔

مولانا محمد رضوان قاسمی

وقف کے بعد مصرف بدلنا خود واقف کے لئے بھی جائز نہیں ہے، اس لئے ایک مصرف سے استغناء کے وقت اسی مصرف کے مماثل میں صرف کرنا چاہئے، وقف کے احکام بہت نازک ہیں، واقف کی غرض اور مقصد کا لحاظ اور اس کی مقررہ شرائط کی پابندی ضروری ہے۔ **شرط الواقف کنص الشارع۔**

واتحد الواقف والجهة وقل مرسوم بعض الموقوف عليه بسبب خراب وقف أحدهما جاز للحاكم أن يصرف من فاضل الوقف الآخر عليه لأنهما حينئذ كشيء واحد وإن اختلف أحدهما بأن بنى رجلان مسجدين أو رجل مسجدا ومدرسة ووقف عليهما أوقافا لا يجوز ذلك أي الصرف المذكور (شامی ۳/ ۳۶۰ مطبوعہ کراچی)

اس لئے ان اوقاف کو فروخت کرکے واقف کے مقاصد کی پابندی کئے بغیر ان کے ذریعہ مسلمانوں کے تعلیمی یا رفاہی ادارے قائم کرنا جائز نہیں ہے۔ مولانا شبیر علی

جس قسم کے لئے وقف کیا ہو اس کی پابندی ضروری ہے۔

مولانا ایوب ندوی

ویران و ناقابل استعمال اوقاف کو فروخت کرکے واقف کے مقاصد کی پابندی کئے بغیر ان کے ذریعہ مسلمانوں کے لئے تعلیمی یا رفاہی ادارے قائم کرنا شرعاً جائز نہیں ہے۔

لأن مراعاة غرض الواقفين واجبة (ردالمحتار ۳/ ۴۴۳) شرط الواقف كنص الشارع (الاشباہ والنظائر تحت القاعدة الاولی ص ۵۵ مع تعلیقہ ۸۵، ردالمحتار ۳/ ۴۶۲) و بيع أرض الوقف لا

یجوز (فتاوی خانیہ علی الہندیہ ۳؍۳۱۰)

مولانا ابو بکر قاسمی

ویران ناقابل استعمال اوقاف کو فروخت کر کے واقف کے مقاصد کی پابندی ضروری ہے، واقف کے منشاء کی رعایت کئے بغیر کسی طرح کا تعلیمی یا رفاہی ادارہ قائم کرنا قطعا درست نہیں لہذا ایسے اوقاف فروخت کر کے واقف کے اغراض و مقاصد کے تحت نئے اوقاف قائم کرنے پڑیں گے جس کی تائید مندرجہ ذیل روایتوں سے ہوتی ہے۔

مراعاة غرض الواقفین واجبة (شامی ۳؍۴۴۳)

(قوله إلى أقرب مسجد أو رباط الخ) لف و نشر مرتب وظاهره انه لا يجوز صرف وقف مسجد خرب إلى حوض و عكسه (شامی ۳؍۳۷۱)

مولانا تنویر عالم قاسمی

جس کام کے لئے واقف نے وہ قطعہ زمین وقف کیا ہے اسکے خلاف میں استعمال کرنا جائز نہیں، اور کسی کو بھی شرعا یہ حق حاصل نہیں کہ واقف کی غرض کے خلاف کسی دوسرے کام میں اس وقف کو صرف کرے یا منتقل کرے۔

نص الواقف كنص الشارع (فتاوی محمودیہ ۶؍۲۱۰)۔

مفتی عبد الرحیم قاسمی

ویران و ناقابل استعمال اوقاف کو فروخت کر کے واقف کے مقاصد کی پابندی کرتے ہوئے ان کی جگہ اسی طرح کے اوقاف قائم کئے جائیں (جیسا کہ ماقبل کی عبارتوں سے واضح ہے)۔

مولانا نذر توحید مظاہری

ویران اور ناقابل استعمال اوقاف کو فروخت یا تبادلہ کرنے میں واقف کے مقاصد کی پابندی کرنا ضروری ہے، واقف کے مقاصد کی پابندی کئے بغیر مسلمانوں کے رفاہی یا تعلیمی ادارہ قائم کرنے کی اجازت نہیں ہوگی، شامی میں ہے:

متى ذكره للوقف مصرفا لا بد أن يكون فيه تنصيص على حاجة وإن شرائط الواقف معتبرة إذا لم تخالف الشرع. (شامی ۳؍۳۷۶)

شرائط الواقف كنص الشارع اى فى المفهوم و دلالة وجوب العمل به (حوالہ مذکورہ)

مولانا مسعود عالم قاسمی

اگر مسجد غیر آباد مقام پر ہے اس کا حکم بھی ایسا ہی ہو سکتا ہے ورنہ غیر مسلم حاوی ہو جائیں گے، اور ایسے ویران ناقابل استعمال اوقاف کو فروخت کر کے واقف کے مقاصد کی پابندی کئے بغیر ان کے ذریعہ مسلمانوں کے تعلیمی یا رفاہی ادارے قائم کر دیئے جائیں۔

ڈاکٹر قدرت اللہ باقوی

ویران و ناقابل استعمال اوقاف کو فروخت کر کے واقف کے مقاصد کی پابندی کئے بغیر ان کے ذریعہ مسلمانوں کے تعلیمی یا رفاہی ادارے قائم کرنا شرعا جائز نہیں ہے۔

(قوله ويجعل آخر لجهة قربة لا تنقطع) يعني لابد أن ينص على التأبيد عند محمد خلافا لأبي يوسف (ردالمحتار ۳/۳۹۹)

(شرط الواقف كنص الشارع) (ردالمحتار ۳/۴۵۶) مراعاة غرض الواقفين واجبة (رد المحتار ۳/۴۶۲)

مولانا محمد مصطفیٰ قاسمی

ویران، ناقابل استعمال اوقاف کو فروخت کرکے واقف کے مقاصد کی پابندی کئے بغیر ان کے ذریعہ مسلمانوں کے تعلیمی یا رفاہی ادارے قائم کرنے کی گنجائش ہے اس شرط کے ساتھ کہ واقف کے مقاصد کی پابندی دشوار ہو کیوں کہ اوقاف کا مقصد منافع للناس ہے جو ہر دو صورت میں حاصل ہے۔

مولانا اخلاق الرحمن قاسمی

ویران ناقابل استعمال اوقاف کو فروخت کرکے واقف کے مقاصد کی پابندی کئے بغیر ان کے ذریعے مسلمانوں کے تعلیمی یا رفاہی ادارے قائم کرنا درست نہیں ہے، واقف کے منشا کا خیال بہرحال ضروری ہے۔

مولانا قمرالزماں ندوی

ایسے ویران ناقابل استعمال اوقاف کو فروخت کرکے واقف کے مقاصد کی پابندی کئے بغیر ان کے ذریعہ مسلمانوں کے تعلیمی یا رفاہی ادارے قائم نہیں کئے جاسکتے ہیں، بلکہ انہی جیسا دوسرا وقف قائم کرنا ہوگا، اور اگر ممکن نہ ہو تو اس کی قیمت انہی جیسے دیگر اوقاف جو اس سے قریب ترین ہوں اس میں صرف کیا جائے گا (یہی مسلک علامہ ابن تیمیہ کا بھی ہے، فتاویٰ ابن تیمیہ ۳/۳۸۳) چنانچہ علامہ شامی لکھتے ہیں:

الرباط والبئر إذا لم ينتفع بهما فيصرف وقف المسجد والرباط والحوض إلى أقرب مسجد أو رباط أو بئر أو حوض إليه (الدرالمختار)

سرائے اور کنواں سے جب انتفاع ختم ہوجائے تو مسجد، سرائے اور حوض کے وقف کو قریب کی مسجد یا سرائے، کنواں یا حوض پر خرچ کیا جائے گا۔

مولانا محمد نورالقاسمی

ویران اور ناقابل استعمال اوقاف کو فروخت کرنے کے بعد اسی کے مماثل وقف میں صرف کرنا ضروری ہوگا، واقف کے مقاصد کی خلاف ورزی کرنا، اور ان کو دیگر امور دینی، علمی، ملی اور رفاہی کاموں میں صرف کرنا درست نہیں ہوگا، اس لئے کہ شریعت اسلامیہ نے واقف کے مقاصد اور شرائط کا اعتبار کیا ہے، جب کہ وہ شریعت کے خلاف نہ ہوں۔

محقق زماں علامہ شامی لکھتے ہیں:

لا يجوز صرف وقف مسجد خرب إلى حوض وعكسه، وفي شرح الملتقى يصرف وقفها لأقرب مجانس لها (ردالمحتار ۳/۴۰۷)

ویران و برباد مسجد کے وقف کو حوض میں صرف کرنا یا اس کے برعکس کرنا جائز نہیں ہے، اور "شرح الملتقی"

میں ہے کہ اس کے وقف کو اسی جنس کے قریب وقف میں صرف کیا جائے گا۔

نیز علامہ آفندی رقمطراز ہیں:

وفي القنية حوض أو مسجد خرب وتفرق الناس عنه فللقاضي أن يصرف أوقافه إلى مسجد آخر أو حوض آخر (مجمع الانہر ۱/۲۹۷، نیز دیکھئے: الدر المختار ۳/۳۷۱)

"قنیہ" میں ہے کہ حوض یا مسجد خراب یا بربادی کا شکار ہو جائیں اور لوگ وہاں سے دوسری جگہ چلے گئے ہوں تو قاضی کے لئے جائز ہے کہ ان کے اوقاف کو دوسری مسجد یا دوسرے حوض میں صرف کرے۔

فقہ حنفی کے مایہ ناز فقیہ علامہ شامی نے اس کی مزید صراحت یوں بیان کی ہے:

وفي الخانية: رباط بعيد استغنى عنه المارة وبجنبه رباط آخر قال السيد الإمام أبو شجاع تصرف غلته إلى الرباط الثاني كالمسجد إذا خرب واستغنى عنه أهل القرية ..... صرف الثمن إلى مسجد آخر (تفصیل کے لئے دیکھئے: رد المحتار ۳/۴۰۷۔ ۱۷۳، در المنتقی مع المجمع ۱/۳۸۷)

"خانیہ" میں مذکور ہے کہ رباط دوری پر ہو اور گذرنے والا اس سے بے نیاز ہو جائے اور اس کے دوسری جانب دوسرا رباط ہو تو شیخ ابو شجاع فرماتے ہیں کہ اس کے منافع دوسرے رباط میں صرف کیا جائے گا، جس طرح مسجد غیر آباد و برباد ہو جائے، اور گاؤں کے لوگ اس سے بے نیاز ہوں تو قاضی اس کے سامان کو بیچ کر دوسری مسجد میں صرف کرے گا۔

مذکورہ بالا عبارات سے یہ بات بالکل واضح ہو گئی کہ ناقابل استعمال اور ویران اوقاف کو دوسرے علمی، دینی تعلیمی امور میں صرف کرنا درست نہیں ہوگا، مگر قبرستان جو ناقابل تدفین ہو چکا ہو، اس کا حکم اس سے کچھ مختلف ہے جو ان شاء اللہ آگے آئے گا۔ مولانا ابرار خاں ندوی

اور یہ سوال کہ واقف کے مقاصد کی رعایت کے بغیر ایسے اوقاف کو فروخت کر کے اس سے مسلمانوں کے تعلیمی، رفاہی ادارے قائم کرنا یہ جائز نہیں۔ کیونکہ واقف کی شرط کو نص شارع کے حکم میں مانا گیا ہے۔ شامی میں ہے:

"نص الواقف كنص الشارع فيجب اتباعه كما صرح به في شرح المجمع (شامی ۳/۴۹۷) مولانا ابراہیم فلاحی پارڈولی

استبدال اوقاف کے اندر مقاصد واقف کی پابندی:

فقہاء نے صراحت کی ہے صرحوا بأن مراعاة غرض الواقف واجبة (رد المحتار ۳/۴۶۳) کہ واقف کے مقاصد کی پابندی بہر صورت ضروری ہے، اس لئے علی الاطلاق کسی وقف پر مسلمانوں کے تعلیمی و رفاہی ادارے قائم کرنے کی اجازت نہیں دی جائے گی۔ ہاں جہاں مقاصد اوقاف کا حصول ہو رہا ہو احقر کے نزدیک ان جگہوں میں اس کی گنجائش رہے گی۔ مولانا محمد صدر عالم قاسمی

مسلم فقہی قاعدہ "شرط الواقف كنص الشارع" کے پیش نظر واقف کے مقاصد کی پابندی بہت

ضروری ہے، اس لئے ویران اور ناقابل استعمال اوقاف کو اگر فروخت کر دیا گیا تو اس روپے سے واقف کے خلاف مقصد تعلیمی یا رفاہی ادارے قائم نہیں کئے جاسکتے بلکہ اس سے دوسری زمین خرید کر واقف کے مقاصد جاری کئے جائیں گے، اور اگر واقف کے شرائط ومقاصد معلوم نہ ہوسکیں تو فقراء ومساکین اس کے حقدار ہیں۔

مولانا عطاء اللہ قاسمی

منشاء واقف کی رعایت:

اگر کوئی یہ چاہے کہ اراضی اوقاف کو فروخت کر کے منشاء واقف کی رعایت کئے بغیر ان کے ذریعہ مسلمانوں کی تعلیمی یا رفاہی ادارے قائم کئے جائیں تو قائم نہیں کیا جاسکتا ہے، اس لئے کہ واقف جو بھی شرط لگاتا ہے وہ معتبر سمجھی جاتی ہے، لہذا اس کی رعایت کی جانی چاہئے کیونکہ واقف جو شرط لگاتا ہے وہ وجوب عمل میں شارع کے نص کی طرح ہوتی ہے، لہذا اگر کوئی چیز واقف کی شرط کے مخالف ہو اس کو گویا شارع کے نص کے مخالف سمجھا جائے گا، اور اگر خدانخواستہ کوئی فیصلہ واقف کی شرط کے خلاف کر دیا جائے تو اس کو بلا دلیل سمجھا جائے گا، کیونکہ واقف کے جائز منشاء کی رعایت واجب ہے، چنانچہ ابن عابدین شامی رقم طراز ہیں:

وقال: لأن شرط الواقف معتبر فيراعى (شامی ۳/۳۸۳) قال الحنفية شرط الواقف كنص الشارع اى فى المفهوم والدلالة ووجوب العمل به ...إن كل ما خالف شرط الواقف فهو مخالف للنص والحكم به بلا دليل سواء أكان كلام الواقف نصا ام ظاهرا لأنه يجب اتباعه عملا بقول المشائخ شرط الواقف كنص الشارع (الفقہ الاسلامی وادلتہ ۸/۱۶۹)

مسلک مالکی:

محمد علیش نے شرح منح الجلیل میں لکھا ہے کہ اگر واقف کوئی شرط لگائے تو اس پر عمل کرنا واجب ہوگا بغیر کسی دشواری کے اس سے عدول کرنا جائز نہیں ہوگا، اس سے یہ بات بھی مترشح ہوتی ہے کہ واقف کے منشاء کی رعایت کی جائے گی۔

(شرطه) اى الواقف وجوبا (ان جاز) الشرط فيجب العمل به ولا يجوز العدول عنه إلا أن يتعذر فيصرف فى مثله كما تقدم فى القنطرة ونحوها (شرح منح الجلیل ۴/۹۳)

واقف کا شرط لگانا وجوباً اگر شرط جائز ہو تو اس پر عمل کرنا واجب ہوگا اور اس سے عدول کرنا جائز ہوگا مگر یہ کہ اس پر عمل کرنا متعذر ہوجائے تو اس کے مثل کی طرف لوٹا دیا جائے گا جیسا کہ پل وغیرہ کے مسائل میں گذرا۔

مولانا ارشد قاسمی

مساجد اور قبرستان کی زائد اراضی کا تعلیمی اور رفاہی مقاصد کے لئے استعمال

اس مسئلہ سے متعلق جواب دینے والے علماء کرام کے اسمائے گرامی

مولانا عبید اللہ اسعدی
مولانا عتیق احمد قاسمی
مولانا زبیر احمد قاسمی
مولانا انیس الرحمن
مفتی نسیم احمد قاسمی
مولانا شمس پیرزادہ
مفتی جمیل احمد نذیری
مفتی محبوب علی وجیہی
مولانا حبیب اللہ قاسمی
مفتی شکیل احمد سیتاپوری
مولانا مفتی محمد حنیف
مفتی شبیر علی گجراتی
مولانا ایوب ندوی
مولانا عبد القیوم پالنپوری
مفتی عبد الرحیم قاسمی
ڈاکٹر قدرت اللہ باقوی
مولانا محمد مصطفیٰ قاسمی
مولانا قمر الزماں ندوی
مولانا ابرار خاں ندوی
مولانا سمیع اللہ قاسمی
مولانا عطاء اللہ قاسمی
مولانا محمد ارشد قاسمی

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی
مفتی جنید عالم قاسمی
مولانا عبد الجلیل قاسمی
مفتی شبیر احمد قاسمی
مولانا ظفر عالم ندوی
ڈاکٹر عبد العظیم اصلاحی
مولانا ابو سفیان مفتاحی
مولانا ظفر الاسلام اعظمی
مفتی فضیل الرحمن ہلال عثمانی
مولانا سلطان احمد اصلاحی
مولانا محمد رضوان قاسمی
مولانا محمد ارشاد القاسمی
مولانا ابوبکر قاسمی
مولانا تنویر عالم قاسمی
مولانا نذر توحید مظاہری
مولانا عبد اللطیف پالنپوری
مولانا اخلاق الرحمن قاسمی
مولانا محمد نور القاسمی
مولانا ابراہیم فلاحی باڑدولی
مولانا محمد صدر عالم قاسمی
مولانا اسعد اللہ قاسمی

مساجد اور قبرستان کی فاضل اراضی کا تعلیمی اور رفاہی مقاصد کے لئے استعمال

سوال: بہت سے مقامات ایسے ہیں جہاں مساجد و مدارس یا مقابر کے بڑے بڑے اوقاف ہیں، اور مسلمانوں کی آبادی وہاں بہت معمولی رہ گئی ہے، مثلاً ایک مسجد ہے، اس کے لئے بہت سی زمینیں اور مکانات وقف ہیں، مسجد کے اوقاف کی آمدنی اس کے مصارف سے زیادہ ہے، اس سلسلہ میں دو باتیں دریافت طلب ہیں:

الف: کیا مسجد پر وقف اراضی میں جو فی الحال مسجد کی ضروریات سے زائد ہے، مسلمانوں کے لئے دینی یا عصری تعلیم کا ادارہ قائم کیا جا سکتا ہے؟

ب: کیا مسجد کی آمدنی تعلیمی یا رفاہی مقاصد کے لئے استعمال کی جا سکتی ہے؟ جب کہ واقف نے ان زمینوں اور مکانات کو مسجد ہی کے لئے وقف کیا تھا۔

جوابات

الف۔ مسجد کی ضرورت و مصارف سے زائد و فاضل زمین دینی مدارس و اداروں کے قیام میں استعمال کی جا سکتی ہے، دینی مدارس سے مقصد وقف و واقف کی جو تکمیل ہوگی وہ عصری اداروں سے نہیں ہو سکتی۔

ب۔ مسجد کی ضرورت سے فاضل آمدنی جس کا مسجد میں آئندہ صرف کرنا جلدی سوچا نہیں جا سکتا اور حفاظت بھی اہم ہے، اس کو دینی تعلیم و مدرسے کے لئے استعمال کرنا درست ہے، مسجد و مدرسہ ایک دوسرے سے اس طرح مربوط ہیں کہ ایک سے دوسرے کی بقا ہے، اس لئے مسجد کی فاضل زمین یا آمدنی کو دینی تعلیم کی نشر و اشاعت کے کاموں میں لگانا درست و مناسب ہے، ہر عہد کے مسلمانوں نے مسجد کے ساتھ تعلیم و مدرسہ کا اور مدرسے کے ساتھ مسجد کا اہتمام رکھا ہے اور یہ وقف کی حفاظت کا بھی ایک ذریعہ ہے۔

مفتی عبدالرحیم صاحب نے اس کی صراحت کی ہے، حضرت تھانوی کے کلام میں بھی گنجائش ہے، البتہ اس کا لحاظ کیا جائے کہ اس کی ضرورت اس محلہ و علاقہ میں اہم ہو تو خرچ و صرف میں اس کو ترجیح دیں ورنہ دوسری شدید ضرورتمند مساجد پر صرف کو مقدم رکھیں، اس کے بعد اس کام کو کریں۔

مولانا عبید اللہ اسعدی

مساجد کی اراضی اور آمدنی سے تعلیمی ادارہ کا قیام:

جیسا کہ مذکور ہوا، اصولی طور پر حتی المقدور واقف کے منشا کی رعایت ضروری ہے، اسی پس منظر میں علامہ حصکفی نے لکھا ہے:

حشيش المسجد وحصيره مع الاستغناء عنها وكذا الرباط والبئر إذا لم ينتفع بهما فيصرف وقف المسجد و الرباط والبئر والحوض إلى أقرب مسجداً و رباط أو بئر أو حوض.

علامہ شامی نے اس پر اس نوٹ کا اضافہ کیا ہے:

فظاهره، أنه لا يجوز صرف وقف مسجد خرب إلى حوض و عكسه و في شرح الملتقى يصرف وقفها لأقرب مجانس لها (رد المحتار ۶/ ۵۴۹)

غالباً یہی نقطۂ نظر دوسرے فقہاء کا بھی ہے، فقہ مالکی کے ترجمان علامہ دسوقی کا بیان ہے:

منقوض الحبس من الأحجار والأجر ... لا يجوز بيعه فإذا لم يمكن عودها فيما حبست فيه جاز نقلها في مثله (حاشیۃ الدسوقی ۴/ ۹۱، نیز دیکھئے: شرح منح الجلیل ۴/ ۶۱-۶۲)

فقہاء شوافع میں امام نووی نے جو کچھ لکھا ہے اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ شوافع بھی یہی رجحان رکھتے ہیں:

أما غير المنهدم فما فضل من غلة الموقوف على مصالحه يشترى به عقار ويوقف عليه (شرح مہذب ۱۵/ ۳۶۱)

ابن قدامہ حنبلی نے ایسی فاضل آمدنی کو اسی کے مماثل مصرف میں خرچ کرنے کے علاوہ فقراء پر بھی خرچ کرنے کی اجازت دی ہے:

ما فضل من حصر المسجد و زيته ولم يحتج إليه جاز أن يجعل في مسجد آخر و يتصدق من ذلك على فقراء جيرانه و غيرهم (المغنی ۵/ ۳۷۰)

یہ اجازت غالباً اس اصول پر مبنی ہے کہ ہر وقف کا آخری مصرف فقراء ہی ہوا کرتے ہیں، علامہ ابن تیمیہ نے حنابلہ کے مسلک کو مزید وضاحت سے اس طرح بیان کیا ہے:

كما يقول مثل ذلك في زيت المسجد و حصيره إذا استغنى عنها المسجد تصرف إلى مسجد آخر يجوز صرفها عنده في فقراء الجيران واحتج على ذلك بأن عمر ابن الخطابؓ كان يقسم كسوة الكعبة بين المسلمين فكذلك كسوة سائر المساجد (مجموع الفتاویٰ ۳۱/ ۲۱۳)

پھر اس بات کو بھی ملحوظ رکھنا ضروری ہے کہ تعلیم کسی بھی سماج کی نہایت اہم ضرورت ہے، اور قوموں اور ملتوں کے تحفظ کا سب سے بڑا ہتھیار ہے، اس لئے فقہاء نے جس زمانہ میں اپنی کتابیں لکھیں اور نئے پیش آمدہ واقعات پر شرعی احکام کا انطباق کیا، اس وقت طاقتور یا کمزور اور اچھی یا بری مسلم حکومت موجود تھی، جس نے تعلیمی نظام قائم کر رکھا تھا، اور عام مسلمان بڑی حد تک تعلیمی ادارے کے قیام سے مستغنی تھے، اب ہندوستان جیسے ممالک میں

مسلمانوں کو خود ہی اس ذمہ داری سے عہدہ برآ ہونا پڑے گا، اور عام طور پر مسلمانوں کی معاشی پسماندگی ایک ایسا کھلا راز ہے جس سے دوست و دشمن بھی واقف ہیں۔

ہمیں فقہاء کے مقرر کئے ہوئے اصول اور موجودہ زمانے کے مصالح کو ملحوظ رکھتے ہوئے یہ بات درست معلوم ہوتی ہے کہ:

الف۔ مسجد پر وقف اراضی اگر کافی وسیع ہو اور بظاہر طویل عرصہ تک مسجد کی توسیع کی ضرورت پڑنے کا امکان نہ ہو تو فاضل اراضی میں دینی درسگاہ یا مسلمانوں کے لئے مخصوص عصری تعلیمی ادارہ قائم کیا جا سکتا ہے، البتہ ادارہ سے مسجد کو کچھ کرایہ بھی دلانا چاہئے تاکہ اس زمین کا نفع مسجد کی طرف بھی لوٹے، اور واقف کا منشا بھی پورا ہو۔

ب۔ مسجد کی فاضل آمدنی دوسری مساجد اور جہاں مساجد نہیں ہیں وہاں مساجد کی تعمیر پر صرف کی جانی چاہئے کیوں کہ ہندوستان میں ابھی ہزاروں ہزار دیہات و قریہ جات ایسے ہیں جو مسجد کو ترس رہے ہیں، اور جہاں لوگوں کے کان اب بھی اذان کی آواز سے نا آشنا ہیں، وہاں مسجدوں کی تعمیر اور ان میں بنیادی دینی تعلیم کے لئے مکاتب کا انتظام مدارس اور عصری درسگاہوں کے قیام سے زیادہ اہم ہے۔

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی

الف۔ مسجد پر موقوفہ اراضی میں دینی یا عصری تعلیم کا ادارہ قائم کرنا جائز نہیں ہے، الا یہ کہ مسجد کو آباد رکھنے کے لئے ایسے اداروں کے قیام کی شدید ترضرورت ہو۔

ب۔ مسجد کی آمدنی تعلیمی یا رفاہی مقاصد میں استعمال نہیں کی جا سکتی۔

مولانا عتیق احمد قاسمی

الف۔ مسجد کی موقوفہ فاضل اراضی میں دینی یا عصری ادارہ قائم کرنا:

مسجد کی موقوفہ اراضی میں گرچہ اس کی ضروریات سے فاضل کیوں نہ ہوں، کوئی بھی ادارہ قائم نہیں کر سکتے ہیں، خواہ وہ دینی ادارہ ہو یا عصری، شرعاً اس کی اجازت نہیں ہوگی، اس لئے کہ یہ منشاء واقف اور مقاصد وقف کے خلاف ہے، جب کہ منشاء واقف کی رعایت ضروری ہے۔

ب۔ مسجد کی فاضل آمدنی کا استعمال تعلیمی یا رفاہی ادارہ کے لئے:

اگر مسجد کی فاضل آمدنی ہے تو بہتر یہ ہے کہ اس سے مزید اراضی خرید کر وقف کر دیا جائے تاکہ آئندہ ضرورت پڑنے پر کام دے، اور اگر مزید اراضی خریدنے کی ضرورت نہیں ہے اور اس کے رکھے رہنے میں ضیاع کا اندیشہ ہے تو اس کو قریب کی مسجد یا اس کی دیگر ضروریات پر صرف کریں گے۔ اگر قریب کی مسجد کو ضرورت نہ ہو تو پھر اس سے قریب کی مسجد پر، اسی طرح الاقرب فالاقرب کی ترتیب سے مساجد ہی پر وہ رقم صرف کی جائے گی۔ تعلیمی یا رفاہی مقاصد کے لئے مسجد کی فاضل آمدنی کا استعمال نہیں کر سکتے ہیں، اس سے احتراز لازم ہے۔

مفتی جنید عالم ندوی قاسمی

الف۔ مساجد پر وقف اراضی کا اصل مصرف تو یہی ہے کہ بوقت ضرورت اگر ممکن ہو تو نفس مسجد کی توسیع کی جائے یا اس کی آمدنی سے مساجد کی حقیقتاً تعمیر و مرمت ہو یا حکماً تعمیر و آبادی کی ضرورتیں پوری کی جائیں، مثلاً امام، موذن و دیگر خدام مسجد، فرش اور روشنی وغیرہ کا نظم کیا جائے، فقہاء لکھتے ہیں:

فیقدم أولا العمارة الضروریة ثم الأهم فالأهم من المصالح والشعائر (شامی ۳/۳۷۷)

قال أبو نصر للقیم أن یفعل ما في ترکه خراب المسجد کذا في فتاوی قاضي خان (فتاوی ہندیہ ۲/۴۶۲)

بہر حال مصارف بالا تو فقہاء کی تصریحات سے ثابت ہیں، مگر سوال یہ ہے کہ مسجد پر وقف اراضی اگر فی الحال مسجد کی ہر قسم کی ضروریات سے زائد ہوں تو کیا اس زمین پر مسلمانوں کے لئے دینی یا عصری تعلیم کا کوئی ادارہ قائم کیا جا سکتا ہے؟

اس کا جواب متقدمین فقہاء اور ماضی قریب کے معروف اکابر مفتیان کرام کی تصریحات و فتاوی سے نفی ہی میں نکلتا ہے، لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ عمارۃ مسجد اور مصالح مسجد دونوں ایک ہی درجہ کے مساوی مصارف ہیں۔

"والاصح ما قال الامام ظهیر الدین أن الوقف علی عمارة المسجد و مصالح المسجد سواء" کذا في فتح القدیر (ایضا)۔

اب اگر مصالح مسجد کے مصداق و مفہوم میں کچھ مزید عموم کر دیا جائے اور کہا جائے کہ ہر وہ کام جس سے مسجد کی حفاظت اس کی موقوفہ اراضی کو دوسروں کی دست برد سے بچانا اور مسجد کی آبادی میں آج یا کل اضافہ ہونا متوقع ہو سب ہی مصالح مسجد میں داخل ہیں تو پھر ہمارے خیال میں مسجد کی موجودہ ضروریات سے زائد زمین پر دینی مدرسہ کے قیام کی اجازت دی جا سکتی ہے۔

کیونکہ دینی ادارے سے دینی تعلیم کے نتیجے میں بظن غالب عام طور پر مسجد کے محافظ، مصلی، امام، موذن اور دیگر صالح قسم کے خدام ہی پیدا ہوا کرتے ہیں جو یقیناً مسجد کی آبادی میں دخیل و موثر ہوتے ہیں اور انہیں لوگوں سے مساجد آباد رہا کرتی ہیں۔

لیکن عصری تعلیم کے ادارے سے مساجد کے آباد کرنے والے افراد شاذ و نادر ہی نکلا کرتے ہیں، اس لئے خواہ مسجد کی موقوفہ زمین زائد از ضرورت ہو یا اس کی آمدنیاں۔ کسی کو عصری تعلیم کے ادارے کے قیام میں صرف کرنا جائز نہیں کہا جا سکتا، یہ مصالح مسجد سے بھی خارج ہیں، چنانچہ حال و ماضی قریب کے بعض اکابر مفتیان کرام کے فتاوی بھی کچھ اسی طرح کے ملتے ہیں، هذا ما عندي والعلم عند الله۔

ب۔ جب واقف نے اراضی و مکانات مساجد کے لئے وقف کیا ہے تو اس کی آمدنی مسجد کی تعمیر و مرمت اور دیگر ضرورتوں مثلاً امام موذن اور دیگر خدام فرش و روشنی وغیرہ کی تکمیل میں خرچ ہونی چاہئے، اگر ان تمام ضروری اخراجات سے بھی زائد آمدنی ہو اور مستقبل قریب میں اس کے خرچ ہونے کی توقع نہ ہو بلکہ ضائع ہونے کا خطرہ ہو تو اسے کیف ما

آباد مساجد کی فاضل اراضی میں دینی وعصری ادارے قائم کرنا:

اور اگر ایسی مساجد جو آباد ہوں اور ان کی ضرورت سے زائد اوقاف ہوں تو ان کی فاضل وافتادہ اراضی میں اگر مدرسہ قائم کرنے کی ضرورت ہو تو متولی کی اجازت سے مدرسہ قائم کیا جا سکتا ہے جیسا کہ حضرت مولانا سجادؒ نے فتوی دیا ہے، البتہ دیگر اداروں کے قیام کی ضرورت داعی ہو تو اسکے لئے بہتر طریقہ یہ ہے کہ کرایہ پر مسجد کی فاضل اراضی کو حاصل کیا جائے پھر اس پر ادارہ قائم کیا جائے۔

مولانا انیس الرحمن قاسمی

الف۔ مسجد کی فاضل اراضی میں رفاہی ادارے کا قیام:

مسجد پر وقف شدہ اراضی جو فی الحال مسجد کی ضروریات سے زائد ہیں ان میں عصری تعلیم گاہ مثلاً جونیر ہائی اسکول، یا رفاہی ادارے مثلاً ہسپتال وغیرہ قائم کرنا جائز نہ ہوگا، ہاں البتہ یہ ہو سکتا ہے کہ کمیٹی کی اجازت سے ان رفاہی امور کے لئے مناسب کرایہ لیکر یہ ادارے چلائے جائیں اور جائداد مسجد ہی کی ملکیت میں قائم رہے تو ایسی صورت میں جائز ہو سکتا ہے، اور اسی طرح کرایہ پر لے کر ایک تعلیم گاہ بھی قائم کی جا سکتی ہے مگر بلا معاوضہ جائز نہیں ہوگا، یہ مسئلہ فقہاء کی اس قسم کی عبارت سے واضح ہوتا ہے:

جامع مسجد پر موقوف مال ہے اس کی آمدنی جمع ہو گئی ہے پھر اسلام پر کوئی حادثہ پیش آ جائے جیسا کہ روم کا حادثہ ہے، اور اس حادثہ میں خرچ کی ضرورت ہے تو اگر جامع مسجد کے وقف شدہ مال کی فی الحال مسجد کو ضرورت نہیں ہے تو حاکم کے لئے جائز ہے کہ اس مال کو اس میں خرچ کر دے لیکن یہ بطور قرض ہوگا تو گویا کہ یہ مال غنیمت سے قرض لینے کے درجہ میں ہو جائے گا۔ (قاضی خاں علی الہندیہ ۲۷۸/۳)

ب۔ مسجد کے اوقاف کی فاضل آمدنی کا مصرف:

مسجد کے اوقاف اور اس کی مملوکہ جائداد کی آمدنی اسی مسجد میں خرچ کرنا لازم ہوتا ہے لیکن اگر اس مسجد کی تمام ضروریات پر خرچ کرنے کے بعد کافی مقدار میں بچ جائے اور یوں ہی رکھی رہ جائے تو ایسی صورت میں اس فاضل آمدنی کو اس کے قریب ترین دوسری مسجد ہی میں خرچ کرنے کی گنجائش ہوتی ہے مگر مسجد کے علاوہ کسی دوسرے ادارے میں خرچ کرنا کسی حال میں جائز نہ ہوگا۔ اس کو حضرات فقہاء نے اس طرح کے الفاظ میں نقل فرمایا ہے:

یصرف وقفها لأقرب مجانس لها (شامی ۵۳۹/۶)

مسجد کے وقف کی آمدنی اس کے قریب ترین جنس میں خرچ کرنا چاہئے۔

ہاں البتہ اگر اس کے پاس میں کوئی مسجد ضرورت مند نہیں ہے تو اس سے دور کی مسجد میں لگائی جائے، اور اگر دور تک بھی کوئی مسجد اور ضرورتمند نہیں ہے تو قریب کے دینی مدارس ومکاتب میں بھی خرچ کی جا سکتی ہے، اور اگر مدارس ومکاتب بھی نہ ہوں تو مصیبت زدہ فقراء میں بھی تقسیم کی گنجائش ہے، مگر اسکولوں، ہسپتالوں میں خرچ کرنا ہرگز جائز نہ ہوگا۔ اور یہ اس وقت ہے جب کہ واقف نے کوئی شرط نہ لگائی ہو اور متولی کو اختیار دیا ہو، یہ مسئلہ فقہاء کی اس

ہے:

لا يجوز صرف وقف المسجد خرب إلى حوض و عكسه، وفي شرح الملتقى يصرف وقفها لأقرب مجانس لها (ردالمحتار ۳/۳۵۹)

علامہ ابن ہمام نے بھی فتح القدیر میں صراحت کی ہے:

وهكذا نقل عن شيخ الإسلام الحلواني في المسجد والحوض إذا خرب ولا يحتاج إليه لتفرق الناس عنه أنه يصرف أوقافه إلى مسجد آخر أو حوض آخر .... (فتح القدیر شرح ہدایہ ۶/۲۳۷)

حضرت تھانویؒ نے ایک فتوی کے جواب میں وضاحت کی ہے کہ مذکورہ عبارت جو ردالمحتار کی ہے اگر چہ ویران اوقاف و ویران مساجد کے سلسلہ میں ہے لیکن حکم کی بنیاد استغناء پر ہے،اس لئے یہ حکم عام ہے خواہ اوقاف ویران ہوں یا نہ ہوں، حضرت تھانویؒ کے الفاظ یہ ہیں:

قلت هذه الرواية وإن كانت منقولة في صورة خراب المسجد وغيره لكن ما كان مبنى الحكم الاستغناء كان الحكم عاما وإن لم يخرب وهذا ظاهر عندي (امداد الفتاوی جدید ۲/۵۹۳)

مذکورہ تفصیلات کا حاصل یہ ہے کہ مسجد کی اراضی پر تعلیمی و رفاہی ادارہ قائم کرنا درست نہیں ہے، ہاں ان کی آمدنی دوسری ضرورت مند مساجد پر صرف کی جاسکتی ہے۔

ب۔ اسی طرح مسجد کی آمدنی بھی تعلیمی یا رفاہی مقاصد میں صرف نہیں کی جاسکتی ہے، فتاوی ہندیہ میں صراحت کے ساتھ یہ جزئیہ موجود ہے کہ مسجد کی زائد و فاضل آمدنی فقراء پر بھی صرف نہیں کی جاسکتی،جب کہ باب وقف میں اس کی گنجائش موجود رہتی ہے کہ جہاں جہت وقف ختم ہو جائے تو وہ اوقاف فقراء کے لئے ہو جاتے ہیں۔ فتاوی ہندیہ کی عبارت یہ ہے:

"الفاضل من وقف المسجد هل يصرف إلى الفقراء قيل لا يصرف وانه صحيح، ولكن يشترى به مستغلا للمسجد" (فتاوی ہندیہ ۲/۴۶۳)

مولانا ظفر عالم ندوی

الف۔ ایسی صورت میں زائد اراضی پر مسلمانوں کے لئے دینی یا عصری تعلیم کا ادارہ قائم کیا جاسکتا ہے کیونکہ مسجد کے احاطہ میں مدرسہ کا ہونا ایک معروف بات ہے جا سکے لئے واقف کی طرف سے صراحت کی ضرورت نہیں۔

مغنی میں ہے: وما فضل من حصر المسجد وزيته ولم يحتج إليه جاز أن يجعل في مسجد آخر أو يتصدق من ذلك على فقراء جيرانه وغيرهم (مغنی ۵/۶۳۵)

مسجد کی چٹائیوں اور تیل میں جو بچ گیا اور اس کی ضرورت نہیں رہی اس کو دوسری مسجد کے لئے استعمال کیا

جا سکتا ہے یا قریب کے فقراء وغیرہ پر صدقہ کیا جا سکتا ہے۔

اور فقہ السنہ میں علامہ ابن تیمیہ کا یہ قول نقل کیا گیا ہے:

وما فضل من ريع الوقف واستغنى عنه فإنه يصرف في نظير تلك الجهة كالمسجد إذا فضلت غلة وقفه عن مصالحه صرف في مسجد آخر لأن الوقف غرضه في الجنس والجنس واحد (فقہ السنۃ: السید سابق ۳؍ ۵۲۹)

وقف کی آمدنی سے جو بچ گیا اور اس کو خرچ کرنے کی ضرورت نہیں رہی اسے اس جنس کی دوسری چیز پر صرف کیا جا سکتا ہے، مثلاً مسجد کی اگر اسکے وقف کی آمدنی اسکے مصالح پر خرچ کرنے کے بعد بچ جاتی ہے تو اسے دوسری مسجد پر صرف کیا جا سکتا ہے، کیونکہ واقف کا مقصد جنس پر صرف کرنے سے ہے اور اس صورت میں جنس ایک ہی رہتی ہے۔

ب۔ جو چیز مسجد کے لئے وقف کی گئی اس کی آمدنی مسجد ہی پر صرف ہونی چاہئے الا یہ کہ مسجد کے احاطہ میں مدرسہ ہو جیسا کہ معروف ہے۔ فاضل آمدنی کو کسی دوسری مسجد پر صرف کرنا چاہئے، اور اگر ایسی صورت ممکن نہ ہو تو البتہ مسلمانوں کے تعلیمی یا رفاہی مقاصد کے لئے استعمال کیا جا سکتا ہے۔ مولانا شمس پیرزادہ

الف۔ عہد نبوی میں مسجد تعلیم گاہ بھی رہی ہے، اس لئے مسجد پر وقف اراضی جو مسجد کی ضروریات سے زائد ہے مسلمانوں کے لئے دینی وعصری (نہ کہ دینی یا عصری) تعلیم کا ادارہ قائم کرنے میں کوئی حرج نہیں معلوم ہوتا۔

ب۔ اگر مسجد کی آمدنی اس کے اپنے اخراجات سے بہت فاضل ہے تو بہتر یہ ہے کہ اسے دوسری مساجد پر خرچ کیا جائے۔ امام احمد بن حنبل نے حضرت علی کی روایت نقل کی ہے کہ انہوں نے لوگوں کو کسی مکاتب کے لئے رقم جمع کرنے پر ابھارا جو ضرورت سے کچھ زیادہ ہی جمع ہو گئی تو اس کو آپؓ نے دوسرے مکاتبین پر خرچ کرنے کا حکم دیا۔ البتہ اگر اس طرح کا مصرف موجود نہ ہو تو خیر وثواب کے دوسرے کاموں پر خرچ کیا جا سکتا ہے، اور اگر تعلیمی ورفاہی مقاصد زیادہ توجہ کے طالب ہوں تو ان کو ترجیح دی جا سکتی ہے۔ مولانا عبدالعظیم اصلاحی

الف، ب۔ مسجد کو زیادہ آباد کرنے کے لئے مسجد سے متعلق مدرسہ قائم کیا جا سکتا ہے۔

فتاویٰ رحیمیہ میں ہے:

"مسجد کی زائد رقم قریب کی حاجتمند مسجد میں اور مدرسہ کی زائد رقم نزدیک کے ضرورتمند مدرسہ میں استعمال کی جائے، اور مسجد کی آبادی میں اضافہ مقصود ہو تو زائد رقم سے مسجد سے متعلق مدرسہ بھی کھول سکتے ہیں (فتاویٰ رحیمیہ ۲؍ ۱۸۷)

اگر مدرسہ کی رقم زیادہ ہو تو اس مدرسہ کو ترقی دی جائے، اس سے لامحالہ اس کے مصارف بڑھ جائیں گے اور زائد رقم کا مصرف نکل آئے گا۔

اسی طرح کا ایک فتویٰ، فتاویٰ محمودیہ میں بھی ہے، مفتی محمود حسن صاحب تحریر فرماتے ہیں:

"اگر مسجد کی آمدنی کا روپیہ زیادہ، صرف کم، اور اتنا روپیہ ہر وقت موجود رہتا ہے کہ ضرورت وقلت و

ریکٹ وغیرہ وصولت پوری ہو سکے اور روپیہ جمع رہنے میں خیانت کا قوی اندیشہ ہو تو اس روپے سے مسجد کے لئے جائداد دوکانیں، زمین وغیرہ خریدی جائیں۔ اگر اس میں دشواری ہو اور یا روپیہ جائداد خریدنے کے بعد بھی زائد بچ رہے تو پھر اسی مسجد میں دینی مدرسہ قائم کرلیا جائے تاکہ مسجد کی آبادی میں ترقی ہو، کیونکہ آبادی کو ترقی دینا مسجد کی بڑی مصلحت ہے (فتاوی محمودیہ ۱۹/۵۰۹)

مولانا جمیل احمد نذیری

الف۔ مسجد پر وقف اراضی میں جو فی الحال مسجد کی ضروریات سے فاضل ہیں، پھر بھی انہیں مسلمانوں کے لئے دینی یا عصری تعلیم کے لئے ادارہ قائم کرنا جائز نہیں ہے چند وجوہ سے، واقف نے مسجد کے لئے وقف کیا ہے، فی الحال اگرچہ فاضل ہے لیکن آئندہ اس سے مسجد کی ضرورت متعلق ہو سکتی ہے، تو وقف میں تبدیلی لازم آئیگی، جو ناجائز ہے، اور واقف کا مقصود فوت ہو جائے گا، حالانکہ غرض واقف کی رعایت رکھنا واجب ہے چنانچہ علامہ شامی لکھتے ہیں۔

مراعاة غرض الواقفين واجبة (۳/۳۹۶)۔ نیز فرماتے ہیں: فإن شرائط الواقف معتبرة إذا لم تخالف الشرع (۳/۳۹۵)۔ اور قواعد الفقہ میں ہے: شرط الواقف كنص الشارع في وجوب العمل به (صفحہ ۸۵)۔ اور الاشباہ والنظائر میں ہے: فيجب اتباع شرط الواقفين في أوقافهم (صفحہ ۲۰۵)

واقف نے مسجد ہی کے لئے وقف کیا ہے، لہذا اگر فی الحال ضرورت مسجد سے فاضل ہے پھر بھی واقف کے مقصد کے خلاف دوسرا کام لینا جائز نہیں ہے، اور فتاوی ہندیہ میں ہے: وقف مسجد سے فاضل کو فقراء کو دینا درست نہیں ہے، لیکن اس فاضل شی سے مسجد کی ضروریات کی چیزیں خریدی جا سکتی ہیں۔ معلوم ہوا کہ اس فاضل زمین پر دینی یا عصری تعلیم کا ادارہ قائم کرنا جائز نہیں ہے، عبارت یوں ہے:

الفاضل من وقف المسجد قيل يصرف وانه صحيح ولكن تشترى به مشغلات للمسجد كذا في المحيط سئل القاضي الإمام شمس الإسلام الأوزجندي عن أهل المسجد تصرفوا في أوقاف المسجد يعني آجروا المشتغل وله متول، قال لا يصح تصرفهم ولكن الحاكم يمضي فيه ما فيه مصلحة المسجد أوفي وقف على مسجد صارت بحال لا تزرع فجعلها رجل حوضا للعامة لا يجوز للمسلمين انتفاع ماء بذلك الحوض كذا في القنية (۲/۴۶۳-۴۶۴)

مسجد پر موقوف زمین قابل کاشت نہ رہنے کی وجہ سے اگر کسی نے عوام کے لئے حوض بنا دیا تو مسلمانوں کے لئے اس حوض کے پانی سے نفع اٹھانا جائز نہیں ہے، تو اسی طرح صورت مسئولہ میں دینی یا عصری تعلیم کا ادارہ قائم کرنا جائز نہیں ہے۔ واللہ اعلم۔

خلاصہ کلام: صورت مسئولہ میں مسجد کی فاضل زمین پر دینی یا عصری تعلیم کا ادارہ قائم کرنا جائز نہیں ہے، بلکہ اس کو ضروریات مسجد ہی کے لئے استعمال کیا جانا ضروری ہے، واللہ اعلم۔

ب۔ جب کہ واقف نے زمینوں اور مکانات کو مسجد کے لئے وقف کیا ہے تو مسجد کی آمدنی تعلیمی یا رفاہی مقاصد کے لئے استعمال نہیں کی جا سکتی، نیز شرعاً اس کی اجازت نہیں ہے، کیونکہ ایک وقف کی رقم و آمدنی دوسرے وقف میں

استعمال کرنا جائز نہیں ہے۔ در مختار میں ہے:

وإن اختلف أحدهما بأن بنى رجلان مسجدين أو رجل مسجدا أو مدرسة ووقف عليهما أوقافا لايجوز له ذلك أى الصرف المذكور (درمختار ۳/۴۰۸)

یعنی دو آدمیوں نے الگ الگ مسجد بنوایا، یا ایک ہی آدمی نے مسجد اور مدرسہ بنایا، اور دونوں پر کچھ اوقاف وقف کیا ہے تو قاضی کو حق نہیں ہے کہ ایک کے وقف کی آمدنی دوسرے پر خرچ کرے، لیکن اگر واقف نے وقف نامہ میں تحریر کیا ہے کہ ضرورت سے زائد آمدنی سے بوقت ضرورت دوسرے غریب حاجتمندوں کی امداد کریں اور کار خیر میں خرچ کریں تو واقف کی شرط کے موافق یعنی وقف نامہ میں جو تحریر ہے اس کے موافق دوسرے وقف کی امداد کرنا اور کار خیر میں خرچ کرنا صحیح ہوگا، البتہ اگر کوئی وقف بہت مالدار ہو تو وقف کو اچھی طرح جاری رکھتے ہوئے بھی زائد رقم اس قدر ہو کہ وقف کو اس رقم کی ضرورت نہیں ہے فی الحال، اور دوسرا وقف ضرورتمند ہے تو اس کو قرض دے سکتے ہیں۔

چنانچہ فتاوی ہندیہ میں ہے: اما المال الموقوف على المسجد الجامع لم تكن للمسجد حاجة فللقاضي أن يصرف في ذلك لكن على وجه القرض فيكون دينا في مال الفيئ (۲/۴۶۲)

اگر کسی وقف کے خزانے میں روپے اس طرح زائد ہوں کہ نہ ان کی فی الحال ضرورت ہے نہ آئندہ ضرورت پڑے گی اور یہ روپے یوں ہی جمع رہے تو ضائع ہو جائیں گے، یا ناجائز استعمال ہوں گے اور واقف کا مقصد فوت ہو جائے گا، تو ایسی حالت میں قریب کے دوسرے حاجتمند اوقاف کو زائد روپے امداد کے طور پر یا قرض دینا جائز ہوگا، مگر اس صورت میں اس کا خیال رکھنا چاہئے کہ مسجد کی زائد رقم و آمدنی قریبی ضرورتمند مسجد کو اور مدرسہ کی زائد رقم و آمدنی قریبی ضرورتمند مدرسہ کو دیا جائے، یتیم خانہ اور سرائے وغیرہ اوقاف کا بھی یہی حکم ہے، اور اس مقصد سے کہ آبادی مسجد میں اضافہ ہو اس سے زائد اور فاضل رقم سے مسجد سے متعلق دینی تعلیم کا مدرسہ بھی قائم کر سکتے ہیں۔ (فتاوی رحیمیہ ۲/۱۸۵)

خلاصہ کلام: صورت مسئولہ میں چونکہ یہاں واقف نے زمینوں اور مکانات کو مسجد کے لئے وقف کیا ہے اور واقف کے مقصد کی رعایت رکھنا واجب ہے، اور واقف کی شرط پر عمل کرنا ایسا ہی واجب ہے جیسے نص شارع پر، لہذا مسجد کی آمدنی تعلیمی یا رفاہی مقاصد کے لئے استعمال کرنا شرعاً جائز نہیں ہے۔ ہاں اگر واقف نے وقف نامہ میں یہ اجازت بھی تحریر کردی ہو کہ مسجد کی فاضل آمدنی سے دینی مدرسہ یا کوئی اور رفاہی کام کیا جا سکتا ہے تب درست ہے۔ واللہ اعلم۔

مولانا ابوسفیان مفتاحی

الف۔ دینی ادارہ یا عصری تعلیم کا مرکز جس میں دینیات بھی پڑھائے جاتے ہوں ان پر مساجد کی فاضل آمدنی خرچ کی جا سکتی ہے، لیکن اگر کسی وقت مسجد کو اس فاضل رقم کی ضرورت پڑے تو پھر مسجد میں ہی خرچ کی جائے گی کسی دوسرے ادارہ کو نہیں دی جا سکتی، کیونکہ واقف نے مسجد کے لئے وقف کی ہے، چنانچہ درمختار وغیرہ میں ہے: شرط الواقف كنص الشارع۔

ب۔ واقف کی شرط کے خلاف یا ضرورت عمل جائز نہیں ہے، لہذا مسجد کے لئے جو وقف ہے اس کو مسجد ہی پر خرچ کیا جائے، اماموں اور مسجد کے کارندوں کی تنخواہ میں ضرورت زمانہ کے اعتبار سے اضافہ کیا جائے، جس سے وہ مطمئن زندگی گذار سکیں، مسجد کی صفائی اور دیکھ ریکھ پر خرچ کیا جائے، اس کے بعد بھی اگر رقم بچے تو اہل محلہ کے مشورہ وہ اجازت سے یا وہ اتھارٹی جو اس کے نظم ونسق کے لئے مقرر ہو، اس کی اجازت سے یہ رقم تعلیمی اور رفاہی کاموں پر خرچ کی جاسکتی ہے۔

مفتی محبوب علی وجیہی

الف۔ اگر وہ موقوف علی المسجد زمین زائد از ضرورت ہے تو اس پر مدرسہ یا عصری تعلیم کا ادارہ قائم نہیں کیا جاسکتا، اس کی تائید احسن الفتاوی کے ایک سوال وجواب سے ہورہی ہے: ”اگر کسی نے یہ وصیت کی کہ میرے مرنے کے بعد میرا مکان مسجد میں دیدیا جائے......اب لوگوں نے یہ کہکر کہ مسجدیں تو وہ ہیں اس پر مدرسہ بنوادیا تو کیا ایسا کرنا صحیح ہے؟ تو حضرت مفتی رشید احمد صاحب نے جواب دیا کہ وصیت کے مطابق مسجد ہی میں صرف کرنا ضروری ہے، مدرسہ بنانا جائز نہیں (احسن الفتاوی ۶/۴۴۱)

ب۔ مسجد کی آمدنی زائد از ضرورت ہوتے ہوئے بھی درج ذیل عبارت کی روشنی میں کسی ملی ورفاہی کاموں پر حتی کہ دوسری مسجد میں بھی صرف نہیں کی جاسکتی:

ولو لم يتفرق الناس ولكن استغنى الحوض عن العمارة وهناك مسجد محتاج إلى العمارة وعلى العكس هل يجوز للقاضي صرف وقف ما استغنى عن العمارة إلى عمارة ما هو محتاج إلى العمارة قال لا كذا في المحيط (عالمگیری ۲/۱۰۴۲)۔

لیکن چونکہ فی زمانہ زائد از ضرورت پیسوں کے ضائع ہونے کا اندیشہ قوی ہے جیسا کہ قیم اور متکلمین کی دیانت کے فقدان پر علامہ شامی اور دیگر محققین علماء اور صاحب الفتاوی نے قائم کیا ہے، اس لئے میری رائے یہ ہے کہ قاضی یا اس کے نہ ہونے کی صورت میں باتفاق جماعت مسلمین سارے پیسوں کو اقرب فالاقرب کا اعتبار کرتے ہوئے اسی طرح کے دیگر مصارف پر جن میں احتیاج ہو خرچ کیا جاسکتا ہے۔

مولانا ظفر الاسلام اعظمی

الف۔ مسجد کے اوقاف کو موقوفہ مسجد میں لگانا ضروری ہے، اگر مسجد کے اوقاف کی آمدنی اس کے مصارف سے زیادہ ہو تب ان اوقاف مسجد سے دینی وتعلیمی ادارہ کھولنا جائز ہے۔

ب۔ مسجد کی فاضل آمدنی جس کی فی الحال یا فی المآل ضرورت نہ ہو تو تعلیمی مقاصد کے لئے استعمال کرنا جائز ہے (دیکھئے کفایت المفتی ۷/۲۷۵، ۳۰۱، ۳۰۲)

مفتی حبیب اللہ قاسمی

الف۔ مسجد کی ضروریات سے زائد جو اراضی ہے اس کو کرایہ پر لے کر اس میں دینی تعلیم یا عصری تعلیم کا ادارہ جس میں دینی تربیت ہو قائم کیا جاسکتا ہے۔

ب۔ مسجد کی زائد آمدنی سے بطور قرض رقم لی جاسکتی ہے اور اس سے مسلمانوں کے مذہبی تعلیمی ادارے قائم کئے

جاسکتے ہیں، یا عصری تعلیم ٹیکنیکل تعلیم کے ادارے جس میں تربیت دینی ہو قائم کئے جاسکتے ہیں۔

اما المال الموقوف على المسجد الجامع لم تكن للمسجد حاجة للحال فللقاضي أن يصرف في ذلك لكن على وجه القرض فيكون ديناً في مال الفيء (فتاوی عالمگیری ۲/۴۶۳)

اگر آمدنی زائد نہیں ہے تو مسجد کی آمدنی مسجد کی ضروریات پر ہی خرچ کی جائے گی۔

وإن اختلف أحدهما بان بنى رجلان مسجدين أو رجل مسجداً و مدرسة ووقف عليهما أوقافا لا يجوز ذلك (اى الصرف المذكور) (در مختار مع الشامی ۳/۱۵=)

مفتی فضیل الرحمن ہلال عثمانی

الف، ب۔ وما فضل من حصر المسجد و زيته ولم يحتج إليه جاز أن يجعل في مسجد آخر أو يتصدق من ذلك على فقراء جيرانه وغيرهم، وأرى انه قد احتج بكسوة البيت إذا انخرقت تصدق بها (المغنی ۵/۲۳۵)

مسجد کی چٹائیاں اور اس کا تیل اگر ضرورت سے زائد ہو تو دوسری مسجد میں صرف کیا جاسکتا ہے، یا فقراء پر صدقہ کردیا جائے، جیسا کہ خانہ کعبہ کا پردہ جب بوسیدہ ہوجاتا ہے تو اسکو صدقہ کردیا جاتا ہے۔

مسجد کی آمدنی تعلیمی یا رفاہی کاموں میں نہیں صرف کی جاسکتی۔

مفتی شکیل احمد سیتاپوری

الف۔ مسجد پر وقف اراضی میں مسلمانوں کے لئے دینی یا عصری تعلیم کا ادارہ قائم نہیں کیا جاسکتا، الا یہ کہ واقف کی طرف سے وقف نامہ میں اس کی صراحت ہو تو اس کی گنجائش نکل سکتی ہے۔

ب۔ مسجد کے لئے وقف اراضی کی آمدنی کو تعلیمی اور رفاہی مقاصد کے لئے استعمال نہیں کیا جاسکتا، متعلقہ مسجد سے زائد ہونے پر اسے قریب کی مستحق مساجد پر صرف کیا جائے۔

مولانا سلطان احمد اصلاحی

اوقاف غیر محتاج الیہا یعنی وہ اوقاف جن کی موقوف علیہم کو حاجت و ضرورت باقی نہ رہ جائے، خواہ موقوف علیہم کے فقدان کی وجہ سے یا از دیاد وقف اور تقلیل موقوف علیہم کی وجہ سے، تو ان اوقاف کا حکم اوقاف غیر منتفع کا حکم ہے، کیونکہ غیر انتفاع کی توضیح حضرات فقہاء نے تفرق بناء وعدم حاجت سے فرمائی ہے، اور غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ غیر انتفاع کا مدار یعنی اصل علت عدم حاجت پر ہے، لہذا اشتراک علت کی وجہ سے حکم کا تعدیہ لازم ہے۔

ولو خرب ما حوله واستغنى عنه الخ (قوله ولو خرب ما حوله) اى ولو مع بقائه عامرا وكذا لو خرب وليس له ما يعمر به وقد استغنى الناس عنه (شامی ۶/۵۴۶)۔

عبارت مذکورہ سے ظاہر ہے کہ غیر انتفاع کا مدار استغناء پر ہے، لہذا جس موقوف علیہ کے پاس وقف اس کی ضرورت سے اتنے زیادہ ہوں جن کی ضرورت موقوف علیہ کو نہ تو فی الحال ہو اور نہ آئندہ ضرورت پڑنے کی کوئی امید

ہو تو اس کا حکم وقف غیر منتفع کا ہے یعنی اگر وقف سے آمدنی ہورہی ہو تو اس کی آمدنی کو اسی نوع کے دوسرے اوقاف میں استعمال کیا جائیگا، اور اگر آمدنی نہ ہورہی ہو یا آمدنی ہورہی ہو لیکن عدم ضرورت کی وجہ سے حفاظت دشوار ہو تو اسکو بدل کرکے اسی نوع کا دوسرا وقف قائم کیا جائے ورنہ اسی نوع کے دوسرے اوقاف میں استعمال کیا جائے۔

وحكى أنه وقع مثله في زمن سيدنا الإمام الأجل في رباط في بعض الطرق خرب ولا ينتفع المار به وله أوقاف عامرة فسئل هل يجوز نقلها إلى رباط آخر ينتفع الناس به قال نعم لأن الواقف غرضه انتفاع المارة ويحصل ذلك بالثاني (شامی ۳/۴۰۷)

اوقاف غیر منتفع کی آمدنی اور اس کی قیمت کو دوسرے اوقاف میں استعمال کرنا جائز نہیں ہے۔

لايجوز صرف وقف مسجد خرب إلى حوض وعكسه (شامی ۶/۵۴۹)

اوقاف غیر محتاج الیہ (وقف مستغنی عنہ) کو دوسرے نوع کے اوقاف میں استعمال کرنا جائز نہیں۔

أرض وقف على المسجد صارت بحال لا تزرع فجعلها رجل حوضا للعامة لا يجوز للمسلمين انتفاع بماء ذلك الحوض. قنية (ہندیہ ۲/۴۶۳)

لہذا مسجد پر موقوفہ اوقاف کو جو مسجد کی ضرورت سے فاضل ہو دوسرے رفاہی کاموں میں استعمال کرنے کی گنجائش نہیں۔

الف۔ مسجد پر وقف اراضی میں مسلمانوں کے لئے دینی یا عصری تعلیم کا ادارہ قائم کرنے کی بالکل گنجائش نہیں۔

ب۔ مسجد کی آمدنی کو رفاہی مقاصد میں استعمال کرنا جائز نہیں۔

مولانا محمد حنیف صاحب

الف۔ مسجد کی زائد آمدنی کا حکم:

اس سلسلہ میں علماء احناف تو یہی کہتے ہیں کہ عین وقف کو باقی رکھتے ہوئے اس کی زائد از ضرورت آمدنی دوسرے دینی وملی اداروں میں لگائی جاسکتی ہے، جیسا کہ اس کی وضاحت کرتے ہوئے علامہ ابن نجیم مصری نے مسلمان قیدی کی رہائی، غازیوں کی اعانت اور دیگر فقراء ومساکین کی حاجت روائی کا ذکر کیا ہے (البحر الرائق ۵/۲۰۵)

گو مذکورہ مثال میں دینی درسگاہ کی صراحت نہیں، لیکن اس سے اتنا ضرور واضح ہورہا ہے کہ آمدنی کو دوسری جگہوں میں جہاں دینی وملی کام ہورہا ہو، صرف کیا جاسکتا ہے، لہذا مدارس وغیرہ پر بھی صرف کی اجازت ہونی چاہئے، کیونکہ تعلیم وتربیت کے ذریعہ بھی مسلمانوں کی اعانت ہی ہورہی ہے، یہی وجہ ہے کہ علامہ حصکفیؒ نے مسجد کی زائد آمدنی کو امام مسجد، مدرس اور موذن کی تنخواہ پر صرف کرنے کی اجازت دی ہے اور بہت خوب فرمایا ہے:

وفضل من الغلة شيء يبدأ بما هو أقرب للعمارة وهو عمارته المعنوية التي هي قيام شعائره (درمختار ۶/۵۶۰)

بچی ہوئی آمدنی کو سب سے پہلے ان چیزوں پر صرف کیا جائے گا جو اس مقصد سے زیادہ قریب ہو یعنی جس سے دین کے شعائر کا قیام عمل میں آتا ہو۔

علامہ حصکفی کی عبارت "کامام مسجد و مدرس یعطون بقدر کفایتھم" (درمختار ۱/۹/۵۵۹) کی تشریح کرتے ہوئے علامہ شامی علیہ الرحمہ نے امام و مدرس کو بھی شعائر دینیہ میں شمار کیا ہے، لہذا مقصد حقیقی و معنوی دونوں پر مسجد کی آمدنی خرچ کرنے کی گنجائش ہے، تو جب مدرس کی تنخواہ کی اجازت ہے تو تعمیر مدرسہ و مکاتب کی بدرجۂ اولیٰ اجازت ہوگی، کیونکہ یہ صورت وقف کو باقی رکھنے کی ہے۔

ب۔ اگر آمدنی مسجد کے لئے خاص کردی گئی ہو:

جیسا کہ پہلے سوال کے تحت مذکور ہوا کہ بعض صورتوں میں وقف کے مفاد کے تحفظ کے لئے واقف کی خلاف ورزی بھی درست ہے، اور یہاں جو آمدنی جمع ہے، اس سے کچھ حاصل نہیں بلکہ نقصان ہی کا اندیشہ ہمہ وقت دامن گیر رہتا ہے، لہذا اس صورت میں بھی زائد آمدنی کو دینی و ملی مصالح پر صرف کیا جائے تو جائز ہی نہیں بلکہ بہتر ہوگا۔

مولانا محمد رضوان قاسمی

الف۔ فقہاء کرام کہتے ہیں کہ ایک وقف کی آمدنی دوسرے وقف میں استعمال کرنا جائز نہیں ہے، لیکن فقہاء کرام یہ بھی لکھتے ہیں کہ اگر ایک مسجد کا سامان بیکار پڑا ہو اور ضیاع کا اندیشہ ہو تو اقرب المساجد میں منتقل کرنا جائز ہے۔

(حشیش المسجد و حصیرہ مع الاستغناء عنھما) وکذا (الرباط والبئر إذا لم ینتفع بھما فیصرف وقف المسجد والرباط والبئر) والحوض (إلی أقرب مسجد أو رباط أو بئر أو حوض إلیہ) (شامی ۴/۳۵۹)

اور ساتھ ساتھ حضرت علامہ یوسف بنوری فرماتے ہیں کہ مسجد کا سامان اگر استعمال سے زائد ہو تو اسی مسجد میں جو مدرسہ یا مکتب ہو تو اس مسجد کا سامان اس مکتب و مدرسہ میں استعمال کیا جا سکتا ہے، اس پر نظر کرتے ہوئے موجودہ دور میں اسی مسجد و مدرسہ کے متولی اور کمیٹی والے دوسری جگہ جہاں ضرورت ہو مسجد و مدرسہ کی آمدنی سے وہی مسجد و مدرسہ اپنے زیر نگرانی قائم کر سکتے ہیں اور وہ مدرسہ و مکتب اسی مسجد کے لوازمات میں ہوں گے، یہ بندہ کی رائے ہے۔

ب۔ جب ایک وقف کی آمدنی دوسرے وقف میں استعمال کرنے کی شرعاً اجازت نہیں ہے تو پھر رفاہی کاموں میں کیسے استعمال کی جا سکتی ہے۔

مولانا شبیر علی

الف۔ وقف کی ایک نوع کو دوسری نوع پر صرف کرنا درست نہیں۔ ہاں البتہ واقف ایک ہو، جہت ایک ہو تو فاضل آمدنی کو صرف کیا جا سکتا ہے۔

کذا فی مجمع الأنھر: إذا اتحد الواقف والجھة وقل مرسوم بعض الموقوف علیہ جاز للحاکم أن یصرف من فاضل الوقف الآخر إلیہ وإن اختلف أحدھما فلا (۱/۴۹ے)۔

اسی طرح ہندیہ میں ہے: کہ مسجد کی فاضل آمدنی کو فقراء کو نہیں دیا جا سکتا: الفاضل من وقف المسجد

هل يصرف إلي الفقراء قيل لا يصرف وإنه صحيح (۳۶۳/۴)

ابن نجیم کی بحرالرائق میں ہے: لا يجوز لمتولي الشيخونية بالقاهرة صرف أحد الوقفين للآخر. أما إذا اختلف الواقف أو اتحد الواقف واختلف الجهة بأن بنى مدرسة ومسجدا وعين لكل وقفا وفضل من غلة أحدهما لا يبدل شرط الواقف. وكذا اختلف الواقف لا الجهة يتبع شرط الواقف (۲۳۳/۵)۔

ہاں البتہ فاضل آمدنی کو مدرسہ پر یا دینی تعلیمی امور میں اس وقت صرف کیا جا سکتا ہے جب کہ فاضل آمدنی تعمیر اور ضروری اخراجات اور اسی طرح مزید مسجد کو آمدنی کے ذرائع کی ضرورت نہ ہو، اور زائد آمدنی سے خیانت کا اندیشہ ہو تو ضرورت سے زائد فاضل آمدنی کو مدارس پر اور دینی تعلیم پر خرچ کیا جا سکتا ہے۔ یہ اس وقت ہے جب کہ واقف نے کچھ شرط نہ لگائی ہو، اگر شرط لگا دی اور مصرف بیان کر دیا ہو تو دوسری جگہ اس کو صرف کرنا درست نہ ہوگا۔ چنانچہ علامہ شامی لکھتے ہیں:

فإن انتهت عمارته وفضل من الغلة شئ يبدأ بما هو أقرب للعمارة وهو عمارته المعنوية التي هي قيام شعائره قال في الحاوي القدسي والذي يبدأ به من ارتفاع الوقف اى من غلة عمارته شرط الواقف أم لا ثم ما هو أقرب إلى العمارة وأعم للمصلحة كالإمام للمسجد والمدرس للمدرسة يصرف إليهم إلى قدر كفايتهم ... هذا إذا لم يكن معينا (۳۶۷/۳)

اسی طرح ایک دوسرے مقام پر فاضل اوقاف کے مصارف کو ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں: فيقدم أولا العمارة الضرورية ثم الأهم فالأهم من المصالح والشعائر بقدر مايقوم به الحال فإن فضل شئ يعطي بقيته المستحقين إذ لاشک أن مراد الواقف انتظام حال مسجده أو مدرسته لامجرد انتفاع أهل الوقف... هذا إذا لم يكن معينا.

پھر مزید لکھتے ہیں کہ فاضل آمدنی کو دین اور شعائر دین میں کہاں خرچ کیا جا سکتا ہے: يعني أن الصرف إلى ما هو أقرب إلى العمارة كالإمام ونحوه إنما هو فيما إذا لم يكن الوقف معينا على جماعة معلومين كالمسجد والمدرسة. اما لو كان معينا كالدار الموقوفة على الذرية أو الفقراء فانه بعد العمارة يصرف الريع إلى ما عينه الواقف بلا تقديم لأحد على احد (۳۶۸/۳)۔

اس عبارت مذکورہ سے معلوم ہوا کہ اوقاف مساجد کی آمدنی جو ضرورت تعمیر و استقلال سے فارغ ہو مدارس پر جو مصالح اور شعائر میں داخل ہے صرف کیا جا سکتا ہے۔

ابن نجیم بحرالرائق میں لکھتے ہیں: ثم ما هو أقرب إلى العمارة وأعم للمصلحة كالإمام للمسجد والمدرس للمدرسة يصرف إليهم قدر كفايتهم.

ظاہر ہے کہ مساجد کا احیاء تعلیم اور مدارس سے ہے، اسی وجہ سے مدارس اور علم دین کی اشاعت کو مصالح میں

شامل کیا گیا ہے۔ حاشیہ منحۃ الخالق میں لکھتے ہیں: انما هو عدم النفع الحاصل من انتظام مصالح المساجد باقامة شعائرها (صفحہ ۲۳۱)

پھر حاوی قدسی کی عبارت " کذلک إلی آخر المصالح" کی تخریج کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ای مصالح المسجد فيدخل المؤذن والناظر لأنا قدمنا انهم من المصالح وقدمنا أن الخطيب داخل تحت الإمام لأنه إمام الجامع فتحصل به أن الشعائر التى تقدم فى الصرف مطلقاً بعد العمارة الإمام والخطيب والمدرس والوقاد والفراش والمؤذن والناظر (ص ۲۳۲)۔

اس عبارت سے بھی اس امر کی نشاندہی ہوتی ہے کہ اوقاف مسجد کی فاضل آمدنی کو مدارس اور مدرس پر لگایا جا سکتا ہے۔ ابن نجیم نے تو البحر الرائق میں لکھا ہے کہ کسی واقف نے دو وقف میں سے ایک مسجد کے صرفہ کے لئے اور ایک امام و موذن کے لئے وقف کر دیا ہے، اور ادھر امام و موذن کی تنخواہ کم پڑتی ہے تو گنجائش ہے کہ وقف مسجد میں سے فاضل آمدنی کو امام و موذن پر جو مصالح مسجد میں داخل ہے خرچ کر سکتا ہے۔ اور اسی مصالح مسجد میں مسجد کا مدرسہ بھی داخل ہے۔ خیال رہے کہ عام مدرسہ نہیں بلکہ اسی مسجد کا مدرسہ اس فاضل آمدنی کا اولین مصرف ہوگا۔

علماء اکابر کے فتویٰ سے تائید:

فتاویٰ محمودیہ میں مفتی محمود صاحب نور اللہ مرقدہ نے بھی اس امر کی اجازت دی ہے کہ فاضل آمدنی کو مدارس میں لگایا جا سکتا ہے۔ چنانچہ سوال میں ہے:

ایک کثیر الاوقاف جامع مسجد ہو اور واقف سے کچھ شرائط منقول نہ ہوں، آمد مصارف سے بہت زیادہ ہو اور شکست و ریخت مسجد کے لئے روپیہ جمع و موجود ہو اور زیادہ روپے جمع رہتے ہیں تو کیا ان اوقاف مسجد کی زائد آمدنی کو تعلیم دین اور تبلیغ اسلام اور تدریس علوم شرعیہ پر صرف کر سکتے ہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً! صورت مسئولہ میں اگر مسجد کی آمدنی کا روپیہ زیادہ وہ صرف کم اور اتنا روپیہ ہر وقت موجود رہتا ہے کہ ضرورت شکست و ریخت وغیرہ سہولت پوری ہو سکے، اور روپیہ جمع رہنے میں خیانت کا قوی اندیشہ ہو تو اس روپیہ سے مسجد کے لئے جائداد دوکانیں، زمین وغیرہ خرید لی جائیں۔ اگر اس میں دشواری ہو اور روپیہ جائداد خریدنے کے بعد بھی بچ رہے تو پھر اسی مسجد میں دینی مدرسہ قائم کر لیا جائے۔ تاکہ مسجد کی آبادی میں ترقی ہو۔ کیونکہ آبادی مسجد کو ترقی دینا مسجد کی بڑی مصلحت ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ ۱/۵۰۹)

ب۔ مسجد کی آمدنی تعلیمی یا رفاہی امور پر صرف کرنے کی اجازت نہیں:

كذا فى الهندية: الفاضل من وقف المسجد هل يصرف إلى الفقراء قيل لا يصرف وإنه صحيح (۲/۴۶۳)

اولاً مسجد کی آمدنی مساجد کے مصالح میں خرچ کی جائے گی اور مسجد کے مصالح میں رفاہی امور نہیں ہیں۔ البتہ مسجد میں مدرسہ ہو اور فاضل آمدنی تعمیر اور استقلال سے بھی زائد ہو اور جمع رکھنے کی بھی ضرورت نہ ہو تو تعلیم و تدریس

جو مصالح میں داخل ہے حسب ضرورت خرچ کیا جاسکتا ہے۔ جس کی تفصیل "الف" کے ذیل میں گذر چکی ہے۔

مولانا محمد ارشاد القاسمی

الف۔ ان اراضی کو دینی تعلیم کے لئے استعمال کرنے کی کوشش کی جائے، بصورت دیگر عصری تعلیمی ادارہ قائم کیا جاسکتا ہے۔

ب۔ اگر موقوف علیہ مسجد کے ماتحت کوئی تعلیمی ادارہ ہو تو اس مسجد کی آمدنی کو اس تعلیمی ادارہ پر خرچ کرسکتے ہیں، اگر موقوف علیہ مسجد کو آمدنی کی بالکل ضرورت نہ ہو تو دیگر مساجد پر اس آمدنی کو خرچ کرنا چاہئے۔

مولانا محمد ایوب ندوی

الف، ب۔ مسجد کی فاضل آمدنی واراضی کو تعلیمی ورفاہی کاموں میں استعمال کرنا:

جن مقامات پر مساجد ومدارس یا مقابر کے لئے بڑے بڑے اوقاف ہیں، اور مسلمانوں کی آبادی وہاں بہت معمولی رہ گئی ہے، مثلاً ایک مسجد ہے، اس کے لئے بہت سی زمینیں اور مکانات وقف ہیں، مسجد کے اوقاف کی آمدنی اس کے مصارف سے زیادہ ہے، اسی طرح مسجد کے پاس بہت سی فاضل اراضی ہیں، جن کی مسجد کو نہ فی الحال ضرورت ہے، اور نہ تعمیر مسجد کے لئے آئندہ ضرورت پڑسکتی ہے، تو کیا مسجد کی فاضل اراضی پر دینی یا عصری تعلیم کا ادارہ قائم کیا جاسکتا ہے، نیز کیا مسجد کی فاضل آمدنی، تعلیمی یا رفاہی مقاصد کے لئے استعمال کی جاسکتی ہے، جب کہ واقف نے ان زمینوں اور مکانات کو مسجد کے لئے وقف کیا تھا، نیز ان کی آمدنیاں بھی مسجد ہی کے لئے وقف تھیں، تو اس سلسلہ میں عام طور سے فقہاء نے جو کچھ لکھا ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ مسجد کی فاضل اراضی یا آمدنیوں کو تعلیمی ورفاہی ادارے کی تعمیر اور ان کے مصارف میں خرچ کرنا جائز نہیں ہے، البتہ اگر کسی جگہ سخت ضرورت ہو، اور مسجد کو اس رقم کی ضرورت نہ ہو تو بطور قرض کے مسجد کی فاضل رقم دی جاسکتی ہے، اسی طرح مسجد یا دیگر اوقاف کی فاضل آمدنی کو اسی نوع کے قریبی اوقاف پر خرچ کیا جاسکتا ہے، لہذا ایک مسجد کی فاضل آمدنی دوسری مسجد کی ترقی وتعمیر میں اور اسی طرح ایک مدرسہ کی دوسرے مدرسہ میں ایک حوض کی دوسرے حوض کی تعمیر میں خرچ کی جاسکتی ہے، چنانچہ رقمطراز ہیں:

حشیش المسجد وحصیرہ مع الاستغناء عنهما وكذا الرباط والبئر إذا لم ينتفع بهما فيصرف وقف المسجد والرباط والبئر والحوض إلى أقرب مسجد أو رباط أو بئر أو حوض إليه، قال في رد المحتار وظاهره انه لا يجوز صرف وقف مسجد خرب إلى حوض وعكسه وفي شرح الملتقى يصرف وقفها لأقرب مجانس لها (ردالمحتار ۳/ ۴۰۷) وفي الخانية: إذا اجتمع من مال الوقف على الفقراء أو على المسجد الجامع ثم نابت الإسلام نائبة بأن غلبت جماعة من الكفرة فاحتيج في ذلك إلى مال لدفع شرهم قال رحمه الله تعالى ما كان من غلة المسجد الجامع يجوز للحاكم أن يصرف ذلك على وجه القرض إذا لم يكن للمسجد حاجة إلى ذلك المال ويكون ذلك دينا (فتاوی خانیہ علی الہندیہ ۳/ ۳۱۲)

لیکن حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب نے کفایت المفتی میں اس سلسلہ میں بزبان عربی ایک تفصیلی فتوی لکھا ہے، اور خود ہی عربی عبارت کا انہوں نے ترجمہ بھی فرما دیا ہے، حضرت مفتی صاحب موصوف کے اس فتوی پر تقریباً انیس (۱۹) گرامی قدر علماء کے دستخط ثبت ہیں جس کے سبب حضرت مفتی صاحب کے اس فتوی کو ایک دستاویز کی حیثیت حاصل ہوگئی ہے، لہذا مذکورہ تفصیلی فتوی کا ترجمہ من وعن مفتی صاحب مدظلہ ہی کے الفاظ میں لکھا جاتا ہے، البتہ حوالہ کی جو عبارتیں ہیں ان کو حتی الامکان من وعن نقل کیا جائے گا۔

جواب نمبر ۲۳۲: ان الحکم الا للہ، شرط واقف کی رعایت ضروری ہے، یہاں تک کہ فقہاء نے فرمایا ہے: شرط واقف مثل نص شارع کے ہے، اسی طرح اشباہ اور درمختار وغیرہ میں مذکور ہے، اور اسی قاعدہ پر فقہاء نے بہت سے احکام جزئیہ متفرع کئے ہیں، پھر شرط کبھی تو صراحتاً ثابت ہوتی ہے، مثلاً واقف نے ایک شیٔ کسی مسجد معین پر وقف کر کے تصریح کردی کہ دوسری چیز پر صرف نہ کی جائے، اور کبھی شرط کا ثبوت دلالۃً بحکم عرف ہوتا ہے، جیسے واقف نے کسی مسجد معین پر جائداد وقف کردی اور یہ تصریح نہ کی کہ کسی دوسری چیز میں صرف کی جائے یا نہ کی جائے، اور یہ حکم ماہرین فقہ پر ظاہر ہے، پھر ہم دیکھتے ہیں کہ اوقاف کی زائد از حاجت آمدنی کے بارے میں کہ آیا وہ فاضل آمدنی کسی دوسرے مصرف میں خرچ ہوسکتی ہے یا نہیں، فقہاء کا اختلاف ہے، بعض فقہاء تو مطلقاً منع کرتے ہیں، اور بعض اس شرط سے اجازت دیتے ہیں کہ دونوں وقفوں کا واقف اور جہت وقف متحد ہو تو ایک کی فاضل آمدنی دوسرے پر خرچ ہوسکتی ہے، اور بعض فقہاء فرماتے ہیں کہ امام جیسی مصلحت دیکھے اس کے مطابق خرچ کرسکتا ہے، تو فقہاء کے یہ تین گروہ ہوئے، اور ان کے یہ تین قول ہوگئے۔ فرقہ اولی نے تو قاعدہ مذکورہ کو لیا، اور اس پر نہایت سختی سے عمل کیا، اور اس کے خلاف کی اجازت نہ دی۔ اور فرقہ ثانیہ نے ذرا نرمی برتی لیکن دونوں جانب کی رعایت مدنظر رکھی، یعنی قاعدہ مذکورہ کا بھی لحاظ کیا، اور محاصل اوقاف کو ضائع ہونے سے بھی محفوظ رکھنے کا خیال کیا۔ اور فرقہ ثالثہ نے امام وحاکم اسلام کو مختار بنادیا کہ وہ غرض واقفین کو ملحوظ رکھتے ہوئے جہاں مناسب سمجھے خرچ کرے، کیونکہ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ وقف کرنے والوں کی غرض یہی ہوتی ہے کہ ان کے اوقاف امور خیر اور خدا کی راہ میں خرچ ہوں، اور متغلبین کے کھانے کے لئے یا ضائع ہونے کے لئے نہ چھوڑ دیئے جائیں، فرقہ اولی اور فرقہ ثانیہ کے قول تو نہایت صاف اور ظاہر ہیں، اور روایات فقہیہ کے لحاظ سے نہایت قوی ومستحکم اور پھر ایک قول دوسرے سے اقوی ہے۔ مانعین کی دلیلوں میں سے اشباہ کی یہ عبارت ہے:

صرح فی البزازیۃ وتبعہ فی الدرر والغرر بانہ لا یصرف فائض وقف لوقف آخر اتحد واقفھما او اختلف (الاشباہ مطبوعہ دیوبند ص ۱۹۴)

بزازیہ میں تصریح ہے اور درر وغرر میں بھی اس کا اتباع کیا ہے کہ ایک وقف کی فاضل آمدنی دوسرے میں خرچ نہ کی جائے، خواہ دونوں کا واقف ایک ہو یا مختلف۔

ناقل حروف محمد ابوبکر عرض کرتا ہے کہ علامہ حموی نے حاشیہ اشباہ میں فتاوی بزازیہ اور درر وغرر کی عبارت کے نقل کرنے کے سلسلہ میں علامہ ابن نجیم کی تغلیط کی ہے اور ثابت کیا ہے کہ اگر واقف اور جہت میں اتحاد ہو تو ایک

وقف کی فاضل آمدنی دوسرے وقف پر خرچ کی جا سکتی ہے۔

قال المصنف لا يجوز صرف فائض الوقف اتحد واقفهما أو اختلف وهو يشاده فقد أساء في النقل (إلى قوله) قد أطلق صاحب هذا الكتاب المنع نقلا عن الدرر و الغرر والبزازية والحال أن ما في الدرر و الغرر نقلا عن البزازية انما هو التفصيل (حاشیہ اشباہ حموی ۱۹۲) قلت ما قال المحشي فهو الصحيح والنظر إلى البزازية في كتاب الوقف قبل نوع في الفاظ جارية في الوقف تحت نوع في وقف المنقول (بزازیہ علی الہندیہ ۶/۲۶۱)۔

اور جو لوگ کہ اتحاد واقف وجہت وقف کی صورت میں اجازت دیتے ہیں، منجملہ ان کی دلیلوں کے درمختار کی یہ عبارت ہے:

اتحد الواقف والجهة وقل مرسوم بعض الموقوف عليه بسبب خراب وقف أحدهما للحاكم أن يصرف من فاضل الوقف الآخر عليه لأنهما حينئذ كشيء واحد (درمختار مع ردالمحتار ۳/۴۰۹)

واقف اور جہت وقف متحد، اور ایک وقف کی آمدنی کم ہو جانے سے اس کے موقوف علیہم کا وظیفہ کم ہو جائے تو حاکم کو جائز ہے کہ دوسرے وقف کی بچی ہوئی آمدنی سے خرچ کرے، کیونکہ اس صورت میں دونوں وقف شئ واحد کا حکم رکھتے ہیں۔ اور اس حکم کا معارض وہ حکم ہے جو فتاوی قاضی خاں میں ہے، وہ یہ ہے کہ ناظر کو جائز ہے کہ وقف کی فاضل آمدنی کو جہات خیر میں جس طرح مناسب سمجھے خرچ کرے۔

اور جو لوگ کہ امام کو مطلقاً اجازت دیتے ہیں، ان کی دلیلوں میں حاشیہ حموی علی الاشباہ کی یہ عبارت ہے:

ويعارضه ما في فتاوى الإمام قاضي خان في أن الناظر له صرف فائض الوقف إلى جهات برّ بحسب ما يراه (حاشیہ حموی علی الاشباہ ص ۱۹۲)

ان تمام بیانات سے ظاہر ہو گیا کہ مسئلہ اختلافی ہے، لیکن جب ہم نے اس پر اچھی طرح غور کیا تو ان اقوال مختلفہ کو جمع کرنے کی ایک صورت ہماری سمجھ میں آ گئی وہ یہ ہے کہ مانعین غالباً اس صورت میں منع کرتے ہیں، جب کہ مسجد موقوف علیہ تعمیر کی محتاج ہو، خواہ فی الحال ہو یا فی المآل، جیسا کہ حاشیہ حموی میں اس کی طرف اشارہ پایا جاتا ہے، حاشیہ مذکورہ کی عبارت یہ ہے:

قال بعضهم: الذي فيها (أي في التاتارخانية) لا يصرف القاضي الفاضل من وقف المسجد (ثم قال) والظاهر أن ذلك لجواز احتياج المسجد إلى عمارة كثيرة فينبغي أن يعيد لها ما صرف إليها بشراه مستغل وينبغي أن يكون أوقاف المدارس والرباط في حكمه بخلاف ما ليس من هذا القبيل من الأوقاف (حاشیہ حموی علی الاشباہ ص ۱۹۲)

بعضوں نے کہا کہ تاتارخانیہ میں یہ مذکور ہے کہ قاضی وقف مسجد کی فاضل آمدنی خرچ نہ کرے، پھر محشی نے

کہا کہ ظاہر یہ ہے کہ ممانعت کا حکم اس لئے ہے کہ مسجد کے محتاج تعمیر ہونے کا امکان ہے، اسلئے مناسب ہے کہ عمارت ممکنہ کے لئے اس قدر روپیہ رکھا جائے کہ بوقت ضرورت صرف کیا جا سکے۔ اور مناسب ہے کہ مدارس اور رباط کے وقف بھی اسی حکم میں ہوں، بخلاف ان اوقاف کے جو اس قسم کے نہیں۔

خاکسار کا کہنا ہے کہ اس عبارت میں ممانعت کے حکم کو معلل باحتیاج مسجد ہونا بیان کیا ہے، پھر محشی کا یہ قول مناسب ہے، اس امر کی جانب مشیر ہے کہ عمارت ممکنہ کے لئے روپیہ جمع رکھنا امر مستحسن ہے، واجب نہیں، کیونکہ حاجت اگرچہ مآلاً ممکن الوجود ہے لیکن فی الحال تو معدوم ہے، ورنہ وہ مال فاضل نہیں بلکہ مشغول ہوگا۔ اور مجوزین جو اجازت دیتے ہیں وہ اس صورت میں کہ وقف مستغنی ہو، پھر ان میں دو فریق ہو گئے، ایک فریق نے بصورت استغناء اجازت تو دی لیکن اتحاد واقف و جہت وقف کا لحاظ مد نظر رکھا تاکہ حتی الامکان شرط واقف کی رعایت ہو سکے، اور دوسرے فریق نے حفاظت مال وقف کے خیال کو مقدم رکھا، اور غرض واقف کی رعایت کی، کہ اس کا مال خدا کی راہ میں خرچ ہو اور فضول برباد نہ ہو، اور اس صورت میں بعض اقوال کو بعض پر ترجیح دینے کی حاجت نہیں کیونکہ ہر فریق کی نظر ایک خاص شرعی امر پر ہے، اور ہر ایک کا قول تو ایک امر مستحسن ہے، بعض محقق کو گنجائش ہے کہ وہ واقعہ سوال میں جواز کل کا فتوی دے تاکہ خدا کے مال ضائع ہونے سے بچیں، اور ظالمین متغلبین کے ہاتھ سے محفوظ رہیں۔ جو کہ اوقاف کے مال بے باکی سے ہضم کر جاتے ہیں اور ڈکار بھی نہیں لیتے۔ پھر اگر تم چاہتے ہو کہ فریق ثالث کے قول کے مؤیدات معلوم کرو تو ان روایات حدیثیہ اور فقہیہ کا بغور ملاحظہ ہو۔

روایات فقہیہ: فتاوی عالمگیری میں ہے کہ کسی کو راستہ میں سخت سردی لگی وہ کسی مسجد میں داخل ہوا، مسجد میں کسی شخص کی لکڑیاں رکھی تھیں، اس کی حالت یہ تھی کہ اگر آگ نہ سلگائے تو ہلاک ہو جائے، تو مسجد کی لکڑیاں سلگانا اولی ہے، اس سے کہ کسی غیر شخص کی لکڑیاں جلائے (عالمگیری)

خاکسار کہتا ہے کہ جب ایک شخص کی جان بچانے کے لئے مسجد کی لکڑیاں سلگانے کی اجازت دیدی گئی تو اگر ایک جماعت مسلمین کی جان بچانے کے لئے اموال مسجد خرچ کئے جائیں تو بدرجہ اولی جائز ہوگا۔

وفي الهندية يجوز إدخال الحبوب وأثاث البيت في المسجد للخوف في الفتنة العامة، كذا في القنية (فتاوی عالمگیری بحوالہ الاشباہ ۲۱۲)

خاکسار کہتا ہے کہ دیکھو ضرورت شدیدہ کے وقت مسجد کو ایک ایسے کام کے لئے استعمال کرنا جائز ہو گیا جو غرض مسجد کے خلاف ہے۔ اور در مختار میں ہے کہ مسجد میں نقش و نگار سوائے محراب کے اور جانبوں میں بنانے کا مضائقہ نہیں ہے، چونے سے یا سونے کے پانی سے بشرطیکہ بنانے والا اپنے مال سے بنائے نہ کہ مال وقف سے کہ یہ حرام ہے، اور اگر متولی مال وقف سے نقش و نگار بنوائے، یا سفیدی کرائے تو ضامن ہوگا، ہاں اگر ظالموں کی طمع کا خوف ہو تو مضائقہ نہیں۔ اور رد المحتار میں ہے کہ مصنف کا یہ قول کہ طمع کا خوف ہو الخ یعنی جب کہ متولی کے پاس مسجد کا مال جمع ہو جائے، اور مسجد کو تعمیر کی حاجت نہ ہو ورنہ متولی ضامن ہوگا، جیسا کہ قہستانی میں نہایہ سے منقول ہے (رد المحتار

۱/۲۹۹ تا ۳۱۷)

خاکسار کہتا ہے کہ دیکھو مسجد کے استغناء عن العمارۃ اور مال کے ضائع ہونے کے خوف کی صورت میں ایک ایسے کام میں خرچ کرنے کی اجازت دے دی کہ بصورت عدم خوف ہلاک اس میں خرچ کرنے سے متولی ضامن ہو جاتا تھا، اور رد المحتار کتاب الوقف میں پہلے شمس الائمہ حلوانی وغیرہ سے نقل کیا ہے کہ جب کوئی مسجد ویران ہو جائے، اور اس کی حاجت نہ رہے تو اس کے اوقاف مسجد کی طرف منتقل کرنا جائز ہے، پھر فرمایا کہ مناسب یہی ہے کہ جواز نقل میں مشائخ مذکورین کا اتباع کیا جائے، اور مسجد اور حوض کا فرق نہ کیا جائے، جیسا کہ امام حلوانی اور امام ابو شجاع نے فتویٰ دیا ہے، اور ان دونوں کی اقتداء کافی ہے، بالخصوص ہمارے اس زمانے میں، کیونکہ مسجد یا رباط یا حوض خراب شدہ کا اسباب اگر نقل نہ کیا جائے تو چور اور متغلبین اسے اٹھائے جاتے ہیں، جیسا کہ مشاہدہ ہو رہا ہے، اور اس کے اوقاف کو خود متولی یا اور اشخاص کھا جاتے ہیں، اور اس کا اسباب نقل نہ کرنے سے دوسری محتاج مسجدیں بھی ویران رہ جاتی ہیں (رد المحتار کتاب الوقف ۳/ ۳۰۷)۔

اور فتاویٰ عالمگیری میں ہے کہ کچھ مال ہے جو کسی خیر کے لئے اور غیر معین فقراء کے لئے وقف ہے، اور کچھ مال مسجد جامع کے لئے وقف ہے، اور ان دونوں کی آمدنی جمع ہے، پھر اسلام کو کوئی حادثہ پیش آیا، جیسے کہ روم کا حادثہ اور اس حادثہ میں خرچ کی حاجت ہوئی تو مسجد جامع کا جو مال ہے اس کا حکم یہ ہے کہ اگر مسجد کو فی الحال اس کی حاجت نہ ہو تو قاضی کو اختیار ہے کہ اس مال کو اس اسلامی حادثہ میں بطور قرض خرچ کر لے، اور پھر مال غنیمت میں سے ادا کر دے، اور مال موقوف علی الفقراء کی تین صورتیں ہیں: کہ یا تو وہ محتاجوں میں صرف کیا جائے، یا اغنیائے مسافرین میں یا اغنیائے غیر مسافرین میں۔ پہلی اور دوسری صورت میں بغیر لحاظ قرض خرچ کرنا جائز ہے۔ اور تیسری صورت میں پھر دو صورتیں ہیں: اول یہ کہ کوئی قاضی اغنیاء غیر مسافرین میں خرچ جائز سمجھتا ہو تو اسے بلا لحاظ قرض خرچ کرنا جائز ہے، دوسرے یہ کہ قاضی اسے ناجائز سمجھتا ہو تو بطور قرض خرچ کر لے، اور مال غنیمت پر دین رہے (واقعات حسامیہ)۔ (فتاویٰ ہندیہ ۲/ ۴۶۳)

خاکسار کہتا ہے کہ اس قول سے کہ مسجد کو فی الحال حاجت نہ ہو، یہ بات مفہوم ہوتی ہے کہ اگر مسجد کو فی الحال بھی حاجت نہ ہو تو بلا لحاظ قرض بھی خرچ کرنا جائز ہوگا، اسی طرح وقف فقراء کا اغنیاء پر خرچ کر دینا بھی اسی کا مؤید ہے، نیز کسی قاضی کے جائز سمجھنے سے خرچ کرنے کی اجازت دے دینا اس بات کی دلیل ہے کہ مسئلہ مجتہد فیہ ہے مگر یہ سب باتیں ضرورت شدیدہ اور نائبہ عظیمہ پیش آنے کی حالت میں ہیں۔

روایات حدیثیہ:

منجملہ روایات حدیثیہ کے یہ روایت بھی ہے جو امام مسلمؒ نے حضرت عائشہؓ سے روایت کی ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا فرماتے تھے کہ:

لولا ان قومک حدیثو عھد بجاھلیۃ او قال بکفر لانفقت کنز الکعبۃ فی سبیل

اللہ (مسلم شریف ۱؍۴۲۹)

اگر تمہاری قوم ابھی قریب العہد بکفر نہ ہوتی تو میں کعبہ کا خزانہ سبیل خدا میں خرچ کر دیتا۔

اور منجملہ ان کے وہ روایت ہے جو امام بخاری علیہ الرحمۃ نے اپنی صحیح میں ابو وائل سے روایت کی ہے، انہوں نے فرمایا کہ میں شیبہ کے ساتھ کعبہ میں کرسی پر بیٹھا تھا، تو انہوں نے فرمایا کہ اسی مقام پر حضرت عمرؓ بیٹھے تھے، اور فرمایا تھا کہ میرا ارادہ ہوتا ہے کہ اس میں نہ چاندی چھوڑوں نہ سونا، سب تقسیم کر دوں (صحیح بخاری۔ باب کسوۃ الکعبہ ۱؍۲۱۷)

خاکسار کہتا ہے کہ حضرت عمرؓ کا تقسیم مال کعبہ کا ارادہ کرنا پہلی حدیث کے ان الفاظ کی تفسیر کرتا ہے، جو آنحضرت ﷺ نے فرمایا تھا کہ کعبہ کا خزانہ راہ خدا میں خرچ کر دیتا، اور اس تقریر سے یہ وہم بھی دور ہو جاتا ہے کہ حضرت عمرؓ کا ارادہ محض حجت نہیں، کیونکہ انہوں نے خود اس ارادے کو چھوڑ دیا، جب کہ شیبہ نے کہا کہ تمہارے دونوں ساتھیوں نے ایسا نہیں کیا، تو حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ وہ دونوں شخص ایسے ہیں کہ ان کی اقتداء کی جاتی ہے، تو حضرت عمرؓ کا یہ فرمانا اس پر دال ہے کہ تقسیم نہ کرنا ہی فعل پسندیدہ اور شارع علیہ السلام کی مرضی کے موافق تھا، اور تقسیم کرنا ممنوع تھا، اس لئے حضرت عمرؓ نے بھی تقسیم نہ کیا، وجہ اس وہم کے دور ہونے کی یہ ہے کہ ترک انفاق آنحضرت ﷺ نے ایک خاص علت سے کیا تھا، اور وہ قریش کا قریب العہد بکفر ہونا ہے، جیسا کہ مسلم کی روایت میں اس کی تصریح ہے، تو حضرت عمرؓ کا ارادہ آنحضرتؐ کے ارادہ کے مطابق اور ان کا ترک آنحضرتؐ کے ترک کے موافق واقع ہوا، اگرچہ آنحضرت ﷺ کے ترک کی وجہ اور تھی، اور وہ وجہ حضرت عمرؓ کے زمانے میں موجود نہ تھی، لیکن انہوں نے بوجہ شدت شوق اقتضائے آثار پیغمبر آپ کا اتباع کیا۔

علامہ عینی فرماتے ہیں کہ ابن صلاح نے فرمایا: امام کو اختیار ہے کہ (غلاف کعبہ کو) بیچے یا یونہی مسلمانوں کو عطا کر دے، اور انہوں نے استدلال کیا اس واقعہ سے جو ازرقی نے بیان کیا ہے کہ حضرت عمرؓ ہر سال غلاف کعبہ اتارتے اور حجاج کو تقسیم کر دیتے تھے (حاشیہ بخاری۔ باب کسوۃ الکعبہ ۱؍۲۱۷)۔

خاکسار کہتا ہے کہ حضرت عمرؓ غلاف کعبہ اس لئے تقسیم کر دیتے تھے کہ کعبہ کو اس کی حاجت نہ تھی، کیونکہ اس پر تو ہر سال نیا غلاف چڑھایا جاتا ہے، تو اترا ہوا غلاف اگر تقسیم نہ کیا جاتا تو ضائع ہو جاتا، یا دربان بیچ کر اپنی حاجتوں میں خرچ کر لیتے، اور حضرت عمرؓ کے قول میں چاندی سونے سے مراد وہ خزانہ ہے جو کعبہ میں مدفون تھا، کعبہ کو جو مال دئے جاتے تھے وہ اس پر خرچ ہوتے تھے، اور جو بچتا تھا وہ اس میں دفن کر دیا جاتا تھا، جیسا کہ علامہ عینی نے قرطبی سے نقل کیا ہے۔ یہ تو اوقاف مساجد اور اس کے مثل کا حکم تھا، اب اور اوقاف تو اس میں حاکم اسلام کو دائرہ اختیار وسیع ہے۔

یہ تھیں وہ روایات حدیثیہ و فقہیہ جن سے قول ثالث کے لئے استناد و احتجاج اس میں پیش کیا جا سکتا ہے، اور اسی وجہ سے مفتی کو گنجائش ہے کہ وہ اس قول پر فتویٰ دیدے، بشرطیکہ اس کو وقف کے لئے اصلح اور عامہ مسلمین کے لئے انفع سمجھے، جیسا کہ علامہ شامی نے مسجد کے سامان شکستہ نقل کرنے کے بارے میں امام حلوانی اور امام ابوشجاع کے قول کو

قائل اجازت بتایا ہے، باوجود یکہ اصل مذہب عدم جواز نقل ہے۔ اور یہ کیوں؟ صرف ضرورت شدیدہ کی وجہ سے۔

مذکورہ بالا تحقیق کی بناء پر ایسی حالت میں کہ مسجد کے اموال کثیر جمع ہوں، اور مسجد کو نہ فی الحال ان کی حاجت ہو، اور نہ ظن غالب فی المآل، اور ان اموال کے اسی طرح جمع رہنے میں ضائع ہو جانے اور متغلبین کے کھا اڑا جانے کا اندیشہ ہو تو یہ زائد از حاجت اموال جمع شدہ کسی دوسری محتاج مسجد میں خرچ ہو سکتے ہیں، اسی طرح کسی ایسے دینی مدرسہ میں جو علوم شریعت تفسیر، حدیث، فقہ وغیرہ کی تعلیم دیتا ہو، خرچ کرنا جائز ہے۔ (کفایت المفتی ۷/۲۶۵ تا ۲۷۵)

حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب کے مندرجہ تفصیلی فتوی پر جن جلیل القدر علماء نے تائیدی دستخط کئے ہیں، ان میں علامہ انور شاہ کشمیری، علامہ شبیر احمد عثمانی، مفتی عزیز الرحمن دیوبندی، مفتی محمد سہول صاحب بھاگلپوری، مولانا مرتضی حسن چاند پوری اور مولانا اعزاز علی صاحب وغیرہم اکابر علماء بھی ہیں۔ اس مفصل فتوی میں مسجد کی فاضل آمدنی کے سلسلہ میں حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب نے روایات حدیث اور تصریحات فقہاء کی روشنی میں جو کچھ لکھا ہے، اور جس علت کی بنیاد پر مسجد کی فاضل آمدنی کو دوسری مسجد کی ضروریات یا دیگر رفاہی کاموں میں خرچ کرنے کی اجازت دی ہے اس کو پیش نظر رکھ کر غور کیا جائے تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ اگر مسجد پر وقف اراضی فی الحال یا فی المآل مسجد کی ضرورت سے زائد ہو تو اس پر مسلمانوں کے لئے دینی تعلیم کا ادارہ قائم کرنا شرعاً جائز ہے، لیکن عصری تعلیم کا ادارہ قائم کرنا مسجد کی اراضی پر جائز نہیں ہے، اگرچہ وہ زمین مسجد کی ضروریات سے فاضل ہی کیوں نہ ہو، اس لئے کہ دینی ادارہ کی تعمیر در حقیقت مسجد کی معنوی تعمیر ہے، لیکن عصری تعلیم کے ادارہ کی تعمیر کی شرعاً یہ حیثیت نہیں ہے۔

یاد رہے کہ یہاں مسجد کی فاضل اراضی پر دینی ادارہ کے قائم کرنے کے جواز کا جو فتوی دیا گیا ہے وہ فتوی اگرچہ جمہور علماء اسلام کی تصریحات کے خلاف ہے، لیکن جائز قرار دینے کی علت یہ ہے کہ مسجد کی فاضل اراضی کے سلسلہ میں بہت سی جگہ دیکھا گیا ہے کہ لوگوں نے اسے غصب کر کے اپنا مکان وغیرہ بنا لیا ہے، اور اس کے مالک بن بیٹھے ہیں، جب کہ کسی شخص کے لئے جائز نہیں ہے کہ وہ وقف زمین کا مالک ہو جائے، اور اگر مسجد کی فاضل اراضی پر دینی تعلیم کا ادارہ قائم کر دیا جائے تو اس صورت میں مسجد کا وقف بھی علی حالہ باقی رہتا ہے، علاوہ ازیں دینی ادارہ کی تعمیر مسجد کی معنوی تعمیر ہے، لہذا مذکورہ اسباب کی بناء پر احقر کے نزدیک مسجد کی فاضل اراضی پر دینی ادارہ کی تعمیر کی شرعاً گنجائش ہے، اور اس کی نظیر راقم سطور کے نزدیک پرانے قبرستان پر مسجد بنانے کا جواز ہے۔

مولانا ابوبکر قاسمی

الف، ب۔ مسجد پر وقف اراضی کی آمدنی مسجد کی ضروریات سے زائد ہے اس کی نہ فی الحال ضرورت ہے نہ آئندہ تو مسجد کی آبادی کی غرض سے مسجد کے متعلق دینی تعلیم کا مدرسہ جاری کیا جائے اس آمدنی سے تو جائز ہے، اور اس سے بھی آمدنی بچ جائے اور اس کے ضائع ہونے کا خطرہ ہو تو قریب کی پھر بعید کی علی الترتیب دیگر مساجد کی ضروریات میں صرف کی جائے، اس آمدنی کو مسجد سے غیر متعلق دینی مدرسہ میں خرچ کرنا یا اس رقم سے عصری تعلیم کا ادارہ قائم کرنا یا رفاہی کاموں میں خرچ کرنا جائز نہیں ہے، فتاوی محمودیہ میں ہے: لیکن مسجد کی آبادی کے لئے مسجد سے متعلق مدرسہ دینی

قائم کرنا شرعاً درست ہے کہ یہ بھی مصالح مسجد میں سے ہے (محمودیہ، فتاوی رحیمیہ ۱۸۵/۲)۔ مساجد اور مقابر کی رقم دنیوی تعلیم کے (کالج اور اسکول میں پڑھنے والے) طلبہ کو بطور امداد دینا ناجائز ہے (فتاوی رحیمیہ ۱۸۵/۲)۔

مولانا عبد القیوم

شریعت نے منشاء واقف اور شرط کو نص شرعی کا درجہ دیا ہے، واقف کی شرط کے مطابق ہی شئی موقوف سے انتفاع اور اس کا استعمال درست ہوگا۔

شرط الواقف كنص الشارع اى فى وجوب العمل به و فى المفهوم والدلالة (اشباہ ۱۹۵ قدیم نسخہ)

جس کا تقاضہ یہ ہے کہ شئی موقوف کا استعمال اسی خاص متعین نوع پر درست ہوگا جس پر واقف نے وقف کیا ہے اسکے علاوہ دوسرے وقف پر جائز اور درست نہ ہوگا، الا یہ کہ شئی موقوف ویران اور برباد ہو جائے اور اس سے انتفاع ختم ہو جائے تو ایسی صورت میں اس شئی موقوف کو بیچ کر حاصل شدہ رقم سے دوسری مناسب جگہ اسی نوع کے وقف پر خرچ کریں گے جس نوع پر واقف نے وقف کیا تھا، نوع کے تبادلہ کے ساتھ استعمال درست نہ ہوگا، جیسا کہ غیر روی کی عبارت اس پر دال ہے (شامی ۳/۳۷۱)

مذکورہ بالا تمہید کے بعد عرض یہ ہے کہ ایسے مقامات جہاں مساجد کے بڑے بڑے اوقاف ہیں، جنکی آمدنی مسجد کے مصارف سے بہت زیادہ ہے تو کیا اس قسم کی اراضی پر جو فی الحال مسجد کی ضرورت سے زائد ہے مسلمانوں کے لئے دینی یا عصری تعلیم کا ادارہ قائم کیا جا سکتا ہے؟ مقصد وقف یہی ہے کہ حاصل شدہ آمدنی کو مسجد کے مصالح و ضروریات میں صرف کی جائے۔

لا شك أن مراد الواقف انتظام حال مسجده أو مدرسته لا مجرد انتفاع اهل الوقف (شامی ۳/۳۷۷)

فيقدم أولاً لعمارة الضرورية ثم الأهم فالأهم من المصالح و الشعائر (شامی ۳/۳۷۷)

الف۔ سوال میں ذکر کردہ زائد اراضی پر صرف دینی ادارہ قائم کرنے کی اجازت دی جا سکتی ہے، بشرطیکہ وہ اراضی ویران اور ناقابل انتفاع ہو جائے جس کی وجہ سے قبضہ ختم ہو جانے کا قوی خطرہ لاحق ہو، خواہ وہ خطرہ حکومت کی طرف سے ہو یا عوام کی طرف سے، اور دوسری شرط یہ کہ دینی ادارہ قائم کرنے کی ضرورت بھی ہو، اور مدرسہ قائم کرنے سے وہ خطرات ٹل جائیں جو خطرات پیچھے بیان کئے گئے۔

اگر وہاں پر بتقاضائے حالات دینی ادارہ قائم کرنے کی فی الحال ضرورت نہیں لیکن زائد زمین مسجد کے قبضہ سے نکل جانے کا قوی خطرہ درپیش ہے تو ایسی صورت میں زائد زمین فروخت کر کے حاصل شدہ رقم سے دیگر مساجد کیلئے ذریعہ آمدنی کو حاصل کیا جائے۔ اور اگر وہاں پر مدرسہ کی ضرورت نہیں ہے اور نہ زائد زمین مسجد کے قبضہ سے نکل جانے کا اندیشہ ہے تو ایسی صورت میں حاصل شدہ زائد آمدنی کو صرف کرے گا محتاج مساجد کے مصالح و ضروریات

میں خرچ کرنے کی اجازت ملے گی۔

یہ ظاہر ہے کہ آمدنی جمع ہو کر چند سالوں میں ایک بڑا سرمایہ بن جائے گی، جس کی طویل عرصہ تک حفاظت ایک دشوار مسئلہ ہے، ایسی رقم خطرہ سے خالی نہیں ہے، یہ خطرہ حکومت کی دست درازی کا بھی ہو سکتا ہے اور منتظمین کی طرف سے خیانت کا بھی، یہ خطرات اس زمانہ میں تجربات ومشاہدات کی وجہ سے احتمالی نہیں رہے بلکہ واقعی ہو چکے۔

جب فقہاء نے ناجائز قبضہ کرنے والوں کے خوف، خطرہ سے اراضی کے انتقال کی اجازت دی ہے تو جب یہی خطرات آمدنی میں پیدا ہو جائے تو بدرجہ اولیٰ آمدنی کا انتقال درست ہوگا۔

اوپر مشروط طور پر دینی ادارہ قائم کرنے کی اجازت اس لئے ہے کہ ہر واقف کا اصل مقصد حصول ثواب اور رضائے خداوندی ہے، یہ مقصد صرف دینی ادارہ قائم کرنے میں علی حالہ برقرار رہتا ہے، اگر واقف زندہ ہوتا اور وہ اپنے وقف کردہ جائداد کی ویرانی کو دیکھتا تو کیا وہ دینی ادارہ قائم کرنے کی اجازت نہیں دیتا، یقیناً اجازت دیتا، لہذا زائد زمین میں مشروط طور پر دینی ادارہ کا قیام دلالۃ واقف کے منشاء ومقصد کے مطابق ہی ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

مولانا تنویر عالم قاسمی

الف، ب۔ جس وقف کی وہ آمدنی ہے اس کا وقف نامہ دیکھنے کی ضرورت ہے کہ واقف نے کس کس کام میں صرف کرنے کی اجازت دی ہے، ایک مسجد کے لئے مخصوص طور پر جو وقف ہو اس کی آمدنی دوسری مسجد میں صرف کرنا جائز نہیں، لیکن مسجد کی آبادی کے لئے مسجد سے متعلق مدرسہ دینی قائم کرنا شرعاً درست ہے کہ یہ بھی مصالح مسجد میں سے ہے ۔ ھکذا یفھم مما فی البحر الرائق (۵/۲۱۵)۔ دنیوی تعلیم مصالح مسجد میں سے نہیں اس میں خرچ کرنا درست نہیں دینی تعلیم خواہ قرآن کریم کی تعلیم ہو خواہ مسائل شرعیہ کی تعلیم ہو اور پھر چاہے عربی زبان میں ہو چاہے اردو میں چاہے گجراتی میں سب کا حکم ایک ہے (فتاویٰ محمودیہ ۱۰/۱۸۶)۔

مفتی عبد الرحیم بھوپال

الف۔ ایسی اراضی جو مسجد پر وقف ہو اور جو فی الحال مسجد کی ضرورت سے زائد ہو تو ایسی اراضی پر منشاء واقف کے خلاف کوئی کام کرنا جائز نہیں ہے (جیسا کہ ماقبل کی عبارتوں سے واضح ہے)۔

ب۔ مسجد کی آمدنی یا اسی طرح وہ زمین ومکان کی آمدنی جو مسجد کے لئے وقف ہو منشاء واقف کے خلاف صرف کرنا جائز نہیں ہے۔

الفاضل من وقف المسجد ھل یصرف إلی الفقراء قیل لا وانہ صحیح ولکنہ یشتری بہ مستغلا للمسجد (تاتارخانیہ ۵/۸۶۱)

مولانا نذر توحید

الف، ب۔ مسجد پر وقف اراضی میں جو فی الحال مسجد کی ضروریات سے زائد ہیں مسلمانوں کے لئے دینی یا عصری تعلیم کا ادارہ قائم کیا جا سکتا ہے۔ مسجد سے تعلیمی یا رفاہی کام لئے جا سکتے ہیں۔

ڈاکٹر قدرت اللہ باقوی

الف۔ مسجد کی وقف اراضی میں چاہے وہ مسجد کی ضروریات سے زائد ہوں مسلمانوں کے لئے دینی یا عصری تعلیم کا ادارہ قائم کرنا جائز نہیں ہے۔ بوقت ضرورت یہ صورت اختیار کی جا سکتی ہے کہ مسجد کے پیسے سے تعمیر کرلیں اور اسکو مدرسہ کے واسطے کرایہ پر لے لیں، مدرسہ کی جانب سے مسجد کو کرایہ ادا کر دیا کریں، یا وہ زمین کرایہ پر لے کر مدرسہ تعمیر کیا جائے کہ زمین مسجد کی ہو جس کا کرایہ مدرسہ کی طرف سے ادا کر دیا جایا کرے اور عمارت مدرسہ کی ہو۔ (فتاوی رحیمیہ ۶/۵۹، فتاوی محمودیہ ۱۸/۲۲۰، احسن الفتاوی ۶/۴۴۲)

ب۔ جب ایک مسجد کی آمدنی با مجبوری دوسری مسجد میں خرچ کرنے کی اجازت نہیں ہے تو پھر مسجد کی آمدنی تعلیمی یا رفاہی مقاصد کے لئے کیسے استعمال کی جا سکتی ہے (فتاوی رحیمیہ ۲/۱۸۵، فتاوی محمودیہ ۱۵/۱۹۹) فتاوی عالمگیری میں ہے

وقف المسجد هل يصرف الى الفقراء قيل لا يصرف وانه صحيح ولكن يشترى به مستغلا للمسجد (فتاوی ہندیہ ۲/۴۶۳)

ہاں اگر واقف نے وقف نامہ میں بوقت ضرورت زائد آمدنی کو دوسرے نیک کام میں استعمال کرنے کے لئے لکھا ہو تو شرط کے مطابق دوسرے وقف وغیرہ نیک کاموں میں خرچ کرنا جائز ہے ورنہ ناجائز ہے (فتاوی رحیمیہ ۲/۱۸۳)

مولانا عبد اللطیف پالنپوری

جن مقامات پر مساجد و مدارس یا مقابر کے بڑے بڑے اوقاف ہیں، اور مسلمانوں کی آبادی وہاں بہت معمولی رہ گئی ہے مثلاً ایک مسجد ہے اس کے لئے بہت سی زمینیں اور مکانات وقف ہیں، مسجد کے اوقاف کی آمدنی اس کے مصارف سے زیادہ ہے تو مناسب یہ ہے کہ ایک وقف کا سامان دوسرے وقف میں منتقل کرنے کے مسئلہ میں امام ابو شجاع اور امام حلوانیؒ کے فتویٰ کی اتباع کی جائے کہ اس مسئلہ میں ان کے نزدیک مسجد یا حوض کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے خصوصاً ہمارے زمانے میں اس لئے کہ مسجد، سرائے یا حوض وغیرہ کو اگر منتقل نہ کیا جائے تو اس کے شکستہ ملبے چور اور غارت گر اٹھا لے جائیں گے جیسا کہ مشاہدہ و تجربہ ہے۔ نیز خود اوقاف کے نگراں وغیرہ اسے کھا جائیں گے، اور منتقل نہ کرنے کا نتیجہ یہ ہوگا کہ دوسری مسجد بھی جس کو اس کی ضرورت ہے ویران ہو جائے گی (اسکی تفصیلی بحث کے لئے دیکھئے ردالمحتار ۳/۴۰۹، ۴۰۷، ہدایہ ۳۴۲، ۶۴۳، المبسوط ۱۲/۴۲، ۴۳، فتاوی ہندیہ ۲/۴۸۱، بدائع الصنائع ۶/۲۱۸، ۲۲۱)

مسجد کی فاضل رقم کے سلسلے میں حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کا موقف:

سوال نمبر (۷۱۹) کے جواب میں فرماتے ہیں:

الجواب: فی الدر المختار، ومثله حشيش المسجد و حصيره مع الاستغناء عنها

وكذا الرباط والبئر إذا لم ينتفع بهما فيصرف وقف المسجد والرباط والحوض إلى أقرب مسجد أو رباط أو بئر أو حوض إليه الخ، في رد المحتار لف ونشر مرتب فظاهره أنه لا يجوز صرف وقف مسجد خرب إلى حوض وعكسه، وفي شرح الملتقى يصرف وقفها لأقرب مجانس لها (۵۵۳/۳)

قلت وهذه الرواية وإن كانت منقولة في صورة خراب المسجد وغيره لكن ما كان مبنى الحكم الاستغناء كان الحكم عاما وإن لم يخرب وهذا ظاهر عندي۔

اس سے معلوم ہوا کہ صورت مسئولہ میں اس آمدنی کو دوسری مساجد میں بھی صرف کر سکتے ہیں لیکن ترتیب سے کہ اول اقرب مساجد میں اور اگر اس میں ضرورت نہ ہو تو پھر اسی طرح اقرب فالاقرب میں (امداد الفتاویٰ ۵۹۳/۲ ج ۵۹۳، احسن الفتاویٰ ۴۲۶/۶ ج ۴۲۷، رد المحتار مع الدر المختار ۴۰۷/۳)

مولانا مفتی کفایت اللہ دہلوی کا موقف:

اسی طرح کے سوال کے جواب نمبر (۲۳۷) میں آپ کے فتویٰ کا خلاصہ مندرجہ ذیل ہے:

"مذکورہ بالا تحقیق کی بنا پر ایسی حالت میں کہ مسجد کے اموال کثیرہ جمع ہوں اور مسجد کو نہ فی الحال ان کی حاجت ہو اور نہ ظن غالب فی المآل، اور ان اموال کے اسی طرح جمع رہنے میں ضائع ہو جانے اور متغلبین کے کھا جانے کا اندیشہ ہو تو بقدر حاجت اموال جمع شدہ کسی دوسری محتاج مسجد میں خرچ ہو سکتے ہیں، اسی طرح کسی ایسے دینی مدرسے میں جو علوم شریعت تفسیر، حدیث، فقہ وغیرہ کی تعلیم دیتا ہو خرچ کرنا جائز ہے" (کفایت المفتی ۲۷۵/۷، مسلم مع النووی ۴۲۹/۱ـ باب نقض الكعبة وبناءها)

الف۔ مسجد کی اراضی موقوفہ پر جو فی الحال مسجد کی ضروریات سے زائد ہے مسلمانوں کے لئے کوئی دینی یا عصری تعلیم کا ادارہ قائم کرنا شرعی نقطۂ نظر سے ممنوع و حرام ہے۔

سئل القاضي الإمام شمس الأئمة محمود الأوزجندي عن مسجد لم يبق له قوم وخرب ما حوله واستغنى الناس عنه هل يجوز جعله مقبرة قال لا. وسئل هو أيضا عن المقبرة في القرى إذا اندرست ولم يبق فيها أثر الموتى لا العظم ولا غيره هل يجوز زرعها واستغلالها قال لا، ولها حكم المقبرة كذا في المحيط (فتاویٰ ہندیہ ۴۷۰/۲، ۴۷۱)

ب۔ مسجد کے اوقاف کی آمدنی تعلیمی یا رفاہی مقاصد کے لئے استعمال کرنے کی گنجائش ہے جب کہ واقف نے ان زمینوں اور مکانات کو مسجد ہی کے لئے وقف کیا تھا، اسی طرح کے سوال کے جواب نمبر (۴۵۹) میں مفتی کفایت اللہ صاحب تحریر فرماتے ہیں: جب کہ مسجد کی جمع شدہ رقم مسجد کی حاجت سے زیادہ ہو اور آئندہ بھی مسجد کو ظن غالب اس رقم کی حاجت پڑنے کا احتمال نہ ہو تو دوسری محتاج مسجد پر یہ رقم صرف کی جا سکتی ہے، اس اجازت میں وہ مقدار شامل ہوگی جس سے مسجد حالاً و مآلاً مستغنی ہو، واللہ اعلم (کفایت المفتی ۲۹۷/۷)۔

اور جواب نمبر (۲۵۶) میں ہے کہ جب مسجد کی آمدنی اس قدر کثیر ہو کہ مسجد کو اس کی فی الحال حاجت ہو اور نہ فی الاستقبال، تو ایسی حالت میں جمع شدہ زائد رقم کو کسی دوسری محتاج مسجد میں یا دینی تعلیم میں خرچ کیا جا سکتا ہے (کفایت المفتی ۷/۳۰۰)

حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: رہا یہ کہ وہ مصالح مسجد سے بچ جاتا ہے اور اس کے جمع رکھنے میں احتمال ضیاع کا ہے تو اس کی صورت یہ ہے کہ اس فاضل آمدنی کو دوسرے مساجد کے مصالح پر صرف کر دیا جائے جو مسجد موقوف علیہ سے قریب ہو اور اگر اس مسجد قریب میں بھی استغناء ہو تو پھر اس کے بعد جو مساجد قریب ہوں حتیٰ کہ دوسری بار دوسری مساجد تک اس کی محل ہیں (امداد الفتاویٰ ۲/۵۹۴، فتاویٰ رحیمیہ ۲/۱۸۳-۱۸۷)

عن عائشة زوج النبی ﷺ انها قالت سمعت رسول الله ﷺ یقول لولا ان قومک حدیثو عهد بجاهلیة او قال بکفر لانفقت کنز الکعبة فی سبیل الله ولجعلت بابها بالأرض ولأدخلت فیها من الحجر (مسلم ۱/۴۲۹-۴۳۰)

حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ اگر تمہاری قوم جدید الاسلام نہ ہوتی، یا فرمایا کہ اگر وہ کفر کے زمانے سے قریب نہ ہوتے تو میں یقیناً کعبہ کا خزانہ راہ خدا میں خرچ کر دیتا اور میں کعبہ کو از سر نو تعمیر کرتا اور حطیم کا حصہ اندر داخل کر دیتا اور اس کے دو دروازے کر دیتا کہ ایک سے لوگ داخل ہوں اور دوسرے سے باہر نکلیں اور دروازوں کو زمین سے ملا دیتا۔

علامہ نووی اس حدیث کی توضیح و تشریح اس طرح فرماتے ہیں: وفیه دلیل لجواز انفاق کنز الکعبة ونذورها الفاضلة عن مصالحها فی سبیل الله .... ومذهبنا ان الفاضل من وقف مسجد او غیره لا یصرف فی مصالح مسجد آخر ولا غیره بل یحفظ دائماً للمکان الموقوف علیه الذی فضل منه فربما احتاج الیه والله اعلم (نووی علی ہامش مسلم ۱/۴۲۹)

خلاصہ یہ کہ متقدمین کے فتویٰ سے ہٹ کر متاخرین محقق علماء کا دوسری رائے قائم کرنے کی علت یہ ہے کہ وقف اپنے مقاصد کو پورا نہیں کر رہا ہے، اور اگر اسے یوں ہی چھوڑ دیا جائے تو غاصبین اس پر قبضہ کر لیں گے، اور ادھر دوسری مساجد کو ضرورت ہے، پس اگر اس ویران مسجد کے سامان دوسری ضرورت مند مساجد کو منتقل کرنا ممنوع قرار دیا جائے تو اس فتویٰ کے ذریعہ دوسری مساجد کو ویران کرنا لازم آئے گا، لہٰذا مصلحت شرع اس کی متقاضی ہے کہ اس انتقال کو درست قرار دیا جائے۔

مولانا محمد مصطفیٰ قاسمی

بہت سے مقامات ایسے ہیں جہاں مساجد و مدارس یا مقابر کے بڑے بڑے اوقاف ہیں، اور مسلمانوں کی آبادی وہاں معمولی رہ گئی ہے، مثلاً ایک مسجد ہے اس کے لئے بہت سی زمینیں اور مکانات وقف ہیں، مسجد کے اوقاف کی آمدنی اس کے مصارف سے زیادہ ہے، اس بارے میں دو باتیں پیش نظر ہے:

الف۔ مصارف سے زیادہ آمدنی ہم جنس ہی پر صرف کیا جائے، غیر ہم جنس میں صرف کرنے کی گنجائش نہیں ہے مگر انہیں شرطوں کے ساتھ جو مذکور ہوئے، مثلاً مسجد پر جو اراضی وقف ہیں فی الحال مسجد کی ضروریات سے بہت زیادہ ہیں تو دوسری مسجد میں صرف کیا جائے گا، دوسری قسم میں مثلاً مسلمانوں کے لئے دینی یا عصری تعلیم گاہ قائم کرنا اس کی اجازت حضرات فقہاء کے یہاں نہیں ملتی ہے۔

لا یجوز تغییر المصرف مع إمکان المحافظة علیه کما لا یجوز تغییر الوقف بالبیع مع إمکان الانتفاع به (المغنی ۵/۶۳۳)

ب۔ واقف کے مقاصد کا لحاظ ممکن حد تک ضروری اور لازم ہے۔

وینظر فی الوقف من شرطه للواقف (المغنی ۵/۶۳۶)

مولانا اخلاق الرحمن قاسمی

الف۔ ایسے مقامات جہاں مساجد اور مدارس یا مقابر کے بڑے بڑے اوقاف ہوں اور مسلمانوں کی آبادی بہت ہی معمولی رہ گئی ہو، مثلاً ایک مسجد ہے اس کے لئے بہت سی زمینیں اور مکانات وقف ہوں، اور مسجد کے اوقاف کی آمدنی اس کے مصارف سے زیادہ ہو تو اس صورت میں اصل مسئلہ تو یہ ہے کہ اگر مسجد میں اس کی ضرورت بالکل نہ ہو تو مسلمانوں کے لئے دینی یا عصری تعلیم کا ادارہ قائم کیا جا سکتا ہے، لیکن اصل مسئلہ یہ ہے کہ اوقاف کی زائد آمدنی وقف شدہ چیزوں ہی میں صرف کیا جائے، اگر واقف وقف کرتے وقت استبدال کی شرط نہیں لگائی تھی تو وقف تام ہو جانے کے بعد اس عبارت "واما الاستبدال ولو للمساکین بدون شرط فلا یملک" کی وجہ سے یہ استبدال جائز نہ ہوگا۔

ب۔ مسجد کی آمدنی تعلیمی یا رفاہی مقاصد کے لئے استعمال کرنا اس صورت میں بالکل درست نہیں ہے، جبکہ واقف نے ان زمینوں اور مکانات کو مسجد ہی کے لئے وقف کیا ہو۔

مولانا قمر الزمان ندوی

زائد از ضروریات مسجد کا مصرف:

بہت سے مقامات ایسے ہیں جہاں مساجد اور مدارس یا مقابر کے بڑے بڑے اوقاف ہیں اور مسلمانوں کی آبادی وہاں معمولی رہ گئی ہے، مثلاً ایک مسجد ہے اس کے لئے بہت سی زمینیں اور مکانات وقف ہیں، مسجد کے اوقاف کی آمدنی اس کے مصارف سے کہیں زیادہ ہے، ایسی زائد آمدنی سے جو فی الحال مسجد کی ضروریات سے زائد ہے، اس سے نہ تو دینی یا عصری تعلیمی ادارہ قائم کیا جا سکتا ہے اور نہ ہی مسجد کی آمدنی کو رفاہی مقاصد کے لئے استعمال کیا جا سکتا ہے، بلکہ اس آمدنی کو مسجد کی مرمت وغیرہ میں صرف کیا جائے، نیز مصالح مسجد مثلاً امام، خطیب، مسجد کی لائٹ و روشنی اور چٹائی وغیرہ میں صرف کیا جائے گا، پھر بھی اگر کچھ بچ جائے تو دوسری قریب کی مسجد میں صرف کیا جائے گا، اس سلسلہ میں سب سے پہلے شیخ اشرف علی تھانوی (م ۱۳۶۲ھ) کی عبارت ملاحظہ ہو

"مدرسہ جنس مسجد سے نہیں، اس لئے زائد رقم دوسری مساجد میں صرف کرنا چاہئے، اگر اس قسم میں حاجت

الف۔ مسجد پر وقف اراضی جو فی الحال مسجد کی ضروریات سے زائد ہے اس میں مسلمانوں کے لئے دینی یا عصری تعلیم کا ادارہ قائم کرنا جائز نہیں ہے، لیکن اس میں مسجد کی آمدنی کے لئے مکان، دوکان وغیرہ تعمیر کی جائے تاکہ اس کی آمدنی کو مسجد کی ضروریات میں استعمال کیا جائے، عالمگیری میں ہے:

"الفاضل من وقف المسجد هل يصرف إلى الفقراء قيل لا يصرف وانه صحيح ولكن يشترى به مستغل للمسجد كذا في المحيط (عالمگیری ۲/۴۶۳)

ب۔ دوسرا سوال یہ ہے کہ مسجد کی آمدنی تعلیمی یا رفاہی کاموں میں استعمال کی جاسکتی ہے، جبکہ واقف نے ان زمینوں اور مکانات کو مسجد ہی کے لئے وقف کیا ہو؟ اس کا جواب یہ ہے کہ مسجد کی آمدنی مسجد ہی کے کام میں استعمال ہوگی۔ اسے تعلیمی اور رفاہی کام میں استعمال کرنا جائز نہیں ہے، جب کہ واقف نے بھی اس کی اجازت نہیں دی ہو، اور اوپر شامی کی عبارت (۳/۴۹۷) "شرط الواقف كنص الشارع" سے بھی معلوم ہوا کہ اس کو دوسرے کاموں میں استعمال کرنا جائز نہیں ہے۔

مولانا ابراهیم فلاحی بارڈولی

الف۔ مسجد پر وقف اراضی جو فی الحال مسجد کی ضروریات سے زائد ہیں اسی مسجد میں دینی مدرسہ قائم کیا جاسکتا ہے تاکہ مسجد کی آبادی میں ترقی ہو کیوں کہ آبادی کو ترقی دینا بڑی مصلحت ہے۔

الفاضل من وقف المسجد هل يصرف إلى الفقراء قيل لا يصرف وانه صحيح ولكن يشترى به مستغل للمسجد (مسجد کے وقف کی فاضل آمدنی فقراء پر صرف کی جاسکتی ہے یا نہیں، صحیح قول یہ ہے کہ ایسا نہ کرے اس سے مسجد کی آمدنی کے ذرائع کا نظم کیا جائے)

اور عالمگیری میں دوسری جگہ فرمایا ہے:

الذي يبدأ من ارتفاع الوقف عمارته شرط الواقف أم لا ثم إلى ما هو أقرب إلى العمارة وأعم للمصلحة كالإمام للمسجد والمدرس للمدرسة (وقف کی آمدنی سب سے پہلے وقف کی عمارت و تعمیر پر لگے گی خواہ واقف نے شرط رکھی ہو یا نہ رکھی ہو، اس کے بعد پھر عمارت سے متعلق امور میں مثلاً مسجد کا امام اور مدرسے کا مدرس)

اور اگر یہ بھی دشوار ہو تو مسجد کی فاضل آمدنی دوسری مسجد میں صرف کی جاسکتی ہے لیکن مسجد کے علاوہ دیگر کاموں میں صرف کرنا جائز نہیں ہے۔

ب۔ چونکہ واقف نے مسجد کے ان مکانات کو جو مسجد کی ضروریات سے زائد ہیں مسجد ہی کے لئے وقف کیا تھا اس لئے واقف کے مقاصد کی رعایت ضروری ہے، لہذا دوسری تعلیمی یا رفاہی کاموں میں صرف کرنا جائز نہیں ہے، فقہ کا مشہور قاعدہ ہے: "فان شرائط الواقف معتبرة إذا لم تخالف الشرع" یعنی واقف کی شرط کا اعتبار کیا جائے گا اگر شریعت کے مخالف نہ ہو۔ دوسرا قاعدہ ہے: "شرط الواقف كنص الشارع اى فى وجوب

العمل به وفي المفهوم والدلالة الخ" (واقف کی شرط شارع کی نص کے درجہ میں ہے یعنی اس سے عمل کے واجب ہونے کے حق میں اور مفہوم ودلالت کے سلسلہ میں) لہذا اس صورت میں جب کہ واقف نے مذکورہ اوقاف کو مسجد ہی کے لئے وقف کیا تھا اس لئے وقف کی آمدنی سے دوسری تعلیمی یا رفاہی کاموں میں صرف کرنا جائز نہیں ہوگا۔

مولانا سمیع اللہ قاسمی

الف۔ مسجد پر وقف اراضی جو فی الحال مسجد کی ضروریات سے زائد ہیں، اس زائد اراضی پر اگر کوئی دینی ادارہ قائم کرلیا جائے تو اس کی گنجائش اس وجہ سے معلوم ہوتی ہے کہ دونوں کے درمیان اتحاد وجہ قرب اور مقاصد واقف جو کہ " التقرب الی اللہ و حصول الثواب" ہے موجود ہے۔

ب۔ مسجد کی زائد آمدنی کو علی الاطلاق تعلیمی یا رفاہی مقاصد میں صرف نہیں کیا جاسکتا، بلکہ الاقرب فالاقرب کا لحاظ کرتے ہوئے دیگر محتاج مساجد میں صرف کیا جائے گا، البتہ اگر اس نوع کے اندر ضرورت محسوس نہ ہو تو پھر جس نوع کے اندر مقاصد واقف کا حصول ہورہا ہو وہاں صرف کیا جائے گا۔

مولانا صدر عالم

الف۔ مسجد پر وقف اراضی جو فی الحال مسجد کی ضرورت سے زائد ہیں ان پر مسلمانوں کے لئے دینی یا عصری تعلیمی ادارہ نہیں قائم کیا جاسکتا ہے کیونکہ ایسا کرنا جہت وقف کی تبدیلی ہے، جبکہ اختیار لزوم وقف کے بعد خود واقف کو بھی نہیں چہ جائیکہ کسی دوسرے کو۔

ما كان من شرط معتبر في الوقف فليس للواقف تغييره ولا تخصيصه بعد تقرره ولا سيما بعد الحكم (رد المحتار ص ٦٨٥)

ب۔ مسجد اور مسجد کے اوقاف کی آمدنی صرف ان ہی مصارف میں خرچ کرنا جائز ہے جن کو مسجد کی آبادی میں دخل ہے، اگر واقف نے ان زمینوں اور مکانات کو مسجد ہی کے لئے وقف کیا ہے تو کسی دوسرے استعمال میں لانا جائز نہیں ہے۔

مولانا عطاء اللہ قاسمی

الف۔ مساجد کی ضرورت سے زائد زمین وآمدنی کو کہاں خرچ کیا جائے:

جب مساجد کی زمین وآمدنی اتنی کثیر مقدار میں جمع ہوجائیں کہ فی الحال اس مسجد میں اس زمین وآمدنی کی ضرورت نہیں ہے اور آئندہ بھی بالفرض بوقت ضرورت اس جیسی دوسری مسجد تعمیر کی جائے تو وہ مسجد بھی تعمیر ہوجائے اور اس کے بعد بھی فاضل رقم وزمین بچی رہنے کی امید ہے تو ایسی صورت میں فقہاء کرام نے اجازت دی ہے کہ اس جیسی دوسری مسجد کا اندازہ کرکے باقی رقم مسلمان فقراء پر تقسیم کرنا جائز اور درست ہوگا، چنانچہ قاضی خان فرماتے ہیں:

فما فضل من ذلك يصرف إلى عمارة المسجد ودهنه وحصيره وما فيه مصلحة المسجد على ان القيم ان يتصرف في ذلك على ما يرى وإذا استغنى هذا المسجد يصرف إلى

فقراء المسلمين فيجوز ذلك لأن جنس هذه القربة مما لا ينقطع و يبقى ما بقي الإسلام (خانيه على الهنديه ۳/ ۲۸۸، و بحذا خانيه ۳/ ۳۳۰)

جو زائد آمدنی ہو وہ مسجد کی تعمیر، تیل، فرش، وغیرہ میں صرف کی جائے اور مسجد کی جو دیگر ضرورتیں ہوں متولی حسب مصلحت اس میں خرچ کر سکتا ہے اور جب وہ مسجد اس آمدنی سے مستغنی ہو جائے تو پھر مسلمان فقراء کو تقسیم کر دی جائے تو ایسا کرنا جائز ہے اس لئے کہ یہ بھی قربت میں داخل ہے اور جب تک اسلام باقی رہے گا یہ قربت بھی ختم نہیں ہوگی۔

صاحب معارف السنن اس کی اور وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ جب مذکورہ بالا صورت میں رقم فاضل بچ جائے تو اس کے ذریعے سے مدرسہ قائم کرنا اور اشاعت علم میں خرچ کرنا بھی جائز ہے، اگرچہ واقف نے اس کی صراحت نہ کی ہو۔

قال الراقم وما تبين لي بعد فحص و بحث كثير أنه إذا اجتمعت أموال كثيرة تزيد على بناء المسجد فيجوز صرف الزائد إلى إنشاء مدرسة ونشر علم وإن لم يكن من شرط الواقف (معارف السنن ۳/ ۳۰۱)

مرتب نے کہا کہ جو بات بہت زیادہ بحث وتحقیق کے بعد حاصل ہوئی ہے کہ جب اموال کثیرہ جمع ہو جائیں جو کہ مسجد کی تعمیر سے بھی زائد ہوں تو پھر زائد آمدنی کو مدرسہ قائم کرنے اور علم پھیلانے میں خرچ کرنا بھی جائز ہے، اگرچہ یہ واقف کی شرط میں نہ ہو۔

مذکورہ بالا عبارات سے یہ بات واضح ہوئی کہ اگر بوقت ضرورت اعادہ مسجد سے زائد آمدنی بچ جائے تو اس زائد آمدنی کے ذریعہ مدرسہ قائم کرنا اور علم دین کی اشاعت میں صرف کرنا خواہ کسی طریقے سے علم دین کی اشاعت کی جائے جائز اور درست معلوم ہوتا ہے۔

مولانا اسعد اللہ قاسمی

مسجد پر موقوف اراضی جس کی آمدنی مسجد کے موجودہ اخراجات سے زیادہ ہو:

الف ب۔ اگر کسی مسجد پر موقوف اراضی کی آمدنی مسجد کے موجودہ اخراجات سے زیادہ ہو یا مسجد پر موقوف اراضی کے علاوہ کسی اور وقف کی آمدنی اس کی ضرورت سے زیادہ ہو اور بظاہر آئندہ اس موقوفہ کام کے لئے اس زائد آمدنی کے استعمال کی ضرورت پڑنے کا امکان نہ ہو تو اس کے ذریعہ اگر مسلمانوں کو دینی یا عصری تعلیمی ادارہ یا اسی نوع کی دوسری چیز قائم کرنا چاہیں تو قائم کیا جا سکتا ہے۔

دلیل: قاضی خاں نے لکھا ہے کہ اگر کسی مسجد کی آمدنی اتنی زیادہ ہو کہ مسجد کو فی الحال اس کی ضرورت نہیں ہے تو اس کو فقراء مسلمین کو دے دیا جائے گا اور ایسا کرنا جائز ہے۔ اس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اگر اس زائد آمدنی سے دینی یا عصری تعلیمی ادارہ قائم کرنا چاہیں تو قائم کر سکتے ہیں۔

إذا استغنى هذا المسجد يصرف إلى فقراء المسلمين فيجوز ذلك لأن جنس هذه

اوقاف کی زائد آمدنی کا مصرف

اس مسئلہ سے متعلق جواب دینے والے علماء کرام کے اسمائے گرامی

مولانا عبید اللہ اسعدی
مولانا خالد سیف اللہ رحمانی
مولانا عتیق احمد قاسمی
مفتی جنید عالم قاسمی
مولانا زبیر احمد قاسمی
مولانا عبد الجلیل قاسمی
مولانا انیس الرحمن
مفتی شبیر احمد قاسمی
مفتی نسیم احمد قاسمی
مولانا ظفر عالم ندوی
مولانا شمس پیرزادہ
ڈاکٹر عبد العظیم اصلاحی
مفتی جمیل احمد نذیری
مولانا ابوسفیان مفتاحی
مفتی محبوب علی وجیہی
مولانا ظفر الاسلام اعظمی
مولانا حبیب اللہ قاسمی
مفتی فضیل الرحمن ہلال عثمانی
مفتی شکیل احمد سیتاپوری
مولانا سلطان احمد اصلاحی
مولانا مفتی محمد حنیف
مولانا محمد رضوان قاسمی
مولانا شیر علی
مولانا محمد ارشاد القاسمی
مولانا ایوب ندوی
مولانا ابوبکر قاسمی
مولانا عبد القیوم پالنپوری
مولانا تنویر عالم قاسمی
مفتی عبد الرحیم قاسمی
مولانا محمد توحید مظاہری
ڈاکٹر قدرت اللہ باقوی
مولانا عبد اللطیف پالنپوری
مولانا محمد مصطفی قاسمی
مولانا اخلاق الرحمن قاسمی
مولانا قمر الزماں ندوی
مولانا محمد نور القاسمی
مولانا ابرار خاں ندوی
مولانا ابراہیم فلاحی بارڈولی
مولانا سمیع اللہ قاسمی
مولانا محمد صدر عالم قاسمی
مولانا عطاء اللہ قاسمی
مولانا اسعد اللہ قاسمی

کیا جائے، ہاں اگر فاضل آمدنی کے ضائع ہونے یا غلط ہاتھوں میں پہنچ جانے کا ظن غالب ہو تو اسی نوع کے دوسرے اوقاف کی ضروریات میں یا اسی نوع کا دوسرا وقف قائم کرنے میں فاضل آمدنی کو صرف کیا جا سکتا ہے۔

مولانا عتیق احمد قاسمی

ایک وقف کی فاضل آمدنی کا مصرف:

الف، ب۔ اس کا جواب بھی تقریباً آ ہی گیا ہے۔ اگر واقعۃً ایک وقف کی آمدنی اس کی ضروریات سے فاضل ہوتی ہے، اور ہر سال رقم جمع ہو کر ایک بڑا سرمایہ بنتی جا رہی ہے، جس کی طویل عرصہ تک حفاظت ایک دشوار مسئلہ ہے، بلکہ خطرہ سے خالی نہیں، تو ایسی صورت میں اسی نوع کے اوقاف کی ضروریات پر وہ رقم صرف کی جائے گی، الاقرب فالاقرب کی ترتیب سے صرف کرنی ہوگی۔ دیگر دینی، ملی اور علمی کاموں اور مساجد وغیرہ پر صرف نہیں کر سکتے ہیں۔

مفتی جنید عالم ندوی قاسمی

الف۔ جب اوقاف کی آمدنی متعینہ مصارف سے بہت زائد ہو، روزمرہ کی ضروریات میں اس کے خرچ کا امکان ہی نہیں اور آئندہ جمع ہوتے ہوتے ایک بڑا سرمایہ بنکر حکومت یا منتظمین کی دست درازی کا خطرہ پیدا کر دے تو ایسے اوقاف کی زائد آمدنیاں اسی نوع کے دیگر قریب تر اوقاف کی ضروریات میں خرچ کی جا سکتی ہیں، یعنی کسی مسجد کی زائد آمدنی دوسری قریب تر محتاج مسجد پر، اور مدرسہ و مقابر و خانقاہ کی زائد آمدنیاں قریب تر مدرسہ و مقبرہ و خانقاہ پر خرچ کی جا سکتی ہیں۔

فليصرف وقف المسجد والرباط والبئر والحوض إلى أقرب مسجد أو رباط أو بئر أو حوض إليه (شامی ۳/۴۷۱)

ب۔ ایک نوع کے اوقاف کی زائد آمدنی دوسری نوع کے اوقاف کے ضروریات میں خرچ نہیں کی جا سکتی، اس لئے دیگر دینی، علمی اور ملی کاموں میں خرچ کی گنجائش نہیں، واللہ اعلم بالصواب۔

مولانا زبیر احمد قاسمی

الف، ب۔ اگر کسی وقف کی آمدنی اس کے مصارف سے زائد ہے، اور طویل عرصہ تک اسکی حفاظت دشوار ہے اور آئندہ بھی مصرف میں خرچ ہونے کی امید نہیں ہے تو فاضل آمدنی اسی نوع کے دیگر اوقاف کی ضروریات میں صرف کی جائے گی، دوسرے دینی و علمی کاموں پر صرف کرنا جائز نہیں ہوگا۔

ظاهره أنه لا يجوز صرف وقف مسجد خرب إلى حوض وعكسه وفي الشرح الملتقى يصرف وقفها لأقرب مجانس لها (ردالمحتار ۳/۴۷۱)

حضرت تھانوی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

رہا یہ کہ وہ مصالح مسجد سے بچ جاتا ہے اور اس کے جمع رکھنے میں احتمال ضیاع کا ہے، تو اسکی صورت یہ ہے کہ اس فاضل کو دوسرے مساجد کے مصالح پر صرف کرنا چاہئے جو مسجد موقوف علیہ سے قریب ہو، اور اگر اس مسجد قریب

میں بھی استغناء ہو تو پھر اس کے بعد جو مساجد قریب ہوں حتی کہ دوسری بلاد ہند کی مساجد تک اس کی محل ہیں (امداد الفتاوی ۲/۶۱۲)

مدرسہ جس مسجد میں ہے نہیں اس لئے زائد رقم دوسری مساجد میں صرف کرنا چاہئے، اگر اس شہر میں حاجت نہ ہو تو دوسرے شہروں کی مساجد میں صرف کریں، جو زیادہ قریب ہو اس کا حق مقدم ہے، اسی طرح یہ ترتیب (امداد الفتاوی ۲/۶۱۸)

مولانا عبد الجلیل قاسمی

اوقاف کی زائد آمدنی کا دوسرے مصرف میں خرچ کرنا:

الف، ب، ایسے اوقاف جو کسی مسجد یا درگاہ وغیرہ کی تعمیر کے لئے وقف ہوں اور ان کی آمدنی اتنی زیادہ ہو کہ جس مسجد یا درگاہ وغیرہ کے لئے وقف کیا گیا ہو اسکو فی الحال ضرورت ہے اور نہ آئندہ اسکو ضرورت ہوگی اور آمدنی سال بسال جمع ہو کر ایک بڑا سرمایہ بنتی جا رہی ہو جس کی حفاظت بھی دشوار ہو، اور حکومت یا متنظمین کی طرف سے اس میں دست درازی و کھا جانے کا خطرہ بھی درپیش ہو تو سوال یہ ہے کہ ایسے اوقاف کی فاضل آمدنی کا کیا مصرف کیا جائے۔

۱۔ کیا اسی نوع کے دوسرے ضرورت مند اوقاف میں خرچ کیا جائے۔

۲۔ یا ان کے علاوہ بھی حسب ضرورت دیگر دینی و ملی کاموں میں خرچ کیا جائے۔

یا ایسا مسئلہ ہے جو گذشتہ صدیوں میں پیش آیا تھا جس طرح آج کل درپیش ہے، اور فقہاء اسلام نے ہر دور میں اس کا جواب دیا ہے۔ مگر ان کا جواب متفقہ نہیں ہے بلکہ حالات و زمانہ کے اعتبار سے مختلف ہے، چنانچہ فقہاء احناف کے ایک طبقہ نے تو اس بنیادی نکتہ کو سامنے رکھا ہے کہ واقف نے جس کام کے لئے وقف کیا ہے اس کی پوری پوری پابندی کی جائے اور وقف کی آمدنی اسی وقف میں استعمال کی جائے، اور اسکے علاوہ کسی دوسرے وقف یا کسی دیگر، دینی و ملی مصرف میں خرچ نہ کی جائے، جیسا کہ فقہ حنفی کی معتبر کتب فتاوی (البزازیہ اور الدرر) وغیرہ میں اس کی صراحت موجود ہے، لیکن فقہاء احناف کا دوسرا طبقہ جہت وقف اور واقف کے اتحاد کی صورت میں ایک وقف کی فاضل آمدنی دوسرے محتاج وقف میں خرچ کرنے کی اجازت دیتا ہے، چنانچہ الدر المختار میں ہے:

اتحد الواقف والجهة وقل مرسوم بعض الموقوف عليه بسبب خراب وقف أحدهما جاز للحاكم أن يصرف من فاضل الوقف الآخر عليه، لأنهما حينئذ كشئ واحد، وإن اختلف أحدهما بأن بنى رجلان مسجدين أو رجل مسجداً و مدرسة ووقف عليهما أوقافا لا يجوز له ذلك (الدر المختار مع رد المحتار ۳/۳۶۰)

واقف اور جہت وقف متحد ہو اور ایک وقف کی آمدنی کم ہو جانے سے اسکے موقوف علیہم کا وظیفہ کم ہو جائے تو حاکم کے لئے جائز ہے کہ دوسرے وقف کی بچی ہوئی آمدنی سے اس پر خرچ کرے کیونکہ اس صورت میں دونوں وقف شئی واحد کا درجہ رکھتے ہیں۔ اور اگر واقف یا جہت وقف مختلف ہو جیسے دو شخصوں نے دو مسجدیں بنائیں یا ایک شخص نے

ایک مسجد اور مدرسہ بنایا اور دونوں کے لئے وقف کیا تو ایک وقف کی آمدنی دوسرے پر صرف کرنا جائز نہیں ہے۔

فقہاء احناف کا تیسرا طبقہ اس صورت حال میں متولی اوقاف کو مطلقاً یہ اجازت دیتا ہے کہ ایک وقف کی فاضل آمدنی کو دوسرے وقف یا کار خیر میں صرف کرسکتا ہے، علامہ حموی لکھتے ہیں:

ویعارضه ما في فتاوی الامام قاضي خان من أن الناظر له صرف فائض الوقف إلی جهات بر بحسب ما یراه.

اور عدم اجازت والے حکم کا معارض وہ قول ہے جو فتاوی قاضی خاں میں ہے کہ ناظر کو جائز ہے کہ وقف کی فاضل آمدنی کو جہات خیر میں جس طرح مناسب سمجھے خرچ کرے۔

علامہ حموی نے عدم اجازت والے قول کی توجیہ یہ کی ہے کہ ظاہر یہ ہے کہ ممانعت کا قول اس صورت میں ہے جب کہ مسجد کو دیگر عمارتوں کی احتیاج ہو اور یہ ظاہر ہے کہ اسکے لئے روپیہ جمع کرکے رکھا جائے گا تاکہ بوقت ضرورت صرف کیا جاسکے، اور مناسب ہے کہ مدارس اور رباط کے اوقاف بھی اسی حکم میں ہوں۔

بہر حال فقہاء احناف کا وہ طبقہ جو ایک وقف کے مال زائد کو دوسرے وقف میں استعمال کرنے کی اجازت دیتا ہے، اس میں بھی بعض افراد تو اتحاد واقف و اتحاد جہت کی شرط لگاتے ہیں، مگر بعض ایک مسجد کے مختلف اوقاف کو چاہے واقف ایک ہو یا مختلف ایک ہی قرار دیکر خرچ کرنے کی اجازت دیتے ہیں، چنانچہ خانیہ میں ہے:

مسجد له أوقاف مختلفة لا بأس للقيم أن يخلط غلتها كلها وإن خرب حانوت منها فلا بأس بعمارته من غلة حانوت آخر لأن الكل للمسجد ولو كان مختلفا لأن المعنى يجمعها.

علامہ شامی نے البحر کے حوالہ سے اس قول کو نقل کرنے کے بعد یہ لکھا ہے، ومثله في البزازية "تأمل"۔

اس طرح فقہاء احناف کی تصریحات سے یہ واضح ہوتا ہے کہ یہ مسئلہ "مجتہد فیہ" ہے اور اس بارے میں تین اقوال ہیں: پہلا قول عدم اجازت کا ہے، دوسرا قول مشروط اجازت کا ہے، اور تیسرا مطلق اجازت کا ہے۔ اور اسی آخری قول کو فقہاء ہند میں مفتی محمد کفایت اللہ دہلوی، مفتی عزیز الرحمن عثمانی، شیخ الہند محمود حسن، علامہ انور شاہ کشمیری، اور علامہ شبیر احمد عثمانی وغیرہ نے اختیار کیا ہے، مفتی کفایت اللہ صاحب کے تحریر کردہ کئی فتاوی پر ان اکابر نے دستخط کئے ہیں۔ ایک فتوی میں وہ لکھتے ہیں:

ایسی حالت میں کہ مسجد کے اموال کثیرہ جمع ہوں اور مسجد کو نہ فی الحال اس کی حاجت ہو اور نہ ظن غالب فی المآل، اور ان کے اموال کے اسی طرح جمع رہنے میں ضائع ہوجانے اور متغلبین کے کھا یا اڑا جانے کا اندیشہ ہو تو یہ زائد از حاجت اموال جمع شدہ کسی دوسری محتاج مسجد میں خرچ ہوسکتے ہیں۔ اسی طرح کسی ایسے دینی مدرسہ میں جو علوم شریعت تفسیر، حدیث، فقہ وغیرہ کی تعلیم دیتا ہو خرچ کرنا جائز ہے۔

اس سلسلہ میں حضرت مفتی کفایت اللہ دہلوی نے فقہاء احناف کے ایسے کئی اقوال نقل کئے ہیں جس میں انہوں نے بعض صورتوں میں مسجد کے اوقاف سے ضرورت کے وقت قرض لینے، کسی فتنہ کے موقع پر مسجد میں اسباب و

سامان کے ساتھ رہنے، زائد آمدنی کی صورت میں مال کے ضائع ہونے کے اندیشہ سے مسجد کے نقش و نگار میں اسے استعمال کرنے، مسجد کی لکڑی کو جلا کر ٹھنڈک زدہ شخص کو اپنی جان بچانے کی اجازت دی ہے۔ یہ سارے اقوال فتاویٰ ہندیہ، الدر المختار اور رد المحتار وغیرہ کتب فتاویٰ میں منقول ہیں۔ ان اقوال کو نقل کرکے تیسرے قول کی تائید میں بعض احادیث کو نقل کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

منجملہ ان روایات حدیثیہ کے یہ روایت ہے جو امام مسلمؒ نے حضرت عائشہؓ سے روایت کی ہے کہ:

سمعت رسول اللہ ﷺ یقول "لولا ان قومک حدیثو عهد بجاهلية اوقال بكفر، لانفقت كنز الكعبة في سبيل الله"۔

میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا فرماتے تھے کہ اگر تمہاری قوم قریب العہد بکفر نہ ہوتی تو میں کعبہ کا خزانہ سبیل خدا میں خرچ کر دیتا۔

اور منجملہ ان کے وہ روایت ہے جو امام بخاری نے اپنی صحیح میں ابو وائل سے روایت کی ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ میں شیبہ کے ساتھ خانہ کعبہ میں کرسی پر بیٹھا تھا تو انہوں نے کہا کہ اسی مقام پر حضرت عمرؓ بیٹھے تھے اور فرمایا تھا کہ میرا ارادہ ہوتا ہے کہ اس میں نہ چاندی چھوڑوں نہ سونا، سب تقسیم کر دوں الخ۔

خاکسار کہتا ہے کہ حضرت عمرؓ کا تقسیم مال کعبہ کا ارادہ کرنا پہلی حدیث کے ان الفاظ کی تفسیر کرتا ہے جو آنحضرت ﷺ نے فرمایا تھا کہ کعبہ کا خزانہ راہ خدا میں خرچ کر دیتا، اور اس تقریر سے یہ وہم بھی دور ہو جاتا ہے کہ حضرت عمر کا ارادہ ظنیہ حجت نہیں کیونکہ انہوں نے خود اس ارادہ کو چھوڑ دیا جب کہ شیبہ نے کہا کہ تمہارے دونوں ساتھیوں نے ایسا نہیں کیا تو حضرت عمر نے فرمایا کہ وہ دونوں شخص ایسے ہیں جن کی اقتدا کی جاتی ہے۔ تو حضرت عمر کا یہ فرمانا اس پر دال ہے کہ تقسیم نہ کرنا ہی فعل پسندیدہ اور شارع علیہ السلام کی مرضی کے موافق تھا۔ اور تقسیم کرنا ممنوع تھا۔ اس لئے حضرت عمر نے بھی تقسیم نہ کیا۔

وجہ اس وہم کے دور ہونے کی یہ ہے کہ ترک انفاق آنحضرت ﷺ نے ایک خاص علت سے کیا تھا۔ اور وہ قریش کا قریب العہد بکفر ہونا ہے۔ جیسا کہ مسلم کی روایت میں اس کی تصریح ہے۔ تو حضرت عمر کا ارادہ آنحضرت ﷺ کے ارادہ کے مطابق اور ان کا ترک آنحضرت ﷺ کے ترک کے موافق واقع ہوا، گرچہ آنحضرت ﷺ کے ترک کی وجہ اور تھی اور وہ وجہ حضرت عمر کے زمانہ میں موجود نہ تھی، لیکن انہوں نے بوجہ شدت شوق اقتداء آثار پیغمبر آپ کا اتباع کیا۔

علامہ عینی نے لکھا ہے کہ علامہ ابن الصلاح کا قول ہے کہ امام کو اختیار ہے کہ غلاف کعبہ کو بیچے یا یونہی مسلمانوں کو عطا کر دے، اور انہوں نے استدلال کیا اس واقعہ سے جو ازرقی نے بیان کیا ہے کہ حضرت عمر ہر سال غلاف کعبہ اتارتے اور حجاج کو تقسیم کر دیتے۔

خاکسار کہتا ہے کہ حضرت عمر غلاف کعبہ کو اس لئے تقسیم کر دیتے تھے کہ کعبہ کو اس کی حاجت نہ تھی، کیونکہ اس پر تو ہر سال نیا غلاف چڑھایا جاتا ہے۔ تو اترا ہوا غلاف اگر تقسیم نہ کیا جاتا تو ضائع ہو جاتا، یا وہ بیچ کر اپنی حاجتوں

میں خرچ کر لیتے اور حضرت عمرؓ کے قول میں چاندی سونے سے مراد وہ خزانہ ہے جو خانہ کعبہ میں مدفون تھا، کعبہ کو جو مال دیے جاتے تھے وہ اس پر خرچ ہوتے تھے۔ اور جو بچتا تھا وہ اس میں دفن کر دیا جاتا تھا، جیسا کہ علامہ عینی نے قرطبی سے نقل کیا ہے، یہ تو اوقاف مساجد اور اسکے مثل کا حکم تھا۔ رہے اور اوقاف تو اس میں حاکم اسلام کو ذرا اختیار وسیع ہے۔ جیسا کہ متتبع پر ظاہر ہے۔

یہ تھیں وہ روایات حدیثیہ و فقہیہ جن سے قول ثالث کے لئے استفادہ و استئناس کیا جا سکتا ہے۔ اور اسی وجہ سے مفتی کو گنجائش ہے کہ وہ اس قول پر فتوی دیدے، بشرطیکہ اسکو وقف کے لئے اصلح اور عامۃ المسلمین کے لئے انفع سمجھے، جیسا کہ علامہ شامی نے سامان شکستہ مسجد کے منتقل کرنے کے بارے میں امام حلوانی اور امام ابو شجاع کے قول کو قابل اتباع قرار دیا ہے۔ باوجودیکہ اصل مذہب عدم جواز نقل ہے، اور یہ ضرورت کی بنا پر ہے (کفایت المفتی ۷)

اس بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ ایسی مساجد یا اوقاف کی زائد آمدنی جسے ان مساجد یا اوقاف کو نہ فی الحال حاجت ہے اور نہ ظن غالب میں مستقبل میں اس کی ضرورت ہو تو اس آمدنی کو اسی نوع کے قریبی اوقاف میں جسکو ضرورت ہو خرچ کیا جا سکتا ہے۔ اور اگر قریبی اوقاف کو بھی حاجت نہ ہو تو مسلمانوں کے لئے ان کے تعلیمی دعوتی وغیرہ امور میں صرف کیا جائے یا کسی دیگر مصرف خیر میں خرچ کیا جائے جو مسلمانوں کے لئے انفع ہو، بہتر ہے کہ ایسے اموال کے بارے میں اپنے شہر کے مفتی کے مشورہ سے وقف کے متولی خرچ کریں۔ اور اگر مسجد ہو اور اس کی کمیٹی ہو تو باہمی مشورہ سے یا مصلیان کے مشورہ سے خرچ کیا جائے۔

مولانا انیس الرحمن قاسمی

غیر محفوظ آمدنی کا مصرف:

الف۔ جن اوقاف کی آمدنی ان کے متعین مصارف سے بہت زیادہ ہے، جس میں ہر سال اضافہ ہی ہوتا رہتا ہے اور اس کی حفاظت بھی نہایت خطرناک ہوگئی ہے اس کو دوسرے مغائر اداروں میں خرچ کرنا جائز نہ ہوگا، بلکہ ہم جنس قریب ترین اوقاف میں صرف کرنا جائز ہو سکتا ہے، مثلاً اگر مسجد کے اوقاف کی آمدنی ہے تو قریب ترین مسجد میں، قبرستان کے اوقاف کی آمدنی ہے تو دوسرے قریب ترین قبرستان میں صرف جائز ہو سکتا ہے، اس کے برخلاف دوسرے اجناس میں جائز نہ ہوگا (مستفاد از کفایت المفتی ۷/۲۴۲، امداد الفتاوی ۲/۵۹۳، فتاوی محمودیہ ۱۲/۲۵۱)

ب۔ اور اگر دوسرے خلاف جنس اداروں کو ضرورت ہے تو بطور قرض لے سکتے ہیں، ہاں البتہ ایسی فاضل آمدنی کو غیر مستطیع نادار دینی طلبہ کو بطور امداد اور وظائف دینے کی گنجائش ہو سکتی ہے (کفایت المفتی ۷/۳۰۳) جیسا کہ قاضی خاں کی عبارت سے واضح ہوتا ہے:

وإذا استغنى هذا المسجد يصرف إلى فقراء المسلمين فيجوز ذلك (قاضی خاں علی الہندیہ ۳/۲۹۸)

اور جب یہ اس سے مستغنی ہو جائے تو مسلم فقراء میں تقسیم کر دیا جائے تو یہ جائز ہے۔

وفي الشامية قال صدقة موقوفة على فلان جاز ويصرف بعده إلى الفقراء (شامی ۶/ ۵۳۹)

اور شامی میں ہے کہ کہا کہ فلاں پر بطور صدقہ وقف ہے تو اس کے بعد فقراء کو دیا جائے گا۔

فما فضل يصرف إلى الفقراء (تاتارخانیہ ۵/ ۷۳۹)

لہذا جو فاضل ہو فقراء کو دیا جائے۔

مفتی شبیر احمد قاسمی

وقف کی فاضل آمدنی کا مصرف:

الف، ب۔ اگر واقعۃً کسی وقف کی آمدنی اس کی ضروریات سے فاضل اور زائد ہو اور ہر سال زائد رقم جمع ہو کر ایک بڑے سرمایہ کی شکل اختیار کر لیتی ہو، جس کی ایک لمبے عرصہ تک حفاظت نگہداشت مشکل ہو، اس کے ضیاع کا بھی خطرہ لاحق ہو، اور اس زائد رقم کی نہ تو روز مرہ کی ضروریات کے اندر صرف کرنے کی ضرورت ہو اور نہ آئندہ حفاظت یا وقف کی اصلاح و مرمت وغیرہ کے کاموں کے لئے اس کی ضرورت پڑنے کی امید ہو تو ایسی صورت میں اس فاضل آمدنی کو اسی نوع کے اوقاف کی ضروریات میں صرف کرنا ضروری ہوگا، دیگر ملی و دینی، علمی کاموں اور مساجد وغیرہ میں صرف کرنا درست نہیں ہوگا، ایک وقف کی فاضل آمدنی اسی نوع کے اوقاف کی ضروریات میں "الاقرب فالاقرب" کے اصول پر صرف کی جائے گی۔

مفتی جمیل احمد قاسمی

الف۔ وقف کی آمدنی اس وقف کے متعین مصارف سے زیادہ ہو اور اس زیادہ آمدنی کے مصرف کا اس کے متعین مصارف میں طویل عرصہ تک خرچ کرنے کا امکان نہ ہو تو اسی نوع کے مصارف میں اس زائد آمدنی کو صرف کرنا درست ہو گا۔ خصوصاً جب کہ اسکے ضائع ہونے اور اس پر حکومت کی دست درازی کا اندیشہ ہو تو اس وقت اس کا بچانا اور دوسرے اوقاف میں صرف کر دینا ہی اولیٰ اور بہتر ہے۔

علامہ حصکفیؒ نے درمختار میں ویران اوقاف کی آمدنی کو دوسرے اوقاف میں صرف کرنے کے جواز پر بحث کرتے ہوئے لکھا ہے:

ومثله حشيش المسجد وحصره مع الاستغناء عنها وكذا الرباط والبئر إذا لم ينتفع بهما فيصرف وقف المسجد والرباط والبئر والحوض إلى أقرب مسجد أو رباط أو بئر أو حوض (الدرالمختار ۳/ ۳۵۹)

علامہ ابن عابدین شامیؒ نے اس کی شرح کرتے ہوئے لکھا ہے:

لف ونشر مرتب وظاهره أنه لا يجوز صرف وقف مسجد خرب إلى حوض وعكسه وفي شرح الملتقى يصرف وقفها لأقرب مجانس لها (رد المحتار علی الدرالمختار ۳/ ۳۵۹)

جیسا کہ اس سے پہلے گذر چکا ہے کہ حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے اسی قسم کے فتوی کے جواب میں اپنی رائے ظاہر کی ہے کہ درمختار یا ردالمحتار کی عبارتوں میں جواز کا پہلو اگرچہ ویران مساجد اور ویران اوقاف کے

سلسلہ میں ہے لیکن حکم کی بنیاد استغناء پر ہے اس لئے یہ حکم عام ہے، خواہ ویران اوقاف ہوں یا غیر ویران ہوں۔ (امداد الفتاوی جدید ۲/۵۹۳)

ب۔ لیکن اس نوع کے اوقاف کے علاوہ دوسری نوع مثلاً مسجد کی آمدنی ہے تو اسکو تعلیمی یا رفاہی کاموں پر صرف کرنا درست نہ ہوگا، جیسا کہ فقہاء کی تصریحات سے معلوم ہوتا ہے، اس سلسلہ میں حضرت تھانویؒ کا ایک فتوی بہت ہی واضح ہے۔ رامدیر ضلع سورت کی ایک مسجد کی زائد آمدنی کے مصرف کے سلسلہ میں لوگوں نے آپ سے دریافت کیا کہ اس مسجد کی زائد آمدنی کے ضیاع کا اندیشہ ہے اور مسجد کو حاجت بھی نہیں ہے کیا اس سے دینی مدرسہ کی مدد کی جا سکتی ہے، جب کہ وہ مدرسہ مسجد سے علیحدہ ہو۔ حضرت تھانویؒ نے جو جواب دیا، میں ان ہی کے الفاظ کو نقل کر رہا ہوں۔

الجواب: مدرسہ جنس مسجد سے نہیں اس لئے زائد رقم دوسری مساجد میں صرف کرنا چاہئے اگر اس شہر میں حاجت نہ ہو تو دوسرے شہروں کی مساجد میں صرف کریں جو زیادہ قریب ہو اس کا حق مقدم ہے، اسی طرح یہ ترتیب (امداد الفتاوی جدید ۲/۵۹۶)

مولانا ظفر عالم ندوی

الف۔ جی ہاں بالکل جائز ہوگا۔ کیونکہ واقف کا اصل منشا جنس سے ہے اور اس صورت میں جنس ایک ہی رہتی ہے۔ اور اگر ایسا نہ کیا جائے تو فاضل آمدنی کا کوئی مصرف نہیں رہ جاتا۔

ب۔ واقف نے جس مقصد کے لئے وقف کیا ہے اس سے ملتا جلتا مقصد اگر پورا کیا جا سکتا ہو تو اسے پورا کرنا ضروری ہے۔ اگر یہ صورت ممکن نہ ہو تو پھر اسے دیگر ملی، دینی و علمی کاموں اور مساجد وغیرہ میں صرف کیا جا سکتا ہے۔

مولانا شمس پیرزادہ

الف۔ مذکورہ صورتحال میں فاضل آمدنی کو بلاشبہ اسی نوع کے اوقاف کی ضروریات میں خرچ کیا جا سکتا ہے۔

ب۔ اور اگر ان سے زیادہ فوری توجہ کے مستحق ملی، دینی و علمی کام یا مساجد ہوں تو ان پر بھی خرچ کرنے میں حرج نہیں محسوس ہوتا، کسوۂ کعبہ بھی وقف ہوتا ہے مگر حضرت عمرؓ اسے تقسیم کر دیا کرتے تھے اور بعد کے ادوار میں بھی اس پر عمل رہا اس سے معلوم ہوا کہ کوئی موقوف شی کے ضائع و بیکار رہ جانے کا اندیشہ ہو تو اسے دوسری حاجات میں صرف کیا جا سکتا ہے۔

مولانا عبد العظیم اصلاحی

یہ سوال اور استبدال وقف کا سوال تقریباً ایک ہی جیسا ہے، پھر بھی یہ مسئلہ ذرا تفصیل کے ساتھ لکھا جاتا ہے۔

درمختار میں ہے:

حشیش المسجد وحصره مع الاستغناء عنهما وكذا الرباط والبئر إذا لم ينتفع بهما فيصرف وقف المسجد والرباط والبئر والحوض إلى أقرب مسجد أو رباط أو بئر أو حوض إليه (درمختار ۳/۴۰۷)

مسجد کی گھاس پھوس، لکڑیاں و چٹائیاں وغیرہ اگر ان کی ضرورت نہ ہو، ایسے ہی رباط، کنواں وغیرہ جب

کہ ان سے منتفع نہ ہوا جائے، پس مسجد، رباط، کنویں اور حوض کے اوقاف قریبی مسجد، رباط، کنویں اور حوض پر خرچ کئے جائیں گے۔

رد المحتار میں ہے:

(قوله إلى أقرب مسجد أو رباط الخ) لف و نشر مرتب وظاهره أنه لا يجوز صرف وقف مسجد خرب إلى حوض وعكسه وفي شرح الملتقى يصرف وقفها لأقرب مجانس لها

(رد المحتار علی الدر المختار ۳ / ۴۰۷)

مسجد و رباط وغیرہ کا تذکرہ لف ونشر مرتب کے طور پر ہے، اس کا ظاہر یہ ہے کہ ویران مسجد کا وقف حوض پر اور ویران حوض کا وقف مسجد پر صرف کرنا جائز نہیں ہے، اور شرح الملتقی میں ہے کہ ان کے قریب مشابہ میں صرف کیا جا سکتا ہے۔

قریبی مشابہ میں عیدگاہ کی ضرورت نہ رہنے پر، عیدگاہ کو مسجد بنانے کا فتویٰ، فتاویٰ رحیمیہ ج ۶ ص ۸۴ پر موجود ہے۔

نظام الفتاویٰ جلد دوم مطبوعہ دیوبند ص ۱۹۱ تا ۱۹۳ بعنوان "ٹونک کے ایک وقف کا شرعی حکم" میں مسجد کی زائد آمدنی کو، جس کے ضائع ہونے کا قوی اندیشہ ہو، مسلم ذمہ داروں کے مشورہ سے دوسرے اہم کار خیر میں خرچ کرنے کی اجازت دی گئی ہے۔

حضرت مولانا مفتی نظام الدین صاحب اعظمی مفتی دار العلوم دیوبند کے ہی ایک فتویٰ کی نقل احقر کے پاس موجود ہے جس میں ایک غیر مستعمل عیدگاہ کو مسجد بنانے یا دینی تعلیم کے لئے دینی مدرسہ قائم کرنے کی اجازت دی گئی ہے اور وجہ یہ لکھی ہے کہ: "ان دونوں صورتوں میں واقف کا منشا تقرب الی اللہ اور حصول ثواب بذریعہ اکمل حاصل ہوگا، لہذا یہ دونوں عمل منشا واقف کے خلاف نہ ہو کر جائز رہے گا۔"

امداد الفتاویٰ جلد دوم ص ۵۷۹ پر ایک سوال و جواب بعنوان "بنا نمودن مکان انجمن در قبرستان معطل" یوں موجود ہے:

سوال نمبر (۷۰۲) ایک قبرستان عرصہ پچیس سال سے ویران پڑا ہے اور اس میں موتی بھی دفن نہیں کئے جاتے، اب اس میں ایک مکان "انجمن اسلام" بنانا چاہتے ہیں تو یہ جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: عینی شرح بخاری میں ہے: قال ابن القاسم لو أن مقبرة من مقابر المسلمين عفت فبنى فيها مسجداً لم أر بذلك بأساً وذلك لأن المقابر وقف من أوقاف المسلمين لدفن موتاهم لا يجوز لأحد أن يملكها فإذا درست واستغنى عن الدفن فيها جاز صرفها إلى المسجد لأن المسجد أيضاً وقف من أوقاف المسلمين لا يجوز تمليكه لأحد فمعناهما على هذا واحد.

جواب مذکور سے بعلت اشتراک علت معلوم ہوا کہ انجمن کا مکان وقتی نفع عام کے لئے اس مقبرہ کی جگہ بنانا جائز ہے۔

عینی کی مذکورہ عبارت سے علت مشترکہ "وقف ہونا" معلوم ہوا، اس سے پتہ چلا کہ استبدال وقف اور اوقاف کی زائد آمدنی کے صرف کے سلسلہ میں اس دوسری چیز کا نفع مسلمین کے لئے وقف ہونا بھی کافی ہوگا۔

امداد الفتاوی کے مذکورہ سوال و جواب کو مولانا برہان الدین صاحب سنبھلی دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ نے بھی اپنی کتاب "موجودہ زمانہ کے مسائل کا شرعی حل" میں نقل کیا ہے، اور اس کا عنوان قائم کیا ہے:

"قبرستان کی موقوفہ زمین پر مسجد یا نفع عام کے لئے عمارت بنانا۔

مولانا جمیل احمد نذیری

الف۔ صورت مسئولہ میں جب بہت سے اوقاف کی آمدنی ان کے لئے متعین مصارف سے بہت زیادہ ہے تو اگر کسی وقف کے خزانہ میں روپے اس طرح زائد ہوں کہ نہ ان کی فی الحال ضرورت ہے نہ آئندہ ضرورت پڑے گی، اور یہ روپے یوں ہی جمع رہ جائیں گے تو ضائع ہو جائیں گے یا ناجائز استعمال ہوں گے اور واقف کا مقصد فوت ہو جائے گا تو ایسے حالات میں قریب کے دوسرے حاجتمند اوقاف کو زائد روپے امداد کے طور پر دینا جائز ہوگا، مگر اس صورت میں اس کا خیال رکھنا چاہئے کہ مسجد کی زائد رقم قریبی ضرورتمند مسجد کو اور مدرسہ کی زائد رقم قریبی ضرورتمند مدرسہ کو دیا جائے، یتیم خانہ اور سرائے وغیرہ اوقاف کا بھی یہی حکم ہے، اور اس مقصد سے کہ آبادی مسجد میں اضافہ ہو، اس زائد اور فاضل رقم سے مسجد کے متعلق دینی تعلیم کا مدرسہ بھی قائم کر سکتے ہیں۔ چنانچہ درمختار میں ہے:

وعن الثاني ينقل إلى مسجد آخر بإذن القاضي. ومثله حشيش المسجد وحصره مع الاستغناء عنهما وكذا الرباط والبئر إذا لم ينتفع بهما فيصرف وقف المسجد والرباط والبئر والحوض إلى أقرب مسجد أو رباط أو بئر أو حوض إليه.

اس پر علامہ شامیؒ لکھتے ہیں:

جزم به في الإسعاف حيث قال ولو خرب المسجد وما حوله و تفرق الناس عنه لا يعود إلى ملك الواقف عند أبي يوسف فيباع نقضه بإذن القاضي ويصرف ثمنه إلى بعض المساجد. قوله و مثله حشيش المسجد الخ اى الحشيش الذى يفرش بدل الحصير كما يفعل في بعض البلاد كبلاد الصعيد كما أخبرني به بعضهم، قال الزيلعي وعلى هذا حصير المسجد وحشيشه إذا استغنى عنهما يرجع إلى مالكه عند محمد و عند أبي يوسفؒ ينقل إلى مسجد آخر وعلى هذا الخلاف الرباط والبئر إذا لم ينتفع بهما وصرح في الخانية بأن الفتوى على قول محمد، وقال في البحر: وبه علم أن الفتوى على قول محمدؒ في آلات المسجد وعلى قول أبي يوسف في تأبيد المسجد والمراد بآلات المسجد نحو القناديل والحصير.

علامہ شامیؒ کے اس تحریر سے واضح ہو گیا کہ صورت مسئولہ میں اسی نوع کے اوقاف کی ضروریات میں فاضل آمدنی کو صرف کرنا جائز ہے، یہی فتوی دیا ہے امام ابوشجاع اور امام طوانیؒ نے۔ اور علامہ شامیؒ اپنے بارے میں

فرماتے ہیں کہ میں نے اسی طرح کی صورت میں عدم جواز کا فتویٰ دیا تھا لیکن پھر جب مجھکو یہ خبر پہونچی کہ بعض ظالموں نے ان پتھروں کو اپنے لئے لے لیا تو میں اپنے فتویٰ پر شرمندہ ہوا، پھر ذخیرہ میں دیکھا کہ فتاویٰ نسفی میں مذکور ہے جسکا خلاصہ یہ ہے کہ فاضل آمدنی کو اسی نوع کے اوقاف میں صرف کر سکتے ہیں، واللہ اعلم۔ اور آلات مسجد اور آمدنی کے باب میں امام محمدؒ کے قول پر فتویٰ ہے کہ استغناء کی صورت میں اس کو بیچنا جائز ہے اور بیچ کر قریبی ضرورتمند وقف میں لگانا جائز ہے۔

خلاصہ کلام: صورت مسئولہ میں اسی نوع کے اوقاف کی ضروریات میں صرف کرنا جائز ہے، یہی متفق بہ ہے۔ واللہ اعلم

ب۔ صورت مسئولہ میں دیگر ملی، دینی وعلمی کاموں اور مساجد وغیرہ میں فاضل آمدنی کو صرف کرنا جائز ہوگا۔ اس تفصیل کے ساتھ کہ مساجد کے اوقاف قریبی ضرورتمند مساجد میں صرف کریں، اور دینی وعلمی کاموں کے اوقاف کو قریبی ضرورتمند علمی کاموں میں صرف کریں اور ملی کاموں کے اوقاف کو قریبی ضرورتمند ملی کاموں میں ہی خرچ کریں۔ لیکن علامہ شامی کی تحقیق کے مطابق ایک وقف کی فاضل آمدنی کو دوسرے ضرورتمند اوقاف میں بغیر تفصیل کے صرف کرنا جائز ہے، اور اسی کو راجح کرنا چاہئے، علامہ شامی لکھتے ہیں:

والذی ینبغی متابعۃ المشائخ المذکورین فی جواز النقل بلا فرق بین مسجد أو حوض کما أفتی بہ الإمام ابو شجاع و الإمام الحلوانی وکفی بھما قدوۃ، وفی شرح الملتقی یصرف وقفھا لأقرب مجانس لھا (۳/۴۰۷)۔

خلاصہ کلام: صورت مسئولہ میں ایسے اوقاف کی فاضل آمدنی کو دیگر دینی، ملی وعلمی کاموں اور مساجد وغیرہ میں صرف کرنا درست ہے۔ واللہ اعلم

مولانا ابو سفیان مفتاحی

ایسی فاضل آمدنی کا دیندار اور متقی لوگوں کی کمیٹی کے ذریعہ قاضی کی اجازت سے خرچ کرنا جائز ہے، چنانچہ فقہاء نے دیندار کو قاضی الامۃ سے تعبیر کیا ہے۔

الف۔ اولاً اسی نوع کے اوقاف کی ضروریات میں صرف کرنا ضروری ہے۔

ب۔ اس کے بعد اگر رقم بچے تو دینی، علمی، ملی اور کمزور مساجد وغیرہ میں خرچ کی جا سکتی ہے۔

مفتی محبوب علی وجیہی

الف۔ جی ہاں اسی طرح کے اوقاف کی ضروریات میں خرچ کیا جا سکتا ہے۔

الفاضل من وقف المسجد ھل یصرف إلی الفقراء؟ قیل لا یصرف وانہ صحیح ولکن یشتری بہ مستغل للمسجد (محیط ۳/۴۳۱) أرض وقف علی مسجد صارت بحال لا تزرع فجعلھا رجل حوضا للعامۃ لا یجوز للمسلمین الانتفاع بماء ذلک الحوض (القنیۃ ۳/۴۳۱)

ب۔ اس کا جواب بھی اگلی والا اثبات ہے، یعنی مسجد کی زائد آمدنی تو مسجد ہی میں خرچ ہوگی لیکن مسجد کے علاوہ کی زائد از ضرورت آمدنی مسجد میں بھی اور دیگر ملی ورفاہی اداروں، مدرسوں وغیرہ اور فقراء و محتاجوں پر خرچ کی جاسکتی ہے۔

مولانا ظفر الاسلام اعظمی

الف۔ عام حالات میں تو ایک نوع کے سامان اوقاف کو دوسرے نوع کے اوقاف میں یا اسی نوع کے دوسرے اوقاف میں استعمال کرنا جائز نہیں لیکن سوال میں جن اوقاف کا تذکرہ ہے انکی فاضل آمدنی کو اسی نوع کے قریب ترین اوقاف کی ضروریات میں صرف کرنا جائز ہے۔

وفی شرح الملتقی یصرف وقفها لأقرب مجانس لها (شامی ۳/۳۷۱)

ب۔ دیگر ملی ودینی وعلمی کاموں میں یا مساجد میں لگانا بھی جائز ہے (کفایت المفتی ۷/۲۷۵)

مفتی حبیب الله قاسمی

الف۔ ایسی جمع شدہ زائد آمدنی اسی نوع کے دوسرے اوقاف میں خرچ کی جاسکتی ہے۔

ب۔ دیگر ملی و دینی، علمی کاموں اور مساجد میں بھی خرچ کی جاسکتی ہے، یہ سب امور قاضی یا شرعی کمیٹی کی اجازت سے انجام دیئے جائیں۔

مفتی فضیل الرحمن ہلال عثمانی

الف، ب۔ اوقاف کی فاضل آمدنی اسی نوع کے اوقاف میں صرف کی جاسکتی ہے، دیگر ملی و دینی وعلمی کاموں میں نہیں، اس لئے کہ مقاصد واقف نیز شرائط واقف کا لحاظ ضروری ہے۔

مفتی شکیل احمد سیتاپوری

الف، ب۔ ہاں ایسے اوقاف کی زائد آمدنی کو الف و ب میں خرچ کیا جاسکتا ہے۔

مولانا سلطان احمد اصلاحی

وقف کی وہ فاضل آمدنی جس کی وقف کو نہ تو فی الحال ضرورت ہے اور نہ آئندہ ضرورت پڑنے کی امید ہے مزید برآں اس کے ضیاع کا بھی اندیشہ ہو تو اس کا حکم اوقاف مستغنی عنہ کا حکم ہے، یعنی اس آمدنی کو اسی نوع کے دوسرے اوقاف کی ضرورتوں میں استعمال کیا جائے۔

وعند أبی یوسف یباع ذلک و یصرف عنه إلی حوائج المسجد فإن استغنی عنه هذا المسجد یحول إلی مسجد آخر (بحر الرائق ۵/۲۵۲)

الف۔ اسی نوع کے اوقاف کی ضروریات میں استعمال کرنا جائز ہے۔

ب۔ دیگر ملی ودینی علمی کاموں میں صرف کرنا جائز نہیں۔

مولانا محمد حنیف صاحب

جب کثیر مقدار آمدنی کے ضائع ہونے کا خطرہ ہو:

الف، ب۔ ماقبل کے دونوں سوال بھی تقریباً یکساں ہیں اور ہر ایک کا تعلق آمدنی ہی کے تصرف سے ہے، اس سلسلہ

میں قاضی خاں کی عبارت چشم کشا ہے:

إذا استغنى هذا المسجد يصرف إلى فقراء المسلمين فيجوز ذلك لأن جنس هذه القربة مما لا ينقطع (خانیہ علی الہندیہ ۲۹۸/۳)

جب اس مسجد کو آمدنی کی ضرورت نہ ہو تو اسے فقراء مسلمین پر خرچ کیا جائے گا، اور اس کے جواز کی وجہ یہ ہے کہ یہ ایسی قربت ہے جو منقطع نہیں ہوتی۔

تقریباً فقہاء احناف نے مذکورہ صورت میں آمدنی کے تصرف کی اجازت دی ہے، چونکہ یہاں مصلحت بھی ایسی جگہوں پر تصرف کی متقاضی ہے، اور مصلحت کی تمام فقہاء نے اوقاف جیسے مسائل میں بہت حد تک رعایت کی ہے، جیسا کہ ابن نجیم وغیرہ کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے (البحر الرائق ۲۲۷/۵)

مولانا محمد رضوان قاسمی

الف، ب۔ ایک وقف میں استغناء کے وقت اسکے مماثل دوسرے ضرورت مند اوقاف میں خرچ کر سکتے ہیں الاقرب فالاقرب کی رعایت کرتے ہوئے۔

حشيش المسجد وحصره مع الاستغناء عنهما و كذا الرباط والبئر إذا لم ينتفع بهما فيصرف وقف المسجد والرباط والبئر والحوض إلى أقرب مسجد أو رباط أو بئر أو حوض إليه.

لف ونشر مرتب و ظاهره أنه لا يجوز صرف وقف مسجد خرب إلى حوض و عكسه وفي شرح الملتقى يصرف وقفها لأقرب مجانس لها (شامی مطبوعہ کراچی ۳۵۹/۴)

مولانا شبیر علی

الف۔ اسی نوع کے اوقاف میں فاضل آمدنی کو صرف کیا جا سکتا ہے، كذا في الشامي:

جاز للحاكم أن يصرف من فاضل الوقف الآخر عليه لأنهما حينئذ كشي واحد.

اسی طرح شامی نے بحر کے حوالے سے بیان کیا ہے:

مسجد له أوقاف مختلفة لا بأس للقيم أن يخلط غلتها كلها وإن خرب حانوت منها فلا بأس بعمارته من غلة حانوت آخر لأن الكل للمسجد. هكذا في عبارة البحر (۲۳۳/۵)۔

ب۔ نہیں کر سکتے۔

كذا في الشامية إذا كان الوقف منزلين أحدهما للسكنى والآخر للاستغلال فلا يصرف أحدهما للآخر (صفحہ ۳۶۱)

مولانا محمد ارشاد القاسمی

الف۔ جائز ہے۔

ب۔ اس نوع کے اوقاف نہ ہوں یا انہیں ضرورت نہ ہو تو اس نوع سے قریبی نوع میں اس کی آمدنی خرچ کر سکتے ہیں۔

مولانا ایوب ندوی

دیگر اوقاف کی فاضل آمدنیوں کا حکم:

الف۔ب۔ جن اوقاف کی آمدنی ان کے متعین مصارف سے بہت زیادہ ہے، جو سال بسال جمع ہو کر ایک بڑا سرمایہ بن جاتی ہے، اور اس کی طویل عرصہ تک حفاظت ایک دشوار مسئلہ بلکہ خالی از خطرہ نہیں خواہ یہ خطرہ حکومت کی دست درازی کا ہو یا منتظمین کی خیانت کا، دوسری طرف یہ آمدنی جن اوقاف کی ہے ان کی اصلاح و مرمت کے لئے اس رقم کی نہ فی الحال ضرورت ہو اور نہ آئندہ ہو، اور نہ ہی اس آمدنی کو مذکورہ اوقاف کی روزمرہ کی ضروریات ہی میں خرچ کیا جاسکتا ہو، تو ایسی صورت میں شریعت کا اصل حکم یہ ہے کہ مذکورہ اوقاف کی فاضل آمدنی کو اسی نوع کے اوقاف کی ضروریات میں خرچ کیا جائے، البتہ اگر کسی جگہ کوئی حادثہ پیش آجائے، یا قوم وملت کا کوئی اہم کام درپیش ہو یا کسی جگہ کوئی مسجد تعمیر ہو رہی ہو اور وہاں رقم کی ضرورت ہو، نیز کسی ملی ودینی اور علمی کاموں کی تکمیل کے لئے رقم درکار ہو تو ایسے موقع پر عام اوقاف کی فاضل آمدنیوں کو خرچ کرنے کی شرعاً گنجائش ہے، یہاں تک کہ مسجد کی بھی فاضل آمدنی کو غریب و نادار مسلمانوں کی امداد یا دیگر دینی وعلمی کاموں میں خرچ کرنے کی بعض علماء وفقہاء نے اجازت دی ہے، چنانچہ کفایت المفتی میں متعدد فتاوی کے اندر حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب نے مسجد کی فاضل آمدنی کو دوسری مسجد کے علاوہ دیگر دینی وعلمی کاموں میں خرچ کرنے کی نہایت صراحت ووضاحت کے ساتھ اجازت دی ہے، حضرت مفتی صاحب کا ایک طویل ومدلل فتوی اوپر درج کیا جاچکا ہے، ذیل میں چند اور فتاوی ملاحظہ ہوں:

الجواب ۲۳۶: جب کہ مسجد موقوف علیہ کا مال اس قدر جمع ہو جائے کہ مسجد کو نہ فی الحال اس کی ضرورت ہو اور نہ آئندہ ضرورت پڑنے کا اندیشہ ہو، اور جمع رہنے میں مال کے تلف ہو جانے کا ظن غالب خوف ہو، اور دوسری مسجد کو تعمیر کی حاجت ہو کہ بغیر تعمیر اس کی ویرانی کا اندیشہ ہو تو ایسی صورت میں مسجد اول الذکر کا مال اقرب الی المساجد المحتاجہ الی العمارۃ میں لگا دینا جائز ہے (کفایت المفتی ۷/۲۹۴)

الجواب ۲۴۰: اگر مسجد کا مال اس قدر جمع ہو کہ مسجد اس کی نہ فی الحال محتاج ہو اور نہ بظن غالب فی المآل، اور اس رقم کے اس طرح جمع رہنے کی حالت میں طمع طامعین اور تصرف منتظمین کا اندیشہ ہو تو بے شک یہ رقم موجودہ ضرورت میں جو اسلام اور مسلمین کے لئے ایک حادثہ اور نائبہ کبری ہے، خرچ ہو سکتی ہے، یعنی ترک وہجرو مہاجرین و یتامی و بیوگان کی امداد کے لئے بھیجی جاسکتی ہے (کفایت المفتی ۷/۲۷۸)

الجواب ۲۵۳: اگر مساجد کی آمدنی مسجد کے مصارف کو پورا کرنے کے بعد اس قدر فاضل رہے کہ مسجد کو اس کی نہ فی الحال حاجت ہو اور نہ آئندہ اس کا خوف ہو کہ مسجد اس کی حاجتمند ہوگی، تو ایسی فاضل جمع شدہ رقم کو تعلیم میں خرچ کرنے کی گنجائش ہے، اگر دینی تعلیم کا مدرسہ مسجد ہی میں قائم ہو تو اس کی فاضل آمدنی کو اسی مدرسہ میں خرچ کرنا ایک طرح مسجد کی تعمیر معنوی میں داخل ہے، اور اگر مسجد سے خارج مدرسہ قائم ہو تو متولیان مسجد کی اس متفقہ رائے سے خرچ ہو سکتی ہے کہ مسجد اس سے مستغنی ہے (کفایت المفتی ۷/۲۹۱)

الجواب ۲۶۵: جب مسجد کی آمدنی اس قدر کثیر ہو کہ مسجد کو اس کی نہ فی الحال حاجت ہو اور نہ فی المآل تو

ایسی حالت میں جمع شدہ رقم کو کسی دوسری محتاج مسجد میں یا دینی تعلیم میں خرچ کیا جا سکتا ہے (کفایت المفتی ۷؍۳۰۰)

الجواب ۲۹۵: مذکورہ سوال رقوم جو اوقاف متعلق مساجد کی آمدنی میں سے ضروریات مساجد پوری ہونے کے بعد فاضل بچی ہوئی ہیں، اور بظاہر مساجد کو ان رقوم کی فی الحال حاجت ہے اور نہ آئندہ احتیاج کا خطرہ ہے، ایسی رقوم سے مساجد میں مدارس دینیہ کا اجرا یا دینی ضرورتوں کے ماتحت دارالمطالعہ کا قیام جائز ہے، مسجد یا اس کی متعلقہ وقف عمارت میں تعلیم کا اجراء مسجد کی تعمیر معنوی میں داخل ہے، اور تعمیر مسجد شعائر اللہ میں شمار کی گئی ہے، اور مصرف وقف مسجد میں شامل ہے، ایسی رقوم کو مولود شریف یا تعزیہ یا مرثیہ خوانی پر خرچ کرنا جائز نہیں، اور کسی انجمن کی دینی ضروریات میں دینا اگر جائز بھی ہو تاہم تعلیم پر خرچ کرنا بہتر اور افضل ہے (کفایت المفتی ۷؍۳۰۲)۔

الجواب ۲۹۶: مساجد کے اوقاف کی آمدنی دراصل تو مساجد کے مصارف کے لئے ہوتی ہے، مگر جب آمدنی تمام مصارف پورے کرنے کے بعد بھی فاضل بچ جائے اور مساجد کو اس کی فی الحال بھی حاجت نہ ہو اور آئندہ حاجت پڑنے کا خوف بھی نہ ہو تو ایسی فاضل آمدنی نادار اور غیر مستطیع دینی طلبہ کو امداد و وظائف میں دی جا سکتی ہے، نیز جائز اور مباح علوم معاشیہ کے نادار اور غیر مستطیع طلبہ کو بھی دینا جائز ہے۔ دینی علوم کے نادار طلبہ زیادہ مستحق ہیں (کفایت المفتی ۷؍۳۰۲)

الجواب ۲۹۷: مسجد کے اوقاف کی آمدنی کا اصل حکم یہ ہے کہ اسی مسجد پر صرف کیا جائے جس کے لئے وقف ہے، البتہ اگر آمدنی اتنی زیادہ ہو اور رقم اتنی جمع ہو گئی ہو کہ مسجد کو نہ فی الحال اس رقم کی حاجت ہے اور نہ اس کا اندیشہ ہے کہ آئندہ مسجد کو اس رقم کی حاجت پڑے گی، تو اس زائد از حاجت رقم میں سے کسی دوسری محتاج مسجد کو امداد دی جا سکتی ہے، قبرستان کی مسجد یا جنازہ گاہ یا ان کی متعلقہ ضروریات میں کسی مالدار مسجد کی زائد از حاجت رقم سے امداد کرنا حوائج مسجد کے لئے سخت ضرورت کے وقت جائز ہے (کفایت المفتی ۷؍۳۰۲) فتاوی عالمگیری میں ہے

سئل نجم الدین فی مقبرة فیها أشجار هل یجوز صرفها إلی عمارة المسجد قال نعم إن لم تکن وقفا علی وجه آخر قیل له فإن تداعت حیطان المقبرة إلی الخراب یصرف إلیها أو إلی المسجد قال إلی ما هی وقف علیه (فتاوی عالمگیری ۲؍۴۷۶)

وفی مجموع النوازل أشجار فی مقبرة یجوز صرفها إلی المسجد إن لم یکن وقفا علی جهة أخری فإن تداعت حوائط المقبرة إلی الخراب لا یصرف إلیه بل إلی الجهة الموقوفة إن عرفت (فتاوی بزازیہ علی ہامش الہندیہ ۶؍۲۶۱)

قال فی الهندیة تحت الوقف علی المسجد: إن للقیم أن یتصرف فی ذلک علی ما یری وإذا استغنی هذا المسجد یصرف إلی فقراء المسلمین فیجوز ذلک کذا فی الظهیریة، رجل وقف أرضا له علی مسجد ولم یجعل آخره للمساکین تکلم المشائخ فیه والمختار أنه یجوز فی قولهم جمیعا کذا فی الواقعات الحسامیة (عالمگیری ۲؍۴۶۰)

مولانا ابوبکر قاسمی

الف ، ب ۔ اسی نوع کے قریب کے پھر بعید کے علی الترتیب اوقاف پر خرچ کرنا جائز ہے ۔ ان اوقاف کی آمدنی کو خلاف جنس پر علمی ، ملی کاموں یا مساجد میں خرچ کرنا درست نہیں ہے ۔ اگر اسی جنس کے اوقاف میں صرف کرنے کی کوئی صورت نہیں ہے تو پھر مساجد ، مدارس دینیہ وغیرہ کے مواقع میں صرف کرنا درست ہوگا (کذا فی فتاوی محمودیہ ۱۲/ ۳۵)

مولانا عبد القیوم پالنپوری

اوپر لکھا جا چکا کہ مقصد واقف اور شرط واقف نص شارع کے درجہ اور حکم میں ہے ، جہاں تک ممکن ہو مقصد وقف فوت نہ ہونے پائے ۔

الف ، ب ۔ اس لئے شئی موقوف کے مصارف سے زائد آمدنی (جس پر خیانت کا اندیشہ ہو) کو اسی نوع کے مصالح و ضروریات میں خرچ کرنے کی اجازت ہوگی ، اسکے علاوہ دیگر ملی و دینی علمی وغیرہ امور میں صرف نہیں کر سکتے ۔

مولانا تنویر عالم قاسمی

الف ۔ اگر مسجد کی آمدنی کا روپیہ زیادہ صرف کم ، اور اتنا روپیہ ہر وقت موجود رہتا ہے کہ ضرورت شکست و ریخت وغیرہ بسہولت پوری ہو سکے اور روپیہ جمع رہنے میں خیانت کا قوی اندیشہ ہو تو اس روپے سے مسجد کے لئے جائداد دوکانیں ، زمین وغیرہ خرید لی جائیں ، اگر اس میں دشواری ہو یا روپیہ جائداد خریدنے کے بعد بھی زائد بچ رہے تو پھر اسی مسجد میں دینی مدرسہ قائم کر لیا جائے تاکہ مسجد کی آبادی میں ترقی ہو کیونکہ آبادی کو ترقی دینا مسجد کی بڑی مصلحت ہے ، اگر یہ بھی دشوار ہو تو اقرب مسجد میں صرف کیا جا سکتا ہے (محمودیہ ۱/ ۵۰۹)

ب ۔ مساجد کی وقف رقم یتیم خانہ میں بطور وقف نہیں دے سکتے ، ایک وقف کے روپے دوسرے وقف میں استعمال کرنا جائز نہیں ، ممنوع ہیں ، درمختار میں ہے :

وإن اختلف أحدهما بأن بنى رجلان مسجدين أو رجل مسجدا و مدرسة و وقف عليهما أوقافا لا يجوز له ذلك اى الصرف المذكور .

یعنی دو شخص علیحدہ علیحدہ مسجد بنائے یا ایک ہی شخص نے مسجد اور مدرسہ بنایا اور دونوں کے لئے جدا جدا وقف کئے تو قاضی کو حق نہیں کہ ایک کے وقف کی آمدنی دوسرے وقف پر خرچ کرے (درمختار مع الشامی)

ہاں اگر واقف نے وقف نامہ میں تحریر کیا ہے کہ ضرورت سے زائد آمدنی سے بوقت ضرورت دوسرے قریب حاجتمند وقفوں میں امداد کریں اور کار خیر میں خرچ کریں واقف کی شرط کے مطابق یعنی وقف نامہ میں جو تحریر ہے اسکے مطابق دوسرے وقف کی امداد کرنا اور کار خیر میں خرچ کرنا صحیح ہوگا ، البتہ اگر کوئی وقف بہت مالدار ہو ، وقف کو اچھی طرح سے جاری رکھتے ہوئے بھی زائد رقم اس قدر رہو کہ وقف کو اس رقم کی ضرورت فی الحال نہیں اور دوسرا وقف ضرورتمند ہے تو اس کو قرض دے سکتے ہیں ۔

أما المال الموقوف على المسجد الجامع لم تكن للمسجد حاجة للمال فللقاضى أن يصرف فى ذلك لكن على وجه القرض فيكون دينا فى مال الفئ (فتاوى عالمگیری) ۔

اگر کسی وقف کے خزانہ میں روپے اس طرح زائد ہوں کہ نہ ابھی فی الحال ضرورت ہے نہ آئندہ ضرورت پڑے گی، اور یہ روپے یونہی جمع رہیں تو ضائع ہو جائیں گے یا ناجائز استعمال ہوں گے اور واقف کا مقصد فوت ہو جائے گا تو ایسے حالات میں قریب کے دوسرے ضرورتمند اوقاف کو زائد روپے امداد کے طور پر (بلا قرض) دینا جائز ہو جائے گا مگر اس صورت میں اس کا خیال رکھنا چاہئے کہ مسجد کی زائد رقم قریبی ضرورتمند مسجد کو اور مدرسہ کی زائد رقم قریبی ضرورتمند مدرسہ کو دی جائے۔

یتیم خانہ اور سرائے وغیرہ اوقاف کا بھی یہی حکم ہے اور اس مقصد سے کہ آبادی مسجد میں اضافہ ہو اس زائد اور فاضل رقم سے مسجد سے متعلق دینی تعلیم کا مدرسہ بھی قائم کر سکتے ہیں (رحیمیہ ۱۸۵/۲)۔

مساجد اور مقابر کی رقم دنیوی تعلیم کے (کالج اور اسکول میں پڑھنے والے) طلبہ کو بطور امداد دینا جائز ہے (فتاویٰ رحیمیہ ۱۸۵/۲)۔

مفتی عبدالرحیم بھوپالی

الف۔ جن اوقاف کی آمدنی متعین مصارف سے بہت زیادہ ہو اور سال بسال جمع ہو کر ایک بڑا سرمایہ بن جائے خدانخواستہ وقف کی عمارت منہدم ہو جائے تو اس سرمایہ سے دوبارہ تعمیر کے بعد رقم بچ جائے اور اس کی حفاظت بھی مشکل ہو تو فاضل آمدنی اسی نوع کے اوقاف محتاج کی ضروریات میں صرف کرنا جائز ہوگا۔

وسئل أبوبكر عمن وقف أرضا له على عمارة المسجد وشرط أن ما فضل من عمارته يصرف إلى الفقراء فاجتمعت الغلة والمسجد غير محتاج إلى العمارة في الحال قال تحبس الغلة وهكذا كان يقول الفقيه أبو جعفر وقد ذكرنا هذه المسئلة قبل قال الفقيه أبو الليث والصحيح عندي أنه إذا اجتمع من الغلة مقدار ما احتاج المسجد والأرض للعمارة يمكن العمارة منها وتبقى زيادة شئ من الغلة تصرف الزيادة إلى الفقراء على ما شرط الواقف وفي العتابية قال الصدر الشهيد وهو المختار للفتوى (تاتارخانیہ ۸۵۶/۵)۔

مولانا نذر توحید مظاہری

الف، ب۔ اوقاف کی فاضل آمدنی دیگر ملی، دینی، علمی اور مساجد وغیرہ کے سلسلے میں صرف کرنا درست ہے۔

ڈاکٹر قدرت اللہ باقوی

الف، ب۔ اگر وقف اس قدر مالدار ہو کہ اس مال کی اسکو نہ فی الحال ضرورت ہو نہ آئندہ، اور اگر دوسرے نیک کام میں استعمال نہ کیا جائے تو یہ مال ضائع ہو جائے گا یعنی ناجائز استعمال ہوگا اور واقف کا مقصد پورا نہ ہوگا تو ایسے وقف میں سے قریبی ضرورت مند وقف کو بطور امداد مفت دینا جائز ہے، بصورت مذکورہ میں اس کا بھی لحاظ رکھنا چاہئے کہ مسجد کی زائد رقم قریب کی حاجت مند مسجد میں اور مدرسہ کی زائد رقم نزدیک کے ضرورت مند مدرسہ میں استعمال کی جائے۔

ومثله ... حشيش المسجد وحصره مع الاستغناء عنهما وكذا الرباط والبئر إذا لم ينتفع بهما فيصرف وقف المسجد والرباط والبئر والحوض إلى أقرب مسجد أو رباط أو بئر أو

حوض إليه (درمختار) (قوله إلى أقرب مسجد أو رباط الخ) لف و نشر مرتب و ظاهره أنه لا يجوز صرف وقف مسجد خرب إلى حوض وعكسه وفي شرح الملتقى يصرف وقفها لأقرب مجانس لها (شامی ۳/۳۷۱) (فتاوی رحیمیہ ۲/۱۸۷) (امداد الفتاوی ۲/۶۱۳ تا ۶۱۵)۔

مولانا عبد اللطیف پالنپوری

جن اوقاف کی آمدنی ان کے لئے متعین مصارف سے بہت زیادہ ہے، جو سال بسال جمع ہو کر ایک بڑا سرمایہ بنتی جارہی ہے، جس کی طویل عرصہ تک حفاظت ایک دشوار مسئلہ بلکہ خالی از خطرہ نہیں، یہ خطرہ حکومت کی دست درازی کا بھی ہے اور منتظمین وغیرہ کی طرف سے بھی، اور نہ ہی روزمرہ کی ضروریات کے اندر انکے صرف کو سوچا جا سکتا ہے اور نہ آئندہ حفاظت یا اصلاح ومرمت وغیرہ کے کاموں کے لئے، تو ایسے مراحل پر ایسی فاضل آمدنی کا دوسرے مواقع یعنی یتیم خانہ، مسافر خانہ، ہسپتال، دار المطالعہ ولائبریری، خانقاہ و دار الاصلاح، مدارس اسلامیہ، نادار بچوں کی کفالت وتعلیم، نادار غیر مستطیع عصری علوم حاصل کرنے والے اسٹوڈنٹ (Student) اور دیگر رفاہی کاموں پر خرچ کیا جا سکتا ہے۔

حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ دہلوی علیہ الرحمہ ایک سوال کے جواب (۲۹۶) میں رقمطراز ہیں: مذکورہ سوال رقوم جو اوقاف متعلقہ مساجد کی آمدنی میں سے ضروریات مساجد پوری ہونے کے بعد فاضل بچی ہوئی ہیں اور بظاہر مساجد کو ان رقوم کی نہ فی الحال حاجت ہے اور نہ آئندہ احتیاج کا خطرہ ہے، ایسی رقوم سے مساجد میں مدارس دینیہ کا اجراء یا دینی ضرورتوں کے ماتحت دار المطالعہ کا قیام جائز ہے، مسجد یا اس کی متعلقہ وقف عمارت میں تعلیم کا اجراء مسجد کی تعمیر معنوی میں داخل ہے اور تعمیر مسجد شعائر اللہ میں شمار کی گئی ہے اور مصرف وقف مسجد میں شامل ہے، ایسی رقوم کو مولود شریف یا تعزیہ یا مرثیہ خوانی پر خرچ کرنا جائز نہیں، اور کسی انجمن کی دینی ضروریات میں دینا اگر جائز بھی ہو تاہم تعلیم پر خرچ کرنا بہتر اور افضل ہے (کفایت المفتی ۷/۳۰۱، ۳۰۲)

جواب (۲۹۷): مساجد کے اوقاف کی آمدنی دراصل تو مساجد کے مصارف کے لئے ہوتی ہے مگر جب آمدنی تمام مصارف پورے کرنے کے بعد بھی فاضل بچ جائے اور مساجد کو اس کی فی الحال بھی حاجت نہ ہو اور آئندہ حاجت پڑنے کا خوف بھی نہ ہو تو ایسی فاضل آمدنی نادار اور غیر مستطیع دینی طلبہ کو امدادی وظائف میں دی جا سکتی ہے، نیز جائز اور مباح علوم معاشیہ کے نادار اور غیر مستطیع طلبہ کو بھی دینا جائز ہے، دینی علوم کے نادار طلبہ زیادہ مستحق ہیں (کفایت المفتی ۷/۳۰۲)

الف۔ اسی نوع کے اوقاف کی ضروریات میں خرچ کرنا جائز ہے۔

ب۔ دیگر ملی، دینی وعلمی کاموں اور مساجد اور قبرستان کی احاطہ بندی، دار الشوریٰ، دالان وچوپال کی تعمیر ومرمت پر، مفلس وقلاش کے مکان کی تعمیر پر، مفلس ونادار بیوہ کی لڑکیوں کی شادی وبیماری پر اوقاف کی فاضل رقم کو خرچ کیا جا سکتا ہے۔

مولانا محمد مصطفیٰ قاسمی

بہت سے اوقاف کی آمدنی متعین مصارف سے بہت زیادہ ہے جو سال بسال جمع ہو کر ایک بڑا سرمایہ بنتی جارہی ہے جس کی طویل عرصہ تک حفاظت ایک دشوار مسئلہ بلکہ خالی از خطرہ نہیں یہ خطرہ حکومت کی دست درازی کا بھی ہے اور منتظمین وغیرہ کے طرف سے بھی، اور نہ ہی روزمرہ کی ضروریات کے اندر اس کے صرف کو سوچا جا سکتا ہے اور نہ ہی آئندہ اصلاح ومرمت وغیرہ کے کاموں کے لئے، ایسی صورتوں میں:

الف۔ اسی نوع کی ضروریات میں صرف کیا جائے۔

ب۔ دوسری نوع کی ضروریات میں صرف کرنے کی گنجائش نہیں ہے۔

لا يجوز تغيير المصرف مع إمكان المحافظة عليه كما لا يجوز تغيير الوقف بالبيع مع إمكان الانتفاع به (المغنی ۵/۶۳۳)

مولانا اخلاق الرحمن قاسمی

ایسے اوقاف جن کی آمدنی متعین مصارف سے بہت زیادہ ہو اور سال بسال جمع ہو کر ایک بڑا سرمایہ بنتی جاتی ہو اور طویل عرصہ تک حفاظت دشوار ہی نہیں بلکہ خالی از خطرہ نہ ہو تو ایسی صورت میں فاضل آمدنی کا دوسرے اوقاف کی ضروریات، نیز ملی ودینی، علمی کاموں اور مساجد وغیرہ میں استعمال کرنا بالکل درست ہوگا، علامہ شامی لکھتے ہیں:

حشيش المسجد وحصره مع الاستغناء عنهما وكذا الرباط والبئر إذا لم ينتفع بهما فيصرف وقف المسجد والرباط والحوض إلى أقرب مسجد أو رباط أو بئر.... (شامی ۳/۴۰۷)

مسجد کی گھاس مسجد کی چٹائی اسی طرح رباط اور کنواں جب مسجد کی ضرورت سے زیادہ ہو اور اس سے انتفاع بھی ناممکن ہو تو مسجد کے وقف کو رباط اور حوض کو کسی قریبی مسجد یا رباط یا کنویں میں صرف کر دیا جائے۔

مولانا قمر الزماں ندوی

دیگر اوقاف کی زائد آمدنی کا مصرف:

الف۔ بہت سے اوقاف ایسے ہیں جن کی آمدنی ان کے لئے متعین مصارف سے بہت زیادہ ہوتی ہے، جو سال بسال جمع ہو کر بڑا سرمایہ بنتی جاتی ہے جس کی طویل عرصہ تک حفاظت ایک دشوار مسئلہ بلکہ خالی از خطرہ نہیں، یہ خطرہ حکومت کی دست درازی کا بھی ہوتا ہے اور منتظمین وغیرہ کی طرف سے بھی، اور نہ ہی روزمرہ کی ضروریات کے اندر اس کے صرف کو سوچا جا سکتا ہے اور نہ آئندہ حفاظت یا اصلاح ومرمت وغیرہ کے کاموں کے لئے، ایسی صورت میں فاضل آمدنی دوسرے مواقع میں صرف کرنا درست ہے، مثلاً اسی نوع کے اوقاف کی ضروریات میں صرف کر دیا جائے اور یہی بہتر ہے، چنانچہ مفتی نظام الدین اعظمی (حفظہ اللہ) تحریر فرماتے ہیں:

''اس کی آمدنی سے دوسرے محتاج اعانت قبرستان پر خرچ کرنا یا مستقل دوسرا قبرستان قائم کرنا زیادہ قابل ترجیح ہوگا'' (نظام الفتاویٰ ۱/۱۷۵)

ب۔ نیز اس زائد آمدنی کو دیگر ملی، دینی وعلمی کاموں اور مساجد وغیرہ میں بھی صرف کرنا جائز ہے، چنانچہ مولانا

موصوف (مدظلہ العالی) تحریر فرماتے ہیں:

''اور اگر دوسرا قبرستان محتاج اعانت نہ ہو تو اس کی آمدنی دینی مدارس پر خرچ کی جائے یا اس میں مسجد کی تعمیر کردی جائے یا دینی مدرسہ قائم کردیا جائے (نظام الفتاوی ۱/۱۷۵)

علامہ ابن تیمیہ کی عبارت اس سلسلہ میں ملاحظہ ہو، وہ لکھتے ہیں:

فانه يصرف ريع الوقف عليه إلى غيره وما فضل من ريع وقف عن مصلحته صرف في نظيره أو مصلحة المسلمين من أهل ناحيته ولم يحبس المال دائما فلا فائدة (مجموع الفتاوی ۱۸/۳۱)

کسی بر وقف شدہ چیز کی آمدنی اسی پر خرچ کی جائے گی اور جو اس کے مصالح سے بچ جائے اس کو اسی مثل میں یا اسی محلہ کے مسلمانوں کی ضروریات میں خرچ کیا جائے گا اور مال کو بلا فائدہ ہمیشہ روکے رکھنا جائز نہ ہوگا۔

ملی دینی اور علمی کام مثلاً مدارس و مکاتب کی تعمیر نیز مساجد بھی مصالح مسلمین میں سے ہیں لہٰذا ان میں صرف کرنے میں کوئی حرج نہیں، واللہ اعلم۔

مولانا محمد نور القاسمی

الف، ب۔ دیگر اوقاف کا حکم یہ ہے کہ ان کی فاضل آمدنی انہی جیسے اوقاف میں صرف کرنا تو درست ہے لیکن دیگر اوقاف میں خرچ کیا جائے، یہ جائز نہ ہوگا...... فتاوی ہندیہ کا یہ جزئیہ ملاحظہ ہو:

ولو لم يتفرق الناس ولكن استغنى الحوض عن العمارة، وهناك مسجد محتاج إلى عمارة أو العكس هل يجوز للقاضي صرف وقف ما استغنى عنه العمارة إلى عمارة ما هو محتاج إلى العمارة، قال: لا، كذا في المحيط.

لوگ گرچہ وہاں سے دوسری جگہ نہ گئے ہوں، لیکن حوض عمارت سے بالکل بے نیاز ہو اور وہاں کوئی مسجد ہو جس کو عمارت کی ضرورت ہے یا اس کے برعکس مسئلہ ہو، تو کیا قاضی کو یہ اجازت ہوگی کہ وہ وقف جس کو عمارت کی ضرورت نہیں ہے محتاج عمارت میں صرف کرسکے؟ وہ کہتے ہیں نہیں، یعنی قاضی کے لئے ایسا کرنا درست نہیں ہوگا، اسی طرح محیط میں بھی ہے۔

لیکن راقم کی ناقص رائے یہ ہے کہ جو آمدنی مصارف سے زائد ہو اور جمع رہنے میں ضائع ہونے کا قوی اندیشہ ہو، تو اہل حل وعقد کے مشورہ سے اس کو دیگر تعلیمی وعلمی کاموں میں استعمال کرنا درست ہونا چاہئے، لیکن یہ اسی وقت اجازت ہوگی جب کہ منشاء واقف کے خلاف نہ ہو اور لوگوں کی جانب سے بے جا استعمال نہ کرنے میں اطمینان بھی ہو...... اس سلسلے میں علامہ ابن نجیم مصری نے ایک جزئیہ نقل کیا ہے جس سے اس کی تائید ہوتی ہے کہ اگر کسی نے گھر کو مسجد پر اس شرط کے ساتھ وقف کیا کہ اس کی فاضل آمدنی فقراء کے لئے ہوگی'' اي على أنه ما فضل من عمارته فهو للفقراء''۔ اس کے بعد کثیر رقم جمع ہو اور مسجد کو عمارت کی ضرورت بھی نہ ہو تو شیخ ابوبکر سے جب یہ مسئلہ دریافت کیا گیا کہ کیا اب اس زائد رقم کو فقراء پر صرف کریں گے، انہوں نے کہا نہیں کرسکتے، رقم چاہے کتنی جمع کیوں نہ

ہو جائے، کہ بعد میں مسجد کو کبھی بھی ضرورت پیش آسکتی ہے، فقیہ ابو جعفر نے بھی اس سوال کا جواب یہی دیا، لیکن علامہ ابن نجیم کا رجحان جواز کا ہے:

ولكن الاختيار عندي إذا علم أنه قد اجتمع من الغلة مقدار ما لو احتاج المسجد والدار إلى العمارة أمكن العمارة منها، صرف الزيادة على الفقراء على ما شرط الواقف (الأشباه والنظائر)

لیکن میرے نزدیک صحیح یہ ہے کہ جب یہ معلوم ہو جائے کہ پیسہ یا آمدنی اتنی مقدار میں جمع ہو چکی ہے کہ مسجد و گھر کو اگر عمارت کی ضرورت پڑی تو اس سے عمارت کی تعمیر ممکن ہے، تو واقف کی شرط کے مطابق زیادہ رقم فقراء پر صرف کی جائے گی۔

مولانا ابرار خان ندوی

الف، ب۔ صورت مسئولہ میں دوسرے ضرورت مند اسی نوع کے وقف کو زائد آمدنی بطور قرض دی جائے۔ عالمگیری میں ہے:

"أما المال الموقوف على المسجد الجامع لم تكن للمسجد حاجة للمال فللقاضي أن يصرف في ذلك لكن على وجه القرض فيكون دينا في مال الفيء (عالمگیری ۲/۴۶۳)

اور اگر کسی وقف کے خزانہ میں روپیہ اس قدر زائد جمع ہو کہ نہ فی الحال ان کی ضرورت ہے نہ آئندہ ضرورت پڑے گی، اور یہ روپے یوں ہی جمع رہیں تو ضائع ہو جائیں گے یا ناجائز استعمال ہوں گے اور واقف کا مقصد فوت ہو گا تو ایسے حالات میں قریب کے ضرورت مند وقف کو زائد رقم امداد کے طور پر (بلا قرض) دینا جائز ہوگا، مگر اس صورت میں اس کا خیال رکھنا چاہئے کہ مسجد کی زائد رقم قریب کی ضرورتمند مسجد کو، اور مدرسہ کی زائد رقم قریب کے ضرورت مند مدرسہ کو دی جائے، اور یتیم خانہ اور سرائے وغیرہ اوقاف کا بھی یہی حکم ہے، اور اس مقصد سے کہ آبادی مسجد میں اضافہ ہو اس زائد و فاضل رقم سے مسجد کے متعلق دینی تعلیم کا مدرسہ بھی قائم کر سکتے ہیں (فتاوی رحیمیہ ۲/۱۸۰)

اس خلاصہ سے دونوں سوالوں کے جواب حل ہوتے ہیں کہ اولاً اسی نوع کے اوقاف میں فاضل رقم خرچ کی جاوے، اور ضرورۃً دوسرے رفاہی کام مثلاً مسجد کی آبادی کی خاطر مدرسہ کے لئے بھی زائد رقم استعمال کر سکتے ہیں۔

مولانا ابراهیم فلاحی بارڈولی

الف۔ اس سوال کے اندر چونکہ ایسی چیزوں کی صراحت موجود ہے جن میں اوقاف کی آمدنی اس کی متعینہ مصارف سے بہت زائد ہے اور سال بسال جمع ہو کر بہت بڑا سرمایہ بن گئی ہے جس کی بناء پر حکومت اور منتظمین کی طرف سے خطرہ بھی ہے، لہذا اسی نوع کی ضروریات میں صرف کیا جا سکتا ہے، عالمگیری میں ہے:

الفاضل من وقف المسجد هل يصرف إلى الفقراء قيل لا يصرف وانه صحيح ولكن يشترى به مستغل للمسجد۔

ب۔ دیگر علمی، دینی اور ملی کاموں یا مساجد وغیرہ میں صرف نہیں کیا جا سکتا ہے۔

مولانا سمیع الله قاسمی

الف، ب۔ وہ اوقاف جن کی آمدنی فاضل از ضرورت ہو، کثیر تعداد میں ہونے کی وجہ سے اس کی حفاظت دشوار ہوجائے تو ان آمدنیوں کے اصل مصارف ان کے انواع واجناس ہیں۔ لیکن اگر کسی دوسرے نوع کے اندر غایت درجہ کا قرب اور غرض واقف کا ایفاء موجود ہے تو پھر ان دیگر انواع واجناس کی جانب منتقلی کی گنجائش ہے۔

مولانا صدر عالم

الف، ب۔ جن اوقاف کی آمدنی انکے مصارف سے زیادہ ہے اس فاضل رقم کو اسی نوع کے دوسرے اوقاف کی ضروریات میں خرچ کیا جا سکتا ہے، موقوف علیہ کی جنس کا دوسرا موقوف علیہ جو اس سے قریب ہے وہ زیادہ مستحق ہے، پھر اس کے بعد کسی بھی خطہ میں اس نوع کا وقف ہو تو اس میں خرچ کیا جائے گا۔ لیکن موقوف علیہ کے علاوہ دوسرے دیگر ملی، دینی وعلمی کاموں اور مساجد وغیرہ میں خرچ کرنا جائز نہیں، کیونکہ ایسا کرنا جہت وقف کی تبدیلی ہوگی جس کا اختیار کسی کو نہیں، نہ خود واقف کو اور نہ امام المسلمین کو۔

ما كان من شروط معتبرة في الوقف فليس للواقف تغييره ولا تخصيصه بعد تقرره ولا سيما بعد الحكم (ردالمحتار)

مولانا عطاء الله قاسمی

حکومت ومنتظمین سے خطرہ کے وقت زائد آمدنی کا مصرف:

الف، ب۔ جو اوقاف ایسے ہیں کہ ان کی آمدنی اتنی کثیر مقدار میں جمع ہوجائے کہ ان اوقاف کے بارے میں لوگوں کا یقین ہو کہ ان اوقاف کو زائد آمدنی کی ضرورت نہیں پڑے گی، نیز حکومت ومنتظمین کا بھی خطرہ ہے کہ حکومت ان اوقاف کو اپنے قبضہ میں لے کر اس سے دوسرے کام لے گی جو واقف کی منشاء کے خلاف ہوگا، اسی طرح منتظمین اس اوقاف کو قبضہ میں لے لیں گے تو اس سے بچنے کے لئے ان اوقاف کی زائد آمدنی کو دینی کاموں میں خرچ کرنا جائز اور درست ہوگا، جیسا کہ مندرجہ ذیل عبارت سے معلوم ہوتا ہے:

قال الراقم (إلى قوله) فيجوز صرف الزائد إلى إنشاء مدرسة ونشر علم وإن لم يكن من شرط الواقف وعبارة الخانية فيه صريحة وإن كان قيدها صاحب المهدية "بغير وقف المسجد" ويكاد يجب لو كان هناك مظنة لضياع مال المسجد المجتمع بغصب المتولي أوغيره (معارف السنن ۳۰۱/۳)

راقم نے کہا (الی قولہ) زائد آمدنی کو مدرسہ قائم کرنے اور علم کی اشاعت میں خرچ کرنا درست ہے اگرچہ یہ واقف کی شرط میں نہ ہو، اور خانیہ کی عبارت اس بارے میں صریح ہے اگرچہ صاحب مہدیہ نے ''بغیر وقف المسجد'' کی قید لگائی ہے، اور جب کہ مسجد کا مال ضائع ہونے کا اندیشہ اور گمان ہو تو پھر اس آمدنی کو مذکورہ جگہوں میں خرچ کرنا واجب ہے، کیونکہ متولی وغیرہ ایسی صورتوں میں ہتھیا لیتے ہیں۔

اس عبارت کے اندر صاحب مہدیہ کی قید ''بغیر وقف المسجد'' سے یہ بات عیاں ہے کہ غیر مسجد کے بارے

کم آمدنی کے وقف کا استبدال

اس مسئلہ سے متعلق جواب دینے والے علماء کرام کے اسمائے گرامی

مولانا عبید اللہ اسعدی
مولانا عتیق احمد قاسمی
مولانا زبیر احمد قاسمی
مولانا انیس الرحمن
مفتی نسیم احمد قاسمی
مولانا شمس پیرزادہ
مفتی جمیل احمد نذیری
مفتی محبوب علی وجیہی
مولانا حبیب اللہ قاسمی
مفتی شکیل احمد سیتاپوری
مولانا مفتی محمد حنیف
مولانا شیر علی
مولانا ایوب ندوی
مولانا عبد القیوم پالنپوری
مفتی عبد الرحیم قاسمی
ڈاکٹر قدرت اللہ باقوی
مولانا محمد مصطفی قاسمی
مولانا قمر الزماں ندوی
مولانا ابرار خاں ندوی
مولانا سمیع اللہ قاسمی
مولانا عطاء اللہ قاسمی
مولانا محمد ارشد قاسمی

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی
مفتی جنید عالم قاسمی
مولانا عبد الجلیل قاسمی
مفتی شبیر احمد قاسمی
مولانا ظفر عالم ندوی
ڈاکٹر عبد العظیم اصلاحی
مولانا ابوسفیان مفتاحی
مولانا ظفر الاسلام اعظمی
مفتی فضیل الرحمن ہلال عثمانی
مولانا سلطان احمد اصلاحی
مولانا محمد رضوان قاسمی
مولانا محمد ارشاد القاسمی
مولانا ابوبکر قاسمی
مولانا تنویر عالم قاسمی
مولانا نذر توحید مظاہری
مولانا عبد اللطیف پالنپوری
مولانا اخلاق الرحمن قاسمی
مولانا محمد نور القاسمی
مولانا ابراہیم فلاحی باردولی
مولانا محمد صدر عالم قاسمی
مولانا اسعد اللہ قاسمی

کم آمدنی کے وقف کا استبدال

سوال: بہت سے اوقاف اپنی موجودہ شکل میں کم منفعت بخش ہیں، مثلاً کسی مسجد یا مدرسہ پر کوئی مکان وقف ہے، جو محلہ کے اندر واقع ہے، اس کا معمولی کرایہ ملتا ہے، جس سے مسجد یا مدرسہ کی ضرورتیں پوری نہیں ہوتیں۔ اور اس کو فروخت کر کے کسی تجارتی مقام پر کوئی دوکان خرید لی جائے تو اس سے حاصل ہونے والی آمدنی مکان موقوف کی آمدنی سے کئی گنا زیادہ ہوگی۔ کیا ایسا کیا جا سکتا ہے کہ مکان موقوفہ کو فروخت کر کے ایسی کوئی بھی شکل اختیار کی جائے جس میں وقف کی آمدنی زیادہ ہو جائے؟

جوابات

اس کو عموماً پسند نہیں کیا گیا ہے، اور یہی رائے مناسب ہے، اس لئے کہ ہر مرحلہ میں وسعت ہونے پر حدود کا لحاظ بالکل باقی نہیں رہ جائے گا، اس لئے ضرورت کے مواقع میں بھی تبادلہ کی اجازت پابندی کے ساتھ دی گئی ہے۔

پھر یہ کہ مقصد آمدنی کا بڑھانا ہے، اور صورت حال یہ ہے کہ عموماً وقف کے مکانات کا کرایہ بہت معمولی چل رہا ہے، لوگ سالہا سال نہیں دسیوں سال اور پشتہا پشت سے قابض ہوتے ہیں اور بہت معمولی کرایہ ادا کرتے ہیں، جب کہ وقف کا ضابطہ یہ ہے کہ اجرت مثل پر یعنی رواتی اجرت جو ہوتی ہو اس پر معاملہ ہونا چاہئے، اسی لئے وقف کی زمین کو طویل عرصہ تک کے لئے کرایہ پر دینے سے منع کیا گیا ہے، اس لئے تبادلہ کے بجائے صحیح حال پر لانے کی سعی و کوشش کرنی چاہئے، اور اگر واقعۃً مسجد کی ضرورت سے زیادہ ہے اور موجودہ وقف کی آمدنی سے کسی طرح اس کی تکمیل نہیں ہو سکتی تو احسن کے ساتھ تبادلہ کو سوچا جا سکتا ہے، جیسا کہ بعض فقہاء کی رائے ہے۔ یہ ضرورت کی وجہ سے ضعیف روایت پر عمل کے تحت قرار دیا جا سکتا ہے۔ بلکہ ضرورت پوراہ ہونے کی بناء پر یہ جواز استبدال کی معروف و متفق علیہ صورتوں میں داخل ہے۔

مولانا عبید اللہ اسعدی

کم آمدنی کے وقف کا استبدال:

کم آمدنی کے حامل وقف کو فروخت کر کے زیادہ آمدنی دینے والے متبادل وقف کا حصول کے سلسلے میں مشائخ احناف کا اختلاف ہے، اور علامہ شامی نے اس پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے، ابن ہمام کا خیال ہے کہ جو وقف قابل انتفاع ہو زیادہ نفع کے لئے اس کا استبدال درست نہیں، شارح اشباہ علامہ البیری نے اسی کو حق و صواب قرار دیا ہے، اور اسی پر صدر الشریعہ کا فتوی ہے، امام ابو یوسفؒ کے نزدیک یہ صورت درست ہے، اور بعض اہل علم نے اسی پر فتوی دیا ہے (دیکھئے: رد المحتار ۹/۵۸۹)

لیکن اگر فقہاء کی عبارت میں غواصی کی جائے اور عبارتوں کی تہہ میں اتر کر ان کے مقصد ومنشا کو سمجھا جائے تو محسوس ہوگا کہ ہر دو رائے کے حاملین نے مصالح وقف کو ملحوظ رکھا ہے، جن حضرات نے زیادہ آمدنی کے لئے استبدال کی اجازت دی ہے، ان کا نقطۂ نظر تو واضح ہی ہے کہ اس صورت میں وقف کا مفاد ہے، اور جن حضرات نے منع کیا ہے انہوں نے بچشم سر اس حقیقت کا مشاہدہ کیا کہ خدا ناترس قضاۃ اور حکام نے اس کو وقف کی جائدادوں میں خرد برد اور تغلب کے لئے ایک حیلہ بنالیا ہے، اسی لئے ان حضرات نے ممانعت فرمائی کہ کم نفع آور صحیح وقف باقی تو رہے گا، ورنہ اندیشہ یہ ہے کہ سرے سے وقف ہی کا وجود باقی نہ رہے، اسی لئے شامی نے صدر الشریعہ کا قول نقل کیا ہے:

نحن لا نفتي به وقد شاهدنا في الاستبدال مالا يعد ولا يحصى فإن ظلمة القضاة جعلوه حيلة لإبطال أوقاف المسلمين (ردالمحتار ۶؍۵۸۹-۵۸۸)

لہٰذا یہ مصالح پر موقوف ہے، اگر کوئی دیانتدار ادارہ اس کا ذمہ دار ہو تو ضرور اس کی گنجائش ہے، لیکن اگر حکومت کے وقف بورڈ کو اس کی اجازت دے دی جائے تو غالباً وہی کچھ ہوگا جس کا صدر الشریعہ نے رونا رویا ہے، بلکہ اس سے بڑھ کر دوسرے فقہاء کا رجحان عام طور پر اس کے جائز نہ ہونے کی طرف ہے، علامہ شمس الدین دسوقی مالکی رقمطراز ہیں:

(لا عقار) حبس من دور و حوانيت و حوائط و ربع فلا يباع ليستبدل به غيره (حاشية الدسوقي ۴؍۹۱)

فقہاء حنابلہ میں ابن قدامہ کا بیان ہے:

إن لم تتعطل مصلحة الوقف بالكلية لكن قلت و كان غيره أنفع منه و أكثر رد على أهل الوقف لم يجز بيعه (المغني ۵؍۳۶۹)

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی

اوقاف کو کم منفعت بخش ہونے کی وجہ سے فروخت نہیں کیا جاسکتا۔

مولانا عتیق احمد قاسمی

وقف شدہ مکان کو فروخت کرنا:

اس سے قبل گذر چکا ہے کہ استبدال کی تیسری صورت میں جب کہ شئی موقوف قابل انتفاع ہے لیکن کم منفعت بخش ہے، اس کو زیادہ نفع آور بنانے کے لئے دوسری نفع آور شئی سے اس کا تبادلہ امام ابو یوسفؒ کے نزدیک جائز ہے۔ اور امام صاحبؒ کے نزدیک ناجائز۔ یہ اختلاف اراضی وقف کے سلسلہ میں ہے، مکان کے سلسلہ میں نہیں ہے۔ ایسی صورت میں موقوفہ مکان کا تبادلہ بالاتفاق جائز نہیں ہے۔ لہٰذا مذکورہ صورت میں جو مکان کسی مسجد یا مدرسہ پر وقف ہو، اس کا تبادلہ کسی دوکان سے جو کسی تجارتی مقام پر ہو جائز نہیں ہے، اگرچہ اس سے معمولی کرایہ آتا ہو، جس سے مسجد یا مدرسہ کی ضرورتیں پوری نہ ہوتی ہوں۔

"إن الخلاف في الثالث إنما هو في الأرض إذا ضعفت عن الاستغلال بخلاف الدار إذا ضعفت بخراب بعضها ولم تذهب أصلا فإنه لا يجوز حينئذ الاستبدال على كل الأقوال قال ولا يمكن قياسها على الأرض فإن الأرض إذا ضعفت لا يرغب غالبا في استئجارها بل في شرائها أما الدار فيرغب في استئجارها مدة طويلة لأجل تعميرها للسكنى" (ردالمحتار ۳/ ۳۸۷)

مفتی جنید عالم ندوی قاسمی

جو اوقاف اپنی موجودہ شکل وحالت میں قابل انتفاع ہیں مگر ان کی منفعت کم ہو چکی ہے اور آمدنی اتنی قلیل ہوتی ہے کہ موقوف علیہم کی ضروریات کی تکمیل بھی نہیں ہو پاتی، اور اس کے متعلق یہ اندازہ و توقع ہو کہ اگر اسے فروخت کرکے اس کا متبادل دوسرا وقف حاصل کیا جائے تو اس سے آمدنی بہت بڑھ جائے گی اور پھر موقوف علیہم کی ساری ضرورتیں فراخت وسہولت سے پوری ہوتی رہیں گی، تو ایسی صورت میں ان اوقاف کے تبادلہ وبیع کی اجازت ہوگی؟ تو اس کا جواب کتب فقہ میں اصح اور مختار قول کے مطابق نفی میں مذکور ہے:

لكن فيه نفع في الجملة و بدله خير منه ريعا و نفعاً لا يجوز استبداله على الاصح (شامی ۳/ ۳۸۷)

لیکن صاحب درمختار نے لکھا ہے کہ ایسے مسائل جن میں علماء کا اختلاف ہے ان میں ایسے قول پر فتویٰ دیا جانا چاہئے جو وقف کے لئے مفید تر ہو، یفتی بکل ماهو انفع للوقف فيما اختلف العلماء فيه (درمختار علی ہامش ردالمحتار ۳/ ۴۰۱)

اور اس کی روشنی میں علامہ شامی نے ایک سے زائد مسائل کا تذکرہ کرتے ہوئے مرجوح قول پر فتویٰ دیا جانا نقل کیا ہے اور آخر میں اسی صورت مسئولہ کا ذکر کیا ہے اور اس کا جواب بھی جائز ہی لکھا ہے "منها عدم استبدال ما قل ريعه" (شامی ۳/ ۴۰۱)

اس لئے اگر واقعتاً مکان موقوف کی آمدنی کمتر ہو اور ضروریات کے لئے ناکافی ہو تو متولی یا قاضی اسے فروخت کرکے زائد آمدنی والا دوسرا مکان وغیرہ خرید کر متبادل وقف قائم کرسکتے ہیں۔

مولانا زبیر احمد قاسمی

اراضی کا تبادلہ دوسری اراضی سے زیادہ نفع حاصل کرنے کے لئے جائز ہے یا نہیں، یہ مختلف فیہ ہے اکثر فقہاء نے اجازت نہیں دی ہے۔ امام ابویوسفؒ اور ایک روایت کے مطابق امام محمدؒ جواز کے قائل ہیں، لیکن اگر وقف کا مکان بالکل ناقابل انتفاع نہ ہو صرف آمدنی کم ہوجائے تو زیادہ آمدنی کے لئے اس کا تبادلہ صحیح نہیں ہے۔

ان الخلاف في الثالث إنما هو في الأرض إذا ضعفت عن الاستغلال بخلاف الدار إذا ضعفت بخراب بعضها ولم تذهب أصلا فإنه لا يجوز حينئذ الاستبدال على كل الأقوال (ردالمحتار ۳/ ۳۸۷)

البتہ اگر مکان ناقابل انتفاع ہو تو اسکا تبادلہ کیا جا سکتا ہے بشرطیکہ دوسرا مکان اسی محلہ میں ہو یا اس سے اچھے محلہ میں ہو صرف آمدنی کا زائد ہونا جواز تبادلہ کے لئے کافی نہیں ہوگا۔

وفي القنية مبادلة دار الوقف بدار أخرى إنما يجوز إذا كانتا في محلة واحدة أو محلة أخرى خيرا وبالعكس لايجوز وإن كانت المملوكة أكثر مساحة وقيمة وأجرة لاحتمال خرابها في أدون المحلتين لدناءتها، وقلة الرغبة فيها (رد المحتار ۳۸۸/۳)

مولانا عبد الجلیل قاسمی

اوقاف کی تبدیلی و فروختگی:

اوقاف کی جائدادوں کی بہتری اور منشاء واقف کی صوری یا معنوی تکمیل کے لئے ان کی تبدیلی یا فروختگی کی ضرورت محسوس ہوتی ہے، اس بارے میں فقہاء کرام نے بنیادی طور پر اوقاف کے بارے میں اس بنیادی اصول کو پیش نظر رکھا ہے کہ وقف کو برقرار رکھا جائے، اور اس کی بربادی یا ناجائز قبضہ رکھا جانے کی صورتوں پر بند لگاتے ہوئے جن قیود و شرائط کے ساتھ اجازت دی ہے اس کا خلاصہ حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمی صاحب نے تحریر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اراضی وقف کے تبادلہ کا مسئلہ ان چند اہم مسائل میں سے ہے جن کی اہمیت ہر دور میں رہی ہے۔ مسئلہ کی تین صورتیں ہیں:

پہلی صورت وہ ہے جسمیں واقف نے خود وقف کرتے وقت اس کی صراحت کردی ہو کہ اسے یا اسکے قائم مقام متولیان کو اراضی وقف کے تبادلہ کا حق ہوگا۔

دوسری صورت یہ ہے کہ واقف نے ایسی کوئی صراحت نہیں کی ہے، اور اس باب میں وقف نامہ خاموش ہے یا اسکی صراحت موجود ہے کہ واقف خود یا کوئی اور ان اراضی وقف کا تبادلہ نہیں کر سکتا، پھر اس کی دو صورتیں ہیں، یا تو ان اراضی وقف سے بالکلیہ کسی طرح کی آمدنی اور نفع حاصل نہ ہو سکتا ہو یا تھوڑی بہت آمدنی ہو بھی تو اس آمدنی کے حاصل کرنے پر ہونے والے اخراجات آمدنی سے زائد ہوں، اور دوسری صورت یہ ہے کہ اس جائداد سے کچھ نہ کچھ آمدنی تو حاصل ہوتی ہے، لیکن اگر اس کا تبادلہ کر دیا جائے تو زیادہ آمدنی حاصل ہونے کی توقع ہے۔

پہلی صورت میں جب کہ واقف نے خود تبادلہ کا اختیار اپنے لئے یا دوسروں کے لئے رکھا ہو اور اراضی وقف سے آمدنی حاصل نہیں ہوتی ہو تو اس اراضی کا تبادلہ کر کے دوسری اراضی حاصل کرنا جس سے وقف کو فائدہ پہنچے جائز ہے۔

دوسری صورت میں اگر بالکلیہ اراضی وقف آمدنی سے محروم ہے یا خرچ آمد سے زائد ہے تو اگرچہ واقف نے اسکے تبادلہ کی اجازت نہیں دی ہو یا تبادلہ پر روک لگائی ہو، لیکن قاضی مصلحت وقف کو دیکھتے ہوئے تبادلہ کی اجازت دے سکتا ہے۔

اور تیسری صورت میں جب کہ اراضی وقف بالکل بے مصرف نہیں ہیں محض آمدنی کے اضافہ کے لئے تبادلہ چاہا جائے تو قول اصح اور مختار یہی ہے کہ ایسی صورت میں اضافہ آمدنی کی خاطر اراضی وقف کے تبادلہ کی اجازت نہیں

ضرورت نہیں، اس سے بڑی ضرورت وقف کی حفاظت اور اسکو اہل ہوس کی دست برد سے بچانا ہے۔

مولانا انیس الرحمن قاسمی

زیادہ منفعت کے لئے تبادل:

اگر وقف کی موجودہ شکل میں منفعت تو ہے مگر بہت معمولی مقدار میں ہے جس سے مسجد یا مدرسہ کی ضرورت پوری نہیں ہوتی ہے، اور اگر اس کو فروخت کر کے دوسری زمین یا مکان دوسری جگہ لے لیا جائے تو منفعت زیادہ ہو سکتی ہے جس سے ضروریات با آسانی پوری ہو سکتی ہیں تو کیا ایسی صورت میں زیادہ منفعت کے حصول کے لئے استبدال جائز ہو سکتا ہے؟

تو اس کا جواب یہ ہے کہ اگر وقف کی اراضی عمارتی شکل میں نہیں ہے بلکہ صرف سادی زمین ہے تو قول ضعیف کے مطابق انفع عوض میں تبدیلی جائز ہے۔ مگر قول راجح اور قول مفتی بہ کے مطابق انفع کے عوض میں بھی تبادلہ جائز نہیں ہے، اس لئے کہ غرض واقف کو حتی الامکان باقی رکھنا لازم ہوتا ہے اور جو وقف کم منفعت کے ساتھ اپنی جگہ باقی رہ سکتا ہے اس میں تبادلہ جائز نہیں ہوگا، اور اگر عمارتی شکل میں مکان یا دوکان وغیرہ ہے اور اس کی کچھ منفعت بھی باقی ہے تو بالاتفاق تبادلہ جائز نہیں ہے، اس کو حضرات فقہاء نے اس طرح کے الفاظ سے نقل فرمایا ہے:

والثالث أن لا يشترط أيضا ولكن فيه نفع في الجملة و بدله خير منه ريعا و نفعا وهذا لا يجوز استبداله على الأصح المختار (قوله) ان الخلاف في الثالث انما هو في الأرض إذا ضعفت عن الاستغلال بخلاف الدار إذا ضعفت بخراب بعضها ولم تذهب أصلا فانه لا يجوز حينئذ الاستبدال على كل الأقوال (شامی زکریا دیوبند ۶/۵۸۴)

اور تیسری صورت یہ ہے کہ واقف نے کوئی شرط نہیں لگائی لیکن شئی موقوف میں فی الجملہ نفع ہے اور تبادلہ میں زیادہ فائدہ اور زیادہ نفع ہے تو بھی صحیح اور مفتی بہ قول کے مطابق اس کا تبادلہ جائز نہیں ہے، اور بے شک تیسری صورت کا یہ اختلاف صرف زمین کے بارے میں ہے کہ جب آمدنی اس کی کمزور ہو جائے برخلاف دوکان و مکان (عمارت) کے جب کہ اس کے بعض حصہ کے خراب ہونے کی وجہ سے آمدنی کمزور ہو گئی ہے اور کلی طور پر منفعت ختم نہیں ہوئی تو اس وقت بالکل تمام اقوال پر تبادلہ جائز نہیں ہے۔

مفتی شبیر احمد قاسمی

وقف کردہ مکان کی فروختگی:

اگر شئی موقوف قابل انتفاع ہو مگر اس کی منفعت کم ہو تو ایسی صورت میں اس وقف کو زیادہ نفع بخش اور مفید بنانے کے لئے دوسری نفع بخش چیز کے ذریعہ اس کا تبادلہ درست ہوگا یا نہیں؟ اس سلسلہ میں ائمہ احناف میں سے امام ابو یوسف جواز کے قائل ہیں، فقیہ ہلال اور دیگر ائمہ اس کے عدم جواز کے قائل ہیں، امام ابو حنیفہ کی بھی یہی رائے ہے۔ واضح رہے کہ یہ اختلاف اراضی موقوفہ کے استبدال کی صورت میں ہے، مکان کے سلسلہ میں نہیں ہے، بعض نفع بخش

بنانے کے لئے مکان موقوف کا تبادلہ بالاتفاق جائز نہیں ہے، لہذا صورت مذکورہ میں کسی مسجد یا مدرسہ پر موقوف مکان کا تبادلہ ایسی دکان یا مکان سے جو کسی تجارتی یا مرکزی مقام پر واقع ہو جائز نہیں ہوگا، اگرچہ موقوفہ مکان سے معمولی کرایہ آتا ہو جس سے مسجد یا مدرسہ کی ضروریات پوری نہ ہوتی ہوں۔

علامہ ابن عابدین شامی نے ارض موقوفہ اور مکان موقوف کے استبدال کے مابین فرق کرتے ہوئے تحریر کیا ہے:

"ان الخلاف في الثالث إنما هو في الأرض إذا ضعفت عن الاستغلال بخلاف الدار إذا ضعفت بخراب بعضها ولم تذهب أصلا فإنه لا يجوز حينئذ الاستبدال على كل الأقوال قال ولا يمكن قياسها على الأرض فإن الأرض إذا ضعفت لا يرغب غالبا في استئجارها مدة طويلة لأجل تعميرها للسكنى" (ردالمحتار ۶/ ۵۹۳)

مولانا ظفر عالم ندوی

اگر کسی وقف کا مکان یا دوکان کم نفع بخش ہو اسکو فروخت کرکے زیادہ نفع بخش مکان یا دوکان خریدنا تاکہ وقف کی آمدنی زیادہ ہو جائے، اسکے جواز وعدم جواز کے سلسلہ میں فقہاء کے درمیان کافی اختلاف رہا ہے، عام طور پر فقہاء کی رائے عدم جواز کی ہے۔ علامہ ابن ہمامؒ نے عدم جواز کے پہلو کو ترجیح دی ہے، فتح القدیر میں وضاحت کی ہے:

ينبغي أن لايجوز (اي الاستبدال في حال وجود غلة) لأن الواجب إبقاء الوقف على ما كان عليه دون زيادة أخرى (فتح القدیر ۵/ ۴۲۹)

علامہ ابن عابدین شامیؒ نے مزید وضاحت کرتے ہوئے زمین کے استبدال کو جائز تو قرار دیا ہے لیکن مکان کے استبدال کو ناجائز ہی قرار دیا ہے، موصوف فرماتے ہیں:

"ان الخلاف في الثالث إنما هو في الأرض إذا ضعفت عن الاستغلال بخلاف الدار إذا ضعفت بخراب بعضها ولم تذهب أصلا فإنه لا يجوز حينئذ الاستبدال على كل الأقوال"

مزید تشریح کرتے ہوئے آگے تحریر فرماتے ہیں:

ولا يمكن قياسها على الأرض فإن الأرض إذا ضعفت لا يرغب غالبا في استئجارها بل في شرائها أما الدار فيرغب في استئجارها مدة طويلة لأجل تعميرها للسكنى (ردالمحتار ۳/ ۳۸۵، المبسوط للسرخسی ۱۲/ ۴۲)

علامہ شامیؒ نے زمین اور مکان کے سلسلہ میں جو فرق کیا ہے اور جو بنیاد بتائی ہے وہ یہ ہے کہ مکان کا استبدال اس لئے درست نہیں ہے کہ مکان قابل رہائش ہونے کی وجہ سے خواہ جہاں بھی ہو لوگوں کو کرایہ پر لینے میں رغبت رہتی ہے۔ لیکن اگر موجودہ دور میں مکان کے کرایہ کے سلسلہ میں عام لوگوں کا جو رجحان ہے وہ دیہات میں نہیں بلکہ شہر میں ہے، بلکہ دیکھا یہی جاتا ہے کہ موجودہ دور میں دیہات میں رہائش کے لئے مکان کرایہ پر لینے کا رواج ہی نہیں ہے، اس جائزہ سے یہ معلوم ہوا کہ فی زمانہ دیہات میں مکان کے بجائے زمین ہی کے سلسلہ میں عام لوگوں کی

رغبت زیادہ ہوتی ہے، اس لئے رغبت والی بنیاد فی زمانہ بہت کمزور ہو جاتی ہے، لہذا ناچیز کی رائے ہے کہ کم نفع بخش مکان جو دیہات میں ہو اسے فروخت کر کے اگر شہر میں زیادہ نفع بخش مکان دستیاب ہو تو اس کے خریدنے میں کوئی حرج نہیں ہے، امام ابو یوسف کی رائے ہے کہ یہ انفع للواقف بھی ہے اور مقاصد وقف کے منافی بھی نہیں ہے۔

ذخیرہ میں صراحت ہے:

روی عن أبی یوسف أنه قال: لا بأس باستبدال الوقف لما روی عن علی ابن طالبؓ انه وقف علی الحسن والحسین فلما خرج إلی صفین قال: إن نابت بهم الدار فیبعوها واقسمو ثمنها بینهم ولم یکن شرط البیع فی أصل الوقف (الذخیرہ بحوالہ محاضرات فی الوقف ابی زہرۃ ۱۶۴)

امام ابوزہرہؒ نے صراحت کی ہے کہ فتویٰ قدیم زمانہ ہی سے اس صورت میں بھی جواز استبدال ہی کا رہا ہے:

"والفتوی من قدیم الزمان علی جواز الاستبدال فی هذه الحال کسابقتها وعلیه العمل فی المحاکم العربیة، إن استثنینا البلاد السعودیة فإن العمل فیها علی مقتضی المذهب الحنبلی، وإن الاستبدال فیه مصلحة ظاهرة" (محاضرات فی الوقف ابی زہرۃ ۱۶۵)

مذکورہ بحث کا حاصل یہ ہے کہ ناچیز کے نزدیک فی زمانہ وہ مکان یا دوکان جو کم نفع بخش ہو اسے فروخت کر کے زیادہ نفع بخش مکان خریدنا درست ہے اور مصلحت وقف کے موافق ہے۔

مفتی نسیم احمد قاسمی

ایسی صورت میں مکان فروخت کر کے دوکان خرید لینے کی گنجائش ہے، کیونکہ موجودہ آمدنی وقف کے لئے ناکافی ہو رہی ہے۔ لیکن یہ صورت اختیار کرنے سے پہلے اس بات کی طرف سے اچھی طرح اطمینان کر لینا ضروری ہے کہ دوکان مستقل طور سے وقف رہے گی۔

مولانا شمس پیرزادہ

اگر موقوفہ جائداد بصورت موجودہ نفع بخش نہ رہی ہو یا جس کی منفعت بہت گھٹ گئی ہو تو اس کو اس سے بہتر جائداد میں بدلنا جائز ہوگا کیونکہ قدیم شکل میں باقی رکھنے کی صورت میں واقف کا مقصد اچھی طرح پورا نہیں ہو رہا ہے۔

مولانا عبد العظیم اصلاحی

اگر واقف نے وقف نامہ میں اس کی اجازت دی ہو تو جواز میں کوئی شبہ نہیں، لیکن اگر اجازت نہ دی ہو تو اس صورت میں اس کا جواز مختلف فیہ ہے۔

علامہ ابن عابدین شامیؒ نے عدم استبدال کو اصح اور مختار قرار دیا ہے:

والثالث أن لا یشرطه أیضاً ولکن فیه نفع فی الجملة وبدله خیر منه ریعاً ونفعاً وهذا لا یجوز استبداله علی الأصح المختار (رد المحتار ۳/۴۲۴)

استبدال کی تیسری صورت یہ ہے کہ واقف نے شرط نہیں لگائی لیکن استبدال میں فی الجملہ نفع ہے اور اس کا بدل اس سے آمدنی اور نفع میں بہتر ہے، یہ استبدال اصح اور مختار مذہب کے مطابق جائز نہیں۔

علامہ شامی، علامہ حصکفیؒ کی درج ذیل عبارت "لا یجوز استبدال العامر إلا فی أربع" کے تحت لکھتے ہیں:

الاولی لو شرطه الواقف، الثانیة إذا غصبه غاصب و أجری علیه الماء حتی صار بحراً فیضمن القیمة و یشتری المتولی بها أرضاً بدلا، الثالثة أن یجحده الغاصب ولا بینة ای و أراد دفع القیمة فللمتولی أخذها ویشتری بها بدلا، الرابعة أن یرغب إنسان فیه ببدل أکثر غلة و أحسن صقعاً فیجوز علی قول أبی یوسف و علیه الفتوی کما فی فتاوی قاری الهدایة (رد المحتار ۴۲۶/۳)

پہلی صورت یہ ہے کہ واقف نے خود شرط لگائی تھی، دوسری صورت یہ ہے کہ کسی غاصب نے اسے غصب کر کے اس پر پانی چلا دیا اور وہ دریا بن گیا، لہذا غاصب قیمت کا ضامن ہوگا اور متولی اس سے اس کے بدلے میں کوئی زمین خریدے گا، تیسری صورت یہ ہے کہ غاصب غصب کا انکار کرے اور گواہ بھی نہ ہوں، لیکن غاصب قیمت دینا چاہے لہذا اس صورت میں بھی متولی قیمت سے زمین خریدے گا، چوتھی صورت یہ ہے کہ کوئی شخص اس وقف میں ایسے بدل کے ذریعہ رغبت رکھے جس کا حاصل بھی زیادہ ہو اور علاقہ وخطہ بھی پہلے سے اچھا ہو لہذا ایسی صورت میں امام ابو یوسفؒ کے قول پر استبدال جائز ہے اور اسی پر فتوی ہے، جیسا کہ فتاوی قاری الہدایہ میں ہے۔

امام ابن ہمام لکھتے ہیں:

والحاصل أن الاستبدال إما عن شرطه الاستبدال وهو مسئلة الکتاب أو لا عن شرطه فإن کان لخروج الوقف عن انتفاع الموقوف علیهم فینبغی أن لا یختلف فیه کالصورتین المذکورتین لقاضی خان وإن کان لا لذلک بل اتفق انه أمکن أن یؤخذ بثمن الوقف ما هو خیر منه مع کونه منتفعاً به فینبغی أن لا یجوز لأن الواجب إبقاء الوقف علی ما کان علیه دون زیادة أخری ولأنه لاموجب لتجویزه لأن الموجب فی الأول الشرط وفی الثانی الضرورة ولا ضرورة فی هذا إذ لا تجب الزیادة فیه بل تبقیه کما کان (فتح القدیر ۴۴۰/۵)

خلاصہ یہ ہے کہ استبدال یا تو واقف کے استبدال کی شرط لگانے کی وجہ سے ہوگا، یہی مسئلہ ہدایہ میں مذکور ہے، یا پھر اس کی شرط کے بغیر ہوگا، پس اگر وقف موقوف علیہم کے انتفاع سے نکل چکا ہو تو مناسب یہ ہے کہ اس میں اختلاف نہ کیا جائے جیسے وہ دو صورتیں جو فتاوی قاضی خاں میں ذکر ہوئی ہیں، لیکن اگر ایسا نہ ہو بلکہ ایسا اتفاق پڑا ہو کہ وقف کے ثمن سے وقف سے بہتر جائداد لی جا سکتی ہو، جب کہ وقف بھی قابل انتفاع ہو تو مناسب یہ ہے کہ یہ صورت جائز نہ ہو اس لئے کہ واجب وقف کا اصل حال باقی رکھنا ہے، جائز قرار دینے کا موجب نہیں اس لئے کہ پہلی صورت میں

موجب شرط واقف تھی، دوسری صورت میں ضرورت تھی، اس تیسری صورت میں ضروری بھی نہیں کیوں کہ وقف میں زیادتی واجب بلکہ اس کو جس طرح تھا اسی طرح باقی رکھنا واجب ہے۔

قاری الہدایہ کے حوالہ سے جو جواز کا فتوی نقل ہوا ہے وہ عام محققین کے نزدیک احتیاط کے خلاف ہے، چنانچہ خود علامہ شامی ایک جگہ لکھتے ہیں:

ما افتی بہ قاری الھدایۃ من جواز الاستبدال اذا کان للوقف ریع مخالف لما مر فی الشروط من الشراط خروجہ عن الانتفاع بالکلیۃ (ردالمحتار ۳/۴۲۶)

وقف کی آمدنی کے باوجود استبدال کے جواز کا قاری الہدایہ نے جو فتوی دیا ہے وہ ان شرطوں کے مخالف ہے جو گزریں، یعنی یہ شرط کہ استبدال اس وقت جائز ہے جب وقف بالکلیہ انتفاع سے نکل جائے۔

ایک اور جگہ اس قول، کہ صاحب علم وعمل قاضی کو اس کی اجازت ہے، پر صاحب نہر کا رد یوں نقل کرتے ہیں:

ولعمری ان ھذا اعز من الکبریت الاحمر وما اراہ الا لفظاً یذکر فالاحری فیہ السد خوفاً من مجاوزۃ الحد واللہ سائل کل انسان (ردالمحتار ۳/۴۲۷)

میری زندگی کی قسم! یہ کبریت احمر سے بھی زیادہ دشوار ہے، میرا خیال یہ ہے کہ یہ محض ایک لفظ ہے جس کا ذکر کردیا جاتا ہے (ورنہ صاحب علم وعمل قاضی ملتے کہاں ہیں؟) پس زیادہ لائق ومناسب یہ ہے کہ اس طرح کا فتوی نہ دیا جائے حدود الہی کے تجاوز کے خوف سے، اور اللہ ہر ایک سے سوال کرنے والا ہے۔

دوسری جگہ علامہ بیری کا قول نقل کرتے ہیں:

اقول ما قالہ ھذا المحقق ھو الحق الصواب (ردالمحتار ۳/۴۲۶)

میں یہ کہتا ہوں اس محقق (امام ابن ہمام) نے جو کہا ہے وہ حق اور درست ہے۔

یہی بات علامہ قاسم سے بھی (ردالمحتار ۳/۴۲۳) پر نقل کی ہے:

خلاصہ یہ ہے کہ مسئلہ بڑا نازک ہے محتاط طریقے سے گنجائش نظر آتی ہے، لیکن سداً للذرائع جواز کا عام فتوی نہیں دیا جاسکتا، جس کو ضرورت پیش آئے وہ اصحاب افتاء سے رجوع کرے، حالات بتائے، جو فتوی ملے اس پر عمل کرے۔

مولانا جمیل احمد نذیری

صورت مسئولہ میں جو اوقاف اپنی موجودہ شکل میں کم منفعت بخش ہیں، مثلاً کسی مسجد یا مدرسہ پر کوئی مکان وقف ہے الخ، یہ مکان جو مسجد یا مدرسہ پر وقف ہے وہ ان کی ضرورت پوری کرنے کے لئے ہے، اور اس وقف کی ضرورتیں پوری نہیں ہو پاتیں، اور واقف نے وقف نامہ میں یہ اجازت دے رکھی ہے کہ ضرورت پوری کرنے کے لئے جو چاہیں کرلیں، اور واقف کی شرط پر عمل کرنا واجب ہے، اور اس کے مقصد کی رعایت کرنا بھی لازم ہے، لہذا ایسے وقف کو فروخت کرکے کسی تجارتی مقام پر کوئی دکان خریدلی جائے کہ اس سے حاصل ہونے والی آمدنی مکان موقوف کی

آمدنی سے کئی گنا زیادہ ہوگی تو مسجد کو فروخت کر کے اس کے تبادلہ میں کوئی ایسی شکل اختیار کرنا جس میں وقف کی زیادہ آمدنی ہو جائے اور ضرورتیں پوری ہو جائیں، جائز ہے۔

چنانچہ علامہ شامی لکھتے ہیں:

اعلم أن الاستبدال على ثلاثة وجوه: الأول أن يشرطه الواقف لنفسه أو لغيره فالاستبدال فيه جائز على الصحيح، وقيل اتفاقا. والثاني أن لا يشرطه الواقف سواء شرط عدمه أو سكت لكن صار بحيث لا ينتفع به بالكلية بأن لا يحصل منه شيء أصلاً أو لا يفي بمؤنته فهو أيضا جائز على الأصح إذا كان بإذن القاضي ورأيه المصلحة فيه. والثالث أن لا يشرطه أيضا ولكن فيه نفع في الجملة وبدله خير منه ريعا ونفعا وهذا لا يجوز استبداله على الأصح.

اس کا حاصل یہ ہے کہ تبادلہ کی تین صورتیں ہیں: (۱) واقف نے تبادلہ کی شرط اپنے لئے یا اپنے غیر کے لئے لگائی ہے تو یہ جائز ہے، (۲) واقف نے عدم کی شرط لگائی ہے یا سکوت اختیار کیا لیکن وہ وقف بالکل قابل انتفاع نہیں ہے، اس طرح کہ اس وقف سے کچھ نفع نہیں ہو رہا ہے یا اس کی ضرورت کم حاصل ہو رہا ہے تو قاضی کی اجازت سے یا بربنائے مصلحت اس کا تبادلہ جائز ہے تو ہمارا مسئلہ گویا اسی دوسری صورت کی قبیل سے ہے، لہٰذا حکومت قاضی کی اجازت سے یا مصلحت کی بنا پر فروخت کر کے اس کے تبادلہ میں تجارتی مقام پر دکان خریدی جا سکتی ہے۔

شامی (۳/۴۲۲) میں ہے

وفي القنية: مبادلة دار الوقف بدار أخرى إنما يجوز إذا كانتا في محلة واحدة أو محلة الأخرى خيرا.

یعنی ایک مکان موقوف کا تبادلہ دوسرے مکان سے جب کہ اس میں خیر و بھلائی ہو تو جائز ہے، چاہے دونوں ایک ہی محلہ میں ہوں یا دوسرا دوسرے محلہ میں ہو، اور ظاہر ہے کہ زیر بحث مسئلہ میں اس کو فروخت کر کے تبادلہ میں دکان لینے میں خیر ہی مقصد ہے لہٰذا جائز ہے۔

فلو استبدل الحانوت بأرض تزرع ويحصل منها غلة قدر أجرة الحانوت كان أحسن لأن الأرض أدوم وأبقى وأغنى عن كلفة الترميم والتعمير.

وقف دکان کے بدلے میں زمین خرید لینا بہتر ہے لیکن ہمارے عہد میں زمین سے زیادہ مفید دکان ہے لہٰذا دکان خریدنا جائز ہے۔ واللہ اعلم۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ صورت مسئولہ میں واقف کی اجازت کے ساتھ مکان موقوف کو فروخت کر کے بدلے میں کسی تجارتی مقام پر کوئی دکان خرید لینا جائز ہے تاکہ تمام ضرورتیں بآسانی پوری ہو جائیں۔ واللہ اعلم۔

مولانا ابو سفیان مفتاحی

جب تک وقف سے نفع حاصل ہو رہا ہے اس وقت تک اس کی تبدیلی جائز نہیں ہے جیسا کہ شامی میں ہے

: والثالث أن لا يشترطه أيضا و لكن فيه نفع في الجملة وبدله خير منه ريعا ونفعا وهذا لا يجوز استبداله على الأصح المختار، كذا حرره العلامة قنالي زاده في رسالته الموضوعة في الاستبدال ـ ولكن (القول في هذا الزمان ان التبديل من الأ نفع يجوز ولو كان هذا غير الأصح عند الفقهاء) (محبوب علی عفی عنہ)

مفتي محبوب علي وجيهي

قاضی خان، نسفی وخلاصہ میں عدم جواز ہے:

وفي الخلاصة وفي فتاوى النسفي عقار المسجد لمصلحة المسجد لايجوز أن يباع وإن كان بأمر القاضي وإن كان خرابا (بحرالرائق ۲۰۶/۵)

جب کہ شمس الائمہ حلوانی نے جواز کا فتویٰ دیا ہے نیز بعضوں نے مثلاً امام ظہیر الدینؒ نے جواز کا فتویٰ دیکر رجوع فرمالیا ہے، مشائخ میں سے بعض لوگ جواز کا فتویٰ اس وقت دیتے ہیں جب کہ شی موقوف سے انتفاع بالکل ختم ہوجائے بعض کے نزدیک منفعت من کل الوجوہ معطل ہوجائے یا منفعت کم ہوجائے، بہر دو نوع استبدال جائز ہے۔ حضرت امام محمدؒ سے روایات دیکھنے کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ منفعت کی کمی کی صورت میں متولی کو اس بیع کا اختیار ہے، لیکن بتمامہا تعطل کی صورت میں خود قاضی کو اختیار ہے، صاحب قنیہ نے بھی جواز ہی کا فتویٰ دیا ہے:

" وفي القنية مبادلة دار الوقف بدار أخرى انما يجوز إذا كانتا في محلة واحدة أو تكون المحلة المملوكة خيرا من المحلة الموقوفة، وفي شرح منظومة ابن وهبان لو شرط الواقف أن لا يستبدل هل يجوز استبداله ؟ قال الطرطوسي إنه لا نقل فيه ومقتضىٰ قواعد المذهب ان للقاضي أن يستبدل إذا رأى المصلحة في الاستبدال (بحرالرائق ۲۲۳/۵)

(میرے خیال میں فقدان قضا کی صورت میں اتفاق جماعت مسلمین ضروری ہوگا)

بہرکیف صورت مسئولہ میں از دیاد منفعت کی خاطر اوقاف کو فروخت کیا جاسکتا ہے، جیسا کہ ائمہ کی عبارات مؤید ہیں: وقد روى عن محمد إذا ضعفت الأرض الموقوفة عن الاستغلال والقيم يجد بثمنها أخرى أكثر ريعا كان له أن يبيعها ويشتري بثمنها ما هو أكثر ريعا (بحرالرائق ۲۰۶/۵)

حضرت امام محمدؒ سے روایت کی گئی ہے کہ جب موقوفہ زمین میں پیداوار زیادہ نہ ہو اور متولی کو ایسی زمین مل رہی ہو جو زیادہ پیداوار والی ہے تو اسے چاہئے کہ اسے فروخت کرکے دوسری زائد پیداوار والی زمین خرید لے۔

وفي المنتقى قال هشام سمعت محمدا يقول الوقف إذا صار بحيث لا ينتفع به المساكين فللقاضي أن يبيعه ويشتري بثمنه غيره وليس ذلك إلا للقاضي (بحرالرائق ۲۰۷/۵)

نیز حضرت امام ابو یوسفؒ نے تو بدون کسی شرط کے استبدال کا فتویٰ دیا ہے:" ما في الخلاصة و في شرح الوقاية أن أبا يوسف يجوز الاستبدال في الوقف من غير شرط إذا ضعفت الأرض من

الثالث أن لا يشترطه أيضا و لكن فيه نفع في الجملة وبدله خير منه ريعا و نفعا هذا لا يجوز استبداله على الأصح المختار (شامی ۵۸۴)۔

مولانا محمد حنیف صاحب

نفع کی زیادتی کے لئے استبدال وقف کا حکم:

اوپر استبدال وقف کی تین صورتیں ذکر کی گئی ہیں، جن میں سے تیسری صورت یہی ہے کہ استبدال کی وجہ سے وقف کی آمدنی میں اضافہ ہوسکتا ہو، اس سلسلے میں اکثر علماء احناف یہی فرماتے ہیں کہ محض نفع کی زیادتی کی غرض سے متبادل وقف قائم کرنا جائز نہیں، جیسا کہ ابن عابدین رقمطراز ہیں:

ولكن فيه نفع في الجملة وبدله خير منه ريعا ونفعا وهذا لا يجوز استبداله على الاصح المختار (شامی ۶/ ۵۸۷)

لیکن اس وقف میں فی الجملہ نفع ہو اور اس کا بدل نفع و آمدنی کے اعتبار سے بہتر ہو، ایسی صورت میں صحیح تر اور مختار قول کے مطابق استبدال وقف جائز نہیں ہوگا۔

علامہ ابن نجیمؒ نے امام محمدؒ سے جواز نقل کیا ہے (البحر الرائق ۵/ ۲۲۳) مگر حقیقت یہ ہے کہ اس مسئلہ کی بابت علماء کی آراء میں خاصا اضطراب پایا جاتا ہے، بلکہ بعض فقہاء کے تو دونوں طرح کے اقوال ہیں، اس لئے اگر یہ کہا جائے کہ جواز وعدم جواز کا تعلق اپنے اپنے زمانہ اور احوال کے اعتبار سے تھا تو بے جا نہ ہوگا، جیسا کہ علامہ ابن نجیم علیہ الرحمہ تحریر فرماتے ہیں:

أن أبا يوسفؒ يجوز الاستبدال في الوقف من غير شرط إذا ضعفت الارض من الريع و نحن لا نفتي به و قد شاهدنا في الاستبدال من الفساد مالا يعد ولا يحصى الخ (البحر الرائق ۵/ ۲۲۳)

امام ابو یوسفؒ کا قول استبدال وقف کے متعلق بغیر کسی شرط کے جواز کا ہے، اگر موقوفہ زمین کی آمدنی کم ہو جائے، لیکن ہم استبدال کا فتوی نہیں دیتے، کیونکہ ہم نے استبدال وقف کی شکل میں فساد و بگاڑ کے بے شمار واقعات دیکھے ہیں۔

استبدال کے ناجائز ہونے کی علت پر ہم غور کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ وہاں استبدال کو اوقاف کی بربادی وضیاع کا باعث بنالیا جاتا تھا، جب کہ یہاں مقصد اس کے برعکس ہے اور منشاء وقف کی افادیت کو بڑھانا ہے، نہ کہ ضائع کرنا، لہذا اس صورت میں بھی استبدال کو جائز ہونا چاہئے، خود علامہ شامی نے امام ابو یوسفؒ کے قول کو اختیار کیا ہے فرماتے ہیں: " وعليه الفتوى" (رد المحتار ۶/ ۵۸۸)۔

مولانا محمد رضوان قاسمی

متولی وقف بسبب وجوہ مذکورۃ السوال ایسا کرسکتا ہے بشرطیکہ یہ تبدیلی انفع ہو اور کسی خطرہ کا اندیشہ نہ ہو۔

وفي الاشباه أيضا يجوز الاستبدال في الوقف بالأنفع له كما في شرح المجمع و حاوي القدسي

علامہ شامی تحریر فرماتے ہیں:

وفي القنية مبادلة دار الوقف بدار اخرى انما يجوز إذا كانتا في محلة واحدة او محلة اخرى خيرا وبالعكس لا يجوز (۳۸۶/۴ مطبوعہ کراچی) وان أرض الوقف لو قل ريعها فللقيم أن يبيعها ويشتري بثمنها ارضا اخرى ريعها أكثر نفعا للفقراء فيجوز الاستبدال الارض بالارض (بزازیہ بر حاشیہ علی الہندیہ ۲۵۳/۶)

مولانا شبیر علی

ضرورت کی وجہ سے کہ آمدنی کم ہے مصرف پورا نہیں ہوتا یا وقف کا نقصان ہو رہا ہے تو اس سے بہتر شکل اختیار کی جا سکتی ہے۔ اس وقف کو فروخت کر کے دوسرا حاصل کیا جا سکتا ہے یا نہیں۔ ابن نجیم بحر الرائق میں لکھتے ہیں:

ونقل عن شمس الائمة الحلواني انه يجوز للقاضي والمتولي ان يبيعه ويشتري مكانه آخر وان لم ينقطع ولكن يؤخذ بثمنه ما هو خير منه للمسجد لا يباع.

اسی طرح امام محمد سے بھی یہ منقول ہے کہ آمدنی کم ہو جائے زمین یا وقف مکان گر رہا یا پرانا ہو رہا تا قابل رغبت ہو جائے تو ایسی صورت میں اسے فروخت کر کے اس کے بدل اس سے بہتر صورت اختیار کی جا سکتی ہے تاکہ زیادہ نفع حاصل کیا جا سکے۔ ابن نجیم کی عبارت ہے:

وقد روي عن محمد إذا ضعفت الأرض الموقوفة عن الاستغلال والقيم يجد بثمنها اخرى هي أكثر ريعا كان له أن يبيعها ويشتري بثمنها ما هو أكثر ريعا (۲۲۳/۵)۔

اسی طرح ابن ہمام نے فتح القدیر میں لکھا ہے۔

إذا ضعفت الأرض عن الاستغلال ويجد القيم بثمنها أخرى هي أكثر ريعا كان له ان يبيعها ويشتري بثمنها ما هو أكثر ريعا (۲۲۱/۶)

یہی عبارت فتاوی قاضی خان میں بھی ہے۔ علامہ شامی نے بھی جواز اور ترجیح کا قول نقل کیا ہے۔ اس مسئلہ پر مفصل کلام کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

اعلم ان الاستبدال على ثلاثة وجوه. الاول أن يشرطه الواقف لنفسه او لغيره فالاستبدال فيه جائز على الصحيح وقيل اتفاقا والثاني أن لا يشرطه سواء شرط عدمه او سكت لكن صار بحيث لا ينتفع به بالكلية بأن لا يحصل منه شيء أصلا أو لا يفي بمؤنته فهو أيضا جائز على الأصح إذا كان بإذن القاضي ورأيه المصلحة فيه والثالث ان لا يشرطه أيضا ولكن فيه نفع في الجملة وبدله خير منه ريعا و نفعا وهذا لا يجوز استبداله على الاصح (۳۸۴/۴)

خلاصہ: خلاصہ یہ نکلا کہ قلت آمدنی کی وجہ سے صرفہ نہ نکل رہا ہو، ضرورتیں پوری نہ ہوتی ہوں تو فروخت بأحسن جائز ہوگا۔ محض زیادتی نفع کے لئے گنجائش نہیں جیسا کہ الثانی اور الثالث کی عبارت سے واضح ہو رہا ہے۔

علامہ شامی نے حاشیہ منحۃ الخالق میں اس کی اجازت دی ہے: **إذا ضعفت الأرض الموقوفة عن الاستغلال والقيم يجد بثمنها أخرى أكثر ريعا كان له أن يبيعها ويشتري بثمنها ما هو أكثر ريعا** (۲۲۷/۵)۔

خیال رہے کہ اس قسم کے استبدال کی اجازت کم از کم دو لابدی شرطوں کے ساتھ ہوگی (۱) روپیہ یا جائداد منقولہ کی شکل نہ ہوگی بلکہ عقار اس کا متبادل وقف حاصل کیا جائیگا۔ (۲) ہر ایک کو اجازت نہ ہوگی بلکہ صالح دیانتدار متولی کو اجازت مل سکتی ہے۔

علامہ عبدالحی فرنگی محلی نے بھی زائد انتفاع کی بنیاد پر (جب کہ اخراجات پورے نہ ہو رہے ہوں) اس سے بہتر شکل اختیار کرنے کی اجازت دی ہے۔ جیسا کہ مجموعۃ الفتاوی میں ہے:

الجواب: قاضی اگر مصلحتے در استبدال وقف داند مختار است...... در اشباہ وقی آرد...... **الرابعة أن يرغب إنسان فيه ببدل أكثر غلة وأحسن وصفا فيجوز على قول أبي يوسف وعليه الفتوى.** اس سے معلوم ہوا کہ مصلحت اور منافع کی وجہ سے قاضی اور متولی فروخت کرکے انفع صورت اختیار کر سکتا ہے۔ (قدیم مجموعۃ الفتاوی ۸۹/۳)۔

خلاصہ: انفع للوقف کے مد نظر کہ ضرورتیں اور اخراجات پورے نہیں ہوتے تو استبدال کی شرطوں کے ساتھ استبدال کی اجازت ہے۔

مولانا محمد ارشاد القاسمی

جائز نہیں۔

مولانا ایوب ندوی

کم منفعت بخش اوقاف کو فروخت کرکے کسی تجارتی مقام میں دوکان خریدنا:

اگر کسی جگہ اوقاف اپنی موجودہ شکل میں کم منفعت بخش ہیں، مثلاً کسی مسجد یا مدرسہ پر کوئی مکان وقف ہے، جو محلہ کے اندر واقع ہے، جس کا معمولی کرایہ ملتا ہے، جس سے حاصل ہونے والی آمدنی مکان موقوفہ کی آمدنی سے کئی گنا زیادہ ہوگی، مگر اس کے باوجود اس مکان موقوفہ یا مذکورہ اوقاف کو فروخت کرکے کسی دوسرے تجارتی مقام پر کوئی دوکان وغیرہ خریدنا شرعاً جائز نہیں ہے، اگرچہ اس شکل میں وقف کی آمدنی کے زیادہ ہوجانے کی امید ہی کیوں نہ ہو۔ لیکن فتاوی خانیہ اور بزازیہ میں ایک جزئیہ امام محمد علیہ الرحمہ سے منقول ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ کم منفعت والے وقف کو زیادہ منفعت والی زمین کے عوض فروخت کرنا جائز ہے۔

روى عن محمد ما هو أعلى من هذا وهو أن أرض الوقف لو قل ريعها فللقيم أن يبيعها

ويشترى بثمنها أرضا أخرى ريعها أكثر نفعا للفقراء فيجوز استبدال الأرض بالأرض (زیلعی الہدایہ ٦/٢٥٣)

مگر صحیح اور مفتی بہ قول کے مطابق کم منفعت والے اوقاف کو فروخت کرنا جائز نہیں ہے۔ چنانچہ استبدال کی تیسری صورت کے ذیل میں اس مسئلہ کی تفصیل گذر چکی ہے۔

اور حنابلہ میں بھی تحصیل المصالح اوقاف کو فروخت کرکے اس کا متبادل کثیر النفع وقف خریدنا جائز نہیں ہے، چنانچہ علامہ ابن قدامہ نے المغنی میں لکھا ہے۔

وإن لم تتعطل مصلحة الوقف بالكلية لكن قلت وكان غيره أنفع منه وأكثر ردا على أهل الوقف لم يجز بيعه لأن الأصل تحريم البيع وإنما أبيح للضرورة صيانة لمقصود الوقف عن الضياع مع إمكان تحصيله ومع الانتفاع وإن قل ما يضيع المقصود (المغنی لابن قدامہ ٦/٢٣٦)

البتہ تحصیل المصالح اراضی موقوفہ میں زیادہ نفع کے حصول کے لئے عمارت بنا کر کرایہ پر دینا جائز ہے (کفایت المفتی ٧/٢٩٥ جواب ٨٣)

ولو كانت الأرض متصلة ببيوت المصر يرغب الناس في استئجار بيوتها وتكون غلة ذلك فوق غلة الزرع والنخيل كان للقيم أن يبني فيها بيوتا فيؤاجرها (فتاوی عالمگیری ٢/٤١٢).

مولانا ابوبکر قاسمی

کسی مسجد و مدرسہ پر موقوفہ مکان و زمین جس کی آمدنی کم ہو، اس کو فروخت کرکے اس کی قیمت سے دوسرا مکان یا دوکان خریدنا جس سے آمدنی زیادہ ہو جائز نہیں ہے، البتہ موقوفہ مکان بالکل قابل انتفاع نہ ہو تو اس کو بیچ کر اس کی قیمت سے دوسرا مکان یا دوکان خرید کر وقف کردینا جائز ہے، جیسا کہ رد المحتار میں ہے:

والمعتمد أنه (الاستبدال) بلا شرط الواقف يجوز للقاضي بشرط أن يخرج عن الانتفاع بالكلية الخ (٣/٥٣٧) وفيه أيضاً: وفي الفتح والحاصل أن الاستبدال إما عن شرط الاستبدال أو لا عن شرطه، فإن كان لخروج الوقف عن انتفاع الموقوف عليهم، فينبغي أن لا يختلف فيه وإن كان لا لذلك، بل اتفق أنه أمكن أن يؤخذ بثمنه ما هو خير منه مع كونه منتفعا به، فينبغي أن لا يجوز، لأن الواجب إبقاء الوقف على ما كان عليه دون زيادة، ولأنه لا موجب لتجويزه لأن الموجب في الأول الشرط وفي الثاني الضرورة، ولا ضرورة في هذا إذ لا تجب الزيادة فيه بل تبقيه كما كان (أقول ما قاله هذا المحقق هو الحق الصواب) الخ كلام المصري (رد المحتار ٣/٥٣٩)

مولانا عبد القیوم پالنپوری

ایسے اوقاف جو اپنی موجودہ شکل میں کم منفعت بخش ہیں، اس کا معمولی کرایہ ملتا ہے جس سے مسجد یا مدرسہ کی ضرورتیں پوری نہیں ہوتیں تو کیا جائز ہے کہ اسکو فروخت کرکے کسی تجارتی مقام پر کوئی دوکان خرید لی جائے جس سے اس کی آمدنی کئی گنا زیادہ آنے لگے، اور اس سے مدرسہ یا مسجد کی ضرورتیں بھی پوری ہونے لگیں، راجح اور مختار مذہب کے مطابق ایسے اوقاف کو فروخت کرنا درست نہیں کیونکہ یہ اوقاف فی الجملہ قابل انتفاع ہے (شامی ٣/٣٨٧)

لیکن صاحب درمختار نے اس کی وضاحت فرمائی ہے کہ وہ مسائل وقف جن میں علماء کا اختلاف ہے ایسے قول پر فتوی دیا جائے جو وقف کے لئے مفید تر ہو۔

یفتی بکل ما هو انفع للوقف فیما اختلف العلماء فیه (درمختار ٣/٣٠٢)

چنانچہ علامہ شامی نے اس کی روشنی میں اس مقام پر بہت سے ایسے مسائل وقف ذکر کئے ہیں جن میں علماء کا اختلاف ہے اور مرجوح قول پر محض وقف کے فائدے کے پیش نظر فتوی دیا گیا ہے، اور ایسا ہی فتاوی بزازیہ میں ہے:

عن محمد ضعفت الموقوفة عن الاستغلال والقیم یجد بثمنها ارضا اخری اکثر ریعا له البیع وشراء ما هو اکثر منه ریعا (فتاوی بزازیہ برعالمگیری ٦/٢٧١)

مولانا تنویر عالم قاسمی

جب کہ اس کی مرمت میں روپیہ اس کی آمدنی سے زائد خرچ ہوتا ہے، اور جدید تعمیر کی گنجائش نہیں تو اس کی منفعت مفقود ہے۔ ایسی حالت میں اس کو فروخت کردیا جائے تو درست بلکہ قابل تحسین ہے، خاص کر جب کہ خرید کردہ مکان سے آمدنی نسبۃً زیادہ ہوگی (فتاوی محمودیہ ٤/٢٣٦)۔

واما الاستبدال ولو للمساکین بدون الشرط فلا یملکه الا القاضی وشرط فی البحر خروجه عن الانتفاع بالکلیة وکون البدل عقارا والمستبدل قاضی الجنة المفسر بذی العلم والعمل (الدر المختار علی رد المحتار ٣/٣٨٨)۔

مفتی عبد الرحیم بھوپال

وہ اوقاف جو اپنی موجودہ شکل میں کم منفعت بخش ہوں، مثلاً کسی مسجد یا مدرسہ پر کوئی مکان وقف ہو اور وہ محلہ کے اندر واقع ہو جس سے معمولی کرایہ ملتا ہو اور اگر اسکو فروخت کرکے دوسری جگہ قائم کیا جائے تو زیادہ آمدنی ہوگی تو ایسا کرنا جائز نہیں ہے جیسا کہ ماقبل کی عبارتوں سے واضح ہے۔

مولانا نذر توحید مظاہری

کم منفعت بخش اوقاف فروخت کرکے موقوفہ کی آمدنی سے کئی گنا زیادہ منفعت کے لئے جو دلائل ہوں ان میں تبدیلی کرنے کے بعد ضروری ہیں اس سلسلہ میں دوسری شکل زیادہ آمدنی کے لئے اختیار کی جاسکتی ہے۔

ڈاکٹر قدرت اللہ باقوی

جو زمین و مکان کسی مسجد یا مدرسہ پر وقف ہے آمدنی کم ہونے کی وجہ سے اس کو فروخت کرکے کسی تجارتی مقام پر دوسرا مکان یا زمین خریدنا تاکہ وقف کی آمدنی زیادہ ہو جائز نہیں ہے۔

والحاصل أن الاستبدال إما عن شرط الاستبدال أو لا عن شرطه فإن كان لخروج الوقف عن انتفاع الموقوف عليهم فينبغي أن لا يختلف فيه وإن كان لا لذلك بل اتفق أنه أمكن أن يؤخذ بثمنه ما هو خير منه مع كونه منتفعا به فينبغي أن لا يجوز لأن الواجب إبقاء الوقف على ما كان عليه دون زيادة ولأنه لا موجب لتجويزه لأن الموجب في الأول الشرط وفي الثاني الضرورة ولا ضرورة في هذا إذ لا تجب الزيادة بل تبقيه كما كان . أقول بالله هذا المحقق هو الحق والصواب (شامی ۳؍۳۸۸، فتاوی محمودیہ ۱۵؍۳۱۹)۔

مولانا عبد اللطیف پالنپوری

کم منفعت بخش وقف کی بیع:

اگر کوئی وقف اپنی موجودہ شکل میں کم منفعت بخش ہے، مثلاً کسی مسجد یا مدرسے پر کوئی مکان وقف ہے جو محلے کے اندر واقع ہے اس سے معمولی کرایہ ملتا ہے جس سے مسجد یا مدرسے کی ضرورتیں پوری نہیں ہوتیں، اور اگر اس کو فروخت کرکے کسی تجارتی مقام پر کوئی دکان خرید لی جائے تو اس سے حاصل ہونے والی آمدنی مکان موقوفہ کی آمدنی سے کئی گنا زیادہ ہوگی مگر اس کے باوجود اس مکان موقوفہ یا مذکورہ اوقاف کو فروخت کرکے کسی دوسرے تجارتی مقام و مارکیٹ پر دکان خریدنا، مکان خریدنا شرعی نقطۂ نظر سے جائز نہیں ہے، اگرچہ اس شکل میں وقف کی آمدنی کے زیادہ ہو جانے کی امید ہی کیوں نہ ہو۔

وبيع أرض الوقف لا يجوز فكذلك ما كان تبعا له (الفتاوى الهنديہ ۲؍۳۱۰)

حضرت عبد اللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ انہوں نے بیان فرمایا کہ میرے والد ماجد حضرت عمرؓ کو خیبر میں ایک قطعۂ زمین ملی تو وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ مجھ کو خیبر میں ایک قطعۂ زمین ملی ہے، وہ نہایت نفیس اور قیمتی ہے اس سے بہتر کوئی مالیت میں نے کبھی نہیں پائی، آپ اس کے بارے میں مجھے کیا حکم دیتے ہیں؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا اگر تم چاہو تو ایسا کرو کہ اصل زمین کو محفوظ (یعنی وقف) کردو اور اس کی پیداوار اور آمدنی کو صدقہ قرار دے دو۔

چنانچہ حضرت عمرؓ نے اس کو اسی طرح وقف کردیا اور فی سبیل اللہ صدقہ قرار دے دیا اور یہ طے فرمادیا کہ یہ زمین نہ کبھی بیچی جائے، نہ ہبہ کی جائے، نہ اس میں وراثت جاری کی جائے، اور اس کی آمدنی اللہ کے واسطے خرچ ہو فقیروں، مسکینوں اور اہل قرابت پر اور غلاموں کو آزاد کرانے کی مد میں اور جہاد کے سلسلے میں اور مسافروں اور مہمانوں کی خدمت میں اور جو شخص اس کا متولی اور منتظم ہو اس کے لئے جائز ہے کہ وہ مناسب حد تک اس میں سے خود کھائے اور کھلائے بشرطیکہ اس کے ذریعہ مال جوڑنے اور مالدار بننے والا نہ ہو۔

عن نافع عن ابن عمر ... قال إن شئت حبست أصلها وتصدقت بها قال فتصدق بها عمر انه لايباع أصلها ولا تباع ولا تورث ولا توهب قال فتصدق عمر في الفقراء وفي القربىٰ وفي الرقاب وفي سبيل الله وابن السبيل والضيف ولا جناح على من وليها أن يأكل منها بالمعروف أو يطعم صديقا غير متمول فيه (بخاری ۱/۳۸۸ تا ۳۸۹، مسلم ۲/۴۱، ترمذی ۱/۲۵۶، نسائی ۲/۱۲۶، ابوداؤد ۲/۳۹۸، ابن ماجہ ۲/۱۷۳، فتح الباری ۵/۳۹۸ تا ۴۰۳) تشریح وتوضیح کے لئے دیکھئے (شرح معانی الآثار ۲/۲۲۹ تا ۲۳۰، الاشباہ والنظائر ۳/۱۰۳ تا ۱۰۹)

یہ حدیث وقف کے باب میں اصل اور بنیادی حیثیت رکھتی ہے۔ ۷ھ میں خیبر جنگ کے نتیجہ میں فتح ہوا تھا، وہاں کی زمین عام طور سے بڑی زرخیز تھی، فتح کے بعد اس کی زمینوں کا قریباً نصف حصہ رسول اللہ ﷺ نے مجاہدین میں تقسیم کردیا، حضرت عمرؓ کے حصہ میں جو قطعہ زمین آیا انہوں نے محسوس کیا کہ میری ساری ملکیت میں وہ نہایت قیمتی اور گرانقدر چیز ہے، انہوں نے حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوکر اس کے بارے میں رہنمائی چاہی تو آپ نے ان کو وقف کرنے کا مشورہ دیا تاکہ وہ صدقہ جاریہ ہے، چنانچہ حضرت عمرؓ نے اس کو وقف کردیا اور اس کے مصارف بھی متعین فرمادیئے، جمہور فقہاء نے وقف مسجد کی زمین کی بیع ناجائز ہونے اور مالک کی ملکیت میں دوبارہ نہ لوٹنے پر حضرت عمرؓ کے اس وقف کے واقعہ سے استدلال کیا ہے جو اوپر مذکور ہو چکی ہے۔ امام ابوحنیفہ اور امام ابویوسف، امام مالک، امام شافعی رحمہم اللہ کا یہی مسلک ہے، فقہاء مالکیہ میں سے علامہ مواق رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

ابن عرفة من المدونة وغيرها، يمتنع بيع ما خرب من ربع الحبس مطلقا ...... وعبارة الرسالة، ولا يباع الحبس وان خرب ...... وفي الطرر عن ابن عبد الغفور: لا يجوز بيع مواضع المساجد الخربة، لأنها وقف، ولا بأس ببيع نقضها

ابن عرفہ مدونہ وغیرہ سے نقل کرتے ہیں کہ وقف مکان کی بیع مطلقاً جائز نہیں، اگرچہ وہ ویران ہو جائے ......اور رسالہ میں یہ عبارت درج ہے کہ وقف کی بیع جائز نہیں اگرچہ وہ ویران ہو جائے... طرر میں ابن عبدالغفور سے یہ عبارت منقول ہے کہ ویران مساجد کی جگہوں کو بیچنا وقف ہونے کی بنا پر جائز نہیں، البتہ ان کا ملبہ بیچنا جائز ہے (التاج والاکلیل للمواق، حاشیہ حطاب ۶/۴۲ بحوالہ فقہی مقالات ۱/۲۲۱ مولانا محمد تقی عثمانی زمزم بکڈپو دیوبند)

فقہاء شوافع میں سے امام خطیب شربینی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

ولو انهدم مسجد، وتعذرت إعادته أو تعطل بخراب البلد مثلا، لم يعد ملكا ولم يبع بحال، كالعبد إذا عتق.... ولم ينقض إن لم يخف عليه لإمكان الصلاة فيه ولإمكان عوده كما كان ..... فإن خيف عليه نقض، وبنى الحاكم بنقضه مسجداً آخر إن رأى ذلك وإلا حفظه.....

اگر مسجد منہدم ہو جائے اور اس کو دوبارہ درست کرنا ممکن نہ ہو یا اس بستی کے اجڑ جانے سے وہ مسجد بھی ویران ہو جائے تب بھی وہ مسجد مالک کی ملکیت میں نہیں آئے گی اور نہ اس کو بیچنا جائز ہوگا، جیسا کہ غلام کو آزاد کردینے

کے بعد اس کی بیع حرام ہو جاتی ہے، پھر اگر اس مسجد پر غیر مسلموں کے قبضے کا خوف نہ ہو تو اس کو منہدم نہ کیا جائے، بلکہ اس کو اپنی حالت پر برقرار رکھا جائے اس لئے کہ اس بات کا امکان موجود ہے کہ مسلمان دوبارہ یہاں آ کر آباد ہو جائیں اور اس مسجد کو دوبارہ زندہ کر دیں۔ البتہ اگر غیر مسلموں کے تسلط اور قبضہ کا خوف ہو تو اس صورت میں حاکم وقت مناسب سمجھے تو اس مسجد کو ختم کر دے اور اس کے بدلے میں دوسری جگہ مسجد بنا دے اور یہ دوسری مسجد پہلی مسجد کے قریب ہو تو زیادہ بہتر ہے اور اگر حاکم وقت اس مسجد کو توڑنا اور مسمار کرنا مناسب نہ سمجھے تو پھر اس کی حفاظت کرے (مغنی المحتاج ۳۹۲/۲)

فقہاء حنابلہ میں سے علامہ ابن قدامہ حنبلی تحریر فرماتے ہیں:

وإن لم تتعطل مصلحة الوقف بالكلية، لكن قلت وكان غيره أنفع منه وأكثر ردا على أهل الوقف لم يجز بيعه لأن الأصل تحريم البيع وإنما أبيح للضرورة صيانة لمقصود الوقف عن الضياع مع إمكان تحصيله ومع الانتفاع وإن قل ما يضيع المقصود۔

اگر وقف کی مصلحت اور منفعت بالکلیہ ختم نہ ہوئی ہو، لیکن اس میں کمی آ گئی ہو اور دوسری صورت میں اہل وقف کے لئے زیادہ نفع بخش اور بہتر ہے تب بھی اس وقف کی بیع جائز نہیں، اس لئے کہ وقف میں اصل بیع کی حرمت ہی ہے لیکن وقف کی مصلحت کے لئے اور اس کو ضائع ہونے سے بچانے کے لئے ضرورت کے وقت بیع اس وقت جائز ہے جب کہ بیع کا مقصود بھی تحصیل مقصود ہو، لیکن اگر موجودہ حالت میں وقف کی بیع کے بغیر بھی اس سے نفع اٹھانا ممکن ہو اگرچہ وہ نفع قلیل مقدار میں ہو تو اس صورت میں مقصود وقف بالکلیہ ختم ہونے کی وجہ سے اس وقف کی بیع جائز نہیں ہوگی (المغنی لابن قدامہ ۲۲۶/۶)

میرے نزدیک مندرجہ بالا تفصیل کے مطابق اس مسئلے میں جمہور کا مسلک راجح ہے لہذا کسی مسجد کے شرعی مسجد بن جانے کے بعد یا وقف کے شرعی وقف بن جانے کے بعد اس کو بیچنا جائز نہیں، اگر مسجد کو بیچنے کی اجازت دے دی جائے تو پھر لوگ مسجدوں کو بھی زمین جائداد کی طرح جب چاہیں گے بیچ لیں گے اور مسجدیں ایک تجارتی سامان کی حیثیت اختیار کر لیں گی۔

مولانا محمد مصطفی قاسمی

بہت سے اوقاف اپنی موجودہ شکل میں کم منفعت بخش ہیں، مثلاً کسی مسجد یا مدرسے پر کوئی مکان وقف ہے جو شہر کے اندر واقع ہے اس سے معمولی کرایہ آتا ہے جس سے مسجد یا مدرسہ کی ضرورتیں پوری نہیں ہوتیں مگر ایک صورت میں ادارہ دیکھے کہ کسی تجارتی مقام پر کوئی دوکان خرید لی جائے تو اس سے حاصل ہونے والی آمدنی مکان موقوفہ کی آمدنی سے کہیں زیادہ ہوگی۔

اس بارے میں شرعی حل یہ ہے کہ اگر دوسرے مقام پر دوکان و مکان خریدنے کے نتیجے میں آمدنی کئی گنا زیادہ ہے تو فروخت کیا جا سکتا ہے اور اگر معمولی زیادتی ہے تو فروخت نہیں کیا جا سکتا ہے۔

وإن لم تتعطل مصلحة الوقف بالكلية لكن قلت وكان غيره أنفع منه وأكثر رداعلى أهل الوقف لم يجز بيعه لأن الاصل تحريم البيع وانما أبيح للضرورة صيانة لمقصود الوقف عن الضياع (المغنی ۵/۶۳۲)

مولانا اخلاق الرحمن قاسمی

وہ اوقاف جو اپنی موجودہ شکل میں کم منفعت بخش ہیں، مثلاً کسی مسجد یا مدرسہ پر کوئی مکان وقف ہے لیکن اس کا کرایہ بہت معمولی ہے جس سے مسجد یا مدرسہ کی ضرورتیں پوری نہیں ہوتیں تو اس صورت میں اس کم منفعت بخش اوقاف کو فروخت کرکے دوسرے مقام پر اگر تجارتی دکان خریدلی جائے جس سے آنے والی آمدنی اس سے کئی گنا زیادہ ہو تو ایسا کیا جاسکتا ہے۔ علامہ شامی لکھتے ہیں:

وفی المنتقی قال هشام سمعت محمدا يقول الوقف إذا صار بحيث لا ينتفع به المساكين فللقاضی أن يبيعه ويشتری بثمنه غيره وليس ذلک إلا للقاضی (شامی ۳/۴۱۹)

منتقی میں ہے ہشام کہتے ہیں کہ میں نے امام محمدؒ سے کہتے ہوئے سنا ہے کہ وہ وقف جب اس حیثیت میں ہو جائے کہ اس سے مساکین کا فائدہ اٹھانا ممکن نہ ہو تو قاضی کے لئے حق ہے کہ وہ اس کو بیچ دے اور اس کی قیمت سے دوسرا خریدلے اور یہ حق صرف قاضی کے لئے ہے۔

علامہ ابن نجیم مصری لکھتے ہیں:

وقد روى إذا ضعفت الأرض الموقوفة عن الاستعمال والقيم يجد بثمنها أخرى أكثر ريعا كان له أن يبيعها ويشتری بثمنها ما هو أكثر ريعا.

اور روایت کی گئی ہے کہ جب موقوف شدہ زمین ناقابل استعمال کے لائق نہ رہے اور متولی اس کی قیمت سے دوسری جگہ اس سے زیادہ نفع بخش پائے تو اسکو حق ہے کہ وہ اسکو بیچ کر اس کی قیمت سے اس سے زیادہ نفع والے کو خریدلے۔

وعن شمس الائمة الحلوانی حين سئل عن أوقاف المسجد إذا تعطلت هل للمتولی أن يبيعها ويشتری مكانها أخرى قال نعم (بحرالرائق ۵/۲۰۷)

شمس الائمہ حلوانی سے مروی ہے کہ جب ان سے مسجد کے اوقاف کے سلسلے میں پوچھا گیا جب کہ وہ بیکار ہو گیا ہو تو کیا متولی کے لئے جائز ہے کہ وہ اسکو بیچ دے اور اس کی جگہ دوسری زمین خریدلے انہوں نے کہا: ہاں!

مولانا قمر الزماں ندوی

اوقاف کو زیادہ منفعت بخش بنانے کے لئے فروخت کرنا:

بہت سے اوقاف اپنی موجودہ شکل میں کم منفعت بخش ہیں، مثلاً کسی مسجد یا مدرسہ پر کوئی مکان وقف ہے جو محلہ کے اندر واقع ہونے کی وجہ سے معمولی کرایہ ملتا ہے جس سے مسجد یا مدرسہ کی ضرورتیں پوری نہیں ہوتیں، اور اس کو فروخت کرکے کسی تجارتی مقام پر کوئی دوکان خریدلی جائے تو اس سے حاصل ہونے والی آمدنی مکان موقوفہ کی آمدنی

سے کئی گنا زیادہ ہو سکتی ہے، اس سلسلہ میں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا ایسے مکان موقوفہ کو فروخت کر کے وقف کی آمدنی بڑھانے کی شکل اختیار کی جا سکتی ہے؟ اس سلسلہ میں قاضی القضاۃ امام ابو یوسفؒ کے قول کے مطابق جو مفتی بہ ہے اس کو فروخت کر کے دوسری جگہ جو زیادہ منفعت بخش ہو خریدی جا سکتی ہے، چنانچہ علامہ شامی نقل فرماتے ہیں:

الرابعة أن يرغب إنسان فيه ببدل أكثر غلة وأحسن صقعا فيجوز على قول أبي يوسف وعليه الفتوى كما في فتاوى قارئ الهداية (رد المحتار ٣/٣٨٩، نیز ملاحظہ ہو: الفقہ الاسلامی وادلتہ ٨/٢٢٨)

چوتھی صورت یہ ہے کہ لوگ زیادہ آمدنی اور بہتر جائے وقوع کی وجہ سے تبادلہ کے خواہاں ہوں تو امام ابو یوسفؒ کے قول کے مطابق جائز ہے اور اسی پر فتویٰ ہے، جیسا کہ قاری الہدایہ کے فتاویٰ میں ہے۔

لیکن علامہ شامی آگے تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ چونکہ آج کل دیانتداری کا فقدان ہے اور ہر طرف ظلم و زیادتی کا دور دورہ ہے، دلوں میں خوف خدا کا نام و نشان تک نہیں، قضاۃ اور نظار اچھے لوگوں کا دامن بھی اس سے پاک نہیں، اس لئے آج کے دور میں سد الذریعہ امام ابو یوسفؒ کے قول پر فتویٰ نہ دینا زیادہ مناسب ہے، چنانچہ تحریر فرماتے ہیں۔

وقد شاهدنا في الاستبدال ما لا يعد ولا يحصى فإن ظلمة القضاة جعلوه حيلة لإبطال أوقاف المسلمين وعلى تقديره فقد قال في الإسعاف المراد بالقاضي هو قاضي الجنة المفسر بذي العلم والعمل ولعمري إن هذا أعز من الكبريت الأحمر وما أراه إلا لفظا يذكر فالأحرى فيه السد خوفا من مجاوزة الحد والله سائل كل إنسان (رد المحتار ٣/٣٨٩)۔

استبدال کے سلسلہ میں ہم نے ان گنت مرتبہ مشاہدہ کیا ہے کہ ظالم قاضی اس استبدال کو مسلمانوں کے اوقاف کو باطل کرنے کا حیلہ بناتے ہیں، اسی وجہ سے اسعاف میں مصنف نے کہا کہ قاضی سے مراد قاضی الجنۃ ہے یعنی جس کے پاس علم اور عمل دونوں ہوں، لیکن میری جان کی قسم اب ایسے لوگ کہاں ملتے ہیں، بس یہ کہنے کی بات ہے، لہذا مناسب یہی ہے کہ حدود اللہ سے تجاوز کرنے کے خوف سے عدم جواز کا فتویٰ دیا جائے، اللہ تعالیٰ ہر انسان سے پوچھ گچھ کرنے والا ہے۔

اسی وجہ سے علامہ بیری کا قول نقل کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

قال العلامة البيري... فينبغي أن لا يجوز لأن الواجب إبقاء الوقف على ما كان عليه دون زيادة ولأنه لا موجب لتجويزه لأن الموجب في الأول الشرط وفي الثاني الضرورة ولا ضرورة في هذا إذ لا تجب الزيادة بل تبقيه كما كان (رد المحتار ٣/٣٨٩)

علامہ بیری نے فرمایا کہ مناسب یہ ہے کہ یہ جائز نہ ہو اس لئے کہ وقف کو اسی حالت میں باقی رکھنا واجب ہے جو کہ بغیر زیادتی کے ہو، اور اس لئے بھی کہ اس کے جواز کی کوئی چیز متقاضی بھی نہیں ہے، پہلے میں تو تقاضا کرنے والی چیز شرط تھی اور دوسرے میں ضرورت اور یہاں کوئی ضرورت نہیں، اس لئے کہ زیادتی واجب نہیں بلکہ اس کو اپنی حالت پر باقی

رکھنا واجب ہے۔

اور شرائط استبدال بیان کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

والثالث أن لا يشرطه أيضا ولكن فيه نفع في الجملة وبدله خير منه ريعاً و نفعاً وهذا لا يجوز استبداله على الأصح المختار (کتاب مذکور ۳/ ۳۸۷، نیز ملاحظہ ہو: الفقہ الاسلامی وادلتہ ۸/ ۲۳۱)

اور تیسری شرط یہ ہے کہ واقف نے استبدال کی شرط نہ لگائی ہو لیکن اس میں فی الجملہ نفع بھی ہوتا ہو اور اس کا تبادل فائدہ کے اعتبار سے زیادہ بہتر ہو تو بھی اصح اور مختار قول کے مطابق استبدال جائز نہیں۔

لیکن اگر واقعی دیانتداری کا مظاہرہ کرتے ہوئے اور اللہ تبارک وتعالی کے پکڑ سے خوف کھاتے ہوئے اوقاف کو زیادہ منافع بخش بنانے کی غرض سے اس کو فروخت کر کے دوسری جگہ خریدنے کا کوئی ذمہ دار شخص ارادہ رکھتا ہو تو اسے اس کی اجازت ہونی چاہئے جیسا کہ ابو یوسف کا مسلک ہے، ورنہ نہیں۔

مولانا محمد نور القاسمی

اوقاف کو زیادہ منفعت بخش بنانے کی شکل:

ایسے اوقاف جن کی آمدنی کم منفعت بخش ہو، اور اس سے اس کی ضروریات کی تکمیل نہ ہوتی ہو، مثلاً مدرسہ یا مسجد پر کوئی مکان وقف تھا، لیکن وہ کسی محلہ یا دیہات کے اندر ہے، جہاں اس کی آمدنی اتنی تھوڑی ہے کہ مسجد یا مدرسہ کی ضرورت کا پورا ہونا مشکل ہے، تو ایسی صورت میں بہتر ہوگا کہ اس مکان موقوفہ کو فروخت کر دیا جائے اور اس کے بدلے مارکیٹ یا کسی تجارتی مقام پر دوکان خرید لی جائے، جہاں اس کی آمدنی زیادہ ہو سکے، اور مسجد و مدرسہ کی ضروریات کو بآسانی پورا کیا جاسکے، یہ منشاء واقف کے خلاف بھی نہ ہوگا، کہ واقف کا اصل مقصد مدرسہ و مسجد کی ضروریات کی تکمیل تھا، اور یہ اس کے علاوہ ممکن نہیں ہے، لہذا یہ اس کے منشاء کے عین مطابق ہوگا۔

فقہ حنفی کے ترجمان علامہ شامی رقمطراز ہیں:

فلو استبدل الحانوت بأرض تزرع و يحصل منها غلة قدر أجرة الحانوت كان أحسن، لأن الارض أدوم وأبقىٰ وأغنىٰ عن كلفة الترميم والتعمير (ردالمحتار ۳/ ۳۸۸)

اگر حانوت کو قابل زراعت زمین سے تبدیل کیا جائے اور اس سے جو منافع حاصل ہوں، وہ حانوت کے منافع کے برابر ہوں تو یہ مستحسن اور بہت اچھا ہوگا، اس لئے کہ زیادہ پائیدار اور تادیر قائم رہنے والی ہے، اور اس سے اصلاح ومرمت اور ردوبدل کی پریشانی بھی ختم ہو جائے گی۔

نیز اصول فقہ کے ماہر عالم دین علامہ بدران ابو العینین بدران، اس پر روشنی ڈالتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں کہ زیادہ منفعت بخش چیز سے وقف کو تبدیل کرنا درست ہے، شیخ بدران رقمطراز ہیں:

إذا وجدت مصلحة في الاستبدال كما إذا كان الوقف منتفعاً به ولكن يراد استبداله بما هو أكثر نفعاً من جهة الغلة أو كثرة الثمن، وخالف محمد في ذلك لئلا يتخذ ذلك ذريعة

إلى صالح الأوقاف، والعمل على قول أبي يوسف (أحكام الوصايا والأوقاف ٣٠٣)

وقف کی تبدیلی کی مصلحت پیدا ہو کر وقف منفعت کا محل ہے، لیکن تبدیلی سے یہ مقصد ہو کہ اس سے زیادہ نفع حاصل ہوگا یا حسن و آمدنی میں اضافہ ہوگا تو یہ جائز ہے، مگر امام محمد کا اس میں اختلاف ہے کہ یہ کہیں خیانت اوقاف کا ایک ذریعہ نہ بن جائے لیکن عمل امام ابو یوسفؒ کے قول پر ہے۔

ایک دوسرے مقام پر علامہ شامی نے تحریر فرمایا ہے بلکہ حاوی القدسی کے حوالے سے ایک جزئیہ نقل کیا ہے کہ ہر وہ صورت اختیار کی جا سکتی ہے جس میں وقف کا زیادہ سے زیادہ فائدہ ہو" صرح صاحب حاوی القدسي بأن يفتى بكل ما هو أنفع للوقف (رد المحتار ٤/٣٦٢)

اور علامہ ابن نجیم مصری نے یوں وضاحت کی ہے:

استبدال الوقف العامر لا يجوز إلا في مسائل... الرابعة: أن يرغب إنسان فيه ببدل أكثر غلة وأحسن وصفا فيجوز على قول أبي يوسف، وعليه الفتوى كما في فتاوى قارى الهداية (الأشباه والنظائر ١١٣)

وقف عامر کا استبدال درست نہیں ہے مگر چند مسائل میں... چہارم یہ کہ استبدال کی رغبت اس وجہ سے ہو کہ دوسری زمین با اعتبار غلہ کے اس سے بہتر اور اوصاف کے اعتبار سے اس سے اچھی ہو بعض صورتوں میں استبدال امام ابو یوسف کے قول کے مطابق جائز ہے اور اسی پر فتویٰ ہے جیسا کہ فتاویٰ قاری الہدایہ میں ہے۔

نیز مولانا عبدالحی فرنگی محلی علیہ الرحمہ کا رجحان بھی اسی جانب ہے (مجموعہ فتاویٰ ١١٣/١)

مولانا ابرار خان ندوی

صورت مسئولہ کا جواب یہ ہے کہ اگر واقف نے وقف نامہ میں فروخت کرنے کی اجازت دی ہو یا وقف اس حالت میں ہو کہ اس سے کوئی نفع حاصل نہ ہو سکے تو فروخت کرنے کی گنجائش ہے۔ اگر کچھ بھی نفع حاصل ہوتا ہو تو اسے فروخت کرنے کی شرعاً گنجائش نہیں۔

شامی میں ہے: "وجاز شرط الاستبدال الخ. اعلم أن الاستبدال على ثلاثة وجوه، الأول أن يشرطه الواقف لنفسه فالاستبدال فيه جائز في الصحيح وقيل اتفاقا. الثاني أن لا يشرطه سواء شرط عدمه أو سكت لكن صار بحيث لا ينتفع به بالكلية بأن لا يحصل منه شيء أصلا أو لا يفي بمؤنته فهو أيضا جائز على الأصح إذا كان بإذن القاضي ورأيه المصلحة فيه. الثالث أن لا يشرطه أيضا ولكن فيه نفع في الجملة وبدله خير منه ريعا ونفعا وهذا لا يجوز استبداله على الأصح المختار (شامی ٤/٣٨٤)۔

مولانا ابراہیم فلاحی بلرڈولی

اوقاف کی زمینوں کو فروخت کرنا جائز نہیں ہے، علامہ شامی فرماتے ہیں: بیع الوقف باطل لا فاسد اور چونکہ یہ مقاصد واقف کے خلاف بھی ہے اس بنا پر فروخت نہ کیا جائے، اور شرح وقایہ میں ہے کہ اگر واقف شئی موقوفہ کے استبدال کی شرط لگاتا ہے تو اس کے اندر اختلاف امام ابو یوسفؒ کرتے ہیں، وہ مطلق جواز کے قائل ہیں ان کے علاوہ باقی تمام فقہاء عدم جواز کے قائل ہیں، اور امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ اگر زمین کی آمدنی کم ہو جائے اور اس کے اندر بوجوتری بھی نہ ہو سکے تو بغیر شرط کے استبدال جائز ہے، ان کے علاوہ تمام فقہاء فرماتے ہیں کہ ہم جواز استبدال کا فتوی نہیں دے سکتے اس لئے کہ استبدال میں جو فساد آتا ہے وہ ہمارے مشاہدہ میں ہے جس کا شمار نہیں کیا جا سکتا ہے۔ اس لئے کہ ظالم قضاۃ نے مسلمانوں کے اکثر اوقاف کو باطل کرنے کے لئے استبدال کو حیلہ بنا کر اپنی مرضی کے مطابق عمل کرنا شروع کر دیا ہے۔

لیکن ان تمام صورتوں کے باوجود اصل مسئلہ جو سامنے آتا ہے وہ فتح کی عبارت سے سمجھ میں آجائے گا۔

وقال في الفتح: الاستبدال اما عن شرطه أو لا عن شرطه فإن كان لخروج الوقف عن الانتفاع الموقوف عليهم فينبغي أن لا يختلف فيه وإن كان لا كذلك بل اتفق إنه إمكن أن يوخذ بثمن ما هو خير منه مع كونه منتفعا به فينبغي أن لا يجوز لأن الواجب إبقاء الوقف على ما كان عليه دون زيادة.

یعنی اگر بالکلیہ انتفاع ختم ہو جائے تو اس میں استبدال کے جواز کی اجازت دی جا سکتی ہے لیکن اگر بالکلیہ انتفاع ختم نہیں ہوتا ہے بلکہ انتفاع تو حاصل ہو لیکن اس صورت سے بہتر کی طرف استبدال کیا جاتا ہے تو اس میں استبدال کی اجازت نہیں ہوگی۔

مولانا سمیع اللہ قاسمی

کم منفعت بخش اوقاف کا استبدال:

اوقاف کے سلسلے میں اصل حکم تو یہی ہے کہ فی الجملہ کچھ بھی منافع حاصل ہو رہا ہو تو اس کے استبدال کی بالکل اجازت نہیں تاوقتیکہ بالکلیہ اس کے منافع معدوم ومفقود نہ ہو جائیں۔

والثالث أن لا يشرطه أيضا ولكن فيه نفع في الجملة وبدله خير منه ريعا و نفعا وهذا لايجوز استبداله على الاصح المختار (رد المحتار ۳/۴۲۴)

لیکن فقہاء امت کے بعض اقوال سے اس بات کی گنجائش مل رہی ہے کہ وہ اوقاف جن کی ضرورتیں کم منافع بخش جگہ پر واقع ہونے کی وجہ سے نہیں پوری ہو رہی ہوں تو زیادتی منفعت کی خاطر اس کو فروخت کر کے دوسری جگہ اس کا بدل قائم کیا جا سکتا ہے۔ بحر کے اندر ہے:

وإن كان للوقف ريع ولكن يرغب شخص في استبداله أن أعطى مكانه بدلا أكثر ريعا في صقع أحسن من صقع الوقف جاز (بحر ۵/۲۲۳)

اور فتح القدیر کے اندر ہے

وکذا أرض الوقف إذا قل نزلها بحیث لا تحتمل الزراعة ولا تفضل غلتها عن مؤنتها ویکون الصلاح فی الاستبدال بأرض أخری (لیشتری بها أرضا أخری) (فتح القدیر ۵؍)

بحر الرائق کے اندر امام محمد کا قول نقل ہے جو کہ اسی گنجائش کی جانب مشیر ہے:

"أنه روی عن محمد إذا ضعفت الأرض الموقوفة عن الاستغلال والقیم یجد بثمنها أخری أکثر ریعا کان له أن یبیعها ویشتری بثمنها ما هو أکثر ریعا وفی هذا إذا باعه الموقوف علیه لضرورة (البحر الرائق ۵؍۲۱۹)

لیکن اگر اس مسئلے کی یوں تفصیل بیان کی جائے کہ اوقاف کی آمدنی اتنی کم ہے کہ اپنی ضرورت کے لئے دوسرے سے قرض لینا پڑتا ہے اور ہر سال قرضے پر قرضہ ہوتا جارہا ہے، ادائیگی قرض کی کوئی صورت موجود نہ ہونے کی وجہ سے غالب گمان ہے کہ ایک نہ ایک دن ان اوقاف کو فروخت کرنے کی نوبت آجائے گی جو کہ تعطل اوقاف ہی ہے تو ان مذکورہ مجبوری اور ضرورت کے پیش نظر ان اوقاف کو فروخت کرکے زیادہ منفعت بخش مقام پر اس کا بدل قائم کرنے کی گنجائش نکل سکتی ہے۔

مولانا صدر عالم

جو اوقاف منفعت بخش ہیں اگر چہ کم ہی سہی، بلا ضرورت کسی دوسرے کا استبدال کرنا جائز نہیں، فتاوی عالمگیری میں ہے:

والمختار أنه یجوز للقاضی بشرط أن یخرج عن الانتفاع بالکلیة (فتاوی عالمگیری ۲؍۴۰۲)

مولانا عطاء اللہ قاسمی

کم منفعت والی موقوفہ جگہوں کو فروخت کرکے نفع بخش جگہ خریدنا:

جو مکانات یا دوکانیں وغیرہ دیگر اوقاف مثلاً مساجد و مدارس وغیرہ پر وقف ہیں اور ان دوکان و مکانات سے کوئی خاطر خواہ منافع نہیں ہو رہے ہیں حتی کہ جن اوقاف پر یہ دوکانیں وغیرہ وقف ہیں ان کے مصارف بھی ان کی آمدنی سے پورے نہیں ہوتے بلکہ مزید آمدنی کی ضرورت پڑتی ہے تو ایسی حالت میں ان اوقاف پر جو دوکانیں وغیرہ وقف ہیں ان کو فروخت کرکے نفع بخش دوکانیں و مکانات وغیرہ اگر خریدے جائیں جن کی وجہ سے مساجد کی آمدنی میں اضافہ ہو اور مساجد وغیرہ کے مصارف پورے ہو جائیں تو ایسا کرنا جائز اور درست ہے، علامہ ابن نجیم امام محمد سے نقل کرتے ہیں۔

وقد روی عن محمد إذا ضعفت الأرض الموقوفة عن الاستغلال والقیم یجد بثمنها أخری أکثر ریعا کان له أن یبیعها ویشتری بثمنها ما هو أکثر ریعا (البحر الرائق ۵؍۲۰۶)

امام محمد سے مروی ہے کہ جب موقوفہ زمین پیداوار سے کمزور ہو جائے اور متولی اس کی قیمت کے بدلے

کوئی دوسری زیادہ پیداوار والی جگہ پاتا ہے تو متولی کے لئے اس جگہ کو بیچ کر اس کی قیمت سے کثرت پیداوار کی جگہ خریدنا جائز اور درست ہے۔

امام محمدؒ کی یہ روایت اگرچہ مفتی بہ نہیں ہے لیکن اس دور میں اگر امام محمدؒ کی اس روایت پر عمل کی گنجائش دی جائے تو مناسب ہے اس لئے کہ ایسا کرنے کی وجہ سے آمدنی میں اضافہ ہوگا اور پھر اس کو کار خیر میں صرف کیا جاسکتا ہے۔

مولانا اسعد اللہ قاسمی

مسجد پر موقوفہ جائداد جس کی آمدنی کم ہے:

اگر مسجد کے ساتھ کوئی موقوفہ جائداد ہو لیکن اس کی آمدنی کم ہو اور اگر اس اصل موقوفہ جائداد کو فروخت کر کے دوسری جگہ جائداد حاصل کی جائے تو آمدنی بڑھ جائے گی تو کیا ایسا کرنا جائز ہے؟ اس سلسلے میں علامہ شامی نے لکھا ہے کہ یہ صورت امام ابو یوسفؒ کے نزدیک جائز ہے اور عمل بھی اسی پر ہے، آگے لکھتے ہیں کہ امام ابو یوسف کا یہ قول صدر الشریعہ کے قول کے معارض ہے، ان کا کہنا ہے کہ ہم اصل موقوفہ جائداد کے استبدال یا فروخت کرنے کا فتوی نہیں دیں گے، کیونکہ ہمارا بارہا کا مشاہدہ ہے کہ ایسا کرنے کی صورت میں موقوفہ جائداد برباد ہو جاتی ہے، اور گویا بعض قاضیوں نے اس کو اوقاف مسلمین کے باطل کرنے کا حیلہ بنالیا ہے، دوسری دلیل عدم جواز پر یہ دیتے ہیں کہ واجب اصل موقوفہ کو جوں کا توں باقی رکھنا ہے نہ کہ اس میں زیادتی کرنا مقصود ہے، علامہ شامی کا رجحان بھی مذکورہ صورت کے عدم جواز کی طرف ہے۔

قال قارئ الهداية وإن كان للوقف ريع ولكن يرغب شخص في استبداله أن أعطى مكانه بدلا أكثر ريعا منه في صقع أحسن من صقع الوقف جاز عند أبي يوسف والعمل عليه ...... والعمل على قول أبي يوسف معارض بما قاله صدر الشريعة نحن لانفتي به وقد شاهدنا في الاستبدال ما لا يعد و يحصى فإن ظلمة القضاة جعلوه حيلة لإبطال أوقاف المسلمين .... أمكن أن يؤخذ بثمنه ما هو خير منه مع كونه منتفعا به فينبغي أن لا يجوز لأن الواجب إبقاء الوقف على ما كان عليه دون زيادة ... أقول ما قاله هذا المحقق الصواب (شامی ۳۸۹/۳)

مسلک حنبلی:

امام احمدؒ کے یہاں اصل موقوفہ چیزوں کو بلا ضرورت فروخت کرنا جائز نہیں ہے، اس سے یہ معلوم ہوا کہ موقوفہ جائداد کو آمدنی کی خاطر فروخت کرنا جائز نہیں ہے، کیونکہ آمدنی کی زیادتی کوئی ضرورت نہیں ہے، ابن قدامہ رقمطراز ہیں:

إن لم تتعطل مصلحة الوقف بالكلية لكن قلت وكان غيره أنفع منه وأكثر ردا على أهل الوقف لم يجز بيعه لأن الأصل تحريم البيع وإنما أبيح للضرورة صيانة لمقصود الوقف عن الضياع مع إمكان تحصيله ومع الانتفاع وإن قل ما يضيع المقصود (المغنی ۳۶۹/۵)

اگر وقف کی مصلحت مکمل ختم نہ ہوئی ہو تو اس کی بیع جائز نہیں (جیسا کہ ہم کہہ چکے) البتہ اگر اس کے علاوہ اس سے زیادہ فائدہ مند اور زیادہ آمدنی والا ہو تو بھی اس کی بیع درست نہیں، اور اس لئے کہ وقف میں اصل بیع کی تحریم ہے، اور بیع کو صرف ضرورت کی وجہ سے مباح کیا گیا ہے، وقف کے مقصود کو ضیاع سے بچانے کی خاطر، اور جب اس سے انتفاع ممکن ہو گرچہ کم ہو تو مقصود ضائع نہیں ہوگا۔

مسلک مالکی:

مالکیہ کے یہاں بھی مسجد پر موقوفہ جائداد جس کی آمدنی کم ہے، اس کی فروختگی درست نہیں ہے، چنانچہ حاشیہ الدسوقی میں ہے:

(لا عقار) حبس من دور و حوانيت و حوائط وربع فلا يباع ليستبدل به غيره وإن خرب (حاشیہ الدسوقی ۴/۹۱)

موقوفہ گھر، دکانیں، دیواریں اور کھیت، گو خراب ہو اس کو فروخت کر کے اس سے استبدال جائز نہیں ہوگا۔

مولانا محمد ارشد قاسمی

☆☆☆☆

جن اوقاف کے مصارف باقی نہ رہیں ان کا حکم

اس مسئلہ سے متعلق جواب دینے والے علماء کرام کے اسمائے گرامی

مولانا عبید اللہ اسعدی
مولانا عتیق احمد قاسمی
مولانا زبیر احمد قاسمی
مولانا انیس الرحمن
مفتی نسیم احمد قاسمی
مولانا شمس پیرزادہ
مفتی جمیل احمد نذیری
مفتی محبوب علی وجیہی
مولانا حبیب اللہ قاسمی
مفتی شکیل احمد سیتاپوری
مولانا مفتی محمد حنیف
مفتی شبیر علی گجراتی
مولانا ایوب ندوی
مولانا عبد القیوم پالنپوری
مفتی عبد الرحیم قاسمی
ڈاکٹر قدرت اللہ باقوی
مولانا محمد مصطفی قاسمی
مولانا قمر الزماں ندوی
مولانا ابرار خاں ندوی
مولانا سمیع اللہ قاسمی
مولانا عطاء اللہ قاسمی
مولانا محمد ارشد قاسمی

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی
مفتی جنید عالم قاسمی
مولانا عبد الجلیل قاسمی
مفتی شبیر احمد قاسمی
مولانا ظفر عالم ندوی
ڈاکٹر عبد العظیم اصلاحی
مولانا ابوسفیان مفتاحی
مولانا ظفر الاسلام اعظمی
مفتی فضیل الرحمن ہلال عثمانی
مولانا سلطان احمد اصلاحی
مولانا محمد رضوان قاسمی
مولانا محمد ارشاد القاسمی
مولانا ابوبکر قاسمی
مولانا تنویر عالم قاسمی
مولانا نذر توحید مظاہری
مولانا عبد اللطیف پالنپوری
مولانا اخلاق الرحمن قاسمی
مولانا محمد نور القاسمی
مولانا ابراہیم فلاحی بارڈولی
مولانا محمد صدر عالم قاسمی
مولانا اسعد اللہ قاسمی

جن اوقاف کے مصارف باقی نہ رہیں ان کا حکم

سوال: جن جہت سے اوقاف کے مصارف ختم ہو چکے ہیں، مثلاً کوئی جاگیر کسی خاص خاندان کے فقراء کے لئے وقف کی گئی تھی، وہ خاندان ختم ہو گیا، یا اس کے افراد دوسری جگہ منتقل ہو گئے، یا کسی مسجد یا مدرسہ کے لئے وقف تھا اور اب نہ وہ مسجد ہے نہ مدرسہ، تو ان اوقاف کی آمدنی کا کیا مصرف ہوگا؟

جوابات

سوال نمبر (۱) کے تحت تفصیل آچکی ہے، پسماندہ اوقاف کو قبول اختیار کیا جائے۔

مولانا عبید اللہ اسعدی

جن اوقاف کے مصارف ختم ہو جائیں:

جیسا کہ اس سے پہلے ذکر آچکا ہے کہ اگر بعینہ مسجد کے سوا کوئی وقف ناقابل استعمال ہو جائے تو اس کو اسی کے مماثل مصرف میں استعمال کیا جائے گا، ایک مسجد کی آمدنی دوسری مسجد میں، ایک مدرسہ کی آمدنی دوسرے مدرسہ میں، ایک خاندان کے فقراء کا وقف عام فقراء مسلمین میں، اور جو مصرف بالکلیہ ختم ہو جائے اس کے مماثل کوئی وقف ہی موجود نہ ہو تو پھر آخری مصرف فقراء و مساکین ہیں، اسی لئے فقہاء نے لکھا ہے:

فإذا خرب المسجد و خرج عن أهله فالغلة إلى الفقراء فيجوز (فتاوی بزازیہ علی ہامش الہندیہ ۶؍۲۶۳)

فقراء پر خرچ کرنے کی صورت یہی ہے کہ یہ آمدنی ان پر تقسیم کر دی جائے، اور یہ بھی ہے کہ کسی ایسے رفاہی کام کے لئے اس آمدنی کو استعمال کی جائے جس سے استفادہ فقراء ہی کے لئے مخصوص ہو۔

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی

جن اوقاف کے مصارف ختم ہو چکے انہیں اسی نوع کے دوسرے اوقاف پر صرف کیا جائے، اس نوع کے اوقاف نہ ہوں تو فقراء و مساکین پر صرف کیا جائے۔

مولانا عتیق احمد قاسمی

جہت وقف ختم ہو جانے کی صورت میں شئی موقوف کا مصرف:

اگر کوئی جائداد کسی خاص خاندان کے فقراء کے لئے وقف ہو، اور وہ خاندان ہی ختم ہو جائے تو ایسی صورت میں اس موقوفہ جائداد کی آمدنی دوسرے فقراء و مساکین پر صرف ہوگی، اس لئے کہ جہت وقف ختم ہو جانے کی صورت میں اس کے حقدار فقراء و مساکین ہی ہوتے ہیں۔ اس مسئلہ کی بنیاد یہ ہے کہ شرائط وقف میں سے ایک شرط تابید بھی

ہے۔ ایسی جہت بیان کی جائے جو ختم ہونے والی نہ ہو۔ البتہ اس جہت کی صراحت ضروری ہے یا نہیں؟ اس میں اختلاف ہے۔ امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ اس کی صراحت ضروری ہے۔ اگر بوقت وقف ختم نہ ہونے والی اس جہت کی صراحت نہ کی جائے تو وقف صحیح نہیں ہوگا۔ امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ وقف صحیح ہوگا، اور وہاں پر بھی تابید مقصود ہوگی، یعنی جہت وقف ختم ہو جانے کے بعد اس کی آمدنی فقراء و مساکین پر صرف کی جائے گی۔ فتوی امام ابو یوسفؒ کے قول پر ہے۔

ولا يتم الوقف عند أبي حنيفة و محمد حتى يجعل آخره بجهة لا تنقطع أبدا وقال أبو يوسف: إذا سمى فيه جهة تنقطع جاز وصار بعدها للفقراء وإن لم يسمهم... وقيل إن التابيد شرط بالاجماع إلا أن عند أبي يوسف لايشترط ذكر التابيد لأن لفظة الوقف والصدقة منبئة عنه لما بينا انه إزالة الملك بدون التمليك كالعتق ولهذا قال في الكتاب في بيان قوله و صار بعدها للفقراء وإن لم يسمهم وهذا هو الصحيح (ہدایہ ۲/۶۳۹)

علامہ ابن ہمام نے شرح فتح القدیر میں ہدایہ کے حوالے سے لکھا ہے:

قال ابو يوسف: إذا انقرض الموقوف عليهم يصرف الوقف إلى الفقراء (شرح فتح القدیر ۶/۱۹۹) (ويجعل آخره لجهة) قربة (لا تنقطع) هذا بيان شرائطه الخاصة على قول محمد لأنه كالصدقة وجعله أبو يوسف كالاعتاق واختلف الترجيح والأخذ بقول الثاني أحوط وأسهل بحر في الدار و صدر الشريعة وبه يفتى واقره المصنف (الدر المختار علی ہامش رد المحتار ۳/۳۶۵-۳۶۶)

اور اگر کسی مسجد یا مدرسہ کے لئے وقف تھا، اور اب نہ وہ مسجد رہی اور نہ ہی مدرسہ، تو مسجد کے اوقاف کی آمدنی دیگر مساجد پر اور مدرسہ کے اوقاف کی آمدنی دیگر مدارس پر الاقرب فالاقرب کی ترتیب سے صرف کی جائے گی۔ ایک کی آمدنی دوسرے پر صرف نہیں کر سکتے ہیں۔

مفتی جنید عالم ندوی قاسمی

جن اوقاف قدیمہ کے متعینہ مصارف ختم ہو چکے ہیں، مثلاً کسی خاص خاندان کے فقراء، کوئی خاص مسجد یا مدرسہ وغیرہ پر وقف شدہ املاک موجود ہیں لیکن نہ اس خاندان کے فقراء کا وجود اور پتہ ہے نہ مسجد و مدرسہ ہی کا، تو اب ان اوقاف کی آمدنیاں اسی نوع کے مصارف قریبہ پر خرچ کی جائیں گی، فقراء کا حصہ فقراء پر اور مسجد و مدرسہ کا حصہ قریب تر مسجد و مدرسہ پر۔

کیونکہ اس طرح واقف کے اصل مقصد و منشاء کی تکمیل ہو جاتی ہے جو واجب الرعایت بھی ہے، چنانچہ علامہ شامیؒ نے ایک غیر آباد رباط کے اوپر اوقاف عامرہ کے متعلق حضرت امام اعظمؒ کا ایک سوال و جواب بھی نقل کیا ہے: هل يجوز نقلها إلى رباط آخر ينتفع الناس به قال نعم، لأن غرض الواقف انتفاع المارة و يحصل ذلك بالثاني (شامی ۱/۳۷۱)

مولانا زبیر احمد قاسمی

اگر اراضی کسی خاندان کے فقراء کے لئے وقف تھی اور وہ خاندان ختم ہوگیا تو اب اکی آمدنی دوسرے فقراء ومساکین پر خرچ کی جائے گی۔

و قال أبو يوسف سمى فيه جهة تنقطع جاز وصار بعدها للفقراء وإن لم يسمهم... وهذا هو الصحيح (ہدایہ ۲/۶۳۹)

اور اگر کسی مسجد یا مدرسہ پر وقف ہے اور وہ مسجد اور مدرسہ نہیں رہا تو اس سے قریب مسجد یا مدرسہ میں صرف کیا جائے گا۔ یعنی مسجد پر وقف اراضی کی آمدنی قریب تر مسجد میں اور مدرسہ پر وقف اراضی کی آمدنی قریب تر مدرسہ میں صرف کی جائے گی۔

مولانا عبد الجلیل قاسمی

مصارف منقطعہ کا حکم:

رہے ایسے اوقاف جن کے مصارف ختم ہو چکے ہیں مثلاً کوئی جاگیر کسی خاص خاندان کے فقراء کے لئے وقف کی گئی تھی، وہ خاندان ختم ہوگیا، یا اسکے افراد دوسری جگہ منتقل ہوگئے۔ یا وقف کسی مسجد ومدرسہ کے لئے تھا اور اب نہ وہ مسجد ہے نہ مدرسہ تو ایسے اوقاف کی آمدنی کو بھی اسی نوع کے کسی دوسرے مدرسہ ومسجد یا فقراء پر خرچ کیا جائے، اگر آبادی بالکل اجڑ گئی ہو اور قریب میں اس نوع کا وقف یا مصرف نہ ہو تو دیگر جگہ کے مصرف خیر میں خرچ کیا جاسکتا ہے۔ مگر ایسے اوقاف کی آمدنی نئے مصارف میں خرچ کرنے کے لئے اگر قاضی ہو تو اس سے یا مفتی سے اجازت وفتوی لیکر خرچ کیا جائے۔

وفي الخانية رباط بعيد استغنى عنه المارة و بجنبه رباط، قال السيد الإمام أبو شجاع تصرف غلته إلى الرباط الثاني كالمسجد إذا خرب و استغنى عنه أهل القرية فرفع ذلك إلى القاضي فباع الخشب وصرف الثمن إلى مسجد آخر جاز.

اگر کوئی رباط (مسافر خانہ) دور پر واقع ہو، اور گذرنے والوں کو قریبی دوسرے رباط کی وجہ سے اس کی ضرورت نہ پڑتی ہو تو امام ابوشجاع کا قول ہے کہ پہلے رباط کے غلہ وآمدنی کو اس دوسرے رباط میں خرچ کیا جائے، جیسے کوئی ویران مسجد کہ اہل محلہ کو اس کی حاجت نہ ہو، اور یہ معاملہ قاضی کے سامنے پیش ہوا اور قاضی نے اس کی لکڑی فروخت کردی اور قیمت دوسری مسجد میں خرچ کردی تو جائز ہے۔

مولانا انیس الرحمن قاسمی

مصرف ختم ہوگیا، آمدنی باقی، تو کیا کرے:

مسجد یا مدرسہ کے نام جو اوقاف ہیں ان کی آمدنی بدستور باقی ہے مگر موقوف علیہ یعنی وہ مسجد یا مدرسہ باقی نہیں ہے، اسی طرح خاندان یا علاقہ کے فقراء پر وقف تھا مگر وہ خاندان وہاں سے منتقل ہوگیا ہے یا بالکل ختم ہو چکا ہے تو ایسے حالات میں اوقاف کی آمدنی کو کہاں خرچ کیا جائے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اسی قسم کے قریب ترین مصرف

میں خرچ کرنے کی گنجائش ہے، مثلاً اگر مسجد تھی تو اس کی آمدنی قریب ترین دوسری مسجد میں، یا مدرسہ تھا تو اس کی آمدنی قریب ترین دوسرے مدرسہ میں خرچ کی جاسکتی ہے خلاف جنس میں نہیں، نیز جس خاندان کے فقراء پر وقف کیا گیا تھا اگر وہ خاندان ملک چھوڑ کر دوسرے ملک میں چلا گیا ہے، یا ان میں کوئی بھی فقیر باقی نہیں ہے، اسی طرح جس علاقہ کے فقراء پر وقف کیا تھا وہ علاقہ اجاڑ ہو گیا، وہاں کوئی مسلمان فقیر نہیں ہے تو ان سب صورتوں میں وہاں سے قریب ترین دوسرے فقراء پر خرچ کر دینا جائز ہے مگر خلاف جنس میں صرف کرنا درست نہ ہوگا۔ یہ مسئلہ فقہاء کی اس قسم کی عبارت سے واضح ہوتا ہے:

أفتى به الإمام أبو شجاع والإمام الحلواني وكفى بهما قدوة ولا سيما في زماننا فإن المسجد أو غيره من رباط أو حوض إذا لم ينقل يأخذ أنقاضه اللصوص والمتغلبون كما هو شاهد وكذلك أوقافه يأكلها النظار أو غيره ويلزم من عدم النقل خراب المسجد الآخر المحتاج إلى النقل إليه (شامی، طبع زکریا ۶/۵۵۰)

اس پر امام ابو شجاع اور شمس الائمہ حلوانی نے فتوی دیا ہے اور یہی دونوں قول کے لئے کافی ہے خاص کر ہمارے زمانے میں، اس لئے کہ مسجد اور اس کے علاوہ سرحدی چھاؤنی یا حوض جب انکی فاضل اشیاء منتقل نہ کی جائیں تو چور ڈکیت قبضہ کرلیں گے جیسا کہ مشاہدہ ہے اور ایسا ہی اس کے اوقاف کو خود متولی وغیرہ کھا جائیں گے، اور نقل نہ کرنے میں دوسری ضرورت مند مسجد بھی ویران ہو سکتی ہے۔

نیز فقہاء کی اس عبارت سے بھی یہ مسئلہ واضح ہوتا ہے:

سئل شيخ الإسلام عن أهل القرية افترقوا وتداعى مسجد القرية إلى الخراب وبعض المتغلبة يستولون على خشب المسجد وينقلونه إلى ديارهم هل لواحد لأهل القرية أن يبيع الخشب بأمر القاضي ويمسك الثمن ليصرفه إلى بعض المساجد أو إلى هذا المسجد قال نعم (وقوله) وخرب الرباط واستغنى الناس عنه يربط في رباط آخر هو أقرب الرباط إليه (ہندیہ ۲/۴۷۹) إذا قال موقوفة فقط لانصرافه إلى الفقراء عرفا فهو مؤبد (شامی زکریا ۶/۵۳۷) فقال صدقة موقوفة على فلان جاز ويصرف بعده إلى الفقراء (شامی زکریا ۶/۵۳۶) وما فضل من حصير وزيته ولم يحتج إليه جاز أن يجعل في مسجد آخر أو يتصدق من ذلك على فقراء جيرانه الخ (إعلاء السنن ۱۳/۱۹۹)۔

شیخ الاسلام اسبیجابی سے سوال کیا گیا ایسی آبادی کے بارے میں کہ جہاں کے لوگوں نے منتشر ہو کر مسجد کو ویران چھوڑ دیا ہے اور بعض مخالف لوگ تغلب سے مسجد کی لکڑیاں اپنے یہاں منتقل کرنے لگے ہیں تو کیا وہاں کے کسی آدمی کے لئے جائز ہے کہ حاکم کی اجازت سے اس کو فروخت کر کے پیسہ کو روک لے تاکہ اس کو اس مسجد میں یا دوسری مسجد میں صرف کر دے تو فرمایا کہ جی ہاں جائز ہے۔ اور سرحدی چھاؤنی ویران ہو جائے اور لوگ اس سے مستغنی ہو

جا ئیں تو اس کو دوسرے قریب ترین چھاؤنی میں منتقل کر دیا جائے تو جائز ہے، جب صرف یہ کہا کہ وقف ہے، تو وہ فقراء کی طرف عرفاً منتقل ہو جائے گا پھر وہ ہمیشہ رہیگا۔ اور کہا کہ فلاں پر بطور وقف صدقہ ہے تو جائز ہے اور اس کے بعد فقراء کی طرف منتقل ہو جائے گا، اور جو چٹائی اور تیل سے زائد ہو اور اس کی ضرورت بھی نہیں ہے تو اس کو دوسری مسجد میں منتقل کر دینا جائز ہے یا پڑوس کے فقراء کو صدقہ کر دے۔

مفتی شبیر احمد قاسمی

مصارف اوقاف کے ختم ہو جانے کی صورت میں اوقاف کا مصرف:

مصارف اوقاف کے ختم ہونے کی حسب ذیل دو صورتیں ہیں:

الف۔ کوئی جائداد کسی خاص خاندان کے فقراء و مساکین پر وقف تھی، ایک عرصہ گزرنے کے بعد وہ خاندان ہی ختم ہو گیا، تو ایسی صورت میں موقوفہ جائداد کی آمدنی دوسرے فقراء و مساکین پر صرف کی جائے گی، کیونکہ جہت وقف کے ختم ہو جانے کی صورت میں اس وقف کے حقدار فقراء و مساکین ہی ہوتے ہیں۔ شرائط وقف میں سے ایک شرط تابید بھی ہے، یعنی وقف کرتے وقت واقف وقف کی ایسی جہت کی صراحت کر دے جو ختم نہ ہونے والی ہو، امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک تابید کی صراحت ضروری ہے، عدم صراحت کی صورت میں وقف درست نہیں ہوگا۔

فقہاء حنفیہ میں سے امام ابو یوسفؒ کی رائے یہ ہے کہ عدم صراحت کی صورت میں بھی وقف درست قرار پائے گا اور وہاں پر بھی تابید مقصود ہوگی، اور جہت وقف کے ختم ہو جانے کی صورت میں اس کی آمدنی کے مصرف فقراء و مساکین قرار پائیں گے، امام ابو یوسفؒ ہی کا قول مفتی بہ ہے۔

لہذا جہت وقف کے انقطاع کی صورت میں وقف کی آمدنی دوسرے فقراء و مساکین پر صرف کی جائے گی، علامہ ابن الہمام نے تحریر فرمایا ہے:

قال أبو يوسف إذا انقرض موقوف عليهم يصرف الوقف إلى الفقراء (ويجعل آخره لجهة) قربة (لاتنقطع) هذا بيان شرائطه الخاصة على قول محمد لأنه كالصدقة وجعله أبو يوسف كالاعتاق واختلف الترجيح والأخذ بقول الثاني أحوط وأسهل بحر في الدار و صدر الشريعة وبه يفتي وأقره المصنف (شرح فتح القدیر ۶/۱۹۹)

ب۔ دوسری صورت یہ ہے کہ کوئی زمین یا جائداد کسی مسجد، مدرسہ، قبرستان یا رفاہی ادارہ پر وقف تھی، اور اب نہ ہی وہ مسجد باقی رہی اور نہ ہی مدرسہ، قبرستان اور رفاہی ادارہ، تو ایسی صورت میں ایک جنس کے اوقاف کی آمدنی کو اسی جنس کے اوقاف پر صرف کرنا ضروری ہوگا۔ مثلاً مسجد کے اوقاف کی آمدنی دیگر مساجد کے اوقاف پر، مدرسہ کے اوقاف کی آمدنی دیگر مدارس پر "الاقرب فالاقرب" کی ترتیب سے صرف ہوگی، ایک جنس کے اوقاف کی آمدنی کو دوسری جنس کے اوقاف پر صرف کرنا درست نہیں ہوگا۔

مفتی نسیم احمد قاسمی

جو اوقاف جن مصارف کے لئے ہیں، ان کی آمدنی ہم جنس اور انہی نوع کے مصارف میں صرف کی جائے گی، جیسا کہ فقہاء کی بعض اصولی عبارتوں سے معلوم ہوتا ہے، علامہ ابن عابدین شامیؒ نے شرح الملتقی کے حوالہ سے ذکر کیا ہے:

یصرف إلی أقرب مجانس لہا (رد المحتار ۳/۳۵۹)

اور جو اوقاف کسی خاص خاندان یا افراد کے لئے تھے ان کے ختم ہو جانے کے بعد وہ اوقاف عام فقراء کے لئے ہو جائیں گے۔ علامہ ابن قدامہؒ نے المغنی میں بڑی وضاحت کے ساتھ بیان کیا ہے:

قال أبو یوسفؒ یرجع إلی الواقف وإلی ورثته إلا أن یقول صدقة موقوفة ینفق منها علی فلان وعلی فلان فإذا انقرض المسمی کانت للفقراء والمساکین لأنها جعلها صدقة علی مسمی فلا تکون علی غیرہ (المغنی لابن قدامہ ۵/۶۲۳)

ڈاکٹر وہبہ الزحیلی نے "الفقہ الاسلامی وادلتہ" میں امام ابو یوسفؒ کے اس قول کو جمہور کا قول قرار دیا ہے:

اخذ الجمهور غیر الحنفیة بقول أبی یوسف" (الفقہ الاسلامی وادلتہ ۸/۱۹۹)

فقہاء کی تصریحات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اوقاف جو خاندان یا افراد کے لئے ہیں اگر اس خاندان یا افراد کا انقطاع ہو جائے اور جہتیں ختم ہو جائیں تو وہ اوقاف فقراء کے لئے ہو جاتے ہیں، چنانچہ علامہ حصکفیؒ درمختار میں لکھتے ہیں:

فلو وقف علی أولاد زید ولا ولد له أو علی مکان هیأہ لبناء مسجد أو مدرسة صح (فی الأصح) وتصرف الغلة إلی الفقراء إلی أن یولد لزید أو یبنی المسجد (درمختار ۳/۳۴۰)

علامہ شامیؒ نے اس جگہ شرح کرتے ہوئے ایک اصولی بات بیان کی ہے، فرماتے ہیں:

علم من هذا أن منقطع الأول و منقطع الوسط یصرف إلی الفقراء" (رد المحتار علی الدر المختار ۳/۳۴۰)

فتاوی ہندیہ اور فتاوی قاضی خان میں اس مسئلہ کے متعلق بعض صریح جزئیات بھی موجود ہیں، یہاں وہ جزئیات ہم نقل کر رہے ہیں:

إذا وقف وقفا مؤبدا واستثنی لنفسه أن ینفق من غلة هذا الوقف علی نفسه وعیاله وحشمه مادام حیا جاز الوقف والشرط جمیعا عند أبی یوسفؒ فإذا انقرضوا صارت الغلة للمساکین کذا فی الذخیرة (فتاوی ہندیہ ۲/۳۹۹)۔

"ولو قال علی بنی ولیس له بنون فالغلة للفقراء وکذا لو قال علی بناتی وله بنون فالغلة للفقراء لیس للبنین" (ہندیہ ۲/۳۷۵)

حاصل یہ کہ ایسے اوقاف جو کسی خاص خاندان یا خاص افراد کے لئے ہوں جب وہ خاندان ختم ہو جائے یا وہ افراد باقی نہ رہیں تو وہ اوقاف فقراء و مساکین کے لئے مقرر ہو جائیں گے، اور ان کی آمدنی انہی پر صرف کی جائے گی۔

مولانا ظفر عالم ندوی

ایسے اوقاف کی آمدنی کو ان سے ملتے جلتے مقاصد پر صرف کیا جاسکتا ہے، مثلاً ایک مسجد کی آمدنی کو دوسری مسجد پر اور ایک مدرسہ کی آمدنی دوسرے مدرسہ پر تاکہ وقف کا اصل مقصد پورا ہو۔

مولانا شمس پیرزادہ

جن اوقاف کے مصارف ختم ہو چکے ہیں ان کی آمدنی اسی نوعیت کے دوسرے مصارف پر خرچ کی جاسکتی ہے، مثلاً کوئی جائداد کسی مسجد یا مدرسہ کے لئے وقف تھی اور اب نہ وہ مسجد ہے نہ مدرسہ تو دوسری مساجد یا مدارس پر خرچ کی جاسکتی ہے۔

مولانا عبد العظیم اصلاحی

اس کا جواب سوال نمبر (۳) کے جواب میں آ گیا، وہ یہ کہ مسجد کے اوقاف کو کسی قریبی مسجد، مدرسہ کے اوقاف کو کسی قریبی مدرسہ اور فقراء کے اوقاف کو کسی قریبی جگہ کے فقراء پر خرچ کیا جائے۔

مولانا جمیل احمد نذیری

صورت مسئولہ میں اوقاف کے مصارف ختم ہو جانے کی صورت میں ان اوقاف کی آمدنی کے لئے فقراء و مساکین مصرف ہوں گے، اور امام ابو یوسفؒ سے یہ بھی روایت ہے کہ جب کسی معین آدمی پر وقف ہو تو یہ وقف جائز ہے، اور جب وہ موقوف علیہ مرجائے اور مصرف ختم ہو جائے تو اس صورت میں یہ وقف واقف کے ورثہ کی طرف لوٹ جائے گا اور یہی مفتی بہ قول ہے، چنانچہ علامہ عینیؒ شرح کنز میں لکھتے ہیں:

عن أبي يوسف إذا علی رجل بعينه جاز و إذا مات الموقوف عليه رجع الوقف إلى ورثة الواقف وعليه الفتوی، وقال في البرامكة :قال أبو يوسف: إذا انقرض الموقوف عليهم يصرف إلى المساكين فحصل عنه روايتان (عینی علی الکنز ۱/۴۷۶)۔

امام ابو یوسفؒ سے دو روایتیں ہو جاتی ہیں، ایک مصرف ختم ہونے کی صورت میں واقف کے ورثہ کی طرف لوٹا دیا جانا، دوسرے مساکین کو مصرف قرار دیا جانا۔ ان دونوں روایتوں میں سے دوسری روایت پر عمل کرنا بہتر ہوگا، کیونکہ وقف سے واقف کا مقصد قربت کا ارادہ ہوتا ہے، تو اس ارادہ کے لئے مناسب فقراء و مساکین ہو سکتے ہیں، **كذا في البحر** (۵/ ۱۹۸)

اور شرح وقایہ میں ہے: **قال أبو يوسف يصح بدونه اي يصح الوقف بدون ذكر التابيد، وإذا انقطع صرف إلى الفقراء.**

یعنی وقف کی وہ جہت جس پر وقف کیا گیا تھا وہ ختم ہو گئی تو اس وقف کے مصارف فقراء ہوں گے گرچہ واقف نے ان فقراء کا نام نہیں لیا ہے۔

اس تقریر سے واضح ہوا کہ اگر معین موقوف علیہم فقراء ہیں تو ان کے نہ ہونے کی صورت میں دوسرے فقراء مصرف ہوں گے، اور اگر موقوف علیہ مسجد ہے یا مدرسہ، تو مسجد و مدرسہ کے نہ ہونے کی صورت میں ان اوقاف کی آمدنی

کے لئے مصارف دوسری ضرورتمند مسجد یا مدرسہ ہوگا۔ واللہ اعلم۔

خلاصہ کلام: یہ ہے کہ صورت مسئولہ میں اوقاف کے مصارف کے ختم ہوجانے کی صورت میں یہ تفصیل ملحوظ رہے گی کہ اگر موقوف علیہم فقراء تھے تو ان کے معدوم ہونے کی صورت میں دوسرے فقراء مصرف ہوں گے، اور اگر موقوف علیہ مسجد یا مدرسہ ہے تو ان کے نہ رہنے کی صورت میں دوسری ضرورتمند مسجد یا ضرورتمند مدرسہ مصرف ہوگا، واللہ اعلم۔

مولانا ابو سفیان مفتاحی

ایسی آمدنی کو مسلمان غرباء، تعلیم، علاج، مساجد، مدارس اور نوازلات میں خرچ کیا جائے، اگر ان اوقاف کے شرائط مصارف معلوم ہوں تو ان مصارف کے انواع میں پہلے خرچ کیا جائے۔

مفتی محبوب علی وجیہی

مدرسہ و مسجد یا کسی خاندان کے افراد کے ختم ہوجانے کی صورت میں اس کی آمدنی اسی طرح کے مصارف میں خرچ ہوگی اس کے دلائل دوسرے جوابات کے ضمن میں گذر چکے ہیں۔

مولانا ظفر الاسلام اعظمی

اگر کسی وقف کے مصارف ختم ہوجائیں، مثلاً کوئی چیز کسی مسجد یا مدرسہ پر یا فلاں خاندان کے فقراء پر وقف تھی، اور اب نہ وہ مسجد ہے اور نہ وہ مدرسہ ہے اور نہ وہ فقراء ہیں، تو ایسی حالت میں کسی دوسری حاجت مند مسجد یا مدرسہ یا فقراء کو ان اوقاف کی آمدنی کا مصرف قرار دیا جائے گا (دیکھئے: کفایت المفتی ۷؍۲۹۷)

مفتی حبیب اللہ قاسمی

اسی سے ملتے جلتے دوسرے مصارف میں اس وقف کی آمدنی خرچ کرسکتے ہیں، مثلاً کوئی وقف کسی خاص مدرسے کے لئے تھا وہ مدرسہ باقی نہیں رہا تو وہ آمدنی دوسرے مدرسہ میں خرچ کی جاسکتی ہے۔

مفتی فضیل الرحمن ہلال عثمانی

اگر موقوف علیہ ناپید ہوجائے تو تمام ائمہ کا اس پر اتفاق ہے کہ اوقاف کی آمدنی واقف کے اقارب خصوصاً اس کے عصبات پر صرف کی جائے، اور اگر واقف کے اقارب موجود نہ ہوں تو اس کا مصرف فقراء اور مساکین ہیں۔

واتفق الشافعية والحنابلة مع الرأي السابق للمالكية على أن الموقوف يصرف عند انقراض الموقوف عليهم إلى أقرب الناس إلى الواقف فإن لم يكن للواقف أقارب أو كان له أقارب فانقرضوا صرف إلى الفقراء والمساكين وقفاً عليهم لأن القصد به الثواب الجاري على الدوام (الفقہ الاسلامی وادلتہ ۸؍۲۰۰)

مفتی شکیل احمد سیتاپوری

جاگیر اگر فقراء کے لئے وقف تھی تو دیگر مسلمان فقراء و مساکین پر، اور اگر مسجد و مدرسہ پر وقف تھی تو دیگر مدارس اور مساجد پر اس کی آمدنی کو صرف کیا جائے۔ یہ لازم باہمی مشورہ سے طے کیا جائے۔

مولانا سلطان احمد اصلاحی

اوقاف دو طرح کے ہوتے ہیں: (۱) موقوفہ علی الافراد (۲) موقوفہ علی غیر الافراد، مثلاً مساجد وغیرہ، تو اگر افراد موقوف علیہ ختم ہو جائیں تو ان پر موقوفہ اوقاف کی آمدنی فقراء پر صرف کی جائے گی۔

وفيه ما في الخانية وقف على ولديه ثم على أولادهما أبدا ما تناسلوا قال ابن الفضل إذا مات أحدهما عن ولد يصرف نصف الغلة إلى الباقي والنصف إلى الفقراء (شامی ۶/۶۳۵)۔

اور اگر موقوف علیہ غیر افراد ہوں بلکہ رفاہی کام ہوں تو ان پر موقوفہ آمدنی اسی نوع کے دوسرے قریبی وقف میں استعمال کرنا واجب ہے:

فإن لم يرض يصرف للفقراء الخ.

في الدر المختار: حاصله أن المنقول عندنا أن الموقوف عليه إذا خرب يصرف وقفه إلى مجانسه فتصرف أوقاف المسجد إلى مسجد آخر وأوقاف الحوض إلى حوض آخر الخ (شامی ۶/۲۲۹)۔

مولانا مفتی محمد حنیف

اس مسئلہ میں تقریباً تمام ائمہ مذاہب کا اتفاق ہے کہ ایسے اوقاف جن کے مصارف باقی نہ رہیں، دوسرے دینی ادارے یا کار خیر میں ان کو خرچ کیا جاسکتا ہے (بزازیہ علی الہندیہ ۶/۲۵۷)

مولانا محمد رضوان قاسمی

جو جائیداد وغیرہ کسی خاص خاندان پر وقف ہو اور وہ خاندان ختم ہو چکا ہو تو اس جائیداد کی آمدنی دوسرے فقراء پر جو ختم ہونے والے خاندان سے رشتہ میں قریب ہوں ان پر خرچ کیا جائے، اور ان کے نہ ہونے کی صورت میں آمدنی مختلف ہونے والے خاندان ہی کو پہونچایا جائے گا، اور مسجد و مدرسہ کے ختم ہونے کی صورت میں موقوفہ جائیداد کی آمدنی اقرب المساجد والمدارس جو محتاج ہوں ان پر صرف کیا جائے۔

مولانا شبیر علی

خیال رہے کہ اس سوال میں دو جز ہیں:

(۱) اگر کوئی جاگیر یا اوقاف کسی خاص خاندان کے لئے وقف کیا گیا تھا اور خاندان ختم ہو گیا۔ تو اب اس وقف کا کیا ہوگا؟

(۲) مسجد و مدرسہ کے لئے وقف تھا وہ مسجد یا مدرسہ ختم ہو گیا۔ تو اب ان اوقاف کا کیا حکم ہوگا؟ دونوں کے جوابات الگ ہیں:

پہلے جز کا جواب یہ ہے کہ کسی خاص خاندان کے اوقاف جب کہ وہ خاندان ختم ہو جائے عام فقراء کی جانب منتقل ہو جائیں گے۔ اور اس کی آمدنی اس علاقے کے فقراء میں تقسیم کر دیا جائے گا۔

ابن ہمام کی فتح القدیر میں ہے: ما لو وقف دارہ علی سکنی قوم بأعیانهم أو ولده و نسله ما

تناسلوا فإذا انقرضوا كانت غلتها للمساكين (۶/۲۱۲)۔

اسی طرح ہندیہ میں ہے: وكذا لو قال على ولدي وعلى من يحدث لي من الولد فإذا انقرضوا فعلى المساكين.. وإن لم يبق له ولد صرفت الغلة إلى الفقراء (۲/۳۷۰)۔

رجل قال أرضي هذه صدقة موقوفة على ولدي كانت الغلة لولد صلبه يستوي فيه الذكر و الأنثى وإذا جاز هذا الوقف فما دام يوجد واحد من ولد الصلب كانت الغلة له لا غير فإذا لم يبق واحد من البطن الأول تصرف الغلة إلى الفقراء۔

اس سے معلوم ہوا کہ خاندان کے ختم اور انقطاع کے بعد فقراء اس کے مصرف ہوں گے۔

دوسرے جز کا جواب یہ ہے کہ اگر مسجد یا مدرسہ پر وقف کیا گیا تھا تو اس کے انقطاع کے بعد قریبی مسجد و مدرسہ میں اس کے اوقاف کو منتقل کردیا جائے گا۔

كذا في الهندية رباط يستغني عنه وله غلة فإن كان بقربه رباط صرفت الغلة إلى ذلك الرباط وإن لم يكن بقربه رباط يرجع إلى ورثة الذي بنى الرباط (۲/۴۷۸)۔

اسی طرح مسجد کے لئے حکم ہے کہ اس کے اوقاف کو قریبی مسجد کی جانب لوٹا دیا جائے گا۔

كذا في مجمع النهر:

حوض أو مسجد خرب أو تفرق الناس عنه فللقاضي أن يصرف أوقافه إلى مسجد آخر أو حوض آخر (۱/۷۴۹)

اسی طرح شامی میں ہے:

يصرف وقفها لأقرب مجانس لها (۴/۳۵۹)۔

اس سے معلوم ہوا کہ مسجد یا مدرسہ کے اوقاف کو عدم ضرورت کی بنیاد پر قریبی اوقاف میں منتقل کردیا جائے گا۔

مولانا محمد ارشاد القاسمی

اس آمدنی کے حقدار واقف کے قریب رشتہ دار ہوں گے چاہے عصبہ ہوں یا ذوی الارحام، اگر وہ بھی مفقود ہوں تو اس آمدنی کو مصالح مسلمین پر خرچ کیا جائے گا۔

مولانا ایوب ندوی

اگر کسی وقف کے مصارف ختم ہو جائیں تو اس کی رقم کہاں خرچ کی جائے:

جن اوقاف کے مصارف ختم ہو چکے ہیں، مثلاً کوئی جاگیر کسی خاص خاندان کے فقراء کے لئے وقف تھی، وہ خاندان ختم ہو گیا یا اس کے افراد ختم ہو گئے، یا کسی مسجد و مدرسہ کے لئے زمین وقف تھی، اور اب نہ وہ مسجد ہے نہ مدرسہ تو ان اوقاف کی آمدنیوں کا مصرف یہ ہے کہ وہ جس قسم کے اوقاف کی آمدنیاں ہیں، اسی قسم کے دیگر قریبی اوقاف کے مصارف میں ان کو خرچ کیا جائے، مثلاً وہ وقف کسی خاندان کے فقراء کے لئے ہے، تو اس خاندان کے ختم ہونے پر اس

وقف کی آمدنی عام فقراء پر خرچ کی جائے اور ایک مسجد کے انہدام کے بعد اس کی آمدنی دوسری مسجد پر اور مدرسہ کے ختم ہو جانے پر اس کے وقف کی آمدنی دوسرے دینی مدرسہ پر خرچ کی جائے، البتہ یاد رہے کہ پہلے قریبی اوقاف کو دیا جائے، اور اگر اس قسم کے اوقاف کے مصارف اس شہر میں یا قریبی شہر میں نہ ہوں، تو دیگر شہروں میں جہاں اس جیسے اوقاف ہوں، وہ آمدنی کی رقم منتقل کر دی جائے، چنانچہ امداد الفتاوی جلد دوم سوال نمبر ۳۳۷ کے جواب کے ذیل میں مرقوم ہے:

الجواب: مدرسہ جنس مسجد سے نہیں اس لئے زائد رقم دوسری مساجد میں صرف کرنا چاہئے، اگر اس شہر میں حاجت نہ ہو تو دوسرے شہروں کی مساجد میں صرف کریں، جو زیادہ قریب ہو اس کا حق مقدم ہے، اسی طرح یہ ترتیب (امداد الفتاوی ۲/۲۹۶)

فتاوی قاضی خان میں ہے۔

رباط في طرق بعيد استغنى عنه المارة وبجنبه رباط آخر قال السيد الإمام أبو شجاع رحمه الله تعالى يصرف غلته إلى الرباط الثاني كالمسجد إذا خرب و استغنى عنه أهل القرية فرفع ذلك إلى القاضي فباع الخشب وصرف الثمن إلى مسجد آخر جاز (فتاوی خانیہ علی ہامش الہندیہ ۳/۳۱۵)

وقال أبو يوسف: إذا سمى فيه جهة تنقطع جاز وصار بعدها للفقراء (قدوری/۱۳۹)

وفي البزازية: وعن الحلواني في المسجد والحوض إذا خرب وتفرق الناس يصرف أوقافه إلى حوض و مسجد آخر (فتاوی بزازیہ علی الہندیہ ۶/۲۷۱)

وفيه أيضا وإن استغنى هذا المسجد يصرف إلى مسجد آخر (فتاوی بزازیہ ۶/۲۸۳)

وفي الدر المختار حشيش المسجد و حصره مع الاستغناء عنهما و كذا الرباط والبئر والحوض إلى أقرب مسجد أو رباط أو بئر أو حوض إليه الخ، وفي الشامية وظاهره أنه لا يجوز صرف وقف مسجد خرب إلى حوض وعكسه، وفي شرح الملتقى يصرف وقفها لأقرب مجانس لها (الدر المختار مع رد المحتار ۳/۴۰۷)

مولانا ابوبکر قاسمی

جن اوقاف کے مصارف ختم ہو چکے ہیں مثلاً کوئی جاگیر کسی خاص خاندان کے فقراء پر وقف تھی اور اب وہ خاندان دوسری جگہ منتقل ہو گیا ہو تو بھی اس کی آمدنی اسی خاندان کے فقراء پر صرف کی جائے، اور اگر وہ خاندان ختم ہو گیا ہے تو اس کی جنس یعنی دوسرے فقراء مسلمین اور مدارس کے طلبہ پر اس کی آمدنی صرف کی جائے، اور اگر وہ اوقاف کسی مسجد پر وقف تھے اور اب وہ مسجد باقی نہیں رہی اور وہاں مسلمانوں کی آبادی ہو تو ان اوقاف کی آمدنی سے اسی مسجد کی جگہ پر مسجد تعمیر کر کے آباد کیا جائے، اور اگر وہاں مسلم آبادی نہیں ہے تو ان کی آمدنی سے اولاً اس مسجد کی جگہ کو چہار

دیواری وغیرہ بنا کر محفوظ کرلی جائے تاکہ اس کی بے حرمتی نہ ہو اور غلط قبضہ کسی کا نہ ہو، اور بقیہ آمدنی قریب پھر بعید کی مساجد کی ضروریات میں صرف کی جائے، اسی طرح جو اوقاف کسی مدرسہ پر وقف تھے اور اب وہ مدرسہ نہیں رہا اور وہاں مسلمانوں کی آبادی ہے تو اس جگہ ازسر نو مدرسہ قائم کیا جائے اس آمدنی سے، اور اگر وہاں مسلم آبادی نہیں ہے تو ان اوقاف کی آمدنی قریب کے مدارس و مکاتب دینیہ کی ضرورتوں میں صرف کی جاوے۔

كما مر عن شرح الملتقى يصرف وقفها إلى أقرب مجانس لها (شامی ۵۱۳/۳) حاصله أن ما خرب تصرف أوقافه إلى مجانسه (رد المحتار ۵۷۳/۳)

مولانا عبد القیوم

واقفین نے اپنی جائداد جس پر وقف کیا تھا وہ وقف کا مصرف ختم ہو چکا وہ متعین فقراء یا متعین مساجد و مدارس اب نہ رہے، سب معدوم ہو چکے تو ایسی صورت میں ان اوقاف کی آمدنی کو اسی نوع کے قریبی وقف پر خرچ کریں گے جس نوع پر واقف نے وقف کیا تھا۔

وحكى أنه وقع مثله في زمن سيدنا الإمام الأجل في رباط بعض الطرق خرب ولا ينتفع المارة به وله أوقاف عامرة فسئل هل يجوز نقلها إلى رباط آخر ينتفع الناس به قال نعم لأن الواقف غرضه انتفاع المارة ويحصل ذلك بالثاني (شامی ۳۷۲/۳) وفي شرح الملتقى يصرف وقفها لأقرب مجانس لها (شامی ۳۷۱/۳)

مولانا تنویر عالم قاسمی

موقوف علیہ اگر خاص خاندان ہو اور وہ ختم ہو جائے تو اس وقف کو دیگر فقراء کو دیا جائے گا، اسی طرح جس مسجد و مدرسہ کے لئے جائداد وقف ہو اس کے ختم ہونے کی صورت میں اس کے ہم جنس قریبی مماثل پر صرف کیا جائے گا۔

قال الشامي علم من هذا أن منقطع الأول و منقطع الأوسط يصرف إلى الفقراء (شامی ۳۱۲/۳) كان الموقوف عليه إذا خرب يصرف وقفه إلى مجانسه فتصرف أوقاف المسجد إلى مسجد آخر وأوقاف الحوض إلى حوض آخر (شامی ۳۱۵/۳)

مفتی عبد الرحیم بھوپال

جن اوقاف کے مصارف ختم ہو چکے ہیں مثلاً کوئی جاگیر جو کسی خاص خاندان کے فقراء کے لئے وقف کی گئی تھی اور وہ خاندان ختم ہو گیا یا اسکے افراد ایسی دوسری جگہ منتقل ہو گئے کہ وہاں تک ان اوقاف کی آمدنی بھیجنا یا صرف کرنا دشوار تر ہو، یا کسی مسجد و مدرسہ کے لئے وقف تھا اور اب نہ وہ مسجد ہے نہ مدرسہ تو ان اوقاف کی آمدنی اسی نوع کے مصارف پر خرچ کیا جائے۔ مثلاً فقراء مخصوص کے لئے وقف تھا تو ان کے فقدان کی صورت میں دوسرے قریب کے فقراء پر صرف کیا جائے اور مسجد و مدرسہ کے اوقاف کو دوسرے قریب محتاج مسجد و مدرسہ پر صرف کیا جائے۔

مولانا نذر توحید مظاہری

جن اوقاف کے مصارف ختم ہو چکے ہیں ان کی آمدنی قومی و دینی کاموں کے لئے استعمال کی جا سکتی ہے۔

ڈاکٹر قدرت اللہ باقوی

جن اوقاف کے مصارف ختم ہو چکے ہوں تو ان اوقاف کی آمدنی ان کے ہم جنس قریبی مصارف میں خرچ کرنی چاہئے۔

(قوله إلى أقرب مسجد أو رباط) لف و نشر مرتب وظاهره أنه لا يجوز صرف وقف مسجد خرب إلى حوض و عكسه وفي شرح الملتقى يصرف وقفها لأقرب مجانس لها (شامی ۳۰۴/۳)۔

مولانا عبد اللطیف پالنپوری

جن کے اوقاف کے مصارف ختم ہو چکے ہیں مثلاً کوئی جاگیر کسی خاندان کے فقراء کے لئے وقف کی گئی تھی وہ خاندان ختم ہو گیا یا اس کے افراد دوسری جگہ منتقل ہو گئے، یا کسی مسجد و مدرسے کے لئے وقف تھا اور اب نہ وہ مسجد ہے نہ مدرسہ تو ان اوقاف کی آمدنی کا مصرف یہ ہے کہ جس قسم کے اوقاف کی آمدنی ہے اسی قسم کے دیگر اوقاف کے مصارف میں آمدنی کی اس رقم کو خرچ کر دیا جائے۔

جن فقراء پر وقف کی گئی تھی اب بالکل وہ لوگ ناپید ہیں تو دوسرے فقراء پر اس رقم کو خرچ کرنا چاہئے اگر موقوف علیہ فقراء کسی دوسرے گاؤں میں منتقل ہو گئے ہیں تو رقم ان فقراء تک پہنچانے کی سعی بلیغ کرنی چاہئے، مسجد کے انہدام کے بعد اس کی آمدنی دوسری مسجد پر اور مدرسے کے ختم ہو جانے پر اس کے وقف کی آمدنی دوسرے دینی مدارس و مکاتب پر خرچ کرنی چاہئے، اراضی موقوفہ کی بیع کی اجازت نہیں دی جا سکتی ہے، ہاں اراضی موقوفہ کو کرایہ پر دیا جا سکتا ہے یا مکان بنا کر کرایہ دار کو کرایہ پر دیا جا سکتا ہے۔

عن ابن عمر أن عمر وجد مالاً بخيبر فأتى النبي ﷺ فأخبره فقال إن شئت تصدقت بها فتصدق بها في الفقراء والمساكين وذي القربى والضيف (بخاری ۳۸۹/۱، الاشباہ والنظائر ۱۰۳/۲، ہدایہ ۶۳۶/۲، شرح وقایہ ۳۵۰/۲، ۳۵۵، قدوری ۱۳۸، ۱۴۰، الجوہرۃ النیرۃ ۳۱۷/۲، ۳۲۰)۔

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت عمر فاروق ؓ کو خیبر میں ایک قطعۂ زمین ملی تو اس کے بارے میں آپ ﷺ سے مشورہ کیا تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اگر تم چاہو تو اس کی پیداوار اور آمدنی کو صدقہ قرار دے دو، چنانچہ آپ نے (آنحضرت ﷺ کے فرمان کے مطابق) اس زمین کو وقف کر دیا اور اس کی پیداوار اور آمدنی کو فقیروں، مسکینوں، قرابت داروں اور مہمانوں کی خدمت میں صدقہ قرار دے دیا۔

قال العلامة الحصكفي في الدر المختار: الرباط والبئر إذا لم ينتفع بهما فيصرف وقف المسجد والرباط والبئر والحوض إلى أقرب مسجد أو رباط أو بئر أو حوض إليه (الدر المختار مع رد المحتار ۳۰۴/۳)۔

رباط في طريق بعيد استغنى عنه المارة وبجنبه رباط آخر قال السيد الإمام أبو شجاع

رحمه الله تعالى تصرف غلته إلى الرباط الثاني كال مسجد إذا خرب واستغنى عنه أهل القرية فرفع ذلك إلى القاضي فباع الخشب وصرف الثمن إلى مسجد آخر جاز (الفتاوى الهندية ۲/۳۱۵)

حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ دہلوی علیہ الرحمہ کا موقف:

اگر مسجد کا مال اس قدر جمع ہو کہ مسجد اس کی نہ فی الحال محتاج ہو اور نہ بظن غالب فی المآل، اور اس رقم کے اسی طرح جمع رہنے کی حالت میں طامعین اور تصرف متغلبین کا اندیشہ ہو تو بیشک یہ رقم موجودہ ضرورت میں جو اسلام اور مسلمین کے لئے ایک حادثہ عظمیٰ اور نائبہ کبریٰ ہے خرچ ہو سکتی ہے یعنی ترک مجروحین وتباہی دیہگان کی امداد کے لئے بھیجی جاسکتی ہے الخ (کفایت المفتی ۷/۲۶۸ تا ۲۶۹، جواب نمبر ۳۳۰)

میری اپنی رائے بھی یہی ہے کہ دوسری محتاج مساجد ومدارس اسلامیہ دیہگان وغیرہ پر جمع شدہ رقم خرچ کی جاسکتی ہے۔

مولانا محمد مصطفی قاسمی

باقی وہ اوقاف جن کے مصارف ختم ہو چکے ہیں مثلاً کوئی جاگیر کسی خاندان کے فقراء کے لئے وقف کی گئی تھی، وہ ختم ہو گیا یا اس کے افراد دوسری جگہ منتقل ہو گئے، یا کسی مسجد ومدرسہ کے لئے وقف تھا اب نہ وہ مسجد ہے نہ ہی مدرسہ۔ ایسی صورتوں میں اسی جیسے مصرف میں منتقل کر کے اوقاف کے مصارف کو صرف کئے جائیں گے۔

لا يجوز تغيير المصرف مع إمكان المحافظة كما لا يجوز تغيير الوقف بالبيع مع إمكان الانتفاع به (المغنی ۵/۶۳۳)

مولانا اخلاق الرحمن قاسمی

ایسے اوقاف جن کے مصارف ختم ہو چکے ہوں مثلاً کوئی جاگیر کسی خاص خاندان کے فقراء کے لئے وقف کی گئی تھی، اور اب وہ خاندان ختم ہو گیا ہو یا اس کے افراد دوسری جگہ منتقل ہو گئے ہوں، یا مسجد یا مدرسہ کے لئے وقف تھا لیکن اب نہ وہ مسجد ہے اور نہ مدرسہ، ان تمام صورتوں میں اوقاف کی آمدنی کا مصرف اس سے قریب جو مسجد اور مدرسہ ہے یا وہاں کے جو فقراء ہیں وہ اس کے مستحق ہوں گے، لیکن اگر وہاں کے رہنے والے اور وہاں کی مسجد اور مدرسہ اس سے مستغنی ہو تو متولی وقف کو اس کی اجازت ہے کہ وہ اس آمدنی کو انہی مصارف میں دوسری جگہوں پر خرچ کرے۔ علامہ ابن نجیم لکھتے ہیں:

إذا سمى فيه جهة تنقطع جاز وصار بعدها للفقراء ولو لم يسمهم هذا هو الصحيح عندنا. ولا يعطى للفقراء شيء مادام الموقوف عليه حيا فإذا مات صرف للفقراء (البحر الرائق ۵/۱۹۸)

جب وقف کے اندر کوئی جہت (مد) ایسی متعین کرے جو ختم ہو جائے تو اس کے بعد وہ فقراء کے لئے ہو جائے گا اگر چہ اس نے اس کی صراحت نہ کی ہو، اور فقراء کو اس میں سے کچھ نہیں دیا جائے گا جب تک موقوف علیہ باقی

لیکن فقراء، جن پر وقف تھا، اس سلسلہ میں یہ بات ملحوظ رہے کہ اگر وہ ایسی جگہ منتقل ہو جائیں جو ان کے مقام سے الگ بستی شمار ہوتی ہو تو وہ وقف سے محروم تصور کئے جائیں گے اور اگر وہ جگہ جہاں منتقل ہو کر گئے ہیں وہ اسی بستی (سابق) میں شمار کی جاتی ہے تو وہ وقف سے محروم نہیں کئے جائیں گے۔ علامہ کردری نے اس سلسلہ میں ایک اہم جزئیہ نقل فرمایا ہے:

وقف علی فقراء أقربائهم المقیمین بخوارزم فانتقلوا إلی بلد آخر إن کان ممن یحصون لا تنقطع وظیفتهم وإن لا یحصون تنقطع ثم إن بقی هناک منهم أحد یصرف الکل إلیه وإن لم یکن صرف الکل إلی الفقراء (البزازیۃ مع الہندیہ ۶/۲۷۸)

کسی شخص نے خوارزم میں مقیم اپنے رشتہ دار فقراء پر وقف کیا، پھر وہ لوگ (فقراء) دوسرے شہر منتقل ہو گئے، تو اگر اس شہر کو لوگ اسی میں سے (خوارزم میں) شمار کرتے ہیں تو ان کا وظیفہ ختم نہیں ہوگا، اور اگر اس کو خوارزم میں شمار نہیں کرتے ہیں تو ان کا وظیفہ ختم ہو جائے گا، لیکن اگر ان میں سے ایک بھی وہاں باقی ہے تو تمام کا تمام اسی کو دیا جائے گا، اور اگر کوئی بھی نہیں بچا ہے تو پورا فقراء و مساکین پر صرف کیا جائے گا۔

مولانا ابرار خان ندوی

صورت مسئولہ کا حکم یہ ہے کہ ان اوقاف کی آمدنی جب کہ اسکے مصارف اب باقی نہیں رہے تو قریب کے اسی نوع کے دوسرے اوقاف پر اسکو صرف کیا جائے۔

مولانا ابراہیم فلاحی پارڈولی

وہ اوقاف جن کے مصارف ختم ہو چکے ہیں مثلاً کسی معین خاندان کے فقراء کے لئے خاص جاگیر وقف کی گئی تھی یا مسجد یا مدرسہ کے لئے وقف کی گئی تھی، اور وہ خاندان یا مسجد یا مدرسہ بالکل ختم ہو چکے ہیں تو اس کا حکم یہ ہے کہ ان اوقاف کی آمدنی اسی نوع کے اوقاف میں صرف کی جائے گی یعنی اگر خاص مسجد ہے تو اس کی طرف سے مستغنی ہونے کی وجہ سے دوسری مسجد میں اس کی آمدنی صرف ہوگی، اسی طرح سے مدرسہ ہے تو دوسرے مدارس میں۔

وقال أبو یوسف" إذا سمی فیه جهة تنقطع جاز وصار بعدها للفقراء وإن لم یسمهم۔

یعنی امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ اگر وقف کرتے وقت ایسی جہت متعین کیا جو منقطع ہونے والا ہے تو اس کا وقف کرنا درست ہے، اور اس جہت کے منقطع ہو جانے کے بعد فقراء کے لئے وقف ہو جائے گا۔

وذلک مثل أن یقول جعلته صدقة موقوفة لله تعالی أبدا علی ولد فلان وولد ولده ولم یذکر الفقراء ولا المساکین وذلک لأنه إذا جعلها لله فهو وقفه أبدا لأن ما یکون لله فیصرف إلی المساکین فصار کما لو ذکره.

لہذا وہ اوقاف جو کسی خاص فقراء کے خاندان کے لئے یا کسی بھی متعین شخص کے لئے وقف کئے گئے تھے جن کے مصارف اب ختم ہو چکے ہیں، ان تمام کو اسی نوع میں صرف کیا جا سکتا ہے شرعاً اس کی اجازت ہے۔

مولانا سمیع اللہ قاسمی

وہ اوقاف جن کے معینہ مصارف ختم ہو چکے:

بہت سے اوقاف ایسے ہیں جن کے معینہ مصارف ختم ہو چکے مثلاً کوئی جاگیر کسی معین خاندان کے فقراء کے لئے وقف کی گئی تھی وہ خاندان ختم ہو گیا۔ تو اب اس کی آمدنی اور منافع دیگر فقراء کی جانب منتقل ہو جائیں گے۔ اور ان سے ان کے حوائج وضروریات پورے کئے جائیں گے جیسا کہ فتح القدیر کی عبارت سے یہ چیز مستفاد ہوتی ہیں:

وفي الفتح وقف على زيد ثم المساكين فرد زيد فهو للمساكين وكذا على زيد و عمر فرد أحدهما أو ظهر انه كان ميتا فنصيبه للمساكين (فتح ۵/۳۵۱)

اسی طرح اگر معین مدارس ومساجد پر وقف تھے اور اب وہ مدارس ومساجد ختم ہو چکے تو اب ان کے منافع و آمدنی علی حسب الاقرب والاقرب قریب تر مدارس ومساجد جو محتاج ہیں پر صرف کئے جائیں گے۔

وفي البحر ولو وقف على إنسان بعينه أو عليه وأولاده أو على قرابته وهم يحصون أو على امهات أولاده فمات الموقوف عليه فعلى الأول يعود إلى ورثة الواقف قال الناطفي في الأجناس وعليه الفتوى (بحر ۵/۲۰۳)

جیسا کہ ماسبق میں تحریر کیا جا چکا ہے اگر دیگر انواع سے اس نوع کو قریبی تعلق ہو اور غرض واقف کی پابندی ہو رہی ہو تو پھر دیگر اوقاف کی جانب منافع کے انتقال کی گنجائش ہو سکتی ہے علماء کرام اس علت پر غور فرمائیں۔

مولانا صدر عالم

جن اوقاف کے مصارف ختم ہو چکے ہیں تو ان اوقاف کی آمدنی فقراء پر خرچ ہوگی۔

وشرط لتمامه ذكر مصرف مؤبد وقال ابو يوسف يصح بدونه وإذا انقطع صرف على الفقراء (شرح وقایہ ۲/۳۵۷)

مولانا عطاء الله قاسمي

مخصوص افراد پر وقف شدہ جائداد کا حکم:

جو جائدادیں یا دوسری چیزیں خاص خاندان یا خاص لوگوں پر وقف کی گئی ہیں تو اگر ان لوگوں میں سے جن پر وہ وقف ہیں کوئی ایک بھی زندہ ہو تو اس کے بقدر اس کا حصہ الگ کر کے اس کو دیا جائے گا اور جو باقی بچے گا اس کو فقراء پر تقسیم کرنا ضروری ہوگا۔ اور اگر وہ لوگ جن پر وہ وقف تھا ان میں سے کوئی بھی زندہ نہیں ہے بلکہ سب فوت ہو چکے ہیں یا ان کا حال معلوم نہیں ہے کہ وہ کہاں ہیں تو پھر تمام آمدنی فقراء پر تقسیم کرنا ضروری ہوگا۔

ولو جعل أرضه صدقة موقوفة على عبد الله و زيد فالغلة لهما ولو ماتا كانت الغلة كلها للفقراء وإن مات أحدهما كان النصف للفقراء (ہندیہ ۲/۳۷۴)

اور اگر زمین کو عبد اللہ اور زید پر وقف کیا تو اس کی آمدنی دونوں کے لئے ہوگی اور اگر دونوں فوت ہو گئے ہوں تو کل آمدنی فقراء پر تقسیم کی جائے گی۔ اور اگر ان میں کا ایک فوت ہوا ہے تو نصف حصہ فقراء کو دیا جائے گا۔

لیکن یہاں صاحب معارف السنن کی عبارت ذہن میں رہے کہ فقراء کے بجائے اگر مدرسہ قائم کیا جائے یا اشاعت علم میں صرف کیا جائے تو بھی گنجائش معلوم ہوتی ہے کیونکہ وہ بھی قربت میں داخل ہے۔

مسجد پر وقف شدہ زمین کا حکم:

جو مسجد ویران اور برباد ہو چکی ہے در اصل یہ ہے کہ لوگ اس مسجد میں اب نماز بھی نہیں پڑھتے ہیں اور اس مسجد پر کچھ زمین وقف ہے جس سے آمدنی ہوتی ہے تو اس آمدنی کے بارے میں حکم یہ ہے کہ اس آمدنی سے اسی مسجد جس پر وہ وقف ہے اس کی تعمیر میں صرف کی جائے تاکہ واقف کی غرض اس سے پوری ہوتی رہے۔ اس مسجد کے علاوہ اس آمدنی کو دوسرے کار خیر میں صرف کرنا جائز نہ ہوگا۔ اس بارے میں فقہاء فرماتے ہیں۔

مسجد انهدم وقد اجتمع من غلته ما يحصل به البناء قال الخصاف لا تنفق الغلة في البناء لأن الواقف وقف على مرمته ولم يأمر بأن يبنى هذا المسجد والفتوى على انه يجوز البناء بتلك الغلة (حاشیہ علی الہندیہ ۲/۴۹۲)۔

جو مسجد منہدم ہو جائے اور اتنا غلہ (آمدنی) موجود ہو کہ جس کے ذریعہ اس مسجد کی تعمیر ہو سکے تو خصاف یہ کہتے ہیں کہ وہ آمدنی تعمیر میں صرف نہیں کی جائے گی کیونکہ واقف نے مسجد کی مرمت وغیرہ کے لئے وقف کیا ہے اور اس نے اس آمدنی سے مسجد کی تعمیر کا حکم نہیں دیا، اور فتوی یہ ہے کہ اس آمدنی سے مسجد کی تعمیر جائز ہے۔

اس عبارت سے یہ بات سمجھ میں آرہی ہے کہ اگر مسجد پر کوئی جگہ وقف ہے اور واقف نے اس لئے وقف کیا ہے تاکہ اس کے ذریعہ اس مسجد کی مرمت وغیرہ ہوتی رہے تو اس کے ذریعہ تعمیر کی جائے گی لیکن اگر تعمیر کسی وجہ سے متعذر ہو مثلاً اب وہاں مسلمان نہیں رہتے ہیں تو ایسی صورت میں مسلمانوں کی آبادی میں وہ آمدنی اسی مصرف میں صرف کی جائے گی دوسرے کاموں میں صرف کرنا جائز نہ ہوگا لیکن شرط یہ ہے کہ قاضی یا حاکم کی اجازت سے ہو مگر اس ملک میں علماء اور قاضیوں کی اجازت سے بھی منتقل کی جائے تو گنجائش معلوم ہوتی ہے کیونکہ یہ دار الاسلام نہیں ہے۔

وعن الثاني ينقل الى مسجد آخر باذن القاضي (درمختار ۳/۴۰۷)

اور امام ابو یوسف سے مروی ہے کہ دوسری مسجد میں منتقل کی جائے قاضی کی اجازت سے۔

مولانا اسعد اللہ قاسمی

جس وقف کا مصرف ختم ہو جائے:

اگر کسی وقف کا مصرف ختم ہو جائے مثلاً کوئی جائداد کسی مدرسہ پر وقف ہو اور اب وہ مدرسہ باقی نہیں رہا تو ایسے وقف کی آمدنی اسی نوع کے دوسرے اوقاف جو دوسری جگہ واقع ہیں پہنچا دیئے جائیں گے اس پر علامہ شامی کی یہ عبارت دال ہے:

فيصرف وقف المسجد والرباط والبئر والحوض الى اقرب مسجد او رباط او بئر او حوض اليه وفي الرد نقل ونشر مرتب وظاهره انه لا يجوز صرف وقف مسجد خرب الى حوض وعكسه وفي شرح الملتقى يصرف وقفها لاقرب مجانس لها (شامی ۲/۵۴۹)

مسجد، خانقاہ، کنواں اور حوض کے وقف کو قریبی مسجد، خانقاہ، کنواں یا حوض کی طرف پھیرنا جائز ہے، شافعی مسلک میں ہے کہ چونکہ وقف ہمیشہ مرتب ہے اور اس کا ظاہر یہ ہے کہ منہدم مسجد کو حوض یا حوض کو مسجد کی طرف لوٹانا جائز نہیں ہوگا۔

مسلک مالکی:

امام مالکؒ کا بھی مذہب یہی ہے کہ اگر کسی وقف کا مصرف ختم ہو جائے تو اس کی آمدنی کو اسی نوعیت کے اوقاف میں استعمال کیا جائے گا، چنانچہ ابوالبرکات "احمد دردیر" میں لکھتے ہیں کہ اگر کسی نے چند کتابیں کسی متعین مدرسہ پر وقف کیں اور اب وہ مدرسہ باقی نہیں رہا کہ وہاں کے لوگ اس سے استفادہ کرسکیں تو اسے دوسرے مدرسہ کو دیا جائے گا۔

أما كتب العلم إذا وقفت على من لا ينتفع بها كأمي أو امرأة فإنها لا تباع وإنما تنقل لمحل ينتفع بها فيه كالكتب الموقوفة بمدرسة معينة فتخرب تلك المدرسة وتصير الكتب لا ينتفع بها فإنها تنقل لمدرسة أخرى ولا تباع (الشرح الکبیر ۴/۹۱)

بہرحال علم کی کتابیں جب وقف کی جائیں اس شخص پر جو اس سے فائدہ نہ اٹھائے جیسے ان پڑھ یا کسی عورت پر تو اس کو فروخت نہیں کیا جائے گا بلکہ اس کو ایسی جگہ منتقل کیا جائے گا جو اس سے فائدہ اٹھا سکے، چنانچہ اگر کتابیں کسی متعین مدرسہ پر وقف کی جائیں اور وہ مدرسہ ویران ہو جائے اور ان کتابوں سے فائدہ اٹھانے والا نہ ہو تو اس کو دوسرے مدرسہ کی طرف منتقل کردیا جائے گا لیکن فروخت نہیں کیا جائے گا۔

مسلک حنبلی:

امام احمدؒ کا مسلک یہ ہے کہ اگر کسی وقف کا مصرف ختم ہو جائے تو اس کو فقراء و مساکین کی طرف منتقل کردیا جائے گا، چنانچہ ابن قدامہ رقم طراز ہیں:

ولأنه مال الله تعالى لم يبق له مصرف فصرف إلى المساكين كالوقف المنقطع (المغنی ۵/ ۲۶)

مولانا محمد ارشد قاسمی

☆☆☆☆☆☆

وقف کے بعض حصہ کو فروخت کر کے بقیہ کی تعمیر

اس مسئلہ سے متعلق جواب دینے والے علماء کرام کے اسمائے گرامی

مولانا عبید اللہ اسعدی
مولانا عتیق احمد قاسمی
مولانا زبیر احمد قاسمی
مفتی شبیر احمد قاسمی
مولانا مظفر عالم ندوی
ڈاکٹر عبد العظیم اصلاحی
مولانا ابوسفیان مفتاحی
مولانا ظفر الاسلام اعظمی
مفتی فضیل الرحمن ہلال عثمانی
مولانا سلطان احمد اصلاحی
مولانا محمد رضوان قاسمی
مولانا محمد ارشاد القاسمی
مولانا ابوبکر قاسمی
مولانا تنویر عالم قاسمی
مولانا نذر توحید مظاہری
مولانا عبد اللطیف پالنپوری
مولانا اخلاق الرحمن قاسمی
مولانا محمد نور القاسمی
مولانا ابراہیم فلاحی ہاردولی
مولانا محمد صدر عالم قاسمی
مولانا اسعد اللہ قاسمی

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی
مفتی جنید عالم قاسمی
مولانا عبد الجلیل قاسمی
مفتی نسیم احمد قاسمی
مولانا شمس پیرزادہ
مفتی جمیل احمد نذیری
مفتی محبوب علی وجیہی
مولانا حبیب اللہ قاسمی
مفتی شکیل احمد سیتاپوری
مولانا مفتی محمد حنیف
مفتی شیر علی گجراتی
مولانا ایوب ندوی
مولانا عبد القیوم پالنپوری
مفتی عبد الرحیم قاسمی
ڈاکٹر قدرت اللہ باقوی
مولانا محمد مصطفی قاسمی
مولانا قمر الزماں ندوی
مولانا ابرار خاں ندوی
مولانا سمیع اللہ قاسمی
مولانا عطاء اللہ قاسمی
مولانا محمد ارشد قاسمی

وقف کے بعض حصہ کو فروخت کرکے بقیہ کی تعمیر

سوال۔ الف: بعض اوقاف کی عمارتیں مخدوش حالت میں ہیں، اور وقف کے پاس تعمیر کے لئے سرمایہ نہیں ہے۔ اور کوئی بلڈر اس کے لئے تیار ہے کہ اس مخدوش عمارت کو ڈھا کر نئے سرے سے چند منزلہ عمارت اپنے مصارف پر اس شرط کے ساتھ تعمیر کردے کہ اس کی ایک یا دو منزل اس کی ملکیت ہوگی جس میں اس کو ہر قسم کے تصرف کا حق ہوگا اور بقیہ وقف کے مصارف کے لئے، کیا شرعا ایسا معاملہ درست ہے۔ اسی طرح وقف کی ایک زمین ہے جس پر کسی طرح کی کوئی عمارت نہیں، اور نہ ہی اس سے انتفاع کی کوئی صورت ہے۔ اس زمین سے فائدہ اٹھانے کے لئے اگر کسی بلڈر سے اسی طرح کا معاملہ کرلیا جائے تو اس کا کیا حکم ہے؟

ب اسی طرح کسی وقف شدہ مخدوش عمارت کی نئی تعمیر کے لئے یا خالی زمین پر عمارت قائم کرنے کے لئے یا محتاج تعمیر مسجد کی تعمیر کے لئے، وقف شدہ زمین وجائداد کا کوئی حصہ فروخت کرکے اس سے نئی تعمیر کی جا سکتی ہے، جب کہ اس کا مقصد وقف کی حفاظت ہے اور اس کے بغیر یہ ممکن نہیں ہے؟

جوابات

الف۔ جب اس عمارت وزمین سے انتفاع کی کوئی مناسب صورت نہ بن سکے مثلاً یہ کہ زمین کو کرایہ پر دیدیا جائے یہ بھی دشوار ہے، تو ایسا معاملہ کرنے کی گنجائش سمجھ میں آتی ہے کہ کوئی بلڈر تعمیر کرکے انتفاع کی شکل پیدا کردے اور وقف کی عمارت سے ہی اپنا معاوضہ حاصل کرلے، اس کے لئے صورت معاملہ اس طرح کی اختیار کی جائے کہ بتدریج زمین وعمارت سے بلڈر کا تعلق ختم ہوجائے، بجائے ایک دو منزل کی مستقل ملکیت کے وہ اپنا معاوضہ طے کرلے جس کو عمارت کی تیاری کے بعد اس کی آمدنی سے یکمشت یا بتدریج لے لے۔

اس انداز کے بعض نظائر کا تذکرہ اس سے پہلے گذر چکا ہے ضرورۃ ان صورتوں کو گوارا کیا گیا ہے۔ اگر بلڈر اپنے کام کے عوض طویل اجارہ کا خواہشمند ہو، معمولی اجرت وکرایہ پر تو ان صورتوں کے مطابق اس کو بھی گوارا کیا جا سکتا ہے۔

ب۔ وقف کی آبادی کے لئے اس کے کسی حصہ کو فروخت کرنا، وقف کی اصلاح نہیں بلکہ اہلاک ہے، اس لئے اس کی اجازت یا اس انداز کی کسی چیز کی صراحت فقہ حنفی کی کتابوں اور علماء سے نہیں مل سکی، البتہ امام احمد سے اس کی اجازت ضرورت پر منقول ہے۔

جہاں واقعی ضرورت ہو اور کوئی حل نہ نکلے، اور اوپر جو صورت ذکر کی گئی ہے اس طرح کا بھی کوئی معاملہ نہ ہوسکے تو اس صورت کو بعض وقف کی حفاظت، بقاء اور باز آبادکاری کی نیت سے اختیار کیا جا سکتا ہے۔

مولانا عبید اللہ اسعدی

کچھ عمارت کے بدلے نئی عمارت کی تعمیر:

الف۔ وقف کی مخدوش عمارت کی تعمیر نو کے لئے اس بات کی گنجائش ہے کہ عمارت کا کچھ حصہ تعمیر کنندہ لے لے اور بقیہ مقصد وقف میں استعمال ہو، کیوں کہ اس میں وقف کا تحفظ اور مقصد وقف کی تکمیل ہی مقصود ہے، فقہاء کے یہاں اس طرح کی بہت سی صراحتیں موجود ہیں، کہ وقف کو کارآمد بنانے کے لئے اس کے کچھ حصے کو کرایہ پر لگانا، اس کے ملبہ کو فروخت کرنا بلکہ خود اس زمین کو فروخت کرنا درست ہے، فتاویٰ بزازیہ میں اس بات کو بڑی صراحت و وضاحت کے ساتھ لکھا گیا ہے:

بيع عقار المسجد لمصلحة لا يجوز وان بأمر القاضي وان باع بعضه لإصلاح باقيه لخراب كله جاز (فتاویٰ بزازیہ ۲۷۱/۶)

نیز فقہاء حنابلہ میں علامہ ابن قدامہ کا بیان ہے:

فلم تمكن عمارته ولا عمارة بعضه إلا ببيع بعضه جاز بيع بعضه لتعمر به بقيته (المغنی ۳۶۸/۵)

ب: یہی حکم اس صورت کا بھی ہے جب عمارت کے بجائے خود زمین کا کچھ حصہ تعمیر نو کے لئے فروخت کرنا پڑے، البتہ اس بات کا لحاظ ضروری ہے کہ مسجد کی تعمیر نو میں خاص اس جگہ میں سے کوئی حصہ فروخت نہ کیا جائے جسے نماز کی ادائیگی کے لئے مخصوص کیا گیا تھا اور جو مسجد کے حکم میں داخل ہو گیا تھا۔

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی

الف۔ سوال میں مذکور صورت معاملہ درست ہے لیکن ایسا انتہائی مجبوری میں کیا جا سکتا ہے پہلے کوشش کی جائے کہ بلڈر کو ایک دو منزلیں بہ طور ملک نہیں بلکہ بطور اجارہ دی جائیں۔

ب: یہ صورت معاملہ بھی درست ہے۔

مولانا عتیق احمد قاسمی

الف۔ کسی بلڈر سے اس شرط پر مکان بنوانا کہ اس کی ایک منزل یا دو منزل اس کی ہوگی:

اگر وقف کی عمارت مخدوش حالت میں ہے، اور وقف کے پاس اس کی تعمیر کے لئے سرمایہ نہیں ہے، اسی طرح وقف کی کوئی زمین ہے، جس پر کوئی عمارت نہیں ہے اور نہ ہی اس سے انتفاع کی کوئی صورت ہے، اور کوئی بلڈر مخدوش عمارت کو ڈھا کر نئے سرے سے یا خالی زمین پر چند منزلہ عمارت اپنے مصارف پر اس شرط کے ساتھ تعمیر کرنے کے لئے تیار ہے کہ ایک یا دو منزل اس کی ملکیت ہوگی، جس میں اس کو ہر قسم کے تصرف کا اختیار ہوگا، اور بقیہ منزلیں وقف کے مصارف کے لئے ہوں گی، تو چونکہ اس صورت میں وقف کو کوئی نقصان نہیں ہے بلکہ فائدہ ہی فائدہ ہے، اور اس میں منشاء واقف اور مقاصد وقف کا تحفظ و بقا بھی ہے۔ اس لئے میرے خیال سے اس صورت کو جائز ہونا چاہئے اس طرح کا معاہدہ کیا جا سکتا ہے۔ البتہ اس کا خاص خیال رکھا جائے کہ نیچے کی منزل وقف رہے، وہ بلڈر کی ملک نہ قرار

دی جائے۔ اس میں فتنہ کا اندیشہ ہے۔

ب۔ موقوف زمین کے کسی حصہ کو فروخت کر کے اس کی قیمت تعمیرات میں لگانا:

جب وقف تام و مکمل ہو جائے تو اس کو فروخت کر کے اس کی قیمت کسی مصرف پر صرف کرنا اور وقف کو وقفیت سے نکال دینا شرعاً جائز نہیں ہے۔ شئی موقوف کی وقفیت کو باقی رکھنا خواہ اصلی حالت میں ہو یا اس کی جگہ پر اسی نوع کی دوسری شئی خرید کر ہو ضروری ہے۔ لہذا مذکورہ صورت میں موقوفہ زمین و جائداد کے کسی حصہ کو فروخت کر کے اس کی قیمت منہدوش عمارت کی نئی تعمیر یا خالی زمین پر عمارت قائم کرنے یا نئی مسجد کی تعمیر پر صرف نہیں کر سکتے ہیں۔ شرعاً اس کی اجازت نہیں ہوگی اس سے احتراز لازم ہے۔

علامہ ابن نجیم البحر الرائق میں خلاصہ اور فتاوی نسفی کے حوالے سے تحریر فرماتے ہیں:

"بیع عقار المسجد لمصلحة المسجد لا یجوز وإن کان بأمر القاضي وإن کان خرابا" (البحر الرائق ۲۲۳/۵)

مفتی جنید عالم ندوی قاسمی

الف۔ اوقاف کی عمارتیں منہدوش ہوں یا محض کوئی خالی زمین ہو اس پر کسی قسم کی کوئی عمارت ہی نہ ہو اب اس منہدوش عمارت کو ڈھا کر یا خالی زمین پر چند منزلی عمارت کی تعمیر کی جائے تا کہ منفعت بڑھ جائے، یہ فی نفسہ جائز ہے، کما مر۔

لیکن سوال یہ ہے کہ متولی و قیم کے پاس خود وقف کا اتنا سرمایہ نہیں جس سے عمارت کی تعمیر کی جا سکے اس لئے وہ کسی بلڈر سے معاہدہ کرے جس میں یہ طے پائے کہ وہ بلڈر اپنے ذاتی سرمایہ سے چند منزلہ عمارت بنائے اور اس کے بدلے میں عمارت کی ایک یا دو منزل بلڈر کی ملکیت ہوگی اس میں اس کو ہر قسم کے تصرفات کا حق ہوگا اور بقیہ دیگر منزلیں مصارف وقف کے لئے ہوں گی، تو کیا شرعاً ایسا معاملہ درست ہوگا؟

جہاں تک میں نے غور کیا ہم کو یہی سمجھ میں آیا کہ ہمیشہ کے لئے ایک دو منزل کی مالکانہ حیثیت بلڈر کو دے دینا کسی توجیہ سے درست نہیں ہے، ہاں اگر تحدید اور مدت کی تعیین کر دی جائے کہ اتنی مدت تک یہ ایک یا دو منزل تمہارے آزادانہ تصرف و قبضہ میں رہے گی تم اس سے ہر قسم کا نفع اٹھا سکتے ہو صرف فروخت نہیں کر سکتے ہو، اور اس مدت کے بعد تم کو دست بردار ہونا پڑے گا، تو ایک توجیہ کے تحت یہ معاملہ جائز ہو سکتا ہے۔

اور وہ توجیہ یہ ہوگی کہ متولی کی اجازت سے چونکہ بلڈر نے تعمیر عمارت کے مصارف اپنی ذاتی رقم سے پورے کئے ہیں اس لئے شرعاً اپنے صرف کردہ رقم کے بقدر رجوع و مطالبہ کا حق اس کو ملے گا، اب چونکہ متولی کے پاس اتنا سرمایہ نہیں کہ وہ یکمشت ادا کر دے اس لئے وہ یہ صورت اختیار کر رہا ہے کہ جتنی مدت میں اس ایک یا دو منزل سے بشکل کرایہ وغیرہ بلڈر کی صرف رقم پوری ہو جائے گی اتنی مدت تک کے لئے اسے بلڈر کے تصرف، قبضہ میں چھوڑ دیا جائے اس دوران وہ اس سے جس طرح چاہے نفع حاصل کرے لیکن مدت گذر جانے پر اس سے دست بردار ہونا ہوگا، یہ دراصل بلڈر کے حق یعنی تعمیر کے اخراجات کی ادائیگی کی ایک صورت ہوگی اور بس۔

یہاں یہ بات جو تقریباً مسلمہ ہے ضرور مستحضر رہے کہ زمین کے تابع ہو کر عمارات بھی وقف ہوا کرتے ہیں، اور فقہاء کی صراحت ہے:

إن لم يكن متولياً فإن بنى بإذن المتولي ليرجع فهو وقف وإلا فإن بنى للوقف فوقف وإن لنفسه أو أطلق فله رفعه إن لم يضر (شامی ۳/۴۲۹) وإن أضر فهو المضيع ماله فليتربص إلى خلاصه (الاشباہ والنظائر ۱۹۳)

بہر حال جب اذن متولی سے وہ بلا رد زمین موقوفہ پر تعمیر عمارت کرے گا تو وہ عمارت وقف ہی ہوگی اس لئے "لایباع ولا یوھب" کا حکم رہے گا، زیادہ سے زیادہ وہ اپنی رقم کے مطالبہ ورجوع کا حق رکھے گا، اور اگر بلا اذن متولی کے کوئی ارض موقوف پر تعمیر کرے گا تو وہ اس کی نیت کے مطابق وقف اور ذاتی بھی ہوسکتی ہے، مگر ذاتی ہونے کی صورت میں بلا ضرر وقف تعمیر کا رفع ممکن ہو تو خیر، ورنہ وہ اپنے مال کا برباد کرنے والا بھی قرار دیا جاسکتا ہے **كما تدل عليه الرواية السابقة**۔

ب۔ کسی وقف شدہ مخدوش عمارت کی نئی تعمیر کے لئے، یا وقف شدہ خالی زمین پر عمارت بنانے کے لئے یا محتاج تعمیر کی جدید تعمیر کے لئے وقف زمین وجائداد کا کچھ حصہ فروخت کرکے تعمیری کام کیا جاسکتا ہے، شرعاً اس کی گنجائش ہے، مگر شرط یہ ہے کہ ان تعمیرات کا اصل مقصد ومحرک محض ان اوقاف کی حفاظت ہو اور اس کی کوئی سبیل بجز فروختگی وتعمیر کے متصور نہ ہو۔

یہاں ایک خفیف سا شبہ مسجد کی تعمیر کے لئے اس پر وقف زمین کی فروختگی کے متعلق یہ ہوسکتا ہے کہ واقف کا مقصد مسجد پر زمین وقف کرنے سے عموماً یہی ہوتا ہے کہ اس زمین کو باقی رکھ کر اس کی آمدنی سے مسجد کی ضروریات پوری کی جاتی رہے اور فروختگی سے یہ مقصد بظاہر فوت ہوتا ہوا معلوم پڑتا ہے، مگر اس شبہ کا ازالہ اس طرح ہوسکتا ہے کہ اگر مسجد پر وقف زمین کا یا جزء ا خود خطرہ میں ہو اور اس کی حفاظت اور اس سے انتفاع بجز فروختگی کے ممکن نہ ہو تب تو یہ جائز اس لئے کہا جائے گا کہ دوسرا استبدال وقف بشکل مسجد قائم کیا گیا، اور اگر خود یہ زمین خطرہ میں نہ ہو مگر محتاج تعمیر مسجد کی حفاظت وبقاء بلا تعمیر جدید کے ممکن نہ ہو اور کوئی دوسرا راستہ تعمیر کا سامنے نہ ہو تو گرچہ یہ زمین بظاہر اس مسجد کے مصالح وضروریات کے لئے وقف ہے مگر چونکہ عمارت مسجد اور مصالح مسجد ایک ہی درجہ میں ہیں، **كما قالت الفقهاء: الوقف على عمارة المسجد و مصالح المسجد سواء** " اس لئے اگر اس کی آمدنی سے تعمیر مسجد ممکن نہ ہو تو اس کی فروختگی بھی انشاء اللہ واقف کے منشاء ومقصد اور غرض کے خلاف نہ ہوگی، واللہ اعلم بالصواب۔

مولانا زبیر احمد قاسمی

الف۔ اگر وقف کی عمارت مخدوش ہو اور وقف کے پاس تعمیر کے لئے سرمایہ نہ ہو اور کوئی شخص مخدوش عمارت کی جگہ نئی عمارت کی تعمیر کے لئے تیار ہے اس شرط کے ساتھ کہ ایک یا دو منزل اس کی ملکیت ہوگی یا کوئی خالی زمین ہے اس سے انتفاع ممکن نہیں ہے اور مذکورہ شرط پر کوئی شخص عمارت بنانے کے لئے آمادہ ہے تو میرے خیال میں اس شرط کے ساتھ

اس کی اجازت دی جانی چاہئے کہ وہ شخص وقف کے مکان پر جتنا سرمایہ خرچ کر رہا ہے اس سے بہت زیادہ قیمت اس منزل کی نہ ہو تو اس کی ملکیت قرار دی جا سکتی ہے۔

ب۔ وقف شدہ اراضی کو فروخت کرکے مسجد کی تعمیر میں صرف کرنا جس سے اس کی آمدنی ختم ہو جائے جائز نہیں۔

بيع عقار المسجد لمصلحة المسجد لا يجوز وإن كان بأمر القاضي وإن كان خرابا (البحر الرائق ۵ر۲۴۲)

البتہ اگر وقف شدہ مخدوش عمارت کی تعمیر کے لئے وقف کے پاس سرمایہ نہیں ہے اور اس سے آمدنی حاصل کرنے اور اس کی حفاظت کا کوئی ذریعہ اس کے سوا نہیں ہے کہ اس کے کچھ حصہ کو فروخت کرکے باقی حصہ کو محفوظ اور قابل انتفاع بنایا جائے تو مجبوری کی صورت میں اس کی اجازت دی جانی چاہئے تاکہ وقف محفوظ بھی رہے اور اس سے آمدنی بھی حاصل ہو جو منشاء واقف کے مطابق خرچ ہو۔

وإن باع بعضه لإصلاح باقيه لخرابه كله جاز (منحۃ الخالق علی البحر ۵ر۲۴۲)

مولانا عبد الجلیل قاسمی

الف۔ بلڈر اور ٹھیکیدار سے تعمیر کرا کے بعض حصہ اسکو دیدینا

بلڈر اور ٹھیکیدار کے ہاتھ اس طرح سودا کرنا جائز نہیں ہے کہ تعمیر کے بعد وہ ایک منزل ٹھیکیدار کی ملکیت میں منتقل ہو جائے، اس لئے کہ اس میں اصل وقف کا جزء فروخت کرنا لازم آتا ہے، اور خود اس کی ملکیت کو ختم کر کے بندوں کی ملکیت میں دینا لازم آتا ہے جو کسی طرح بھی جائز نہیں ہے، اور یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ اس میں وقف کی حفاظت ہے بلکہ بعض اجزاء کو ضائع کرنا ہے، ہاں اس کی صورت یہ ہو سکتی ہے کہ انتفاع ختم ہو جانے کی صورت میں تبادلہ کر کے کارآمد متبادل زمین یا عمارت حاصل کرنے کی اجازت ہو سکتی ہے جس کی تفصیل بیان اوقاف کے تحت گذر چکی ہے۔

یہ مسئلہ فقہاء کی اس عبارت سے واضح ہے۔

فإذا تم ولزم لا يملك ولا يملك ولا يعار ولا يرهن وتمامه في الشامية، لا يملك أي لا يكون مملوكا لصاحبه ولا يملك أي لا يقبل التمليك لغيره بالبيع ونحوه لاستحالة تمليك الخارج عن ملكه (ردالمحتار ۴ر۳۵۳)

لہذا جب وقف تام ہو کر لازم ہو جائے تو نہ کوئی مالک ہو سکتا ہے اور نہ کسی کو مالک بنایا جا سکتا ہے اور تبادلہ کی صورت یا اجارہ کی صورت ہو سکتی ہے۔ اور شامی میں ہے کہ وقف کی حفاظت ہو سکتی ہے اور یہی خیر و ثواب و فلاح کا ذریعہ ہے۔ ملک بنانے کی اس میں صلاحیت نہیں اس کی ملکیت سے خارج کر دینے کی وجہ سے دوسرے کو مالک بنانا محال ہو گیا ہے۔

ب۔ وقف کے بعض حصہ کو فروخت کرکے بقیہ کی تعمیر:

اگر وقف کی عمارت مخدوش ہو گئی ہے اور اس کے پاس کوئی سرمایہ نہیں ہے تو بعض حصوں کو فروخت کر کے

بقیہ کی تعمیر جائز ہے یا نہیں؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ ایک ہے وقف کی ملکیت کہ جس کو وقف کی ترقیاتی اسکیم کے لئے خریدی گئی تھی یا کسی نے ترقی کے لئے ملکیت میں دے دیا ہے تو ایسی ملکیت میں سے فروخت کر کے اصل وقف کی تعمیر میں لگانا جائز ہے، دوسرا ہے نفس وقف، یعنی شئی موقوف اور اس کے اجزاء تو تعمیر اور ترقی کے لئے اصل وقف کا کوئی جز فروخت کرنا جائز نہیں ہے بلکہ موجودہ متولی سے کوئی کام نہیں ہو رہا ہے تو اس کو معزول کر کے دوسرے فعال شخص کا انتخاب لازم ہوگا، مگر وقف کا کوئی جز فروخت نہ ہوگا۔ اس کو حضرات فقہاء نے اس طرح کے الفاظ سے نقل فرمایا ہے:

واذا خربت أرض الوقف وأراد القيم أن يبيع بعضا منها ليرم الباقي بثمن ما باع ليس له ذلك (تاتارخانیہ ۵/۲۸۷)

اور جب وقف کی زمین ویران ہو جائے اور ذمہ دار اس میں سے بعض کو فروخت کر کے اس کے پیسے سے بقیہ کی تعمیر کا ارادہ کرے تو اس کے لئے یہ عمل جائز نہیں ہے۔

البتہ حضرت امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک ان سب امور کی اجازت ہے جس پر سعودیہ وغیرہ میں عمل ہو چکا ہے مگر ہمارے لئے نہ اس کا اختیار کرنا مناسب ہے اور نہ ہی حنفیہ کے مسلک کو چھوڑنے کی گنجائش ہے۔ اس کی تفصیل اعلاء السنن (۱۳/۲۰۸) میں موجود ہے۔

مفتی شبیر احمد قاسمی

الف۔ بلڈر سے اوقاف کی زمین پر اس شرط کے ساتھ مکان تعمیر کرانا کہ مکان کی ایک یا دو منزل اس کی ہوگی:

اگر کسی وقف کی عمارت خستہ اور مخدوش حالت میں ہو، وقف کے پاس اس کی از سرِ نو تعمیر کے لئے ضروری سرمایہ نہیں ہے، یا وقف کی کوئی زمین ہے جس پر مکان تعمیر نہیں ہے اور اس زمین سے پیداوار بھی نہیں ہوتی ہے اور نہ ہی اس سے انتفاع کی کوئی اور صورت ممکن ہے، ایسی صورت میں اگر کوئی بلڈر وقف کی مخدوش عمارت کو منہدم کر کے تعمیر جدید یا خالی زمین پر اپنے مصارف سے عمارت بنانے کے لئے اس شرط پر آمادہ ہو جائے کہ تعمیر شدہ مکان کی ایک یا دو منزل اس کی ذاتی ملکیت قرار پائے گی جس میں اسے ہر قسم کے تصرف کا حق حاصل ہوگا، اور بقیہ منزلیں مصارف وقف کے لئے ہوں گی، تو چونکہ ایسی صورت میں وقف موجودہ پوزیشن میں کسی بھی طرح قابل انتفاع نہیں ہے اس لئے اسے قابل انتفاع بنانے کے لئے بلڈر سے اس قسم کا کوئی معاملہ کیا جاتا ہے تو شرعاً وہ درست اور جائز قرار پائے گا، اس طرح کا معاملہ مقصد وقف اور منشاء واقف کے عین مطابق ہے، اور مقاصد وقف کا اس میں تحفظ بھی ہے۔ اس لئے میرے نزدیک معاملہ کی یہ صورت درست ہے، البتہ اس کا خیال رکھا جائے کہ مکان کے نیچے کی منزل ہر حال میں وقف ہی رہے، اسے بلڈر کی ملکیت قرار نہ دیا جائے۔

ب۔ ارض موقوفہ کے کسی حصہ کو فروخت کر کے اس کی قیمت تعمیرات میں صرف کرنا:

وقف کے تام و مکمل اور لازم ہو جانے کے بعد اس کی فروختگی اور اس کا ہبہ درست نہیں ہے ارض موقوفہ کو

فروخت کر کے اس کی قیمت کو تعمیرات میں لگانا، اور وقف کو اس کی واقفیت سے نکال دینا درست نہیں ہے۔ شی موقوف کی وقفیت کو اپنی اصلی حالت میں یا اس کی جگہ پر اسی نوع کی دوسری چیز خرید کر کے وقف کی وقفیت کو باقی رکھنا ضروری ہے۔ لہذا صورت مسئولہ میں ارض موقوفہ کے کسی حصہ کو فروخت کر کے اس کی قیمت کو مخدوش عمارت کی تعمیر جدید یا نئی مسجد کی تعمیر یا خالی زمین پر عمارت بنوانے یا نئی مسجد کی تعمیر میں صرف کرنا شرعاً درست نہیں ہوگا، اس سے اجتناب لازم و ضروری ہوگا۔ علامہ ابن نجیم نے تحریر کیا ہے:

"بیع عقار المسجد لمصلحة المسجد لا یجوز وان کان بأمر القاضی وان کان خرابا" (البحر الرائق ۵ر۲۲۳)

مفتی تسیم احمد قاسمی

الف۔ اوقاف کی عمارتیں اگر مخدوش ہوں تو ان کو ڈھا کر نئے سرے سے تعمیر کے لئے اوقاف کے کسی حصہ کو تعمیر کے عوض میں بلڈر کو دینا، وقف کے بعض حصوں کو فروخت کرنا ہے جو اکثر فقہاء کے نزدیک جائز نہیں ہے۔ فتاوی ہندیہ میں ذخیرہ کے حوالے سے اس قسم کا صریح جزئیہ موجود ہے:

واذا خربت أرض الوقف وأراد القیم أن یبیع بعضها لیرمّ الباقی بثمن ما باع لیس له ذلک فإن باع القیم شیئا من البناء لم ینهدم لیهدم أو نخلة حیة لتقطع فالبیع باطل (فتاوی ہندیہ ۲ر۴۱۷)

لیکن اگر مخدوش عمارت کے ضائع ہو جانے اور گر جانے کا قوی اندیشہ ہو اور آئندہ مستقبل میں وقف میں اس کی گنجائش نظر نہ آتی ہو کہ اس کی مرمت یا تعمیر ہو سکے تو قاضی شریعت یا ان کے قائم مقام جماعت المسلمین اس عمارت کو بلڈر کے ذریعہ تعمیر کرانے اور کچھ حصے کو بلڈر کے دینے ہی میں بہتر سمجھتی ہو اور اس سے وقف کا فائدہ ہی ہو تو پھر اس کی گنجائش ہوگی۔

خلاصہ یہ کہ مخدوش عمارت کو ڈھا کر نئے سرے سے عمارت بنوانے کے لئے وقف ہی کے کچھ حصہ کو بلڈر کو عوض میں دینے کی عام اجازت نہ ہوگی۔ بعض مخصوص حالات میں صرف قاضی یا ان کے قائم مقام جماعت المسلمین کو یہ اجازت حاصل ہوگی۔ لیکن وقف کی مصلحت کے پیش نظر ہوگی، عموماً اجازت نہ ہوگی۔

ب۔ اگر وقف کی حفاظت اسکے بغیر ممکن نہ ہو تو وقف شدہ زمین میں سے کچھ زمین کو فروخت کر کے وقف کی حفاظت کرنے کی گنجائش ہوگی۔

مولانا ظفر عالم ندوی

الف۔ اوقاف کے مقاصد کو ممکن حد تک پورا کرنے کی کوشش کرنا چاہئے۔ مخدوش عمارتوں کو اگر ان کے حال پر چھوڑ دیا جائے تو وہ ڈھیر ہو جائیں گی اور اوقاف کا زبردست نقصان ہوگا۔ اس نقصان سے بچانے کے لئے بلڈر کے ساتھ ایسا معاملہ کرنا کہ وہ اپنے خرچ پر عمارت تعمیر کر دے اور اس کے ایک دو منزل اپنے لئے رکھ لے جائز ہو سکتا ہے۔

واللہ اعلم

ب۔ جی ہاں اس صورت میں جائز ہوگا۔

مولانا شمس پیرزادہ

الف۔ موقوفہ عمارتیں جو بوسیدہ اور مخدوش حالات میں پڑی ہوئی ہیں انہیں گرا کر اور اسی طرح وہ موقوفہ خالی زمینیں جن سے انتفاع کی کوئی صورت نہ ہو وہاں پر نئی نئی عمارتوں کی تعمیر جس سے ان اوقاف کی آمدنی اور استعمال بڑھ جائے اور وہ اپنے مقاصد کو بطریق احسن پورا کر سکیں نہ صرف جائز بلکہ مطلوب ہوگا، بہتر ہوگا کہ اس کے لئے فنڈ کی کوئی صورت پیدا کی جائے، مثلاً چندے اور عطیات یا قرض کے ذریعہ، اگر یہ بھی ممکن نہ ہو تو ایسے بلڈر سے معاہدہ کیا جا سکتا ہے جو اپنے سرمایہ سے اسے تعمیر کرے مگر اس عمارت کے کچھ حصوں کو اس کی مستقل ملکیت میں دینے کے بجائے اس کے کرایہ سے دھیرے دھیرے انخلاء کا معاہدہ ہو۔ اسلامی معاشیات کے کچھ ماہرین نے اسی طرح کے مشورے دئے ہیں اور بعض اسلامی ملکوں میں اس کا تجربہ بھی ہو رہا ہے۔

ب۔ جب وقف کی حفاظت ممکن نہ ہو تو پورے کو فروخت کر کے اس کا متبادل قائم کیا جا سکتا ہے تو اگر اس کے کسی چھوٹے سے حصے کو نکالنے سے بقیہ بڑا حصہ محفوظ و کارآمد ہو جائے تو اس کی اجازت بدرجہ اولیٰ ہونی چاہئے۔

مولانا عبد العظیم اصلاحی

الف۔ دونوں صورتوں میں بیع درست نہیں، البتہ ایک دو منزل بلکہ پوری عمارت ہی کسی بلڈر کو کرایہ پر دی جا سکتی ہے، جو اس نے خرچ کیا ہے کرایہ ہی سے وضع ہو۔

فتاوی عالمگیری میں ہے:

وإذا خربت أرض الوقف وأراد القيم أن يبيع بعضاً منها ليرم الباقي بثمن ما باع ليس له ذلك (ردالمحتار ۳/۴۲۶)

جب وقف کی زمین ڈھ جائے اور متولی چاہے کہ اس کا کچھ حصہ فروخت کر کے اس پیسے سے باقی کی مرمت کرے تو متولی کے لئے ایسا کرنا جائز نہیں ہے۔

اسی کتاب میں ہے:

شجرة جوز في دار وقف فخربت الدار ثم يبيع القيم الشجرة لأجل عمارة الوقف لكن يكري الدار ويعمرها ويستعين بالجوز على العمارة لا بنفس الشجرة، كذا في السراجية (فتاوى عالمگیری ۲/۴۱۷)

اخروٹ کا درخت جو وقف کے مکان میں ہو وہ مکان ڈھ گیا تو متولی وقف کو تعمیر کرنے کے لئے درخت کو نہ بیچے، بلکہ مکان کو کرایہ پر دے اور کرایہ کے پیسے سے اس کی تعمیر کرائے اور اخروٹ کی قیمت سے بھی تعمیر میں مدد لے، لیکن بذات خود اخروٹ کے درخت کو نہ فروخت کرے، ایسے ہی سراجیہ میں ہے۔

ب۔ اس کا جواب اوپر گذر چکا ہے، بیع کے بجائے اجارہ و کرایہ کی صورت اختیار کی جائے۔ (تفصیل کے لئے

(دیکھئے: ردالمحتار ۳/ ۴۰۳-۴۱۹)

لیکن اگر وقف کی حفاظت، وقف شدہ زمین رہائش وغیرہ کا کچھ حصہ فروخت کئے بغیر ممکن ہی نہ ہو جیسا کہ سوال میں درج ہے، تو موقع ضرورت میں حنابلہ کے اس قول پر غور کیا جا سکتا ہے:

إن الوقف إذا خرب وتعطلت منافعه كدار انهدمت أو أرض خربت وعادت مواتاً ولم تمكن عمارتها أو مسجد انتقل أهل القرية عنه وصار في موضع لا يصلى فيه أو ضاق بأهله ولم يمكن توسيعه في موضعه أو تشعب جميعه فلم تمكن عمارته ولا عمارة بعضه إلا ببيع بعضه جاز بيع بعضه لتعمر به بقيته وإن لم يمكن الانتفاع بشيء منه بيع جميعه (المغنی والشرح الکبیر ۶/ ۲۲۵، الفقہ الاسلامی وادلتہ ۸/ ۲۲۶)

وقف ویران ہو گیا اور اس کے منافع معطل ہو گئے، مثلاً ایک گھر تھا جو منہدم ہو گیا یا زمین تھی ویران ہو کر بالکل ناقابل استعمال ہو گئی اور اس کی تعمیر ممکن نہیں ہے، یا کوئی مسجد تھی بستی والے وہاں سے منتقل ہو گئے اور وہ ایسی جگہ میں ہو گئی کہ اس میں نماز نہیں پڑھی جاتی، یا مسجد نمازیوں پر تنگ ہو گئی اور اس جگہ میں اس کی توسیع ممکن نہیں، یا سب لوگ وہاں سے منتشر ہو گئے ہیں اس کی پوری تعمیر یا بعض تعمیر اس کے بعض حصہ کو فروخت کئے بغیر ممکن نہیں، لہذا اس کے بعض حصہ کی بیع جائز ہوگی تاکہ اس کا بقیہ حصہ تعمیر کیا جائے اور اگر اس سے کچھ بھی انتفاع ممکن نہ ہو تو پورے حصے کو فروخت کر دیا جائے گا۔

مولانا جمیل احمد نذیری

الف۔ صورت مسئولہ میں جب کہ اوقاف کی عمارتیں خستہ حالت میں ہیں اور وقف کے پاس تعمیر کے لئے سرمایہ بھی نہیں ہے کہ تعمیر کرائی جا سکے اور کوئی بلڈر اس کے لئے تیار ہو کہ ان خستہ عمارتوں کو منہدم کر کے ازسرنو چند منزلہ عمارت اپنے مصارف پر اس شرط کے ساتھ تعمیر کر دے کہ اس کی ایک یا دو منزل اس کی ملکیت ہوگی جس میں اسکو ہر قسم کے تصرف کا اختیار ہوگا، اور بقیہ وقف کے مصارف کے لئے تو شرعاً ایسا معاملہ درست نہیں ہے، کیونکہ وقف کسی کی ملکیت نہیں ہوتی ہے۔

فإذا صح الوقف لا يملك ولا يملك (۳/ ۳۹۳) یعنی وقف، وقف کا مملوک نہیں ہوتا اور وقف کا بیع وغیرہ کر کے نہ ہی کسی کو مالک نہیں بنایا جا سکتا کیونکہ وہ قابل تملیک نہیں ہے، لہذا اس کی خرید و فروخت اور ہبہ کرنا جائز نہیں ہوگا اور کسی کو وارث بھی نہیں بنایا جا سکتا۔ پھر لکھتے ہیں:

اعلم أن بعض المتأخرين جوزوا بيع بعض الوقف إذا خرب لعمارة الباقي والأصح أنه لا يجوز البيع فإن الوقف بعد الصحة لا يقبل التمليك كالحر لا يقبل الرق وقد شاهدنا في مثل ما شاهدنا في الاستبدال (۳/ ۳۹۵) یعنی وقف کی بیع جائز نہیں جیسا کہ اس کی نقل کی، کیونکہ وقف صحت کے بعد ملکیت کو قبول نہیں کرتا، اور حر کو غلام بنایا نہیں جا سکتا ہے:

فلا یجوز بیعه ولا تملیکه بوجه من الوجوه وان تشتمل علی منافع ۔ یعنی وقف کی بیع و تملیک کسی طرح بھی جائز نہیں ہے اگر چہ وہ فوائد و منافع پر مشتمل ہو، لہذا بلڈر کی یہ شرط لگانا کہ اس کی ایک یا دو منزل اس کی ملکیت ہوگی جس میں اسکو ہر قسم کے تصرف کا حق ہوگا، جائز نہیں ہے بلکہ باطل ہے، اور اس شرط کے ساتھ معاملہ کرنا جائز نہیں ہوگا، ہاں ثواب کے لئے تعمیر کر دے تو قابل صد مبارکباد ہوگا، اسی طرح اس وقف کی زمین کا بھی حکم ہوگا، جس پر کسی طرح کی کوئی عمارت نہیں ہے، اور نہ ہی اس سے انتفاع کی کوئی صورت ہے تو اس زمین سے فائدہ اٹھانے کے لئے کسی بلڈر سے اسی طرح کا معاملہ کیا جانا شرعاً جائز نہیں ہے، ہاں وہ بہ نیت ثواب بنوا دے تو مستحق اجر و ثواب ہوگا اور ملکیت کی نیت سے بنوانا جائز نہیں ہے، کیونکہ وقف میں تملیک جائز نہیں ہے۔ واللہ اعلم...

خلاصہ کلام: یہ ہے کہ صورت مسئولہ میں بلڈر سے ایسا معاملہ کرنا شرعاً جائز نہیں ہے، نہ مخدوش عمارتوں کی تعمیر کی وجہ سے نہ زمین سے فائدہ اٹھانے کی غرض سے، ہاں بہ نیت ثواب بنوا دے تو مستحق اجر و ثواب ہوگا۔ واللہ اعلم

الف۔ صورت مسئولہ میں کسی وقف شدہ مخدوش عمارت کی نئی تعمیر کے لئے یا خالی زمین پر عمارت قائم کرنے کے لئے یا محتاج تعمیر مسجد کی تعمیر کے لئے وقف شدہ زمین و جائداد کا کوئی حصہ فروخت کر کے نئی تعمیر کی جا سکتی ہے، ایسا کرنا جائز ہے، اور چونکہ اس فروختگی کا مقصد محض وقف کی حفاظت ہی ہے اور فروختگی کے بغیر یہ ممکن نہیں ہے، چنانچہ شرح وقایہ میں ہے (۲/ ۳۵۳) اعلم أن بعض المتأخرين جوزوا بيع بعض الوقف إذا خرب لعمارة الباقي ۔ یعنی متاخرین رحمہم اللہ نے وقف شدہ زمین و جائداد کے کسی حصہ کو فروخت کر کے باقی کی تعمیر کے لئے جائز رکھا ہے۔ گو کہ صاحب شرح وقایہ نے اس بیع کے ناجائز ہونے کو اصح کہا ہے لیکن صورت مسئولہ میں متاخرین کا قول انفع للوقف ہے، اور اوقاف میں انفع ہی کا لحاظ رکھا جاتا ہے، لہذا زیر بحث مسئلہ میں متاخرین کا قول ہی راجح ہونا چاہئے، چنانچہ عمدۃ الرعایہ حاشیہ نمبر (۱) پر ہے:

إذا خرب الموقوف ولم يكن في غلة ما يعمر به جاز أن يبيع بعضا منه فيعمر الباقي بثمنه لأن في بيع البعض إبقاء البعض وفي تركه ذهاب كله و إعدام انتفاع به ومن ابتلي بليتين يختار أهونهما. یعنی وقف کے کسی حصہ کو فروخت کر کے اس کی قیمت کے ذریعہ باقی کی تعمیر کرنے میں بعض وقف کو باقی رکھنا ہے اور بیع کو ترک کرنے اور ناجائز کرنے میں کل وقف کو ضائع کرنا اور اس کے ذریعہ انتفاع بالکلیہ ختم کرنا ہے، لہذا اس مقصد کے تحت وقف کے بعض حصہ کو فروخت کرنا جائز ہوگا اور اس کے ذریعہ نئی تعمیر کیا جانا جائز رہیگا، اور ضابطہ ہے کہ جو شخص دو مصیبتوں میں مبتلا ہو جائے تو وہ اہون اور ہلکی مصیبت کو اختیار کرے گا۔ اور صورت مسئولہ میں اہون ہے کہ اس بعض حصہ کو فروخت کر کے اس کی قیمت سے باقی کی نئی تعمیر کی اجازت دیدی جائے اور اس میں واقف کا مقصد بھی حاصل ہو جائے گا، اور واقف کے مقصد کی رعایت رکھنا واجب ہے، چنانچہ علامہ شامی (۳/ ۴۶۳) نے لکھا ہے مراعاة غرض الواقفين واجبة. واللہ اعلم۔

خلاصہ کلام: یہ ہے کہ صورت مسئولہ میں کسی وقف شدہ مخدوش عمارت کی نئی تعمیر کے لئے یا خالی زمین پر

عمارت قائم کرنے کے لئے یا حسب ضرورت تعمیر مسجد کی تعمیر کے لئے وقف شدہ زمین یا جائداد کا کوئی حصہ فروخت کر کے نئی تعمیر کی جا سکتی ہے۔ ایسا کرنا جائز ہے اس میں واقف کے مقصد کی رعایت ہے جس کا لحاظ رکھنا واجب ہے اور وقف کو ضیاع سے بچانا بھی ہے ... واللہ اعلم۔

مولانا ابو سفیان مفتاحی

الف۔ بہتر صورت یہ ہے کہ بلڈر کو اس میں ملکیت کا حق نہیں دیا جائے، بلکہ اس کے نفع کے ساتھ ایک رقم طے کر لی جائے اور تعمیر کے بعد اس کی آمدنی میں سے بلڈر کی طے شدہ رقم واپس کر دی جائے، ایسا بھی معاملہ ہو سکتا ہے کہ بلڈر تعمیر کے بعد کرایہ داروں سے ایک بڑی رقم علاوہ کرایہ کے طے کر کے لے لیتا ہے، کرایہ مالک یا متولی وصول کرتا ہے اور بڑی رقم بلڈر لے لیتا ہے، یہ بھی اگر ممکن نہ ہو تو پھر جیسا کہ آپ نے سوال میں لکھا ہے اس وقف کا کچھ حصہ بلڈر کو دے دیا جائے اور بقیہ حصہ کو وقف قرار دے کر اس کی آمدنی شرائط وقف کے مطابق خرچ کی جائے مگر اس میں پہلے قاضی کی اجازت ضروری ہے، چنانچہ قانون العدل والانصاف میں صفحہ ۷۵ مادہ ۳۹۶ میں ہے:
"ولا یباع إلا لتعذر الانتفاع بها" اور خالی زمین کا بھی یہی حکم ہے۔

ب۔ اس سوال کا جواب اوپر مذکورہ جز میں آگیا نیز "الضرورات تبیح المحظورات" کا قاعدہ بھی جواز کو چاہتا ہے۔

مفتی محبوب علی وجیہی

الف۔ میرے خیال میں بلڈر سے اگر معاملہ یوں کر لیا جائے کہ تم تعمیر کرو اور اس میں سے دس کمرے یا آٹھ دوکانیں تم بطور کرایہ لے لو، جب تمہاری تعمیری رقم پوری ہو جائے گی تو پھر تم کو اس تعمیر سے کوئی سروکار نہ ہوگا، لیکن شاید بلڈر اس پر راضی نہ ہو، اس لئے دوسری صورت یہ سمجھ میں آتی ہے کہ پہلے معاہدہ کر کے اس کو وقف سے الگ کر کے جگہ دے دی جائے اور یہ جگہ نہ تو اوپر ہو نہ نیچے بلکہ سائڈ میں ہو تاکہ آئندہ کے لئے کسی طرح کا خدشہ نہ رہے۔

ب۔ گو کہ اس کا جواب ان جیسی ایک جزئیات کے ضمن میں آچکا ہے پھر بھی عرض ہے کہ اگر ان کی حفاظت کا کوئی ظاہری ذریعہ ہو مثلاً چندہ وغیرہ نہ مل سکتا ہو تو ان اوقاف کا کچھ حصہ فروخت کر کے اس کی تعمیر حفاظت کی غرض سے واقف کے منشاء کے مطابق کرائی جا سکتی ہے۔

مولانا ظفر الاسلام اعظمی

الف۔ موقوفہ عمارتیں جب کہ خستہ حال ہوں اور وقف کے پاس تعمیر کے لئے پیسہ بھی نہیں ہے اسی طرح موقوفہ زمین ناقابل انتفاع ہو تو ان حالات میں کسی بلڈر سے ایسا معاہدہ کرنا جس میں وہ بلڈر ملکیت کی کچھ شرط لگائے شرعاً جائز ہونا چاہئے کیونکہ یہاں مجبوری ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ ویسے عام حالات میں ایسا معاملہ درست نہیں کیونکہ موقوفہ شی کی بیع و ملکیت درست نہیں، تاہم بہتر شکل تو یہی ہے کہ برائے وقف چندہ لے کر عمارت بنوائے۔

ب۔ تجدید تعمیر کے لئے موقوفہ عمارت یا زمین کے کسی حصہ کو فروخت کر کے اس کی آمدنی کو شئ موقوفہ میں لگانا جائز نہیں۔ کفایت المفتی (۲۹۲/۷) میں مذکور ہے کہ اگر تجدید تعمیر ضروری ہو جائے تو اس وقت بھی کرایہ پر دینا جائز ہے۔ بیع جائز نہیں۔

مفتی حبیب اللہ قاسمی

الف۔ یہ وقف کے تحفظ کی صورت ہوگی اور اس کی گنجائش ہے۔

ب۔ تحفظ وقف کے لئے اس کی بھی گنجائش ہے مگر باجازت قاضی۔ " لا یملک الواقف بالبیع و نحوہ ولو لاحیاء الباقی " (جامع الرموز)

مفتی فضیل الرحمن ہلال عثمانی

الف۔ وقف کی مخدوش عمارت کی تجدید کے لئے اگر اس کے سوا کوئی صورت نہیں ہے کہ کسی بلڈر کو اس کی ایک آدھ منزل دے دی جائے جس پر اس کو مالکانہ تصرف کا حق حاصل ہو تو بظاہر اس کی گنجائش معلوم ہوتی ہے۔

ب۔ وقف کے بعض حصہ کو آباد کرنے کے لئے اس کے بعض حصہ کو فروخت کرنا درست ہے۔ ان دونوں جوابوں کے حوالہ میں وہی عبارت پیش کی جاسکتی ہے جو سوال اول کے جواب میں پیش کی جاچکی ہے۔

مفتی شکیل احمد سیتاپوری

الف۔ اوقاف کی کسی عمارت یا اس کی کسی زمین کا کوئی حصہ کسی طور پر دینا درست نہیں۔ پچھلے ہوئے اوقاف کی زائد آمدنی سے مخدوش عمارت کی مرمت اور خالی زمین سے انتفاع کی صورتیں پیدا کی جائیں۔

ب۔ وقف جائداد کا کوئی حصہ فروخت کرکے ایسا کوئی کام نہیں کیا جائے۔ یہ سارے کام اوقاف کی زائد آمدنی سے ہوں۔

مولانا سلطان احمد اصلاحی

الف، ب۔ وہ اوقاف جن کا انتفاع بالکلیہ ختم ہو جائے اور انتفاع کو جاری کرنے کے لئے نہ تو وقف مذکور کو کرایہ پر دینا ممکن ہو اور نہ قرض حاصل ہو تو اس پر موقوفہ اوقاف کی آمدنی کے بعض حصہ کو فروخت کرنا جائز ہے۔ لہذا صورت مسئولہ کا اختیار کرنے کی گنجائش ہے۔

أهل المحلة باعوا وقف المسجد لأجل العمارة قال يجوز بأمر القاضي وغيره، هو موافق للقاعدة المشهورة إذا اجتمع ضرر ان قدم أخفهما الخ (فتاوی خیریہ ۱۲۹)

البتہ آمدنی کو بڑھانے کے لئے فروخت کرنا جائز نہیں۔

قال الرملي أقول قال في البزازية بيع عقار المسجد لمصلحته لا يجوز (منحة الخالق ۲۲۰/۵)

مولانا محمد حنیف صاحب

الف، ب۔ فقہاء نے بعض حصہ کی درستگی کے لئے بعض کی فروختگی کو جائز قرار دیا ہے، چنانچہ فتاویٰ بزازیہ میں ہے:

وإن باع بعضه لإصلاح باقيه لخراب كله جاز (بزازیہ علی الہندیہ ۶؍۲۷۱)

اگر وقف کا کچھ حصہ باقی کی مرمت کے لئے فروخت کرے اور پوری جائداد موقوفہ ویران ہوگئی ہو تو ایسا کرنا جائز ہے۔

لہٰذا اس صراحت کو سامنے رکھتے ہوئے مذکورہ صورت کو جائز ہونا چاہئے، واللہ اعلم بالصواب۔

مولانا محمد رضوان قاسمی

الف۔ وقف جائیداد کو کل یا بعض حصہ ختم کرنا جائز نہیں ہے۔ سوال مذکور کے جواز کی صورت یہ ہے کہ بلڈر سے اس طرح معاملہ کیا جائے کہ بوسیدہ دکان و مکان کو از سر نو تعمیر کرنے میں آپ کا جتنا خرچ ہوگا، جتنا خرچ ہوگا، مکو بہ جتنی نقد رقم موجود ہے وہ ادا کردیں گے اور بقیہ رقم اس مکان کے کرایہ سے آپ وصول کرتے رہیں گے جب آپ اپنی خرچ کردہ رقم وصول کرلیں تو آپ اس مکان سے دست بردار ہو جائیں گے، یا کوئی صاحب خیر قرض حسن کے طور پر اس بلڈنگ کی تعمیر کا کل رقم ادا کردے اور بعد میں وہ اس بلڈنگ کے کرایہ سے رقم وصول کرتے۔ یا اس بلڈنگ کو قرض دینے والے کو اتنی مدت تک کے لئے کرایہ پر دے جس میں اپنا قرض وصول کرلیں بشرط اعتماد۔

لأن استبقاء الوقف واجب ولا يبقى إلا بالعمارة (بدائع الصنائع ۲۲۱/۶)۔

ب۔ وقف شدہ زمین و جائیداد کو فروخت کرکے اسی وقف کے لئے نئے مکانات تعمیر کرنا اور بوسیدہ دکان مکانات کی تعمیر کرنا، نیز اسی طرح مسجد پر وقف شدہ زمین و جائیداد فروخت کرنا مسجد کی مرمت کے لئے جائز نہیں ہے، فقہاء کرام کی عبارتوں سے جیسے صاحب بزازیہ (۲۷۱/۶) کی عبارت "تبیع عقار المسجد لمصلحته لا يجوز وإن باع بأمر القاضي وإن باع بعضه لإصلاح باقيه لخراب كله جاز" اس سے اگرچہ صورت مذکورہ میں فروخت کا جواز معلوم ہوتا ہے لیکن یہ اس وقت کی بات ہے جب اسلامی حکومت تھی اور قضاۃ و منتظمین میں دیانتداری غالب تھی اور قاضی کے پاس وسیع اختیارات تھے، جب کہ موجودہ دور میں ان چیزوں کا فقدان ہونے کی وجہ سے فروخت کی اجازت دینا خطرے سے خالی نہیں، اور پھر تو اوقاف کے فروخت ہونے کا ایک لامتناہی سلسلہ شروع ہونے کا قوی اندیشہ ہے، لہٰذا میرے خیال میں اس کی اجازت نہ ہونی چاہئے، اور سائل کا یہ جملہ "تعمیر اوقاف کے بعض حصے کو فروخت کئے بغیر تعمیر ممکن نہیں" یہ بات میرے نزدیک غیر مسلم ہے، اس لئے کہ اصحاب خیر بہت ہیں، جو مساجد وغیرہ کی تعمیر کے لئے ہر وقت کوشاں رہتے ہیں۔

مفتی شبیر علی

الف۔ اگر عمارت خستہ حالت میں ہے تو اس کی ایک یا دو منزل کسی کی ملکیت میں دے کر اس سے تعمیر کا صرفہ لے کر تعمیر درست نہیں ہے۔ بلکہ کسی کرایہ دار سے پیشگی رقم لے کر اس کی تعمیر کرائی جائے چونکہ لوگ مکان اور دکان کے شدید محتاج ہونے کی وجہ سے پیشگی رقم ادا کر کے اجارہ قبول کرتے ہیں، باقی خالی زمین جو اوقاف سے عدم حفاظت کی شکل میں

فروخت کیا جا سکتا ہے۔ اور بلند رسے کسی منزل کو دے کر بھی معاملہ کیا جا سکتا ہے۔ چنانچہ علامہ شامی لکھتے ہیں:

فإن الأرض إذا ضعفت لا يرغب غالبا في استئجارها بل في شرائها أما الدار فيرغب في استئجارها مدة طويلة لأجل تعميرها للسكنى (ص/۳۸۵)۔

اس سے معلوم ہوا کہ زمین کے ناقابل انتفاع کی شکل میں اس کے استبدال اور فروخت پر اختلاف ہے۔ اور علامہ شامی کی رائے اس کے استبدال کی جانب ہے۔ اور صاحب منتقی کے بھی اطلاق سے زمین کا داخل جواز ہونا معلوم ہوتا ہے۔ البتہ مکان کے مخدوش کا نہیں بلکہ اس کا حل کرایہ دار سے پیشگی رقم دے کر نکل سکتا ہے۔

كذا في الشامي: محل الاستبدال إنما هو الأرض لا البيت.. واعترضه الرملي بأن كلام المنتقى المذكور شامل للأرض والبيت فالفرق بينهما غير صحيح (۴/۳۷۹)۔

اس سے معلوم ہوا کہ عمارت مکان اور زمین دونوں کا حکم ایک ہی ہے۔ علامہ شامی کی آخری رائے منحۃ الخالق میں بھی یہی معلوم ہوتی ہے۔

اسی طرح ہندیہ میں ہے: **إذا خربت أرض الوقف وأراد القيم أن يبيع بعضا منها ليرم الباقي بثمن ما باع ليس له ذلك (۲/۴۱۷)۔**

اس کی مزید تفصیل آگے آ رہی ہے۔

ب۔ حاصل اس سوال کا یہ ہے کہ مخدوش شدہ کی تعمیر جدید کے لئے کوئی رقم نہ ہو تو نئی تعمیر یا اصلاح اور ضروری مرمت کے لئے وقف کو بچانے کے لئے اس کا کوئی جز فروخت کر دیا جائے اور اس کی رقم سے تعمیر و اصلاح کی جائے تو یہ جائز ہے یا نہیں۔

خیال رہے کہ فقہاء کرام نے تعمیر اور مخدوش کی اصلاح اور ٹوٹ پھوٹ کی درستگی کے لئے ہر ممکن صورت اختیار کرنے کی اجازت دی ہے تا کہ وقف کی بقا رہے۔ اس کے لئے اولاً یہ صورت ہے کہ اسے کچھ یوم کے لئے کرایہ پر لگا دیا جائے اور حاصل شدہ رقم سے اصلاح و درستگی کا سلسلہ شروع کیا جائے۔ اگر یہ نہ ہو سکے تو پھر قرض حاصل کر کے درست کیا جائے۔ اگر یہ دونوں شکل ممکن نہ ہو اور عمارت حد درجہ مخدوش و ناقابل استعمال ہو گئی ہو اور کہیں سے کوئی رقم نہیں مل سکتی ہو تو ایسی صورت میں اس کے کسی جز کو فروخت کر کے اس کی تعمیر و اصلاح جو حد درجہ ضروری ہو کی جا سکتی ہے۔

اس کی ایک صورت یہ بھی ہو سکتی ہے کہ کل مخدوش ناقابل استعمال و استغلال کو فروخت کر کے اس کی جگہ دوسری جائداد اختیار کی جائے۔ دوسری شکل یہ ہے کہ کسی حصہ کو فروخت کر کے حاصل شدہ رقم سے تعمیر کی جائے تا کہ وقف باقی رہے۔

خیال رہے کہ اس مقام پر بعض فقہاء کی عبارت سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ کسی حصہ کو فروخت کر کے کل کی تعمیر جائز نہیں مگر غالباً یہ قول اس صورت میں ہے جب کہ فروخت کے علاوہ کوئی ممکنہ صورت ہو۔ چونکہ فقہاء کی دوسری عبارت میں اس کا جواز منقول ہے۔

ایک کل کے فروخت کی اجازت یعنی استبدال:

ولو لم يجد القاضي من يستاجرها لم أره وخطر لي أنه يخير بين أن يعمرها أو يردها لورثة الواقف ... وفي فتاوى قارئ الهداية ما يفيد استبداله أو رد ثمنه للورثة أو للفقراء۔

اسی طرح ایک دوسرے مقام پر لکھتے ہیں: والحاصل أن الموقوف عليه السكنى إذا امتنع من العمارة ولم يوجد مستاجر باعها القاضي واشترى بثمنها ما يكون وقفا (۳۷۹/۳)۔

بعض مشائخ کے کلام سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ استبدال کا اختیار زمین میں تو ہے مگر دار اور بیت میں نہیں چونکہ مکان اور دکان کی تعمیر لوگوں کو ضرورت ہوتی ہے تعمیر کے لئے پیشگی رقم لگا کر یا اسے کرایہ پر مکان اور دکان کو نفع حاصل کر لیتے ہیں۔ لیکن علامہ رملی حصکفی کی عبارت کے اطلاق سے ہر ایک کے استبدال کی اجازت دیتے ہیں وہ فرق کو جو زمین اور دار و بیت و دکان کے درمیان قرار دیا گیا ہے رد کرتے ہیں۔ چنانچہ علامہ شامی اسے نقل کرتے ہیں:

واعترضه الرملي بأن كلام المصنف شامل للأرض والبيت فالفرق بينهما غير صحيح (۳۷۹/۳)۔

اس سے معلوم ہوا کہ استبدال کا حق جس طرح زمین میں ہے اسی طرح کرایہ دار مکان جو قابل اجارہ و انتفاع ہو اس میں بھی ہوگا۔ اسی طرح منحۃ الخالق حاشیہ بحر الرائق میں ہے:

فالحاصل أن الفرق بين الأرض والدار غير صحيح (۲۲۷/۵)۔

خیال رہے کہ یہ اس وقت ہوگا جب کہ پیشگی رقم دے کر کوئی اسے حاصل کرنے کو تیار نہ ہو ورنہ تو اس کی اجازت نہ ہوگی۔ کہ "مهما امكن ابقاء وقف" کے خلاف ہے۔ جیسا کہ ابن نجیم کی عبارت سے واضح ہے:

وظاهره أنه لا يجوز بيعه حيث ما أمكن إعادته (۲۲۷/۵)

اسی طرح بزازیہ کی عبارت سے بھی جواز مستنبط ہوتا ہے:

وعن الحلواني يجوز أن يباع ويشترى بثمنه آخر ويجوز للحاكم والمتولي (۲۷۱/۶ على حاشية الهندية)۔

اسی طرح صاحب بزازیہ نے بھی استبدال کی اجازت دی ہے۔

وإن تعذر إعادة عينه إلى موضعه بيع وصرف ثمنه إلى المرمة صرفاً للبدل إلى مصرف المبدل (فتح القدير)

اس عبارت سے علامہ زحیلی نے بھی استبدال کا جواز ثابت کیا ہے (الفقہ الاسلامی ۲۲۲/۸)۔

۲۔ اسی طرح جز بیچ کر اس کی رقم مرمت میں بھی صرف کرنا جائز ہے۔ جامع الوجیز میں ہے:

وإن بيع بعضه لإصلاح باقيه لخراب كله جاز (علی حاشیۃ الہندیہ ۲۷۱/۶)

جامع الوجیز کی اس عبارت سے اس بات کی اجازت معلوم ہوتی ہے کہ تھوڑا سا خراب نا قابل اجارہ

واستقلال عمارت کے کسی حصہ کا فروخت کردینا تاکہ باقی کی مرمت واصلاح ہو کر ابقاء، استقلال وانتفاع کی شکل پیدا ہوجائے تو یہ کیا جاسکتا ہے۔ علامہ شامی منحۃ الخالق حاشیہ بحرالرائق میں بھی لکھتے ہیں:

قال فی البزازیة بیع عقار المسجد لمصلحة لا یجوز وان بامر القاضی وان باع بعضه لاصلاح باقیه لخراب کله جاز (حاشیہ بحرالرائق ۵/۲۲۷)۔

اس سے معلوم ہوا کہ شدید ضرورت کی صورت میں جب کہ منہدوش وناقابل اصلاح وقف میں بغیر کسی حصہ کے فروخت کے تعمیر کی کوئی صورت نظر نہ آتی ہو تو اس کے کسی حصہ کو فروخت کرکے باقی کی تعمیر کی جاسکتی ہے تاکہ وقف کے باقی اور قابل انتفاع ہونے کی شکل پیدا ہوجائے۔

لأن الصرف إلی العمارة ضرورة إبقاء الوقف (فتح القدیر ۶/۲۲۲)۔

ایک اشکال اور اس کا دفاع:

صاحب ہدایہ نے جو مرمت اور اصلاح کے لئے فروخت کی اجازت دی ہے: وإن تعذر إعادة عینه إلی موضعه بیع وصرف ثمنه إلی المرمة (فتح القدیر ۲۲۳) اس پر ابن نجیم صاحب البحر نے لکھا ہے: وظاهره أنه لا یجوز ۔ جس کا مطلب بظاہر یہی ہے کہ صاحب ہدایہ کا فروخت کی اجازت دینا صحیح نہیں ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ صاحب ہدایہ نے جو فروخت برائے تعمیر کی اجازت دی ہے یا اس وقت صحیح نہیں ہے جب کہ بلا فروخت کئے اس کی تعمیر اور ابقاء کی شکل ہو۔ چنانچہ اسی وجہ سے صاحب بحرالرائق نے وظاهره انه لا یجوز کو حیث أمکن أعادته کی قید سے مقید کیا ہے، جس کا واضح اور منقح مطلب یہ ہے کہ تعمیر واعادہ کی کوئی دیگر ممکن صورت نہ ہو۔ تب اجازت ہے ورنہ نہیں۔

چنانچہ ابن ہمام فتح القدیر میں لکھتے ہیں:

وإن تعذرت إعادته بأن خرج عن الصلاحیة لذلک لضعفه ونحوه باعه وصرف ثمنه فی ذلک إقامة للبدل مقام المبدل.

اگر مطلقاً ممکنہ صورت کے نہ ہونے کے باوجود فروخت کرنا جائز ہوتا تو صاحب ہدایہ کی اس عبارت کی وضاحت وتشریح کے بجائے تردید کرتے، اور کہتے والأصح لا یجوز مطلقا، لیکن ایسا نہیں کیا۔ اس سے بقید ضرورت جائز ثابت ہوگیا۔ اسی طرح ہندیہ میں جو ہے:

إذا خربت أرض الوقف وأراد القیم أن یبیع بعضها لیرمّ الباقی بثمن ما باع لیس له ذلک (۲/۴۱۷)

اس کا مطلب یہ ہے کہ تعمیر کی ضرورت ہوئی اس کا ایک حصہ فروخت کرکے تعمیر کرالیا۔ اجارہ یا استدانہ کے ذریعہ رقم حاصل نہ کرکے ایسا کرلیا تو اس کی ضرورت نہیں، چونکہ اس طرح تو اوقاف ہی ختم ہوجائیں گے۔ یعنی بلا ضرورت شدیدہ کی صورت میں ہے۔ اور جب کوئی صورت نہ ہو تو مجبوراً کل کی بقاء کے لئے تھوڑے جز کی قربانی کی

جائے گی تاکہ وقف کا تقاضۂ استقلال باقی رہے۔

مولانا محمد ارشاد القاسمی

الف، ب: جائز ہے۔

مولانا ایوب ندوی

الف۔ اراضی وقف پر تعمیر کرنے کے عوض بلڈر کو وقف مکان کی کسی منزل کا مالک بنادینا:

اگر اوقاف کی عمارتیں منہدم ہوگئیں اور وقف کے پاس ان کی تعمیر کے لئے کوئی سرمایہ نہیں ہے اور کوئی بلڈر اس کے لئے تیار ہے کہ اس منہدم عمارت کو ڈھا کر نئے سرے سے چند منزلہ عمارت اپنے مصارف پر اس شرط کے ساتھ تعمیر کردے کہ اس کی ایک یا دو منزل بلڈر کی ملکیت ہوگی، جس میں اس کو ہر قسم کے تصرف کا حق حاصل ہوگا، اور بقیہ عمارتیں وقف کے مصارف کے لئے ہوں گی تو شرعاً ایسا کرنا جائز نہیں ہے، اسی طرح وقف کی ایک زمین ہے جس پر کسی طرح کی کوئی عمارت نہیں ہے، اور نہ ہی اس سے استفادہ کی کوئی صورت ہے تو ایسی صورت میں بھی اگر کسی بلڈر سے مذکورہ بالا معاملہ کیا جائے تو شرعاً اس کی بھی اجازت نہیں ہے، کیونکہ وقف زمین پر عمارت بنانے کے عوض بلڈر کو وقف مکان کی کسی منزل کا مالک بنادینا درحقیقت اس مکان موقوفہ کو فروخت کرنا ہے، جس کی مذہب اسلام میں قطعاً گنجائش نہیں ہے، چنانچہ قاضی خان میں ہے:

ويجوز بيع الأشجار الموقوفة في أرض الوقف إذا لم تكن مثمرة بعد القلع، ولا يجوز قبل القلع لأنها قبل القلع متصلة بالأرض فتكون تبعا للأرض وبيع أرض الوقف لا يجوز فكذلك ما كان تبعا له (خانیہ علی ہامش الہندیہ ۳/۳۱۰)

ب۔ ایک وقف کو فروخت کرکے اس کی قیمت سے دوسرے وقف پر مکان کی تعمیر کرنا:

اگر کسی وقف شدہ منہدم عمارت کی نئی تعمیر کے لئے، یا کسی خالی زمین پر عمارت قائم کرنے کے لئے یا نئی تعمیر مسجد کی تعمیر کے لئے وقف شدہ زمین یا جائداد کا کوئی حصہ فروخت کرکے اس سے نئی تعمیر کی جائے تو شرعاً اس کی اجازت نہیں ہے، اگرچہ اس کے فروخت کرنے کا مقصد وقف ہی کی حفاظت ہے اور اگرچہ بغیر فروخت کئے مذکورہ اوقاف کی تعمیر ممکن نہ ہو، کیونکہ حضرات فقہاء نے اوقاف کی فروختگی کے سلسلے میں جو کچھ لکھا ہے، اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ایک وقف کی حفاظت و تعمیر کے لئے دوسرے اوقاف کی فروختگی جائز نہیں ہے، چنانچہ فتاویٰ بزازیہ میں ہے۔

بيع عقار المسجد لمصلحة المسجد لا يجوز وإن بأمر القاضي (بزازیہ علی الہندیہ ۶/۲۷۱)

قال في الهندية: وإذا خربت أرض الوقف وأراد القيم أن يبيع بعضها ليرم الباقي بثمن ما باع ليس له ذلك (عالمگیری ۲/۴۱۷)

البتہ اگر وقف کی آمدنی سے کوئی زمین خریدی گئی تو حسب ضرورت اس زمین کو فروخت کرکے وقف کی تعمیر میں لگا سکتا ہے۔

اشترى بمال الوقف دارا ثم باعه يجوز (فتاویٰ بزازیہ ۶/۲۵۵)

قال في رد المحتار أما إذا اشتراه المتولي من مستغلات الوقف فإنه يجوز بيعه بلا هذا الشرط (أي تعذر الانتفاع) لأن في صيرورته وقفا خلافا والمختار أنه لا يكون وقفا فللقيم أن يبيعه متى شاء لمصلحة عرضت (ردالمحتار ۳/۴۱۹)

نیز ایک وقف میں تعمیر کے لئے اسی وقف کی دوسری زمین کو یا خود اسی زمین کو کرایہ پر دینا جائز ہے بلکہ جو زمین شرعاً مسجد ہوگئی، اگر اس کی تعمیر کے لئے اس کو کرایہ پر دینا پڑے تو حضرات فقہاء نے اسے بھی جائز قرار دیا ہے۔

إن المسجد إذا احتاج إلى العمارة وآجره القيم لينفق من الأجرة يجوز (بزازیہ ۶/۲۶۰)

قال في رد المحتار ان الخان لو احتاج إلى المرمة آجر بيتا أو بيتين وأنفق عليه وفي رواية يؤذن للناس بالنزول سنة و يؤجر سنة أخرى ويرمّ من أجرته وقال الناطفي القياس في المسجد أن يجوز إجارة سطحه لمرمته وفي البرجندي والظاهر أن حكم عمارة أوقاف المسجد والحوض والبئر وأمثالها حكم الوقف على الفقراء (ردالمحتار ۳/۴۱۹، ومثلہ فی الہندیہ ۲/۴۱۳ مختصراً)

مولانا ابوبکر قاسمی

الف۔ اوقاف کی مخدوش عمارتیں یا خالی زمین کی کچھ بھی آمدنی ہوتی ہو تو مذکور فی السوال معاملہ بلڈر سے کرنا جائز نہیں ہے جیسا کہ علامہ بیری کے نقل کردہ نمبر (۳) عبارت سے معلوم ہوا:

لأن الواجب إبقاء الوقف على ما كان عليه دون زيادة... إذ لا تجب الزيادة بل تبقيه كما كان (شامی ۳/۵۳۹)۔

اگر اوقاف کی مخدوش عمارتیں یا خالی زمین بالکل قابل انتفاع نہیں رہی ہے اور وقف کی آمدنی سے اس کو قابل انتفاع بنانے کی کوئی صورت نہیں ہے تو کسی بلڈر سے اس طرح معاملہ کرنا کہ عمارت ڈھا کر یا خالی زمین پر اپنے صرفہ سے چند منزل عمارت بنائے گا اور اس کی ایک یا دو منزل اس کی ہوگی اور بقیہ منازل وقف کی ہوگی درست ہے، البتہ معاملہ کے وقت وقف کے زیادہ فائدے کو ملحوظ رکھتے ہوئے موجودہ منازل سے ایک دو زائد کی تعمیر کی شرط کی جائے اور بلڈر کے لئے اوپر والی منزل طے کی جائے، عالمگیری میں ہے:

علو وقف انهدم وليس له من الغلة ما يمكن عمارة العلو بطل الوقف و عاد حق البناء إلى الواقف إن كان حيا و إلى ورثته إن كان ميتا كذا في المحيط (۲/۴۱۶) و كذلك وقف صحيح .... خرب و لا ينتفع به وهو بعيد عن القرية لا يرغب أحد في عمارته ولا يستأجر أصله يبطل الوقف و يجوز بيعه وإن كان أصله يستأجر بشئ قليل يبقى أصله وقفاً كذا في فتاوى قاضي خان وهذا الجواب صحيح على قول محمدؒ، فأما عند أبي يوسف ففيه نظر الخ (عالمگیری ۲/۴۶۵) و كذا يفتى بكل ما هو أنفع للوقف فيما اختلف العلماء فيه ، حاوی القدسی (الدرالمختار ۳/۵۵۵ مع ردالمحتار)

ب۔ وقف زمین یا جائداد کی آمدنی اگرچہ قلیل ہو اس کے کسی حصہ کو تاج تعمیر مسجد کے لئے یا خالی زمین پر عمارت

یا مخدوش عمارت کی نئی تعمیر کے لئے بیچنا جائز نہیں ہے، الا یہ کہ واقف نے وقف کے وقت ان ضرورتوں کے لئے بیچنے کی اجازت دی ہو۔

وفي الفتاوى النسفية: سئل عن أهل المحلة باعوا وقف المسجد لأجل عمارة المسجد قال لا يجوز بأمر القاضي وغيره (فتاوی عالمگیری ۲/۳۶۰)۔

ان کی تعمیر اسی جنس کے اوقاف کی فاضل آمدنی سے یا مسلمانوں کے عام چندے سے یا غیر جنس اوقاف کی فاضل آمدنی سے قرض لے کر کی جائے، اس لئے کہ قابل انتفاع اوقاف کو فروخت کرنا جائز نہیں ہے۔

مولانا عبد القیوم پالنپوری

الف۔ اوقاف کی وہ عمارتیں جو مخدوش ہونے کی وجہ سے ناقابل انتفاع ہیں اور نہ اوقاف کے پاس اتنی آمدنی ہے کہ جس سے تعمیر کر کے اس موقوفہ کو قابل انتفاع بنایا جاسکے تو ایسی صورت میں ملی حمیت کا تقاضا تو یہی ہے کہ مسلمان چندہ جمع کر کے اس کی تعمیر کو انجام دیں، بلڈر کے معرفت (محض اسکے تعمیر کی وجہ سے) ایک یا دو منزل کی فروختگی کی صحت سمجھ میں نہیں آتی، ہاں اگر یہ معاہدہ ہو جائے کہ ایک یا دو منزل وقت متعینہ تک کے لئے تصرف میں بطور کرایہ دار کے تم رہو گے، جب کرایہ کی مقدار تمہارے صرف کردہ رقم کے برابر ہو جائے گی تو تم اس عمارت سے اپنا تصرف ختم کر لو گے تو ایسی صورت میں اوقاف کی تعمیر اور اس سے وقت متعینہ تک بلڈر کا تصرف جائز اور درست معلوم ہوتا ہے۔

ب۔ اوقاف کی عمارت مخدوش یا خالی زمین ہونے کی وجہ سے وہ وقف ناقابل انتفاع ہو جائے، اسے کار آمد بنانے کے لئے وقف کی آمدنی میں نہ تو اتنی گنجائش ہے کہ اس سے عمارت کی تعمیر و مرمت کی جاسکے اور نہ اسکے علاوہ اور کوئی سبیل و ذریعہ ہے، اگر اسکو یونہی چھوڑ دیا جائے تو وہ وقف ضائع ہونے کا اندیشہ ہے تو ایسی صورت میں وقف شدہ زمین و جائداد کا وہ حصہ جو مصالح و ضروریات کے لئے ہیں، اس میں سے بقدر ضرورت فروخت کر کے اوقاف کی تعمیر یا مرمت کی اجازت ہوگی، جس سے وہ وقف قابل انتفاع ہو جائے۔

مولانا تنویر عالم قاسمی

الف۔ وقفیہ مخدوش عمارت کو اپنے مصارف سے تعمیر کرنے کے لئے بلڈر سے طے کرنا کہ چند منزلہ عمارت بنا کر دینے پر ایک یا دو منزل اسکے تصرف میں دی جائے گی بقیہ وقفیہ مصارف کے لئے رہے گی تو شرعاً اس معاملہ کی گنجائش معلوم ہوتی ہے۔

كما هو مستفاد من عبارة الشامي أن مستأجر أرض الوقف إذا بنى فيها ثم زادت أجرة المثل زيادة فاحشة فإما أن تكون الزيادة بسبب العمارة والبناء أو بسبب زيادة أجرة الأرض في نفسها ففي الأول لا تلزمه الزيادة لأنها أجرة عمارته و بنائه وهذا لو كانت العمارة ملكه أما لو كانت للوقف كما لو بنى بأمر الناظر ليرجع على الوقف تلزمه الزيادة ولهذا قيد بالمحتكرة وفي الثاني تلزمه الزيادة أيضا (شامی ۳/۳۹۱)۔

ب۔ وقف شدہ مخدوش عمارت یا وقفیہ زمین اور محتاج تعمیر مسجد کی تعمیر کے لئے قرض مل سکتا ہو تو قرض لیکر تعمیر کی جائے۔

والعمارة لابد منها فيستدين بأمر القاضي (فتاوی عالمگیری ۲/۴۲۴)

اور قرض کا انتظام نہ ہو سکے تو اس وقفیہ جائداد کا کچھ حصہ کرایہ پر دیکر اس کی آمدنی سے تعمیر کی جا سکتی ہے۔

ان الخان لو احتاج إلى المرمة آجر بيتا أو بيتين وأنفق عليه وفي رواية يؤذن للناس بالنزول سنة ويؤجر سنة أخرى ويرم من أجرته وقال الناطفي القياس في المسجد أن يجوز إجارة سطحه لمرمته والظاهر ان حكم عمارة أوقاف المسجد والحوض والبئر و أمثالها حكم الوقف على الفقراء (شامی ۳/۳۸۳)۔

کرایہ یا قرض وغیرہ کسی طرح سے تعمیر ممکن نہ ہو تو قاضی یا حاکم کی اجازت سے ایسے ناقابل استعمال اوقاف کو مفید اور کارآمد بنانے کے لئے ان کے بعض حصے کو فروخت کر کے تعمیر کرنے کے علاوہ کوئی چارہ کار نہیں، لہذا اس کی اجازت دی جائے گی۔

سئل عن وقف انهدم ولم يكن له شئ يعمر منه ولا أمكن إجارته ولا تعميره هل تباع أنقاضه من حجر وطوب وخشب أجاب إذا كان الأمر كذلك صح بيعه بأمر الحاكم ويشترى بثمنه وقف مكانه فإذا لم يمكن رده إلى ورثة الواقف إن وجدوا و إلا يصرف للفقراء (شامی ۳/۳۸۳)۔

اس سے معلوم ہوا کہ زمین پر بنی ہوئی بوسیدہ عمارت کے نکلے ہوئے ٹوٹے سامان کو فروخت کیا جائے گا اور مسجد کی اصل جگہ کو محصور کر کے محفوظ کر دیا جائے گا اور دیگر زمین اور اوقاف کی جائداد کو فروخت کیا جا سکتا ہے۔

لأنهم صرحوا باستبدال الوقف إذا خرب وصار لاينتفع به وهو شامل للأرض والدار قال هشام سمعت محمدا يقول الوقف إذا صار بحيث لاينتفع به المساكين فللقاضي أن يبيعه ويشتري بثمنه غيره وليس ذلك إلا للقاضي (شامی ۳/۳۸۳)۔

مفتی عبد الرحیم بھوپال

الف۔ جن اوقاف کی عمارتیں مخدوش حالت میں ہوں اور واقف کے پاس تعمیر کے لئے سرمایہ نہ ہو تو متولی وقف یا تیم وقف کے لئے جائز نہیں کہ کسی بلڈر کو اس شرط پر تعمیر کے لئے دیدے کہ ایک یا دو منزل تمہاری ہوگی اور تم کو مکمل تصرف کا اختیار ہوگا کوئی ایسی شکل اختیار کرنا جائز نہیں، اسی طرح زمین پر تعمیر اس شرط کیساتھ کرانا جائز نہ ہوگا۔

ولا تجوز الإجارة الطويلة على الوقف ولو احتيج إليها فالوجه في ذلك أن يعقد عقودا متفرقة مترادفة كل عقد على سنة فيكتب في الصك استاجر فلان بن فلان كذا ثلاثين عقدا كل عقد على سنة فيكون العقد الأول لازما ويكون العقد الثاني غير لازم وفي الذخيرة وبعض المشائخ زيفوا هذه الحيلة وفي الخانية و ذكر شمس الائمة السرخسي أن الإجارة

المصالحة تكون لازمة في إحدى الروايتين هو الصحيح (ج ۲ رحانیہ ص ۷۰۵)۔

الواقف إذا آجر الوقف إجارة طويلة إن كان يخاف على رقبتها التلف بسبب هذه الإجارة فللحاكم أن يبطلها وكذلك إن آجرها من رجل يخاف على رقبتها من المستأجر فينبغي للحاكم أن يبطل الإجارة (ج ۲ تاتارخانیہ ص ۷۱۵)۔

عبارت بالا سے مستفاد ہوتا ہے کہ وقف کو طویل مدت کے لئے اجارہ پر دینا جائز نہیں، اسی طرح طویل مدت کے لئے اجارہ پر لگانا جس سے مال وقف کے تلف ہو جانے کا اندیشہ ہو تو حاکم وقت ایسے اجارہ کو باطل قرار دے گا اور ختم کردے گا اس مسئلہ میں بھی ہے کہ ایک پورا منزل بالکل وقف سے خارج ہونا لازم آتا ہے اس لئے جائز نہ ہوگا۔

ب۔ کسی وقف شدہ مخدوش عمارت کی نئی تعمیر کے لئے یا خالی زمین پر عمارت آباد کرنے کے لئے یا مسجد کی تعمیر کے لئے وقف شدہ زمین و جائداد کا کوئی حصہ فروخت کرکے اس سے نئی تعمیر کرنا جائز نہیں ہے۔

وفيه أيضا سئل عن أهل المحلة باعوا وقف المسجد لأجل عمارته قال لا يجوز بأمر القاضي وغيره (ج ۲ تاتارخانیہ ص ۸۶۳)

مولانا نذر توحید مظاہری

الف، ب۔ مخدوش عمارت موقوفہ کو ڈھا کر آمدنی میں اضافہ کے لئے مقررہ وقت تک کرایہ پر دی جا سکتی ہے، طویل مدت کے لئے ہرگز نہیں دی جا سکتی۔

ڈاکٹر قدرت اللہ باقوی

الف۔ اوقاف کی وہ عمارتیں جو مخدوش حالت میں ہیں ان کی تعمیر اوقاف کی آمدنی یا کرایہ سے ہونی چاہئے، ان عمارتوں کے بعض حصہ کو فروخت کرکے تعمیر کرنا صحیح نہیں ہے۔

وإذا خربت أرض الوقف وأراد القيم أن يبيع بعضا منها ليرم الباقي بثمن ما باع ليس له ذلك (فتاوی ہندیہ ۲؍ ۴۱۷)

البتہ اگر وقف کی عمارت ایسی ہو کہ اس سے نفع بالکلیہ ختم ہو گیا ہو اور سرمایہ نہ ہونے کی وجہ سے نیز کرایہ پر دے کر بھی اس کی تعمیر نہ ہو سکتی ہو تو فقہاء نے ایسے وقف کو بیچ کر اس کے بدلے میں دوسرے وقف کو خریدنے کی اجازت دی ہے۔

وفي المنتقى قال هشام سمعت محمدا يقول الوقف إذا صار بحيث لا ينتفع به المساكين فللقاضي أن يبيعه ويشتري بثمنه غيره وليس ذلك إلا للقاضي وأما عود الوقف بعد خرابه إلى ملك الواقف أو ورثته فقد قدمت ضعفه فالحاصل أن الموقوف عليه المسكني إذا امتنع من العمارة ولم يوجد مستأجر باعه القاضي واشترى بثمنها ما يكون وقفا الخ (شامی ۳؍ ۴۲۸)

ب۔ وفی الفتاوی النسفیة سئل عن أهل المحلة باعوا وقف المسجد لأجل عمارة المسجد قال لایجوز بأمر القاضي وغیره کذا في الذخیرة (فتاوی ہندیہ ۲/۴۶۳)۔

مذکورہ بالا عبارت سے معلوم ہوا کہ سوال میں مذکور صورت بھی جائز نہیں ہے، وقف کی آمدنی ہی سے تعمیر ہونی چاہئے۔ اگر وقف سے انتفاع بالکلیہ ختم ہوگیا ہو تو اس کا استبدال جائز ہے جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا ہے۔

مولانا عبد اللطیف پالنپوری

الف۔ بعض اوقاف کی عمارتیں مخدوش حالت میں ہیں، اور وقف کے پاس تعمیر کے لئے سرمایہ نہیں ہے اور کوئی بلڈر اس کے لئے تیار ہے کہ اس مخدوش عمارت کو ڈھا کر نئے سرے سے چند منزلہ عمارت اپنے مصارف پر اس شرط کے ساتھ کردے کہ اس کی ایک یا دو منزل اسی کی ملکیت ہوگی، جس میں اس کو ہر قسم کے تصرف کا حق ہوگا اور بقیہ وقف کے مصارف کے لئے ہوں گے تو شرعی نقطۂ نظر سے ایسا کرنا جائز نہیں ہے یعنی بلڈر کو نہ پہلی منزل اور نہ دوسری اس کو دی جائے گی، شرط الواقف کنص الشارع (ردالمحتار ۳/۴۵۶) کے خلاف ہے، نیز "مراعاۃ غرض الواقفین واجبة" (ردالمحتار ۳/۴۶۴) کے بھی خلاف ہے، سب سے بڑھ کر یہ ہے کہ احکام نبوی کے بھی خلاف ہے، اسی طرح وقف کی ایک زمین ہے، جس پر کسی طرح کی کوئی عمارت نہیں اور نہ ہی اس سے انتفاع کی کوئی صورت ہے۔

اس زمین سے فائدہ اٹھانے کے لئے اگر کسی بلڈر سے اسی طرح کا معاملہ کرلیا جائے تو شرعی نقطۂ نظر سے ایسی صورت میں بھی اجازت نہیں دی جائے گی کیونکہ آپ ﷺ نے وقف کے بارے میں ارشاد فرمایا ہے کہ ایسی زمین کسی شخص کے معرفت نہ بیچی جائے گی نہ ہبہ کی جائے گی اور نہ اس میں وراثت جاری کی جائے گی (حجۃ اللہ البالغہ ۲/۱۱۶)۔ اس کی تفصیلی تشریح و توضیح کے دلائل دیکھئے: بخاری ۱/۳۸۸ تا ۳۸۹، مسلم ۲/۴۱، نووی مع مسلم ۲/۴۱ تا ۴۲، نسائی ۲/۱۲۹، ترمذی ۱/۲۵۶، ابوداؤد ۲/۳۹۸، ابن ماجہ ۲/۱۷۲، ردالمحتار ۳/۳۹۱ تا ۵۰۰، فتاوی ہندیہ ۲/۳۵۰ تا ۴۹۱، بدائع الصنائع ۶/۲۱۸ تا ۲۲۱، المبسوط ۱۲/۲۷ تا ۴۲، شرح معانی الآثار ۲/۲۲۹ تا ۲۳۰)

حضرت مولانا اشرف علی تھانوی علیہ الرحمہ کا موقف:

سوال (۷۰۸) کے جواب میں رقمطراز ہیں: جب پہلی ہی بیع باطل ہے تو دوسری بیع جو اس پر مبنی ہے نیز باطل ہوگی (امداد الفتاوی ۲/۵۸۷)۔

یعنی کوئی دغا باز مکار متولی موقوفہ اراضی کو فروخت کردیا پھر عرصہ دراز کے بعد مشتری سے خرید کر اپنی ذاتی ملکیت میں لانا چاہتا تھا اس موقع پر حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی علیہ الرحمہ نے عدم جواز کا فتوی دیا تھا جو اوپر مذکور ہوا۔

حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ دہلوی کا موقف:

ایک سوال کے جواب (۹۶) کے تحت رقمطراز ہیں:

عیدگاہ اوقاف عامہ میں سے ہے اور وقف ہونے میں اس پر مسجد کے احکام جاری ہیں، پس اس کو عبادت

یوسف و علیه الفتوی کما فی فتاوی قاری الهدایة (الاشباہ والنظائر ۳/۱۰۳ تا ۱۰۴)

شجرکاری کے ذریعہ انتفاع:

ایسی اراضی موقوفہ جو سوال میں مذکور ہے کسی ایسے شخص کو کرایہ پر دی جاسکتی ہے جو اپنے ذاتی مصارف سے مکان بنالے اور اس میں سکونت پذیر ہوجائے اور مصارف عمارت کو ماہانہ کرایہ جو متعین ہوجائے اس میں وضع کرلے تو ایسی صورت جواز کی ہوسکتی ہے، اگرچہ کرایہ کم حاصل ہو، یا ایسی زمین پر پھل دار درخت یا غیر پھل دار درخت لگائے جس سے مفاد وقف کا منشا باقی رہے تو یہ بھی صورت جواز کی ہے، مثلاً آم، لیچی، امرود، انگور، سیب، سنترہ، کیلا وغیرہ کا باغ لگالے یا شیشم، سال یعنی ساکھو، ساگوان، ستکا، وغیرہ کا درخت لگالے جس سے آمدنی وقف کو ہونے لگے بلاشبہ جائز ہے پھر اسی آمدنی سے عمارت کی تعمیر بھی ہوسکتی ہے (ردالمحتار ۳/۴۰۶) اگر اراضی موقوفہ پر آرچڈ کی شجرکاری ہوجائے تو سب سے زیادہ نفع حاصل ہونے لگے اس لئے کہ آرچڈ درخت کی قیمت غیرممالک میں بہت زیادہ ہے۔

منی پور آرچڈ کے درختوں کا روایتی علاقہ ہے:

اس درخت کی توصیف کا طائرانہ مطالعہ کرلیا جائے جو افادہ واستفادہ سے خالی نہیں ہے۔

منی پور کے مسحور کن پہاڑی سلسلے گھنے جنگلات اور سرسبز شاداب ڈھلانیں اور صاف وشفاف چھلکتے ہوئے پانی کے چشمے آرچڈ کے پودوں کے لئے بہترین قدرتی ماحول فراہم کرتے ہیں، منی پور میں آرچڈ کے پودوں کی (۵۰۰) اقسام پائی جاتی ہیں اگرچہ آرچڈ کے پودے منی پور وادی کے بہت سے حصوں میں پائے جاتے ہیں تاہم پہاڑیاں آرچڈ کی خوبصورت اقسام کا روایتی مسکن ہیں۔

آرچڈ کے پودے نہایت سرد خطوں سے لے کر گرم خطوں میں اور سطح آب سمندر سے ۱۰۰۰۰ فٹ تک کی بلندی پر اگتے ہیں۔

ہندوستان میں آرچڈ کی ایک ہزار اقسام پائی جاتی ہیں، باغبانی کے لئے ان کی ایک بڑی اہمیت ہے، باغبانی کی بین الاقوامی تجارت میں بہت سی ہندوستانی اقسام کی مانگ ہے، قریبی ریاستوں میں اگنے والی بیشتر اقسام اور کچھ غیرملکی اقسام جو ملیشیا اور فلپائن میں پائی جاتی ہیں، ریاست منی پور میں دستیاب ہیں، یہ زیادہ تر تمنگ باؤپال، جیری بام، سیناپتی، اکھرول، تامنگ لانگ، میں پائی جاتی ہیں، ریاست میں چھ قیمتی اقسام ایسی ہیں جن کا پودا غیرممالک میں ۳۰۰ روپئے تک میں بکتا ہے، آرچڈ کے پودے اپنے خوبصورت شگوفوں کے لئے مشہور ہیں۔

میرے نزدیک اس قسم کے اراضی موقوفہ جو غیرآباد وویران ہوں ان پر جمیع اشجار کی شجرکاری کرنا بالخصوص آرچڈ کی شجرکاری کرنا جائز ہے انہیں تجارتی مقصد کے لئے استعمال کرکے غیرملکی زرمبادلہ کمایا جاسکتا ہے، پھر اسی آمدنی سے اراضی موقوفہ پر مکان کی تعمیر بھی ہوجائے گی۔

ب۔ اسی طرح کسی وقف شدہ مخدوش عمارت کی نئی تعمیر کے لئے یا خالی زمین پر عمارت قائم کرنے کے لئے یا محتاج تعمیر مسجد کی تعمیر کے لئے وقف شدہ زمین وجائیداد کا کوئی حصہ فروخت کرکے اس سے نئی تعمیر کی جاسکتی ہے، جب کہ اس کا مقصد وقف کی حفاظت ہے اور اس کے بغیر یہ ممکن نہیں ہے۔ اس مجبوری کے باوجود شرعی نقطہ نظر سے وقف

شدہ زمین وجائداد کا کوئی حصہ فروخت کرکے نئی تعمیر نہیں کی جاسکتی ہے اگرچہ اس میں مفاد وقف کا حصول مقصود ہے، کیونکہ فقہاء عظام نے اوقاف کی فروختگی کے سلسلہ میں جو کچھ لکھا ہے اس سے صاف ظاہر ہے کہ ایک وقف کی حفاظت وتعمیر کے لئے دوسرے اوقاف کی فروختگی شرعی نقطہ نظر سے جائز نہیں ہے (الفتاوی البزازیہ ۳/۲۷۱) البتہ ایک وقف کی زمین میں تعمیر کرنے کرانے کی غرض سے اس کے دوسرے اوقاف کی زمین کو کرایہ پر دیا جاسکتا ہے (الفتاوی البزازیہ ۳/۲۶۰)

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی کا موقف:

سوال (۳۸۷) کے جواب میں رقمطراز ہیں...... اس روایت سے معلوم ہوا کہ مسجد کسی وقت کسی کی ملک نہیں ہوسکتی اور اس کو کوئی شخص اپنی ملک بنا کر فروخت نہیں کرسکتا (امداد الفتاوی ۲/۶۰۹)

میری رائے بھی یہی ہے کہ وقف شدہ مساجد ومقابر اوقاف کی زمین کو فروخت نہیں کیا جاسکتا ہے، ہاں وقف شدہ زمین کو مفاد وقف کے لئے کرایہ پر دیا جاسکتا ہے۔

مولانا محمد مصطفی قاسمی

الف۔ صورت مسئولہ کا حل یہ ہے کہ اوقاف خالص اللہ کی ملکیت ہے کسی کو تصرف کا حق نہیں، ہاں صرف اس قدر گنجائش ہے کہ مخدوش اوقاف یا غیر تعمیر اراضی اوقاف زر کے نہ ہونے کے سبب اس کی تھوڑی مقدار فروخت کرنے کی اجازت ہے جس سے مکان یا مسجد تعمیر ہوجائے اور وقف کا مقصد انتفاع للناس پر عمل جاری ہوسکے، بلڈر کا معاملہ گویا مشتری جیسا ہوا، لہذا اوقاف مخدوش وغیرہ کو قابل انتفاع بنانے کے لئے بلڈر کا یہ عمل درست ہے اور ایسی موقوفہ اشیاء میں اجازت ہے۔

أو أرض خربت وعادت مواتا ولم تمكن عمارتها أو مسجد انتقل أهل القرية عنه وصار في موضع لا يصلى فيه أو ضاق بأهله ولم يمكن توسيعه إلا ببيع بعضه جاز بيع بعضه لتعمر به بقيته، وإن لم يمكن الانتفاع بشيء منه بيع جميعه (المغنی ۵/۳۶۲)

ب۔ اسی طرح کسی وقف شدہ مخدوش عمارت کی نئی تعمیر کے لئے یا خالی زمین پر عمارت قائم کرنے کے لئے محتاج تعمیر مسجد کے لئے وقف شدہ زمین وجائداد کا کوئی حصہ فروخت کرکے مسجد یا مخدوش دوسری عمارت کی تعمیر کی جاسکتی ہے جب کہ دوسرے ذرائع حاصل نہ ہوں۔

مولانا اخلاق الرحمن قاسمی

الف۔ ایسے اوقاف جن کی عمارتیں مخدوش ہوں اور وقف کے پاس تعمیر کے لئے کوئی سرمایہ بھی نہ ہو، لیکن اگر کوئی بلڈر اس کے لئے تیار ہوجائے کہ اس مخدوش عمارت کو نئے سرے سے چند منزلہ عمارت اپنے مصارف پر اس شرط کے ساتھ تعمیر کرے گا کہ اس کی ایک یا دو منزل اس کی ملکیت ہوگی اور اسکو ہر قسم کے تصرف کا حق ہوگا اور بقیہ وقف کے مصارف کے لئے، تو اس صورت میں اصل مسئلہ تو یہ ہے کہ وقف شدہ زمین کسی کی ملکیت میں دینا درست نہیں ہے،

چنانچہ فقہاء لکھتے ہیں کہ وقف شدہ زمین کا بیچنا یا رہن میں رکھنا درست نہیں۔

انه لا يباع أصلها ولا تبتاع ولا تورث ولا توهب.

اوقاف کی چیزیں نہ بیچی جاسکتی ہیں اور نہ خریدی جاسکتی ہیں اور نہ وراثت اور ہبہ میں دی جاسکتی ہیں۔

آئندہ وہ زمین نہ تو بیچی جائے گی نہ خریدی جائے گی نہ اس میں وراثت جاری ہوگی اور نہ کسی کو ہبہ کی جاسکے گی۔ البتہ اس زمین کو اجرت پر دینا اور اس اجرت کی آمدنی سے وقف کی تعمیر کرنا درست ہے، چنانچہ علامہ ابن نجیم لکھتے ہیں:

قال في الخلاصة هذا دليل إذا احتاج إلى نفقة تواجر قطعة بقدر ما ينفق عليه ولا شك أن باحتياجه إلى نفقة لا تتغير أحكامه الشرعية ولا يخرج به عن أن يكون مسجدا (بحر الرائق ۵/۳۰۲)

خلاصہ میں لکھا ہے کہ یہ دلیل ہے کہ جب کسی نفقے کی ضرورت پڑے تو کسی حصہ کو اجرت پر رکھ دے اور وہ اتنی مقدار میں ہو جس سے وہ خرچ مکمل ہو جائے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ وقف کے نفقے کے محتاج ہونے کی صورت میں اس کے شرعی احکام متغیر نہیں ہوتے اور......

علامہ شامی لکھتے ہیں:

إن الخان لو احتاج إلى المرمة آجر بيتا أو بيتين وانفق عليه (شامی ۴/۳۷۶)

اگر سرائے کی مرمت کی ضرورت پڑی تو ایک یا دو گھر اجرت پر رکھ دیا جائے گا جس سے اس پر خرچ کیا جائے۔

اسی طرح ایسے اوقاف جس پر کوئی عمارت نہ ہو اور اس سے انتفاع کی کوئی صورت نہ ہو تو اس زمین کو کچھ دنوں کے لئے اجرت پر رکھنا درست ہے جتنے دنوں میں اس زمین سے فائدہ اٹھانے کے لئے کوئی صورت نکل آئے۔

ہندیہ میں ہے:

وكذلك وقف صحيح على أقوام مسمين خرب ولم ينتفع به وهو بعيد عن القرية لا يرغب في عمارته فيجوز أن يستأجر بشئ قليل يبقى أصله وقفا (فتاوی ہندیہ ۲/۴۸۰)

اور اسی طرح وہ اوقاف صحیح جو کسی متعین قبیلہ اور جماعت کے لئے وقف ہو، خراب ہو جائے اور وہ قابل انتفاع نہ ہو اور وہ گاؤں سے اتنی دوری پر ہو کہ لوگ اس کی تعمیر کی طرف توجہ نہ دیتے ہوں تو جائز ہے کہ ان اوقاف میں سے کچھ حصہ کو اجرت پر دے دیا جائے جس سے اس اوقاف کو باقی رکھا جاسکے۔

ب۔ وقف شدہ منہدم عمارت کی نئی تعمیر کے لئے یا خالی زمین پر عمارت قائم کرنے کے لئے یا محتاج تعمیر مسجد کی تعمیر کے لئے وقف شدہ زمین و جائداد کا کوئی حصہ، اس کا ملبہ یا اس کے انقاض کو اسی وقت فروخت کر کے نئی تعمیر کی جاسکتی ہے، جب کہ اس کے بغیر یہ ممکن ہی نہ ہو اور مسجد کے اوقاف کا اجرت پر دینا بھی ناممکن ہو یا وہ مسجد کے اوقاف ایسی جگہ پر ہوں جس سے فائدہ اٹھانا ناممکن ہو ان صورتوں میں اس کی اجازت دی جاسکتی ہے، لیکن بہتر یہی ہے کہ اوقاف

کی زمین اجرت پر دے کر اس مسجد یا اوقاف کی تعمیر کی جائے۔ فتاوی ہندیہ میں ہے:

حسب قال سئل عن وقف انهدم ولم يكن له شيء يعمر منه ولا أمكن إجارته ولا تعميره هل تباع أنقاضه من حجر وطوب وخشب أجاب إذا كان الأمر كذلك صح بيعه بأمر الحاكم ويشترى بثمنه وقف مكانه (فتاوی ہندیہ)

ایسے وقف کے بارے میں سوال کیا گیا جو منہدم ہو جائے اس کا تعمیر کرنا ناممکن ہو، اجرت رکھنا بھی ناممکن ہو اور نہ اس کی تعمیر ممکن ہو تو کیا اس کے ملبہ کو بیچا جا سکتا ہے؟ جو پتھر لکڑی اینٹ وغیرہ میں شامل ہے تو جواب دیا گیا کہ اگر معاملہ ایسا ہی ہو تو اس کی بیع حاکم کی اجازت سے صحیح ہے، اور اس کی قیمت سے اسی مکان کے مثل خریدے۔

مولانا قمر الزماں ندوی

الف۔ کسی بلڈر کو اوقاف مشروط طور پر حوالہ کرنا:

بعض اوقاف کی عمارتیں شکستہ و بوسیدہ حالت میں ہیں اور وقف کے پاس تعمیر کے لئے سرمایہ نہیں ہے کہ اس کی از سر نو تعمیر کی جائے یا اس کی اصلاح و مرمت کا کام ہو سکے، لیکن کوئی عمارتی ٹھیکیدار اس کے لئے تیار ہے کہ اس شکستہ عمارت کو ڈھا کر نئے سرے سے چند منزلہ عمارت اپنے مصارف پر اس شرط کے ساتھ تعمیر کر دے گا کہ اس کی ایک یا دو منزل اس کی ملکیت ہوگی جس میں اس (بلڈر) کو ہر قسم کے تصرف کا حق ہوگا اور بقیہ وقف کے لئے، ایسا معاملہ کرنا شرعاً جائز نہ ہوگا۔ یا کوئی موقوفہ زمین ہے جس پر کسی طرح کی کوئی عمارت نہیں اور نہ ہی اس زمین سے انتفاع کی کوئی صورت ہے، اس زمین سے فائدہ اٹھانے کے لئے کسی بلڈر سے مذکورہ معاملہ کرنا شرعی نقطہ نظر سے جائز نہیں ہوگا، اس لئے کہ متولی، ورثہ اور ذمہ دار حضرات کو اس بات کا اختیار نہیں کہ وہ وقف کا کچھ حصہ فروخت کر کے بقیہ کی ترمیم و اصلاح وغیرہ کرے، عالمگیری میں ہے

إذا خربت أرض الوقف وأراد القيم أن يبيع بعضها ليرم الباقي بثمن ما باع ليس له ذلك (الفتاوى الهندية ٢/ ٤١٧)

جب وقف کی زمین خراب ہو جائے اور متولی کا ارادہ ہو کہ اس میں سے بعض حصہ کو فروخت کر کے ثمن سے باقی کی ترمیم کرے تو اس کے لئے جائز نہ ہوگا۔

جب ترمیم کے لئے بعض حصہ کو فروخت کرنا جائز نہیں ہے تو اس کو اس بات کا اختیار دینا کیوں کر ممکن ہوگا کہ وہ بلڈر کو وقف کا ایک حصہ بطور ملک دے دے، ہاں اگر کسی بلڈر سے ایسا معاملہ ہو گیا ہو تو جس حصہ یا عمارت کے ملکیت بلڈر میں چلے جانے کی شرط ٹھہری تھی وہ اس کی ملکیت میں داخل تو نہیں ہوگی البتہ اس کے خرچ کو پورا کرنے کے لئے پوری (تیار شدہ) عمارت یا اس کا کچھ حصہ اس بلڈر کو اجارہ پر دے دیا جائے تاکہ وہ اس سے فائدہ اٹھا کر اپنا صرفہ وصول کر لے۔ واللہ اعلم۔

ب۔ ترمیم واصلاح کے لئے وقف کے بعض حصہ کی فروختگی:

اسی طرح کسی وقف شدہ مخدوش عمارت کی نئی تعمیر کے لئے یا خالی زمین پر عمارت قائم کرنے کے لئے مثلاً تعمیر مسجد کی تعمیر کے لئے وقف شدہ زمین وجائداد کا کوئی حصہ فروخت کر کے اس سے نئی تعمیر کرنے کی فقہ حنفی میں کوئی گنجائش نظر نہیں آتی ہے، چنانچہ عالمگیری میں ہے۔

واذا خربت ارض الوقف واراد القيم ان يبيع بعضها منها ليرم الباقي بثمن ما باع ليس له ذلك فان باع القيم شيئا من البناء لم يهدم ليهدم أو نخلة حية لتقطع فالبيع باطل فان هدم المشتري البناء او صرف النخلة ينبغي للقاضي ان يخرج القيم عن هذا الوقف لانه صار خائنا ثم القاضي ان شاء ضمن قيمة ذلك البائع وان شاء ضمن المشتري فان ضمن البائع نفذ بيعه وان ضمن المشتري يبطل بيعه (الفتاوى الهندية ۲/۲۱۷)

جب وقف کی زمین خراب ہو جائے اور متولی کا ارادہ ہو کہ اس میں سے بعض کو فروخت کر دے تاکہ ثمن سے اس کی ترمیم ہو جائے تو یہ اس کے لئے جائز نہ ہوگا لہذا اگر غیر منہدم عمارت کا کچھ حصہ فروخت کر دیا تا کہ اسے منہدم کر دیا جائے یا شاداب کھجور کے درخت کو فروخت کیا تا کہ اسے کاٹ دیا جائے تو بیع باطل ہو جائے گی، چنانچہ اگر مشتری نے عمارت کو ڈھادیا یا کھجور کے درخت کو اکھاڑ دیا تو قاضی کے لئے ضروری ہے کہ وہ اس متولی کو اس وقف سے برطرف کر دے، اس لئے کہ وہ خیانت کرنے والا ہو گیا، پھر قاضی چاہے تو مشتری کو ضامن قرار دے، اور اگر چاہے تو اس بائع کو ضامن قرار دے، اگر وہ بائع کو ضامن قرار دیگا تو اس کی بیع نافذ ہو جائے گی اور اگر مشتری کو ضامن قرار دیا تو اس کی بیع باطل ہو جائے گی۔

اس کی از سر نو تعمیر کے لئے سب سے بہتر طریقہ یہ ہے کہ موقوفہ زمین کو اجارہ پر دیدیا جائے اور حاصل شدہ آمدنی سے اس کی تعمیر کا سلسلہ شروع کر دیا جائے۔

مولانا محمد نور القاسمی

الف۔ بلڈر سے معاملہ کرنا:

اسی طرح اوقاف کی مخدوش عمارتوں کا حکم ہوگا جن کے پاس تعمیر کے لئے کوئی سرمایہ نہ ہو کسی بلڈر سے اس طرح کا معاملہ کر لیا جائے کہ وہ اپنا سرمایہ لگا کر از سر نو چند منزلہ عمارت تعمیر کر دے اور اس تعمیر جدید کے تمام اخراجات کا بار اس (بلڈر) پر ہوگا مگر اس کی ایک دو منزل عمارت اس کی ملکیت ہوگی جس میں ہر طرح کا تصرف کرنے کا حق اس کو ہوگا، اسی طرح زمین پر بلڈر سے اس طرح کا معاملہ کرنا جائز ہوگا، کیونکہ واقف کا مقصد وقف کرنے سے یہ تھا کہ اس سے فائدہ اٹھایا جائے، اور یہاں اس کے بغیر وقف کو قابل انتفاع بنانے کی کوئی صورت نہیں ہے۔

ب۔ اوقاف کی تعمیر کے لئے اس کے بعض حصہ کا بیچنا:

احناف کے مرجوح اور حنابلہ کے صحیح قول کے مطابق اس بات کی اجازت ہے کہ وقف کی عمارت

مخدوش (حالت سے دوچار) ہو، اور وقف کے پاس اتنا سرمایہ نہ ہو کہ اس کی جدید تعمیر کرا کے قابل انتفاع بنایا جا سکتا ہو تو ایسی صورت حال کے وقت مخدوش عمارت کی تعمیر جدید کے لئے وقف کا کچھ حصہ فروخت کردینا جائز ہے۔ لہذا احاطۂ تعمیر مسجد کی تعمیر کے لئے یا مخدوش عمارت کی جدید تعمیر کے لئے یا وقف کی خالی زمین کو قابل انتفاع بنانے کی غرض سے اس پر عمارت تعمیر کرنے کے لئے وقف کے بعض حصہ کو فروخت کرنا درست ہوگا، اس لئے کہ اس کے بغیر وقف کو قابل انتفاع بنانے کا کوئی چارہ نہیں ہے۔

ڈاکٹر وہبہ الزحیلی مسلک حنابلہ کی ترجمانی کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

لم تمكن عمارته ولا عمارة بعضه جاز بيع بعضه لتعمر به بقيته وإن لم يمكن الانتفاع بشيء منه بيع جميعه (الفقه الاسلامی وأدلته ۸/۲۶۴)

اور نہ اس کے کل کی تعمیر ممکن ہو اور نہ بعض کی تو اس کے بقیہ کی تعمیر کے لئے اس کے بعض کو بیچنا جائز ہوگا، اور اگر سرے سے ہی بالکل بھی انتفاع ممکن نہ ہو تو اس کے تمام کو بیچنا درست ہے۔

علامہ علاء الدین حصکفی حنفیہ کا مرجوح قول نقل کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

وفي صدر الشريعة: جوز بعض المعاصرين بيع الوقف إذا خرب لعمارة الباقي والأصح أنه لا يجوز (در المنتقی شرح الملتقی ۱/۷۴۲)

صدر الشریعہ میں مذکور ہے کہ بعض متاخرین نے وقف مخدوش کو بقیہ حصہ کی تعمیر کے لئے بیچنا جائز قرار دیا ہے لیکن اصح یہ ہے کہ جائز نہیں ہے۔

موجودہ حالات میں اگر اس کی اجازت نہ دی جائے یا نہ دی گئی تو ہندوستان کے اوقاف اپنی اسی خستہ حالت میں پڑے رہیں گے، اور حکومت یا متعصب برادران وطن ان پر قبضہ کرنا شروع کردیں گے، لہذا حالات کا تقاضہ ہے کہ قول مرجوح کو اپنایا جائے۔

مولانا ابرار خان ندوی

الف۔ بعض اوقاف کی عمارت مخدوش حالت میں ہے اور وقف کے پاس تعمیر کے لئے سرمایہ نہیں ہے، اور کوئی بلڈر اس کے لئے تیار ہے کہ اس مخدوش عمارت کو ڈھا کر نئے سرے سے چند منزلہ عمارت اپنے مصارف پر اس شرط پر تعمیر کردے کہ اس کی ایک یا دو منزلیں اس کی ہوں گی، جس میں اسکو ہر قسم کے تصرف کا حق ہوگا اور بقیہ وقف کے مصارف کے لئے، تو اس معاملہ کا شرعی حکم، نیز اسی طرح وقف کی ایک زمین ہے جس پر کسی طرح کی کوئی عمارت نہیں اور نہ ہی اس سے انتفاع کی کوئی صورت ہے، زمین سے فائدہ اٹھانے کے لئے کسی بلڈر سے اس طرح معاملہ کرلیا جائے تو ان دونوں معاملوں کا شرعی حکم یہ ہے کہ اگر وقف کی عمارت اس طرح مخدوش ہے، جو سوال میں ذکر کی گئی اور نہ ہی وقف کے پاس تعمیر کے لئے صرفہ ہے تو اس وقف کی عمارت میں سے ایک دو مکانات کرایہ پر دے دیے جائیں اور اس کی آمدنی سے وقف کی عمارت کی مرمت کی جائے۔

شامی میں ہے: ان الخان لو احتاج إلی مرمة آجر بيتا أو بيتين وأنفق عليه. وفي رواية يؤذن الناس بالنزول سنة ويؤجر سنة أخرى ويرم من أجرته (شامی ۳/۴۱۹)

معلوم ہوا کہ اس وقف عمارت سے جب تک اس طرح کا معاملہ ممکن ہو اس پر عمل کیا جائے اور اگر اس طرح کوئی مستاجر نہ ملے اور نہ ہی موجودہ مستاجر اس کی مرمت کے لئے تیار ہے تو شامی میں صراحت موجود ہے کہ اس وقف عمارت کو فروخت کر کے اس کی جگہ دوسرا وقف خرید لیا جائے۔ شامی کی عبارت ملاحظہ فرمائیں:

فالحاصل أن الموقوف عليه السكنى إذا امتنع من العمارة ولم يوجد مستأجر باعها القاضي واشترى بثمنها ما يكون وقفا (شامی ۳/۴۱۸)

جب اس وقف عمارت اور زمین کو اس حالت میں فروخت کرنے کی گنجائش ہے تو صورت مسئولہ تو اس سے اہون ہے اس میں وقف باقی رہتا ہے فروخت نہیں ہوتا۔ ہاں اسکے کچھ حصہ پر بلڈر کا تصرف ہوگا، لہذا شرعاً اس کی بھی گنجائش ہوگی۔ اور عالمگیری میں اس سے زیادہ صراحت موجود ہے۔ عالمگیری کی عبارت ملاحظہ فرمائیں:

ومن هذا الجنس منزل موقوف وقفا صحيحا على مقبرة معلومة فخرب هذا المنزل و صار بحال لا ينتفع به. فجاء رجل وعمر و بنى فيه بناء من ماله بغير إذن أحد فالأصل لورثة الواقف والبناء لورثة الباني كذا في المضمرات (عالمگیری ۲/۴۸۰)

ب۔ اسی طرح کسی وقف شدہ مخدوش عمارت کی نئی تعمیر کے لئے یا خالی زمین پر عمارت قائم کرنے کے لئے یا محتاج تعمیر مسجد کی تعمیر کے لئے وقف شدہ زمین وجائداد کا کوئی حصہ فروخت کر کے اس سے نئی تعمیر کرنے کا مسئلہ یہ ہے کہ جب کہ وقف کی حفاظت کا مقصد ہو اور اس کے بغیر یہ ممکن نہ ہو تو اس کا حکم بھی اوپر مذکورہ جواب کے مانند ہے کہ اولاً اس تعمیر کو کسی کام کے لئے اجارہ پر دی جائے اور اس کی آمدنی سے اس کی مرمت کی جائے ورنہ اس کے لئے دوسری وقف شدہ زمین فروخت کرنا جائز نہیں ہے۔

عالمگیری میں ہے: وإذا خربت أرض الوقف وأراد القيم أن يبيع بعضاً منها ليرمّ الباقي بثمن ما باع ليس له ذلك (عالمگیری ۳/۳۱۷)

اور شریعت میں تو اس صورت حال کی یہ بھی گنجائش ہے کہ اگر مسجد اس طرح محتاج تعمیر ہو تو مسجد کی چھت کو کرایہ پر دے کر اس کے کرایہ سے اس مسجد کی تعمیر کر لی جائے۔ جیسے شامی کی اس عبارت سے ظاہر ہے:

وقال الناطفي القياس في المسجد أن يجوز إجارة سطحه لمرمة (شامی ۳/۴۱۹)۔

لہذا جب تک اس وقف شدہ تعمیر کو ان طرق مذکورہ سے تعمیر کرنا ممکن ہو وہاں تک کسی جائداد کو فروخت نہ کیا جائے۔

مولانا ابراهیم فلاحی بارڈولی

الف۔ ایسے اوقاف جو مخدوش حالت میں ہیں اور وقف کے پاس کوئی سرمایہ بھی نہیں ہے جس سے اس کی تعمیر کی جاسکے کوئی بلڈر اس کے لئے تیار ہے کہ چند منزلہ عمارت بنائے اس شرط پر کہ ایک یا دو منزل میں اس کو ہر قسم کے

تصرف کا حق ہوگا، اور وقف کے اندر ان شرطوں کے ساتھ ان اوقاف کو تعمیر کے لئے دینا جائز نہیں ہے، اس لئے کہ وقف کے اندر تملیک نہیں ہے اور یہاں تملیک لازم آتا ہے جو کہ وقف کے مقاصد اور وقف کی شرط کے خلاف ہے، ہاں قاضی یا جب قاضی شرعی موجود نہ ہو ارباب حل وعقد کی رائے سے ان اراضی موقوفہ کو کرایہ پر دیا جاسکتا ہے جس کی آمدنی سے بعد میں ان اراضی پر عمارت بھی تعمیر ہوسکتی ہے۔

ب۔ وہ زمینیں جو مخدوش حالت میں ہیں اور اس کے پاس تعمیر کے لئے کوئی دوسرا ذریعہ بھی نہیں ہے اس کی تعمیر کے لئے اس زمین کا کوئی حصہ فروخت نہیں کیا جائے گا، اس لئے کہ وقف شدہ اشیاء کا بیچنا باطل ہے جس سے بیع درست نہ ہوئی، فاسد بھی نہیں ہے، اور جب وقف تام ہوجاتا ہے تو اس کی بیع و وراثت سب ممتنع ہوجاتی ہے، لہذا اس موقوفہ زمین کے کسی بھی حصہ کو بیچنا جائز نہیں ہے، بلکہ اس کو کرایہ پر دیا جائے اور اس سے جو آمدنی حاصل ہو اس کو جمع کرکے عمارت کی تعمیر کردی جائے۔

مولانا سمیع اللہ قاسمی

الف۔ مخدوش شدہ عمارت کی نئی تعمیر کے لئے کسی بلڈر سے ایک یا دو منزل کی ملکیت کی شرط پر معاملہ کرنا درست نہیں ہے، بلکہ بطریق اجارہ معاملہ کیا جاسکتا ہے یا اس طور کہ اتنی رقم سے ان کے کرایے وضع ہوں۔

ب۔ اسی طرح مخدوش شدہ عمارت کی تعمیر کے لئے وقف کے بعض قطعہ کو فروخت کرنے کی بھی اجازت نہیں، بلکہ یہاں بھی حصول رقم کی خاطر زمین کو کرایے پر دیا جاسکتا ہے۔

مولانا صدر عالم

الف، ب۔ وہ اوقاف جن کی عمارتیں مخدوش ہوں اور وقف کے پاس اس کی تعمیر کے لئے سرمایہ نہ ہو، اسی طرح وقف کی ایک زمین ہے جس پر کسی طرح کی کوئی عمارت نہیں اور نہ ہی اس سے انتفاع کی کوئی صورت ہے تو ایسے اوقاف کی تعمیر کے لئے کسی بلڈر یا کسی شخص سے اس شرط کے ساتھ معاملہ کرنا کہ تعمیر شدہ عمارت کی ایک دو منزل یا وقف زمین کا کچھ حصہ اس بلڈر کی ملکیت میں ہوگا اور اس کو ہر قسم کا تصرف کرنے کا حق ہوگا اور بقیہ عمارت مصارف وقف کے لئے ہو، شرعاً اس شرط کے ساتھ معاملہ کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ یہ وقف کی بیع ہوگی۔

اعلم أن بعض المتأخرين جوزوا بيع بعض الوقف إذا خرب لعمارة الباقي، والأصح أنه لا يجوز لأن الوقف بعد الصحة لا يقبل التمليك كالحر لا يقبل الرقبة (شرح وقایہ ۲؍۳۵۷)

اس کی تعمیر کی بہترین صورت یہ ہے کہ فقہاء نے جس کی اجازت اس طرح دی ہے:

آجره الحاكم وعمره بأجرته ثم رده إلى مصرفه (شرح وقایہ)۔

اس کا حاصل یہ ہے کہ اگر کوئی بلڈر اس طرح معاملہ کرے کہ عمارت کا کرایہ وہ لیگا یہاں تک کہ اس کا خرچ کردہ روپیہ حاصل ہوجائے، اس کے بعد عمارت وقف کی ہوجائے گی تو جائز ہے۔

لأن استبقاء الوقف واجب ولا يبقى إلا بالعمارة فإذا امتنع عن ذلك أو عجز عنه ناب

القاضي منابه في استغلاله بالإجارة كالعبد والدابة إذا امتنع صاحبها عن الإنفاق عليها أنفق القاضي عليها بالإجارة كذا هذا (بدائع الصنائع ۲۲۱/۹)

اس لئے کہ وقف کا باقی رکھنا واجب ہے جو تعمیر کے ذریعہ ہی ہو سکتا ہے، تو جب متولی اس سے انکار کرے یا عاجز ہو تو قاضی اس کا نائب ہوگا اس میں، کہ اس کو اجارہ کے ذریعہ باقی رکھنے کی کوشش کرے مثلاً غلام یا جانور جب ان کا مالک ان پر خرچ نہ کرے تو قاضی کرایہ پر دیدے، اور کرایہ ان پر خرچ کیا جائے گا، اسی طرح یہ صورت بھی ہوگی۔

مولانا عطاء اللہ قاسمی

الف۔ خستہ حال اوقاف جن کی آمدنی نہیں ہے ان کا حکم:

ایسے اوقاف جو اپنی خستہ حالی کی بنا پر اس درجہ پر پہونچ گئے ہیں کہ ان کی ذرائع آمدنی کچھ نہیں ہے اور ان کو واقف کی غرض کے اعتبار سے بروئے کار لانے کی سعی کی جائے تو ان اوقاف کے پاس آمدنی نہ ہونے کے سبب کوئی ایسی صورت سامنے نہیں آتی کہ جس کی وجہ سے ان اوقاف کی آمدنی ہو اور اس کے ذریعہ ان اوقاف کو واقف کی غرض کے اعتبار سے بروئے کار لایا جائے، اس زمانہ میں بہت سی بلڈر پارٹیاں اس شرط پر تیار ہوتی ہیں کہ ہم ان اوقاف کی تعمیر کرائیں گے لیکن ایک یا دو منزل ہماری ہوگی، اب ہمارے سامنے دو باتیں آتی ہیں:

(۱) یا تو بلڈر پارٹی کے ذریعہ اوقاف کی تعمیر کرا کے ایک یا دو منزل اس کو دیدی جائے۔

(۲) اور یا ان اوقاف کو اسی حال میں رہنے دیا جائے۔

اب پہلی صورت تو اس لئے صحیح نہیں کہ اس میں موقوفہ زمین کو بلڈر پارٹی کے حوالہ کیا جا رہا ہے اور اس کی وجہ سے ایک یا دو منزل اس پارٹی کی ہو جائے گی، یہ اوقاف کے اندر تصرف کرنے کی وجہ سے ناجائز ہے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ ان اوقاف کو ایسے ہی رہنے دیا جائے اس میں دوسری خرابی لازم آتی ہے کہ وہ واقف کی غرض کے اعتبار سے استعمال نہیں ہو رہی ہیں یا پھر ان پر حکومت وغیرہ کے قبضہ کا بھی اندیشہ ہے، تو اس پریشانی کو دور کرنے کے لئے علماء کرام نے ایک حل نکالا ہے کہ وہ موقوفہ خستہ حال جگہ یا تو کرایہ پر دیدی جائے یا پھر اس کو مکمل فروخت کر دیا جائے اور اس کے بدلہ دوسری جگہ خرید لی جائے، پھر دونوں سے جو آمدنی ہو اس کو اسی مصرف میں لایا جائے جس کے لئے واقف نے وقف کیا ہے، اور اگر یہ دونوں صورتیں ممکن نہ ہوں (نہ کرایہ پر دیا اور نہ فروخت کر)، تو پھر موقوفہ زمین، واقف کے وارثین کو لوٹائی جائے جب کہ وہ زندہ ہوں اور اگر نہ ہوں تو پھر وہ آمدنی فقراء پر تقسیم کی جائے۔

فلو انهدم الوقف كله فقد سئل عنه قارئ الهداية بقوله سئل عن وقف انهدم ولم يكن له شيء يعمر منه ولا أمكن إجارته ولا تعميره هل تباع أنقاضه من حجر وطوب وخشب أجاب إن كان الأمر كذلك صح بيعه بأمر الحاكم ويشترى بثمنه وقف مكانه فإذا لم يمكن رده إلى ورثة الواقف إن وجدوا وإلا صرف إلى الفقراء (البحر الرائق ۲۲۰/۵)

اگر وقف مکمل منہدم ہو جائے تو ایسے وقف کے بارے میں سوال کیا گیا کہ جس کے پاس کوئی ایسی چیز نہ ہو جس کے ذریعہ اس وقف منہدم کی تعمیر کی جائے اور نہ ہی اس کو کرایہ پر دینا ممکن ہو تو کیا اس کے انقاض یعنی پتھر، اینٹ اور لکڑی وغیرہ کو فروخت کیا جاسکتا ہے؟ تو جواب دیا کہ اگر معاملہ ایسا ہی ہے تو حاکم کی اجازت سے فروخت کرنا جائز ہوگا اور اس وقف کی قیمت کے بدلہ دوسری جگہ خریدی جائے گی، اگر یہ صورت ممکن نہ ہو تو پھر وہ آمدنی واقف کے ورثہ کو لوٹائی جائے گی اگر وہ موجود ہوں، ورنہ پھر فقراء و مساکین پر تقسیم کی جائے گی۔

اس عبارت سے یہ بات واضح ہوئی کہ ٹھیکہ داری کو ان کی شرط کے مطابق دینا جائز نہیں ہوگا، صرف کرایہ پر یا فروخت کیا جاسکتا ہے۔

ب۔ خستہ حال موقوفہ جگہ میں سے قدرے فروخت کر کے باقی کی مرمت کرنا:

جب وقف ایسی حالت میں پہنچ جائے کہ اس سے واقف کا مقصد فوت ہو جائے اور مرور زمانہ کی بنا پر صرف خالی جگہ پڑی ہو اور ذرائع آمدنی ایسے نہیں ہیں کہ جن کے ذریعہ اس وقف کی تعمیر کر کے واقف کی غرض کے اعتبار سے بروئے کار لایا جاسکے، ایسی صورت میں اگر اس زمین میں سے قدرے فروخت کی جائے تو اس کی وجہ سے تعمیر کا کام چل سکتا ہے، لہذا اگر ایسا کیا جائے اور اس میں سے قدرے فروخت کر دی جائے تو اس کی گنجائش معلوم ہوتی ہے، فقہاء کرام فرماتے ہیں:

وإن تعذر إعادة عينه إلى موضعه بيع وصرف ثمنه إلى المرمة (ہدایہ مع الفتح ۵/۴۳۶)

اور اگر عین جگہ پر دوبارہ تعمیر متعذر ہو جائے تو اس کو فروخت کر دیا جائے اور اس کی آمدنی مرمت میں صرف کی جائے۔

وإن تعذرت إعادته بأن خرج عن الصلاحية لذلك ضعفه ونحوه باعه و صرف ثمنه في ذلك (فتح القدیر ۵/۴۳۷)

اور اگر دوبارہ تعمیر متعذر ہو جائے اس طور پر کہ اس کے کمزور ہونے یا اور کسی وجہ سے اس کے اندر تعمیر کی صلاحیت نہ ہو تو اس کو فروخت کر کے اس کی قیمت اسی میں صرف کی جائے۔

یہ عبارت اگرچہ اس بارے میں صریح نہیں ہے لیکن اس عبارت سے یہ بات مستفاد ہوتی ہے کہ اس کے قدرے حصہ کو فروخت کر کے اس کی مرمت میں صرف کیا جائے تو اس کی گنجائش ہے۔

مولانا اسعد اللہ قاسمی

وقف کی مخدوش عمارت تعمیر کرنے والے کو اس کے عوض وقف کا کچھ حصہ بطور اجرت دینا:

الف، ب۔ صاحب بزازیہ نے لکھا ہے کہ اگر وقف منہدم ہو جائے اور وقف کے پاس تعمیر کے لئے سرمایہ موجود نہیں ہے کہ جس سے اس کی تعمیر کرائی جائے تو اس کو ایسی ہی حالت میں واقف یا اس کے ورثاء کو واپس کر دیا جائے گا، نیز یہ بھی لکھا ہے کہ اگر کسی نے دکان یا بازار وقف کیا اور وہ جل گیا اور اس کی حالت ایسی ہوگئی کہ اس سے انتفاع ناممکن ہو گیا

تو ایسی صورت میں اس کو واقف یا اس کے ورثہ کو لوٹا دیا جائے گا، اس سے یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ اگر کوئی وقف کی عمارت مخدوش حالت میں ہو اور وقف کے پاس تعمیر کے لئے سرمایہ موجود نہیں، کوئی شخص اس بات کے لئے تیار ہے کہ اس مخدوش عمارت کو ڈھا کر نئے سرے سے چند منزلہ عمارت کی صورت میں تعمیر کر دے گا اور اس کے عوض ایک دو منزل اس کی ملکیت ہوگی تو ایسا کرنا درست نہیں ہوگا بلکہ مخدوش عمارت واقف کو واپس کر دی جائے گی۔

انهدم الوقف وليس له من الغلة ما يعاد به بنائه دفع النقض إلى الواقف أو وارثه احترق حانوت الوقف والسوق فصار بحال لا ينتفع بطل كونه وقفا وعاد إلى الواقف أو وارثه (بزازیہ علی ہندیہ ٦/٢٧٧)

اگر وقف منہدم ہو جائے اور وقف کے پاس آمدنی نہ ہو جس سے اس کی دوبارہ تعمیر کی جائے تو ناظر ملبہ کو واقف یا اس کے وارث کو دیدے گا، وقف کی دکان اور بازار جل جائے اور اس کی حالت ایسی ہو جائے کہ اس سے انتفاع نہ ہو سکے تو اس کا وقف ہونا باطل ہو جائے گا اور وہ واقف یا وارث کی طرف لوٹ جائے گا۔

مولانا محمد ارشد قاسمی

☆☆☆☆☆

مسجد یا قبرستان کی زائد اراضی میں درسگاہ کا قیام

اس مسئلہ سے متعلق جواب دینے والے علماء کرام کے اسمائے گرامی

مولانا عبید اللہ اسعدی
مولانا خالد سیف اللہ رحمانی
مولانا عتیق احمد قاسمی
مفتی جنید عالم قاسمی
مولانا نذیر احمد قاسمی
مولانا عبد الجلیل قاسمی
مولانا شمس الرحمن
مفتی شبیر احمد قاسمی
مفتی نسیم احمد قاسمی
مولانا ظفر عالم ندوی
جناب حسن پیرزادہ
ڈاکٹر عبد العظیم اصلاحی
مفتی جمیل احمد نذیری
مولانا ابو سفیان مفتاحی
مفتی محبوب علی وجیہی
مولانا ظفر الاسلام اعظمی
مولانا حبیب اللہ قاسمی
مفتی فضیل الرحمن ہلال عثمانی
مفتی شکیل احمد سیتاپوری
مولانا سلطان احمد اصلاحی
مولانا مفتی محمد حنیف
مولانا محمد رضوان قاسمی
مفتی شیر علی گجراتی
مولانا محمد ارشاد القاسمی
مولانا ایوب ندوی
مولانا ابوبکر قاسمی
مولانا عبد القیوم پالنپوری
مولانا تنویر عالم قاسمی
مفتی عبد الرحیم قاسمی
مولانا نذر توحید مظاہری
ڈاکٹر قدرت اللہ باقوی
مولانا عبد اللطیف پالنپوری
مولانا محمد مصطفی قاسمی
مولانا اخلاق الرحمن قاسمی
مولانا قمر الزماں ندوی
مولانا محمد نور القاسمی
مولانا ابرار خاں ندوی
مولانا ابراہیم فلاحی باردولی
مولانا شیخ احمد قاسمی
مولانا محمد صدر عالم قاسمی
مولانا عطاء اللہ قاسمی
مولانا اسعد اللہ قاسمی
مولانا محمد ارشد قاسمی

مسجد یا قبرستان کی زائد اراضی میں درسگاہ کا قیام

سوال: مسجد یا قبرستان کے لئے وقف زمین۔ جو کہ ضرورت سے زائد ہے۔ اس پر مدرسہ کی تعمیر کی جا سکتی ہے کہ دو زمین ایک کار خیر میں استعمال ہو؟

جوابات

مسجد یا قبرستان کی فاضل زمین میں مدرسہ کا قیام آج کل کے حالات میں درست ہے، جیسا کہ مفتی نظام الدین صاحب و مفتی عبدالرحیم صاحب کے فتاویٰ میں آیا ہے، البتہ بہتر صورت یہ ہے کہ کرایہ کے معاملہ کی کوئی شکل اپنائی جائے تاکہ مسجد و قبرستان براہ راست بھی مستفید ہوتے رہیں، مفتی محمود صاحب نے اپنے فتاویٰ میں بار بار یہ بات فرمائی ہے، نیز مفتی عبدالرحیم صاحب نے بھی اس کو ذکر کیا ہے۔

مولانا عبید اللہ اسعدی *

یہ سوال غالباً مکرر ہے۔ جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر بظاہر مستقبل میں بھی مسجد یا قبرستان کو وہ زمین مطلوب ہو تو مدرسہ کی تعمیر کی گنجائش ہے، لیکن مدرسہ پر اس کا کچھ کرایہ بھی عائد کر دیا جائے گا کہ یہ کرایہ مسجد اور قبرستان ہی کی ضروریات پر صرف ہو اور اسی طرح واقف کے منشاء کی بھی تکمیل ہو اور مسلمانوں کے مصالح کی رعایت بھی۔

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی

مسجد یا قبرستان کے لئے وقف زمین میں مدرسہ کی تعمیر نہیں کی جا سکتی، ہاں اسے کرایہ پر دیا جا سکتا ہے، ہاں اگر مسجد کی آبادی یا قبرستان کی حفاظت کے لئے وہاں مدرسہ کی تعمیر ضروری ہو تو گنجائش ہے۔

مولانا عتیق احمد قاسمی

مسجد یا قبرستان کی موقوفہ زمین پر مدرسہ کی تعمیر:

مسجد یا قبرستان کی موقوفہ زمین پر مدرسہ بنانا شرعاً صحیح نہیں ہے، اگرچہ مسجد یا قبرستان کی ضروریات سے فاضل ہو، اس لئے کہ یہ منشاء واقف کے خلاف ہے۔ جب کہ منشاء واقف کی رعایت ضروری ہے۔

مفتی جنید عالم ندوی قاسمی

فقہاء نے قدیم قبرستان میں مسجد تعمیر کرنے کی اجازت دی ہے۔ لو أن مقبرة من مقابر المسلمين عفت، فبنى قوم عليها مسجداً لم أر بذلك بأساً لأن المقابر وقف من أوقاف المسلمين لدفن موتاهم لايجوز لأحد أن يملكها فإذا درست واستغنى عن الدفن فيها جاز صرفها إلى المسجد لأن المسجد أيضا وقف من أوقاف المسلمين لا يجوز تمليكه لأحد فمعناهما على هذا واحد (عمدۃ القاری ۶ر۴۰۹)

جن سے معلوم ہو سکے تو ایسے اوقاف کا پہلا حکم تو یہی ہوگا کہ دوسری مساجد میں ان کا غلہ صرف کیا جائے اور اگر وہ نہ ہوں یا ضرورت نہ ہو تو فقراء پر صرف کیا جائے۔

اب رہا یہ سوال کہ کیا ویسے ویران مساجد کے اوقاف کی اراضی یا مکان میں کوئی دینی ادارہ، مدرسہ، دعوت و تبلیغ کا مرکز یا مسلمانوں کے لئے اسکول، شفاخانات وغیرہ قائم کیا جا سکتا ہے یا نہیں۔

اس بارے میں غور کرنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ فقہاء نے اصل مسجد کے بارے میں جو بحث کی ہے کہ اس کی مسجدیت تا قیامت باقی رہے گی۔ یہ بات مساجد کے دیگر اوقاف کے بارے میں نہیں ہے۔ کیونکہ مسجد کی اصل جگہ کو تو باقی رکھنے کا حکم ہے چاہے وہ ویران ہو یا آباد۔ لیکن مساجد کے دیگر اوقاف کے استبدال و بیع کی خاص حالت میں اجازت ہے۔ اس کی وجہ یہ بھی ہے کہ مسجد کی اصل جگہ کے کچھ مخصوص احکام ہیں جو مسجد کے دیگر اوقاف کے لئے نہیں ہیں۔ مثلاً مسجد میں رہائش اختیار کرنا۔ جنبی یا حائضہ کا اس میں داخل ہونا۔ بلند آواز سے بولنا، لڑنا جھگڑنا، خرید و فروخت کرنا۔ پاخانہ پیشاب کرنا۔ وغیرہ امور قبیحہ جائز نہیں، جب کہ مسجد کے دیگر اوقاف کی عمارتوں اور اراضی کا یہ حکم نہیں ہے۔

اس لئے ویران مساجد کے اوقاف متعلقہ میں اگر مصلحت و ضرورت شرعی کسی دینی مدرسے کے قیام کی متقاضی ہو تو قاضی شریعت کی اجازت سے اگر نظام قضاء ہو یا وقف بورڈ اصحاب علم کے مشورے سے اس کی اجازت دے کر قائم کرائے۔ کیونکہ جس طرح مسجد مسلمانوں کی عمومی دینی ضرورت کے لئے ہوتی ہے اسی طرح مدرسہ بھی عمومی دینی ضرورت کے لئے ہوتا ہے۔ مولانا سجاد نے اپنے فتویٰ میں مسجد کی افتادہ اراضی میں مدرسہ قائم کرنے کی اجازت دی ہے، بلکہ حالات کے پیش نظر ضروری قرار دیا ہے، بلکہ حضرت مولانا مفتی محمود حسن گنگوہیؒ نے ویران مسجد میں درس و تدریس کا نظام قائم کرنے اور چلانے کی اجازت دی ہے (فتاویٰ محمودیہ)۔

مولانا انیس الرحمن قاسمی

مسجد یا مستعمل قبرستان کی فاضل زمین میں یا افتادہ قبرستان میں مدرسہ کا قیام:

مسجد کی ملکیت یا وقف کی زمین میں اس شرط پر مدرسہ بنانا جائز ہے کہ مدرسہ اس زمین کی مناسب قیمت ادا کرے، بغیر معاوضہ جائز نہ ہوگا (فتاویٰ محمودیہ ۱/۲۳۶)

ليس للقيم أن يسكن فيها أحدا بغير اجر (۳ / تاتارخانیہ ۵/۹۳۶)

متولی کے لئے موقوفہ زمین میں کسی کو بلا کرایہ رکھنا جائز نہیں۔

اور اگر قبرستان کی فاضل زمین ہے اور آئندہ قبرستان کو اس کی ضرورت نہیں ہے اور لوگوں کے اس پر قبضہ جمانے کا خطرہ ہے یا قبرستان افتادہ ہو چکا ہے اس میں دفن کا سلسلہ باقی نہیں ہے تو اس پر مسجد و مدرسہ قائم کرنا جائز ہے اس لئے کہ مسجد و مدرسہ قبرستان کے مقابلہ میں اعلیٰ اور ارفع اوقاف میں سے ہیں لہذا واقف کی غرض کی درحقیقت مخالفت نہیں ہے۔

اسی وجہ سے عمدۃ القاری وغیرہ میں افتادہ قبرستان میں مسجد بنانے کو جائز لکھا ہے، نیز حضرت تھانوی نے افتادہ قبرستان میں موقوف انجمن قائم کرنے کو جائز لکھا ہے (امداد الفتاوی ۲؍۵۷۰، ۵۷۵، احسن الفتاوی ۶؍۴۰۹)

ولو أن مقبرة من مقابر المسلمين عفت فبنى قوم عليها مسجدا لم أر بذلك بأسا (وقوله) لأنها إذا درست واستغنى عن الدفن فيها جاز صرفها إلى المسجد لأن المسجد أيضا وقف من أوقاف المسلمين (عمدۃ القاری ۴؍۱۷۹)

اگر مسلمانوں کا قبرستان افتادہ ہو جائے پھر اس میں لوگ مسجد بنا لیتے ہیں تو کوئی حرج نہیں، لہذا جب قبرستان پرانا ہو جائے اور وہاں دفن کی ضرورت نہ رہے تو اس کو مسجد کے کام میں لانا جائز ہے اس لئے کہ مسجد بھی مسلمانوں کے اوقاف میں سے ایک وقف ہے۔

مفتی شبیر احمد قاسمی

مسجد یا قبرستان کی موقوفہ اراضی پر مدرسہ کی تعمیر:

مسجد یا مدرسہ کی موقوفہ اراضی پر مدرسہ کی تعمیر شرعاً درست نہیں ہے، چاہے زمین مسجد یا مدرسہ کی ضروریات سے زائد ہو، کیونکہ واقف نے اس زمین کو مسجد یا قبرستان کی ضروریات کے لئے وقف کیا تھا، مدرسہ کی تعمیر کے لئے نہیں، منشاء واقف کی رعایت ضروری ہے۔

مفتی نسیم احمد قاسمی

مسجد یا قبرستان کی جو زمین زائد ہے اور آئندہ اس کی ضرورت کا امکان بھی نہیں ہے تو اس زائد زمین میں سے اسی نوع کا وقف قائم کیا جا سکتا ہے، اس میں مدرسہ بنانا درست نہیں۔

مولانا ظفر عالم ندوی

دی جا سکتی ہے اور مسجد کے احاطہ میں بالعموم مدرسہ ہوتا ہی ہے اس لئے اس معروف شکل کا جواز واضح ہے۔

مولانا شمس پیرزادہ

کسی وقف کے پیش نظر تین مقاصد ہو سکتے ہیں:

۱۔ جائداد کو وہ جوں کا توں رکھنا چاہتا ہے، اپنے بعد اس کے حصے بخرے ہو جانا اسے پسند نہیں ہے۔ اس مقصد کے پیچھے جائداد کی محبت ہے جو کوئی محمود و مستحسن مقصد نہیں ہے بلکہ قانون وراثت کی خلاف ورزی ہے۔

۲۔ دوسرا مقصد جس غرض کے لئے وقف کر رہا ہے اس کی حفاظت ہے۔

۳۔ اور تیسرا مقصد جو بنیادی اور اصل محرک ہونا چاہئے وہ ثواب اور صدقہ جاریہ ہے۔

موخر الذکر دونوں مقاصد ہی کے لئے وقف مشروع ہوا ہے، اب اگر جس غرض کے لئے وقف کیا گیا ہے وہ پوری ہو رہی ہے تو زائد از ضرورت زمین پر مدرسہ کی تعمیر کی جا سکتی ہے، واقف کا دوسرا مقصد تو پورا ہو ہی رہا ہے تیسرے مقصد یعنی ثواب میں اس سے کوئی کمی نہیں آئے گی بلکہ اضافہ ہی ہوگا ان شاء اللہ۔ ہاں مسجد و قبرستان کی آئندہ توسیع کی

ضرورت نظر انداز نہیں کرنا چاہئے۔

مولانا عبد العظیم اصلاحی

اگر مسجد کی زمین ہو اور مسجد آباد نہ ہو، یا کم آباد ہو تو مسجد کو آباد کرنے یا مسجد کی آبادی کو بڑھانے کے لئے مسجد کی ضرورت سے زائد زمین میں مدرسہ قائم کیا جا سکتا ہے۔ (دیکھئے: فتاوی رحیمیہ ۲/۱۸۷، کفایۃ المفتی ۷/۱۰۰، ۳۰/۱۳۲، فتاوی محمودیہ ۱۰/۱۸۶)

غالباً نظام الفتاوی مطبوعہ دہلی میں بھی مسجد کی زمین میں مدرسہ قائم کرنے کے جواز کا ایک فتوی موجود ہے جو احقر کی نظر سے گذرا ہے، لیکن فی الحال احقر کے پاس نظام الفتاوی مطبوعہ دہلی، موجود نہیں، اس لئے بقید صفحہ حوالہ دینے سے معذور ہے۔

قبرستان کی زائد زمین، جس کی مدت مدید تک قبرستان کو ضرورت نہ معلوم ہوتی ہو، وہاں مدرسہ قائم کیا جا سکتا ہے، اور جواز کی یہ گنجائش عینی کی اس عبارت کی بنیاد پر ہے جس کا حوالہ تیسرے سوال کے جواب میں تفصیل سے گذر چکا ہے۔

مولانا جمیل احمد نذیری

صورت مسئولہ میں کہ مسجد یا قبرستان کے لئے وقف زمین جو کہ ضرورت سے زائد ہے تو اس زمین کے کار خیر میں استعمال ہونے کی نیت سے اس زمین پر مدرسہ کی تعمیر کی جا سکتی ہے، چنانچہ علامہ عینی عمدۃ القاری کے (۴/ ۱۷۹) پر لکھتے ہیں:

قال ابن القاسم: لو أن مقبرة من مقابر المسلمین عفت فبنی فیها مسجداً لم أر بذلک بأساً و ذلک لأن المقابر وقف من أوقاف المسلمین لدفن موتاهم لا یجوز لأحد أن یملکها فإذا درست واستغنی عن الدفن فیها جاز صرفها إلی المسجد لأن المسجد أیضا وقف من أوقاف المسلمین لا یجوز تملیکه لأحد فمعناهما علی هذا واحد.

حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں کہ جواب مذکور سے بعلت اشتراک علت معلوم ہوا کہ انجمن کا مکان وقف نفع عام کے لئے ہے اس مقبرہ کی جگہ مسجد بنانا جائز ہے (امداد الفتاوی ۲/ ۵۷۹)۔

تو جب اس قبرستان کی جگہ جس کی ضرورت نہیں رہ گئی ہے اس طرح کہ اب اس میں مردے دفن نہیں کئے جاتے تو اس علت سے معلوم ہوا کہ جب قبرستان کی زمین ضرورت سے زائد ہے تو اس پر مسجد بھی بنانا جائز ہے اور مدرسہ بھی، اور اسی طرح مسجد کی وقف زمین ضرورت سے زائد ہے تو اس پر مدرسہ تعمیر کرنا جائز ہوگا۔ واللہ اعلم۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ صورت مسئولہ میں مسجد یا قبرستان کے لئے وقف زمین جو کہ ضرورت سے زائد ہے تو اس زمین کو کار خیر میں استعمال ہونے کی نیت سے اس زائد زمین پر مدرسہ کی تعمیر کرنا جائز ہے۔

مولانا ابو سفیان مفتاحی

لأنهما للمسلمين (بحوالہ محمود ۳/۹۷ام، امداد الفتاوی ۲/۹ ۵۷)

مولانا محمد حنیف صاحب

مسجد اور قبرستان کی موقوفہ اراضی پر مدرسہ کی تعمیر:

مسجد ہو یا قبرستان ہر ایک وقف کا مقصد دین کو تقویت پہونچانا اور امت کے لئے سہولت بہم کرنا ہے، اس لحاظ سے مساجد اور قبرستان کے اوقاف کے مقاصد فی الجملہ وہی ہیں جو مدارس اور درسگاہوں کے ہیں، اس لئے ان اراضی میں مدارس کا قیام درست ہے، جیسا کہ فقہاء نے قبرستان میں مساجد کی تعمیر کی اجازت دی ہے، مفتی عبدالرحیم لاجپوری مدظلہ نے اس سلسلہ میں عینی کی عبارت اس طرح نقل کی ہے:

فإذا درست واستغنى عن الدفن فيها جاز صرفها إلى المسجد لأن المسجد أيضا وقف من أوقاف المسلمين (عینی بحوالہ فتاوی رحیمیہ)

جب قبرستان ویران ہو جائے اور اس میں تدفین بھی نہ ہوری ہو تو اس قبرستان کو مسجد کے لئے استعمال کیا جا سکتا ہے، کیونکہ مسجد بھی مسلمانوں کے اوقاف میں سے ہی ہے۔

جو علت یہاں مسجد تعمیر کرنے کی بیان کی گئی ہے، بعینہ وہی علت مدرسہ کی تعمیر میں بھی موجود ہے، اس لئے علت مشترکہ کی بنا پر اگر مذکورہ صورت میں قبرستان میں مدرسہ کی تعمیر عمل میں آئے تو اس کی اجازت ہوگی۔

مولانا محمد رضوان قاسمی

آئندہ کی ضرورت کا خیال رکھتے ہوئے ضرورت سے زائد زمین پر مدرسہ قائم کرنا جائز ہے کیونکہ اس میں نمازیوں کی کثرت ذکر اللہ، تعلیم کے ساتھ ساتھ مسجد و قبرستان کی حفاظت بھی ہے اور تعامل بھی اسی پر چلا آ رہا ہے، جیسے مدرسہ عالیہ فتح پوری دہلی، مدرسہ شاہی مراد آباد، مدرسہ منبع العلوم گلاؤٹی بلند شہر وغیرہ یہ سارے مدارس قدیم قبرستانوں کی اراضی میں قائم ہیں۔

مفتی شیر علی گجراتی

مسجد کی وقف زمین پر مسجد اور مصالح مسجد کے علاوہ دیگر اشیاء کا بنانا درست نہیں ہے۔ گو اس وقت ضرورت نہ ہوگی مگر بعد میں جیسا کہ تجربہ شاہد ہے ضرورت ہوگی۔ اوقاف میں آئندہ مستقبل کی ضرورت کا خیال رکھا گیا ہے۔ چنانچہ مسجد کے ملبے اور انقاض کی بیع کو روک دیا گیا ہے کہ بعد میں ضرورت پڑ سکتی ہے۔ ہاں البتہ مسجد کی فاضل ضرورت سے زائد زمین پر مدرسہ کی تعمیر ہو سکتی ہے کہ مدرسہ مصالح مسجد میں داخل ہے۔ مگر اس شرط کے ساتھ کہ مدرسہ مسجد کو کرایہ ادا کرے۔ مسجد کے اوقاف پر مدرسہ کو مالکانہ اختیار نہ ہوگا۔

علامہ شامی کی عبارت سے بھی مستفاد ہوتا ہے: الصرف هو إلى ما هو أقرب إلى العمارة كالإمام و نحوه انما هو فيما إذا لم يكن الوقف معيا على جماعة معلومين كالمسجد و المدرسة...... اسی طرح ایک اور عبارت سے معلوم ہوتا ہے: ثم الأهم فالأهم من المصالح والشعائر

بقدر ما يقوم به الحال (۳۶۸/۴).

چنانچہ فتاوی رحیمیہ سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے: احاطہ مسجد کی تمام جگہ مصالح مسجد پر وقف ہوتی ہے۔ اس جگہ مدرسہ کی عمارت بنانے کے لئے اجازت دینا درست نہیں ہے (رحیمیہ ۹/۹۵)۔

اس سے معلوم ہوا کہ مسجد کی وقف زمین پر مصالح مسجد کے علاوہ اور کوئی چیز نہیں بنائی جا سکتی، البتہ مصالح مسجد میں مدرسہ داخل ہے۔ جیسا کہ بعض فقہاء کی عبارتوں سے مستفاد ہوتا ہے، تو مدرسہ مسجد کی ملک رہ کر مصالح عامہ کے تحت بنایا جا سکتا ہے۔ جیسا کہ علامہ ابن نجیم کی اس عبارت سے مستفاد ہے:

اى مصالح المسجد فيدخل المؤذن والناظر لأنا قدمنا أنهم من المصالح .. وقدمنا أن الخطيب داخل تحت الإمام لأنه إمام الجامع فتحصل به الشعائر التي تقدم في الصرف مطلقا بعد العمارة الإمام والخطيب والمدرس والوقاد والفراش والمؤذن والناظر (بحر الرائق ۵/۲۳۲)

اسی طرح حاشیہ منحۃ الخالق میں ہے: إنما هو عدم النفع الحاصل من انتظام مصالح المساجد بإقامة شعائرها (بحر الرائق ۵/۲۳۱)۔

حضرت مفتی محمود صاحب کا بھی فتوی ہے کہ مسجد کی زمین پر مدرسہ (جو مسجد کے ملک میں ہوگا) بنایا جا سکتا ہے) چنانچہ محمودیہ میں اسی قسم کے سوال "مسجد کی زمین پر مدرسہ بنانا کیسا ہے" کا جواب یہ ہے:

الجواب: حامداً ومصلیاً۔ جو زمین مسجد کے لئے وقف ہو اور وہاں مدرسہ بنانے کی ضرورت ہو تو مسجد کے پیسے سے تعمیر کرلیں اور اس کو مدرسہ کے واسطے کرایہ پر لے لیں۔ مدرسہ کی جانب سے مسجد کو کرایہ ادا کر دیا کریں۔ یا وہ زمین کرایہ پر لے کر مدرسہ تعمیر کر لیا جائے کہ زمین مسجد کو جس کا کرایہ مدرسہ کی طرف سے ادا کر دیا جایا کرے (فتاوی محمودیہ ۱۸/۲۲۰)

مولانا محمد ارشاد القاسمی

صورت مسئولہ میرے نزدیک جائز ہے۔

مولانا ایوب ندوی

مسجد یا قبرستان پر وقف شدہ فاضل اراضی پر مدرسہ بنانا:

مسجد یا قبرستان کے لئے ایک زمین وقف ہے، جو مسجد وقبرستان کی ضرورت سے زائد ہے اب اگر اس زمین پر اس ارادے سے مدرسہ بنا دیا جائے کہ وہ ضرورت سے فاضل زمین ایک کار خیر میں استعمال ہو تو شرعاً اس کی گنجائش ہے یا نہیں تو اس سلسلے میں فقہائے احناف نے عام طور سے کتب فقہ وفتاوی میں جو کچھ لکھا ہے، اس کے پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جو زمین جس کام کے لئے وقف کی گئی ہو اس کو اسی مصرف میں استعمال کیا جائے کیونکہ فقہ واصول کا یہ مسلمہ قاعدہ ہے کہ نص الواقف كنص الشارع (قواعد الفقہ ۸۵) و مراعاة غرض الواقفين واجبة (رد المحتار ۳/۳۹۳)۔

حضرات فقہاء کے بیان کردہ مندرجہ بالا اصول کا تقاضا یہ ہے کہ مسجد یا قبرستان کے لئے جو زمین وقف ہو وہ اگرچہ ضرورت سے زائد ہو لیکن اس پر مدرسہ کی تعمیر کرنا جائز نہیں ہے (جامع بیان العلم ۲ر۳۱) البتہ اگر واقف کی طرف سے صراحتاً یا دلالۃً مسجد و قبرستان کی زمین پر مدرسہ بنانے کی اجازت ہو تو پھر مدرسہ کی تعمیر جائز ہوگی، بلکہ دور حاضر میں عموماً خواندہ واقفین کی طرف سے دلالۃً اجازت پائی جاتی ہے، کیونکہ مسجد پر زمین وقف کرنے سے ان کا یہی مقصد ہوتا ہے کہ اس کی آمدنی مسجد، مصالح مسجد اور تعمیر مسجد وغیرہ میں خرچ کی جائے، اور ظاہر ہے کہ مدرسہ کی تعمیر مسجد کی معنوی تعمیر ہے، علاوہ ازیں اگر کوئی شخص مسجد کی فاضل اراضی پر مدرسہ بنا دیتا ہے، اور واقف کو اس کا علم بھی ہو جاتا ہے، مگر وہ خود اس پر نکیر نہیں کرتا، بلکہ بہت سی جگہ دیکھا گیا ہے کہ مسجد کی فاضل اراضی پر واقف سمیت گاؤں والوں کی اجازت سے مدرسہ بنا دیا گیا، اور پورے انہماک سے وہاں تعلیم ہو رہی ہے، بلکہ بہت سے شہروں میں بعض بڑے بڑے مدرسے مسجدوں کے اطراف میں قائم ہیں وہاں پہلے سے مسجد تھی، اور مدرسہ بعد میں بنایا گیا، نیز زمانہ قدیم میں زیادہ تر طلبہ کی تعلیم و تربیت مسجدوں کے اندر ہوتی تھی، بلکہ مسجد خود اس کا مرکز تھی، اور علامہ ابن عبد البر علیہ الرحمہ نے جامع بیان العلم میں ایک روایت نقل فرمائی ہے کہ حضرت عبد اللہ ابن عباسؓ سے ایک ازدی شخص نے جہاد کے متعلق سوال کیا تو آپ نے فرمایا کہ میں تم کو جہاد سے بہتر چیز بتاتا ہوں تبنی مسجدا و تعلم فیه القرآن والسنة والفقه فی الدین (جامع بیان العلم ۲ر۳۱) مسجد تعمیر کر کے اس میں کتاب وسنت اور دینی احکام کی تعلیم دو۔

مندرجہ بالا تفصیل سے معلوم ہوتا ہے کہ مسجد و قبرستان کی وہ فاضل اراضی جس کی مسجد و قبرستان کو نہ ابھی ضرورت ہے، اور نہ ہی آئندہ ضرورت پڑنے کا امکان ہے، مثلاً قبرستان میں لوگوں نے دفن کرنا چھوڑ دیا اور قبریں منہدم ہو گئیں، تو ان صورتوں میں مسجد و قبرستان کی فاضل اراضی پر مدرسہ کی تعمیر جائز ہے، اور اس سلسلہ میں قدرے تفصیل دوسرے سوال کے تحت گذر چکی ہے، نیز یہ بھی گذر چکا ہے کہ حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب کے نزدیک مسجد یا اس کی متعلقہ وقف عمارت میں تعلیم کا اجراء مسجد کی تعمیر معنوی میں داخل ہے (کفایت المفتی ۷ر۳۰۲، جواب ۲۹۶) نیز آگے یہ مسئلہ آ رہا ہے کہ ویران قبرستان پر تعمیر مسجد و مدرسہ کی حضرات فقہاء نے اجازت دی ہے، البتہ اگر خود واقف نے زمین کو کسی معین مسجد پر وقف کر کے صراحت کر دی ہو کہ اس کی آمدنی کسی دوسری جگہ خرچ نہ کی جائے تو اس وقت اس کی مخالفت جائز نہ ہوگی۔

لأن شرط الواقف کنص الشارع فیجب اتباعه (رد المحتار ۳ر۳۹۷)

لیکن اگر مسجد و قبرستان کی فاضل اراضی پر کسی کے غصب کر لینے کا واقعی خطرہ ہو تو ایسی صورت میں بہر حال اس پر تعمیر مدرسہ کی اجازت دی جائے گی۔

مولانا ابوبکر قاسمی

مسجد کے لئے وقف زمین پر یا قبرستان کے لئے وقف زمین پر جو ضرورت سے زائد ہے مدرسہ تعمیر کرنا درست نہیں ہے، ولو لم یتفرق الناس ولکن استغنی الحوض عن العمارة وهناک مسجد محتاج

إلى العمارة أو على العكس هل يجوز للقاضي صرف وقف ما استغنى عن العمارة إلى ماهو محتاج إلى العمارة، قال: لا، كذا في المحيط (عالمگیری ۲/۳۶۴، ۳۶۵)

بلکہ اس زمین کی آمدنی اسی مسجد یا قبرستان کے لئے محفوظ رکھی جائے اور رقم کے ضائع ہونے کا خطرہ ہو تو دوسری قریب کی مسجد یا قبرستان کی ضروریات میں صرف کی جائے۔

مولانا عبد القیوم پالنپوری

قبرستان کی موقوفہ زمین پر جو قبرستان کی ضرورت سے زائد ہے، فقہاء نے مسجد تعمیر کرنے کی اجازت دی ہے بشرطیکہ لوگوں نے اموات دفن کرنا چھوڑ دیا ہو، اور سابقہ قبروں کے نشانات مٹ گئے ہوں اور ایسا ہی اگر قبرستان کسی کا مملوک ہو تو قبروں کے نشانات مٹ جانے کے بعد مالک کی اجازت سے مسجد بنانا جائز ہے۔

قال الحافظ العيني: فإن قلت هل يجوز أن تبنى المساجد على قبور المسلمين؟ قلت قال ابن القاسم لو أن مقبرة من مقابر المسلمين عفت فبنى قوم عليها مسجدا لم أر بذلك بأسا وذلك لأن المقابر وقف من أوقاف المسلمين لدفن موتاهم لايجوز لأحد أن يملكها فإذا درست واستغنى عن الدفن فيها جاز صرفها إلى المسجد لأن المسجد أيضا وقف من أوقاف المسلمين لايجوز تملكه لأحد فمعناهما على هذا واحد (عمدۃ القاری ۴/۱۷۹، احسن الفتاوی ۶/۴۰۹)

عبارت بالا میں قبرستان میں مسجد کے جواز کی دلیل یہ بیان کی گئی کہ قبرستان اوقاف مسلمین میں سے ہے جس کی منفعت عام ہے اور اس کی تملیک درست نہیں، ایسا ہی مسجد کا حال ہے۔

لأن المسجد أيضا وقف من أوقاف المسلمين لا يجوز تملكه.

مذکورہ بالا گفتگو میں جس دلیل سے مسجد کی تعمیر کو درست کہا گیا ہے اسی دلیل سے قبرستان کی جگہ میں مدرسہ کی تعمیر کو درست اور جائز کہا جائیگا، والعبرة لعموم اللفظ لا لخصوص المورد، چنانچہ فتاوی محمودیہ میں ہے:

اگر وہ قبرستان مملوک ہے تو مالک کی اجازت سے دینی مدرسہ کی تعلیم درست ہے، اگر قبرستان وقف ہے تو منشاء واقف ہی میں اسکو استعمال کیا جائے، لیکن اگر وقف ہونے کے باوجود وہ جگہ ضرورت سے زائد ہے اور بیکار رہنے سے اندیشہ ہے کہ کوئی اس پر غلط تصرف کرے جس سے وقف ہی ضائع ہو جائے تو دینی مدرسہ کی تعمیر کرنا درست ہے (فتاوی محمودیہ ۱۲/۱۴۸)۔

عبارت بالا میں قبرستان کی زائد از ضرورت جگہ پر جس دلیل سے مسجد اور مدرسہ کا جواز اور اس کی درستگی معلوم ہوئی اسی دلیل سے مسجد کی زائد زمین میں مدرسہ کی تعمیر کا جواز اور اس کی درستگی ہوگی۔

زمانہ اتنا بدل چکا ہے کہ حرام وناجائز جانتے ہوئے آخرت کی جوابدہی سے بے فکر ہو کر اراضی موقوفہ پر قبضہ ودخل لوگوں کا شیوہ بن چکا ہے، اگر اس زمین پر مدرسہ کی اجازت نہ دی جائے تو کوئی بعید نہیں کہ مستقبل قریب میں دوسروں میں ضم ہو جائے۔

مولانا تنویر عالم قاسمی

مسجد کی آبادی کے لئے مدرسہ قائم کرنا مصالح مسجد میں ہے لہذا شرعاً مسجد میں مدرسہ قائم کرنا جائز ہے۔ قبرستان کی جگہ اگر ضرورت سے زائد ہے اور بیکار رہنے سے اندیشہ ہے کہ کوئی اس پر غلط تصرف کرے جس سے وقف ہی ضائع ہوجائے گا تو اس میں دینی مدرسہ کی تعمیر کرنا درست ہے۔ (فتاوی محمودیہ ۱۴۸/۱۴)۔

مفتی عبد الرحیم بھوپال

مسجد یا قبرستان کے لئے وقف زمین جو کہ ضرورت سے زائد ہو اس پر مدرسہ یا کوئی اور مقصد کے لئے تعمیر کرنا جائز نہیں ہے، چونکہ وقف کو مقاصد وقف میں استعمال کرنا چاہئے اسکے خلاف جائز نہیں۔

مولانا منذر توحید مظاهری

ضرورت سے زائد مسجد وقبرستان کی آمدنی ہو تو کار خیر کے لئے استعمال کی جاسکتی ہے۔

ڈاکٹر قدرت اللہ باقوی

مسجد یا قبرستان کے لئے جو زمین وقف ہے اور وہ ضرورت سے زائد ہے، اس پر مدرسہ کی تعمیر جائز نہیں ہے۔ بوقت ضرورت کرایہ والی صورت اختیار کی جاسکتی ہے جس کی تفصیل دوسرے سوال کے جواب میں گزر چکی ہے۔ (احسن الفتاوی ۴۳۳/۶، فتاوی محمودیہ ۲۲۰/۱۸)۔

مولانا عبد اللطیف پالنپوری

مسجد یا قبرستان کے لئے وقف زمین جو کہ ضرورت سے زائد ہے، اس پر مدرسہ کی تعمیر کی جاسکتی ہے کہ وہ زمین ایک کار خیر میں استعمال ہو؟ اگر اس نیک ارادے سے بھی مسجد کی زمین پر مدرسہ بنانا چاہے تو شرعی نقطہ نظر سے جائز نہیں ہے، کیونکہ جو زمین ایک دفعہ مسجد میں داخل ہو چکی ہے وہ قیامت تک مسجد ہی رہے گی کسی بھی ضرورت کے لئے اسے مسجد سے خارج نہیں کیا سکتا ہے، نبی اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی مسجد بنانے کے سلسلہ میں یہ ہے:

عن عثمانؓ قال قال رسول اللہ ﷺ من بنی للہ مسجدا بنی اللہ لہ بیتا فی الجنۃ (رواہ البخاری ومسلم) حضرت عثمانؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو کوئی اللہ کے لئے (یعنی صرف اس کی خوشنودی اور اس کا ثواب حاصل کرنے کی نیت سے) مسجد تعمیر کرائے تو اللہ تعالی اس کے لئے جنت میں ایک شاندار محل تعمیر فرمائیں گے۔

تشریح: حدیث وقرآن کے بہت سے ارشادات سے معلوم ہوتا ہے کہ آخرت میں ہر عمل کا صلہ اس کے مناسب عطا ہوگا، اس بنیاد پر مسجد بنانے والے کے لئے جنت میں ایک شاندار محل عطا ہونا یقیناً قرین حکمت ہے (بخاری ۶۴/۱، مسلم ۲۰۱/۱، معارف الحدیث ۱۸۱/۳)

حضرت مولانا مفتی رشید احمد صاحب لدھیانوی کا موقف:

سوال: ایک مسجد کافی وسیع ہے اس کا کچھ حصہ خارج کرکے اس میں امام مسجد کے لئے مکان تعمیر کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: اجوز مین ایک دفعہ مسجد میں داخل ہو چکی ہے وہ قیامت تک مسجد ہی رہے گی کسی بھی ضرورت کے لئے اسے مسجد سے خارج نہیں کیا جا سکتا ہے۔

قال فی شرح التنویر ولو خرب ماحوله واستغنی عنه یبقی مسجدا عند الإمام والثانی أبداً إلی قیام الساعة وبه یفتی۔

وفی الشامیة: (قوله ولو خرب ما حوله الخ) ای ولو مع بقائه عامراً وكذا لو خرب ولیس له بأن یعمر به وقد استغنی الناس عنه لبناء مسجد آخر (ردالمحتار ۳/۵۱۳) والله تعالی اعلم

(احسن الفتاوی ۶/۴۳۶)

عیدگاہ کی فاضل زمین پر مدرسہ بنانا:

حضرت مفتی رشید احمد صاحب لدھیانوی دامت برکاتہم سے سوال کیا گیا (مدرسہ کی تعمیر کے لئے عیدگاہ کی فاضل اراضی کا استعمال کرنا شرعاً جائز ہو تو مدرسہ کافی وسیع پیمانے پر چلایا جا سکتا ہے) اس سوال کے جواب میں رقمطراز ہیں:

الجواب: بندہ نے صورت مسئلہ میں بار بار غور کیا مگر سمجھ میں یہی آیا کہ عیدگاہ کی زمین میں مدرسہ بنانا جائز نہیں، ہر چند سوچنے کے باوجود مجوزین حضرات کے خیال کی بنا سمجھ میں نہیں آتی...... بہر کیف مسئلہ کی نوعیت بالکل واضح ہے جس میں ذرہ برابر شک وشبہ کی گنجائش نہیں، مع ہذا جو امور موجب خلجان ہو سکتے ہیں انشاء، جواب میں ان کی تنقیح بھی کر دی ہے الخ (تفصیلی دلائل کے لئے دیکھئے احسن الفتاوی ۶/۴۴۳ تا ۴۴۶)

پرانی مسجد کو مکتب بنانا:

پرانی مسجد کو مکتب بنانا جائز ہے یا نہیں؟

اس کے جواب میں حضرت مولانا مفتی رشید احمد صاحب لدھیانوی دامت برکاتہم فرماتے ہیں: مسجد جب ایک بار بن گئی تو وہ ہمیشہ مسجد ہی رہے گی، خواہ لوگ اس میں نماز پڑھیں یا نہ پڑھیں، لہذا اس کو مکتب بنانا جائز نہیں البتہ اس کی مسجدیت اور ادب واحترام کو ملحوظ رکھتے ہوئے اس میں دین کی تعلیم دینا ان شرائط سے جائز ہے:

(۱) معلم اجرت نے کرنے پر جائے، ابقدر ضرورت وظیفہ لے سکتا ہے۔

(۲) چھوٹے بے سمجھ بچوں کو مسجد آنے دیا جائے۔

(۳) مسجد کے احکام اور ادب واحترام کا پورا اہتمام رکھا جائے۔

قال فی التنویر: ولو خرب ماحوله واستغنی عنه یبقی مسجداً۔

وقال العلامة ابن عابدین رحمه الله تعالی: ولا یجوز نقله ونقل ماله إلی مسجد آخر سواء كانوا یصلون فیه أولا وهو الفتوی حاوی القدسی وأكثر المشائخ علیه مجتبی وهو الأوجه فتح الخ بحر (ردالمحتار ۳/۳۹۲) والله تعالی اعلم (احسن الفتاوی ۴۵۶، ردالمحتار ۳/۴۰۹)

زبدۃ الخلاصہ: فقہاء عظام کی تصریحات وتوضیحات کی روشنی سے یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ اوقاف مساجد

کو فروخت کرنا یا اس کے اوپر کوئی دینی ادارہ یا عصری ادارہ قائم کرنا جائز نہیں ہے، یہی رائے میری بھی ہے۔

اوقاف قبرستان کی جگہ پر کوئی دینی ادارہ بنانا:

اگر کوئی قبرستان ویران پڑا ہو اور اس میں موتی بھی دفن نہیں کئے جاتے ہیں تو ایسے قبرستان کی اراضی مخروبہ پر مدرسہ کی تعمیر کردی جائے تاکہ وہ زمین ایک کار خیر میں استعمال ہوتی رہے تو شرعی نقطہ نظر سے اس کی گنجائش ہے، ایسی زمین پر انجمن اسلام کے لئے مکان بنانا یا مسافر خانہ بنانا، ہسپتال بنانا وغیرہ جائز ہے تاکہ مقاصد وقف کا منشاء باقی رہے اور کوئی غاصب اس کو غصب نہ کرنے پائے، سوال نمبر (۷۰۲) کے تحت حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی علیہ الرحمہ رقمطراز ہیں:

الجواب: عینی شرح بخاری میں ہے قال ابن القاسم لو أن مقبرة من مقابر المسلمين عفت فبنى فيها مسجدا لم أر بذلك بأسا وذلك لأن المقابر وقف من أوقاف المسلمين لدفن موتاهم لا يجوز لأحد أن يملكها فإذا درست واستغنى عن الدفن فيها جاز صرفها إلى المسجد لأن المسجد أيضا وقف من أوقاف المسلمين لا يجوز تمليكه لأحد فمعناهما على هذا واحد.

جواب مذکور سے بعلت اشتراک علت معلوم ہوا کہ انجمن کا مکان وغیرہ نفع عام کے لئے اس مقبرہ کی جگہ بنانا جائز ہے، واللہ اعلم (امداد الفتاوی ۲/۷۰۹ھ)

پرانے قبرستان پر مسجد بنانا:

حضرت مولانا مفتی رشید احمد صاحب لدھیانوی نے بھی پرانے قبرستان پر مسجد بنانے کا فتوی صادر فرمایا ہے:

اس قبرستان میں اگر لوگوں نے اموات کو دفن کرنا ترک کر دیا ہو اور سابقہ قبروں کے نشان مٹ گئے ہوں تو وہاں مسجد بنانا جائز ہے، ایسے ہی اگر قبرستان کسی کا مملوک ہو اور اس میں قبریں مٹ چکی ہوں تو مالک کی اجازت سے وہاں مسجد بنانا جائز ہے۔ (احسن الفتاوی ۶/۴۰۹)

مولانا محمد مصطفی قاسمی

مسجد یا قبرستان کے لئے وقف زمین ضرورت سے زائد ہے تو اسی طرح کے مصرف میں اسکولایا جاسکتا ہے غیر جنس میں نہیں، تفصیل پانچویں سوال کے تحت گذر چکی ہے۔

مولانا اخلاق الرحمن قاسمی

مسجد یا قبرستان کے لئے وقف زمین جو کہ ضرورت سے زائد ہو اور اس درجہ میں ہو کہ مدتوں وہاں تدفین کی ضرورت نہ ہو اور نہ ہی آئندہ ضرورت متوقع ہو تو اس صورت میں حواشی قبرستان پر مدرسہ کی عمارت تعمیر کرنا احقر کی رائے میں درست اور جائز ہے کیوں کہ وہ زمین ایک کار خیر میں استعمال ہو رہی ہے، لیکن یہ اس صورت میں ہے جب کہ قبرستان اور مسجد کی ضرورت سے واقعۃً فاضل ہو تبھی اس زمین کو دینی کاموں میں بھی بہ شکل مناسب باقاعدہ درایۃً اس پر مدرسہ کی تعمیر کی جاسکتی ہے ورنہ فی نفسہ کوئی صورت جواز کی نہیں ہے۔ مولانا قمر الزماں ندوی

مسجد یا قبرستان کی موقوفہ زمین پر مدرسہ کی تعمیر:

کیا مسجد یا قبرستان کے لئے وقف زمین جو کہ ضروریات سے زائد ہو اس پر مدرسہ کی تعمیر کی جاسکتی ہے؟
اس سلسلہ میں مسجد کے اوقاف اور دیگر اوقاف میں فرق کرنا چاہئے کہ مساجد کے اوقاف تو صرف مصالح مسجد مثلاً اس کی ترمیم، امام و مؤذن اور خطیب وغیرہ کی تنخواہیں یا متولی و ذمہ داران یا دوسری محتاج تعمیر مساجد کی ضروریات میں صرف کی جائیں، مدرسہ وغیرہ بنانے کی اجازت نہیں ہونی چاہئے، چنانچہ علامہ اشرف علی تھانوی (م ۱۳۶۲ھ) لکھتے ہیں۔

"مدرسہ جنس مسجد سے نہیں اس لئے زائد رقم دوسری مساجد میں صرف کرنا چاہئے اگر اس شہر میں حاجت نہ ہو تو دوسرے شہروں کی مساجد میں صرف کریں جو زیادہ قریب ہو اس کا حق مقدم ہے اسی طرح بہ ترتیب" (امداد الفتاوی ۲/۵۹۶)

ہاں دیگر اوقاف کی ضروریات سے زائد چیزیں مثلاً قبرستان کی موقوفہ زمین جو اس قبرستان کے مصارف سے زائد ہے اس پر مدرسہ کی تعمیر کی گنجائش ہے، چنانچہ حضرت مفتی نظام الدین صاحب (مدظلہ العالی) کی رائے ہے:

"اور اگر قبرستان محتاج اعانت نہ ہو تو اس کی آمدنی دینی مدارس پر خرچ کی جائے یا اس میں مسجد تعمیر کردی جائے یا دینی مدرسہ قائم کردیا جائے" (نظام الفتاوی ۱/۱۷۵)۔ اور علامہ ابن تیمیہؒ کی تحریر بھی ملاحظہ ہو:

وما فضل من ريع الوقف عن مصلحته صرف في نظيره أو مصلحة المسلمين من أهل ناحيته ولم يحبس المال دائما بلا فائدة (مجموعة الفتاوى ۳۱/۹۳)

اور وقف کے منافع جو اس کی مصلحت سے بچ جائے اس کو اسی کے ہم مثل میں صرف کیا جائے گا یا اسی محلہ کے مسلمانوں کی مصلحت میں، اور مال کو بلا فائدہ ہمیشہ نہیں روکا جائے گا۔

یہ واضح رہے کہ مدارس و مکاتب دینیہ کا قیام بھی مصالح مسلمین میں سے ہے۔

مولانا محمد نور القاسمی

مسجد یا قبرستان کی زائد زمین پر مدرسہ قائم کرنا:

علماء ہند کا خیال ہے کہ مسجد کے لئے وقف زمین جو ضرورت سے زائد ہو اس پر مدرسہ قائم کرنا درست نہیں ہے۔
حضرت تھانوی علیہ الرحمہ کا فتوی ہے:

"ہرگاہ مسجد آباد است اگرچہ مستغنی ست آمدنی او در جائے دیگر صرف کردن درست نیست (امداد الفتاوی ۲/۶۴۲)

لیکن راقم کا خیال ہے کہ مسجد کے لئے وقف زمین جو ضروریات مسجد سے زائد ہے اس پر دینی مدرسہ قائم کردیا جائے تاکہ وہ زمین کار خیر میں استعمال ہو، فقہاء کی عبارات اور کتب کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مسجد میں بچوں کی دینی تعلیم کا نظم کرنا اور مسجد کے اندر مکاتب چلانا درست ہے، تو مسجد کی زائد زمین پر دینی علوم کی تعلیم کی اشاعت کے مقصد کے تحت مدرسہ اسلامیہ کا قیام عمل میں لانا بدرجہ اولی جائز ہونا چاہئے۔

وتعليم الصبيان فيه (اى المسجد) بلا أجر وبالأجر يجوز (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو:

الفتاوی البزازیہ مع الہندیہ ۶/۷ ۳۵)

مسجد میں بچوں کو علم سکھانا تنخواہ لے کر اور بلا تنخواہ لئے دونوں طرح جائز ہے۔

اسی طرح قبرستان پر وقف زائد زمین جس میں تدفین نہیں ہورہی ہے اور نہ آئندہ اس میں تدفین کی ضرورت متوقع ہے تو اس میں منشاء واقف کا خیال رکھتے ہوئے مدرسہ کی تعمیر درست ہوگی۔

مولانا ابرار خان ندوی

مسجد یا قبرستان کے لئے وقف زمین جو کہ ضرورت سے زائد ہے اس پر مدرسہ کی تعمیر کا مسئلہ:

نظام الفتاوی میں لکھا ہے کہ جو قبرستان موقوفہ ہے اس کا حکم یہ ہے کہ جب تک اس میں مردے دفن کرنا ہی متعین ہو اس کے علاوہ کسی دوسرے کام میں لانا جس سے منشاء واقف فوت ہو تو درست و جائز نہیں (نظام الفتاوی ۱/۲۷)

یہی حکم مسجد کا بھی ہے کہ واقف نے اسکو مسجد ہی کے لئے وقف کیا تھا دوسرے کام کے لئے نہیں تو اس کو دوسرے کام میں استعمال کرنا جائز نہیں۔

مولانا ابراہیم فلاحی بارڈولی

مسجد یا قبرستان کی وہ موقوفہ زمینیں جو ضرورت سے زائد ہیں ان پر اگر مدرسہ قائم کیا جاتا ہے تو اس کے جواز کی شکل نکل سکتی ہے اس لئے کہ مسجد یا قبرستان کی وہ موقوفہ زمینیں جو ضرورت سے زائد ہیں اگر وہاں دینی مدرسہ قائم کیا جاتا ہے تو اس سے آبادی میں ترقی ہوگی، اور ایک کار خیر میں استعمال ہورہی ہے جو کہ واقف کے مقاصد میں بھی داخل ہے۔

مولانا سمیع اللہ قاسمی

مسجد پر وقف زمین جو مسجد کی ضرورت سے زائد ہے اس پر مدرسہ کی تعمیر کی گنجائش اس وجہ سے معلوم ہورہی ہے کہ دونوں صورتوں میں غرض واقف جو کہ التقرب إلی اللہ و حصول الثواب ہے بطریق اکمل حاصل ہورہا ہے۔

مولانا صدر عالم قاسمی

اس سوال کا حاصل یہ ہے کہ مسجد یا قبرستان پر وقف زمین جو ضرورت سے زائد ہو اس پر دینی یا عصری علوم کی درسگاہ قائم ہوسکتی ہے یا نہیں؟ اس سلسلہ کا استفتاء عصر حاضر کے نامور فقیہ حضرت مولانا رشید احمد صاحب دامت برکاتہم سے کیا گیا کہ عیدگاہ کی فاضل اراضی کو مدرسہ کی تعمیر کے لئے استعمال کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟ اس استفتاء کے جواب میں حضرت مفتی صاحب نے جو کچھ تحریر فرمایا ہے اسی کا خلاصہ کر دینا مناسب سمجھتا ہوں۔ حضرت مفتی صاحب مختلف نصوص فقہیہ نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

حاصل یہ کہ جملہ کتب معتبرہ میں وضاحت ہے کہ شرط واقف اور جہت وقف کے خلاف کرنا جائز نہیں، اگر موقوف علیہ سے استغناء ہو چکا ہو تو بھی وقف کی آمدنی موقوف علیہ کے مجانس اقرب پر صرف کی جائے گی اس حالت میں بھی جہت وقف کا بدلنا جائز نہیں۔

قال في التنوير و مثله حشيش المسجد وحصيره مع الاستغناء عنها و الرباط والبئر إذا لم ينتفع بهما فيصرف وقف المسجد والرباط والبئر (والحوض) إلى أقرب مسجد أو رباط أو بئر (أو حوض) إليه. وقال في الشامية (قوله إلى أقرب مسجد أو رباط الخ) لف ونشر مرتب وظاهره أنه لا يجوز صرف وقف مسجد خرب إلى حوض وعكسه وفي شرح الملتقى يصرف وقفها لأقرب مجانس لها (رد المحتار ۳/ ۵۱۳)

مذکورہ جزئیہ اگرچہ مصرف اول کے خراب ہو جانے سے متعلق ہے مگر مصرف اول سے اوقاف کی آمدنی اگر بہت زیادہ ہو تو اس کا بھی یہی حکم ہے اس لئے کہ استغناء دونوں صورتوں کو جامع ہے۔ آگے لکھتے ہیں: خلاصہ یہ کہ اصل موقوف علیہ سے استغناء کے وقت بھی جہت وقف کا بدلنا جائز نہیں، اقرب مجانس پر صرف کرنا ضروری ہے۔ عالمگیریہ میں بھی اس قسم کا جزئیہ موجود ہے:

سئل شمس الائمة الحلواني عن مسجد أو حوض خرب ولا يحتاج إليه لتفرق الناس هل للقاضي ان يصرف أوقافه إلى مسجد آخر أو حوض آخر قال نعم و لو لم يتفرق الناس ولكن استغنى الحوض عن العمارة وهناك مسجد محتاج إلى العمارة أو على العكس هل يجوز للقاضي صرف وقف ما استغنى عن العمارة إلى ما هو محتاج إلى العمارة قال لا كذا في المحيط (عالمگیری ۲/ ۳۵۴)

اس عبارت میں اقرب مجانس کی تصریح نہیں، شرح الملتقی اور شامیہ کے مذکورہ جزئیات میں وضاحت ہے کہ بحالت استغناء مسجد کا وقف قریب ترین مسجد پر اور حوض کا وقف قریب ترین حوض پر صرف کیا جائے (احسن الفتاوی ۶/ ۴۳۳، ۴۳۶)۔

مولانا عطاء الله قاسمی

مسجد کی زائد جگہ میں مدرسہ قائم کرنے کا حکم:

مسجد پر جو زمین وقف ہے اس کے بارے میں اصل حکم تو یہی ہے کہ وہ زمین ہمیشہ مسجد ہی کی رہے، نہ ہی اس کو فروخت کرنا جائز ہے اور نہ ہی اس جگہ سے مسجد کے آداب کے خلاف کوئی کام لینا جائز، اور نہ ہی اس جگہ پر مدرسہ وغیرہ قائم کرنے کی اجازت ہے، البتہ ارباب فتاوی نے ایسی زائد زمین کے بارے میں یہ حل نکالا ہے کہ اگر وہاں مدرسہ وغیرہ قائم کرنے کا ارادہ ہے تو اس کی دو صورتیں ہو سکتی ہیں اور دونوں جائز ہیں۔

پہلی صورت تو یہ ہے کہ مسجد ہی کی طرف سے اس جگہ پر تعمیر کر دی جائے اور اس کا کرایہ متعین کر دیا جائے اور مدرسہ کو متعینہ کرایہ دے کر ماہوار مدرسے سے کرایہ وصول کیا جاتا رہے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ تعمیر مسجد کی طرف سے نہ کی جائے بلکہ تعمیر کا مدرسہ خود کفیل ہو لیکن مدرسہ اس جگہ کا متعینہ کرایہ ادا کرتا رہے۔ (مستفاد فتاوی محمودیہ ۱۲/ ۴۹۳، ۱۵/ ۱۹۷)

علامہ محمد یوسف بنوریؒ نے معارف السنن کے اندر مسجد کی زائد آمدنی کو مدرسہ اور علم کی اشاعت میں صرف کرنے کی اجازت دی ہے، لہذا اگر زمین کو بھی آمدنی کے حکم میں رکھا جائے تو پھر اس جگہ پر بغیر کرایہ کے مدرسہ قائم کرنا جائز اور درست ہوگا، عبارت درج ذیل ہے:

قال الراقم ومما تبين لي بعد فحص و بحث كثير أنه إذا اجتمعت اموال كثيرة تزيد على إعادة بناء المسجد أن احتيج إليه فيجوز صرف الزائد إلى إنشاء مدرسة ونشر علم وإن لم يكن من شرط الواقف (معارف السنن ۳؍۳۰۱)

راقم نے کہا اور بہت غور وفکر کے بعد مجھے یہ بات واضح ہوئی کہ جب مسجد کے پاس اعادہ مسجد سے بھی زائد مال جمع ہو جائے جس وقت کہ مسجد کو اعادہ کی ضرورت پڑے تو اس زائد اموال کو مدرسہ قائم کرنے اور علم پھیلانے میں صرف کرنا جائز اور درست ہے اگر چہ وقف کے وقت واقف نے شرط نہ لگائی ہو۔

جو مسجد کا حکم ہے وہی قبرستان کی زائد زمین کا بھی حکم ہے ان دونوں کے درمیان میں کوئی فرق نہیں ہے ،لہذا قبرستان کی زائد زمین پر بھی مدرسہ قائم کرنے کی اجازت ہوگی۔

مولانا اسعد اللہ قاسمی

مسجد یا قبرستان کی زائد موقوفہ اراضی پر مدرسہ کی تعمیر:

اگر کسی نے کسی خاص عمارت مثلاً مسافرخانہ یا خانقاہ وغیرہ کی تعمیر کے لئے کچھ سرمایہ وقف کیا اور تعمیر مکمل ہونے کے بعد کچھ سرمایہ بچ گیا تو اس کو کیا کرنا چاہئے؟ اس سلسلہ میں علامہ شامی لکھتے ہیں کہ اسی نوع کے قریبی اوقاف مثلاً مسجد کے امام یا مدرسہ کے مدرس کو دیدیا جائے گا، اس سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ مسجد یا قبرستان کی موقوفہ اراضی پر جو اس کی ضرورت سے زیادہ ہے مدرسہ کی تعمیر درست ہونی چاہئے، کیونکہ مدرسہ بھی مسجد اور قبرستان کی طرح رفاہ عام ہی کے لئے قائم کیا جاتا ہے۔

في الدر و يبدأ من غلته بعمارته ثم ما هو أقرب لعمارته كإمام مسجد و مدرس مدرسة (وفي الرد) فان انتهت عمارته وفضل من الغلة شي يبدأ بما هو أقرب للعمارة وهو عمارته ...... ثم ما هو أقرب إلى العمارة واعم للمصلحة كالإمام للمسجد و المدرس للمدرسة (شامی ۳؍۳۷۶)

وقف کی آمدنی کو سب سے پہلے وقف کی تعمیر ومرمت پر خرچ کیا جائے گا پھر ان اشیاء پر جو اس کی آبادی سے تعلق رکھتی ہوں مثلاً مسجد کے امام اور مدرسہ کے مدرس پر۔ (شامی میں ہے) کہ اگر مقصد وقف کا کام ختم ہو جانے کے بعد کچھ رقم بچ جائے تو پھر اس پر خرچ کیا جائے گا جو اس مقصد کے زیادہ قریب ہو (اگر پھر بھی کچھ بچ جائے) تو اس پر خرچ کیا جائے جو اس مقصد کے زیادہ قریب اور زیادہ مصلحت والا ہو مثلاً مسجد کا امام اور مدرسہ کا مدرس۔

مسلک مالکی: امام مالکؒ کے یہاں بھی مسجد یا قبرستان کی موقوفہ اراضی پر جو اس کی ضرورت سے زیادہ ہے، مدرسہ کی

تعمیر درست ہوگی کیونکہ شیخ محمد علیش نے اپنی کتاب میں سحنون، دحون، ابن رشد، اور ابن عرفہ کا فتویٰ نقل کیا ہے کہ اگر کسی نے کسی خاص مسجد وغیرہ کے لئے کوئی چیز وقف کیا اور وہ اس کی ضرورت سے فاضل ہو جائے تو اس کو دوسری مسجد کو دیا جاسکتا ہے، یہ صورت مسئول کے جائز ہونے پر دال ہے۔

فتيا سحنون في فضل زيت المسجد انه يوقد منه في مسجد آخر و فتيا دحون في حبس حصن يغلب العدو عليه يدفع في حصن آخر قال و ما كان لله تعالى و استغنى عنه يجوز جعله في غير ذلك الوجه مما هو لله تعالى وفتوى ابن رشد في فضل غلات مسجد زائدة على حاجته أن يبنى منها مسجد تهدم وقال ابن عرفة شبه المصرف مثله إن تعطل (شرح منح الجليل ۴/۹۲، ۹۱)

مسجد کے بچے ہوئے تیل کے بارے میں سحنون کا فتویٰ یہ ہے کہ اس کو دوسری مسجد میں جلایا جائے، وہ قلعہ جس پر دشمن کا غلبہ ہو اس کے وقف کے سلسلہ میں ابن دحون کا فتویٰ یہ ہے کہ اس کو دوسرے قلعہ میں دیدیا جائے، اور جو چیز اللہ تعالیٰ کے لئے وقف ہو اور لوگ اس سے بے نیاز ہوں تو اس کو اسی نوع کے اوقاف میں استعمال کرنا جائز ہے، اور مسجد کی زائد آمدنی کے سلسلہ میں ابن رشد کا فتویٰ ہے کہ اس سے دوسری منہدم مسجد تعمیر کی جائے، اور ابن عرفہ کا کہنا ہے کہ موقوفہ چیز کے مصرف کا مماثل اسی کے حکم میں ہے اگر وہ بیکار ہو جائے۔

مسلک شافعی: امام شافعیؒ کے یہاں اگر کسی نے کسی خاص عمارت کی تعمیر کے لئے کچھ سرمایہ وقف کیا اور تعمیر کے بعد کچھ سرمایہ بچ جائے تو اس کو آئندہ کے لئے ذخیرہ بنا کر رکھنا واجب ہے، یہ اس بات پر دال ہے کہ مسجد یا قبرستان کی موقوفہ اراضی پر جو اس کی ضرورت سے زیادہ ہے مدرسہ کی تعمیر درست نہیں ہے، چنانچہ امام نوویؒ رقم طراز ہیں:

أما غير المنهدم فما فضل من غلة الموقوف على مصالحه يشترى به عقار و يوقف عليه بخلاف الموقوف على عمارته يجب إدخار لأجلها (شرح مہذب ۱۵/ ۳۶۱)

جو کچھ موقوف آمدنی سے بچ جائے جو اس کے مصالح پر موقوف ہو تو اس کے ذریعہ زمین خریدی جائے گی اور اس پر وقف کردی جائے گی بخلاف اس موقوفہ عمارت کی آمدنی کے جو اس کی عمارت پر موقوف ہو اس کا ذخیرہ کرنا اسی عمارت کے لئے واجب ہے، فی زمانہ فتویٰ مسلک احناف، مالکیہ پر ہونا چاہئے کیونکہ جس طرح مسجد اور قبرستان کا وقف رفاہ عام کے لئے ہوتا ہے اسی طرح مدرسہ بھی رفاہ عام ہی کے لئے قائم کیا جاتا ہے، لہٰذا اس کی تعمیر مسجد یا قبرستان کی زائد موقوفہ اراضی پر درست ہونی چاہئے۔

مولانا محمد ارشد قاسمی

☆☆☆☆☆☆

اگر قبرستان ناقابل استعمال ہوجائے؟

اس مسئلہ سے متعلق جواب دینے والے علماء کرام کے اسمائے گرامی

مولانا عبید اللہ اسعدی
مولانا عتیق احمد قاسمی
مولانا زبیر احمد قاسمی
مولانا انیس الرحمٰن
مولانا ظفر عالم ندوی
ڈاکٹر عبد العظیم اصلاحی
مولانا ابو سفیان مفتاحی
مولانا ظفر الاسلام اعظمی
مفتی فضیل الرحمٰن ہلال عثمانی
مولانا سلطان احمد اصلاحی
مولانا محمد رضوان قاسمی
مولانا ایوب ندوی
مولانا عبد القیوم پالنپوری
مفتی عبد الرحیم قاسمی
ڈاکٹر قدرت اللہ باقوی
مولانا محمد مصطفیٰ قاسمی
مولانا قمر الزماں ندوی
مولانا ابرار خاں ندوی
مولانا سمیع اللہ قاسمی
مولانا عطاء اللہ قاسمی
مولانا محمد ارشد قاسمی

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی
مفتی جنید عالم قاسمی
مولانا عبد الجلیل قاسمی
مفتی نسیم احمد قاسمی
جناب شمس پیرزادہ
مفتی جمیل احمد نذیری
مفتی محبوب علی وجیہی
مولانا حبیب اللہ قاسمی
مفتی شکیل احمد سیتاپوری
مولانا مفتی محمد حنیف
مفتی شیر علی گجراتی
مولانا ابوبکر قاسمی
مولانا تنویر عالم قاسمی
مولانا محمد توحید مظاہری
مولانا عبد اللطیف پالنپوری
مولانا اخلاق الرحمٰن قاسمی
مولانا محمد نور القاسمی
مولانا ابراہیم فلاحی باردولی
مولانا محمد صدر عالم قاسمی
مولانا اسعد اللہ قاسمی

اگر قبرستان نا قابل استعمال ہو جائے؟

سوال: جس قبرستان کے اطراف سے مسلمانوں کی آبادیاں ختم ہو جانے کی وجہ سے اس کا استعمال بطور قبرستان ہو رہا ہے، یا یہ کہ قبرستان آبادی کے اندر آ گیا اس کی وجہ سے اب اس کے استعمال اور اس میں تدفین پر پابندی عائد کر دی گئی ہے، اور اس کی وجہ سے ان پر قبضہ کا خطرہ ہے۔ بلکہ قبضہ ہو رہا ہے۔ تو ان قبرستانوں کے لئے کیا حکم ہوگا۔ اور ان سے انتفاع کو باقی رکھنے کے لئے کیا صورت اختیار کی جا سکتی ہے؟

جوابات

پہلے سوال کے تحت جو تفصیل آئی ہے اس کے مطابق تبادلہ یا کارآمد بنانے کی کوئی مناسب و مفید صورت اختیار کی جائے (خواہ قبرستان اس وجہ سے معطل ہوں کہ آبادی نہیں رہی، یا اس لئے کہ پابندی لگ گئی) مفتی نظام الدین صاحب کے فتاویٰ میں اس بابت کافی وضاحت و صراحت آئی ہے۔

مولانا عبید اللہ اسعدی

قبرستان نا قابل استعمال ہو جائے:

اگر قبرستان کے اطراف مسلمان آبادی کے ختم ہو جانے یا تدفین پر پابندی کی وجہ سے قبرستان قابل استعمال نہ رہا یا اس پر ناجائز قبضہ کا خطرہ ہو۔ اور عام طور پر ایسا قدیم قبرستان ہی میں ہوتا ہے۔ تو بوسیدہ ہڈیاں حتی المقدور جمع کر کے ایک جگہ دفن کر دی جائیں اور اس حصہ کو احاطہ بندی کے ذریعہ محفوظ کر دیا جائے، بقیہ حصہ فروخت کر دیا جائے اور بہتر ہے کہ جہاں مسلمانوں کو قبرستان کی ضرورت ہو وہاں اس کی قیمت سے قبرستان فراہم کیا جائے تاکہ منشاء وقف کی ممکن حد تک رعایت ہو سکے، اور اگر یہ مصرف موجود نہ ہو یا کم سے کم قریب کی مسلم آبادیوں میں اس کی حاجت نہ ہو تو فقراء پر خرچ کر دی جائے۔ ہشام کے واسطے سے امام محمد کا قول گذر چکا ہے:

الوقف إذا صار بحيث لا ينتفع به المساكين فللقاضي أن يبيعه و يشتري بثمنه غيره (البحر الرائق ۵/۲۰۷)

نیز ابن نجیم کا بیان ہے:

قيم خاف من السلطان أو من وارث يغلب على أرض وقف يبيعها و يتصدق بثمنها و كذا كل قيم إذا خاف شيئاً من ذلك له أن يبيع و يتصدق بثمنها (حوالہ سابق)

دیگر مکاتب فقہ کا بھی یہی رجحان معلوم ہوتا ہے، ابن قدامہ لکھتے ہیں:

وإذا خرب الوقف ولم يرد شيئاً بيع و اشترى بثمنه ما يرد على أهل الوقف وجعل وقفا

بحوالہ(المغنی ۵/۳۶۸)

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی

انہیں فروخت کرکے دوسرا قبرستان قائم کرلیا جائے۔

مولانا عتیق احمد قاسمی

غیرآباد قبرستان کا حکم:

اگر قبرستان، اردگرد کی مسلم آبادی ختم ہو جانے کی وجہ سے غیرآباد ہو اور قبریں اتنی پرانی ہوں کہ مردے کو سڑگل جانے کا ظن غالب ہو اور اس کے کچھ حصہ پر غیروں کا قبضہ ہوگیا ہو، اور بقیہ پر قبضہ کا خطرہ ہو تو ایسی صورت میں قاضی شریعت کی اجازت سے اس پر ہر وہ کام کرسکتے ہیں جس سے مقاصد وقف کا تحفظ ہوسکے۔ مثلاً قاضی شریعت کی اجازت سے اس پر کھیتی کی جائے، یا مکان یا چاروں طرف سے دوکانیں بناکر کرایہ پر لگادی جائیں جس سے قبرستان کی حفاظت بھی ہو، اور بوقت ضرورت اس میں مردے دفن ہوسکیں، اس سے حاصل ہونے والی آمدنی دوسرے قبرستانوں پر الاقرب فالاقرب کی ترتیب سے صرف کی جائے گی۔

"كما جاز زرعه والبناء عليه إذا بلي وصار ترابا، زيلعي" (الدرالمختار علی ہامش ردالمحتار ۱/۲۰۶)

مفتی جنید عالم ندوی قاسمی

جن قبرستان کے اطراف سے مسلمانوں کی آبادیاں ختم ہوچکی ہیں یا آبادیوں کے اندر وہ قبرستان گویا مکانوں سے گھر گیا ہے یا کسی دوسرے اسباب وموانع کے سبب اب اس میں میت کی تدفین نہیں ہورہی ہے اور یہ شکل قبرستان اس کا استعمال ہی بند اور حکومت کی طرف سے ممنوع ہے، اس لئے اس پر فاسد عناصر کے قبضہ ودخل کا خطرہ پیدا ہوجائے تو ایسی صورت میں مدرسہ یا کوئی بھی رفاہی ادارہ قائم کرکے اس قبرستان سے فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے، اور غیر لوگوں کے دست برد سے بچایا جاسکتا ہے، وہ مدرسہ اور رفاہی ادارہ بھی وقف ہی رہیں گے اور اس کا فائدہ عام مسلمانوں کو ہوگا۔

چنانچہ حضرت تھانوی علیہ الرحمہ نے اسی قسم کے ایک قبرستان کے متعلق ایک سوال کے جواب میں یہی فرمایا ہے کہ انجمن کا مکان وقفی نفع عام کے لئے اس جگہ بنایا جاسکتا ہے (امداد الفتاویٰ ۲/۵۷۵)

مولانا زبیر احمد قاسمی

جن قبرستان کے اطراف سے مسلمانوں کی آبادیاں ختم ہوگئی ہوں اور اب اس کا استعمال بطور قبرستان کے نہیں ہورہا ہو اور قبریں پرانی ہوگئی ہوں کہ ان کے سڑگل جانے کا ظن غالب ہو اور قبرستان کے ضائع ہوجانے کا اندیشہ ہو تو اس کو فروخت کرکے مسلمانوں کی آبادی سے قریب اراضی خرید کر بطور قبرستان استعمال کی جائے۔ اسی طرح اگر قبرستان آبادی کے اندر آگیا اور حکومت نے اس میں تدفین پر پابندی عائد کردی ہے اور اب اس میں مردے دفن نہیں کئے جاتے، اور اسی طرح اس کو باقی رکھنے میں ضیاع کا اندیشہ ہے تو اس صورت میں بھی اس کو فروخت کرکے آبادی

سے باہر اراضی خرید لی جائے اور اس کو بطور قبرستان استعمال کیا جائے۔

مولانا عبد الجلیل قاسمی

ویران مقابر کی اراضی کا استعمال:

قبرستان بھی مساجد کی طرح عام طور پر وقف ہوتے ہیں۔ اور کہیں ذاتی و نجی بھی ہوتے ہیں۔

ایسے قبرستان جس کی اراضی کسی کی ذاتی ملک ہو اور اس میں اپنے مردوں کو دفن کرتے ہوں مگر دوسرے مردوں کو دفن کی عام اجازت نہ ہو اور اس کی اراضی کو مالک نے اپنی ملک سے خارج نہ کیا ہو تو فقہاء اسکے بارے میں لکھتے ہیں کہ اگر قبریں جدید ہوں تو ان کا احترام کیا جائے، لیکن اگر اتنی پرانی ہوں کہ لاش مٹی بن چکی ہو تو اس کی سابقہ حرمت باقی نہیں رہتی ہے، اور مالک اراضی کو اس میں مالکانہ تصرف کا حق ہوتا ہے۔ چنانچہ علامہ زیلعی نے اس کی تصریح کی ہے کہ اگر نعش بوسیدہ ہو گئی اور مٹی بن گئی تو دوسرے کا اس قبر میں دفن، اس میں کاشت کرنا، اور اس پر عمارت بنانا جائز ہے۔

اراضی قبرستان کسی کی ذاتی ملک و شخصی تحویل میں نہ ہو بلکہ عام مسلمانوں کے لئے ہوں تو ایسے اراضی قبرستان وقف ہوتے ہیں، چاہے وقف صراحتاً کی گئی ہو یا موتی کے دفن کی عام اجازت دے دی گئی ہو، امام محمدؒ کے قول کے مطابق قبرستان کے وقف کے لئے نہ زبان سے کہنا ضروری ہے نہ کسی متولی کا قبضہ ضروری ہے بلکہ عملاً کسی اراضی پر مردوں کو دفن کیا جانے لگے تو ملک زائل ہو جاتی ہے اور اس کی حیثیت عام وقف کی ہو جاتی ہے، یعنی قرائن و آثار سے اجازت کا واضح ہو جانا کافی، البتہ یہ ضروری ہے کہ اذن عام ملک خاص میں ہو، مشترک و مشاع جائداد میں نہ ہو۔

فتاویٰ ہندیہ میں ہے: امام ابو یوسفؒ کے نزدیک محض زبان سے کہہ دینے کی وجہ سے واقف کی ملک زائل ہو جائے گی، اور امام محمدؒ کے نزدیک جب لوگ سقایہ سے پانی کھینچنے لگیں، مسافر خانوں میں اور رباطوں میں ٹھہرنے لگیں، اور قبرستان میں تدفین شروع ہو جائے تب ملک زائل ہوگا (الہندیہ ۲ر۳۵۰)

اور جب ایک بار قبرستان وقف ہو گیا تو ہمیشہ کے لئے وقف ہو گیا۔ اب نہ اس کی بیع درست ہے اور نہ کسی کی ذاتی ملک قرار دیا جا سکتا ہے۔ ہدایہ میں ہے:

اور جب وقف صحیح ہو گیا تو اب نہ اس کا فروخت کرنا درست ہے اور نہ کسی اور کو مالک بنانا (الہدایہ مع فتح القدیر)۔

مولانا انیس الرحمن قاسمی

ویران قبرستان کا حکم:

اگر کوئی قبرستان مسلم آبادی کے ختم ہو جانے کی وجہ سے ویران اور غیر آباد ہو جائے اور اس کی قبریں اتنی بوسیدہ اور پرانی ہو جائیں کہ مردوں کے سڑ گل اور مٹی میں مل جانے کا ظن غالب ہو، اور اس قبرستان پر اپنوں یا غیروں کے قبضہ کا خطرہ ہو تو ایسی صورت میں اس طرح کے قبرستان کو قاضی شریعت کی اجازت سے مقاصد وقف کی رعایت کرتے ہوئے کسی دوسرے مصرف میں استعمال کیا جا سکتا ہے، مثلاً یہ کہ اسکو کاشت کے لئے استعمال کیا جائے، یا اس میں دکانیں تعمیر کر کے کرایہ پر دے دی جائیں۔ اس سے حاصل ہونے والی آمدنی دوسرے قبرستانوں پر "الاقرب

فالاقرب" کی ترتیب سے صرف ہوگی۔ درمختار میں ہے:

کما جاز زرعه والبناء علیه إذا بلی وصار ترابا" (درمختار)

مفتی نسیم احمد قاسمی

ایسے قبرستانوں کے سلسلہ میں مسلمانوں کی دینی وملی ذمہ داری ہے کہ وہ اگی حفاظت کی ہر ممکن کوشش کریں اور چہاردیواری کردیں تاکہ قبضہ رو سکے۔

مولانا ظفر عالم ندوی

جس قبرستان کے اطراف سے مسلمانوں کی آبادیاں ختم ہو جانے کی وجہ سے اس کا استعمال قبرستان کے طور پر نہ ہو رہا ہو اور اس پر ناجائز قبضہ کا خطرہ ہو تو اس کا کیا حکم ہوگا؟

اس صورت میں قبروں کو ڈھا دینا ہوگا اور زمین کو فروخت کرکے اسکے بدل کے طور پر مسلمانوں کی آبادی میں جہاں ضرورت ہو نیا قبرستان بنانا ہوگا یا اس رقم کو دوسرے قبرستانوں کی مرمت وغیرہ پر صرف کرنا ہوگا۔

مولانا شمس پیرزادہ

جو قبرستان آبادی کے اندر آگیا ہے اور اس میں تدفین پر پابندی عائد کردی گئی ہے اور جس پر آس پاس کے لوگوں کا قبضہ بڑھتا جا رہا ہے اس کی حفاظت کے لئے پہلی فرصت میں باؤنڈری بنانے کی سعی وتدبیر ہونی چاہئے کہ فی الحال قبضہ رک جائے اور جب قبریں مٹ جائیں تو اس سے انتفاع کے لئے کوئی ملی، دینی وعلمی ادارہ قائم کردیا جائے یہ اس سے بہتر ہے کہ اس زمین کو دوسروں کے قبضہ کے لئے چھوڑ دیا جائے یا اسے ناپسندیدہ عناصر اپنا اڈا بنا ئیں۔

مولانا عبد العظیم اصلاحی

جو قبرستان، آبادی میں آجانے کی وجہ سے تدفین کے کام میں نہ آتا ہو اور حکومت کی طرف سے وہاں تدفین پر پابندی لگ گئی ہو، اس جگہ مسجد، مدرسہ یا کار خیر کا کوئی ادارہ قائم کرکے اس کے انتفاع کو باقی رکھا جاسکتا ہے۔

عینی کی عبارت تیسرے سوال کے ضمن میں گذر چکی ہے۔

مولانا جمیل احمد نذیری

صورت مسئول میں کہ جس قبرستان کے اطراف سے مسلم آبادی ختم ہو چکی ہے یا یہ کہ قبرستان آبادی کے اندر آگیا ہے جس کے سبب اب اسکے استعمال اور اسمیں تدفین پر پابندی عائد کردی گئی ہے اور اس کی وجہ سے پھر ان پر قبضہ کا خطرہ ہے بلکہ قبضہ ہو رہا ہے تو وہ قبرستان ہی کے حکم میں ہوگا اور ان سے انتفاع کو باقی رکھنے کی صورت یہ اختیار کی جاسکتی ہے اس کی چہاردیواری کردی جائے، کیونکہ ہمارے ملک میں بہت سے قبرستان ایسے ملیں گے جو آبادی میں آچکے ہیں تو لوگوں نے اس کی چہاردیواری کرالی ہے جس کے سبب وہ غیروں کے یا اپنوں کے قبضہ تسلط سے مامون و محفوظ ہیں اور یہ چہاردیواری حفاظت قبرستان کے لئے بہترین شکل ہے، اور جب یہ شکل ممکن نہ ہو سکے تو پھر یوں کیا جائے جیسا کہ علامہ شامیؒ نے ذکر فرمایا ہے کہ اسکو قاضی کی اجازت سے فروخت کرکے اس کی قیمت سے دوسری جگہ

قبرستان خرید لیا جائے تاکہ اس سے انتفاع کی صورت رہے، اسی طرح فتوی دیا ہے امام ابوشجاع اور امام حلوانی نے بھی۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ صورت مسئولہ میں وہ قبرستان قبرستان کے حکم میں ہوگا، ان سے انتفاع باقی رکھنے کے لئے دو صورتیں ہو سکتی ہیں۔ (۱) یہ کہ آبادی میں ہونے اور قبضہ وتسلط کی صورت میں چہار دیواری کردی جائے۔ (۲) اگر یہ ممکن نہ ہو سکے تو قاضی کی اجازت سے اسے فروخت کر کے اس کی قیمت سے دوسری جگہ قبرستان خرید لیا جائے۔ یہی فتوی دیا ہے امام ابوشجاع، امام حلوانی، اور علامہ شامیؒ نے، انتفاع کی ان دونوں صورتوں میں سے جو ممکن ہو اس پر عمل کرنا جائز ہے، یا ان سے انتفاع کے لئے ان پر دینی مدرسہ یا رفاہی کام مثلاً مسافرخانہ، یا خانقاہ بنائی جا سکتی ہے۔ واللہ اعلم۔

مولانا ابو سفیان مفتاحی

اگر وہ قبرستان وقف ہیں تو یہ قبضہ ناجائز ہے، بذریعہ عدالت اس قبضہ کو ختم کرایا جائے، اگر وہاں قبرستان کی ضرورت باقی نہیں ہے تو پھر اس کو فروخت کر کے دوسری جگہ جہاں ضرورت ہو اس رقم سے قبرستان خرادیا جائے، اگر وہ قبرستان وقف نہیں ہے تو اس کے مالک کو اختیار ہے جو چاہے سو کرے، جب کہ وہ میت جو اس میں دفن ہوئی ہے گل سڑ گئی ہو، عالمگیری میں ہے:

إذا كان الميت بليا وترابا جاز عليه الزرع والبناء.

مفتی محبوب علی وجیہی

ایسے قبرستان جن پر حکومتی سطح پر رکاوٹیں ہو رہی ہوں تو ان پر اس صورت میں اولاً مسجد یا کوئی دینی ادارہ قائم کیا جا سکتا ہے بشرطیکہ یہ یقین ہو جائے کہ موتی کے اجزا مٹی ہو چکے ہیں۔

"وفي الشامية عن الزيلعي، لو بلي الميت وصار ترابا جاز دفن غيره وزرعه والبناء عليه الخ ومقتضاه جواز المشي فوقه (رد المحتار ۱/۸۳۵)۔

اگر میت بوسیدہ ہو کر مٹی ہو جائے تو اس قبر میں دوسرے کو دفن کرنا جائز ہے حتی کہ اس کو بطور کھیتی استعمال کرنا اور اس پر تعمیر کرنا بھی جائز ہے۔ آگے لکھتے ہیں کہ جب اتنی گنجائش ہے تو اس پر چلنا تو بدرجہ اولی جائز ہوگا۔ شامیہ کی مذکورہ عبارت اس جواز کی دلیل تھی۔

مولانا ظفر الاسلام اعظمی

مذکورہ صورت میں قبرستان کی زمین کو کھیت بنا کر یا باغ بنا کر اس کی آمدنی کو کسی دوسرے قبرستان کے ضروری مصارف میں خرچ کیا جائے اور اگر قبرستان کی زمین وقف نہ ہو تو مالک اپنے استعمال میں لا سکتا ہے (دیکھئے کفایت المفتی ۷/۱۳۳)۔

مفتی فضیل الرحمن ہلال عثمانی

اس جگہ کو فروخت کرکے دوسری جگہ لی جاسکتی ہے، مگر باجازت قاضی۔

واما الاستبدال ولو للمساكين بدون الشرط فلا يملكه الا القاضي (درمختار)

مفتی حبیب اللہ قاسمی

ایسے قبرستان جہاں تدفین پر پابندی عائد کردی گئی ہے، وہاں اگر کوشش بسیار کے باوجود پابندی ختم نہیں ہوتی تو ان کو مسلمانوں کے ہاتھ فروخت کرکے قبرستان کے لئے متبادل جگہ خرید لی جائے۔

مفتی شکیل احمد سیتاپوری

غیر آباد قبرستان کی حفاظت کو قریب اور وہ کفایت نہ کرے تو اس سے قریب کی مسلمان آبادی یقینی بنائے۔ قبرستان کا ہر حال میں آبادی کے اندر آجانا مسئلہ نہیں ہے۔ یہاں علی گڈھ میں سول لائن علاقہ میں ایسے کئی قبرستان ہیں ان کی حفاظت کو مستحکم کیا جائے۔ قلب شہر یا کسی نازک مسئلہ پیش آجانے کی صورت میں جب کہ اس کی حفاظت بالکل ناممکن ہو وہاں دوکانیں بنواکر کے اس کی آمدنی کو عامۃ المسلمین کے لئے وقف کردیا جائے۔

مولانا سلطان احمد اصلاحی

جن مقابر میں مردوں کو دفن کرنا بند ہو اس میں مسجد یا دینی مدارس یا ان کے لئے باغات لگوانے کی اجازت ہے (امداد الفتاویٰ ۲/۵۷۹)

مولانا محمد حنیف صاحب

اگر تدفین پر پابندی عائد کردی جائے:

چونکہ وقف کا اصل مقصد فوت ہو چکا ہے اور ناجائز قبضہ کا بھی امکان ہے، اس لئے ایسے قبرستان سے انتفاع کی ہر وہ صورت درست ہے، جو فی الجملہ اسلام کی سربلندی اور مسلمانوں کے فلاح کا باعث ہو، جیسے مسجد و مدرسہ کی تعمیر، کوئی دینی و ملی ادارہ، جس سے مسلمانوں کے مصالح وابستہ ہوں، اسی طرح اسے بیچ کر حاصل شدہ رقم فقراء پر بھی صرف کی جاسکتی ہے اور استبدال کی بھی اجازت ہوگی، جیسا کہ ابن نجیم و ابن عابدین کی مذکورہ تحریر سے ظاہر ہے (دیکھئے: البحر الرائق ۵/۲۰۷، رد المحتار ۶/۵۸۶)

مولانا محمد رضوان قاسمی

ایسے قبرستان کی زمین میں مسجد یا دینی مدرسہ قائم کیا جاسکتا ہے اس لئے کہ بہت سی مساجد اور مدارس پرانے قبرستانوں میں تعمیر کئے جاچکے ہیں نیز قدیم مقبروں میں مساجد و مدارس بنانے کا تعامل امت میں چلا آرہا ہے اور کسی نے بھی اعتراض نہیں کیا خود حرم شریف میں مطاف (طواف کی جگہ) میں بھی انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی قبریں ہیں، جس قبرستان کے اطراف سے مسلمانوں کی آبادیاں ختم ہو جانے کی وجہ سے اگی اراضی خالی پڑی ہیں لیکن ان مسلمانوں کی ملکیت باقی ہو تو ان زمینوں کو بطور قبرستان استعمال کرنے کے لئے انکی اجازت ضروری ہے۔ صراحۃً ہو یا دلالۃً۔

مولانا شبیر علی

ان قبرستانوں پر باغبانی کی جائے اور اس کی آمدنی دیگر قبرستانوں پر خرچ کی جائے۔

مولانا ایوب ندوی

ویران قبرستان پر قبضہ کے خطرہ کے وقت اس سے انتفاع کی جائز شکلیں:

جس قبرستان سے مسلمانوں کی آبادیاں ختم ہوجانے کی وجہ سے اب اس کا استعمال بطور قبرستان نہیں ہو رہا ہے، یا وہ قبرستان آبادی کے اندر آ گیا ہے، جس کے سبب اس کے استعمال کرنے اور اس میں تدفین کرنے سے سرکار نے پابندی عائد کردی ہے اور اب اس قبرستان پر قبضہ کا خطرہ ہے، بلکہ قبضہ ہو رہا ہے، تو ایسی صورت میں شرعاً گنجائش ہے کہ جب قبریں منہدم ہوجائیں تو اس زمین پر کوئی مسجد یا مدرسہ یا کوئی دینی انجمن یا کوئی رفاہی ادارہ قائم کردیا جائے۔ اسی طرح غیر آباد قدیم قبرستان میں عمارت تعمیر کر کے اس کو کرایہ پر لگایا جاسکتا ہے، نیز جب قبریں منہدم ہوجائیں تو اس کو کھیت بنا کر یا اس میں باغ لگا کر اس کی آمدنی دیگر قبرستان کی حفاظت یا خریداری یا مساجد ومدارس کے مصارف میں اسی طرح عام غرباء پر خرچ کی جاسکتی ہے، اور ان تمام باتوں کی اجازت اکابر علماء کے فتاویٰ میں موجود ہے۔ چنانچہ حضرت مولانا اشرف علی تھانوی علیہ الرحمہ نے امداد الفتاویٰ میں ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے ویران قبرستان میں جہاں مردوں کو دفن نہیں کیا جاتا اسلامی انجمن کے مکان بنانے کے جواز کا فتویٰ صادر فرمایا ہے (امداد الفتاویٰ ۲ر۵۹۷، سوال ۷۰۲) اسی طرح حضرت مفتی رشید احمد صاحب مدظلہ نے بھی احسن الفتاویٰ میں پرانی قبرستان میں مسجد بنانے کو جائز قرار دیا ہے (احسن الفتاویٰ ۶ر۴۰۹) ایک دوسرے فتویٰ میں وقف قبرستان پر قبضہ کر کے اس کو فروخت کرنے وغیرہ کو ناجائز قرار دیتے ہوئے لکھا ہے:

الجواب: قبرستان کے لئے وقف زمین پر لوگوں کا قبضہ کرنا ناجائز ہے اور ان کی بیع وشراء باطل ہے، حکومت یا متولی پر ضروری ہے کہ اس جگہ کو فوراً خالی کرائے، اور یہ جگہ دفن کے کام نہ آتی ہو تو اس پر مسجد یا کوئی اور رفاہ عامہ کی چیز تعمیر کرے (احسن الفتاویٰ ۶ر۴۱۲) آگے حضرت مفتی رشید صاحب نے بطور تائید کے عمدۃ القاری (۴ر۱۷۹) کی عبارت نقل کی ہے جو ماقبل میں گذر چکی ہے۔

حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام صاحب مدظلہ نے ویران مقابر واوقاف کے شرعی احکام کو بیان فرماتے ہوئے بحث ونظر کے شمارہ ۲۱ (ص ر۱۰۵) میں لکھا ہے کہ موجودہ صورت حال یہ ہے کہ غیر آباد قدیم اور مردہ قبرستانوں کو اگر لیز پر لگا دیا جائے تو ہزار ہا قبرستان جو ابھی آباد ہیں، اور ان کا تحفظ خطرہ میں ہے، ایسے قبرستانوں کے تحفظ کی صورت نکالی جاسکتی ہے، لہذا میرے نزدیک شرع اسلام کی رو سے ایسے مردہ اور قدیم قبرستانوں کو تعمیرات یا کاشت کے لئے لیز پر دیا جاسکتا ہے۔ اور اس طرح کی آمدنی کو اولاً دیگر مقابر کے تحفظ یا ایسے شہروں اور آبادیوں کے لئے قبرستان کی اراضی حاصل کرنے پر خرچ کرنا چاہئے جہاں قبرستان کی ضرورت ہے، اگر اس طرح کے مدات پر خرچ کے بعد رقم بچ جائے تو اسے مدارس، مسافر خانوں، نادار بچوں کی تعلیم اور دوسرے رفاہی کاموں پر خرچ کیا جاسکتا ہے (بحث ونظر شمارہ ۲۱ جلد ۶ صفحہ ۱۰۵، فقہ المشکلات رص ۴۲۵، ۴۲۶)

قال في الهداية أن الميت إذا بلى وصار ترابا جاز زرعه والبناء عليه (ہدایہ ۱/۳۷۷، ومثلہ في رد المحتار ۱/۶۵۹)

مولانا ابوبکر قاسمی

جس قبرستان کے اطراف سے مسلم آبادی ختم ہو جانے کی وجہ سے اس کا استعمال بطور قبرستان نہیں ہو رہا ہے اور اس میں قبریں پرانی ہو گئی ہیں، اگر وہ مملوک ہے تو مالک یا ورثاء، یا مالک معلوم نہ ہونے کی صورت میں مسلمانوں کے باہمی مشورہ سے اس کو بیچنا، کرایہ پر دینا، اس پر دوکانیں بنانا، یا اس کو بیچ کر اس کی قیمت مسجد یا مدرسہ میں صرف کرنا جائز ہے، اور اگر وہ وقف ہے اور اس پر قبضہ کا خطرہ ہے تو بونے کے لئے کرایہ پر دینا یا اس پر دوکانیں وغیرہ بنا کر کرایہ پر اٹھا دینا یا اس کو بیچ دینا جائز ہے، لیکن اس کی آمدنی یا قیمت سے ضرورت کی جگہ قبرستان کے لئے زمین خریدنا یا اسی جنس میں صرف کر دینا ضروری ہے۔ لأن مراعاة غرض الواقفين واجبة۔ اگر دور اور نزدیک اس جنس میں صرف کی ضرورت نہیں ہے اور اس کے ضائع ہونے کا خطرہ ہے تو مسجد یا مدرسہ میں ان رقوم کو صرف کرنا درست ہے۔

اسی طرح جو قبرستان آبادی میں آجانے کی وجہ سے اس میں تدفین پر پابندی عائد کر دی گئی ہے، اولاً اس پابندی کو ہٹانے کی کوشش کی جائے، کامیابی نہ ہونے کی صورت میں اگر وہ قبرستان مملوک ہے تو مالک یا اس کے ورثاء کی ملک ہونے کی بنا پر ان کو اس میں ہر قسم کا تصرف جائز ہے، اور اگر وہ وقف ہے اور مسلمانوں کو قبرستان کی ضرورت ہے تو باہمی مشورہ سے اس کو بیچ کر حاصل شدہ قیمت سے یا اس کو بونے کے لئے یا اس پر دوکانیں وغیرہ بنا کر کرایہ پر دینا اور اس کی آمدنی سے مسلمانوں کے لئے دوسرے قبرستان کے لئے زمین خریدنا جائز ہے، اور اگر قبرستان کی ضرورت نہیں ہے اور اس پر غاصبانہ قبضہ کا خطرہ ہے تو اس جگہ پر حسب ضرورت مسجد، مدرسہ یا مسافر خانہ وغیرہ بنانا جائز ہے۔

قال الزيلعي: ولو بلى الميت وصار ترابا جاز دفن غيره في قبره وزرعه والبناء عليه (رد المحتار ۲/۲۳۳)

مولانا عبد القیوم پالنپوری

وہ قبرستان جس سے مسلمانوں کی آبادی ختم ہو جانے کی وجہ سے اس کا استعمال متروک ہو جائے یا یہ کہ وہ قبرستان بیچ آبادی میں آجانے کی وجہ سے تدفین پر پابندی عائد کر دی جائے جس سے اس پر قبضہ کا خطرہ ہے بلکہ قبضہ ہو رہا ہے ایسے بے مصرف قبرستان سے نفع اٹھانے اور وقف کو باقی رکھنے کے لئے ہر وہ تعمیر درست ہوگی جس میں دو شرطیں پائی جائیں۔ ایک یہ کہ وہ تعمیر جدید جس مقصد کے لئے ہو قبرستان ہی کی طرح وقف رہے۔ دوسری شرط یہ کہ اس کا نفع اجتماعی ضرورتوں پر مبنی ہو یعنی عام مسلمانوں کو حاصل ہو، بہتر یہ ہے کہ اس بے مصرف قبرستان پر مسجد یا مدرسہ بنا دیا جائے بشرطیکہ اس کی ضرورت ہو۔

ہمارا یہ استدلال عینی شرح بخاری کی مندرجہ ذیل عبارت سے ماخوذ ہے:

قال ابن القاسم لو أن مقبرة من مقابر المسلمين عفت فبني مسجدا لم أر بذلك بأسا و ذلك لأن المقابر وقف من أوقاف المسلمين لدفن موتاهم لا يجوز لأحد أن يملكها فإذا درست واستغني عن الدفن فيها جاز صرفها إلى المسجد لأن المسجد أيضا وقف من أوقاف المسلمين لا يجوز تمليكه لأحد فمعناهما على هذا واحد.

ابن القاسم کا قول ہے کہ اگر مسلمانوں کا کوئی قبرستان ویران ہو جائے اور اس میں مسجد بنا دی جائے تو میرے نزدیک اس میں کوئی حرج نہیں ہے، اس لئے کہ قبرستان مسلمانوں کی تدفین کے لئے وقف ہوتے ہیں کوئی ان کا مالک نہیں بن سکتا، تو جب قبریں مٹ جائیں اور اس میں تدفین بند ہو جائے تو اس کو مسجد کے طور پر استعمال کر سکتے ہیں اس لئے کہ مسجد بھی مسلمانوں کے اوقاف میں سے ہوتی ہے کوئی اس کا مالک نہیں بن سکتا تو دونوں چیزیں ایک ہی ہیں

حضرت تھانویؒ سے ایک ویران قبرستان کے سلسلہ میں دریافت کیا گیا کہ اس زمین پر ایک مکان انجمن اسلام بنانا جائز ہے یا نہیں؟

حضرت تھانویؒ جواب میں مذکورہ بالا عینی کی عبارت نقل کرنے کے بعد تحریر فرماتے ہیں

"جواب مذکور سے بعلت اشتراک علت معلوم ہوا کہ انجمن کا مکان بھی نفع عام کے لئے اس مقبرہ کی جگہ بنانا جائز ہے" (امداد الفتاوی ۲/۵۹۷)

مولانا تنویر عالم قاسمی

جس قبرستان کے اطراف سے مسلمانوں کی آبادی ختم ہو جانے کی وجہ سے اس کا استعمال بطور قبرستان نہ ہو رہا ہو، یا یہ کہ قبرستان آبادی کے اندر آ گیا اس کی وجہ سے اب اسکے استعمال اور تدفین پر پابندی عائد کر دی گئی تو ان قبرستان کو چہار دیواری سے محصور و محفوظ کر دیا جائے۔ فتاوی محمودیہ میں ہے:

اگر جانوروں سے حفاظت مقصود ہو یا یہ کہ اندیشہ ہو کہ بغیر احاطہ کے اس کی زمین دوسروں کے قبضہ میں چلی جاوے گی تو اس کی چہار دیواری بنانا درست بلکہ بہتر ہے یہ اسراف اور تبذیر نہیں (فتاوی محمودیہ ۱۴/۳۰۳)۔

مفتی عبد الرحیم بھوپالی

جس قبرستان کے اطراف سے مسلمانوں کی آبادی ختم ہو جانے کی وجہ سے اس کا استعمال بطور قبرستان نہیں ہو رہا ہو، یا یہ کہ قبرستان آبادی کے اندر آ گیا اس کی وجہ سے اب اس کے استعمال اور اس میں تدفین پر پابندی عائد کر دی گئی ہو اس کی وجہ سے اس پر قبضہ کا خطرہ ہو تو گویہ قابل انتفاع نہیں اس کا انتفاع بالکلیہ ختم ہو گیا ہے اس صورت میں فروخت کر کے اس کی جگہ دوسرا وقف قائم کر دیا جانا ہے۔

مولانا نذر توحید مظاہری

"آبادی میں داخل شدہ قبرستان سے انتفاع باقی رکھنے کے لئے کار خیر کے لئے استعمال کرنے کی جائز صورتیں اختیار کی جا سکتی ہیں۔

ڈاکٹر قدرت اللہ باقوی

اگر قبرستان پرانا ہو جائے کہ میت مٹی بن چکی ہو اور اب وہاں تدفین بند ہو گئی ہے اور قبرستان بند ہونے کی وجہ سے تیز خالی پڑا رہنے کی وجہ سے اندیشہ ہو کہ اس پر کوئی غاصبانہ قبضہ کر لیگا تو پرانی قبروں کو ہموار کر کے اس پر مسجد یا اور کوئی رفاہ عامہ کی چیز تعمیر کرنا جائز ہے۔

ولو بلی المیت وصار ترابا جاز دفن غیرہ فی قبرہ وزرعه والبناء علیه (شامی ۱/۵۹۹)

فإن قلت هل یجوز أن تبنی المساجد علی قبور المسلمین؟ قلت قال ابن القاسم رحمه الله تعالی لو أن مقبرة من مقابر المسلمین عفت فبنی قوم علیها مسجدا لم أر بذلک بأسا و ذلک لأن المقابر وقف من أوقاف المسلمین لدفن موتاهم لایجوز لأحد أن یملکها فإذا درست واستغنی عن الدفن فیها جاز صرفها إلی المسجد لأن المسجد أیضا وقف من أوقاف المسلمین لایجوز تملیکه لأحد فمعناهما علی هذا واحد (عمدۃ القاری ۴/۹/۷، انتقال من احسن الفتاوی ۶/۴۱۴، فتاوی محمودیہ ۱۸/۲۱۴)۔

مولانا عبد اللطیف پالنپوری

جس قبرستان کے اطراف سے مسلمانوں کی آبادیاں ختم ہو جانے کی وجہ سے اس کا استعمال بطور قبرستان نہیں ہو رہا ہے، یا یہ کہ قبرستان آبادی کے اندر آ گیا، اس کی وجہ سے اب اس کے استعمال اور اس میں تدفین پر پابندی عائد کر دی گئی ہے، اور اس کی وجہ سے ان پر قبضہ کا خطرہ ہے بلکہ قبضہ ہو رہا ہے تو ایسے پر خطر ماحول کے سامنے آ جانے کے بعد شرعی نقطۂ نظر سے ایسے قبرستان پر مفاد وقف کا خیال کرتے ہوئے کوئی دینی ادارہ قائم کر دینا، انجمن کا مکان بنالینا، مسافر خانہ، یتیم خانہ بنا دینا جائز ہے، تا کہ وقف کی وقفیت کا منشاء حاصل ہو اور غاصبوں کی غصبیت وملکیت سے مامون ومصئون ہو جائے۔

وقف قبرستان میں ذاتی تعمیر ممنوع:

اس سوال کے جواب میں حضرت مولانا مفتی رشید احمد لدھیانوی دامت برکاتہم رقمطراز ہیں:

الجواب: قبرستان کے لئے وقف زمین پر لوگوں کا قبضہ کرنا ناجائز ہے، اور ان کی بیع وشراء باطل ہے، حکومت یا متولی پر ضروری ہے کہ اس جگہ کو فوراً خالی کرائے اور یہ جگہ دفن کے کام نہ آتی ہو تو اس پر مسجد یا اور کوئی رفاہ عام کی چیز تعمیر کرے۔

قال الحافظ العینی رحمه الله تعالی: فإن قلت هل یجوز أن تبنی المساجد علی قبور المسلمین؟ قلت قال ابن القاسم رحمه الله تعالی لو أن مقبرة من مقابر المسلمین عفت فبنی قوم علیها مسجدا لم أر بذلک بأسا وذلک لأن المقابر وقف من أوقاف المسلمین لدفن موتاهم لایجوز لأحد أن یملکها فإذا درست واستغنی عن الدفن فیها جاز صرفها إلی المسجد لأن المسجد أیضا وقف من أوقاف المسلمین لا یجوز تملیکه لأحد فمعناهما علی هذا واحد (

عمدۃ القاری ۳ر۹۷ا، احسن الفتاوی ۹ر۴۱۳، ۴۱۴)

وقال الزيلعي ولو بلى الميت وصار ترابا جاز دفن غيره في قبره وزرعه عليه (ردالمحتار ار۶۵۹، فتاوی ہندیہ ار۱۶۷)

مولانا محمد مصطفی قاسمی

وہ قبرستان جس کے اطراف سے مسلمانوں کی آبادی ختم ہوجانے کی وجہ سے اس کا استعمال بطور قبرستان ہورہا ہے اس بارے میں تو کچھ گفتگو ہی نہیں کیونکہ اپنے مصرف میں استعمال ہورہا ہے۔ گفتگو اس بارے میں ہے کہ قبرستان آبادی کے اندر آگیا اس کی وجہ سے اب اس کے استعمال اور تدفین پر پابندی لگادی گئی ہے اور اس کی وجہ سے قبضہ اور تسلط بڑھتا جارہا ہے۔ یہاں پر دو باتیں سامنے آتی ہیں۔ ایک تو یہی کہ اوقاف جب خراب اور قابل استعمال اپنی موجودہ شکل میں نہ رہے تو اس کو فروخت کرکے کلا یا بعضا قابل استعمال بنایا جائے، یہاں پر اگر ایسا کیا جائے کہ فروخت کرکے دوسری جگہ قبرستان کے لئے جگہ خرید لی جائے تو یہاں دو صورت پیدا ہوتی ہے۔ ایک یہ کہ لوگوں کا قبضہ، تو اس قبضہ کے بعد اس کا فروخت کرنا مشکل مسئلہ ہے، اگر آباد ہونے والے اور قبضہ جمانے والے فروختگی پر تیار بھی ہو جائیں تو انسانی جسم حیات و ممات ہر دو صورتوں میں قابل تکریم ہیں، اب سابق میں مدفون اشخاص جو زیر زمین ہیں ان کی بے حرمتی لازم آتی ہے جو درست نہیں ہے۔ ایسی صورتوں میں صرف ایک صورت رہ جاتی ہے کہ ممکن کوشش کے ذریعہ عائد ہونے والی پابندی کو ختم کیا جائے، اس کے بعد بھی بات نہ بنے تو اس کو فروخت کرکے دوسری جگہ قبرستان کی زمین خرید کر انتفاع کی صورت بنائی جائے۔

"لا يكلف الله نفسا إلا وسعها".

مولانا اخلاق الرحمن قاسمی

ایسا قبرستان جس کے اطراف مسلمانوں کی آبادیاں ختم ہوجانے کی وجہ سے اس کا استعمال بطور قبرستان ہو رہا ہے یا قبرستان آبادی کے اندر آگیا جس کی وجہ سے اسمیں تدفین پر پابندی عائد کردی گئی، اور قبضہ کا خطرہ ہو بلکہ قبضہ ہو رہا ہو تو اس صورت میں اس قبرستان سے انتفاع کی صورت یہ ہے کہ وہاں کوئی دینی یا رفاہی ادارہ قائم کردیا جائے اور اگر یہ ممکن نہ ہو تو اس زمین کو فروخت کرکے اسی کے متوازی اور مماثل زمین خرید لی جائے اور قبرستان کی ضرورت کے لئے وقف کردیا جائے، اور اگر قبرستان کی بالکل ضرورت نہ ہو تو دوسرے دینی، رفاہی، ملی کاموں میں اس کو لگایا جاسکتا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ اگر حکومت اور غیر مسلموں کے تسلط اور قبضہ کا خوف ہو تو اس صورت میں اس کو ختم کردے اور اس کے بدلے دوسری جگہ بنادے اور اگر حاکم وقت اس کو توڑنا اور مسمار کرنا مناسب نہ سمجھے تو پھر اس کی حفاظت کرے۔

مولانا قمر الزماں ندوی

تدفین پر پابندی لگائے گئے قبرستان سے انتفاع کی شکل:

جس قبرستان کے اطراف سے مسلمانوں کی آبادی ختم ہو جانے کی وجہ سے اس کا استعمال بطور قبرستان نہ ہو رہا ہو یا یہ کہ قبرستان آبادی کے اندر آجانے کی وجہ سے اس کے استعمال اور اس میں تدفین پر پابندی عائد کر دی گئی ہو اور اس کی وجہ سے ان پر قبضہ کا خطرہ ہو تو ایسی صورت میں ان سے انتفاع کی جتنی شکل ہو سکتی ہے اختیار کرنا ضروری ہے، مثلاً یہ کہ اس کو چہار دیواری سے محفوظ کر کے اس میں کل کے اندر باغ لگا دیا جائے، یا مثلاً اس کے حواشی پر بیرون رخی دوکانیں اور اندر باغ لگا دیا جائے اور اس کی آمدنی سے دوسرے قبرستان کی زمین خرید لی جائے یا دوسرا قبرستان ہو تو اس پر خرچ کیا جائے، یا اگر نہ دوسرے قبرستان کی ضرورت ہو اور نہ ہی دوسرا قبرستان محتاج اعانت ہو تو اس کی آمدنی دینی مدارس پر خرچ کیا جائے یا اس میں مسجد کی تعمیر کر دی جائے یا مدرسہ قائم کر دیا جائے یا نفع عام کے لئے کوئی رفاہی ودینی کام کیا جائے جس سے مسلم عوام اور بچوں کی مذہبی واقتصادی تربیت وترقی کا ایسا کام کیا جائے کہ اصل واقفین کو ثواب پہونچتا رہے، اس لئے کہ واقف کا قبرستان کے لئے زمین وقف کرنا مسلمانوں کے نفع عام کے لئے ہی تھا۔

مولانا محمد نور القاسمی

قبرستان میں تدفین پر پابندی ہو اس کا حکم:

قبرستان میں اگر تدفین کا عمل جاری ہے تو اس میں کوئی دوسرا عمل کرنا درست نہ ہوگا، لیکن کسی سبب سے اس میں تدفین کا عمل متروک ہو گیا ہو، مثلاً تدفین پر پابندی عائد کر دی گئی ہو جس کی وجہ سے اس پر قبضہ کا خطرہ ہے، بلکہ خطرہ ہی نہیں قبضہ ہو رہا ہے تو ایسے قبرستان میں مدرسہ یا دینی، علمی، تحقیقی ادارہ کا قیام، یا مسجد ومسافر خانہ وغیرہ کی تعمیر کر دی جائے تاکہ وہ ایک کار خیر میں استعمال ہو سکے، لیکن یہ عمل اسی وقت درست ہوگا جب یہ یقین اور ظن غالب ہو جائے کہ جسد میت مٹی ہو گیا ہوگا۔ فتاوی ہندیہ کی عبارت ذکر کی جاتی ہے، ملاحظہ ہو:

ولو بلی المیت وصار تراباً جاز دفن غیرہ فی قبرہ وزرعہ والبناء علیہ (الفتاوی العالمگیریہ ارے۱۶)

اگر میت اتنی پرانی ہو کہ مٹی ہونے کا ظن غالب ہو تو اس قبر میں دوسرے کو دفن کرنا، اور اس پر کاشت کرنا، عمارت تعمیر کرنا جائز ہے۔

نیز موجودہ دور کے معروف عالم مفتی نظام الدین صاحب کی رائے بھی یہی ہے، مفتی صاحب تحریر فرماتے ہیں:

''جو قبرستان تدفین سے متروک ہو چکے ہوں، یا قانوناً دفن سے روک دیئے گئے ہوں، اور ان کے ضائع ہونے کا اندیشہ ہو، تو اس میں دینی ضرورت کے مطابق مسجد یا دینی مدرسہ قائم کرے، یا اس کو کسی ایسے کار خیر میں استعمال کرے جس سے مسلم عوام اور بچوں کی مذہبی واقتصادی تربیت وترقی کا ایسا کام کیا جائے کہ اصل واقفین کو ثواب پہونچتا رہے (نظام الفتاوی ار۱۸۰)

نیز یہی رائے استاذ محترم مولانا برہان الدین صاحب سنبھلی کی ہے، (موجودہ زمانہ کے مسائل کا شرعی

ص ۱۳۹ر) کی عبارت سے مسئلہ کی بالکل وضاحت ہو جاتی ہے:

"اگر قبرستان پرانا ہو اور اس میں تدفین بھی نہیں ہو رہی ہو اور شدہ شدہ لوگوں نے قبضہ کرنا شروع کر دیا ہو تو وہاں مسجد یا دینی مدرسہ بنا دینا جائز ہے"۔

مولانا ابرار خان ندوی

جس قبرستان کے اطراف سے مسلمانوں کی آبادی ختم ہو جانے کی وجہ سے اس کا استعمال بطور قبرستان نہیں ہو پا رہا ہے یا یہ کہ قبرستان آبادی میں آ گیا ہے اس کی وجہ سے اب اس کے استعمال اور تدفین پر پابندی عائد کر دی گئی ہے اور اس کی وجہ سے اس پر قبضہ کا خطرہ ہے لیکن قبضہ ہو رہا ہے تو ان قبرستانوں کے لئے یہ حکم ہے کہ اگر قبرستان وقف ہو اور اس میں تدفین جاری ہو تو اس میں صرف تدفین کرنا چاہئے کسی اور کام میں استعمال کرنا درست نہیں۔ اور اگر اس میں تدفین ہو چکی ہو اور یوں ہی پڑے رہنے کی وجہ سے اس کے ضائع ہو جانے کا خطرہ ہو تو اس کی حفاظت کی خاطر کہ وہ ضائع نہ ہو جائے دینی تعلیم کا مدرسہ بنانا اور مسجد بنانا سب جائز ہوگا، البتہ کوشش یہ کی جائے کہ خالی جگہ میں تعمیر کی جائے ورنہ قبروں کا جب کہ وہ پرانی ہو چکی ہوں کہ میت کا جسم مٹی بن چکا ہوگا تو ان قبروں کا تاج ہٹا کر یا مٹی پاٹ کر اس کی کرسی اتنی اونچی کر دی جائے کہ وہ قبریں زمین میں چھپ جائیں یہ درست ہے (فتاویٰ نظامیہ ار ۳۲۷)

مولانا ابراهیم فلاحی بارڈولی

جس قبرستان کی آبادی ختم ہو گئی ہے یا قبرستان آبادی میں آ گیا ہے اور حکومت اس پر پابندی عائد کر دیتی ہے تو چونکہ وقف پر حکومت یا آبادی والوں کے قبضہ کا خطرہ ہے، لہٰذا ایسی صورت میں اس قبرستان کو اجارہ پر دے دیا جائے تاکہ واقف کے مقاصد کی رعایت بھی ہو جائے اور ایک عظیم خطرہ سے محفوظ بھی رہے۔

مولانا سمیع اللہ قاسمی

پابندی عائد شدہ قبرستان سے انتفاع کی صورت:

جس قبرستان کے اطراف سے آبادی ختم ہو جانے کی وجہ سے اس کا استعمال بطور قبرستان نہیں ہو رہا ہے یا یہ کہ قبرستان آبادی کے اندر آ گیا ہے۔ جس کی وجہ سے اس کے استعمال پر پابندی عائد کر دی گئی ہے، اور اس پر قبضہ کا خطرہ ہے بلکہ قبضہ ہو رہا ہے تو چونکہ فقہاء کا اصول ہے۔ "ان مراعاة غرض الواقفين واجبة" (درمختار علی ہامش ردمختار ۳ر ۴۹۳) اس لئے اس کو علی حالہ اغیار کے قبضہ کے لئے چھوڑنا در حقیقت اسکو معطل اور منافع کو مفقود کرنا ہے جو کہ غرض واقف کے خلاف ہے۔

اس لئے ضروری ہے کہ ایسے تدابیر کئے جائیں جن سے بقاء غرض واقف اور بجائے اس کے تعطل کے اس کے منافع لوٹ سکیں، مثلاً اس کے اطراف میں باؤنڈری ڈال دی جائے، یا اطراف میں تعمیر کرا دی جائے، اور اگر کسی طرح تحفظ ممکن نہ ہو تو پھر شریعت کے اندر، بحالت مجبوری اس کے استبدال کی گنجائش تو موجود ہی ہے۔ اسکو فروخت کر کے دوسری جگہ اس کا بدل وقف قائم کر لیا جائے۔ مولانا صدر عالم قاسمی

جس قبرستان کے اطراف سے مسلمانوں کی آبادی ختم ہوجانے کی وجہ سے اس کا استعمال بطور قبرستان نہیں ہورہا ہے یا یہ کہ قبرستان آبادی کے اندر آ گیا ہے اس میں تدفین پر پابندی عائد کردی گئی ہے۔ نتیجہ کے طور پر قبرستان کی زمین پر غیروں کا قبضہ وتسلط ہوتا جارہا ہے اس طرح یہ قبرستان اگر وقف ہے تو تعطل کا شکار ہونے کی وجہ سے اس کا استبدال بشرائط بھی جائز ہے۔

والمعتمد انه یجوز للقاضی بشرط أن یخرج عن الانتفاع بالکلیة (عالمگیری)

اور اگر وقف نہیں ہے بلکہ تدفین موتی کے لئے استعمال ہوتا رہا ہے تو اس پر دوکان تعمیر کرا کے کرایہ پر چلایا جائے اور اس کی آمدنی فقراء و مساکین یا رفاہ عامہ کے کام پر خرچ کی جاسکتی ہے۔

لو بلی المیت وصار ترابا جاز دفن غیرہ وزرعه والبناء علیه ومقتضاہ جواز المشی فوقه (شامی)

مولانا عطاء اللہ قاسمی

ویران قبرستان پر مساجد ومدارس قائم کرنے کا حکم:

جب قبرستان ویران ہوجائے کہ وہاں کے مسلمان دوسری جگہ چلے گئے ہوں یا وہ قبرستان آبادی کے اندر آ جائے اور آبادی کے اندر آ جانے کی بنا پر حکومت کی طرف سے تدفین پر پابندی عائد کردی جائے، تو ایسی صورت میں جو پرانی قبریں ہیں اگر وہ مٹی ہوگئی ہوں اور قبروں کے نشانات مٹ چکے ہوں تو ان قبرستان میں مساجد یا مدارس قائم کرنے کی اجازت ہے (امداد الفتاوی ۲/۵۷۹)

قال ابن القاسم لو أن مقبرة من مقابر المسلمین عفت فبنی فیها مسجداً لم أر بذلک بأساً و ذلک لأن المقابر وقف من أوقاف المسلمین لدفن موتاهم لا یجوز لأحد أن یملکها فإذا درست واستغنی عن الدفن فیها جاز صرفها إلی المسجد لأن المسجد أیضا وقف من أوقاف المسلمین لایجوز تملیکه لأحد فمعناهما علی هذا واحد (عمدۃ القاری ۴/۱۷۹)

ابن القاسم نے کہا کہ اگر قبرستان جو مسلمانوں کا ہے مردوں سے پاک وصاف ہوجائے پھر وہاں مسجد تعمیر کی جائے تو میں اس میں کوئی حرج نہیں سمجھتا اس لئے کہ مسلمانوں کے قبرستان تو مردوں کی تدفین کے لئے ہیں کسی کے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اس قبرستان کو اپنی ملکیت میں لے لے لہذا اب تدفین سے مستغنی ہوجائے تو اس کو مسجد میں صرف کرنا (لگانا) جائز ہے، اس لئے کہ مسجد بھی مسلمانوں کی موقوف ہوتی ہے، کسی کو اس کا مالک بنانا جائز نہیں ہے لہذا اس معاملہ میں دونوں کا حکم یکساں ہے۔

مولانا اسعد اللہ قاسمی

جس قبرستان کے اطراف مسلمانوں کی آبادی ختم ہو چکی ہو:

اگر کسی وقف کی جائداد پر ناجائز قبضہ کا خوف ہو تو متولی کو چاہئے کہ اس کو فروخت کرکے اس کی قیمت کو

صدقہ کردے، نیز ابن عابدین شامی نے لکھا ہے کہ اگر کسی جگہ سے لوگ چلے گئے ہیں اور وہاں مسجد اور حوض ہے جس کی اب ضرورت باقی نہیں رہی تو قاضی کو چاہئے کہ اس کے اوقاف کو دوسری مسجد یا دوسرے حوض کی طرف منتقل کردے، گویا مذکورہ دونوں باتوں سے من جملہ یہ ثابت ہوتا ہے کہ اگر کسی وقف کے لوگوں کو ضرورت باقی نہیں رہی یا اس پر ناجائز قبضہ کا خطرہ ہو تو اس کو فروخت کرکے اسی نوع کے اوقاف میں اس کی قیمت کو خرچ کیا جاسکتا ہے یا پھر فقراء و مساکین کو دیدیا جائے۔ اس تفصیل سے مسئولہ صورت واضح ہو جاتی ہے کہ اس کو فروخت کرکے اسی نوع کے اوقاف کی طرف لوٹا دیا جائے یا اگر چاہے تو فقراء و مساکین کو دیدیا جائے۔

نقل في الذخيرة عن شمس الائمة الحلواني انه سئل عن مسجد أو حوض خرب ولا يحتاج إليه لتفرق الناس عنه هل للقاضي أن يصرف أوقافه إلى مسجد آخر أو حوض آخر فقال نعم ومثله في البحر.

ذخیرہ میں شمس الائمہ حلوانی سے نقل کیا گیا ہے کہ ان سے ایسی ویران مسجد یا حوض کے بارے میں سوال کیا گیا جس کی لوگوں کو ضرورت باقی نہیں رہی کہ کیا قاضی ان اوقاف کو دوسری مسجد یا دوسرے حوض کی طرف لوٹا سکتا ہے تو جواب دیا ہاں لوٹا سکتا ہے، اسی کے مثل بحر میں ہے۔

قيم خاف من السلطان أو من وارث يغلب على أرض وقف يبيعها ويتصدق بثمنها وكذا كل قيم إذا خاف شيئا من ذلك له أن يبيع ويتصدق بثمنها (البحر الرائق ۵/۲۰۷)

اگر ناظر سلطان یا وارث سے خطرہ محسوس کر رہا ہو کہ وقف کی زمین پر غلبہ پالے گا تو اسے بیچ کر حاصل شدہ رقم کو صدقہ کردے، ایسے ہی ہر وہ نگراں جو ایسی باتوں کا خوف کرے تو وہ اسے بیچ کر حاصل شدہ رقم صدقہ کر سکتا ہے۔

مسلک حنبلی: حنابلہ کی کتابوں سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ صورت مسئولہ میں انتفاع کی صورت یہ ہوگی کہ اس کو فروخت کرکے دوسری جگہ قبرستان خرید لیا جائے، یا دوسری جگہ واقع قبرستان میں لگا دیا جائے، چنانچہ ابن قدامہ لکھتے ہیں کہ اگر موقوفہ جائداد سے انتفاع ممکن نہ ہو تو اس کو فروخت کردیا جائے۔

الوقف إن لم يمكن الانتفاع بشيء منه بيع جميعه (المغنی ۵/۳۶۸)

اگر وقف سے انتفاع ممکن نہ ہو تو ان تمام کو فروخت کردیا جائے گا۔

مولانا محمد ارشد قاسمی

☆☆☆☆☆

آثار قدیمہ کی مسجدیں

اس مسئلہ سے متعلق جواب دینے والے علماء کرام کے اسمائے گرامی

مولانا عبید اللہ اسعدی
مولانا عتیق احمد قاسمی
مولانا زبیر احمد قاسمی
مفتی نسیم احمد قاسمی
جناب شمس پیرزادہ
مفتی جمیل احمد نذیری
مفتی محبوب علی وجیہی
مولانا حبیب اللہ قاسمی
مفتی شکیل احمد سیتاپوری
مولانا مفتی محمد حنیف
مفتی شبیر علی گجراتی
مولانا ابوبکر قاسمی
مولانا تنویر عالم قاسمی
مولانا نذر توحید مظاہری
مولانا عبد اللطیف پالنپوری
مولانا اخلاق الرحمٰن قاسمی
مولانا ابرار خاں ندوی
مولانا سمیع اللہ قاسمی
مولانا عطاء اللہ قاسمی
مولانا محمد ارشد قاسمی

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی
مفتی جنید عالم قاسمی
مفتی شبیر احمد قاسمی
مولانا ظفر عالم ندوی
ڈاکٹر عبد العظیم اصلاحی
مولانا ابوسفیان مفتاحی
مولانا ظفر الاسلام اعظمی
مفتی فضیل الرحمٰن ہلال عثمانی
مولانا سلطان احمد اصلاحی
مولانا محمد رضوان قاسمی
مولانا ایوب ندوی
مولانا عبد القیوم پالنپوری
مفتی عبد الرحیم قاسمی
ڈاکٹر قدرت اللہ باقوی
مولانا محمد مصطفیٰ قاسمی
مولانا قمر الزماں ندوی
مولانا ابراہیم فلاحی بارڈولی
مولانا محمد صدر عالم قاسمی
مولانا اسعد اللہ قاسمی

آثار قدیمہ کی مسجدیں

سوال: بہت سی قدیم مساجد اپنی تاریخی اہمیت کی بنا پر محکمۂ آثار قدیمہ کے زیر نگرانی ہیں۔ ایسی بعض مساجد میں حکومت نے نماز کی ادائیگی کو منع کر دیا ہے، شرعاً اس کا کیا حکم ہے، کیا حکومت کو اس طرح کا کوئی حق ہے؟

جوابات

جب قدیم مساجد آج بھی موجود ہیں اور ان میں نماز ادا کی جا سکتی ہے اور آباد کرنے والے بھی اطراف میں اور آس پاس موجود ہیں تو ان کو معطل چھوڑنا کسی طرح درست نہیں اور حکومت کی طرف سے اس بابت پابندی کا لگانا۔ حکومت عمارت کی حفاظت کا انتظام کرائے جو ممکن ہو، اور مسلمانوں سے بھی اس میں تعاون لے مگر نماز کی ممانعت کا کوئی حق اس کو نہیں ہے۔

مولانا عبید اللہ اسعدی

آثار قدیمہ کی مساجد:

شرعاً مسجد ہمیشہ کے لئے ہے، یہی رائے امام ابو حنیفہؒ، قاضی ابو یوسفؒ اور جمہور فقہاء کی ہے اور اسی پر فتویٰ ہے۔ حصکفی رقمطراز ہیں:

ولو خرب ما حوله واستغني عنه يبقى مسجدا عند الإمام والثاني أبدا إلى يوم الساعة وبه يفتي (الدر المختار ۶/۵۴۸، ط زکریا بکڈپو ۴۵۸)

امام نووی فرماتے ہیں:

أما المسجد فإنه إذا انهدم وتعذرت إعادته فإنه لا يباع بحال لإمكان الانتفاع به حالا بالصلوة في أرضه (شرح المہذب ۱۵/۳۶۰)

اس لئے ان مساجد کا حکم بھی وہی ہے جو دوسری مساجد کا ہے، حکومت کا اس میں نماز کی ادائیگی سے روکنا ظلم اور مسلمانوں کے مذہبی حقوق میں مداخلت ہے اور زیادتی بھی ہے، اس لئے اگر مسجد آباد رہے اور نماز کا سلسلہ جاری رہا تو زیادہ بہتر طور پر مسجد کا تحفظ ہو سکتا ہے، آباد عمارتوں کی نگہداشت ویران عمارتوں سے زیادہ ہوتی ہے۔ یہ اس لئے مسلمانوں کا فریضہ ہے کہ دستور و قانون کے دائرہ میں رہتے ہوئے حکومت سے ان مساجد کو کھولنے اور ان میں نماز کی اجازت دینے کا مطالبہ کریں۔

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی

آثار قدیمہ کے زیر انتظام مساجد میں حکومت کی طرف سے نماز کی ادائیگی پر پابندی عائد کرنا ایک ظالمانہ عمل ہے۔ شریعت اس پابندی کی اجازت نہیں دیتی۔

مولانا عتیق احمد قاسمی

مساجد میں نماز پڑھنے سے روکنے کا اختیار۔

مساجد کی بنیاد ذکر الٰہی نماز وغیرہ کے لئے ہے۔ اس میں نماز پڑھنے سے روکنے کا اختیار کسی کو بھی نہیں ہے نہ کسی فرد کو نہ ہی کسی حکومت کو۔ اس سے بڑھ کر ظلم کوئی نہ ہوگا جو لوگوں کو مسجدوں میں نماز پڑھنے سے روکے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

"ومن أظلم ممن منع مساجد الله أن يذكر فيها اسمه وسعى في خرابها" (سورہ بقرہ)

اس سے بڑھ کر ظالم کون ہوگا جو مساجد میں اللہ کے ذکر سے روکے اور ان کو ویران کرنے کی کوشش کرے۔

لہٰذا صورت مسئولہ میں بعض مسجد کو محکمہ آثار قدیمہ کے زیر نگرانی قرار دے کر ان میں مسلمانوں کو نماز پڑھنے سے روکنا حرام اور بہت بڑا ظلم ہے۔ حکومت کو قطعاً اس طرح کا حق نہیں ہے، مسلمانوں پر لازم ہے کہ ان مساجد کی بازیابی کی پوری کوشش کریں۔

مفتی جنید عالم ندوی قاسمی

ان المساجد لله (سورہ جن)، في بيوت أذن الله أن ترفع ويذكر فيها اسمه (سورہ نور)۔ ومن أظلم ممن منع مساجد الله أن يذكر فيها اسمه (سورہ بقرہ) جیسی آیات قرآنی سے صاف طور پر معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کی مسجدیں اللہ کو یاد کرنے اور اس کی عبادت ہی کے لئے موضوع ہیں، ان میں عبادت سے روکنا سراسر ظلم ہے بلکہ تمام دنیا کے ظالموں سے بڑھ کر ظالم ہیں وہ لوگ جو مسجدوں میں نماز و عبادت سے لوگوں کو روکتے ہیں۔

اس لئے وہ قدیم مساجد جو اپنی تاریخی اہمیت کی بنا پر محکمہ آثار قدیمہ کے زیر نگرانی ہیں اور ان میں سے بعض مساجد میں حکومت نے نماز کی ادائیگی کو ممنوع کر دیا ہے یہ حکومت کا صریح ظلم ہے، حکومت کو اس طرح کا کوئی حق نہیں، مگر یہ حکومت کی نااہلی ہے جو مسلمانوں کے حقوق کی حفاظت کی جگہ سرے سے ہی حقوق کی پامالی کو اپنا حق سمجھتی ہے۔ "اللهم خذهم أخذ عزيز مقتدر"۔

مولانا رہبر احمد قاسمی

قدیم مساجد کو بند کر کے نماز سے روکنا۔

مسجدیں چاہے قدیم ہوں یا جدید اللہ کی ملکیت ہیں۔ اس میں کسی حکومت یا کسی فرد کو مالکانہ حق نہیں ہے، اور حکومت ہند نے آثار قدیمہ کے نام سے چھوٹی بڑی ہزاروں مسجدوں کو مقفل کر کے مسلمانوں کو نماز پڑھنے سے روک رکھا ہے یہ حکومت ہند کی طرف سے مسلمانوں پر سخت ترین ظلم اور زیادتی ہے۔ شریعت اسلامیہ میں حکومت کو اس کا کوئی حق نہیں ہے، تمام مسلمانوں کو مل کر حکومت ہند سے احتجاج کر کے ان تمام مساجد کو کھلوانا ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ کا

ارشاد ہے:

ومن اظلم ممن منع مساجد اللہ أن یذکر فیھا اسمہ وسعی فی خرابھا(سورۃ البقرہ۱۱۴)

اور اس شخص سے بڑا ظالم کون ہوگا جو اللہ کی مسجدوں میں عبادت کرنے سے روک لگاتا ہے اور ان کو ویران کرنے کی کوشش کرتا ہے۔

مفتی شبیر احمد قاسمی

مساجد میں نماز پڑھنے سے روکنا:

مسجد اللہ کا گھر ہے جسے عبادت الٰہی مذکرو تسبیح اور نماز کے لئے بنایا جاتا ہے، اس میں کسی شخص کو نماز پڑھنے سے روکنے کا اختیار نہ تو کسی حکومت کو ہے اور نہ ہی کسی فرد کو، قرآن کریم میں مساجد کو ویران کرنے اور ان میں اللہ کے بندوں کو عبادت سے روکنے والوں کی مذمت کرتے ہوئے کہا گیا ہے:

"ومن اظلم ممن منع مساجد اللہ أن یذکر فیھا اسمہ وسعی فی خرابھا" (سورۃ البقرۃ)

لہٰذا قدیم مساجد کو آثار قدیمہ کی تحویل میں قرار دے کر ان میں اہل ایمان کو نماز پڑھنے سے روکنا حرام اور ظلم ہے، کسی بھی حکومت کو اس طرح کا حق حاصل نہیں ہے، اہل اسلام کی ذمہ داری ہے کہ ان مساجد کی بازیابی کے لئے قانونی چارہ جوئی کریں۔

مفتی نسیم احمد قاسمی

کسی بھی مسجد میں نماز ادا کرنے سے روکنے کا حق کسی بھی حکومت کو نہیں ہے، اگر حکومت نے کسی مسجد میں نماز ادا کرنے سے روک دیا ہے تو یہ غیر قانونی عمل ہے، مسلمانوں کا اس صورت میں دینی فریضہ ہوگا کہ وہ اس کے خلاف حکومت سے احتجاج کریں۔

مولانا ظفر عالم ندوی

اگر مسجد مخدوش ہے اور اس کی وجہ سے حکومت نے اس کا استعمال روک دیا ہے تو اور بات ہے، ورنہ حکومت کو یہ حق نہیں ہے کہ وہ قدیم مساجد میں نماز کی ادائیگی سے مسلمانوں کو روک دے۔

مولانا شمس پیرزادہ

"ومن اظلم ممن منع مساجد اللہ أن یذکر فیھا اسمہ"۔

محکمہ آثار قدیمہ اس طرح کی مساجد کی مرمت و نگہداشت اپنے ذمہ لے سکتا ہے مگر نماز سے روکنے کا اسے ہرگز حق نہیں ہے۔

مولانا عبد العظیم اصلاحی

شرعاً حکومت کو اس قسم کا کوئی حق نہیں، مساجد کی آبادی ان کی عمارتوں کے باقی رہنے سے نہیں بلکہ نماز پڑھنے سے ہے، حکومت کا یہ فعل ظلم و زیادتی ہے۔

و من أظلم ممن منع مساجد الله أن يذكر فيها اسمه و سعى في خرابها (سورہ بقرہ ۲؍۱۱۴)

نماز پڑھنے سے روکنا مسجد کو ویران کرنا ہے۔

مولانا جمیل احمد نذیری

صورت مسئولہ میں کہ قدیم مساجد اپنی تاریخی اہمیت کی بنا پر محکمۂ آثار قدیمہ کے زیر نگرانی ہیں تو ایسی مساجد بھی شرعاً مساجد ہی ہیں کسی بھی حکومت کو ان میں نماز کی ادائیگی کو منع کرنا جائز نہیں ہے اور حکومت کو نماز ادا کرنے سے روکنے کا کوئی حق نہیں ہے، کیونکہ مسجد خدا کا گھر ہے اور اللہ تعالیٰ ہی اس کا مالک ہے وہ کسی انسان کی ملک نہیں ہے، قرآن کریم میں ہے" وأن المساجد لله" ۔ تو جب وہ اللہ تعالیٰ کی ملک ہیں اور اسی کی عبادت کے لئے مخصوص ہیں تو کسی حکومت کو ان کے اوپر مخالفانہ تسلط اور قبضہ اور ضبط کرنے کا حق نہیں ہے۔ حکومت انسانی املاک پر قبضہ کرلے تو کر لے اللہ تعالیٰ کی ملک پر قبضہ نہیں کرسکتی اور اگر جبر و استبداد سے قبضہ کرے تو وہ قبضہ شرعاً ناجائز اور کالعدم ہوگا، اور اسے لازم ہوگا کہ اسے واگذار کرے اور واگذاری کے عوض میں کوئی رقم وصول کرنی یا کوئی شرط عائد کرنا حکومت کا کوئی حق نہیں ہے۔ واللہ اعلم (کذا فی کفایۃ المفتی ۷؍۳۱)۔

خلاصۂ کلام: یہ ہے کہ مساجد محکمۂ آثار قدیمہ کے زیر نگرانی ہوں یا نہ ہوں کسی بھی حال میں حکومت کو نماز کی ادائیگی سے روکنے کا کوئی حق نہیں ہے۔ واللہ اعلم۔

مولانا ابو سفیان مفتاحی

مسلمانوں پر خصوصاً مسلم ایم۔ ایل۔ اے اور ایم۔ پی وغیرہ اور جو بااثر مسلمان ہیں ان پر لازم ہے کہ وہ حکومت سے پرزور مطالبہ کریں، اور ان مساجد کو نماز کے لئے کھلوائیں، کیونکہ مساجد نماز اور عبادت کے لئے بنائی جاتی ہیں اور یہ وقف ہوتی ہیں، گورنمنٹ کا مسلمانوں کو ان میں نماز سے روکنا ظلم ہے قرآن شریف میں ہے:

"ومن أظلم ممن منع مساجد الله"........ إلى آخره۔

مفتی محبوب علی وجیہی

محکمۂ آثار قدیمہ کے تحت آجانے کے بعد بھی حکومت کو قطعاً اس کی گنجائش نہیں ہے کہ وہ نماز پڑھنے پر پابندی لگادے، یہ عمل واقف کی مرضی کے صریحاً مخالف ہے، اگر خود واقف چاہتا کہ اس میں نماز پڑھنے پر پابندی لگادے تو بھی اسے کوئی حق نہ تھا چہ جائیکہ قاضی یا حکومت وقت، بہرحال یہ ممانعت غیر شرعی ہے، اس طرح کی مساجد کو واگذار کرانے کے لئے محکمۂ اوقاف سے مطالبہ کرنا اور اس کی بھرپور کوشش کرنا چاہئے پھر بھی اگر ناکامی ہو تو دلی طور سے حکومت کے اس رویہ پر نفرت کرے اور کوشش و سعی جاری رکھے۔

مولانا ظفر الاسلام اعظمی

حکومت یا کسی بھی آدمی کو یہ حق حاصل نہیں کہ مساجد میں نماز کی ادائیگی کو روک دے۔ قرآن میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اور امام ابو یوسف کے نزدیک قیامت تک مسجد ہی کے حکم میں ہوگی، اسی پر فتویٰ ہے۔

مولانا محمد رضوان قاسمی

مسجد خدا کا گھر ہے اور وہی اس کا مالک ہے، وہ کسی انسان کی ملک نہیں، ارشاد ربانی ہے: "وان المساجد لله" (یقیناً مسجدیں خاص خدا ہی کی ہیں) اور جب یہ خدا کی ملک ہیں تو کسی حکومت کو اس میں نماز پڑھنے سے روکنے کا کسی طرح کا کوئی حق نہیں، اسلامی شریعت میں مسجد کی حیثیت کسی میوزیم یا آثار قدیمہ کی نہیں کہ اسکو محکمہ آثار قدیمہ کے زیر نگرانی دیکر اس میں نماز پڑھنے سے روک دیا جائے، اسلامی قانون کی رو سے جب کوئی جگہ ایک بار شرعاً مسجد کی شکل اختیار کر لیتی ہے تو تا قیامت وہ مسجد ہی باقی رہتی ہے، حکومت تو کیا خود واقف کو بھی اس میں نماز پڑھنے سے کسی کو روکنے کا کوئی حق نہیں ہے۔ علامہ شامی تحریر فرماتے ہیں:

ولو خرب ماحوله واستغنى عنه يبقى مسجداً عند الإمام والثاني أبدا إلى قيام الساعة وبه يفتى (درمختار ۳/۳۵۸)۔

نیز مسجد شعائر اللہ میں داخل ہے اور شعائر اللہ کی تعظیم کے ساتھ ساتھ مسلمان اس کی حفاظت کے بھی ذمہ دار ہیں، اس لئے اس کی تقدیس وتعظیم کو باقی رکھنے کے لئے مسلم قوم پر ہر ممکن کوشش کرنی ضروری ہے، نیز حکومت کے زیر کنٹرول اسی حالت میں رہنے دینا اور اس سے دست بردار ہو جانا شریعت کے خلاف اور اسلامی روح کے منافی ہے، لہذا حکومت کا اس انداز میں تسلط وقبضہ شرعاً ناجائز اور کالعدم ہوگا جو نا قابل قبول ہی نہیں بلکہ نا قابل برداشت ہے، اور انڈین قانون کے بھی خلاف اور جمہوریت کا کھلا مذاق ہے۔

مولانا شبیر علی

حکومت کو منع کرنے کا کوئی حق نہیں پہنچتا۔

مولانا ایوب ندوی

قدیم مساجد کو آثار قدیمہ قرار دیکر اس میں نماز کی ادائیگی سے روکنا:

ہندوستان کی جن قدیم مساجد کو ان کی تاریخی اہمیت کی بنا پر حکومت نے محکمہ آثار قدیمہ کے زیر نگرانی کر دیا ہے، اور ان میں بعض مساجد میں حکومت نے نماز کی ادائیگی سے لوگوں کو منع کر دیا ہے تو یہ سراسر ظلم ہے اور امر منکر ہے، جس کا ہرگز ہرگز حکومت کو حق حاصل نہیں ہے، اگر کوئی شخص قدرت رکھتا ہو کہ حکومت اور محکمہ آثار قدیمہ کے قبضہ تصرف سے مساجد مذکورہ کو نکال کر اس میں حسب سابق نماز جاری کرادے تو اس پر ایسا کرنا واجب ہے، اور اگر قدرت نہ ہو تو دل سے ناگواری اور عمل میں صبر کافی ہے (امداد الفتاوی ۲/۶۰۸ ـ ۶۰۹) اللہ رب العزت نے قرآن پاک میں مسجد میں اللہ پاک کو یاد کرنے سے روکنے یا مسجد کی ویرانی کی سعی کرنے والے کو سب سے بڑا ظالم کہا ہے، چنانچہ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے:

ومن أظلم ممن منع مساجد الله أن يذكر فيها اسمه وسعى في خرابها أولئك ما كان

لهم أن يدخلوها إلا خائفين لهم في الدنيا خزي ولهم في الآخرة عذاب عظيم (سورۃ البقرہ/۱۱۴)

اور اس شخص سے بڑھ کر کون ظالم ہوگا جو اللہ کی مسجدوں میں ان کے نام کی یاد سے روکے اور ان کی ویرانی کے درپے ہو، ایسے لوگ اس لائق ہیں کہ ان عبادت گاہوں میں قدم نہ رکھیں، اور اگر وہاں جائیں بھی تو ڈرتے ہوئے جائیں، ان کے لئے تو دنیا میں رسوائی ہے اور آخرت میں عذاب عظیم۔

اس آیت کی تفسیر میں مفسرین نے مسجد کی ویرانی کے مفہوم میں مسجد کے انہدام اور اس کے تعطل دونوں کو شامل کیا ہے، چنانچہ جلالین میں ہے:

وسعى في خرابها بالهدم والتعطيل (جلالین/۱۷)

اور امام ابوبکر جصاص فرماتے ہیں کہ مذکورہ آیت کا نزول مشرکین کے متعلق ہوا ہے، جنہوں نے مسلمانوں کو مسجد حرام میں آنے سے روک دیا۔ نیز ان کا ارادہ مسجد کو ذکر وطاعت کے ذریعہ آباد کرنے سے روک کر اس کو ویران کرنے کی کوشش کی (احکام القرآن ۱/۵۷)

مندرجہ بالا تفصیل سے معلوم ہوا کہ مسجد کی تعمیر کے مفہوم میں جس طرح مسجد کی عمارت بنانا اور اس میں عبادت کرنا دونوں داخل ہے، اسی طرح مسجد کو ویران کرنے میں اس کو ڈھانا اور اس میں عبادت کرنے سے روکنا دونوں شامل ہے، لہذا مسجد خواہ نئی ہو یا پرانی، معمولی بنی ہو یا پختہ ہو، اسی طرح اس کی کوئی تاریخی حیثیت ہو یا نہ ہو بہر حال وہ مسجد ہے اور اس کا مالک صرف اللہ ہے، وہ اس کی حیثیت شعائر اسلام کی ہے، جب اگر وہ مسجد کسی کی زمین پر غصب کر کے بنائی گئی ہے، وقتی یا عارضی ضرورت کے تحت اس کی تعمیر ہوئی ہے اور کسی مفاد کے پیش نظر اس کو بنایا گیا ہے، بلکہ اس کو اپنی مملوکہ پر تقویٰ اور خدا ترسی کے جذبے سے خلوص نیت کے ساتھ بنایا گیا ہے تو وہ قیامت تک مسجد ہی رہے گی اور قیامت تک وہ کسی کی مملوک نہ ہوگی، چنانچہ احکام المساجد میں ہے:

إذا تعطل المسجد بتفرق الناس عن البلد أو خرابها أو خراب المسجد فلا يعود مطلقا (احکام المساجد ومسائل مساجد/۳۲۵)

اور شامی میں ہے:

ولو خرب المسجد وما حوله وتفرق الناس عنه لا يعود إلى ملك الواقف عند أبي يوسف (ردالمحتار ۳/۴۰۷)

خلاصہ کلام یہ ہے کہ مسجد کو تا قیامت قرار رکھ کر اس میں نماز پڑھنے سے روکنا کسی حال میں جائز نہیں ہے۔ ہاں اگر کسی مسجد کے قریب مسلمانوں کی آبادی بالکل ختم ہو گئی ہو اور وہاں کوئی نماز پڑھنے والا نہ رہ گیا ہو تو ایسی مسجد کو حفاظت کے پیش نظر مقفل کر دیا جائے، چنانچہ حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب نے کفایت المفتی میں لکھا ہے:

(الکتاب ۲۶۴/۷) مساجد اگر ایسی حالت میں ہو گئی ہیں کہ ان میں مؤذن اور جماعت نہیں ہوتی اور ان کی حاجت نہیں رہی تو ان کو محفوظ مقفل کر کے چھوڑ دیا جائے، اور یہ اندیشہ ہو کہ ان کا سامان چرا کر لے جائیں گے تو

ایسی چیزوں کو جو چرائی جاسکتی ہوں، دوسری قریب ترین مسجد میں منتقل کردیا جائے، اور جب تک کوئی مسجد رفاہ عام کے کاموں میں لائی جاسکے اس کو منہدم کرنا درست نہیں (کفایت المفتی ۷/۲۹۹)۔

مولانا ابوبکر قاسمی

حکومت کو کوئی حق نہیں ہے کہ مسلمانوں کو ان میں نماز سے روکے، حکومت کو چاہئے کہ ان مساجد کو نمازیوں کے لئے کھول دے، اور مسلمانوں کو حسب المقدور ان کو کھلوانے کی کوشش کرنا چاہئے۔

مولانا عبد القیوم پالنپوری

جو مساجد اپنی تاریخی اہمیت کی بنا پر محکمۂ آثار قدیمہ کے زیر نگرانی ہیں، جن میں حکومت نے نماز کی ادائیگی کو منع کردیا ہے، حکومت کی طرف سے نماز پر پابندی ظلم اور زیادتی ہے، شرعاً یہ منع غلط ہے، مسجد کی بڑی اہمیت وہی ہے جس مقصد کے لئے مسجد تعمیر ہوئی ہے، قرآن پاک کی آیت "ومن اظلم ممن منع مساجد اللہ أن یذکر فیھا اسمہ" کے تحت علامہ آلوسی تحریر فرماتے ہیں:

وظاھر الآیۃ العموم فی کل مانع و فی کل مسجد و خصوص السبب لا یمنعہ (روح المعانی ۱/۳۶۳) اور (وسعی فی خرابھا) ای ھدمھا و تعطیلھا (روح المعانی ۱/۳۶۴)

مولانا تنویر عالم قاسمی

تاریخی مساجد میں نماز ادا کرنے سے محکمۂ آثار قدیمہ کا مسلمانوں کو روکنا بہت بڑا ظلم ہے، حکومت کو شرعاً، قانوناً مسلمانوں کو مسجد میں نماز پڑھنے سے منع کرنے کا حق نہیں۔

وکما کرہ غلق باب المسجد إلا لخوف علی متاعہ بہ یفتی قال فی البحر وانما کرہ لأنہ یشبہ المنع من الصلاۃ، قال تعالی: "ومن أظلم ممن منع مساجد اللہ أن یذکر فیھا اسمہ" (شامی ۱/۴۴۱)۔

مفتی عبد الرحیم بھوپال

جو مساجد تاریخی اہمیت کی بنا پر محکمۂ آثار قدیمہ کے زیر نگرانی ہیں ایسی بعض مساجد میں حکومت نے نماز کی ادائیگی سے منع کردیا ہے تو حکومت کی طرف سے یہ ممانعت کرنا جائز نہیں ہے۔

ومن أظلم ممن منع مساجد اللہ أن یذکر فیھا اسمہ وسعی فی خرابھا الخ (سورۂ بقرہ/۱۱۴)

اور حکومت کو اس طرح منع کرنے کا کوئی حق نہیں ہے۔

مولانا نذر توحید مظاہری

تاریخی مساجد میں نماز سے روکنا حکومت کو ہرگز حق نہیں ہے جب کہ مندروں میں پوجا پاٹ کی اجازت دی جارہی ہے، یہ عدل کے خلاف ہے۔

ڈاکٹر قدرت اللہ باقوی

حکومت کو اس طرح کا کوئی حق نہیں ہے کہ مساجد کو آثار قدیمہ میں داخل کرکے نماز کی ادائیگی پر پابندی لگائے، ایسی مساجد کو حکومت کے قبضے سے واگزار کرانا ازالہ منکر کا ایک جز ہے، اور اس کا مدار قدرت پر ہے، اگر کسی کو اس پر قدرت ہے تو اس پر واجب ہے، اور اگر قدرت نہ ہو تو دل سے ناگواری اور عمل میں صبر کافی ہے (امداد الفتاوی ۲/۶۳)۔

مولانا عبد اللطیف پالنپوری

بہت سی قدیم مساجد اپنی تاریخی اہمیت کی بنا پر محکمہ آثار قدیمہ کے زیر نگرانی ہیں، ایسی بعض مساجد میں حکومت نے نماز کی ادائیگی کو منع کر دیا ہے جو شرعی نقطہ نظر سے سراسر ظلم و ستم اور تعدی کے مترادف ہے، ہرگز ہرگز حکومت ہند کو یہ حق حاصل نہیں ہے، اگر کوئی شخص اپنی شوکت و قوت کے زور سے حکومت اور محکمہ آثار قدیمہ کے قبضہ و تصرف سے مساجد قدیمہ کو آزاد کرا کے اس میں نماز پڑھنا حسب سابق جاری کر دے تو ایسے شخص پر واجب ہے کہ حتی الامکان مسجد کو آزاد کرا کے دم لے، ان شاء اللہ جہاد فی سبیل اللہ کا ثواب ملے گا، اور اگر قدرت نہیں ہے تو چپ چاپ رہے، دل سے حکومت ہند کے اس رویہ کو برا سمجھے اور عمل میں صبر کافی ہے کوئی مظاہرہ یا ایجی ٹیشن نکالنا ٹھیک نہیں ہے جیسا کہ ۶ دسمبر ۱۹۹۲ء کو بابری مسجد کے انہدام کا حادثہ عظمیٰ ہوا، وہ اہلی سیاست دانوں کی شرارت و خباثت کا نتیجہ تھا، ورنہ ایسا حادثہ کبھی ہرگز ہرگز وقوع پذیر نہیں ہوتا۔

"ومن أظلم ممن منع مساجد الله أن يذكر فيها اسمه وسعى في خرابها" (سورۂ بقرہ/۱۱۴)۔

اور اس سے بڑا ظالم کون جس نے منع کیا اللہ کی مسجدوں میں کہ لیا جائے وہاں نام اس کا اور کوشش کی ان کے اجاڑنے میں، ایسوں کو لائق نہیں کہ داخل ہوں ان میں مگر ڈرتے ہوئے، ان کے لئے دنیا میں ذلت ہے اور ان کے لئے آخرت میں بڑا عذاب ہے۔

اس آیت سے جو چند ضروری مسائل و احکام نکلے ان کی تفصیل یہ ہے:

اول یہ کہ دنیا کی تمام مساجد آداب مسجد کے لحاظ سے مساوی ہیں جیسے بیت المقدس، مسجد حرام یا مسجد نبوی کی بے حرمتی ظلم عظیم ہے، اسی طرح دوسری تمام مساجد کے متعلق بھی یہی حکم ہے، اگرچہ ان تینوں مساجد کی خاص بزرگی و عظمت اپنی جگہ مسلم ہے۔

دوسرا مسئلہ یہ معلوم ہوا کہ مسجد میں ذکر و نماز سے روکنے کی جتنی بھی صورتیں ہیں وہ سب ناجائز و حرام ہیں۔ ان میں سے ایک صورت تو یہ کھلی ہوئی ہے کہ کسی کو مسجد میں جانے سے یا وہاں نماز و تلاوت سے صراحۃً روکا جائے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ مسجد میں شور و شغب کرکے یا اس کے قریب و جوار میں باجے گاجے بجا کر لوگوں کے نماز و ذکر وغیرہ میں خلل ڈالے، یہ بھی ذکر اللہ سے روکنے میں داخل ہے۔

تیسرا مسئلہ یہ معلوم ہوا کہ مسجد کی ویرانی کی جتنی بھی صورتیں ہیں سب حرام ہیں، اس میں بھی جس طرح کھلے طور پر مسجد کو منہدم و ویران کرنا داخل ہے اسی طرح ایسے اسباب پیدا کرنا بھی اس میں داخل ہے جن کی وجہ سے

مسجد ویران ہو جائے، اور مسجد کی ویرانی یہ ہے کہ وہاں نماز کے لئے لوگ نہ آئیں یا کم ہو جائیں (تفصیل معلومات کے لئے دیکھئے معارف القرآن ۱/ ۲۹۹ تا ۳۰۰)

غیر آباد مساجد کے احکام:

حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ دہلوی علیہ الرحمہ ایک سوال کے جواب نمبر (۳۶۳) میں رقمطراز ہیں: مساجد اگر ایسی حالت میں ہو جائیں کہ ان میں پنجگانہ جماعت نہیں ہوتی اور ان کی حاجت نہیں رہی تو ان کو محفوظاً مقفل کر کے چھوڑ دیا جائے اور یہ اندیشہ ہو کہ لوگ اس کا سامان چرا کر لے جائیں گے تو ایسی چیزوں کو جو چرائی جا سکتی ہوں دوسری قریب ترین مسجد میں منتقل کر دینا چاہئے اور جب تک کوئی مسجد رفاہ عام کے کاموں میں لائی جا سکے اس کو منہدم کرنا درست نہیں ہے (کفایت المفتی ۷/ ۲۹۹)

موقف حضرت مولانا اشرف علی تھانوی علیہ الرحمہ کا:

سوال (۳۸ ے) (الف ۲) اگر کوئی شخص کسی مسجد پر مالکانہ تصرف رکھتا ہو، آیا یہ امر ضروری ہے یا نہیں کہ اس کے قبضہ تصرف سے وہ مسجد نکال لی جاوے اور اس کو بطور مسجد رکھا جائے؟

الجواب (الف ۲) یہ نکال لینا ایک فرد ہے ازالہ منکر کا سو اس کا مدار قدرت پر ہے، اگر کسی کو اس پر قدرت ہو تو اس پر واجب ہے اور اگر قدرت نہ ہو تو دل سے ناگواری اور عمل میں صبر کافی ہے ھذا ظاھر من القواعد الشرعیۃ (امداد الفتاویٰ ۲/ ۷۰۸ تا ۷۰۹)۔

۱۹۴۷ء کے بعد ہندوستان میں مسجدوں کی جو بے حرمتی اور بربادی کی گئی، اس کی المناکی اب بھی آنکھوں سے دیکھی جا سکتی ہے، ۱۹۷۰ء میں حکومت ہند نے بر نی کمیٹی مقرر کی تھی اس کی رپورٹ سے معلوم ہوا کہ اس وقت تک صرف دہلی کی تقریباً ایک سو چھتر (۱۷۶) مسجدیں ایسی تھیں جن کے تصرف سے مسلمان محروم تھے، ان پر یا تو حکومت یا ہندوؤں کا قبضہ تھا، اور اب تک واگذاشت نہیں ہو گئی ہیں، دہلی مسلمان بادشاہوں کا بھی دارالسلطنت رہا، لیکن کسی مستند حوالہ سے یہ ثابت نہیں کیا جا سکتا کہ یہاں ایک سو چھتر مندروں کے تصرف سے ہندو محروم کر دیئے گئے تھے، ۱۹۷۰ء میں مغربی بنگال اسمبلی میں ایک سوال کے جواب میں بتایا گیا کہ صرف کلکتہ میں انسٹھ (۵۹) مسجدیں ایسی ہیں جن کے قبضہ سے مسلمان نہ صرف محروم ہیں بلکہ ان پر ہندوؤں کا تصرف ہے، اور بعض مسجدوں کو گوبر سے لیپا جاتا ہے، ہندوستان کے مسلمان حکمرانوں کی کسی تاریخ سے یہ پتہ نہیں چلایا جا سکتا ہے کہ صرف ایک شہر کے انسٹھ (۵۹) مندروں کی ایسی بے حرمتی کی گئی، اور اخباروں میں برابر ذکر آیا ہے کہ دہلی سے پاکستان کی سرحد تک تو ہزار مسجدیں ایسی ہیں جو غیر مسلموں کے تسلط میں ہیں (بابری مسجد ۱۳۵ تا ۱۳۶، دارالمصنفین اعظم گڑھ)

مسلمانوں کو مساجد کے تصرف سے محروم کرنا آئین بھارت کے بھی خلاف ہے:

مذہب کی آزادی کا حق ۲۵:

(۱) تمام اشخاص کو آزادی ضمیر اور آزادی سے مذہب قبول کرنے، اس کی پیروی اور اس کی تبلیغ کرنے کا

مساوی حق ہے بشرطیکہ امن عامہ، اخلاق عامہ، صحت عامہ اور اس حصہ کی دیگر توضیحات متاثر نہ ہوں۔

(۲) اس دفعہ کا کوئی امر کسی ایسے موجودہ قانون کے نفاذ کو متاثر نہ کرے گا اور نہ وہ ایسے قانون کے بنانے میں مملکت کا مانع ہوگا جو کسی معاشی، مالیاتی، سیاسی یا دیگر غیر مذہبی سرگرمی کو جس کا تعلق مذہبی عمل سے ہو سکتا ہو منضبط کرے یا اس پر پابندی لگائے۔

مذہبی امور کے انتظام کی آزادی: ۲۶

اس شرط کے ساتھ کہ امن عامہ، اخلاق عامہ اور صحت عامہ متاثر نہ ہوں ہر ایک مذہبی فرقے یا اس کے کسی طبقے کو حق ہوگا۔ (الف) مذہبی اور خیراتی اغراض کے ادارے قائم کرنے اور چلانے کا، (ب) اپنے مذہبی امور کا انتظام خود کرنے کا، (ج) منقولہ اور غیر منقولہ جائداد کے مالک ہونے اور اس کو حاصل کرنے کا، (د) ایسی جائداد کا قانون کے بموجب انتظام کرنے کا۔ (بھارت کا آئین (یکم جنوری ۱۹۸۵ء تک ترمیم شدہ) (صفحہ ۳۶، دفعات ۲۵-۲۶) ترقی اردو بیورو، نئی دہلی، طبع دوم ۱۹۸۵ء)

مولانا محمد مصطفی قاسمی

بہت سی قدیم مساجد اپنی تاریخی اہمیت کی بنا پر مثلاً لال قلعہ کے اندر موتی مسجد، اورنگ آباد میں اورنگ زیب کی اہلیہ محترمہ کے مقبرے کے اندر کی مسجد، عالیشان محکمہ آثار قدیمہ کی زیر نگرانی ہیں۔ ایسی بعض مساجد میں حکومت نے باقاعدہ نماز کی ادائیگی کو منع کر دیا ہے۔ مذہبی چیزوں میں اس طرح کا کوئی حق حکومت کو نہیں ہے مگر اسکو حاصل کرنا بھی دشوار ہے اور خود سے فروخت کرنا بھی دشوار تر ہے۔ صرف ایک صورت رہ جاتی ہے وہ یہ کہ حکومت سے مطالبہ کیا جائے کہ یا تو انہیں نماز پڑھنے کی اذن عام دی جائے ورنہ تو اس طرح کی مسجد دوسری جگہ بنا دی جائے۔

مولانا اخلاق الرحمن قاسمی

وہ مساجد جو اپنی تاریخی اہمیت کی بنا پر محکمہ آثار قدیمہ کے زیر نگرانی ہیں ان میں سے بعض میں حکومت نے نماز کی ادائیگی سے منع کر دیا ہے۔ شرعاً اس کا مسئلہ یہ ہے کہ جو مسجد بن جاتی ہے وہ قیامت تک مسجد ہی رہتی ہے۔ حکومت کو اس طرح کا کوئی حق نہیں کہ وہ مسجد میں نماز ادا کرنے سے روک دے۔ مسلمانوں کو اپنی مسجد کی بازیابی کے لئے اور دوبارہ نماز کی ادائیگی کے لئے پوری کوشش کرنی ہوگی خصوصاً اس مسجد سے قریب بسنے والے لوگوں پر ضروری ہے کہ وہ قانونی طور پر حکومت کو مجبور کریں اور دوبارہ نماز کی اجازت حاصل کریں ورنہ ایسی مسجدوں کو آباد نہ کرنے کی وجہ سے تمام مسلمان گنہگار رہیں گے۔

"وان المساجد للہ" قال المساجد کلھا.

اور بے شک مسجدیں خدا کے لئے ہیں، وہ تمام مسجدیں اس میں داخل ہیں یعنی تمام مسجدیں خدا کے لئے ہیں۔

مولانا قمر الزماں ندوی

حکومت کا مساجد میں عبادت پر پابندی لگانا:

مسجد خدا کا مبارک گھر ہے جو خدا کی عبادت وبندگی، ذکر وتلاوت کے لئے بنائی جاتی ہے، اس میں کسی طرح کی لایعنی گفتگو اور غیر ضروری عمل کو ناپسند کیا گیا ہے، جو گھر خدا کی عبادت کے لئے تعمیر ہوا ہے وہ خدا کا گھر ہے، حکومت یا کسی فرد کے لئے بالکل جائز نہیں ہے کہ اس میں نماز کی ادائیگی پر پابندی عائد کرے، اگر کوئی حکومت ایسا اقدام کرتی ہے تو وہ ظالم ہے، ستم گر ہے بلکہ روئے زمین میں اس سے بڑھکر کوئی ظالم نہ ہوگا جو مساجد الٰہی میں نماز ادا کرنے سے روک دے، اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے:" **ومن أظلم ممن منع مساجد الله أن يذكر فيها اسمه وسعى في خرابها**"۔ ترجمہ: اور اس سے بڑا ظالم کون جس نے منع کیا اللہ کی مسجدوں میں کہ لیا جاوے وہاں نام اس کا اور کوشش کی ان کے اجاڑنے میں (سورۃ البقرۃ ۱۱۴) اس آیت کی تفسیر اور شان نزول ذکر کرتے ہوئے علامہ شبیر احمد عثمانی نے لکھا ہے:

اس کے شان نزول نصاری ہیں کہ انہوں نے یہود سے مقاتلہ کرکے توریت کو جلایا اور بیت المقدس کو خراب کیا، یا مشرکین مکہ کہ انہوں نے مسلمانوں کو محض تعصب وعناد سے حدیبیہ میں مسجد حرام (بیت اللہ) میں جانے سے روکا، باقی جو شخص کسی مسجد کو ویران یا خراب کرے وہ اسی حکم میں داخل ہے (تفسیر عثمانی، سورۃ البقرۃ، صفحہ ۲۲، مجمع خادم الحرمين الشريفين الملك فهد لطباعة المصحف)

اس کی تفسیر یوں کی ہے:

والمراد بمنع المساجد أن يذكر فيها اسم الله منع من يأتي إليها للصلاة والتلاوة والذكر وتعليمه، ويجوز أن يراد بالخراب تعطيلها عن الطاعات التي وضعت لها (فتح القدیر ۱/۱۳۱، نیز دیکھئے: تدبر قرآن ۱/۳۰۲)

مساجد کے اندر اللہ کا ذکر کیا جائے اس سے روکنے کا مطلب یہ ہے کہ جو اس میں نماز ادا کرنے، تلاوت و ذکر اور اس کو سیکھنے کی غرض سے آتا ہو اس کو روکا جائے، اور خراب کرنے کا یہ مطلب بھی لیا جا سکتا ہے کہ مساجد کو جس کے لئے بنا گیا ہے اس (طاعات) سے اس کو ختم کر دیا جائے۔

ومن أظلم ...... هذا استنكار واستبعاد لأن يكون أحد أظلم ممن فعل ذلك أي لا أحد أظلم ممن منع الناس من عبادة الله في بيوت الله (صفوۃ التفاسیر ۱/۸۹، نیز دیکھئے: الاساس فی التفسیر ۱/۲۴۲)

ومن أظلم ... یہ استنکار اور بعید ہے کہ جو ایسا کرے اس سے بڑا کوئی ظالم ہو سکتا ہے؟ یعنی اللہ کے گھر میں جو لوگوں کو اللہ کی عبادت کرنے سے روک دے اس سے بڑا ظالم کوئی نہیں۔

مولانا ابرار خان ندوی

بہت سی قدیم مساجد اپنی تاریخی اہمیت کی بنا پر محکمہ آثار قدیمہ کے زیر نگرانی ہیں ایسی بعض مساجد میں حکومت نے نماز کی ادائیگی کو منع کر دیا ہے، شرعاً حکومت کو اس کا کسی طرح کوئی حق نہیں، ایسی صورت میں حکومت سے احتجاج کیا جائے اور نماز کی پابندی ہٹانے کی کوشش کی جائے۔

مولانا ابراہیم فلاحی مارتولی

ایسی قدیم مساجد جو اپنی تاریخی اہمیت کی بنا پر محکمہ آثار قدیمہ کے زیر نگرانی ہیں ان میں سے جن مساجد میں حکومت نے نماز ادا کرنے سے منع کر دیا ہے شرعاً حکومت کو اس کی اجازت نہیں ہے، قرآن صاف طور پر اعلان کرتا ہے: "ومن اظلم ممن منع مساجد الله أن يذكر فيها اسمه وسعى في خرابها أولئك ما كان لهم أن يدخلوها إلا خائفين لهم في الدنيا خزي ولهم في الآخرة عذاب عظيم" (البقرة)

ترجمہ: اس شخص سے زیادہ ظالم کون ہوگا جو خدا تعالیٰ کی مسجدوں میں ان کا ذکر کئے جانے سے بندش کرے اور ان کے ویران ہونے میں کوشش کرے، ان لوگوں کو تو کبھی بے ہیبت ہو کر ان میں قدم بھی نہ رکھنا چاہئے تھا۔ ان لوگوں کو دنیا میں بھی رسوائی ہوگی اور ان کو آخرت میں بھی سزائے عظیم ہوگی۔

خلاصہ یہ ہے کہ مسجد میں ذکر و نماز سے روکنے کی جتنی بھی صورتیں ہیں وہ سب ناجائز و حرام ہیں۔

مولانا سمیع اللہ قاسمی

محکمۂ آثار قدیمہ کے زیر نگرانی مساجد کے احکام:

وہ مساجد جن کے محکمۂ آثار قدیمہ میں ہونے کی وجہ سے ان میں ادائیگی نماز سے روکا جا رہا ہے۔ حکومت کا یہ عمل مذموم اور مقاصد مساجد کے خلاف ہے۔ بلکہ یہ آیت کریمہ "ومن اظلم ممن منع مساجد الله أن يذكر فيها اسمه وسعى في خرابها... " الخ (سورہ بقرہ: ۱۱۴) کے مرادف ہے، اس لئے حکومت کو اس کا کوئی حق نہیں ہے، مسلمانوں پر ضروری ہے کہ حکومت سے مطالبہ کر کے مقاصد مساجد کا اجراء کروائے، اور اپنی طاقت و وسعت کے مطابق حکومت کے ان منکرات کو دفع کرے، اور اگر دفع کرنے کی بالکل طاقت و قدرت نہیں ہے تو پھر دل سے ناگواری کافی ہے۔ وهذا ظاهر من القواعد الشرعية.

مولانا صدر عالم

قدیم مساجد کا تاریخی اہمیت کی بنا پر محکمۂ آثار قدیمہ کے زیر نگرانی ہونے میں کوئی قباحت نہیں ہے اور نہ اس زیر نگرانی سے جو مسجد کی شرعی حیثیت پر کوئی فرق پڑتا ہے لیکن ان مساجد میں ادائیگی صلاۃ پر پابندی لگانے کا حق کسی کو یہاں تک کہ حکومت کو بھی نہیں ہے، شرعی طور پر بہت بڑا ظلم اور منکر ہے، واضح رہے کہ ازالہ منکر حسب استطاعت و قدرت فرض ہے، جس کو قدرت ہے اس کے لئے واجب ہے کہ اس پابندی کو منسوخ کرائے۔ وهذا ظاهر من القواعد الشرعية.

مولانا عطاء اللہ قاسمی

حکومت کو قدیم مساجد میں نماز کی ادائیگی سے روکنے کا حکم:

شریعت اسلامی میں تاریخ کو باقی رکھنے کے لئے مساجد کو مقفل کرنے اور نمازوں سے روکنے کی کوئی حقیقت نہیں ہے اور نہ ہی ان کو روکنا جائز ہے بلکہ مساجد تمام کی تمام خواہ قدیم ہوں یا جدید، اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہوتی ہیں، مساجد میں کسی کا کوئی حق نہیں رہتا اور نہ ہی کوئی نماز سے روک سکتا ہے، چنانچہ فقہاء کرام فرماتے ہیں:

والمسجد خالص لله تعالى سبحانه ليس لأحد فيه حق قال الله تعالى "وأن المساجد لله" مع العلم بأن كل شئ له فكان فائدة هذه الإضافة اختصاصه به وهو بانقطاع حق كل من سواه عنه (فتح القدیر ۵/۴۴۴)

اور مسجد خالص اللہ تعالیٰ کے لئے ہے اس میں کسی کا کوئی حق نہیں ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا "اور بیشک ساری مساجد اللہ کی ہیں" اس بات کو جانتے ہوئے کہ تمام چیزیں اسی کی ہیں، پس اس اضافت کا فائدہ مساجد کی خصوصیت ہے۔ اور یہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ دوسرے لوگوں سے انقطاع کے حق کو ثابت کرتا ہے۔ نیز جو لوگ نماز سے روک کر مساجد میں آثار قدیمہ کو باقی رکھنے کے لئے پابندی لگاتے ہیں وہ قرآن کریم کی اس آیت کے تحت داخل ہوں گے ایسے ہی لوگوں کے لئے آخرت میں عذاب عظیم ہوگا۔

"ومن أظلم ممن منع مساجد الله أن يذكر فيها اسمه و سعى في خرابها أولئك ما كان لهم أن يدخلوها إلا خائفين لهم في الدنيا خزي ولهم في الآخرة عذاب عظيم".

لہٰذا ارباب حل وعقد کو چاہئے کہ وہ حکومت سے مطالبات کریں کہ مسلمانوں کے جتنے شعائر اسلام ہیں ان پر سے پابندی ہٹائی جائے اور مسلمانوں کو کھلے طور سے چھوٹ دی جائے کہ وہ اپنے مذہب کے مطابق مساجد میں عبادت کریں۔

مولانا اسعد اللہ قاسمی

وہ مساجد جو محکمہ آثار قدیمہ کے تحت ہیں:

اللہ تبارک وتعالیٰ کی عبادت کے لئے جو بھی عبادت گاہیں قائم ہیں خواہ وہ مساجد کی شکل میں ہوں یا خانہ کعبہ کی شکل میں، اس میں حکم ہمیشہ ہمیش عبادت گاہ ہی کا رہے گا، ایسا نہیں ہے کہ اگر وہ منہدم ہو جائے اور اس قابل ہو جائے کہ اس میں عبادتیں نہ کی جاسکیں یا وہ غیر مسلم یا حکومت کی نذر ہو جائے تو اس کا مسجد یا کعبہ ہونے کا حکم ختم ہو جائے گا بلکہ روز قیامت تک اس کا حکم جوں کا توں برقرار رہے گا، بنابریں جو بھی مساجد محکمہ آثار قدیمہ کے تحت ہیں اور حکومت نے ان میں نماز ادا کرنے پر پابندی لگادی ہے ان کا حکم قیامت تک مسجد ہی کا رہے گا، چنانچہ علاء الدین حصکفیؒ لکھتے ہیں:

ولو خرب ما حوله واستغنى عنه يبقى مسجدا عند الإمام والثاني أبدا إلى يوم الساعة (درمختار ۳/۳۷۱)

اگر کبھی مسجد کے اردگرد کی چیز ویران ہو جائے تو بھی اس کا حکم روز قیامت تک مسجد ہی کا رہے گا، امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف کے نزدیک لأن المسجد لا یخرج عن المسجدیة أبدا (شامی ۶/۵۴۸) مسجد ہمیشہ مسجد ہی کہلائے گی۔

إذا خرب المسجد واستغنى أهله وصار بحيث لا يصلى فيه عاد ملكا لواقفه أو لورثته حتى جاز لهم أن يبيعوه.. وقيل هو مسجد أبدا وهو الأصح كذا في خزانة المفتين (ہندیہ ۲/۴۵۸)

جب مسجد ویران ہو جائے اور لوگ اس سے بے نیاز ہو جائیں اور مسجد اس قابل ہو جائے کہ اس میں نماز ادا نہ کی جائے تو وہ واقف یا اس کے ورثہ کی طرف لوٹ جائے گی یہاں تک کہ ان کے لئے جائز ہے کہ اس کو فروخت کر دیں اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ وہ ہمیشہ مسجد ہی رہے گی اور یہ قول صحیح بھی ہے۔

مسلک شافعی: أما المسجد فإنه إذا انهدم وتعذرت إعادته فإنه لا يباع بحال لإمكان الانتفاع به حالا بالصلاة في أرضه (شرح مہذب ۱۵/۳۶۲)

مسجد جب اس طرح منہدم ہو جائے کہ اس کی دوبارہ تعمیر مشکل ہو تو اس وقت بھی ایسی حالت میں فروخت نہیں کیا جائے گا اس لئے کہ اس سے نفع اٹھانا ابھی بھی ممکن ہے کہ اس کی زمین میں نماز ادا کی جائے۔

مولانا محمد ارشد قاسمی

☆☆☆☆☆

قبرستان کے تحفظ کے لئے دوکانوں کی تعمیر کے

ذریعہ حصار بندی

اس مسئلہ سے متعلق جواب دینے والے علماء کرام کے اسمائے گرامی

مولانا عبید اللہ اسعدی	مولانا خالد سیف اللہ رحمانی
مولانا عتیق احمد قاسمی	مفتی جنید عالم قاسمی
مولانا زبیر احمد قاسمی	مولانا عبد الجلیل قاسمی
مولانا نعیم الرحمن قاسمی	مفتی شبیر احمد قاسمی
مفتی نسیم احمد قاسمی	مولانا ظفر عالم ندوی
جناب شمس پیرزادہ	ڈاکٹر عبد العظیم اصلاحی
مفتی جمیل احمد نذیری	مولانا ابو سفیان مفتاحی
مفتی محبوب علی وجیہی	مولانا ظفر الاسلام اعظمی
مولانا حبیب اللہ قاسمی	مفتی فضیل الرحمن ہلال عثمانی
مفتی شکیل احمد سیتاپوری	مولانا سلطان احمد اصلاحی
مولانا مفتی محمد حنیف	مولانا محمد رضوان قاسمی
مفتی شبیر علی گجراتی	مولانا ایوب ندوی
مولانا ابوبکر قاسمی	مولانا عبد القیوم پالنپوری
مولانا تنویر عالم قاسمی	مفتی عبد الرحیم قاسمی
مولانا محمد توحید مظاہری	ڈاکٹر قدرت اللہ باقوی
مولانا عبد اللطیف پالنپوری	مولانا محمد مصطفیٰ قاسمی
مولانا خلیق الرحمن قاسمی	مولانا قمر الزماں ندوی
مولانا محمد نور القاسمی	مولانا ابرار خان ندوی
مولانا ابراہیم فلاحی بارڈولی	مولانا سمیع اللہ قاسمی
مولانا محمد صدر عالم قاسمی	مولانا عطاء اللہ قاسمی
مولانا سعد اللہ قاسمی	مولانا محمد ارشد قاسمی

صاحب بزازیہ لکھتے ہیں:

أراد القيم أن يبني في الأرض الموقوفة حوانيت ليستغلها بالإجارة ليس له ذلك لأن استغلال الأرض بالزرع إليهم إلا إذا كانت الأرض متصلة بالمصر (فتاوی بزازیہ ۶/۲۵۴)

گویا دکان بنانے کی ممانعت نہیں ہے، بلکہ دیہات وقریہ جات میں دکان بنانے کی ممانعت ہے کیونکہ وہاں اول تو ان کا کرایہ پر لگنا دشوار ہوتا ہے اور اگر کرایہ دار مل جائیں تب بھی کرایہ خاطر خواہ وصول نہیں ہو سکتا، اس لئے وہاں زراعت زیادہ فائدہ بخش ہوتی ہے، شہر میں چونکہ کرایہ دار آسانی سے اور بہتر کرایہ کے ساتھ دستیاب ہوتے ہیں اس لئے صاحب بزازیہ نے یہاں اس کی اجازت دی ہے، پس جب قبرستان کے مفاد میں ایسی دکانوں کا بنانا ہے تو یہ بھی جائز ہوگا۔

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی

قبرستان کی حفاظت کے لئے ایسا کیا جا سکتا ہے۔

مولانا عتیق احمد قاسمی

قبرستان کی حفاظت کی غرض سے کناروں میں دوکان بنانا:

جب کہ قبرستان کی چہاردیواری کے لئے قبرستان کے پاس کوئی رقم نہ ہو اور چہاردیواری نہ کرانے کی وجہ سے قبرستان غیر محفوظ ہو تو اس کے اطراف میں لوگوں سے پیشگی کرایہ کے طور پر رقم لے کر دوکانیں بنا کر ان کو کرایہ پر لگا سکتے ہیں۔ شرعاً اس کی اجازت ہوگی۔ لیکن اس کے لئے قاضی شریعت سے اجازت لینی ہوگی، قاضی شریعت سے اجازت لئے بغیر یہ کام نہیں کر سکتے ہیں۔

مفتی جنید عالم ندوی قاسمی

اگر وقف قبرستان کی حفاظت کے لئے اس کی باؤنڈری بنانا ضروری ہو جائے اور اس کے لئے رقم کا کوئی نظم نہ ہو تو قبرستان کے اطراف میں سے کچھ حصہ پر ذریعہ آمدنی کے طور پر دکان بنانے کا پروگرام بنایا جائے اور اس کے لئے پیشگی کرایہ کے نام پر کچھ لوگوں سے رقم حاصل کر کے قبرستان کی چند فٹ زمین اطراف سے لیتے ہوئے اس پر دکان بنائی جائے تو یہ جائز اور درست ہوگا، لیکن یہ ساری دکانیں وقف ہی ہوں گی اور دکانوں سے بعد میں حاصل ہونے والی آمدنیاں جب قبرستان کی ضروریات سے زائد ہو جائیں گی تو اسے ایسے مصارف خیر پر صرف کرنا بھی جائز ہوگا جس کا نفع عام مسلمانوں کو پہونچے، مثلاً قریب کے دوسرے قبرستان کی باؤنڈری بنانے اور دیگر ضروریات میں خرچ کیا جائے، یا کسی مسجد ومدرسہ کی تعمیر ومرمت یا دوسری بنیادی ضرورتوں میں لگا دیا جائے۔

قبرستان کی حفاظت کے لئے باؤنڈری بنانا ضروری ہو اور اس کے لئے وقف کے پاس سرمایہ نہ ہو تو مناسب ہوگا کہ اس کے اطراف میں دوکانوں کی تعمیر کرا دی جائے اور اس کے لئے پیشگی رقم بطور کرایہ لے لی جائے اور اس آمدنی سے قبرستان کی باؤنڈری کرا دی جائے۔ مولانا عبدالجلیل قاسمی

قبرستان چاہے قدیم و مردہ ناقابل استعمال ہو یا جدید و قابل استعمال ہو اسکے فروخت کرنے کی اجازت نہیں دی جاسکتی، البتہ اس پر غور کیا جاسکتا ہے کہ ایسے قدیم و مردہ قبرستان جن میں عرصہ دراز سے دفن موتی کا کام نہیں لیا جارہا ہے اور آئندہ یہ مصرف لئے جانے کا بظاہر امکان ہے۔ خصوصاً ایسی صورت میں جب کہ اس کا قوی امکان ہے کہ ان اراضی پر غاصبین کا قبضہ بڑھتا جارہا ہے، اور آئندہ ان کے قبضہ کو ہٹانا ناممکن ہے یا بے حد دشوار ہے اور ان مقابر کے ختم ہوجانے ہی کا خدشہ یقینی ہے تو فقہاء احناف کے مشائخ متاخرین شمس الائمہ حلوانی اور امام شجاع کے اقوال سے استیناس کرتے ہوئے، اور زیلعی کے اس قول کے پیش نظر کہ جب قبر میں میت کی نعش بوسیدہ ہوکر مٹی میں مل جائے تو اس پر کھیتی کی جاسکتی ہے اور مکان بنایا جاسکتا ہے۔ فقہاء ہند میں مفتی کفایت اللہ دہلویؒ، مفتی نظام الدین صاحب۔ مفتی دارالعلوم دیوبند، حضرت مولانا قاضی مجاہدالاسلام قاسمی صاحب وغیرہ نے ایسے قدیمی ناقابل استعمال اور خطرہ غصب سے گھری ہوئی اراضی قبرستان میں مسجد و مکانات بنانے کی اجازت دی ہے۔

حضرت مفتی کفایت اللہ دہلوی لکھتے ہیں:

اگر یہ قبرستان زمین موقوفہ میں تھا جو دفن اموات کے لئے وقف تھی اسکو کسی دوسرے کام میں لانا جائز نہیں۔ ہاں اگر اس میں دفن اموات کی اجازت نہ رہی ہو تو جب کہ مردوں کے جسم مٹی ہوجانے کا گمان غالب ہوجائے اس وقت اس زمین کو کھیت یا باغ بناکر اس کی آمدنی کو کسی دوسرے قبرستان کے ضروری مصارف میں صرف کیا جائے گا، اور اگر زمین وقف نہ ہو بلکہ مملوک ہو تو مالک آمدنی کو اپنے صرفہ میں لاسکتا ہے (کفایت المفتی ۷/۱۴۳)۔

حضرت مولانا مفتی نظام الدین صاحب لکھتے ہیں:

ہاں جو موقوفہ قبرستان اس حالت میں پہنچ گیا ہو کہ اس میں تدفین موقوف ہوگئی اور آئندہ اس کی توقع بھی نہ ہو کہ تدفین ہوگی بلکہ اسکے ضائع ہونے کا قوی خطرہ ہوگیا ہو تو اسکے اور اسکے واقف کے منشاء کے تحفظ و بقا کے لئے جو مناسب صورت ہو اختیار کرنا ضروری ہے، مثلاً یہ کہ اسکو چہار دیواری سے محفوظ کرکے اس میں کل کے اندر باغ لگا کر یا مثلاً اسکے حواشی پر بیرون رخی دکانیں بنا کر اور اندر باغ لگا کر اس کی آمدنی دوسرے محتاج اعانت قبرستان پر خرچ کی جائے، اور اگر دوسرا قبرستان محتاج اعانت نہ ہو تو اس کی آمدنی دینی مدارس پر خرچ کی جائے یا اس میں مسجد تعمیر کردی جائے یا دینی مدرسہ قائم کردیا جائے (نظام الفتاوی ۱/۱۷۴-۱۷۵)

حضرت مولانا قاضی مجاہدالاسلام صاحب لکھتے ہیں: پس ہنجاب وغیرہ کی صورت حال جہاں سرے سے ان قبرستانوں کے ختم ہوجانے کا اندیشہ ہی یقینی ہے ایسے مجتہد فیہ مسائل میں کسی ایک پہلو پر اصرار جس سے دین کے عام مصالح مجروح ہوتے ہوں صحیح نہیں معلوم ہوتے۔

لہذا ایسے قدیم مقابر جو عرصے سے غیر آباد ہیں اور آئندہ بھی ان کے آباد ہونے کی توقع نہیں ان پر عمارتیں بنا کر کرایہ پر لگائی جاسکتی ہیں، اور ان اراضی کو لیز پر بھی دیا جاسکتا ہے، تاکہ اصل اراضی وقف کی حیثیت سے باقی رہ سکے اور اس سے آمدنی حاصل ہوتی رہے۔

اور اس طرح کی آمدنی کو اوقاف دیگر مقاصد کے تحفظ یا ایسے شہروں و آبادیوں کے لئے قبرستان کی اراضی حاصل کرنے پر خرچ کرنا چاہئے جہاں قبرستان کی ضرورت ہے، اگر اس طرح کے مدات پر خرچ کے بعد رقم بچ جائے تو اسے مدارس، مسافرخانوں، نادار بچوں کی تعلیم میں اور دوسرے رفاہی کاموں پر خرچ کیا جا سکتا ہے (بحث ونظر جلد ۲ شمارہ ۱۰۴۔۱۰۵)

اس بحث سے مقابر و مساجد کے علاوہ دیگر اوقاف مثلاً خانقاہ، سرائے وغیرہ جو ویران ہو گئے ہیں اور ان کی اراضی موجود ہوں اور ان کے مصرف کا انقطاع ہو تو حسب ضرورت دینی مصلحت شرعی قاضی کی اجازت سے مدارس وغیرہ ان میں قائم کئے جا سکتے ہیں، احکام شرع سے واقف و دقیق النظر علماء پر یہ مخفی نہیں ہے کہ مساجد و مقابر کے علاوہ دیگر اوقاف کے احکام قدرے مختلف ہوتے ہیں۔

مولانا انیس الرحمن قاسمی

قبرستان کے کنارے دوکان بنا کر کرایہ پر دینا اور فاضل آمدنی کا حکم:

قبرستان اگر بائونڈری کے بغیر محفوظ رہتا ہے تو اس زمین پر دوکانیں بنانا جائز نہ ہوگا بلکہ پوری زمین قبرستان ہی کے استعمال میں رہنا ضروری ہے اور یہاں آمدنی بڑھانے کی کوئی ضرورت نہیں۔ ہاں البتہ اگر بائونڈری کے بغیر قبرستان کی حفاظت بہت دشوار ہے، لوگوں کے آہستہ آہستہ قبضہ کر لینے کا خطرہ ہے، اور قبرستان کے پاس اتنی رقم نہیں ہے کہ جس سے چہار دیواری کا نظم ہو سکے تو ایسی صورت میں اس کی گنجائش ہے کہ کنارے پر دوکانیں بنا کر کرایہ پر دیا جائے اور کرایہ دار سے پیشگی رقم اس شرط کے ساتھ لینا جائز ہے کہ یہ رقم آئندہ کرایہ میں مجری ہوتی رہے گی۔

وإذا أراد أن يبني فيها بيوتا يستغلها بالإجارة إن كانت أرض الوقف متصلة بيوت المصر ترغب في استيجار بيوتها وتكون غلة ذلك فوق غلة الأرض والنخيل كان له ذلك (تاتارخانیہ ۵/۷۲۶)

اور جب وقف کی زمین میں مکانات بنوا کر آمدنی کے لئے کرایہ پر دینے کا ارادہ ہو تو اگر وقف کی زمین آبادی سے متصل ہے اور لوگ اس کے مکانات کو کرایہ پر لینے کے خواہش مند ہو سکتے ہیں اور زمین اور باغ کی آمدنی سے ان مکانات کی آمدنی زیادہ ہو سکتی ہے تو مکانات بنا کر کرایہ پر دینا جائز ہے، اور اس کی فاضل آمدنی دوسرے قبرستان میں خرچ کرنا اور مسجد، مدرسہ اور دوسرے قبرستان وغیرہ تک بڑھانے اور غیر مستطیع دینی طلبہ اور نادار فقراء میں تقسیم کرنے کی گنجائش ہے (کفایت المفتی ۷/۳۰۲) نیز ویران اور مستعمل قبرستان میں فرق ہے کہ مستعمل قبرستان کو اپنی جگہ باقی رکھنا لازم ہے، اس کا تبادلہ جائز نہیں ہے اور ویران قبرستان کا تبادلہ جائز ہے۔

مفتی شبیر احمد قاسمی

حفاظت کی غرض سے اطراف قبرستان دکان کی تعمیر:

قبرستان کی حفاظت کے لئے جب کہ باؤنڈری اور چہار دیواری بنانے کا کوئی ذریعہ نہ ہو اور چہار دیواری نہ کرانے کی وجہ سے قبرستان غیر محفوظ ہو تو اس کے اطراف و جوار میں لوگوں سے پیشگی کرایہ کے طور پر رقم لے کر دکانوں کی تعمیر اور ان کو کرایہ پر لگانے کی شرعاً اجازت ہوگی، البتہ اس کے لئے قاضی شریعت کی اجازت ضروری ہوگی، اور دکانوں سے حاصل ہونے والی آمدنی ضروریات قبرستان میں صرف کی جائے گی، فاضل آمدنی کو دوسری قبرستانوں کی ضروریات پر "الاقرب فالاقرب" کی ترتیب سے صرف کرنا ضروری ہوگا۔

مفتی نسیم احمد قاسمی

قبرستان کی حفاظت کی غرض سے اگر ایسا کیا گیا ہے تو شرعاً اس کی گنجائش ہے، بعد میں اس کی زائد آمدنی دوسرے قبرستانوں پر صرف کی جاسکتی ہے۔

مولانا ظفر عالم ندوی

قبرستان میں جن کے مردے دفن ہوتے ہیں ان کی یہ ذمہ داری ہے کہ فنڈ جمع کر کے قبرستان کے لئے باؤنڈری بنادیں اور یہ کام کسی وقف کی فاضل آمدنی سے بشرطیکہ وہ واقف کے مقصد کے خلاف نہ ہو کیا جاسکتا ہے۔
قبرستان تو آخرت کو یاد دلانے والی جگہ ہے اور دوکانیں دنیا کو یاد دلانے والی، اس لئے قبرستان کے احاطہ میں دوکانوں کی تعمیر کسی طرح صحیح نہیں۔

مولانا شمس پیرزادہ

بہتر ہوگا کہ جن کے مردے وہاں دفن ہوتے ہیں ان سے خصوصاً اور عام مسلمانوں سے عموماً چندے اور عطیات حاصل کر کے اس کی باؤنڈری کرادی جائے، لیکن یہ نہ ہو سکے اور حفاظت کا مسئلہ سنگین ہو جائے تو مذکورہ صورت اپنائی جاسکتی ہے۔

مولانا عبد العظیم اصلاحی

جائز ہے بشرطیکہ اگر قبریں دوکانوں میں جائیں تو وہ پرانی قبریں ہوں جن کے نشانات بالکل ختم ہو چکے ہوں (رد المحتار ۱/۶۶۲)
فاضل آمدنی مناسب مصارف خیر میں لگانے کے متعلق عینی کی عبارت جس کا بار بار تذکرہ آچکا ہے، نظیر بنائی جاسکتی ہے۔

مولانا جمیل احمد نذیری

صورت مسئولہ میں قبرستان کی حفاظت کے لئے اطراف قبرستان میں جب کہ وہاں قبروں کے نشانات نہ ہوں دکان کی تعمیر کرنا درست ہے، اور تعمیر کے لئے سرمایہ نہ ہونے کی صورت میں پیشگی کرایہ کے طور پر لینا جائز ہے اور اس کے ذریعہ تعمیر کا یہ کام کرایا جاسکتا ہے اور دکانوں کی تعمیر کے سلسلے میں قبرستان کے اطراف کا چند فٹ جس پر قبریں

نہیں ہیں یا قبریں تھیں لیکن قدیم ہونے کی وجہ سے قبروں کے نشانات مٹ چکے ہیں تو یہ درست ہوگا، چنانچہ ملک العلماء امام کاسانی لکھتے ہیں:

فإن امتنع من العمارة ولم يقدر عليها بأن كان فقيراً آجرها القاضي وعمرها بالأجرة لأن استبقاء الوقف واجب لا يبقى إلا بالعمارة (بدائع الصنائع ۶/۲۲۳)

اور فتاویٰ ہندیہ میں ہے: ولو كانت الأرض متصلة ببيوت المصر يرغب الناس في استيجار بيوتها وتكون غلة ذلك فوق غلة الزرع والنخيل كان للقيم أن يبني فيها بيوتاً فيؤاجرها بخلاف ما إذا كانت الأرض الموقوفة بعيدة من بيوت المصر فإن ثمة لا يكون للقيم أن يبني فيها بيوتا يؤاجرها (۲/۴۱۳)۔

اور فتاویٰ خانیہ میں ہے: أرض لأهل قرية جعلوها مقبرة وأقبروا فيها ثم إن واحدا من أهل القرية بنى فيها بناء لوضع اللبن وآلات القبر وأجلس فيها من يحفظ المتاع بغير رضا أهل القرية أو رضا بعضهم بذلك قالوا إن كان في المقبرة سعة بحيث لا يحتاج إلى ذلك المكان فلا بأس به، وبعد ما بنى لو احتاجوا إلى ذلك المكان رفع البناء حتى يقبر فيه (۳/۴۱۳) (فتاویٰ ہندیہ ۲/۴۶۷)

فاضل آمدنی مصارف وقف سے زائد ہو اور اس کے مماثل کوئی مصرف نہ ہو تو فقراء پر تقسیم کر سکتے ہیں، چنانچہ شرح وقایہ میں ہے: إذا انقطع صرف إلى الفقراء (۲/۴۵۳)

خلاصہ کلام: یہ ہے کہ اطراف قبرستان میں جب کہ قبروں کے نشانات نہ ہوں تو دوکانوں کی تعمیر کرنا درست ہے اور اس کے لئے سرمایہ نہ ہونے کی صورت میں پیشگی کرایہ کے طور پر لینا جائز ہے اور تعمیر میں چندفٹ قبرستان کا چلا جانا جب کہ قبروں کے نشانات نہ ہوں تو درست ہے اور فاضل آمدنی مماثل وقف میں، ورنہ فقراء پر تقسیم کر دیا جانا جائز ہے۔ واللہ اعلم۔

مولانا ابو سفیان مفتاحی

اگر چندفٹ زمین لینے سے مقاصد وقف پر کوئی اثر نہیں پڑتا اور نہ اس جگہ پر قبروں کا نشان ہے تو حفاظت قبرستان اور مصارف قبرستان کے لئے دوکانیں بنانا جائز ہے اور کرائے دار ان سے پیشگی کرایہ لینا بھی جائز ہے۔

اور ان دوکانوں سے حاصل ہونے والی آمدنی پہلے قبرستان کی دیکھ ریکھ اور تدفین کی سہولیات بڑھانے میں خرچ کی جائے، اس کے بعد جو رقم بچے وہ دوکار خیر میں خرچ کی جاسکتی ہے، لیکن اس میں غیر محفوظ قبرستانوں کی حد بندی اور حفاظت کو اولیت دی جائے۔

مفتی محبوب علی وجیہی

ہاں فتاویٰ وکتب فقہ سے اس کی اجازت معلوم ہوتی ہے اور اس کا حکم اس جزیہ پر قیاس کرکے معلوم کیا جاسکتا ہے۔

ان يبنى فيها بيوتا فيواجرها لأن الاستغلال بهذا الوجه يكون أنفع للفقراء (بحر ۵/۲۱۶)

دوسری دلیل: وبنى حانا واحتاج إلى المرمة روى عن محمد أنه يعزل منه بيت أو بيتان فتواجر و ينفق من غلتها عليه و عنه رواية أخرى إجارة الكل سنة ويرم منها قال الناطفي قياسه في المسجد أن يجوز إجارة سطحه لمرمته كذا في الظهيرية (بحر ۵/۲۱۶) (ہندیہ ۲/۹۹۹) میں بھی یہی مرقوم ہے۔

نیز ایک اور جزئیہ ہے جس پر مسجد کی زائد از ضرورت زمین پر راستہ بنانے کی گنجائش نکلتی ہے، اسی پر قیاس کرتے ہوئے ایسی زمین پر علمی یا رفاہی ادارے بھی قائم کئے جاسکتے ہیں۔

"نقل عن العناية عن خواهر زاده إذا كان الطريق ضيقا والمسجد واسعا لايحتاجون إلى بعضه تجوز الزيادة في الطريق من المسجد لأن كلها للعامة" (ردالمحتار ۳/۵۴۰، بحرالرائق ۵/۲۴۰)

درمختار کی کتاب الوقف کی عبارت " وإذا جعل تحته سردابا لمصالح جاز الخ" کے تحت حضرت تھانوی لکھتے ہیں کہ "اصل تو یہ ضرورت ہے، چنانچہ ہدایہ میں صاحبین سے بغداد اور رے میں داخل ہونے کے وقت اجازت کی ایک روایت اس کی شاہد ہے (امداد الفتاوی ۲/۶۸۳) چنانچہ جب مسجد کی زمین کو مصالح کے تحت رفاہ عامہ میں استعمال کیا جاسکتا ہے تو قبرستان کی حفاظت کے لئے اس کی باؤنڈری کی تعمیر کی غرض سے کچھ زمین کے نکل جانے کی گنجائش معلوم ہوتی ہے۔

حکیم الامت حضرت تھانوی کا ایک استفتاء ہے جس میں انہوں نے معطل قبرستان میں انجمن اسلام کی تعمیر کی اجازت دی ہے اور علت یہ بیان کی کہ دونوں میں اشتراک علت ہے اس لئے انجمن کا مکان وقتی نفع عام کے لئے اس مقبرہ کی جگہ بنانا درست ہے۔ بحرالرائق (۵/۲۴۰) پر بھی ایک جزئیہ سے اس کی تائید ہوتی ہے: "قال في الهداية وإن تعذر إعادة عينه إلى موضعه بيع و صرف ثمنه إلى المرمة صرفا للبدل إلى مصرف المبدل"۔

مولانا ظفر الاسلام اعظمی

قبرستان کی حفاظت کی اگر کوئی دوسری شکل نہ ہو تو مذکورہ شکل اختیار کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہونا چاہئے لیکن پہلے کوشش یہ کی جائے کہ مسلمانوں سے چندہ وصول کرکے قبرستان کی باؤنڈری مکمل ہوجائے۔ واللہ تعالی اعلم۔

مفتی حبیب اللہ قاسمی

قبرستان میں دوکانیں بنانے کی اجازت نہیں ہے۔

مفتی فضیل الرحمن ہلال عثمانی

قبرستان کی حفاظت کے لئے قبرستان کا کچھ حصہ دوکانوں میں چلا جائے تو یہ قبرستان ہی کا ایک مصرف ہوا،

راقم کے علم میں ایسے قبرستان ہیں جو لب سڑک واقع ہیں اور دن ادبار ہامیونسپلٹی نے وہاں جبراً دوکانیں بنا دیں اور مسلمان دیکھتے رہ گئے لہذا اس طرح کے خطرات سے بچنے کے لئے باؤنڈری بھی تعمیر کی جاسکتی ہے اور دوکانیں بھی بنوائی جاسکتی ہیں، لیکن اس آمدنی سے دوسری جگہ مزید قبرستان کے لئے زمین خریدی جاسکتی ہے، دیگر مصارف خیر میں نہیں لگایا جاسکتا۔

مفتی شکیل احمد سیتاپوری

ہاں یہ درست ہے، اس طرح قبرستان کے اطراف دوکانیں بنوائی جاسکتی ہیں۔

مولانا سلطان احمد اصلاحی

قبرستان کی حفاظت کے لئے اس کے کنارے دوکانیں بنوانا جائز ہے، اور اس کی آمدنی دینی رفاہی کاموں میں استعمال کیا جائے۔

مولانا مفتی محمد حنیف

قبرستان کا احاطہ اور اس کے ساتھ دکانوں کی تعمیر:

اس صورت میں جہاں قبرستان کی حفاظت ہوگی، وہیں یہ آمدنی کا بہترین ذریعہ بھی ہوگا، ایسی صورت میں فقہاء نے اجارہ تک کو جائز قرار دیا ہے لہذا اس کی صورت تو بدرجہ اولی جائز ہوگی، جیسا کہ علامہ شامی نے مسافر خانہ وغیرہ کی مرمت کے لئے اس کے بعض حصہ کو کرایہ پر لگانے کی اجازت دی ہے (رد المحتار ۶/۳ ۵۷) اس سلسلہ میں علامہ ابن نجیم کی یہ عبارت بڑی واضح ہے:

لو بنى رجل بيتا في المقبرة لحفظ اللبن ونحوه إن كان في الأرض سعة جاز وإن لم يرض بذلك أهل المقبرة (البحر الرائق ۵/۲۰۵)۔

اگر کسی شخص نے قبرستان میں اس کی اینٹ وغیرہ کی حفاظت کے لئے مکان بنایا اور قبرستان میں گنجائش بھی ہے تو اگرچہ اہل قبرستان راضی نہ ہوں پھر بھی ایسا کرنا جائز ہے۔

مولانا محمد رضوان قاسمی

اگر قبرستان میں عمل تدفین جاری ہو تو قبرستان کی حفاظت کے لئے کنارے پر دوکانیں اس صورت میں بنائی جاسکتی ہیں جب کہ قبرستان اتنا وسیع ہو کہ جس جگہ پر دوکانیں بنائی جارہی ہوں تو اس جگہ کی فی الحال عمل تدفین کے لئے ضرورت نہ ہو نہ آئندہ اس کی ضرورت کی توقع ہو۔

اولاً باؤنڈری بنانے کی کوشش کی جائے، خود مسلمان آپس میں چندہ کرکے یا اصحاب خیر کی طرف رجوع کرکے ان کو اس کار خیر کی طرف متوجہ کیا جائے، اور اگر اس طرح بھی ممکن نہ ہو سکے تو پھر دفن اموات کے جاری ہونے کی صورت میں وہ زمین جس میں فی الحال تدفین ہو رہی ہو اور نہ آئندہ متوقع ہو دوکانوں کو تعمیر کر سکتے ہیں کیونکہ یہ قبرستان ہی کی ملک ہے، اور فاضل آمدنی کو محتاج اقرب الناس پر صرف کیا جائے گا۔

درمختار میں ہے: (ومثله) حشيش المسجد و حصيره مع الاستغناء عنهما، وكذا الرباط والبئر إذا لم ينتفع بهما فيصرف وقف المسجد والرباط والبئر والحوض إلى أقرب مسجد أو رباط أو بئر أو حوض إليه الخ، قال الشامي لف و نشر مرتب و ظاهره أنه لا يجوز صرف وقف مسجد خرب إلى حوض و عكسه وفي شرح الملتقى يصرف وقفها لأقرب مجانس لها (شامی ۴/۳۵۹)۔

مفتی شیر علی گجراتی

اگر قبرستان ضرورت سے زائد ہو تو جائز ہے۔

مولانا ایوب ندوی

قبرستان کے اطراف میں اس کی حد بندی کی غرض سے دوکان تعمیر کرا کر کرایہ پر دینا:

قبرستان کی حفاظت کے لئے جب کہ اس کی حد بندی واحاطہ (باؤنڈری) بنانے کا کوئی ذریعہ نہ ہو، اگر اس کے اطراف میں دوکانوں کی تعمیر کرادی جائے، جس کے لئے بطور کرایہ کے پیشگی رقم لے لی جائے، اور اس رقم سے یہ کام کرایا جائے تو شرعاً ایسا کرنا جائز ہے، اگرچہ ایسا کرنے سے قبرستان کا چند فٹ حصہ دوکانوں میں چلا جائے گا، اور اس قبرستان کے متولی کو چاہئے کہ بعد میں جو فاضل آمدنی ہو اسے مناسب مصارف خیر میں صرف کردے۔ (بحث ونظر شمارہ ۲۱ ص ۱۰۵، جلد ۹)

قال في الهندية وإذا أراد القيم أن يبني فيها قرية ليكثر أهلها و حفاظها ويحرث فيها الغلة لحاجته إلى ذلك كان له أن يفعل ذلك وهذا كان الخان الموقوف على الفقراء إذا احتيج فيه إلى خادم يكسح الخان ويفتح الباب ويسده فيسلم المتولي بيتا من بيوته إلى رجل بطريق الأجرة له ليقوم بذلك فهو جائز كذا في الظهيرية (فتاوی عالمگیری ۲/۲۱۳)

مولانا ابوبکر قاسمی

قبرستان کی چہار دیواری اور باؤنڈری بنانے کے لئے کوئی آمدنی نہیں ہے تو قبرستان کی حفاظت کے لئے اس کے اطراف میں پیشگی کرایہ لے کر حسب ضرورت دوکانوں کی تعمیر کی گنجائش ہے کہ جس کے کرایہ سے چہار دیواری بنائی جاسکے، اور بقیہ آمدنی قبرستان کی ضروریات میں صرف کی جائے، حضرت مفتی محمود صاحب تحریر فرماتے ہیں: اگر قبرستان کے چہار طرف دوکانیں تعمیر کرکے ان کو کرایہ پر اٹھا دیا جائے اور کرایہ سے قبرستان کے مصارف پورے کئے جائیں تو اس کی گنجائش ہے جب کہ ان تعمیرات سے قبرستان میں تنگی واقع نہ ہو۔ سب کام باہمی مشورہ اور اتفاق سے کیا جائے (فتاوی محمودیہ ۱۵/۳۰۲)

مولانا عبد القیوم پالنپوری

اوقاف کی حفاظت اور اس کا اپنے مصرف میں استعمال ہونا دونوں شریعت میں اہم اور مقصود اصلی ہے، ایسا

قبرستان جو باؤنڈری نہ ہونے کی وجہ سے غیر محفوظ ہے، اس کی حرمت پامال اور ضائع ہو رہی ہے، نیز اندیشہ ہے کہ اس پر قبرستان سے متصل مالک زمین آہستہ آہستہ قبضہ بڑھاتا چلا جائے، موجودہ صورتحال میں قبرستان کی حفاظت کے لئے (جب کہ باؤنڈری بنانے کا کوئی ذریعہ نہ ہو) اس کے اطراف میں دوکانوں کی تعمیر کرادی جائے جس کے لئے پیشگی کرایہ کے طور لے لی جائے اور اس سے کام کرایا جائے جس میں قبرستان کے اطراف کا چند فٹ دوکانوں میں چلا جائے تو یہ طریقہ حفاظت درست ہے، لیکن یہ دوکانیں وقف کی ہوں گی، اس سے حاصل شدہ آمدنی اس کی ضروریات میں صرف ہوں گی، اور زائد آمدنی اسی نوع کی ضروریات میں استعمال ہوں گی۔

مولانا تنویر عالم قاسمی

قبرستان کی حفاظت کے لئے صرف باؤنڈری بنانے کا کوئی ذریعہ نہ ہو تو اس کے اطراف میں جہاں قبریں نئی نہ ہوں دوکانوں کی تعمیر کرنا جائز ہے۔

قال الزيلعي إن الميت إذا بلي وصار ترابا جاز زرعه والبناء عليه (فتاوی عالمگیری ۴؍۷۱ا)۔

پیشگی کرایہ کے طور پر رقم لے کر اس سے قبرستان کے اطراف میں اندرونی قبروں کی حفاظت کے لئے دکانیں بنانا جائز ہے۔

مفتی عبد الرحیم بھوپالی

قبرستان کی باؤنڈری عند الشرع مطلوب نہیں ہے اور صرف باؤنڈری کرانے کے لئے مقاصد وقف کے خلاف کام کرنا پڑتا ہے جو شرعاً جائز نہیں ہے۔

البتہ قبرستان پر غاصبانہ قبضہ ہو رہا ہو یا بیجا تصرف ہو رہا ہو یا خطرہ لاحق ہو تو ان امور سے حفاظت کے لئے باؤنڈری دیدی ہو تو دوکان بنائی جائے جب کہ کوئی نئی قبر ان دوکانوں میں نہ آئے اور اس کی آمدنی قبرستان کے مقاصد میں خرچ کیا جائے۔

حکومت وقت کو زندوں سے زیادہ مردوں کی حفاظت کی فکر ہے اس لئے مرکزی حکومت نے تمام قبرستانوں کی باؤنڈری کا قانون وضع کیا ہے اس لئے اس سے استفادہ کرتے ہوئے اس اسکیم سے باؤنڈری کرالی جائے، ان ممنوعات کے ارتکاب کی چنداں کوشش نہ کی جائے۔

مولانا نذر توحید مظاہری

قبرستان کی حفاظت کے لئے احاطہ بندی کے طور پر چند فٹ جگہ پر دوکانیں بنا کر اس کی حفاظت کرنا آج کل بہت ضروری ہے اس کی آمدنی مصارف خیر میں لگائی جاسکتی ہے۔

ڈاکٹر قدرت اللہ باقوی

قبرستان کی حفاظت کے لئے جب کہ باؤنڈری بنانے کا کوئی ذریعہ نہ ہو تو اس کے اطراف میں دوکانوں

کی تعمیر کر کے پیشگی کرایہ لینا اور اس کے ذریعہ باؤنڈری کا انتظام کرنا جائز ہے، اس کا خیال رہے کہ قبرستان کی چند فٹ جگہ جو دوکانوں کی تعمیر میں لی جائے اس میں کوئی تازہ قبر نہ ہو، نیز بعد میں فاضل آمدنی کو ایسی قبرستان کی ضرورت کے لئے محفوظ رکھا جائے اور اگر ضائع ہونے کا خطرہ ہو تو کسی دوسرے قریبی قبرستان کی حفاظت میں صرف کیا جائے۔

ولو بلی المیت و صار ترابا جاز دفن غیرہ فی قبرہ و زرعہ والبناء علیہ (شامی ۱/۵۹۹)

مولانا عبد اللطیف پالنپوری

قبرستان کی حفاظت کے لئے جب کہ صرف باؤنڈری بنانے کا کوئی ذریعہ نہ ہو، اس کے اطراف میں دکانوں کی تعمیر کرادی جائے جس کے لئے پیشگی کرایہ کے طور پر رقم لی جائے اور اس سے یہ کام کرایا جائے جس میں قبرستان کے اطراف کا چند فٹ دکانوں میں چلا جائے گا، کیا یہ درست ہوگا؟ شرعی نقطۂ نظر سے اوقاف کے مفاد کے مد نظر چند فٹ قبرستان کا حصہ لے کر دکان بنادی جائے اور اس کے ساتھ ساتھ اس کی احاطہ بندی بھی ہو جائے گی تو بلاشبہ جائز ہے اور بعد میں فاضل آمدنی کو مناسب مصارف خیر میں لگادی جائے۔

وقال الزیلعی: ولو بلی المیت وصار ترابا جاز دفن غیرہ فی قبرہ و زرعہ والبناء علیہ (فقہ المشکلات ۲۳۰، رد المحتار ۱/۵۹۹، فتاوی ہندیہ ۱/۱۶۷)

حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ دہلوی علیہ الرحمہ سوال کے جواب نمبر (۱۱۵) میں رقمطراز ہیں:

مقبرہ کی فارغ زمین میں ایسے طور پر درخت لگانا کہ اصل غرض یعنی دفن اموات میں نقصان نہ آئے جائز ہے، ان درختوں کے پھلوں کی بیع جائز ہوگی اور پھلوں کی قیمت قبرستان کے کام میں لائی جائے گی، جواز کے لئے یہ شرط بھی ہے کہ درخت لگانے، ان کی حفاظت کرنے، پھلوں کے توڑنے، اور اس کے متعلقہ کاموں میں قبروں کا روندا جانا اور پامال ہونا نہ پایا جائے۔

درختوں کے لگانے میں قبرستان کا روپیہ خرچ کرنا جب کہ اس سے تجربہ کی بناء پر نفع کی امید ہے جائز ہے (کفایت المفتی ۷/۱۲۱)

مولانا محمد مصطفی قاسمی

قبرستان کی حفاظت کے لئے جب کہ باؤنڈری بنانے کا کوئی ذریعہ نہ ہو اس کے اطراف میں دوکانوں کی تعمیر کرادی جائے جس کے لئے پیشگی کرایہ کے طور پر رقم لے لی جائے اور اس سے یہ کام کرایا جائے جس میں قبرستان کے اطراف کا چند فٹ دوکانوں میں چلا جائے گا تو اس میں کوئی حرج نہیں کیونکہ یہ سب قبرستان کی حفاظت کے لئے کئے جارہے ہیں، اور یہ تو ایسی صورت ہے کہ قبرستان کے تنگ ہونے کی صورت میں تو زمین بھی دیا جا سکتا ہے، اور وقف کی درستگی کے لئے دوسرے ذرائع نہ ہونے کے سبب بعض حصہ کو فروخت کیا جا سکتا ہے تو مذکورہ صورت تو بدرجہ اولی جائز اور درست ہوگی۔ باقی باؤنڈری بن جانے کے بعد دوکان کی جو فاضل آمدنی ہے وہ قبرستان ہی کے مصارف میں خرچ کئے جاویں گے اور اگر اس قبرستان کو ضرورت نہیں تو دوسرے قبرستان پر صرف کیا جائے گا، تفصیل سابق میں گزر چکی ہے۔

مولانا اخلاق الرحمن قاسمی

قبرستان کی حفاظت کے لئے جب کہ صرف باؤنڈری بنانے کا کوئی ذریعہ نہ ہو اس کے اطراف میں دکان کی تعمیر کرنا اور پیشگی کرایہ کے طور پر رقم لے کر اس کام کو کرانا درست ہے، کیوں کہ اس صورت میں قبرستان کی حفاظت بھی ہو جائیگی اور زمین چندفٹ ہی دکانوں میں جائے گی، اب جو فاضل آمدنی ہوگی اس کو قبرستان کے دیگر مصارف یا اگر اس سے بہت زیادہ ہو تو دوسرے کار خیر میں صرف کیا جاسکتا ہے، مفتی نظام الدین صاحب نظام الفتاوی میں لکھتے ہیں:

''کہ اگر وہ زمین جس میں چوحدی قائم کی جارہی ہے وہ تدفین کی ضرورت سے زیادہ ہو اور آئندہ ضرورت متوقع نہ ہو تو اس صورت میں حواشی پر دکان بنا کر قبرستان کی حفاظت کر سکتے ہیں اور اس کی آمدنی جو قبرستان کی ضرورت سے فاضل ہو اسکو دیگر دینی کاموں میں بہ سبیل مناسب اور باقاعدہ دیانۃ خرچ کر سکتے ہیں۔ (نظام الفتاوی ۱/۱۹۷)

مولانا قمر الزماں ندوی

قبرستان کی حفاظت کے لئے دوکانوں کی تعمیر:

قبرستان کی حفاظت کے لئے جس اقدام کی ضرورت ہو وہ عمل میں لانا ضروری ہے، اس میں تساہل دکاہلی اور لاپرواہی سے کام لینا قطعاً جائز نہیں، مثلاً اسکو چہار دیواری سے گھیر دینا چاہئے اگر چہار دیواری بنانے کا کوئی ذریعہ نہ ہو تو کم سے کم کانٹے دار تار وغیرہ سے ہی سہی اسے محفوظ کرنے کی کوشش کرنی چاہئے اور اگر تار سے کام نہ چلتا ہو اور چہار دیواری کے بنانے کا بھی کوئی ذریعہ نہ ہو، اور حکومت یا دیگر شر پسند لوگوں کی طرف سے قبضہ کا خطرہ ہو تو اس قبرستان کے اطراف بیرون رخی دوکانیں تعمیر کرادی جائیں، جس کے لئے پیشگی کرایہ کے طور پر رقم لے لی جائے اور اس سے کام کرایا جائے، ایسا کرنے میں کوئی حرج معلوم نہیں ہوتا، گو اس کام میں قبرستان کے اطراف چندفٹ زمین دوکانوں میں چلی جائے گی اس لئے کہ اس قبرستان کی حفاظت کے لئے اور کوئی دوسری سبیل نظر نہیں آتی، بعد میں ان دوکانوں کی آمدنی اسی قبرستان کے مصارف میں خرچ کئے جائیں اور فاضل آمدنی دوسرے محتاج اعانت قبرستان یا دینی مدارس پر صرف کیا جائے یا مسجد اور مدرسہ کی تعمیر کردی جائے، یا دیگر مصارف خیر میں صرف کیا جائے۔ واللہ اعلم۔

مولانا محمد نور القاسمی

اطراف قبرستان دوکانیں تعمیر کرنا:

قبرستان کی حفاظت وصیانت کی خاطر باؤنڈری بنانا درست ہے لیکن اگر باؤنڈری کے بجائے اس کے اطراف دوکانوں کی تعمیر کرنا اور اس کے لئے قبرستان کی زمین استعمال کرنا پڑے تو ایسی شکل میں اگر زمین میں تدفین کی ضرورت نہ ہو اور نہ آئندہ ضرورت پڑنے کا امکان ہو تو اس پر دوکانوں کی تعمیر کرنا جائز ہے۔

مفتی نظام الدین صاحب اعظمی ایک استفتاء کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں:

''وہ خالی زمین اگر اس درجہ میں ہو کہ نہ تو اس وقت تدفین کی ضرورت ہے اور نہ آئندہ ضرورت متوقع ہے تو اس صورت میں حواشی پر دوکانیں بنا کر چوحدی قبرستان بھی محفوظ کر سکتے ہیں اور اس کی آمدنی جو قبرستان کی ضرورت

سے فاضل ہواس کو مذکورہ دینی کاموں (یعنی مدرسہ، یتیموں، بیواؤں، غرباء) میں بھی بہ شکل مناسب اور بقاعدہ دیانت خرچ کر سکتے ہیں، ورنہ کوئی صورت جواز کی نہ ہوگی'' (نظام الفتاوی ۱؍۱۶۷)

مولانا ابرار خان ندوی

قبرستان کی حفاظت کے لئے باؤنڈری بنانے کا کوئی ذریعہ نہ ہو اور یہ شکل اختیار کی جائے کہ اس کے اطراف میں دوکانوں کی تعمیر کرادی جائے جس کے لئے پیشگی کرایہ کے طور پر رقم لے لی جائے اور اس رقم سے یہ کام کرایا جائے جس میں قبرستان کے اطراف کا چند فٹ حصہ دوکانوں میں چلا جائے گا تو کیا ایسا کرنا درست ہے؟ اور بعد میں فاضل آمدنی مصارف خیر میں لگادی جائے، تو اس کا حکم یہ ہے کہ قبرستان کے اطراف کا جو حصہ دوکان بنانے میں جا رہا ہے اس کی نہ تو فی الحال ضرورت ہے اور نہ تو آئندہ ضرورت متوقع ہے تو اس میں دوکانیں بنا کر قبرستان کو محفوظ کر سکتے ہیں۔ اور جو آمدنی قبرستان کی ضرورت سے فاضل ہو اس کو مصارف خیر میں استعمال کر سکتے ہیں۔

مولانا ابراهيم فلاحى بارڈولی

قبرستان کی باؤنڈری کے سلسلے میں مسئلہ یہ ہے کہ اگر کوئی دوسری صورت نہ ہو تو اطراف میں مکان کی تعمیر کے لئے اجارہ پر دے دیا جائے لیکن جب باؤنڈری مکمل ہو جائے تو اجارہ کو ختم کر کے دوبارہ قبرستان میں شامل کر دیا جائے، دوسرے مصارف میں خرچ کرنا جائز نہیں ہے اس لئے کہ فقہ کا مشہور قاعدہ ہے:

''لان شرط الواقف يجب اتباعه لقولهم شرط الواقف كنص الشارع اى فى وجوب العمل به و فى المفهوم والدلالة'' لہٰذا واقف کے مقاصد کی رعایت ضروری ہے۔

لأن الواجب إبقاء الوقف على ما كان عليه دون زيادة (واجب یہ ہے کہ وقف کو کسی زیادتی کے بغیر اپنے حال پر باقی رکھا جائے)

مولانا سميع الله قاسمى

قبرستان کی تعمیر کے لئے پیشگی کرایہ لینا:

قبرستان کی حفاظت کے لئے جب کہ باؤنڈری بنانے کا کوئی ذریعہ نہ ہو، اس کے اطراف میں دوکانوں کی تعمیر کے لئے کسی سے پیشگی کرایہ لے کر اس طرح تعمیر کرائی جائے کہ قبرستان کے اطراف کے کچھ حصے تعمیر میں چلے جائیں۔ تو احقر کے نزدیک اگر اس حصے میں نئی قبریں ہیں تو پھر اس حصے میں تعمیر کی اجازت نہیں۔

وفى العالمگيرية ولو بلى الميت صار ترابا جاز دفن غيره فى قبره وزرعه والبناء عليه (عالمگیری ۱؍۱۵۶) وهكذا فى التبيين.

رہی بات فاضل آمدنی کے مصارف کی تو اس میں قدرے تفصیل کرنی پڑے گی۔ وہ یہ کہ اگر خود قبرستان کی ضرورت موجود ہو تو پھر اس آمدنی کو اس میں صرف کرنا چاہئے۔ شرح وقایہ کے اندر ہے:

ونقضه إلى عمارته أو يدخر إلى وقت الحاجة إليها إن تعذر صرفه بيع وصرف ثمنه

إليها.

اور اگر قبرستان کی خود اپنی ضرورت موجود نہ ہو تو فاضل آمدنی کے بہتر مصارف ان کے انواع واجناس ہیں۔

وفي الدر المختار ومثله حشيش المسجد وحصيره مع الاستغناء عنها وكذا الرباط والبئر إذا لم ينتفع بهما فيصرف وقف المسجد والرباط والحوض إلى أقرب مسجد أو رباط أو بئر أو حوض إليه الخ ـ وفي رد المحتار لف و نشر مرتب و ظاهره أنه لا يجوز صرف وقف المسجد خرب إلى حوض أو عكسه وفي شرح الملتقى يصرف وقفها لأقرب مجانس لها (رد المحتار ۳/۴۵۷)

علاوہ ازیں جب کہ واقف کے غرض کی پابندی اور اس کے مقاصد کی حصول پائی اگر دوسرے انواع و اجناس کے مصارف خیر میں ہو رہی ہو تو ان دیگر مصارف خیر میں بھی ان کو صرف کرنے کی احقر کے نزدیک گنجائش ہے ۔کیوں کہ اوقاف کے کلی مسائل کے اندر غرض واقف کو سامنے رکھنا ضروری ہے، اس سے عدول جائز نہیں۔

مولانا صدر عالم

سوال میں مذکورہ صورت قبرستان کی حفاظت کے لئے اختیار کرنا درست ہے، البتہ اتنی احتیاط ضرور کرنی ہو گی کہ قبرستان کا جو حصہ دکان کے زیر استعمال آنے والا ہے اس میں مردہ دفن کرنا چھوڑ دیا گیا ہو اور سابقہ قبروں کے نشانات مٹ گئے ہوں۔ اس قبرستان کی فاضل آمدنی قبرستان ہی کی حفاظت اور مرمت میں خرچ ہو سکتی ہے کسی دوسرے مصرف میں نہیں۔

لأن استبقاء الوقف واجب ولا يبقى إلا بالعمارة فإذا امتنع عن ذلك أو عجز عنه ناب القاضي منابه في استبقائه بالإجارة كالعبد والدابة إذا امتنع صاحبها عن الإنفاق عليها أنفق القاضي عليها بالإجارة (بدائع الصنائع ۶/۲۲۱) مولانا عطاء اللہ قاسمی

قبرستان کے کنارے دوکانوں کی تعمیر کرانے کا کیا حکم ہے؟

اگر موقوفہ قبرستان کے کنارے خالی جگہ میں جہاں پر قبریں نہیں ہیں، وہاں دوکانوں کی تعمیر کی جائے جس کی آمدنی سے قبرستان کے مصارف پورے ہوتے رہیں لیکن شرط یہ ہے کہ ان دوکانوں کی وجہ سے قبرستان کی تدفین میں تنگی اور دشواری نہ ہو تو یہ جائز ہے، اب اگر قبرستان کے پاس اتنی رقم ہے کہ جس کی وجہ سے تعمیر ہو سکے تو ٹھیک ہے ورنہ پھر یہ صورت اختیار کی جا سکتی ہے کہ لوگوں سے پیشگی رقم لے کر وہاں دوکانوں کی تعمیر کرائی جائے اور ان دوکانوں کا مناسب کرایہ متعین کر دیا جائے جس سے قبرستان کے مصارف پورے ہوتے رہیں اور جو رقم پیشگی کے طور پر لی جائے اس کو آئندہ کرایہ میں محسوب کیا جاتا رہے (مستفاد از فتاوی محمودیہ ۱۵/۳۰۲)

الاستدانة على الوقف لا يجوز إلا إذا احتيج إليها لمصلحة الوقف لتعمير وشراء بذر (الاشباہ والنظائر ۲/۲۲۳)

وقف کے لئے قرض لینا جائز نہیں ہے البتہ جب وقف کی مصلحت مقتضی ہو تو ضرورۃً قرض لینا جائز ہے جیسے کہ تعمیر یا (درختوں کے لئے) بیج خریدنا۔

اور اگر قبرستان کو آمدنی کی قطعاً ضرورت نہ ہو تو پھر ارباب حل وعقد اس آمدنی کو دیگر کار خیر میں صرف کریں تو یہ جائز ہے (فتاویٰ محمودیہ ۱۵/۳۰۶)۔

إن الناظر صرف فائض الوقف إلی جهات بر بحسب مایراه (الاشباہ والنظائر ۲/۷۷ ۳)

ناظر کے لئے وقف کی زائد آمدنی کو دیگر کار خیر میں صرف کرنا جائز ہے جہاں مناسب سمجھے۔

اور اگر موقوفہ قبرستان کو کسی وقت اس جگہ کی ضرورت پڑے جہاں دوکانیں تعمیر ہو چکی ہیں تو پھر ان دوکانوں کو توڑنا ضروری ہوگا اور ان جگہوں کی ضرورت پڑنے پر قبریں بنائی جائیں گی، چنانچہ فقہاء فرماتے ہیں:

أرض لأهل قرية جعلوها مقبرة وأقبروا فيها ثم إن واحداً من أهل القرية بنى فيها بناءً (الی قوله) إن كان في المقبرة سعة بحيث لا يحتاج إلى ذلك المكان فلا بأس به وبعد ما بنى لو احتاجوا إلى ذلك المكان رفع البناء حتى يقبر فيه (ہندیہ ۲/۴۶۸)

اہل قریہ نے کسی زمین کو قبرستان بنادیا اور اس میں قبریں بھی بن گئیں، پھر اسی گاؤں کے کسی شخص نے تعمیر کرلی (الی قولہ) تو اگر قبرستان میں گنجائش ہے اس طور سے کہ اس قبرستان کو اس جگہ کی ضرورت نہیں تو جائز ہے، اور اگر تعمیر کر لینے کے بعد کسی وقت اس جگہ کی ضرورت پڑ جائے تو پھر وہ عمارت اکھیڑ دی جائیگی اور اس جگہ بھی قبریں بنائی جائیں گی۔ مولانا اسعد اللہ قاسمی

جس قبرستان کی حفاظت کے لئے وسائل نہ ہوں:

اگر قبرستان کی حفاظت کے لئے وسائل نہ ہوں تو تاجروں سے پیشگی رقم لے کر چاروں طرف دکانیں بنادینا جائز ہوگا کیونکہ اس صورت میں قبرستان کا اگرچہ تھوڑا سا نقصان ہے کہ چند گز اراضی دکانوں میں چلی جائے گی لیکن فوائد زیادہ ہیں، اولاً یہ کہ وہ دکانیں قبرستان کی حصار بندی اور باؤنڈری کا کام دیں گی، ثانیاً یہ کہ ان دکانوں کی وجہ سے قبرستان کو ہمیشہ کرایہ ملتا رہے گا، اور کسی موقوفہ اراضی سے نفع حاصل کرنے کے لئے اس میں دکانیں تعمیر کرانا یا اس میں زراعت کرنا جائز ہے، چنانچہ صاحب بزازیہ رقمطراز ہیں:

أراد القيم أن يبني في الأرض الموقوفة حوانيت ليستغلها بالإجارة ليس له ذلك لأن استغلال الأرض بالزرع إليهم إلا إذا كانت الأرض متصلة بالمصر (بزازیہ علی ہندیہ ۶/۲۵۳)

اگر ناظر یہ چاہے کہ موقوفہ زمین میں دکان بنائے تاکہ اس کو اجارہ پر دے کر نفع حاصل کرے تو یہ اس کے لئے درست نہیں ہوگا اس لئے کہ ان کو زمین میں کھیتی کر کے نفع حاصل کرنا ہے، ہاں اگر زمین شہر سے متصل ہو تو پھر دکان بنا کر نفع حاصل کر سکتے ہیں۔ مولانا محمد ارشد قاسمی

☆☆☆☆☆

قبرستان میں مسجد کی توسیع

اس مسئلہ سے متعلق جواب دینے والے علماء کرام کے اسمائے گرامی

مولانا عبید اللہ اسعدی
مولانا عتیق احمد قاسمی
مولانا زبیر احمد قاسمی
مفتی نسیم احمد قاسمی
جناب شمس پیرزادہ
مفتی جمیل احمد نذیری
مفتی محبوب علی وجیہی
مولانا حبیب اللہ قاسمی
مفتی شکیل احمد سیتاپوری
مولانا مفتی محمد حنیف
مفتی شبیر علی گجراتی
مولانا ایوب ندوی
مولانا عبد القیوم پالنپوری
مفتی عبد الرحیم قاسمی
ڈاکٹر قدرت اللہ باقوی
مولانا محمد مصطفی قاسمی
مولانا قمر الزماں ندوی
مولانا ابرار خاں ندوی
مولانا سمیع اللہ قاسمی
مولانا عطاء اللہ قاسمی
مو۔ نا محمد ارشد قاسمی

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی
مفتی جنید عالم قاسمی
مولانا عبد الجلیل قاسمی
مولانا ظفر عالم ندوی
ڈاکٹر عبد العظیم اصلاحی
مولانا ابو سفیان مفتاحی
مولانا ظفر الاسلام اعظمی
مفتی فضیل الرحمن ہلال عثمانی
مولانا سلطان احمد اصلاحی
مولانا محمد رضوان قاسمی
مولانا محمد ارشاد القاسمی
مولانا ابوبکر قاسمی
مولانا تنویر عالم قاسمی
مولانا نذر توحید مظاہری
مولانا عبد اللطیف پالنپوری
مولانا اخلاق الرحمن قاسمی
مولانا محمد نور القاسمی
مولانا ابراہیم فلاحی باڑولی
مولانا محمد صدر عالم قاسمی
مولانا اسعد اللہ قاسمی

قبرستان میں مسجد کی توسیع

سوال: آج کل بعض بڑے شہروں میں مسلمان اس صورت حال سے دوچار ہیں کہ وسیع قبرستان میں ایک چھوٹی سی مسجد ہے، جو ممکن ہے کسی زمانہ میں یہ تدفین کے لئے آنے والوں کی رعایت سے بنائی گئی ہو کہ وہ وہاں نماز ادا کرسکیں، اب اس علاقہ میں آبادی بڑھ گئی ہے اور مسجد کی توسیع ضروری ہوگئی ہے، نیز قبرستان میں بھی تدفین کا سلسلہ جاری ہے، تو کیا قبرستان کے حصہ میں مسجد کی توسیع کی جاسکتی ہے؟ اور کیا اس میں ویران اور زیر استعمال قبرستان اور جدید وقدیم قبروں کے حکم میں فرق ہے؟

جوابات

جب مسجد کے لئے دوسری زمین کا حاصل کرنا یا آس پاس جگہ حاصل کرکے دوسری مسجد کا بنانا ممکن نہ ہو تو مجبوراً اس کی گنجائش سمجھ میں آتی ہے، اور بہتر معلوم ہوتا ہے کہ کھمبے دیکر اوپر مسجد ونماز کی جگہ بنادی جائے اور نیچے دفن کا سلسلہ جاری رہے، اگر قبرستان میں تدفین جاری ہے اور قبرستان بہت کشادہ نہیں ہے اور اگر ویران ہے یا یہ کہ کافی کشادہ ہے تو زمین سے ہی تعمیر کی اجازت ہوگی، ویران میں تو متعدد حضرات نے اجازت دی ہے (ملاحظہ ہو: فتاوی اکابر) اور آباد میں ضرورت سے فاضل ہونے والا مسئلہ ہے، جس کے لئے گنجائش وجواز کی تفصیل گذر چکی ہے۔

پھر یہ کہ مسجد وقبرستان دونوں عامۃ المسلمین کے مصالح کے لئے ہیں اور قبرستان کے کسی حصے کا مسجد بنالینا واقف کے مقصد ثواب کے اعتبار سے بھی زیادہ مفید ہے۔ جب عام ضرورت کے تحت راستہ کو مسجد اور مسجد کے کسی حصہ کو راستہ اور چبوترہ کو مسجد اور مسجد کو چبوترہ بنالینے کی گنجائش فقہاء احناف نے بلکہ ائمہ احناف نے ذکر کی ہے، تو شدید ضرورت کے حال میں اس کی گنجائش عین ان صورتوں واحکام کے مطابق ہے (راستہ وغیرہ کی بابت ملاحظہ ہو: اعلاء السنن ج ۱۳ر)

مولانا عبید اللہ اسعدی

قبرستان میں مساجد کی توسیع:

مسجد کی توسیع بھی ایک ضرورت ہے اور مسلمانوں کی قبروں کا احترام بھی ضروری ہے اس لئے نئی اور پرانی قبروں میں فرق کرنا ہوگا، ویران اور متروک قبرستان میں تو قبریں ہوتی ہی ہیں پرانی، جو قبرستان ابھی استعمال میں ہیں ان میں جدید وقدیم کی رعایت کرنی ہوگی، اور ایسے حصہ میں مسجد کی توسیع درست ہوگی جہاں قدیم قبریں ہیں، علامہ عینی فرماتے ہیں:

لو أن مقبرة من مقابر المسلمين عفت فبنى فيها مسجدا لم أر بذلك بأساً وذلك لأن المقابر وقف من أوقاف المسلمين لدفن موتاهم لا يجوز لأحد أن يملكها فإذا درست واستغنى من

الدفن فيها جاز صرفها إلى المسجد لأن المسجد أيضا وقف من أوقاف المسلمين لايجوز تمليكه لأحد فمعناهما على هذا واحد (عمدۃ القاری ۱۰/۱۵۲)

تاہم یہ شرط مسجد کی پہلی منزل کے لئے ہوگی، اگر مسجد دو منزلہ ہو اور مسجد کی موجودہ حد کے باہر قبروں سے بچتے ہوئے ستون قائم کئے جاسکتے ہوں اور آگے تک چھت ڈالی جاسکتی ہو تو اس طرح آگے تک چھت ڈالنا بھی درست ہوگا کیونکہ ممانعت کی وجہ سے قبر پر نماز سے بچنا اور قبر کو بے حرمتی سے بچانا ہے اور یہ دونوں باتیں اس صورت میں نہیں پائی جاتیں، یہ حکم تو عام قبرستانوں کے لئے ہے، جو قبرستان کسی شخص یا خاندان کا خصوصی اور مملوکہ قبرستان ہو اس میں مالکان کی اجازت بھی ضروری ہوگی۔

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی

قبرستان کے حصہ میں مسجد کی توسیع کی جاسکتی ہے۔

مولانا عتیق احمد قاسمی

قبرستان میں موجود مسجد کی توسیع:

اگر مسجد اور قبرستان دونوں کے الگ الگ کاغذات موجود ہیں، اور کاغذات میں مسجد اور قبرستان دونوں کے رقبہ کی صراحت ہے تو پھر اس کے مطابق عمل کیا جائے گا۔ اور اگر کاغذات موجود نہیں تو پھر یہی سمجھا جائے گا کہ منشاء واقف رقبہ کی تحدید نہیں ہے، بلکہ یہ مقصد ہے کہ پوری زمین مردوں کی تدفین اور مسجد کے لئے وقف ہے۔ ضرورۃً مسجد کی توسیع بھی ہوسکتی ہے، اور مردے بھی دفن کئے جاسکتے ہیں۔ لہذا اگر قبرستان کے اندر کی مسجد کے اردگرد مردے ابھی دفن نہیں ہوئے ہیں یا مردے تو دفن ہوئے ہیں لیکن قبریں اتنی پرانی ہیں کہ مردوں کے سڑگل جانے کا ظن غالب ہے تو ایسی صورت میں مسجد کی توسیع قبرستان کی زمین پر کرسکتے ہیں۔ اور اگر قبریں نئی ہیں تو توسیع نہیں کرسکتے ہیں۔ البتہ بہتر یہی ہے کہ مسجد کو دو منزل اور سہ منزل بنا کر ضرورت پوری کرلی جائے تاکہ کسی طرح کا شبہ باقی نہ رہے۔

مفتی جنید عالم ندوی قاسمی

اگر بعض بڑے شہروں میں کسی آباد قبرستان کے اندر جہاں آج تک تدفین کا سلسلہ جاری ہے کوئی چھوٹی سی مسجد زمانہ قدیم سے بنی ہوئی موجود ہے مگر آج کثرت آبادی کے سبب اس مسجد کی توسیع ضروری بن چکی ہے، تو دو شرطوں کے ساتھ اس مسجد کی توسیع کے لئے قبرستان کی زمین کا کچھ حصہ لیا جاسکتا ہے، پہلی شرط تو یہ کہ قبرستان کا حلقہ اتنا وسیع و عریض ہو کہ زمین کے اس حصہ کو گویا تدفین میت کی ضرورت سے زائد کہا جاسکتا ہو۔ دوسری شرط یہ کہ اس حصہ زمین پر کوئی تازہ قبر نہ ہو بلکہ اتنی پرانی قبریں ہوں کہ میت کا مٹی میں رل مل جانا یقینی ہو۔

اگر کوئی قبرستان ویران ہو، تدفین کا سلسلہ بند ہو، ایسے قبرستان میں بنی مسجد کی توسیع بلکہ بوقت ضرورت جدید مسجد کی تعمیر بھی جائز ہے، شرط صرف ایک یہ رہے گی کہ قبروں کے نشانات مٹ چکے ہوں اور مدفون مردے مٹی بن چکے ہوں، تازہ قبروں پر توسیع یا جدید تعمیر مسجد درست نہیں۔

لیکن اگر آباد قبرستان جس میں تدفین کا سلسلہ قائم ہے اس میں وسعت کم ہے، تدفین کی ضرورت سے زائد نہیں تو پھر اس میں سابقہ مسجد کی توسیع کے لئے بھی قبرستان کی زمین کو لینا صحیح نہیں رہے گا، کیونکہ قبرستان کے وقف سے واقف کی اصلی غرض تدفین میت کی ضرورت کی تکمیل ہوتی ہے جس کی رعایت " مراعاۃ غرض الواقفین واجبۃ " کے تحت لازم ہے، واللہ اعلم۔

مولانا زبیر احمد قاسمی

اگر اراضی قبرستان اور مسجد دونوں کے لئے وقف ہے تو دیکھا جائے گا کہ دونوں کے لئے اراضی کی تحدید ہے تو اس کے مطابق عمل ہوگا، لیکن اگر دونوں کے لئے زمین کی حد متعین نہیں ہے تو حسب ضرورت اراضی کا استعمال قبرستان و مسجد دونوں کے لئے ہوگا۔ اور مسجد کے پاس قبریں نہ ہوں یا اتنی پرانی ہوں کہ ان کے سڑگل جانے کا ظن غالب ہو تو توسیع کی جاسکتی ہے، اور دو منزلہ اور سہ منزلہ بنائی جائے تو زیادہ بہتر ہے کہ نماز کی ضرورت بھی پوری ہوگی اور قبرستان کی وسعت میں بھی فرق نہیں آئے گا۔

مولانا عبد الجلیل قاسمی

وسیع قبرستان میں واقع مسجد کی توسیع:

اگر قبرستان اور اس میں واقع مسجد دونوں کے کاغذات الگ الگ موجود ہیں جس میں قبرستان اور مسجد کی زمین کے رقبہ کی صراحت ہے تو ایسی صورت میں کاغذات کے مطابق عمل کیا جائے گا، کاغذات کی عدم موجودگی میں یہ سمجھا جائے گا کہ واقف نے دونوں کے لئے الگ الگ رقبہ کی تحدید نہیں کی تھی۔ بلکہ اس نے مردوں کی تدفین اور مسجد کے لئے زمین وقف کی تھی، ایسی صورت میں ضرورت پڑنے پر مسجد کی توسیع کی بھی گنجائش ہوگی۔ لہذا اگر قبرستان میں واقع مسجد کے ارد گرد بھی مردے دفن نہیں ہوتے یا مردوں کی تدفین تو ہوتی ہو لیکن قبریں بوسیدہ اور پرانی ہوں کہ مردوں کے مٹی میں مل جانے اور ان کے اجسام کے سڑگل جانے کا ظن غالب ہو تو ایسی صورت میں قبرستان کی زمین میں مسجد کی توسیع کی اجازت ہوگی، قبروں کے جدید ہونے کی صورت میں توسیع کی اجازت نہ ہوگی۔

مگر افضل و بہتر شکل یہ ہے کہ مسجد کی توسیع کے بجائے اسے حسب ضرورت دو منزلہ اور سہ منزلہ بنا کر ضرورت پوری کرلی جائے تاکہ کسی طرح کے شبہ کی گنجائش نہ رہے۔

مفتی نسیم احمد قاسمی

اگر قبرستان میں اس کی گنجائش ہے کہ مسجد کی توسیع کی جاسکے اور طویل عرصہ تک قبرستان کو اس جگہ کی ضرورت نہ پڑے تو مسجد کی توسیع کی جاسکتی ہے۔ اس کی نظیر فتاویٰ ہندیہ میں موجود ہے:

أرض لأهل قرية جعلوها مقبرة أو أقبروا فيها ثم إن واحدا من أهل القرية بنى فيها بناء لوضع اللبن وآلات القبر وأجلس فيها من يحفظ المتاع بغير رضا أهل القرية أو رضا بعضهم بذلك قالوا إن كان في المقبرة سعة بحيث لا يحتاج إلى ذلك المكان فلا بأس به (فتاوی ہندیہ ۲/۴۶۷)

ویران اور زیر استعمال قبرستانوں میں یقیناً فرق ہے، مگر صرف اسقدر کہ اگر ویران قبرستان کا استبدال بہتر ہو تو اسے فروخت کرکے دوسری جگہ جہاں مسلمانوں کی آبادی ہو دوسرا قبرستان اس کی قیمت سے حاصل کیا جا سکتا ہے۔ لیکن زیر استعمال قبرستانوں کے فروخت کرنے کی اجازت نہ ہوگی۔

اسی طرح جدید وقدیم قبروں میں بھی فرق ہے جدید قبریں خواہ موقوفہ قبرستان میں ہوں یا نجی زمین میں بلا عذر شرعی ان کو کھودنا یا ان میں عمارت بنانا یا کھیتی کرنا درست نہیں ہے، لیکن اگر نجی زمین میں قدیم قبریں ہوں اور اتنی قدیم ہوں کہ ان کے سارے نشانات مٹ چکے ہوں تو ان قبروں کی جگہ تعمیر یا زراعت کے کام میں لانا درست ہے، علامہ ابن نجیم مصری نے لکھا ہے:

"إذا بلى الميت وصار تراباً جاز زرعه والبناء عليه" (البحر الرائق ۱/۱۳۸، فتاوی ہندیہ ۱/۱۳۱، کتاب الجنائز)

لیکن اگر موقوفہ قبرستان ہے تو اس کی اجازت نہ ہوگی، جب کہ فقہاء نے صراحت کی ہے اور محیط کے حوالہ سے فتاوی ہندیہ میں شمس الائمہ محمود اوزجندی کا فتوی نقل کیا گیا ہے:

وسئل هو أيضا عن المقبرة في القرى إذا اندرست ولم يبق فيها أثر الموتى لا العظم ولا غيره، هل يجوز زرعها واستغلالها قال: لا ولها حكم المقبرة (ہندیہ ۲/۴۷۱ کتاب الوقف)

مولانا ظفر عالم ندوی

قبرستان کی مسجد کی توسیع کا حکم:

زمین اصلاً قبرستان کے لئے وقف ہے اس لئے اس میں کمی کرنا کسی طرح مناسب نہیں، البتہ مسجد پر منزلیں چڑھائی جاسکتی ہیں۔

مولانا شمس پیرزادہ

کوئی حرج نہیں محسوس ہوتا، مسجد نبوی علی صاحبہا الصلاۃ والسلام کی تعمیر و توسیع میں نہ جانے کتنی قبریں آگئی ہیں، قبریں اگر ویران ہوں یا ویران ہو جانے دیں تو زیادہ اچھا ہے کہ کوئی جھجک باقی نہ رہے۔

مولانا عبد العظیم اصلاحی

چونکہ وہ مسجد قبرستان میں پہلے سے ہی بنی ہوئی ہے لہذا وہ قبرستان سے متعلق ہوگئی، اس کے متعلق ہونے کی وجہ سے قبرستان کی زمین میں اس کی توسیع بھی جائز ہے، گویا قبرستان کی زمین قبرستان کے ہی کام میں آئی۔

اس جواز میں ویران اور زیر استعمال دونوں ہی قبریں داخل ہیں، البتہ مسجد کی توسیع صرف پرانی قبروں کی جگہ ہو سکتی ہے، ایسی قبریں جن کے مردوں کے متعلق اندازہ ہو کہ ہڈیاں بوسیدہ ہو چکی ہوں گی۔

رد المحتار میں ہے:

ويخير المالك بين إخراجه و مساواته بالأرض كما جاز زرعه والبناء عليه إذا بلى و

صار ترابا؛ زیلعی (۱/۶۶۴)

مولانا جمیل احمد نذیری

صورت مسئولہ میں کہ وسیع قبرستان میں ایک چھوٹی سی مسجد ہے جو اب سے پہلے کافی تھی لیکن اب اس علاقہ میں آبادی بڑھ جانے کی وجہ سے وہ ناکافی ہوگئی ہے بنا بریں اس کی توسیع ضروری ہوگئی ہے، نیز قبرستان میں تدفین کا سلسلہ بھی جاری ہے اور مسجد و قبرستان دونوں اوقاف مسلمین میں ہیں تو اس ضرورت شدیدہ کے سبب قبرستان کے حصہ میں مسجد کی توسیع کی جاسکتی ہے، جائز ہے، لیکن اس میں ویران اور زیر استعمال قبرستان اور جدید و قدیم قبروں کے حکم میں فرق ہے، جس کی تفصیل مندرجہ ذیل ہے:

ویران قبرستان: ویران قبرستان جسمیں مردوں کے دفن کا سلسلہ بند ہو چکا ہے اور قبروں کے نشانات بھی مٹ چکے ہیں تو اس میں مسجد بھی بنائی جاسکتی ہے، اور بنی ہوئی مسجد کی اس کی زمین سے لیکر توسیع بھی کی جاسکتی ہے، جائز ہے، چنانچہ علامہ عینی عمدۃ القاری (۴/۱۷۹) میں لکھتے ہیں:

قال ابن القاسم لو أن مقبرة من مقابر المسلمين عفت فبنى فيها مسجدا لم أر بذلك باسا وذلك لأن مقابر المسلمين وقف من أوقاف المسلمين لدفن موتاهم ولايجوز لأحد أن يملكها فإذا درست واستغنى عن الدفن فيها جاز صرفها إلى المسجد لأن المسجد أيضا وقف من أوقاف المسلمين لايجوز تمليكه لأحد فمعناهما على ذلك واحد.

قبر قدیم: اگر قبر قدیم ہے کہ قبروں کے نشانات مٹ چکے ہیں اور میت کے اجزاء نہ رہنے کا غالب گمان ہو تو قبر پر تعمیر یا زراعت یا اسکو برابر کر دینا یا اس پر مسجد بنانا جائز ہے، چنانچہ زیلعی (۱/۶۶۴) میں ہے: إذا بلي الميت و صار ترابا جاز الزرع والبناء عليه.

زیر استعمال قبرستان:

تو چونکہ قبر کا احترام باقی رکھنا لازم ہے اس لئے ایسے قبرستان پر نہ کوئی تعمیر جائز ہے اور نہ مسجد کی تعمیر ہی جائز ہے، ہاں اگر زیر استعمال قبرستان میں گنجائش ہے کہ اس جگہ کی ضرورت نہیں پڑے گی تو اس جگہ تعمیر مسجد وغیرہ جائز ہے، اور اگر تعمیر کے بعد اس جگہ کی ضرورت پڑ گئی تو عمارت کو اکھاڑ دیا جائے گا، تاکہ اس میں مردے دفن کئے جاسکیں، چنانچہ فتاوی ہندیہ میں ہے:

ارض لأهل قرية جعلوها مقبرة واقبروا فيها ثم إن واحدا من أهل القرية بنى فيها بناء لوضع اللبن و آلات القبر و اجلس فيها من يحفظ المتاع بغير رضا أهل القرية أو رضا بعضهم بذلك قالوا إن كان في المقبرة سعة بحيث لايحتاج إلى ذلك المكان فلا بأس به، و بعد ما بنى لو احتاجوا إلى ذلك المكان رفع البناء، ويقبر فيه كذا في فتاوى قاضيخان (ہندیہ ۲/۴۶۷)۔

جدید قبر: اگر قبر جدید ہے تو اس میں کوئی بھی تعمیر جائز نہیں ہے۔

اب زیر بحث مسئلہ ملاحظہ فرمائیں کہ قبرستان میں بنی مسجد کی اگر توسیع کی ضرورت ہو اور ویران قبرستان ہو یا قبر قدیم ہو کہ نشانات مٹ چکے ہوں تو ایسے قبرستان ویران کی زمین سے توسیع مسجد جائز ہے اور قبر قدیم ہے تو اس کو برابر کر کے مسجد میں شامل کیا جا سکتا ہے، جیسا کہ علامہ عینیؒ نے عمدۃ القاری کے (جلد ۴ صفحہ ۱۷۹) پر لکھا ہے، اور فتاوی ہندیہ کی عبارت سے بھی معلوم ہوتا ہے:

قوم بنوا مسجداً واحتاجوا إلى مكان يتسع المسجد وأخذوا من الطريق إن كان يضر بأصحاب الطريق لايجوز وإن كان لايضرهم رجوت أن لا يكون له بأس. كذا في المضمرات وهو المختار كذا في خزانة المفتين (۴۵۶/۲)

ظاہر ہے کہ ویران قبرستان یا قبر قدیم سے توسیع کرنے میں کوئی نقصان نہیں ہے، لہذا اس کی زمین سے توسیع کرنا جائز ہے تا کہ ضرورت پوری ہو جائے، اور اگر قبر جدید ہو یا زیر استعمال قبرستان ہو تو اس کی زمین سے یوں توسیع کر سکتے ہیں کہ قبروں کا احترام باقی رکھتے ہوئے جتنی زمین لینا ہے اس پر چھت لگا دی جائے اور پھر اسکو توسیع کر کے مسجد میں شامل کر لیا جائے، کیونکہ اس کے بغیر ضرورت پوری نہ ہو سکے گی، اور اگر اس مسجد کے آس پاس کی زمین میں گنجائش ہے کہ وہاں مردے دفن نہیں کئے جاتے تو اس خالی زمین سے توسیع کرنا جائز ہے۔ واللہ اعلم۔

خلاصہ کلام: یہ ہے کہ صورت مسئولہ میں وسیع قبرستان میں ایک چھوٹی سی مسجد ہے جس کی توسیع کی ضرورت ہے، تو اگر ویران قبرستان ہے تو اس کی زمین سے توسیع جائز ہے اور اگر قبر قدیم ہے تو توسیع کے لئے اسکو مسجد میں شامل کیا جا سکتا ہے اور اگر زیر استعمال قبرستان ہے اور مسجد کے آس پاس خالی جگہ ہے تو اس خالی جگہ سے توسیع جائز ہے اور اگر قبر جدید ہے اور مسجد سے متصل ہے تو بضرورت توسیع اس پر چھت لگا کر مسجد میں شامل کرنا جائز ہے۔ واللہ اعلم۔

مولانا ابو سفیان مفتاحی

اس صورت میں مسجد کی عمارت کو دو منزلہ سہ منزلہ کر دیا جائے، اگر اس سے بھی کام نہ چلے اور ضرورت و مجبوری دامن گیر ہو تو پھر پرانی قبروں کی جگہ پاٹ کر تعمیر کر دی جائے، تا کہ قبرستان کی کم سے کم جگہ تصرف میں آئے، ویران قبرستان اور زیر استعمال قبرستان میں فرق ہے، جو کھلا ہوا ہے، جدید اور قدیم قبروں کے اندر وقفی قبرستان میں کوئی فرق نہیں ہے۔

مفتی محبوب علی وجیہی

قبرستان میں مسجد کی توسیع اس وقت کی جا سکتی ہے جب کہ یہ یقین ہو جائے کہ موتی کے اجزاء مٹی ہو چکے ہیں، عینی شرح بخاری میں ہے: قال ابن القاسم لو أن مقبرة من مقابر المسلمين عفت فبنى فيها مسجدا لم أر بذلك بأسا (عمدۃ القاری ۴/۱۷۹)

اس سے پہلے شامی کی عبارت گزر چکی ہے کہ "ولو بلى الميت وصار ترابا الخ" کسی قبر پر تعمیر اور

کاشت تک ہو سکتی ہے تو پھر مسجد کی توسیع کیوں نہیں جائز ہوگی، بندہ کے خیال میں اگر قبرستان وسیع وکشادہ ہو تو اس کی اجازت دینی چاہئے ورنہ عدم جواز میں احتیاط ہے۔

مولانا ظفر الاسلام اعظمی

جو زمین کہ قبرستان کے لئے واقف نے وقف کی ہے اس کو دفن کے کام میں ہی لانا چاہئے اس میں مسجد نا جائز نہیں، جو مسجد بنائی گئی ہے اس میں نماز تو ہو جاتی ہے مگر مسجد کا ثواب نہیں ملتا کیونکہ وہ باقاعدہ شرعیہ مسجد نہیں ہوئی، لہذا قبرستان میں بنی ہوئی مسجد کی توسیع کیسے جائز ہوگی (کفایت المفتی ۷/۱۳۹)

مفتی حبیب اللہ قاسمی

مسجد کی توسیع کے لئے قدیم یا جدید قبریں مسجد میں شامل کی جا سکتی ہیں، مفتی کفایت اللہ اور مفتی عزیز الرحمن اور مفتی دار العلوم دیوبند نے یہی فتویٰ دیا ہے۔

مفتی فضیل الرحمن ہلال عثمانی

مسجد کی توسیع یا قبرستان کے لئے کسی عمارت کی تعمیر کے لئے ویران قبروں کی جگہ استعمال کی جا سکتی ہے لیکن جدید قبریں جب کے نشانات ظاہر ہیں ان پر تعمیر درست نہیں ہے۔

مفتی شکیل احمد سیتاپوری

قبرستان کی مسجد میں توسیع نہ کی جائے اور قبروں سے تعرض نہ کیا جائے۔ آبادی کی مسجد کی ضرورت کو دوسرے ذریعہ سے حل کیا جائے۔

مولانا سلطان احمد اصلاحی

اگر فی الحال گنجائش ہو تو توسیع کی اجازت ہے۔

مولانا محمد حنیف صاحب

قبرستان میں مسجد کی توسیع کا حکم:

ضرورۃً ایسا کرنا جائز ہے، فتاویٰ ہندیہ میں ہے

وإن ضاق المسجد من أهله جاز للمتولي أن يدخل بعض منازل الوقف فيه ولو أدخله فيه بلا حاجة لا يصير مسجدا (بحوالہ ہدایہ ۲/۴۵۶)

اگر اہل مسجد پر مسجد تنگ ہو جائے تو متولی کے لئے دوسرے اوقاف کو مسجد میں داخل کرنے کی اجازت ہے، ہاں اگر بلا ضرورت کے داخل کیا تو اس کو مسجد میں شمار نہیں کیا جائے گا۔

مولانا محمد رضوان قاسمی

حتی الامکان قبرستان کے باہر متصل قریب میں مسجد کے لئے زمین حاصل کرنے کی کوشش کی جائے اور اگر ایسا کرنا ممکن نہ ہو تو قدیم قبرستان کی زمین مسجد میں اس شرط کے ساتھ شامل کی جا سکتی ہے کہ آئندہ مدفین کے لئے

زمین تنگ نہ ہونے پائے اور جدید قبروں کا احترام بہرحال ضروری ہے۔

فإذا درست واستغنى عن الدفن فيها جاز صرفها إلى المسجد لأن المسجد أيضا وقف من أوقاف المسلمين (عمدة القاری ۴/۱۷۹)

مفتی شیر علی گجراتی

مسجد کی توسیع کی جاسکتی ہے:

لو أن مقبرة من مقابر المسلمين عفت فبنى قوم فيها مسجدا لم أر بذلك بأسا و ذلك لأن المقابر وقف من أوقاف المسلمين لدفن موتاهم لايجوز لأحد أن تملكها فإذا درست واستغنى عن الدفن فيها جاز صرفها إلى المسجد لأن المسجد أيضا وقف من أوقاف المسلمين (عمدة القاری بحوالہ فتاوی محمودیہ ۲۸/۱۷).

مزید اس مسئلہ سے بھی استدلال کیا جاسکتا ہے کہ طریق مثل مقبرہ کے عام ہے اور توسیع کی وجہ سے طریق کو شامل کیا جاسکتا ہے۔ تو مقبرہ سے بھی شامل کیا جاسکتا ہے۔ كذا في قاضي خان.

قوم بنوا مسجدا واحتاجوا إلى مكان ليتسع المسجد فأخذوا من الطريق وأدخلوه في المسجد إن كان يضر ذلك بأصحاب الطريق فلا يجوز وإلا فلا بأس (ہندیہ ۲/۲۹۳)

توجیہ جواز یہ ہے کہ طریق اور مسجد دونوں عام مسلمانوں کے لئے ہیں۔ اسی طرح قبرستان بھی عامۃ المسلمین کے لئے ہے۔ لہذا قبرستان کی وہ زمین جو تدفین مردہ سے زائد ہے یا قدیم قبریں ہیں تو ان پر ان کی جگہوں کو مسجد کے لئے استعمال کیا جاسکتا ہے۔ چونکہ قبرستان بھی عام پر وقف ہے اور مسجد بھی عام لوگوں کی ضرورت کے لئے ہے۔

فتاوی محمودیہ سے بھی اس کا جواز ثابت ہوتا ہے کہ قبرستان کی قبر پرانی ہوگئی ہو، ہڈیوں کے بوسیدہ ہوجانے کا گمان ہوگیا ہو، اور وہاں قبر کی ضرورت نہ ہو تو برائے مسجد اسے اختیار کیا جاسکتا ہے۔ اور پرانی قبروں کی جگہ جب مسجد کی اجازت ہوگی تو توسیع مسجد کی بھی اجازت ہوجائے گی۔ کہ اوقاف مسلمین عام ضرورتوں کے ہوتے ہیں اور مسجد اور قبرستان مسلمانوں کی عام ضرورتوں میں ہے۔ فتاوی محمودیہ میں ہے:

وہاں (قبرستان کی زمین میں جب کہ وسیع ہو) مسجد بنانا شرعاً درست ہے۔ بشرطیکہ دفن موتی کے لئے اس جگہ کی حاجت نہ ہو اور استدلال میں عمدۃ القاری شرح بخاری کا حوالہ پیش کیا ہے" لو أن مقبرة من مقابر المسلمين عفت الخ (۱/۲۸۷)۔

اسی طرح ایک اور مقام پر توسیع مسجد میں قبرستان شامل کرنے کے متعلق لکھتے ہیں:

اگر زمین وقف ہے اور قبریں پرانی نہیں تو بھی شامل کرنا جائز نہیں۔ اگر قبریں پرانی ہوچکی ہوں کہ میت بالکل مٹی بن گئی، نیز وہاں اور مردوں کو دفن نہ کیا جاتا ہو تو اس کو مسجد میں شامل کرنا درست ہے۔ ولو بلي الميت صار ترابا جاز دفن غيره وزرعه والبناء عليه قال ابن قاسم لو أن مقبرة من مقابر المسلمين الخ (ص۲۸۹)

اس سے معلوم ہوا کہ مردوں کی تدفین میں خلل اور پریشانی نہ ہو تو مسجد کی توسیع درست ہے۔

پرانی اور نئی قبروں میں فرق:

نئی قبر ہو تو اس میں توسیع کی اجازت نہ ہوگی۔ چونکہ فقہاء کرام نے صراحتاً بلی کی اجازت دی ہے جیسا کہ نقل کی عبارت سے ظاہر ہے۔

مولانا محمد ارشاد القاسمی

مسجد سے متصل جگہ پر حسب ذیل کرتے جانے میں قبرستان جس کا قوں رہنے دیا جائے اور اوپر مسجد بنائی جائے تو جائز ہے۔

مولانا ایوب ندوی

قبرستان کی اراضی میں مسجد کی توسیع:

جب بڑے شہروں میں مسلمان اس صورت حال سے دو چار ہیں کہ یہاں کی وسیع قبرستان میں ایک چھوٹی سی مسجد ہے، جو ممکن ہے کہ کسی زمانے میں تدفین کی غرض سے آنے والوں کی رعایت سے بنائی گئی ہو کہ جب وہ قبرستان میں آئیں اور نماز کا وقت ہو جائے تو وہاں نماز ادا کر سکیں، اب اگر اس علاقہ میں مسلمانوں کی آبادی بڑھ گئی اور مسجد کی توسیع ضروری ہو گئی تو ایسی صورت میں قبرستان کے حصہ میں مسجد کی توسیع کرنی شرعاً جائز ہے، باوجودیکہ اس قبرستان میں تدفین کا بھی سلسلہ جاری ہو، البتہ اس بات کا لحاظ کیا جائے کہ جہاں تک مسجد کی توسیع متوقع ہے اس کو چھوڑ کر تدفین کا عمل جاری رکھا جائے، لیکن یاد رہے کہ اس زیر استعمال قبرستان میں اگر مسجد کے قریب وہاں جگہ میں کوئی بھی قبر ہے تو فی الفور مسجد کے احترام کو ملحوظ رکھتے ہوئے مسجد کی توسیع شامل کی جائے، ہاں اگر قبر قدیم ہو گئی تو پھر فی الفور توسیع کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے، اسی طرح اگر ویران قبرستان ہے تو وہاں بھی شرعاً فی الفور مسجد کی تعمیر کی جا سکتی ہے، اسی طرح مسجد کی توسیع کرنی بھی جائز ہے، فتاوی رحیمیہ میں ہے۔

الجواب: مسجد کی توسیع کے لئے پرانی قبریں اگر جماعت خانہ (مسجد شرعی) میں لینا ضروری ہو تو لے سکتے ہیں اس میں قبروں کی توہین نہ ہوگی، بلکہ صاحب قبر کی خوش نصیبی ہے اور سعادت مندی ہے، حرم شریف میں مطاف (طواف کی جگہ) میں بھی نبیوں علیہم الصلاۃ والسلام کی قبریں ہیں، جماعت خانہ میں جو قبریں شامل کی جائیں ان پر نشان بنانے کی ضرورت نہیں، ہموار کر دی جائیں (فتاوی رحیمیہ ۸۴/۶)

قبروں کی جگہ کو مسجد میں شامل کرنے کے سلسلے میں ایک دوسرے استفتاء (۱۹۷۳) کا جواب دیتے ہوئے حضرت مفتی عبدالرحیم صاحب۔ نے لکھا ہے کہ:

توسیع مسجد کے وقت ان پرانی قبروں کو زمین کے برابر کر کے شامل کر لینا بلا کراہت جائز ہے، اس سے قبروں کی بے حرمتی نہ ہوگی بلکہ مردوں کی روحیں خوش ہوں گی کہ نماز پڑھی جاتی ہے، (اسی استفتاء کے آخر میں لکھا ہے) کہ قبروں کے نشانات باقی رکھنا جائز نہیں (فتاوی رحیمیہ ۹۳/۶)۔

اور حضرت مفتی عزیز الرحمٰنؒ نے فتاوی دار العلوم قدیم میں پرانی قبروں کو مسجد کے صحن کے فرش میں شامل کر لینے کو جائز قرار دیتے ہوئے لکھا ہے:

(الجواب) : قبروں کو برابر کر کے فرش مسجد میں لیا جاوے اس میں کچھ حرج نہیں ہے، اور کچھ کراہت نماز میں نہ ہوگی (فتاوی دار العلوم قدیم المعروف عزیز الفتاوی ۸/۹)

اسی طرح حضرت مفتی کفایت اللہ صاحبؒ نے غیر آباد قبرستان میں مسجد کی تعمیر کو جائز قرار دیتے ہوئے لکھا ہے:

(جواب ۱۳۷) : اس صورت میں قبروں کو برابر کر کے اس کو مسجد میں شامل کر لینا مباح ہے، مگر قبروں کو کھودنا جائز نہیں، اور جو قبریں اتنی پرانی ہوں کہ ان اموات کی لاشیں مٹی ہوگئی ہوں، ان کو کھود کر برابر کر دینا جائز ہے، اور جو قبریں نئی ہوں یعنی ابھی تک ان کی لاشوں کا مٹی ہو جانا متیقن نہ ہو ان کو کھودنا جائز نہیں، و یسے ہی مٹی ڈال کر برابر کر دیں، اور اوپر مسجد بنالیں تو مباح ہے (کفایت المفتی ۷/۱۳۰)

حضرت مفتی کفایت اللہ صاحبؒ کے مندرجہ فتوی سے تو معلوم ہوتا ہے کہ نئی قبروں پر بھی مٹی ڈال کر مسجد بنانا شرعاً جائز ہے، لیکن حضرات فقہاء کی تصریحات میں غور کرنے اور حدیث نبوی **"النزول عن القبر لا تؤذ صاحب القبر فلا یؤذیک"** (ابن ماجہ۔ (حدیث ۱۵۶۵، شرح معانی الآثار ۱/۳۲۸) کے پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ قبرستان میں مسجد کی تعمیر کے جواز کے مسئلہ کو پرانی یا ویران قبرستان کے ساتھ مخصوص رکھنا چاہئے۔

نظیرہ ما قال الزیلعی: ولو بلی المیت و صار ترابا جاز دفن غیرہ فی قبرہ و زرعہ والبناء علیہ (فقہ المشکلات ص ۳۴۰، فتاوی عالمگیری ۱/۱۶۷، رد المختار ۱/۹۵۹)

مولانا ابوبکر قاسمی

قبرستان اس لئے وقف ہوتا ہے کہ اس میں مردے دفن کئے جائیں، لہٰذا اس کے علاوہ کسی اور کام میں اس کو استعمال کرنا درست نہیں ہے، البتہ اگر قبرستان پرانا ہو جائے کہ میت مٹی بن چکے ہوں اور اب وہاں دفن کرنا بند کر دیا گیا ہو، نیز خالی پڑا رہنے سے اندیشہ ہے کہ اس پر کوئی غاصبانہ قبضہ کر لے گا تو پرانی قبروں کو ہموار کر کے حسب ضرورت مسجد، مدرسہ یا کوئی عمارت بنانے کی اجازت ہے (کذا فی محمودیہ ۱۸/۲۱۲۔۲۷۱)

اور سوال میں مذکور صورت کہ وسیع قبرستان میں ایک چھوٹی سی مسجد ہے اور مسلمانوں کی آبادی بڑھ جانے سے ضرورت کے لئے کافی نہیں اور اردگرد بھی دوسری مساجد نہیں کہ ضرورت پوری ہو اور قبرستان اتنا وسیع ہے کہ اس کے کچھ حصہ کو مسجد میں شامل کرنے سے اس میں تنگی نہیں پیش آسکتی ہے تو قبرستان کے کچھ حصہ کو مسجد میں شامل کر کے مسجد کی توسیع کرنے کی گنجائش ہے، جیسا کہ علامہ شامیؒ نے لکھا ہے:

فی الفتح: ولو ضاق المسجد و بجنبہ أرض وقف علیہ أو حانوت جاز أن یؤخذ و یدخل فیہ... زاد فی البحر عن الخانیۃ بأمر القاضی و تقییدہ بقولہ "وقف علیہ" أی علی المسجد یفید أنہا لو کانت وقفا علی غیرہ لم یجز، لکن جواز أخذ المملوکۃ کرھا یفید الجواز

بالأولى لأن المسجد لله تعالى والوقف كذلك ، ولذا ترك المصنف في شرحه هذا القيد و كذا في جامع الفصولين (ردالمحتار ۳/ ۵۳۱)

اور جس حصہ کو مسجد میں شامل کیا جائے اس میں قبریں نہ ہوں، یا اگر ہوں تو اتنی پرانی ہوں کہ میت مٹی بن گئی ہو، اگر قبریں نئی اور تازہ ہوں تو اس حصہ کو میت کے مٹی ہونے سے پہلے شامل کرنا درست نہیں ہے۔

مولانا عبد القیوم

وہ قبرستان جس میں تدفین کا عمل جاری ہے، اور زمین قبرستان کی ضرورت سے زائد بھی ہے ادھر پرانی چھوٹی سی مسجد ہے، جو نمازی کے لئے تنگ پڑ رہی ہے ضرورت ہے کہ اس کی توسیع کی جائے، کیا ایسی صورت میں توسیع کی اجازت ملے گی؟

مسجد کی توسیع کی اجازت اس وقت ملے گی کہ جس طرف مسجد کی توسیع کرنی ہے اس طرف قبریں نہ ہوں اگر قبریں ہوں تو وہ بوسیدہ ہو چکی ہوں، اور زمین قبرستان کی ضرورت سے زائد بھی ہے، ورنہ توسیع کی اجازت نہیں ملے گی جیسا کہ آٹھویں سوال کے تحت تفصیلی گفتگو گذر چکی ہے۔ مولانا تنویر عالم قاسمی

قبرستان قدیم اور ضرورت سے زائد ہو کہ اب اسمیں مردے دفن نہ کئے جاتے ہوں اور پہلے دفن شدہ مردے مٹی بن گئے ہوں تو اسمیں مسجد بنانا جائز ہے۔ فتاویٰ محمودیہ میں ہے: وہاں مسجد بنانا شرعاً درست ہے بشرطیکہ دفن موتی کے لئے اس جگہ کی حاجت نہ ہو، اس کا لحاظ بھی ضروری ہے کہ قبریں نمازیوں کے سامنے نہ ہوں بلکہ درمیان میں دیوار حائل کردی جائے۔

لو أن مقبرة من مقابر المسلمين عفت فبنى فيها مسجدا لم أر بذلك بأسا و ذلك لأن المقابر وقف من أوقاف المسلمين لدفن موتاهم لايجوز لأحد أن يملكها فإذا درست واستغنى عن الدفن فيها جاز صرفها إلى المسجد لأن المسجد أيضا وقف من أوقاف المسلمين لا يجوز تمليكه لأحد فمعناهما على هذا واحد (فتاویٰ محمودیہ ار ۳۸)۔

مفتی عبد الرحیم بھوپالی

قبرستان میں مسجد ہو، اس کی توسیع کی جارہی ہو، اور اس کی توسیع میں پرانی قبریں آجائیں وہ پرانی قبریں کہ جس کی میت مٹی ہو چکی ہو تو اس طرح کی توسیع جائز ہے۔

قال الزيلعي لو بلي الميت وصار ترابا جاز دفن غيره في قبره و زرعه والبناء عليه (رد المحتار ار ۶۵۹، بحرالرائق ۲ ر ۱۹۵، امداد الفتاوی ار ۱۹۱، احسن الفتاوی ۶ ر ۴۰۹)

مولانا نذر توحید مظاہری

ضرورت پر مسجد کی توسیع کے لئے ویران وغیر استعمال قبرستان کی جگہ استعمال کی جاسکتی ہے۔

ڈاکٹر قدرت اللہ باقوی

قبرستان میں تدفین کا سلسلہ موقوف ہوجانے کی وجہ سے قبرستان ویران ہوچکا ہو، نیز قبریں اتنی پرانی ہوں کہ میت مٹی بن گئی ہو تو ایسے قبرستان میں مسجد کی توسیع جائز ہے۔ (احسن الفتاوی ۶/۴۳۲، فتاوی رحیمیہ ۶/۸۴)

اور اگر قبرستان میں تدفین جاری ہو اور تدفین کے لئے اس قبرستان کی ضرورت ہو تو اس میں مسجد کی توسیع جائز نہیں ہے۔ لأن نص الواقف کنص الشارع.

مولانا عبد اللطیف پالنپوری

آج کل بعض بڑے شہروں میں مسلمان اس صورت حال سے دوچار ہیں کہ وسیع قبرستان میں ایک چھوٹی سی مسجد ہے جو ممکن ہے کسی زمانہ میں یہ تدفین کے لئے آنے والوں کی رعایت سے بنائی گئی ہو کہ وہ وہاں نماز ادا کر سکیں، اب اس علاقہ میں آبادی بڑھ گئی ہے اور مسجد کی توسیع ضروری ہوگئی ہے، نیز قبرستان میں بھی تدفین کا سلسلہ جاری ہے تو ایسی صورت حال میں اس قبرستان میں اگر لوگوں نے اموات کو دفن کرنا ترک کردیا ہو اور سابقہ قبروں کے نشان مٹ چکے ہوں تو وہاں مسجد بنانا جائز ہے، ایسے ہی اگر قبرستان کسی کا مملوک ہے اور اس میں قبور مٹ چکی ہوں تو مالک کی اجازت سے وہاں مسجد بنانا جائز ہے۔

حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ دہلوی علیہ الرحمہ ایک سوال کے جواب نمبر (۱۳۰) میں رقمطراز ہیں:

یہ زمین قبرستان کے لئے وقف تھی یا مملوکہ زمین جس میں اموات دفن کئے جاتے ہیں، اگر وقف ہے تو اس کو جب تک دفن کے کام میں لانا ممکن ہے کسی دوسرے کام میں لانا جائز نہیں، لیکن اگر دفن کے کام میں لانا اب ممکن نہیں رہا ہو تو پھر مسجد بنالینا جائز ہے، اور مملوک ہے تو مالکوں کی اجازت سے مسجد بن سکتی ہے (کفایت المفتی ۷/۱۳۶)

مسجد کی توسیع کے لئے قبریں ہموار کر کے وہ جگہ مسجد میں داخل کرنا:

حضرت مولانا قاری مفتی سید عبد الرحیم لاجپوری دامت برکاتہم سوال نمبر (۱۹۹۴) کے جواب میں رقمطراز ہیں:

مسجد کی توسیع کے لئے پرانی قبریں اگر جماعت خانہ (مسجد شرعی) میں لینا ضروری ہو تو لے سکتے ہیں اس میں قبروں کی توہین نہ ہوگی بلکہ صاحب قبر کی خوش نصیبی اور سعادت مندی ہے، حرم شریف میں مطاف (طواف کی جگہ) میں بھی انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کی قبریں ہیں، جماعت خانہ میں جو قبریں شامل کی جائیں ان پر نشان بنانے کی ضرورت نہیں، ہموار کردی جائیں (فتاوی رحیمیہ ۶/۸۴۔ ۹۲ تا ۹۳)

وانه أمر ببناء المسجد فأرسل إلى ملأ من بني النجار فقال يا بني النجار ثامنوني بحائطكم هذا قالوا لا والله لانطلب ثمنه إلا إلى الله فقال أنس فكان فيه ما أقول لكم قبور المشركين وفيه خرب و فيه نخل فأمر النبي ﷺ بقبور المشركين فنبشت ثم بالخرب فسويت وبالنخل فقطع فصفوا النخل قبلة المسجد وجعلوا عضادتيه الحجارة وجعلوا ينقلون الصخر وهم يرتجزون والنبي ﷺ معهم وهو يقول: اللهم لاخير إلا خير الآخرة فاغفر للأنصار والمهاجرة (بخاری ۱/۶۱، مسلم ۱/۲۰۰)

قال العلامة النووی فی شرحه الکامل (قوله وبقبور المشرکین فنبشت) فیه جواز نبش القبور الدارسة وانه إذا أزیل ترابها المختلط بصدیدهم ودمائهم جازت الصلوة فی تلک الأرض وجواز اتخاذ مواضعها مسجدا إذا طیبت أرضه (نووی مع مسلم ۱/۲۰۰)

ویران اور زیر استعمال قبرستان اور جدید وقدیم قبروں کے احکام الگ الگ ہیں، اب تک جو مسائل لکھے گئے ہیں وہ ویران قبرستان اور قدیم قبر کے تحت لکھے گئے، زیر استعمال قبرستان اور جدید قبر کی جگہ مسجد کی توسیع نہیں کی جاسکتی ہے کیونکہ اگر زیر استعمال قبرستان میں مسجد کی توسیع کر دی جائے تو مردوں کی تدفین میں دقت پیش آئے گی، نیز جدید قبر کی جگہ توسیع کی جائے تو احترام میت کے خلاف ہے۔

عن عائشة قالت: قال رسول الله ﷺ "کسر العظم للمیت ککسره حیا" مردہ کی ہڈی توڑنا ایسا ہی ہے جیسے زندہ کی ہڈی توڑنا (ابن ماجہ ۱/۲۹۶، حدیث ۱۹۱۶، باب ۶۳، ریاض الصالحین دوم ۲۰۳۱، موطا امام مالک ص ۸۳)

"اذی المؤمن فی مماته کأذاه فی حیاته" مومن کو مردہ حالت میں تکلیف پہونچانا اس کی زندگی میں تکلیف پہونچانے کی طرح ہے (مصنف ابن ابی شیبہ ۳/۳۶۷)

عن عمرو بن حزم قال رآنی رسول الله ﷺ علی قبر فقال "انزل عن القبر لا تؤذ صاحب القبر فلا یؤذیک" عمرو بن حزم الانصاریؓ سے روایت ہے کہ مجھ کو ایک قبر کے اوپر بیٹھے ہوئے حالت میں رسول اللہ ﷺ نے دیکھ لیا تو ارشاد فرمایا: قبر کے اوپر سے اتر جاؤ قبر والے کو تکلیف مت پہونچاؤ، تم کو بھی تکلیف نہیں پہونچائی جائے گی (شرح معانی الآثار ۱/۳۲۸ تا ۳۲۹، ابن ماجہ ۱/۴۸۷، حدیث ۱۵۹۵، باب ۴۵)

اس سلسلہ میں حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ دہلوی علیہ الرحمہ ایک سوال کے جواب نمبر (۱۳۷) کے تحت یوں فرماتے ہیں: اگر قبرستان کی زمین دفن اموات کے لئے وقف ہے اور اس میں دفن اموات جاری ہے تو اس زمین کو دفن سے معطل کرنا اور مسجد میں شامل کرنا جائز نہیں، کیونکہ جس کام کے لئے وہ وقف ہے اور وہ کام اس میں جاری یا ممکن ہے تو جہت موقوف علیہا سے اس وقف کو معطل کرنا ناجائز ہے، اور اگر وہ زمین دفن اموات کے لئے وقف تو ہے مگر اب اس میں دفن اموات ممکن نہیں، مثلاً حکومت نے منع کر دیا اور وہاں دفن کرنے کو قانونی جرم قرار دیدیا تو اس صورت میں قبروں کو برابر کر کے اس کو مسجد میں شامل کر لینا مباح مگر قبروں کو کھودنا جائز نہیں، اور اگر قبرستان کی زمین وقف نہیں ہے بلکہ کسی کی مملوک ہے تو مالک کی اجازت سے اس کو مسجد میں شامل کر لینا جائز ہے، اور جو قبریں اتنی پرانی ہوں کہ ان اموات کی لاشیں مٹی ہوگئی ہوں ان کو کھود کر برابر کر دینا جائز ہے، اور جو قبریں نئی ہوں یعنی ابھی ان کی لاشوں کا مٹی ہوجانا متیقن نہ ہو ان کو کھودنا جائز نہیں، ویسے ہی مٹی ڈالکر برابر کر دیں اور اوپر مسجد بنالیں تو مباح ہے (کفایت المفتی ۷/۱۳۰ تا ۱۳۱)

مولانا محمد مصطفی قاسمی

آج کل بعض بڑے شہروں میں مسلمان اس صورت حال سے دوچار ہیں کہ وسیع قبرستان میں ایک چھوٹی سی مسجد ہے۔ جو ممکن ہے کہ کسی زمانہ میں یہ تدفین کے لئے آنے والوں کے لئے بنائی گئی ہو کہ وہ وہاں نماز ادا کرسکیں۔ اب اس علاقہ میں آبادی بڑھ گئی ہے اور قبرستان میں بھی تدفین کا سلسلہ جاری ہے باقی آبادی کے بڑھ جانے کے نتیجے میں مسجد قبرستان کے توسیع کا جو مسئلہ ہے وہ اس لئے درست نہیں کہ ظاہر حال بتارہا ہے کہ قبرستان کی زمین میں مسجد ہے۔ ہاں اگر صورتحال سے معلوم ہوجائے کہ اتنی سی زمین مسجد ہی کے لئے وقف ہے تو تنگی کے پیش آنے کی بنا پر مسجد کی زمین کو فروخت کردیا جائے یا اسکو علی حالہ باقی رہنے دیا جائے اور دوسری جگہ دوسری مسجد بنانے کی سبیل نکالی جائے اور عام طور پر جہاں کہیں قبرستان کے اندر نماز پڑھنے کی جگہ متعین کردی جاتی ہے وہ مسجد ہی نہیں ہوتی بلکہ اس کا حکم دار الصلوۃ کا ہوتا ہے۔

مولانا اخلاق الرحمن قاسمی

بڑے شہروں میں جہاں وسیع قبرستان میں چھوٹی سی مسجد ہو لیکن علاقہ میں آبادی بڑھ جانے کی وجہ سے مسجد کی توسیع ضروری ہوگئی ہو تو اس سلسلہ میں شرعی حل یہ ہے کہ اگر قبرستان میں تدفین جاری ہے تو بہتر یہ ہے کہ قبرستان کے اندر مسجد کی توسیع نہ کی جائے لیکن جب قبرستان میں قبریں اتنی پرانی ہوجائیں کہ میت کے جسم کا مٹی بن جانا غالب ہوگیا ہو تو فقہ کی کتابوں میں لکھا ہے کہ اس پر تعمیر کرنا جائز ہے، جہاں تک مسجد کی توسیع کی ضرورت ہے تو اس کا ثواب بھی تدفین سے کم نہیں اس لئے ایسے قبرستان میں جس میں تدفین متروک ہوچکی ہو ویران اور ناقابل استعمال ہو اگرچہ موقوفہ ہو، اس میں مسجد کی توسیع بلا شبہ جائز ہے، اس صورت میں منشاء واقف کے خلاف بھی نہ ہوگا، صورت مسئلہ میں پرانی قبر کے نشان کو مٹا کر مسجد کی توسیع کرلی جائے اور اگر فتنہ وفساد کا اندیشہ ہو تو قبر کو بغیر توڑے اور منہدم کئے ہوئے مٹی اتنی اونچی پاٹ دیجائے کہ قبر اس میں چھپ جائے اور اس پر توسیع مسجد کردی جائے گی، عینی شرح بخاری میں ہے:

قال ابن القاسم لو أن مقبرة من مقابر المسلمين عفت فبنى فيها مسجدا لم أر بذلك بأسا لأن المقابر وقف من أوقاف المسلمين لدفن موتاهم لا يجوز لأحد أن يملكها فإذا درست واستغنى عن الدفن فيها جاز صرفها إلى المسجد لأن المسجد أيضا وقف من أوقاف المسلمين (امداد الفتوی ۲؍۱۰۹)

ابن قاسم کہتے ہیں کہ اگر مسلمانوں کا کوئی مقبرہ مٹ جائے اور وہاں کوئی مسجد بنالے تو میں اس میں کوئی حرج نہیں سمجھتا، اس لئے کہ قبرستان بھی مسلمانوں کے اوقاف میں سے ہے ان کے موتی کے تدفین کے لئے، تو کسی کے لئے درست نہیں کہ وہ اسکو اپنی ملکیت میں رکھ لے، لیکن جب وہ مٹ جائے اور تدفین سے مستغنی ہوجائے تو اس کو مسجد میں منتقل کرنا جائز اس لئے ہے کہ مسجد بھی مسلمانوں کے اوقاف میں سے ایک وقف ہے۔

مولانا قمر الزمان ندوی

قبرستان میں مسجد کی توسیع:

بہت سے بڑے شہروں میں دیکھا گیا ہے کہ وسیع قبرستان میں ایک چھوٹی سی مسجد بنی ہوتی ہے جو ممکن ہے کسی زمانہ میں تدفین کے لئے آنے والے حضرات کی رعایت سے بنائی گئی ہو کہ وہ وہاں نماز ادا کر سکیں، اب یہ دیکھا جا رہا ہے کہ اس علاقہ میں آبادی بڑھ گئی ہے اور مسجد کی توسیع ضروری ہو گئی ہے، تو کیا اس قبرستان کی زمین میں مسجد کی توسیع کر سکتے ہیں؟ اس سلسلہ میں تھوڑی تفصیل ہے کہ اگر اس قبرستان میں تدفین کا سلسلہ جاری ہے یا اس مسجد کے آس پاس جدید قبریں ہیں تو ایسی صورت میں دائیں بائیں آگے اور پیچھے اس مسجد کی توسیع کی گنجائش نظر نہیں آتی، اس لئے مسلمانوں کو چاہئے کہ اوپر کی منزلوں میں توسیع کریں ایک دو حتی منزلیں چاہیں اوپر بنا سکتے ہیں اور اس طرح توسیع کا عمل کیا جا سکتا ہے، لیکن اگر قبرستان بہت پرانا ہو گیا ہے اور اس میں تدفین کا سلسلہ ختم ہو چکا ہے، یا قبرستان تو زیر استعمال ہو لیکن آس پاس کی قبریں اتنی پرانی ہو گئی ہوں کہ جسد میت کے مٹی ہو چکنے کا ظن غالب ہو چکا ہو تو اس قبر میں دوسرے مردہ کو دفن کرنا اس پر کھیتی کرنا اور مکان بنا لینا درست ہے، چنانچہ عالمگیری میں تبیین الحقائق سے نقل کیا گیا ہے:

لو بلي الميت وصار ترابا جاز دفن غيره في قبره وزرعه والبناء عليه (الفتاوى الہندیہ ا ر ۱۶۷، نیز ملاحظہ ہو: رد المحتار ا ر ۶۰۶۔ کتاب الجنائز)

اگر میت گل کر مٹی ہو جائے تو اس کے علاوہ دوسرے میت کو اس کی قبر میں دفن کرنا جائز ہے، نیز اس پر کھیتی کرنا اور عمارت بنانا بھی جائز ہے جب کھیتی کرنا اور مکان بنانا جائز ہے تو اس پر مسجد کی توسیع اور تعمیر بلاشبہ جائز و درست ہوگی، چنانچہ "تاريخ الكعبة المعظمة" میں ہے:

مابين المقام والركن وزمزم قبر تسعة وتسعين نبياً۔ (ص ر ۱۹۷)

یعنی مقام ابراہیم اور رکن اور چاہ زمزم کے درمیان ننانوے نبیوں کی قبریں ہیں۔

اور اسی کتاب میں ہے کہ جب کسی نبی کی امت ہلاک کر دی جاتی تھی تو نبی علیہ السلام بیت اللہ شریف کے پاس آ کر پناہ لیتے تھے اور وہیں تا زندگی عبادت میں مشغول رہتے تھے، اور ظاہر ہے کہ نبی کی جس جگہ وفات واقع ہوتی ہے وہ اسی جگہ مدفون ہوتے ہیں، اور اب جب کہ ان قبروں کے نشانات صدیوں سے کسی کو معلوم نہیں تو کہنا پڑے گا کہ مسجد حرام کی توسیع میں زمانہ قدیم سے وہ قبریں حدود حرم میں آ گئیں، اسی طرح حضرت اسماعیل علیہ السلام اور ان کی والدہ ماجدہ کی قبریں حطیم میں ہیں جو حدود مطاف میں ہے اور قبروں کا کوئی نشان نہیں، یہ باتیں اس بات کی دلیل ہیں کہ پرانی قبروں کے نشانات مٹا کر بھی توسیع مسجد و تعمیر جائز ہے۔

مولانا محمد نور القاسمی

قبرستان میں مسجد کی توسیع کرنا:

قبرستان کے اندر تعمیر شدہ مسجد تنگ ہو جائے تو اس کی توسیع کرنا درست ہوگا، لیکن اگر قبرستان زیر استعمال ہے خواہ قدیم ہو یا جدید اس میں مسجد کی توسیع کی گنجائش نہ ہوگی، البتہ قبرستان ویران، غیر استعمال ہو تو اس میں مسجد کی

توسیع جائز ہی نہیں بلکہ بہتر عمل ہوگا، کیونکہ فقہاء نے ویران قبرستان جس میں تدفین کا عمل بند ہو اس میں عمارت تعمیر کرنے وزراعت کرنے کی اجازت دی ہے (البحر الرائق ۲۱۰/۲، رد المحتار ۶۰۹/۱، فتاوی عالمگیری ۱۶۷/۱) تو اس میں مسجد کی توسیع بدرجہ اولی جائز ہوگی، اور اگر قدیم قبرستان ہو یا جدید، لیکن زیر استعمال ہو اور لوگوں کی بڑھتی ہوئی تعداد اور کثرت کے سبب توسیع کا عمل بہت ہی ناگزیر ہو، تو ایسی صورت میں مسجد کے اوپر دو منزلہ، سہ منزلہ عمارت تعمیر کرکے توسیع کی صورت اپنائی جاسکتی ہے، اس سلسلہ میں مسئلہ کی وضاحت کے لئے مفتی نظام الدین صاحب کی تفصیلی عبارت کا نقل کرنا مناسب ہوگا، مفتی صاحب تحریر فرماتے ہیں:

" ولو بلی المیت الخ ۔ اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ جب قبر اتنی پرانی ہو جائے کہ جسد میت کے مٹی ہو چکنے کا ظن غالب ہو جائے تو اس قبر میں دوسرے مردے کا دفن کرنا اور اس پر کھیتی کرنا اور مکان بنانا جائز ہے تو مسجد کی توسیع وتعمیر بلاشبہ جائز ودرست ہوگی، چنانچہ " تاریخ الکعبۃ المعظمۃ (ص ۱۹۷/۱) میں ہے: ما بین المقام والرکن وزمزم قبر تسعۃ و تسعین نبیا ۔ یعنی مقام ابراہیم اور رکن اور چاہ زمزم کے درمیان میں ننانوے نبیوں کی قبریں ہیں، اور اسی کتاب میں ہے کہ جب کسی نبی کی امت ہلاک کردی جاتی تھی تو وہ نبی بیت اللہ شریف کے پاس آکر پناہ لیتے اور وہیں تا زندگی معبد ہو جاتے تھے، اور ظاہر ہے کہ نبی کی جس جگہ وفات واقع ہوتی ہے وہ اسی جگہ مدفون ہوتا ہے، اور اب جب کہ ان قبروں کے نشانات صدیوں سے کسی کو معلوم نہیں تو کہنا پڑے گا کہ مسجد حرام کی توسیع میں زمانہ قدیم سے ہی وہ قبریں حدود حرم میں آگئیں، اسی طرح اسمٰعیل علیہ السلام اور ان کی والدہ ماجدہ ہاجرہ کی قبریں دار حطیم میں ہیں، جو حدود مطاف میں ہے اور قبروں کا کوئی نشان نہیں ہے ... یہ باتیں اس بات کی دلیل ہیں کہ پرانی قبروں کے نشانات مٹا کر بھی توسیع مسجد وتعمیر جائز ہے، اسی قسم کے مضامین "طبری" اور "البدایۃ والنہایۃ" صفحہ ۱۲۰۔ ۱۳۸۔ ۱۹۱۔ ۱۹۲ میں اور جلد ۹ میں بھی ہیں (نظام الفتاوی ۱۹۲/۱۔ ۱۹۳)۔

خلاصہ کلام یہ کہ قبرستان زیر استعمال نہ ہو بلکہ اس میں تدفین متروک ہو چکی ہو تو اس میں توسیع کرنا درست ہے، اور یہ توسیع کا عمل واقف کی منشاء کے خلاف بھی نہ ہوگا۔

مولانا ابرار خان ندوی

اس مسئلہ کا حکم بھی اوپر کی طرح ہے کہ مسجد کی توسیع میں اگر قبرستان کی اتنی زمین مستعمل ہو جس کی نہ فی الحال قبرستان کے لئے ضرورت ہے اور نہ آئندہ اس کی ضرورت متوقع ہو تو اس طرح اس کی توسیع کی جائے کہ قبریں نمازیوں کے سامنے نہ ہوں بلکہ درمیان میں دیوار مسجد حائل ہو (فتاوی محمودیہ بحوالہ عینی ۲۹۷/۱) البتہ نئی قبریں جہاں میت کا جسم مٹی نہ بنا ہو، یہ تعمیر درست نہ ہوگی۔

مولانا ابراہیم فلاحی بارڈولی

صورت مسئولہ میں قبرستان کے حکم کے بارے میں فرق ہے، اگر قبرستان بالکل ویران ہو چکا ہے اور جس جگہ مسجد کی توسیع کرنا چاہتے ہیں، قبریں بہت پرانی ہیں کہ قبر کا کوئی نام ونشان نظر نہیں آتا ہے تو اس جگہ مسجد کی توسیع کی

جا سکتی ہے۔اور اگر قبرستان زیر استعمال ہے اور اس جگہ قبریں نئی ہیں تو وہاں قبر کی جگہ مسجد کی توسیع جائز نہیں ہے۔

ولو أن مقبرة من مقابر المسلمين عفت فبنى غيرها مسجدا لم أر بذلك بأسا و ذلك لأن المقابر وقف من أوقاف المسلمين لدفن موتاهم لا يجوز لأحد أن يملكها فإذا درست واستغني عن الدفن فيها جاز صرفها إلى المسجد لأن المسجد أيضا وقف من أوقاف المسلمين لا يجوز تمليكه لأحد فمعناهما على هذا واحد. ولو بلي الميت و صار ترابا جاز دفن غيره في قبره و زرعه والبناء عليه.

مولانا سمیع اللہ قاسمی

قبرستان میں موجود مسجد کی توسیع:

کسی قبرستان میں چھوٹی سی مسجد ہے،اب جب کہ مسلمانوں کی آبادی بڑھ جانے کی وجہ سے اس کی توسیع کی ضرورت پڑ گئی تو قبر کے مزید کچھ حصے شامل کر کے اس کی توسیع کی جا سکتی ہے۔اس سلسلے میں آباد اور ویران دونوں اعتبار سے کچھ فرق نہیں،البتہ اس حصے میں جدید اور قدیم ہونے کے اعتبار سے فرق ہے۔

چنانچہ اگر قبر بالکل نئی ہے تو پھر اس حصے میں توسیع کی اجازت نہیں ہوگی۔کیونکہ اس سے قبر کی بے حرمتی ہوتی ہے۔اور اگر قبریں پرانی اور بوسیدہ ہیں اور مردے مٹی ہو گئے ہیں تو اس حصے کو توسیع کے اندر شامل کر لینے کی جازت ہے حتی کہ حضرت مفتی عبدالرحیم صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ یہ تو صاحب قبر کی خوش قسمتی کی بات ہے کیوں کہ حرم کے مطاف میں بھی انبیاء کی قبریں ہیں (فتاوی رحیمیہ ۹/۸۶)

عالمگیری کے اندر ہے:"ولو بلي الميت وصار ترابا جاز دفن غيره في قبره وزرعه والبناء عليه (عالمگیری ۱/۱۵۶،وہکذا فی التبیین ۱/۲۴۶)

مولانا صدر عالم

اگر اس قبرستان میں لوگوں نے مردوں کو دفن کرنا چھوڑ دیا ہو اور سابقہ قبروں کے نشانات مٹ گئے ہوں تو مسجد کی توسیع جائز ہے۔

ولو بلي الميت وصار ترابا جاز دفن غيره وزرعه والبناء عليه ومقتضاه جواز المشي فوقه (ردالمحتار ۱/۵۳۸)۔

مولانا عطاء اللہ قاسمی

قبرستان کی مسجد کو وسیع کرنے کا حکم:

جو مسجد کسی وقت قبرستان میں تعمیر کی گئی ہوتا کہ جو لوگ زیارت کے لئے قبرستان آئیں وہ نماز پڑھ لیا کریں،لیکن اب آبادی کے بڑھ جانے اور لوگوں میں زیادتی کے سبب وہ مسجد تنگ ہو جائے اور ایک عام مسجد کی طرح ہو جائے کہ جو لوگ زیارت کرنے والے نہیں ہیں وہ بھی اس میں آ کر نماز پڑھنے لگیں تو ان وجوہات کی بناء پر اس مسجد کو

وسیع کیا جائے، تو اس شرط کے ساتھ مسجد کی توسیع کی گنجائش ہے کہ قبرستان کے اندر اس مسجد کے آس پاس قبریں نہ ہوں اور اگر کسی زمانہ میں رہی ہوں تو وہ مرور زمانہ کی وجہ سے مٹی ہو چکی ہوں اور اب ان قبروں کے نشانات بھی مٹ چکے ہوں تو اس صورت میں ارباب فتاوی کے کلام سے اس کی گنجائش معلوم ہوتی ہے (مستفاد از فتاوی محمودیہ ۱۵/۳۰۰)

واما المقبرة الدائرة إذا بنى فيها مسجد ليصلى فيه فلم أر فيه بأساً لأن المقابر وقف وكذا المسجد فمعناهما واحد (عمدۃ القاری للعینی ۴/۱۷۴)

اور پرانا قبرستان جب اس میں مسجد تعمیر کی جائے تاکہ لوگ اس میں نماز پڑھیں تو اس میں کوئی حرج نہیں، اس لئے کہ قبرستان بھی وقف ہوتا ہے اور مسجد بھی، پس دونوں کا ایک ہی مطلب ہے۔

مولانا اسعد اللہ قاسمی

قبرستان میں مسجد کی توسیع:

اگر وسیع قبرستان میں چھوٹی سی مسجد ہے اور آبادی کے قریب ہونے، نیز قریب میں دوسری مسجد نہ ہونے کی وجہ سے مسجد کی توسیع کی ضرورت ہے تو توسیع کی جائے گی کیونکہ جس طرح قبرستان اوقاف مسلمین میں سے ہے اسی طرح مسجد بھی اوقاف مسلمین میں سے ہے، اور جس طرح قبرستان کی تملیک جائز نہیں اسی طرح مسجد کی بھی تملیک جائز نہیں ہے، لہذا مسجد کی توسیع قبرستان میں جائز ہوگی لیکن شرط یہ ہے کہ جہاں مسجد کی توسیع کی جائے وہاں کوئی نئی قبر نہ ہو اور اگر پرانی قبر ہو تو توسیع کے وقت اس کو مٹا دیا جائے، چنانچہ صاحب عینی رقم طراز ہیں:

لو أن مقبرة من مقابر المسلمين عفت فبنى فيها مسجدا لم أر بذلك بأسا وذلك لأن المقابر وقف من أوقاف المسلمين لدفن موتاهم لا يجوز لأحد أن يملكها فإذا درست واستغنى عن الدفن فيها جاز صرفها إلى المسجد لأن المسجد أيضا وقف من أوقاف المسلمين لا يجوز تمليكه لأحد فمعناهما على هذا واحد (عینی ۱۰/۱۵۴)

اگر مسلمانوں کا کوئی قبرستان پرانا ہو جائے اور اس پر مسجد بنا دی گئی تو میرے خیال میں اس میں کوئی حرج نہیں ہے، اس لئے کہ قبرستان میت کو دفن کرنے کے لئے مسلمانوں کے وقف میں سے ایک وقف ہے، اس کا کوئی مالک نہیں ہو سکتا، اس لئے اگر وہ پرانا ہو جائے اور اس میں دفنانے کی ضرورت نہ ہو تو اس کا استعمال مسجد کے لئے درست ہے اس لئے کہ مسجد بھی مسلمانوں کے اوقاف میں سے ایک وقف ہے، اس پر کسی کی ملکیت جائز نہیں۔

لو بلى الميت وصار ترابا جاز دفن غيره في قبره وزرعه والبناء عليه (زیلعی ۱/۲۴۶)

اگر میت پرانی ہو کر مٹی ہو جائے تو اس قبر میں دوسری میت دفن کرنا اور اس کے اوپر کھیتی کرنا اور عمارت بنانا جائز ہے۔

مولانا محمد ارشد قاسمی

☆☆☆☆☆☆☆

مساجد پر غیر مسلم انتظامیہ کی تولیت

اس مسئلہ سے متعلق جواب دینے والے علماء کرام کے اسمائے گرامی

مولانا عبید اللہ اسعدی
مولانا عتیق احمد قاسمی
مولانا زبیر احمد قاسمی
مفتی شبیر احمد قاسمی
مولانا ظفر عالم ندوی
ڈاکٹر عبد العظیم اصلاحی
مولانا ابو سفیان مفتاحی
مولانا ظفر الاسلام اعظمی
مفتی فضیل الرحمن ہلال عثمانی
مولانا سلطان احمد اصلاحی
مولانا محمد رضوان قاسمی
مولانا محمد ارشد القاسمی
مولانا ابو بکر قاسمی
مولانا تنویر عالم قاسمی
مولانا نذر توحید مظاہری
مولانا عبد اللطیف پالنپوری
مولانا اخلاق الرحمن قاسمی
مولانا محمد نور القاسمی
مولانا ابراہیم فلاحی بارڈولی
مولانا محمد صدر عالم قاسمی
مولانا اسعد اللہ قاسمی

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی
مفتی جنید عالم قاسمی
مولانا عبد الجلیل قاسمی
مفتی نسیم احمد قاسمی
مولانا محسن پیرزادہ
مفتی جمیل احمد نذیری
مفتی محبوب علی وجیہی
مولانا حبیب اللہ قاسمی
مفتی خلیل احمد سیتاپوری
مولانا مفتی محمد حنیف
مفتی شیر علی گجراتی
مولانا ایوب ندوی
مولانا عبد القیوم پالنپوری
مفتی عبد الرحیم قاسمی
ڈاکٹر قدرت اللہ باقوی
مولانا محمد مصطفی قاسمی
مولانا قمر الزماں ندوی
مولانا ابرار خاں ندوی
مولانا سمیع اللہ قاسمی
مولانا عطاء اللہ قاسمی
مولانا محمد رشید قاسمی

مساجد پر غیر مسلم انتظامیہ کی تولیت

سوال: ہندوستان کی بعض ریاستوں میں ہندو راجاؤں اور جاگیرداروں نے مساجد پر بھی اراضی وقف کی ہیں، اور شائد واقف کے ہندو ہونے کے باعث یہ مساجد اب ہندو اوقاف کے تحت ہیں، اور ہندو وقف بورڈ ہی مسجد سے متعلق تمام نظم ونسق انجام دیتا ہے، تو کیا مساجد ومقابر اور اسلامی مقاصد کے تحت وجود میں آنے والے اوقاف کا غیر مسلم ادارہ کی تولیت میں رہنا درست ہے؟

جوابات

غیر مسلم کے وقف کو جب کہ مسجد وغیرہ کے لئے ہو درست قرار دیا گیا ہے، البتہ وقف کی تولیت وانتظام اس کے سپرد ہو اس بابت احقر کو کوئی چیز نہیں مل سکی، بظاہر تو یہ درست معلوم نہیں ہوتا۔ کہ وہ اپنے مذہب خاص کی وجہ سے نہ وقف کی اہمیت اور نہ موقوف علیہ کی عظمت، کچھ بھی اس درجہ میں نہیں رکھتا جو کہ ایک مسلمان کو ہوتی ہے، اور نہ ہی اس سے شرائط وقف کی تنفیذ میں وہ توجہ واہتمام متصور ہے جو اس کے لئے درکار ہوتا ہے۔

البتہ جو قدیم اوقاف غیر مسلموں کی تولیت وذمہ داری میں چلے آرہے ہیں ان کے حالات کا جائزہ لیکر فیصلہ کرنا مناسب ہے، اگر کام صحیح شرائط واحکام کے مطابق ہورہا ہے تو ان کے ہاتھ میں رہنے دیا جائے۔ ورنہ دوسری کارروائی کی جائے، اس لئے کہ اطلاقاً تصرف وتعرض میں فتنہ پیدا ہوسکتا ہے اور یہاں جو رواداری مطلوب ہے اس کے بھی خلاف ہے۔

مولانا عبید اللہ اسعدی

مساجد پر ہندو اوقاف کی تولیت:

بنیادی طور پر فقہاء نے تولیت کے لئے اسلام کی شرط نہیں رکھی ہے، شامی رقمطراز ہیں:

ویشترط للصحة بلوغه و عقله لا حريته و إسلامه (رد المحتار ۶/ ۵۷۹)

لیکن یہ فقہاء کے یہاں متفق علیہ نہیں ہے، کیونکہ یہ اشخاص پر نہ سہی لیکن اسباب واموال پر ایک طرح کی ولایت ہے اور غیر مسلم کو مسلمان پر ولایت حاصل نہیں ہوسکتی، اسی لئے رافعی کو شامی کے اس اطلاق سے اتفاق نہیں، وہ ابن نجیم کے حوالہ سے لکھتے ہیں:

ينبغي أن يخص بوقف الذمي فان تولية الذمي على المسلمين حرام لا ينبغي اتباع شرط الواقف فيها (تقریر الرافعی مع الشامی ۶/ ۸۳)

ارشاد ربانی: "إنما يعمر مساجد الله من آمن بالله واليوم الآخر .." سے بھی ایک حد تک رافعی کے نقطۂ نظر کی تائید ہوتی ہے، گو "عمارۃ" سے معنوی عمارت بھی مراد ہوسکتی ہے جو نماز اور ذکر وعبادت سے عبارت ہے،

اور زیادہ احتمال اسی معنی کا ہے (گنجائش دونوں معنوں کی ہے، دیکھئے: مفاتیح الغیب للرازی ۱۷/۵۹۲) کیونکہ اگر تعمیر کے معنی مادی تعمیر کے ہوں تو پھر تعمیر مساجد میں غیر مسلم مزدوروں سے کام لینا بھی نادرست قرار پائے گا۔

زیادہ درست اور قرین جواز یہ معلوم ہوتا ہے کہ تولیت غیر مسلموں کی جائز تو ہے لیکن مکروہ تحریمی۔ جائز اس لئے کہ تولیت کا اصل مقصود حفاظت و نگہداشت اور انتظام ہے، متولی کو جو بعض تصرفات کے حق حاصل ہیں وہ ضمنی حیثیت رکھتے ہیں، اور ظاہر ہے کہ نظم و حفاظت کا کام غیر مسلموں سے بھی لیا جا سکتا ہے، پھر اس کی تائید اس واقعہ سے ہوتی ہے کہ فتح مکہ کے موقع سے آپ ﷺ نے عثمان بن طلحہ کے ہاتھ سے کعبہ کی کلید حاصل کی اور پھر انہیں کو واپس فرما دی، حالانکہ اس وقت تک عثمان دامن اسلام میں نہیں آئے تھے، تو جب ایک غیر مسلم کلید بردار کعبہ ہو سکتا ہے تو عام مساجد کا متولی کیوں نہیں ہو سکتا؟... البتہ یہ کراہت سے خالی نہیں، کیونکہ کسی غیر مسلم سے اس بات کی توقع نہیں کی جاسکتی کہ وہ مساجد کے حقوق کی پوری پوری رعایت کرسکے گا۔

بالخصوص ہندوستان میں مساجد کا غیر مسلم انتظامیہ کے تحت رہنا خطرات و خدشات سے خالی نہیں، اس لئے مسلمانوں پر ایک اجتماعی فریضہ ہے کہ وہ ایسی مساجد کو مسلمان انتظامیہ کے تحت لانے کی سعی کریں... واللہ تعالیٰ اعلم۔

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی

درست ہے۔

مولانا عتیق احمد قاسمی

غیر مسلم ادارہ کی تولیت میں مساجد و مقابر یا دیگر اوقاف کا رہنا:

غیر مسلم کا کیا ہوا وقف بھی صحیح ہے، البتہ اس کے وقف کے صحیح ہونے کے لئے ضروری ہے کہ جس کے لئے وقف کر رہا ہے اس پر وقف کرنا اس کے نزدیک بھی باعث قربت ہو اور ہمارے نزدیک بھی۔ جیسے اپنی اولاد یا فقراء یا بیت المقدس پر وقف کرنا، اس کے نزدیک بھی باعث قربت ہے اور ہمارے نزدیک بھی، اگر اس کے نزدیک باعث قربت ہے لیکن ہمارے نزدیک نہیں۔ مثلاً مندر کے لئے وقف۔ یا ہمارے نزدیک ہے لیکن اس کے نزدیک نہیں۔ جیسے حج وغیرہ کے لئے تو وقف صحیح نہیں ہوگا۔ لہذا اگر کوئی غیر مسلم ثواب سمجھ کر کسی مسجد یا قبرستان کے لئے وقف کرتا ہے تو اس کا وقف صحیح ہوگا۔

"وأما الإسلام فليس من شرطه فصح وقف الذمي بشرط كونه قربة عندنا وعندهم كما لو وقف على أولاده أو على الفقراء أو على فقراء أهل الذمة فإن عمم جاز الصرف إلى كل فقير مسلم أو كافر وإن خصص فقراء أهل الذمة اعتبر شرطه كما نص عليه الخصاف" (البحر ۵/۲۰۲)

"(قوله بشرط كونه قربة عندنا و عندهم) الظاهر أن هذا شرط في وقف الذمي فقط

لیخرج مالو کان قربۃ عندنا فقط کوقفہ علی الحج والمسجد ما کان قربۃ عندھم فقط کالوقف علی البیعۃ بخلاف الوقف علی مسجد القدس فانہ قربۃ عندنا وعندھم فیصح الخ" (منحۃ الخالق علی ہامش البحر الرائق ۲۰۲/۵)

اور جب غیر مسلم کا وقف صحیح ہے تو وہ اپنے اوقاف کا متولی بھی بن سکتا ہے، اس لئے کہ صحت تولیت کے لئے اسلام شرط نہیں ہے۔

"ویشترط للصحۃ بلوغہ وعقلہ لا حریتہ وإسلامہ لمافی الاسعاف" الخ (ردالمحتار مطلب فی شروط المتولی ۳۸۵/۴)

"ولا تشترط الحریۃ والاسلام للصحۃ لما فی الاسعاف ولو کان عبدا یجوز قیاساً واستحسانا والذمی فی الحکم کالعبد الخ" (الفتاوی الہندیہ ۴۰۸/۲)

لہذا مذکورہ صورت میں اگر ہندو راجاؤں اور جاگیرداروں نے مساجد یا مقابر پر وقف کیا ہے اور نسلاً بعد نسل یہ تولیت ان کے خاندانوں میں آرہی ہے، جس کی وجہ سے آج بھی وہ اوقاف غیر مسلم ادارہ کی تولیت میں ہیں تو ایسی صورت میں غیر مسلم ادارہ کی تولیت میں ان اوقاف کا رہنا صحیح و درست ہے۔

مفتی محمد جنید عالم قاسمی

چونکہ صحت وقف کے لئے واقف کا اور تولیت وقف کے لئے متولی کا مسلمان ہونا ضروری نہیں، جیسا کہ فقہاء کی صراحت ہے:

أما الإسلام فلیس بشرط (فتاوی ہندیہ ۳۵۲/۲)

ویشترط للصحۃ بلوغہ وعقلہ لا حریتہ وإسلامہ (شامی ۳۸۵/۴)

اس لئے ہندو راجاؤں نے مساجد پر یا دیگر اسلامی مقاصد کے تحت جو اراضی وقف کئے اور اس کی تولیت اپنے ہی کسی ہم مذہب کے سپرد کیا، سب عمل درست رہا، اور پھر نسلاً بعد نسل یہ تولیت مختلف متولیوں کی طرف منتقل ہوتے ہوئے آج کسی ہندو بورڈ کو حاصل ہے، تو اسے علی حالہ ہندو وقف بورڈ کی تولیت و نگرانی میں بھی چھوڑا جا سکتا ہے، وقف کا کوئی بھی متولی خواہ واقف کا متعین کردہ ہو یا کسی قاضی شریعت وغیرہ کا، جب تک اس میں امانت داری رہے گی معزول نہیں کیا جا سکتا۔

آج مساجد و مقابر یا دیگر اسلامی مقاصد کے تحت جو اوقاف ہندو راجاؤں کی طرف سے قائم و موجود ہیں اور ہندو وقف بورڈ کے تحت اس کا انتظام چل رہا ہے، اگر تحقیقات سے ثابت ہو کہ بورڈ واقف کے شرائط و منشاء کی رعایت و پابندی کرتے ہوئے سارا نظم و نسق انجام دے رہا ہے تو اس بورڈ یعنی غیر مسلم ادارہ کی تولیت میں چھوڑ دینا درست ہے، لیکن تحقیقات سے اس ادارہ کی خیانت معلوم ہو جائے، یا پھر عین مساجد و مقابر ہی پر کسی بیجا تصرف کا خطرہ محسوس ہو تو اس کی تولیت سے اوقاف کو نکالنا ضروری ہوگا، اور اگر یہ ممکن نہ ہو تو اس وقف ہی سے مسجد و مقبرہ کا رشتہ منقطع

کرد یا لازم ہوگا۔ واللہ اعلم بالصواب۔

مولانا زبیر احمد قاسمی

اگر کسی جگہ ہندو راجاؤں اور جاگیرداروں نے مساجد پر اراضی وقف کیا ہے، اب ان کی اولاد میں کوئی ہندو اس کا متولی ہے تو یہ جائز ہے، اس لئے کہ متولی کے لئے مسلمان کا ہونا ضروری نہیں ہے۔

ویشترط للصحة بلوغه وعقله لا حریته واسلامه کما فی الاسعاف (رد المحتار ۳/ ۳۸۵)

ولا تشترط الحریة والإسلام للصحة کما فی الاسعاف (ہندیہ ۲/ ۴۰۸)

مولانا عبد الجلیل قاسمی

غیر مسلم کا وقف اور اس کی تولیت:

غیر مسلم اگر کار ثواب سمجھ کر مسجد کے لئے کوئی جائداد وقف کردے تو شرعی طور پر غیر مسلم کا وقف صحیح ہے، اور مسجد اور عبادت گاہوں میں ان کی وقف کردہ اشیاء کا استعمال بلا کراہت جائز ہے (مستفاد از احسن الفتاوی ۶/ ۴۳۹، فتاوی محمودیہ ۱/ ۱۹۷)

لأنه مباح بدليل صحته من الكافر وتحته في الشمعة بل التقرب به موقوف على نية القربة فهو بدونها مباح حتى يصح من الكافر كالعتق والنكاح (وقوله) فإنه لا بد فيه من أن يكون في صورة القربة (رد المحتار الشامي - زکریا ۶/ ۵۲۱، شامی کراچی ۴/ ۳۳۹)

اس لئے کہ کافر کی طرف سے صحیح ہونے کی وجہ سے مباح ہے، دوسرے یہ کہ شامی میں ہے کہ اس کے کار ثواب ہونے کا مدار

قربت کی نیت پر ہے، لہذا بغیر نیت کے صرف مباح ہے حتی کہ کافر کی طرف سے بھی صحیح ہو جاتا ہے جیسا کہ عتق اور نکاح صحیح ہو جاتا ہے اس لئے اس میں ضروری ہے کہ قربت کی صورت میں ہو۔

نیز غیر مسلموں کی تولیت بھی اوقاف میں جائز ہے اس لئے کہ تولیت کا مدار امانت داری پر ہے نہ کہ ایمان و اسلام پر۔

مطلب شروط المتولي، ولا تشترط الحرية والإسلام للصحة كما في الاسعاف ولو كان عبدا يجوز قياسا واستحسانا والذمي في الحكم كالعبد (ہندیہ ۲/ ۴۰۸، شامی زکریا ۶/ ۵۷۸)

متولی کی شرطوں کے تحت لکھا ہے کہ صحت تولیت کے لئے آزاد و مسلمان ہونا شرط نہیں ہے جیسا کہ اسعاف میں ہے اور اگر متولی غلام ہو تو قیاساً و استحساناً جائز ہے اور غیر مسلم ذمی حکم میں غلام کی طرح ہے۔

مفتی شبیر احمد قاسمی

اوقاف کا غیر مسلم اداروں کی تولیت میں رہنا:

صحت وقف کے لئے مسلمان ہونا ضروری نہیں ہے، غیر مسلم کا بھی وقف درست ہے، البتہ غیر مسلم کے

وقف کے درست ہونے کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ جس مقصد کے لئے وقف کر رہا ہے اس پر وقف کرنا اس کے نزدیک بھی باعث قربت ہو اور ہمارے نزدیک بھی، جیسے بیت المقدس کے فقراء یا اپنی اولاد پر وقف کرنا ہمارے نزدیک بھی باعث قربت وتقرب ہے اور اس کے نزدیک بھی، اگر اس کے نزدیک قربت ہو ہمارے نزدیک نہیں جیسے مندر پر وقف، یا ہمارے نزدیک تو باعث قربت ہو مگر اس کے نزدیک نہیں جیسے حج وغیرہ، تو ایسی صورت میں غیر مسلم کا وقف درست نہیں ہوگا، لہذا اگر کوئی غیر مسلم قربت وثواب سمجھ کر کسی مسجد یا قبرستان کے لئے اپنی کوئی جائداد وقف کر دے تو اس کا وقف درست اور صحیح قرار پائے گا۔ علامہ ابن نجیم مصری نے شرائط وقف کا تذکرہ کرتے ہوئے تحریر کیا ہے:

"وأما الإسلام فليس من شرطه فصح وقف الذمي بشرط كونه قربة عندنا وعندهم كما لو وقف على الفقراء أو على فقراء أهل الذمة فإن عمم جاز الصرف إلى كل فقير مسلم أو كافر وإن خصص فقراء أهل الذمة اعتبر شرطه كما نص عليه الخصاف" (البحرالرائق ۵/۲۰۲)

علامہ ابن عابدین شامی نے حاشیہ بحرالرائق میں (قوله بشرط كونه قربة عندنا وعندهم) کی تشریح وتوضیح کرتے ہوئے تحریر فرمایا ہے:

"الظاهر ان هذا شرط في وقف الذمي فقط ليخرج مالو كان قربة عندنا فقط كوقفه على الحج والمسجد ما كان قربة عندهم فقط كالوقف على البيعة بخلاف الوقف على مسجد القدس فانه قربة عندنا وعندهم فيصح (منحة الخالق على ہامش البحرالرائق ۵/۲۰۲)

اور جب غیر مسلم وقف کرنے کی اہلیت رکھتا ہے اور اس کا وقف درست ہے تو وہ اپنے اوقاف کا متولی اور نگراں بھی بن سکتا ہے، کیونکہ تولیت اوقاف کی صحت کے لئے مسلمان ہونا ضروری نہیں ہے غیر مسلم بھی اوقاف کا متولی بن سکتا ہے۔

علامہ ابن عابدین شامی نے شرائط تولیت کا تذکرہ کرتے ہوئے تحریر فرمایا ہے:

"ويشترط للصحة بلوغه وعقله لا حريته واسلامه لما في الاسعاف"

فتاویٰ ہندیہ میں ہے:

"ولا تشترط الحرية والإسلام للصحة لما في الاسعاف ولو كان عبدا يجوز قياسا واستحسانا والذمي في الحكم كالعبد"

لہذا اگر ہندوستان کی بعض ریاستوں میں ہندو راجاؤں اور جاگیرداروں نے مساجد یا مقابر پر اراضی وقف کی ہیں اور ان اوقاف کی تولیت نسلاً بعد نسل ان کے خاندانوں میں آرہی ہے جس کی بنیاد پر آج بھی وہ اوقاف ہندو وقف بورڈ کی تولیت میں ہیں تو ایسی صورت میں غیر مسلم ادارہ اور ہندو وقف بورڈ کی تولیت میں ان اوقاف کا رہنا صحیح ودرست ہے:

مفتی نسیم احمد قاسمی

مساجد ومقابر اور اسلامی مقاصد کے تحت وجود میں آنے والے اوقاف کا غیر مسلم ادارہ کی تولیت میں رہنا درست نہیں ہے، اولاً تولیت کے جو شرائط فقہاء نے بیان کئے ہیں وہ غیر مسلم ذمہ داروں میں مفقود ہیں، خاص طور پر امین ہونے کی شرط بنیادی شرط ہے (البحر الرائق ۲۲۳/۵) بلاشبہ امانت کا تصور بلا ایمان ممکن نہیں۔

بالخصوص ہندوستان کے موجودہ حالات میں اس کی کسی طرح اجازت نہیں دی جاسکتی ہے، لہذا ایسے اوقاف جو ہندو وقف بورڈ کے تحت ہیں ان کے سلسلہ میں مسلمانوں پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ کوشش کرکے ہندو وقف بورڈ سے منتقل کراکر مسلم وقف بورڈ میں داخل کرائیں۔

مولانا ظفر عالم ندوی

نہیں۔ غیر مسلموں کی تولیت میں مساجد وغیرہ واوقاف کا رہنا ہرگز درست نہیں۔ قرآن کریم میں ارشاد ہوا ہے:

ما کان للمشرکین أن یعمروا مساجد الله شاهدین علی أنفسهم بالکفر (توبہ/۱۷)

"مشرکین اس لائق نہیں کہ وہ اللہ کی مسجد کو آباد کریں جب کہ وہ خود اپنے اوپر کفر کی گواہی دے رہے ہیں۔

مولانا شمس پیرزادہ

"ما کان للمشرکین أن یعمروا مساجد الله شاهدین علی أنفسهم بالکفر"

غیر مسلم ادارہ کی تولیت سے اس طرح کے اوقاف کو نکالنے کی جدوجہد ہونی چاہئے، مگر جب تک یہ نہیں ہو پاتا اس سے استفادہ کو رد نہیں کرسکتے۔

مولانا عبدالعظیم اصلاحی

مساجد ومدارس اور اسلامی مقاصد کے تحت وجود میں آنے والے اوقاف کو غیر مسلم ادارہ کی تولیت سے نکال لینا بہتر ہے، لیکن اگر اس میں مشکلات ہوں تو ہوں، ان کی تولیت میں رہنے دینے کی گنجائش ہے، چنانچہ علامہ ابن عابدین شامیؒ مطلب فی شروط المتولی کے تحت لکھتے ہیں:

والظاهر انها شرائط الاولویة لا شرائط الصحة وان الناظر إذا فسق استحق العزل ولا ینعزل کالقاضی إذا فسق لا ینعزل علی الصحیح المفتیٰ به ویشترط للصحة بلوغه وعقله لا حریته وإسلامه (رد المحتار ۴۲۲/۳)

ظاہر یہ ہے کہ (فسق وغیرہ سے محفوظ ہونا) اولویت کی شرط ہے، صحت کی شرط نہیں، چنانچہ متولی اگر فاسق ہو جائے تو وہ مستحق معزولی ہو جائے گا، مگر بسبب فسق خود سے معزول نہیں ہوگا، جیسے قاضی اصح مفتیٰ بہ قول کے مطابق فسق کی وجہ سے از خود معزول نہیں ہوتا، اور تولیت کی شرائط صحت میں سے متولی کا بالغ وعاقل ہونا ہے، آزاد ہونا اور مسلمان ہونا شرط نہیں۔

مولانا جمیل احمد نذیری

صورت مسئولہ میں کہ ہندو نے مساجد پر اراضی وقف کی ہیں اور واقف کے ہندو ہونے کے سبب مساجد

ہندو اوقاف کے تحت ہیں اور ہندو وقف بورڈ ہی مسجد سے متعلق تمام نظم ونسق انجام دیتا ہے تو مساجد ومقابر اور اسلامی مقاصد کے تحت وجود میں آنے والے اوقاف کا غیر مسلم ادارہ کی تولیت میں باقی چھوڑنا درست ہے، اس لئے کہ واقف ہندو ہے تو اگر وہ ہندو وقف بورڈ مسجد سے متعلق تمام نظم ونسق انجام دیتا ہے، اس طرح کہ وہ مسجد میں کسی طرح کی رخنہ اندازی نہیں کرتا، بلکہ وہ مسجد کے ساتھ مسجد کا معاملہ کرتا ہے، چنانچہ فتاوی ہندیہ (۳۵۳/۲) میں ہے:

ولو جعل ذمی دار مسجد المسلمین وبناه کما بنی المسلمون واذن لهم بالصلوة فیه فصلوا فیه ثم مات یصیر میراثا لورثته وهذا قول الکل، کذا فی جواهر الاخلاطی۔ یعنی واقف ذمی یا ہندو کے مرنے کے بعد یہ مسجد موقوف اس کے ورثہ کی میراث ہوگی تو اسی طرح اس کی تولیت بھی اس کے ورثہ کے ذمہ آ جائے گی، واللہ اعلم۔

حضرت مفتی نظام الدین صاحب لکھتے ہیں کہ اگر کوئی غیر مسلم اپنی سمجھ وعقیدہ میں کوئی اچھا کام سمجھ کر کسی ایسے کام کے لئے کچھ دیدے یا وقف کردے جو مسلمانوں کے نزدیک وعقیدہ میں بھی نیک وقربت ہے تو وہ دینا اور وقف کرنا صحیح ونافذ ہو جاتا ہے، اور اسی ضابطہ شرعیہ کے مطابق یہودیوں کا وقف علی المسجد الاقصیٰ بھی صحیح ہے، اور زمانہ رسالتمآب ﷺ سے آج تک بلا اختلاف معتبر چلا آ رہا ہے، اور اسی طرح زمانہ دراز سے ہندو راجاؤں کا وقف کردہ مساجد ومقابر اور عیدگاہوں پر اور مدارس دینیہ وغیرہ سیکڑوں کی تعداد میں موجود ہیں اور سب کے نزدیک صحیح ومعتبر ہیں، اگرچہ ان میں کسی ایک نے وقف کرنے کا لفظ نہیں کہا جب بھی حسب ضابطہ شرعیہ "ان الـعـام بـدلالة الحـال کـالمشروط بالمقال" وقف ہی مانا گیا ہے، لہذا اس کو بھی شرط کا درجہ وحکم دے سکتے ہیں (فتاوی نظامیہ ۱/ ۳۳۳)

اور واقف کا اپنے لئے تولیت کی شرط لگانا جائز ہے، یہی مفتی بہ قول ہے، لہذا واقف ہندو کا وقف مسجد وغیرہ کو اپنی تولیت میں رکھ کر اس میں نماز کی اجازت دینا صحیح ہے اور مسلمانوں کا نماز پڑھنا بھی صحیح ہے، اسی طرح قبرستان کا مسئلہ بھی ہے۔

خلاصہ کلام: یہ ہے کہ صورت مسئولہ میں چونکہ شرعاً ہندو کا وقف صحیح ومعتبر ہے اور واقف کا اپنی تولیت کی شرط لگانا بھی مفتی بہ قول کے اعتبار سے صحیح ہے تو ایسی مساجد وقبرستان کو ہندو کی تولیت میں رہنا بھی صحیح ہے، اور غیر مسلم ادارہ کی تولیت میں رہنا بھی صحیح ہے، واللہ اعلم۔

مولانا ابوسفیان مفتاحی

اوقاف مسلمین کا متولی غیر مسلم بھی ہوسکتا ہے بشرطیکہ عاقل بالغ اور امانت دار ہو، چنانچہ قانون العدل والانصاف صفحہ ۹۸، مادہ ۱۳۵ پر ہے:

یشترط لصحة التولیة ان یکون القیم عاقلا بالغا ولا یشترط الحریة ولا الاسلام ،فالعبد أهل للنظر فی ذاته وکذا الذمی فصح تولیته للنظر علی الوقف۔

مفتی محبوب علی وجیہی

غیر مسلم متولی بن سکتا ہے کیوں کہ تولیت کی شرطوں میں سے بلوغ و عقل ہے نہ کہ آزاد و مسلمان ہونا "ویشترط للصحۃ بلوغہ و عقلہ لا حریتہ و إسلامہ لما فی الاسعاف" (رد المحتار ۳/۵۲۲) ہاں اگر خیانت کا ثبوت ہو جائے تو قاضی سے معزول کرا دے گا "لا یملک القاضی نصب متول آخر بلا سبب موجب لذلک وھو ظھور خیانۃ الأول أو شیء آخر" (شامی ۳/۵۲۲)

حضرت قاضی القضاۃ مولانا مجاہد الاسلام صاحب (مد ظلہ العالی ناظم امارت) نے اپنی کتاب (اسلامی عدالت) میں اس مسئلہ پر بڑی سیر حاصل بحث کی ہے، بہر حال قاضی اگر مصلحت سمجھے تو بغیر خیانت کے بھی متولی کو معزول کر سکتا ہے۔ "وذکر فی البحر کلاما عن النھایۃ ثم قال عقبہ و فیہ دلیل علی أن للقاضی عزل منصوب قاض آخر بغیر خیانۃ إذا رأی المصلحۃ" (شامی ۳/۵۲۲)

لیکن سوال یہ ہے کہ عزل تو اسی وقت ہوگا جب کہ قوت قاہرہ ہو، یہاں موجودہ ہندوستان میں اس کا فقدان ہے تو اب کیا کیا جائے، بندہ کے خیال میں تین صورتیں سمجھ میں آتی ہیں: (۱) حکومت کو مجبور کیا جائے کہ ان اوقاف کو "مسلم وقف بورڈ" کے تحت کر دیا جائے۔ (۲) اسے اگر وہ تسلیم نہ کرے تو اس پر دباؤ ڈالا جائے کہ اہل معرفت و اصحاب رائے متقی متدین کو عزل و نصب کا اختیار دے۔ (۳) ہندوستانی عدلیہ کے سامنے ان متولیان کی خیانت ثابت کر کے ان کو معزول و معطل کرایا جائے۔

مولانا ظفر الاسلام اعظمی

مساجد و مقابر و دیگر اسلامی مقاصد کے تحت وجود میں آنے والے اوقاف کی تولیت غیر مسلم افراد کے ہاتھ میں ہونا شرعاً جائز ہے تاہم خلاف اولیٰ ضرور ہے۔

ویشترط للصحۃ بلوغہ و عقلہ لا حریتہ و إسلامہ لما فی الاسعاف (شامی ۳/۳۸۵)

مفتی حبیب اللہ قاسمی

ہندوستان کی ہدایات اوقاف کا وزیر غیر مسلم ہے جب کہ اس میں اسلامی اوقاف بھی شامل ہیں۔

اوقاف کے سلسلہ میں ایک ضروری گذارش:

وقف بورڈ اپنی رقم بینک میں رکھتے ہیں، بلکہ فکس ڈپازٹ کراتے ہیں، اس پر سود ملتا ہے یہ سودی رقم مذہبی اداروں، مسجدوں اور ملازمین کی تنخواہوں پر خرچ کی جاتی ہے، سود اور اصل سب خلط ملط ہو جاتے ہیں۔ نیز ایسا بھی نہیں کہ سودی رقم الگ رکھی جائے۔ سودی یا غیر سودی رقم پر سود خرچ کی کوئی شکل اختیار نہیں کی جاتی، اس طرح ایک مذہبی ادارے میں کھلم کھلا سودی سلسلہ ہے، اس پر غور کیا جائے اور اوقاف کے لئے جائزہ سامنے رکھی جائے۔

مفتی فضیل الرحمن ہلال عثمانی

ہندو راجاؤں نے مساجد کے لئے جو اراضی وقف کی ہیں، وہ چونکہ وہ قربت کی نیت سے نہیں بلکہ فرمانروا ہونے کی حیثیت سے وقف کی ہیں البتہ ان کو ہندو وقف بورڈ کے تحت نہیں رکھنا چاہئے جس طرح مسلم حکمرانوں نے

مندروں کو اراضی دی تھیں جن کی دستاویزات موجود ہیں ، لیکن واقف کے مسلم ہونے کی وجہ سے اس کو مسلم وقف بورڈ میں نہیں رکھا گیا۔

ہماری کوشش تو یہی ہونی چاہئے کہ وہ اوقاف غیر مسلم ادارہ کی تولیت سے نکل کر مسلم ادارہ کی تولیت میں آجائیں۔ ارشاد ربانی ہے:

"لن يجعل الله للكافرين على المؤمنين سبيلا"۔

وضاحت: اوقاف کی بیع کے عدم جواز پر بخاری شریف کی وہ حدیث پیش کی جاتی ہے جو حضرت عبداللہ ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ حضرت عمرؓ کو خیبر میں جو جائداد ملی اس کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے حضرت عمرؓ کو مشورہ دیتے ہوئے ارشاد فرمایا

إن شئت حبست أصلها و تصدقت بها فتصدق بها عمر على أن لا تباع ولا توهب ولا تورث.

تو اس کی توجیہ میں یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا حبست اصلہا فرمانا یا حضرت عمر کا عدم بیع، عدم ہبہ اور عدم توریث کی شرط کے ساتھ وقف کرنا اس لئے تھا کہ اوقاف لوگوں کی دست برد سے محفوظ رہے اور اس کا صدقہ جاریہ ہونا متاثر نہ ہو، آنحضرتؐ اور حضرت عمرؓ کی تصریحات کا منشا اوقاف کو ناکارہ اور بے سود بنانا نہیں تھا، اور یہاں صورت حال یہ ہے کہ اگر اس کی بیع نہ کی جائے اور متبادل وقف کا انتظام نہ کیا جائے تو اوقاف بے سود اور ناکارہ ہوجائیں گے، یہاں خدانخواستہ کسی کی دخل اندازی اور تصرف کے لئے جواز فراہم کرنا پیش نظر ہے، بلکہ پیش نظر یہ ہے کہ کسی طرح اوقاف صدقہ جاریہ بنے رہیں اور ان کا فیض جاری رہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ راقم نے بیشتر جوابات میں حنابلہ کے مسلک پر بنیاد رکھی ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ ہندوستان میں اوقاف کا حال زار اور مسلمانوں کی بے بسی دیکھ کر یہ بات سمجھ میں آئی کہ ایسے اضطراری حالات میں کیوں نہ امام احمدؒ کے مسلک پر عمل کرلیا جائے، یہاں اس مسلک کو اختیار کرنا اتباع ھوی کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ شدید ضرورت کے تحت ہے، لیکن اسی کے ساتھ ساتھ یہ چیز بھی قابل لحاظ ہے کہ ہندوستان میں اوقاف کے سرکاری ادارے اور متولیان اوقاف خیانت کے خوگر ہوچکے ہیں، اوقاف کی بیع کرکے اس رقم کو ہضم کرنے میں انتہائی بے باک ہیں، لہذا اگر سیمینار میں اوقاف کی بیع کے جواز کا فیصلہ کیا جائے تو کچھ ایسی قیدیں لگادی جائیں جن کی بناء پر یہ طالع آزما اوقاف کو استحصال نہ کرسکیں۔

مفتی شکیل احمد سیتاپوری

ہاں۔ ایسے اوقاف غیر مسلم کی تولیت میں رہ سکتے ہیں۔ مساجد میں غیر مسلموں کی اس درجہ شرکت میں کوئی حرج نہیں ہے۔

مولانا سلطان احمد اصلاحی

ذمی کو متولی بنانا جائز ہے کیونکہ حکومت اسلامیہ کو اس پر قابو ہوگا جیسا کہ کتب فقہ میں مصرح ہے، حربی کو بنانا جائز نہیں، ہندستان میں غیر مسلم کو متولی بنانا جائز نہیں، اس لئے اس کی تولیت میں رہنا درست نہیں۔

مولانا محمد حنیف صاحب

اگر مسلم اوقاف کا متولی غیر مسلم ہو:

اس سلسلہ میں فقہاء کے دونوں طرح کے اقوال ہیں، لیکن صحیح قول یہی ہے کہ مسلم اوقاف کو مسلمانوں ہی کی تولیت میں ہونا چاہئے، علامہ رافعی رقمطراز ہیں: فان تولیة الذمی علی المسلمین حرام (تقریر رافعی علی الرد ۹/۸۳) مسلمانوں پر ذمی کی تولیت حرام ہے۔

مولانا محمد رضوان قاسمی

مساجد ومقابر اور ایسے ہی اسلامی مقاصد کے تحت وجود میں آنے والے اوقاف کا غیر مسلم ادارہ کی تولیت میں ہونا مالی حیثیت تک تو جائز ہے۔

ویشترط للصحة بلوغه و عقله... ولا تشترط الحریة والاسلام (البحر الرائق ۵/۲۲۶)

ویشترط للصحة بلوغه و عقله لا حریته واسلامه... ولو کان عبدا یجوز قیاسا واستحسانا لأهلیته فی ذاته بدلیل أن تصرفه الموقوف لحق المولی ینفذ علیه بعد العتق لزوال المانع بخلاف الصبی ثم الذمی فی الحکم کالعبد (شامی ۴/۵۷۹)

فقہ کی ان عبارتوں سے معلوم ہوا کہ تولیت کے لئے مسلمان ہونا شرط نہیں ہے تو جب ابتداً مسلمان ہونا شرط نہیں تو بقاء بقاعدہ "البقاء أسهل من الابتداء" بدرجہ اولی شرط نہ ہوگا، لیکن جہاں تک مسجد اور مدرسہ کے داخلی اور مذہبی امور میں نظم ونسق کا تعلق ہے مثلاً امام ومؤذن، مدرس اور اسی طرح نصاب تعلیم مقرر کرنا اس کی تولیت غیر مسلم ادارہ کے تحت رکھنا جائز نہیں ہے یہ تو صرف مسلمان ہی کر سکتا ہے۔

إنما یعمر مساجد الله من آمن بالله والیوم الآخر... (التوبة)

مفتی شبیر علی گجراتی

تولیت کے لئے اسلام شرط نہیں۔ لہذا ہندو راجاؤں نے یا جاگیرداروں نے جو اراضی وقف کی ہیں ان کے نگراں اور متولی وہ یا اس کے وارثین یا غیر مسلم ادارے کی تولیت ہو درست ہے۔

علامہ شامی کی ردالمحتار میں ہے: ویشترط للصحة بلوغه وعقله لا حریته واسلامه لما فی الاسعاف (۳/۳۸۱) فتاوی ہندیہ میں ہے: ولا تشترط الحریة والاسلام للصحة (۲/۴۰۸)

اسی طرح ابن نجیم بحر الرائق شرح کنز الدقائق میں تولیت کے لئے اسلام اور حریت کی شرط نہ ہونے کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ولا تشترط الحریة والاسلام للصحة (ص ۲۲۵) البتہ بلوغ اور عقل شرط ہے۔

ویشترط للصحة بلوغه وعقله (ص ۲۴۴) البتہ امداد الفتاوی میں اسلام کو تولیت کے لئے شرط قرار دیا ہے۔

اکابر کے فتاوی سے اس کی تائید:

مفتی محمود صاحب نوراللہ مرقدہ نے بھی (ضرورت کی بنا پر جب کہ مسلمان سے ضیاع کا خوف ہو) غیر مسلم کا متولی ہونا درست قرار دیا ہے (دیکھئے سوال نمبر ۵۶۳ ـ ۱۵/۳۰۲)۔

مولانا محمد ارشاد القاسمی

اگر غیر مسلم میں امانت داری اور صلاحیت نظم ونسق پائی جائے تو غیر مسلم کی تولیت درست ہے۔

مولانا ایوب ندوی

کیا کوئی غیر مسلم اوقاف کا متولی ہوسکتا ہے؟

ہندوستان کی جن بعض ریاستوں میں ہندو راجاؤں اور جاگیرداروں نے مساجد پر اراضی وقف کی ہیں اور غالبا واقف کے ہندو ہونے کے باعث اب تک مساجد کی یہ اراضی ہندو اوقاف کے تحت ہیں اور ہندو وقف بورڈ ہی مسجد سے متعلق نظم ونسق کو انجام دیتا ہے لیکن چونکہ شرعاً مساجد ومقابر اور اسلامی مقاصد کے تحت وجود میں آنے والے اوقاف کا غیر مسلم ادارہ کی تولیت میں رہنا درست نہیں ہے، اس لئے اگر حکمت عملی سے کوئی شخص اوقاف مذکور کو غیر مسلم ادارہ کی تولیت سے نکال کر مسلم اوقاف کے زیر نگرانی اس کے انتظام وانصرام کو کرسکتا ہو تو کردے لیکن اس کام کے کرنے کے لئے کوئی فتنہ برپا کرنے کی شرعاً گنجائش نہیں ہے۔

یہاں یہ بات ملحوظ رہے کہ اس جگہ دو مسئلے الگ الگ ہیں، جن کا سمجھنا ضروری ہے ورنہ اشتباہ ہوسکتا ہے۔ پہلا مسئلہ یہ ہے کہ اگر کوئی غیر مسلم قربت وثواب کی نیت سے کوئی زمین کسی مسجد ومقبرہ وغیرہ پر وقف کرے تو یہ جائز ہے یا نہیں؟ نیز کوئی غیر مسلم کسی اوقاف کا واقف ہوسکتا ہے یا نہیں؟ اور دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ کوئی غیر مسلم کسی اسلامی مقاصد کے تحت وجود میں آنے والے اوقاف کا متولی ہوسکتا ہے یا نہیں؟ تو جہاں تک غیر مسلم کے واقف ہونے کا مسئلہ ہے تو یہ شرعاً جائز ہے، قال في الهندية في كتاب الوقف واما الاسلام (للواقف) فليس بشرط (فتاوی ہندیہ ۲/۳۵۲، درمختار مع رد المحتار ۳/۳۹۴ ومثلہ فی احسن الفتاوی ۶/۴۳۹) وفي شرح التنوير بدليل صحته من الكافر۔ البتہ غیر مسلم کا کسی بھی اسلامی وقف کا متولی ہونا جائز نہیں ہے، قال الله تعالى: وما كانوا أولياءه إن أولياؤه إلا المتقون (سورۃ الانفال ۳۴) ہاں اگر غیر مسلم نے وقف علی الاولاد وغیرہ کیا ہو تو اس صورت میں غیر مسلم متولی ہوسکتا ہے (فتاوی ہندیہ ۲/۴۰۸)۔

مولانا ابوبکر قاسمی

جو مسلم اوقاف ہندو وقف بورڈ کی زیر نگرانی اور تولیت میں ہیں ان کو قانونی چارہ جوئی سے مسلم سنی وقف بورڈ کی تولیت میں لانے کے لئے کوشش کرنی چاہئے، اگر کامیابی نہ ہو تو غیر مسلم کے متولی ہونے کو مجبوراً گوارہ کیا جاسکتا ہے، حضرت مفتی محمود صاحب گنگوہی تحریر فرماتے ہیں: ''جب ایسی مجبوری ہے کہ وقف کے محفوظ رہنے اور انتظام برقرار رہنے کی صرف یہی صورت (یعنی غیر مسلم کو متولی بنانا) ہے تو مجبوراً برداشت کیا جاسکتا ہے (فتاوی محمودیہ ۱۵/۳۰۳)۔

لايحصل به ويستوى فيه الذكر والأنثى كذا الأعمى والبصير وكذا المحدود فى قذف إذا تاب لأنه أمين وقالوا من طلب التولية على الوقف لا يعطى له وهو كمن طلب القضاء لا يقلد الخ والظاهر أنها شرائط الأولوية لا شرائط الصحة وان الناظر إذا فسق استحق العزل ولا ينعزل كالقاضى اذا فسق لا ينعزل على الصحيح المفتى به .... ويشترط للصحة بلوغه و عقله لا حريته وإسلامه لما فى الإسعاف (رد المحتار ۳/۴۲۲)۔

مولانا نذر توحید مظاہری

غیر مسلموں کی موقوفہ کی ادارت میں مساجد، مقابر اور اسلامی مقاصد اسلامی آزادی کے ساتھ تولیت درست ہے۔

ڈاکٹر قدرت اللہ باقوی

اصل یہ ہے کہ مساجد، مقابر اور اسلامی مقاصد کے تحت وجود میں آنے والے تمام اوقاف مسلمانوں ہی کی تولیت میں ہوں اور مسلمان ہی اس کے تمام نظم ونسق کو انجام دیں، لیکن اگر یہ اوقاف زمانہ قدیم سے ہندوؤں کی تولیت میں چلے آرہے ہوں، اور اب ان اوقاف کو ان کی تولیت سے نکالنا ممکن نہ ہو بلکہ ان اوقاف کے ضائع ہونے کا خطرہ ہو تو بدرجہ مجبوری اس کو برداشت کیا جاسکتا ہے (فتاوی محمودیہ ۱۵/۳۰۲)۔

مولانا عبد اللطيف پالنپوری

ہندوستان کی بعض ریاستوں میں ہندو راجاؤں اور جاگیرداروں نے مساجد پر اراضی وقف کی ہیں، اور شاید واقف کے ہندو ہونے کے باعث یہ مساجد اب ہندو اوقاف کے تحت ہیں، اور ہندو وقف بورڈ ہی مسجد سے متعلق تمام نظم ونسق انجام دیتا ہے، تو اس صورت میں مساجد ومقابر اور اسلامی مقاصد کے تحت وجود میں آنے والے اوقاف کا غیر مسلم ادارہ کی تولیت میں رہنا درست وجائز ہے، اگر کوئی شخص حکمت عملی سے ہندو اوقاف سے نکال کر مسلم اوقاف کی زیر نگرانی کردے یا خود ہندو اوقاف حق تولیت اور حق نگرانی اور ہر قسم کے حقوق سے دست بردار ہو جائے اور مسلم اوقاف کا اس پر تسلط وقبضہ مکمل طور پر ہو جائے تو فبہا، ورنہ نہیں، زبردستی ہندو اوقاف تولیت اور انتظام وانصرام کی باگ ڈور حاصل کرنے کے لئے بابری مسجد والا واقعہ رونما نہ ہونے پاوے، نیز شرعی نقطۂ نظر سے بھی زبردستی لینا جائز نہیں ہے کیونکہ تولیت اور انتظام وانصرام کے لئے اسلام شرط نہیں ہے۔

وأما الإسلام فليس بشرط فلو وقف الذمى على ولده ونسله وجعل آخره للمساكين جاز ويجوز أن يعطى المساكين وأهل الذمة وإن خص فى وقفه مساكين أهل الذمة جاز الخ (فتاوی ہندیہ ۲/۳۵۳، رد المحتار ۳/۴۲۱ تا ۴۲۲)

حربى دخل دار الاسلام بامان ووقف جاز من ذلك ما يجوز من الذمى كذا فى الحاوى (فتاوی ہندیہ ۲/۳۵۳)

وقال العلامة ابن عابدين الشامى فى رد المحتار: ويشترط للصحة بلوغه وعقله لا حريته واسلامه كما فى الإسعاف (رد المحتار ۳/۴۲۲)

مشعلِ راہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا:

جو لوگ قدیم سے زمیندار اور تعلقہ دار تھے اور جن کو ایرانی زبان میں مرزبان اور دہقان کہتے تھے، حضرت عمرؓ نے ان کی حالت اسی طرح قائم رہنے دی اور ان کے جو اختیارات اور حقوق تھے سب بحال رکھے (الفاروق ۲/ ۲۱)

علامہ شبلی نعمانیؒ رقمطراز ہیں: جہاں تک ہم کو معلوم ہے عراق کے سوا حضرت عمرؓ نے اور کسی صوبے کی پیمائش نہیں کرائی، بلکہ جہاں جس قسم کا بندوبست تھا، اور بندوبست کے جو کاغذات پہلے سے تیار تھے ان کو اسی طرح قائم رکھا، یہاں تک کہ دفتر کی زبان تک نہیں بدلی یعنی جس طرح اسلام سے پہلے عراق و ایران کا دفتر فارسی میں، شام کا رومی میں، مصر کا قبطی میں تھا، حضرت عمرؓ کے عہد میں بھی اسی طرح رہا، خراج کے محکمہ میں جس طرح قدیم سے پارسی، یونانی اور قبطی ملازم تھے بدستور بحال رہے، تاہم حضرت عمرؓ نے قدیم طریقۂ انتظام میں جہاں جو کچھ غلطی دیکھی اس کی اصلاح کر دی (الفاروق ۲/ ۴۲)

وقال الحسن لا یجوز للذمی وصیۃ إلا الثلث قال ابن عباس أمر النبی ﷺ أن یحکم بینھم بما أنزل اللہ وقال اللہ تعالیٰ وان احکم بینھم بما انزل اللہ (بخاری ۱/ ۳۸۳)

وقف کا فی الحکم وصیت کا ہے، اور ہدایہ وغیرہ جملہ کتب میں لکھا ہے کہ اگر جہت وصیت عنداللہ قربت ہو تو یہ وصیت جائز ہے، غیر مسلم اگر کار ثواب سمجھ کر وقف کرے تو اس کا وقف صحیح ہے، لہٰذا اگر غیر مسلم مساجد و دیگر اسلامی رفاہ عام کے لئے زمین وغیرہ وقف کر دے تو اس کا وقف صحیح ہے، اسی طرح اس کا متولی و منتظم بننا اور رہنا بلا تردد صحیح و جائز ہے، اس سے خواہ مخواہ تولیت کو اپنے قبضہ میں کرنے کے لئے کوئی فتنہ برپا نہیں کرنا چاہئے۔

مسجد اور وقف کا متولی کیسا ہونا چاہئے؟

ایک استفتاء کے جواب میں حضرت مولانا مفتی سید عبدالرحیم لاجپوری دامت برکاتہم یوں رقمطراز ہیں: کمیٹی کے اکثر ارکان وممبران غیر دیندار اور احکام وقف سے ناواقف ہوں گے تو احکام وقف کے خلاف فیصلے ہوں گے اس لئے ایسی کمیٹی سے فقط ایک دیندار احکام وقف سے واقف متولی کا ہونا افضل ہے، کام زیادہ ہو تنہا انجام دینا دشوار ہو تو متولی اپنا نائب رکھ سکتا ہے۔ (فتاویٰ رحیمیہ ۲/ ۱۵۷ تا ۱۵۸)

اہل علم و پابند صوم وصلوٰۃ اور پرہیزگار کے ہوتے ہوئے بے علم، بے عمل، فاسق و فاجر، داڑھی منڈائے، تو لیت اور اہتمام کے اور دینی سوسائٹی کی قیادت وسیادت کے اہل نہیں ہو سکتے، صحیح حق دار حاملین قرآن و پابند شریعت لوگ ہیں، حضرت امام مالکؒ کا ارشاد ہے کہ مسلمانوں کی رہنمائی وہی کر سکتا ہے جس کی زندگی پیغمبر اسلام ﷺ کے اسوۂ حسنہ کا نمونہ ہو۔ اور حضرت علامہ ابن تیمیہؒ کا فرمان ہے کہ امت کا اتفاق ہے کہ عالم باعمل مسلمان سیادت وقیادت کا اہل ہے، اگر ایسا شخص میسر نہ ہو تو یہ منصب مجبوراً دو شخصوں میں سے ایک کے سپرد کیا جائے گا۔

(۱) عالم فاسق (یعنی عالم بے عمل) کو۔ (۲) جاہل متقی (بے علم باعمل) کو۔ (کتاب السیاسۃ الشرعیہ ص ۱۷)

فتاویٰ ابن تیمیہ میں ہے: ولا یجوز تولیۃ الفاسق مع إمکان تولیۃ البر۔ یعنی نیک آدمی کے ملنے

کو امکان ہو تو فسق کا مرتکب ہونا جائز ہے (فتاویٰ ابن تیمیہ ۱۸/۱۵۱)

آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اذا وسد الامر الی غیر اهله فانتظر الساعة یعنی جب اہم امور نااہل کو سپرد کئے جائیں تو قیامت کا انتظار کرو (بخاری ۱/۲)

نااہل متولیان مساجد واوقاف کو برطرف کرنے کا مجاز کس کو ہے؟

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی صاحب رحمہ اللہ سوال نمبر (۷۰۶) کے جواب کے تحت یوں رقمطراز ہیں: اور اگر متولی میں خیانت ثابت ہو جاوے اور وہ واقف کا مقرر کیا ہوا ہو یا قاضی کا تو عام مسلمین کا اس کو معزول کرنا واجب ہے اور یہ حق معزول کردینے کا بھی اصل میں قاضی کو ہے۔

فی الدر المختار و ینزع وجوبا بزازیة لو الواقف درر فغیره بالاولی (غیر مامون) او عاجزا او ظهر به فسق الخ مختصرا فی رد المحتار مقتضاه اثم القاضی بترکه الخ

اور معلوم ہو چکا کہ عام مسلمین بجائے قاضی کے ہیں اس لئے اگر قاضی نہ ہو تو عام مسلمین کو یہ حق معزول کرنے کا حاصل ہے لیکن اگر عام مسلمین بدست خود اپنے اس اختیار شرعی کو نافذ کرنے پر قادر نہ ہوں تو ان پر لازم ہے کہ حکام وقت سے استعانت کریں اور ان سے درخواست کریں کہ متولی صالح کو مقرر کرا کر اس وقف کے انتظام کی اصلاح کریں اس میں متولی صالح کا تقرر مسلمین کی طرف سے ہوگا اور قانوناً حکام وقت کی طرف سے ہوگا۔

اوقاف اسلامی کو عام حکومت کو سپرد کر دینا جائز نہیں ہے:

حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ دہلوی صاحب رحمہ اللہ ایک سوال کے جواب نمبر (۹۰) کے تحت یوں رقمطراز ہیں: اوقاف اسلامیہ کو حکومت کے قبضہ میں دے دینا اور متولیوں کے اختیار سے حکومت کو قبضہ کرا دینا شرعاً درست نہیں ہے متولیوں کی بے اعتدالی روکنے کے لئے مناسب تجویز کی جاسکتی ہے لیکن ان کے شرعی اختیارات جو واقف نے دیئے ہیں سلب نہیں کئے جا سکتے۔ (کفایت المفتی ۷/۲۶۰، معارف القرآن ۳/۳۴۱، کذا فی فتاویٰ رحیمیہ ۲/۲۰۷)

زبدۃ الخلاصہ:

کافر اگر قربت کی نیت سے مسجد تعمیر کرے یا مسجد کے لئے چندہ دے تو جائز ہے آگے اس میں اختلاف ہے کہ مذہب واقف میں قربت ہونا شرط ہے یا کہ واقف کے خیال وعقیدہ میں قربت ہونا کافی ہے راجح قول ثانی ہے۔

قال فی الهندية واما شرطه فقسم الزيلعي (الى قوله) واما الاسلام فليس بشرط

وفی كتاب الوقف من شرح التنوير بدليل صحته من الكافر.

وفی الشامية حتی يصح من الكافر (الى قوله) بخلاف الوقف فانه لا بد فيه من ان يكون فی صورة القربة وهو معنی ما يأتی فی قوله ويشترط ان يكون قربة فی ذاته اذ لو اشترط كونه قربة حقيقة لم يصح من الكافر (رد المحتار)

وقف کافر بحکم وصیت کافر ہے اور ہدایہ وغیرہ جملہ کتب میں لکھا ہے کہ اگر جہت وصیت عنداکافر قربت ہو تو یہ وصیت جائز ہے۔

آیت کریمہ "ما کان للمشرکین ان یعمروا مساجد اللہ" سے کفار کی تعمیر مسجد کے عدم جواز پر استدلال صحیح نہیں، آیت کے سیاق وسباق اور شان نزول پر نظر ڈالنے سے واضح ہو جاتا ہے کہ اس میں مسجد حرام کی تعمیر اور سقایت حاج پر افتخار مشرکین کا رد ہے، اس طرح کہ مشرکین میں قبول عمل کی شرط (ایمان) موجود نہ ہونے کی وجہ سے ان کا یہ عمل مقبول نہیں اور عمل غیر مقبول پر فخر کرنا لغو ہے، اس آیت میں جواز وعدم جواز سے کوئی تعرض نہیں، لہذا "للمشرکین" میں لام جواز نہیں بلکہ استحقاق وصلاحیت کا ہے، والتفصیل فی بیان القرآن۔

اس سے معلوم ہوا کہ بعض مفسرین کا اس آیت سے عدم جواز ثابت کرنا صحیح نہیں، اس لئے کہ آیت کے سیاق وسباق وشان نزول کے خلاف ہونے کے علاوہ وہ تصریحات فقہاء رحمہم اللہ تعالی سے بھی معارض ہے اور بوقت معارضہ مفسرین کا قول قابل قبول نہ ہوگا "فاللہ لکل فی رحال"۔

خانہ کعبہ کی تعمیر مشرکین کو برقرار رکھنے سے زیادہ قوی کون سی دلیل جواز پر ہو سکتی ہے؟ "فبای حدیث بعدہ یومنون"۔

غرضیکہ اگر کافر بنیت ثواب مسجد تعمیر کرے (یا مساجد ومقابر اور مدارس دینیہ وغیرہ پر اپنی اراضی وقف کرے) تو جائز ہے، البتہ اگر اس عمل کی وجہ سے مسلمانوں پر کفار کے افتخار واظہار منت کا اندیشہ ہو تو ان کے اس عمل کو قبول کرنا جائز نہ ہوگا (احسن الفتاوی ۶/ ۳۳۹، ۳۴۰، فتاوی ہندیہ ۲/ ۳۵۲، ردالمحتار وروالمحتار ۳/ ۳۹۲، ۳۹۳)

میری رائے یہ ہے کہ کافر کا وقف کرنا اور اس کا متولی ومنتظم رہنا بلاشبہ جائز ودرست ہے، اس کی تولیت کی باگ ڈور کو اپنے تصرف وتسلط میں لینے کی سعی کرنا بہتر نہیں ہے اس سے احتراز کرنے کی ضرورت ہے۔

آیت کریمہ مذکورہ بالا سے مولانا مفتی محمد شفیع علیہ الرحمہ اور محمد علی صابونی نے کافر کی تعمیر مسجد اور متولی ہونے کے عدم جواز پر استدلال کیا ہے جو صحیح نہیں ہے (معارف القرآن ۴/ ۳۳۰، ۳۳۱، روائع البیان ۱/ ۵۷۳، ۵۷۴، بحوالہ احکام القرآن للجصاص ۴/ ۸۷)

مولانا محمد مصطفی قاسمی

اوقاف کی تولیت کے لئے مسلم ہونا ضروری نہیں، اس لئے ہندوستان کی بعض ریاستوں میں ہندو راجاؤں اور جاگیرداروں نے مساجد پر بھی اراضی وقف کی ہیں، ہندو واقف ہونے کے باعث ہندو وقف بورڈ ہی مسجد سے متعلق تمام نظم ونسق انجام دیتا ہے، شرعا اس کی اجازت ہے، چنانچہ فتاوی ہندیہ (۲/ ۳۱۵) میں اس بارے میں صراحت ہے کہ واقف کے لئے اسلام کے ساتھ متصف ہونا ضروری نہیں تو متولی ہونے کے لئے بدرجہ اولی ضروری نہیں۔

مولانا اخلاق الرحمن قاسمی

ان ریاستوں میں جہاں ہندو راجاؤں نے اور جاگیرداروں نے مساجد پر زمینوں کو وقف کیا ہے، اور شاید واقف کے ہندو ہونے کے باعث یہ مساجد ہندو اوقاف کے تحت ہیں اور ہندو وقف بورڈ ہی مسجد سے متعلق تمام نظم و

نسق انجام دیتا ہے تو اس صورت میں شرعی مسئلہ یہ ہے کہ مساجد و مقابر کا غیر مسلم ادارے کی تولیت میں رہنا درست نہیں ہے۔ مسلمانوں کو چاہئے کہ حکومت سے کوشش کر کے ان اوقاف کو مسلم اوقاف کی تولیت میں شامل کرائے، جہاں تک ان مسجدوں اور مقابر میں نماز اور تدفین کا مسئلہ ہے تو بہر حال یہ جائز اور درست ہے اس میں تمام فقہاء کا اتفاق ہے، البتہ غیر مسلم کا متولی رہنا درست نہیں، اس کے لئے سنجیدہ اور مثبت انداز میں کوشش کرتے رہنا چاہئے کہ وہ اوقاف مسلمانوں کی تولیت میں آ جائیں۔ فتاوی ہندیہ میں درج ہے:

الصالح للناظر من لم يسأل الولاية للوقف وليس فيه فسق يعرف وفي الاسعاف لا يولى إلا أمين (فتاوی ہندیہ)

ناظر (متولی) کے لئے بہتر شخص وہ ہے جو ولایت کو نہ مانگے اور اسکے اندر معروف فسق ہو اور اسعاف میں ہے کہ متولی صرف امین ہی بن سکتا ہے۔

خلاصہ بحث:

ہندوستان کی ان ریاستوں میں جہاں اب بھی مساجد و مقابر ہندو اوقاف کے تحت ہیں اور ان ریاستوں میں ہندو آبادی کی اکثریت ہے اور یہ ممکن نہ ہو کہ ان اوقاف کو مسلم اوقاف میں منتقل کیا جا سکے بلکہ اس کا خطرہ ہو کہ الگ کرنے کی صورت میں مسجد اور قبرستان سے بھی ہاتھ دھونا پڑیگا یا حکومت اس پر قبضہ کر لے گی تو اس صورت میں خاکسار کی رائے ہے کہ ہندو متولی جب مسجد کا صحیح نظم و نسق کر رہا ہو تو اس صورت میں مسجد اور قبرستان کو اس کی تولیت میں رہنے دینا چاہئے کیوں کہ خود فقہ کی کتابوں سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ متولی کے لئے مسلمان ہونا شرط نہیں ہے، البتہ امین ہونا شرط ہے، چنانچہ ہندیہ میں ہے:

ولا تشترط الحرية والاسلام لصحته لما في الاسعاف (ہندیہ ۲/۴۰۹)

متولی کے صحت کے لئے حریت (آزادی) اور اسلام شرط نہیں ہے جیسا کہ اسعاف میں ہے۔

مولانا قمر الزماں ندوی

اوقاف کا غیر مسلم ادارہ کی تولیت میں رہنا:

اس سلسلہ میں نفی یا اثبات میں کچھ عرض کرنے سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ شرائط تولیت پر ایک نظر ڈال لی جائے، دور حاضر کے مشہور عالم دین اور مذاہب اربعہ کے معتمد ناقل ڈاکٹر وہبہ زحیلی (حفظہ اللہ) نے لکھا ہے کہ ناظر و متولی کے لئے کل تین شرطیں ہیں: (۱) عدالت یعنی دیانتداری کی صفت ناظر و متولی میں پائی جانی چاہئے، یہ جمہور کا قول ہے، حنابلہ عدالت کی شرط نہیں لگاتے ہیں۔ (۲) کفایہ: یعنی قوت کا ہونا بھی ضروری ہے تاکہ وہ ان تصرفات کے انجام دینے پر قادر ہو جن کا انہیں حق ہے، اسی قدرت میں بلوغ اور عقل کی شرط شامل ہے، البتہ مذکر ہونا شرط نہیں بلکہ عورت بھی تولیت کے فرائض انجام دے سکتی ہے۔ (۳) اسلام: یعنی اگر اوقاف مسلمانوں کے ہیں تو ان کا ناظر اور متولی بھی مسلمان ہونا چاہئے یا مسجد جیسی دینی اور مذہبی چیزوں کے لئے مسلمان متولی کا ہونا ضروری ہے، ہاں

دو مسئلے ہیں ایک کافر کا مسجد بنانا یا مسجد کے لئے چندہ دینا۔ دوسرے مسجد کا غیر مسلم کے تصرف و تولیت میں باقی رہنا۔

اما سبب فقطب الزلفى... واما الاسلام فليس بشرط (فتاوی ہندیہ ۲/ ۳۱۷)

وأن يكون قربة في ذاته اي بأن يكون من حيث النظر إلى ذاته وصورته قربة، الى قوله. فأفاد أن هذا شرط لوقف الذمي فقط (کتاب الوقف، رد المحتار ۹/ ۵۲۳)۔

ان نصوص فقہیہ کی بناء پر کافر اگر قربت کی نیت سے مسجد تعمیر کرے یا مسجد میں چندہ دے تو جائز ہے۔ خانہ کعبہ کی تعمیر میں مشرکین کو برقرار رکھنے سے زیادہ قوی دلیل اور کیا ہو سکتی ہے۔ لیکن جواز کا یہ حکم اسی وقت تک ہے جب تک کہ مساجد پر تصرف و تسلط کا موجب نہ بنے، جیسے ہندو معماروں سے اجرت پر مسجد تعمیر کرانا، باوجودیکہ ہندو معمار حقیقی طور پر تعمیر کا مباشر ہے مگر یہ مباشرت ممنوع نہیں، جائز ہے۔ کیونکہ مزدوری پر کام کرنے سے کوئی شخص تصرف و تولیت کا مستحق نہیں ہوا کرتا۔

اور اگر مسجد کی تعمیر اور اس میں چندہ دینے سے کفار کا تصرف و تسلط ہو رہا ہو تو حرام ہوگا۔ اور اس میں یہ بھی ضروری نہیں کہ یہ تعمیر کفار کے مال سے ہو بلکہ اگر کوئی کافر مسلمانوں سے چندہ جمع کرے اور مسجد کی تعمیر کرے لیکن انتظام و اہتمام میں خود مستقل ہو کسی مسلمان کو دخل نہ دینے دے تو یہ تعمیر بھی تعمیر ممنوع ہے، باوجودیکہ تعمیر مسلمان کے مال سے ہوئی ہو کیونکہ اسلام کے مخصوص معابد پر کفار کا تصرف و تسلط ممنوع ہے۔

ایک تو اس وجہ سے کہ ان کی تولیت و تسلط سے مسلمانوں کی کوتاہی اور قصور ظاہر ہوتا ہے۔ دوسرے یہ کہ کافر بحیثیت کافر ہونے کے شعائر اسلام اور خانہ خدا پر تصرف و تسلط کا مستحق نہیں ہے۔

حضرت مفتی کفایت اللہ صاحبؒ نے ان دونوں مسئلوں پر بحث کرتے ہوئے ایک لطیف استدلال کیا ہے:

آیت کریمہ: "ما كان للمشركين أن يعمروا مساجد الله" سے اس تقدیر کے تعمیر سے تعمیر معروف مراد ہو، ثابت ہوتا ہے کہ اس میں حق تعالیٰ نے کفار سے حق تعمیر کی نفی فرمائی ہے اور تعمیر سے بھی تعمیر کا ایک اکثری لازم مراد ہے اور وہ تصرف و تسلط ہے۔

پس آیت شریفہ میں اس تعمیر کے استحقاق کی نفی ہے جو تصرف اور تسلط کو مستلزم ہو۔ اور یہی مطلب ہے کتب تفسیر کی ان عبارتوں کا جن میں کفار کے لئے مساجد کی تعمیر معروف کو ممنوع لکھا ہے (کفایت المفتی ۷/ ۹۷)

مولانا عطاء اللہ قاسمی

مساجد کا ہندو اوقاف کی تولیت میں رہنے کا حکم:

جو زمین وجائیداد غیر مسلموں نے مساجد کے لئے وقف کی ہیں وہ زمین مساجد کی ہوں گی اور ان کا وقف کرنا صحیح ہے اور درست ہے، لیکن ان مساجد کا غیر مسلم اوقاف کی تولیت میں رہنا درست نہیں ہے، اس لئے کہ اوقاف کی ولایت کا اختیار واقف کو رہتا ہے یا اگر واقف کسی کو وصی بنا دیتا ہے تو پھر ولایت کا حق وصی کو ہوتا ہے اور اگر وصی نہ ہو تو پھر ولایت قاضی کے لئے ہوتی ہے کہ وہ جس کو چاہے متولی مقرر کرے (امداد الفتاوی ۲/ ۶۱۴)۔

ولاية نصب القيم إلى الواقف ثم لوصيه ثم للقاضي (التحریر علی الدر۴۲۸/۳)۔

متولی مقرر کرنے کی ولایت واقف کو ہوتی ہے پھر وصی کو پھر قاضی کو کہ جس کو چاہے متولی مقرر کرے۔

نیز قاضی کے شرائط میں یہ ہے کہ وہ مسلمان ہو، لہذا غیر مسلم اوقاف مساجد کی تولیت کے مستحق نہیں ہیں، اس بنا پر مسلمانوں کو چاہئے کہ حکومت سے مطالبہ کریں اور ان سے مدد لیں کہ ہماری مساجد غیر مسلم اوقاف کی تولیت سے نکال کر مسلمانوں کو دی جائیں اور مسلمان پھر باہمی رضامندی سے جس کو چاہیں متولی مقرر کردیں یا مسلم اوقاف کے تحت داخل کردیں۔

حاصله أن أهل المسجد لو اتفقوا على نصب رجل متولياً لمصالح المسجد فعند المتقدمين يصح ولكن الأفضل كونه باذن القاضي ثم اتفق المتأخرون ان الأفضل أن لا يعلموا القاضي في زماننا لما عرف من طمع القضاة في أموال الأوقاف (شامی ۴۳۴/۴)۔

اس کا حاصل یہ ہے کہ اگر اہل مسجد کسی کے متولی بنانے پر مصالح مسجد کی خاطر اتفاق کرلیں تو متقدمین کے نزدیک صحیح ہے لیکن افضل یہ ہے کہ قاضی کی اجازت سے ہونا چاہئے، پھر متاخرین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اب افضل یہ ہے کہ قاضی کو نہ بتلائیں اس لئے کہ ہمارے دور میں قاضیوں کے اندر لالچ ہوگیا ہے جیسا کہ معروف ہے اور خاص طور سے اوقاف کے اموال میں زیادہ لالچ ہے۔

(الحاصل) اس عبارت سے یہ بات معلوم ہوئی کہ مساجد ومقابر وغیرہ اوقاف کا غیر مسلم کی تولیت میں رہنا صحیح نہیں ہے۔

مولانا اسعد اللہ قاسمی

غیر مسلم کا مسلم اوقاف کا متولی ہونا:

اگر کوئی واقف کسی غیر مسلم کو مسلم اوقاف کا متولی بنادے یا اپنے وقف میں اس کی شرط لگادے تو اس کا غیر مسلم کو متولی بنانا درست نہیں ہوگا اور نہ اس کی شرط کی اتباع کی جائے گی، کیونکہ صاحب تقریر رافعی نے لکھا ہے کہ ذمی اوقاف کا ذمی تو متولی ہوسکتا ہے لیکن مسلم اوقاف کا متولی نہیں ہوسکتا ہے، اس سے ہر شخص بخوبی اندازہ لگا سکتا ہے، جب ذمی مسلم اوقاف کا متولی نہیں ہوسکتا ہے تو وہ غیر مسلم جو ذمی نہیں مسلم اوقاف کا متولی کیسے ہوسکتا ہے۔

إن تولية الذمي صحيحة ينبغي أن يخص بوقف الذمي فإن تولية الذمي على المسلمين حرام لا ينبغي اتباع شرط الواقف فيها من خط ابن نجيم (تقریر الرافعی مع الشامی ۸۲/۶)

ذمی کا متولی بننا جائز ہے، مناسب ہے کہ اسے ذمی کے وقف کے ساتھ خاص کیا جائے کیونکہ ذمی کا مسلمان پر متولی بننا حرام ہے، مناسب ہے کہ اس میں واقف کے شرط کی اتباع نہ کی جائے۔

مولانا محمد ارشد قاسمی

☆☆☆☆☆☆☆

ہندوستان میں اوقاف

تعارف وجائزہ

قانون وقف

تاریخ، مقاصد اور اہم نکات کا مختصر جائزہ

محمد عبدالرحیم قریشی

صدر کل ہند مجلس تعمیر ملت، سکریٹری آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ

اسلامک فقہ اکیڈمی کے اس سیمینار میں غور وفکر کا ایک اہم موضوع وقف ہے اور اوقاف سے متعلق کئی سوالات اس سیمینار میں زیر غور ہیں، اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ملک میں رائج قانون وقف کا جائزہ لیا جائے۔ اس جائزہ میں اس قانون اور اس قانون کے بارے میں عدالتی تحقیقات فرمانیوں کے ایسے پہلو بھی سامنے آئیں گے جن سے ان سوالات پر غور وبحث میں مدد ملے گی جو اس سیمینار کے موضوعات میں شامل ہیں۔ ان کے علاوہ وقف سے متعلق اہم مسائل کو سمجھا جا سکے گا۔

قانون وقف کے ارتقاء کی تاریخ:

وقف کا نظریہ کہ کسی مال متعین کو روک کر اس کی منفعت کو خیر کے کاموں میں صرف کیا جائے، یہ اسلام ہی کی دین ہے، اور ایسا کوئی نظریہ یا ادارہ دنیا کے کسی اور قانون میں نہیں پایا جاتا۔ وقف کا مقصد قرب الٰہی کا حصول ہے اور یہ ثواب جاریہ ہے اس لئے مسلم معاشروں میں مال وجائداد کو وقف کرنے کی روایت چلی آرہی ہے۔ ہندوستان میں بھی مسلمانوں کی آمد کے بعد اوقاف کے قیام کا سلسلہ شروع ہوا اور لاکھوں لاکھ اوقاف قائم ہوئے جن کی نگرانی حکومت کے مقرر کردہ قاضی کیا کرتے تھے اور ہر مملکت کے اندر واقع اوقاف کی عام نگرانی صدر الصدور کی ذمہ داریوں میں شامل تھی۔ قاضی اور دیگر خدمات شرعیہ پر مامور اصحاب صدر الصدور کے تحت اپنے فرائض انجام دیتے تھے۔ مغلیہ سلطنت کے زوال اور ملک میں افراتفری نے اوقاف کے اس نظام کو متاثر کیا۔ انگریزوں کے قبضہ کے ساتھ یہ صورتحال ابتر ہوتی چلی گئی۔

ا۔ انگریز کے غلبہ کے بعد صورت حال:

یہاں یہ بات ذہن میں رہے کہ انگریزوں کا دہلی پر مکمل قبضہ ۱۸۵۷ء سے بہت پہلے شاہ عالم ثانی کے دور حکومت میں ۱۸۰۳ء ☆ میں ہو چکا تھا۔ انگریزوں کی مدد سے ہی شاہ عالم ثانی نے دہلی کا تخت حاصل کیا تھا اور اس

☆ انگریزوں کے دہلی پر ۱۸۵۷ء سے پہلے مکمل قبضہ کا ایک ثبوت یہ بھی ہے کہ حضرت شاہ عبدالعزیزؒ نے ۲۰ جون ۱۸۰۷ء کو ایک درخواست دہلی کے انگریز ریذیڈنٹ کے سامنے سکریٹری پولیٹیکل ڈپارٹمنٹ کو دی تھی کہ دہلی میں ان کی جائداد ضبط ہو چکی ہے وہ واگزاشت کی جائے۔ ۲۰ جولائی ۱۸۰۷ء کو سکریٹری پولیٹیکل ڈپارٹمنٹ نے ریذیڈنٹ کو جواب دیا: واگزاشت کرنے کی درخواست کی منظوری کی اطلاع دی اور حضرت شاہ عبدالعزیزؒ کو دہلی میں ۱۲ اور ۲۰ بیگے کی جائداد مل گئی۔

کے بعد اکبر شاہ ثانی انگریزوں کا صرف وظیفہ خوار تھا۔ ان حالات میں اوقاف کی صورتحال مزید ابتر ہونے لگی ،انگریزوں نے بھی اس میں مداخلت سے احتراز کیا۔ لیکن ۱۸۱۰ء میں انگریزوں نے جب اس ابتری کو بڑھتے ہوئے دیکھا تو اوقاف اور عطیات کے تحفظ کے مقصد سے فورٹ ولیم (کلکتہ) کے ماتحت تمام علاقوں کیلئے ایک قانون ریگولیشن Regulation XIX of 1810 پاس کیا اس کے ابتدائیہ میں یہ مقاصد بیان کئے گئے۔

"......کہ انڈومینٹس کو معطی کے حقیقی منشاء اور مرضی کے مطابق
استعمال کیا جائے اور......عوام کے استعمال اور سہولت کیلئے پلوں،
سرایوں، گھروں اور دیگر عمارات کی جو حکومت یا افراد کے صرف
سے تعمیر کئے گئے ہوں نگہداشت اور مرمت کی جائے......"

انڈومینٹس کے بارے میں اس ابتدائیہ میں یہ وضاحت کر دی گئی کہ اس سے مراد مساجد، ہندو مندر، تعلیمی اداروں (کالجز) کی مدد اور دیگر مقدس اور منفعت بخش اغراض کے لئے سابقہ حکومتوں یا افراد کی جانب سے دی گئی اراضیات ہیں۔

اس ابتدائیہ سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ ۱۸۱۰ء تک تعلیمی اداروں کی اوقافی جائدادیں بڑی تعداد میں موجود تھیں اور پلوں، سراؤں، گھروں وغیرہ کی قابل لحاظ تعداد ایسی تھی جو وقف تھے۔ ۱۸۱۷ء میں ایسا ہی قانون فورٹ سینٹ جارج (مدراس) کے تحت کے علاقوں میں نافذ کیا گیا (ریگولیشن ۷ بابت ۱۸۱۷ء مدراس) ان قوانین کے ذریعہ ان تمام اوقاف کی عام نگرانی و نگہداشت بورڈ آف ریونیو اور بورڈ آف کمشنرز کے تحت کر دی گئی۔

۲۔ کمپنی حکومت کی پالیسی:

۱۸۶۳ء میں یہ پالیسی بدل دی گئی اور اس نظریہ کے تحت کہ ہندوؤں اور مسلمانوں کے مذہبی اداروں کے ساتھ ایک عیسائی حکومت کا تعلق بے قاعدہ اور خلاف مصلحت ہے، برطانوی حکومت ہند نے قانون ACt XX of 1863 کے ذریعہ ۱۸۱۰ء اور ۱۸۱۷ء کے قوانین منسوخ کر دیئے گئے اور ہندو مسلم مذہبی اوقاف کو حکومت کی نگرانی سے خارج کر دیا گیا لیکن حکومت نے ان تمام اوقاف کو اپنے تحت رکھا جن کے مقاصد بالکلیہ مذہبی نوعیت کے نہیں تھے۔ اس قانون کے ذریعہ مذہبی اوقاف اور خیراتی "Charitable" اوقاف کے درمیان فرق پیدا کیا گیا۔ خیراتی اوقاف کو حکومت نے اپنے تحت رکھا، اور مذہبی اوقاف کو مکمل طور پر متولیوں کے حوالے کرنے کے لئے شرط یہ قرار دی گئی کہ یہ وقف صرف مذہبی اغراض کے لئے قائم کیا گیا ہو۔ یہ قانون اوقاف کی بڑی تباہی کا باعث بنا۔ سرکاری نگرانی کے اٹھ جانے سے متولیوں نے من مانی شروع کر دی اور اوقاف کو اپنی ذاتی جائداد کی طرح بیچنا اور منتقل کرنا شروع کر دیا، اور انگریزوں نے ان اوقاف کو جو تعلیمی اغراض کے لئے قائم کئے گئے تھے اور ملک کے گوشے گوشے بلکہ تقریباً ہر بڑے شہر میں پائے جاتے تھے، اپنے تحت لے کر ایک پالیسی کے تحت ان کو ختم اور ہڑپ کرنا شروع کیا جس سے مسلمانوں کی تعلیم کا اس وقت کا نظام ٹوٹ پھوٹ کر رہ گیا اور جس ملت میں تعلیم و خواندگی، مرد و خواتین میں عام تھی اس میں

ناخواندگی بڑھتی گئی، اور یہی کیفیت پیدا کرنا انگریزوں کی پالیسی تھی۔ ۱۸۹۰ء میں خیراتی اوقاف کے لئے خیراتی اوقاف قانون Charitable Endowment Act 1890 پاس کیا گیا لیکن اس وقت تک کئی اوقاف ختم ہو چکے تھے۔ ان کی وقف کی حیثیت ختم کر دینے سے خیراتی اوقاف ٹرسٹ بن گئے اور ختم ہوتے گئے، کیونکہ ٹرسٹ میں دوامی برقراری کا کوئی تصور نہیں ہے۔

۳۔ وقف علی الاولاد:

قانون اسلامی کے تحت ایک شخص اپنی جائداد و مال کو نسل بعد نسلاً اپنی اولاد کی منفعت کے لئے وقف کر سکتا ہے کیونکہ اہل خانہ اور اولاد کی کفالت اور پرورش بھی کار خیر اور کار ثواب ہے، لیکن اولاد کی کفالت اور پرورش کو دیگر قوانین اور بالخصوص برطانوی قانون میں کار خیر (Charity) نہیں گردانا جاتا۔ برطانوی حکومت ہند میں عدالتیں چونکہ برطانوی قانون کے نظریات اور اصولوں کی پیروی کرتی تھیں اس لئے وقف علی الاولاد کا مسئلہ ایک قانونی نزاع بن گیا اور ۱۸۹۴ء میں ابوالفتح محمد اسحٰق بنام رسامو ئے دھر چودھری کیس میں پریوی کونسل نے وقف علی الاولاد کو وقف تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ اس فیصلے کے خلاف مسلمانوں میں ناراضگی پیدا ہوئی۔ ملکہ وکٹوریہ اور وائسرائے کے نام مسلسل اور متعدد نمائندگیوں کے بعد پریوی کونسل کے اس فیصلہ کو زائل کرنے کے لئے "مسلمان وقف جواز قانونی" قانون The Musalman Wakf Validating Act of 1913 پاس کیا گیا جس کے ذریعہ وقف علی الاولاد کو وقف کی حیثیت میں تسلیم کیا گیا اور اس قانون کو استقدامی اثر (Retrospective Effect) دیا گیا۔

۴۔ قوانین اوقاف قبل آزادی ملک:

۱۹۲۰ء میں خیراتی اور مذہبی ٹرسٹوں کے لئے ایک قانون The Charitable & Religious Trust Act پاس کیا گیا، لیکن اس کے ذریعہ اوقاف کے انتظام و نگرانی کا کوئی نظم قائم نہیں کیا گیا۔ ۱۹۲۳ء میں مسلمان وقف ایکٹ پاس کیا گیا جس کے ذریعہ متولیوں کو پابند کیا گیا کہ وہ ڈسٹرکٹ جج کو سالانہ آمدنی و اخراجات کی تفصیلات پیش کیا کریں۔ ان عدالتوں کو حسابات کی تنقیح کے اختیارات بھی دیئے گئے، ملک میں مرکزی اور صوبائی سطح کے کئی قوانین بنائے گئے۔ دیسی ریاستوں میں مختلف قوانین رائج رہے ان میں قابل ذکر یہ ہیں:

بنگال و اڑیسہ مسلمان وقف ایکٹ	(۱۹۲۶ء)
بنگال وقف ایکٹ	(۱۹۳۴ء)
بمبئی مسلمان وقف ایکٹ	(۱۹۳۵ء)
یوپی مسلم وقف ایکٹ	(۱۹۳۶ء)
دہلی مسلم وقف ایکٹ	(۱۹۴۳ء)
بمبئی مسلمان وقفس (ترمیمی) ایکٹ	(۱۹۳۵ء)

بہار وقف ایکٹ (۱۹۴۷ء)

ملک کی سب سے بڑی دیسی ریاست مملکت آصفیہ نظام حیدر آباد میں ۱۳۲۹ فصلی کے دستور العمل کے تحت حکومت نے ہندو مسلم اوقاف کے انتظام و نگہداشت کو اپنے ہاتھ میں رکھا تھا۔ اس کے لئے محکمہ امور مذہبی قائم تھا اور جس طرح اس ریاست میں مذہبی و خیراتی اوقاف کا انتظام اور ان کی نگہداشت ہوتی رہی ہے وہ اپنی نظیر آپ ہے۔ یہ قانون ریاست حیدر آباد میں جنوری ۱۹۵۵ء تک نافذ العمل رہا۔

۵۔ آزادی ملک کے بعد قوانین وقف:

ملک کی آزادی کے بعد ۱۹۵۴ء میں اوقاف کے تحفظ اور ان کی نگہداشت و نگرانی کے لئے پارلیمنٹ میں مشہور مسودہ قانون ''کاظمی بل'' پیش ہوا۔ اس بل پر عوامی رائے جاننے کے لئے ایک سلیکٹ کمیٹی تشکیل دی گئی۔ اس کمیٹی کی سفارشات کی روشنی میں قانون وقف بابت ۱۹۵۴ء کی پارلیمنٹ نے تدوین کی۔ اس قانون کی بعض دفعات اور بعض فقروں کی عدالتوں کی جانب سے قانون کے منشاء کے خلاف تشریحات اور فیصلوں کے اثر کو زائل کرنے کے لئے ترمیمات کا مطالبہ ہوتا رہا ہے، اور چند مطالبات کو قبول کرتے ہوئے ۱۹۵۹ء، ۱۹۶۴ء اور ۱۹۶۹ء میں ترمیمات کی گئیں لیکن اس قانون پر اعتراضات ہوتے رہے، اور اس قانون کے تحت قائم وقف بورڈس، اوقاف کے تحفظ و نگہداشت میں ناکام رہے۔ ۱۹۵۴ء کے مرکزی قانون کے باوجود مغربی بنگال میں بنگال وقف ایکٹ بابت ۱۹۳۴ء، یوپی میں یوپی مسلم وقفس ایکٹ بابت ۱۹۳۶ء اور اس کے بعد یوپی مسلم وقفس ایکٹ ۱۹۶۰ء نافذ العمل رہے۔ گجرات میں کچھ کے علاقہ میں اور مہاراشٹرا میں مرہٹواڑہ کے علاقہ میں قانون بابت ۱۹۵۴ء نافذ کیا گیا۔ ان دونوں ریاستوں کے باقی علاقوں میں بمبئی پبلک ٹرسٹ ایکٹ بابت ۱۹۵۰ء کا نفاذ کیا جاتا رہا ہے۔

اوقاف کے تحفظ میں ان قوانین کے تحت قائم بورڈس اور عہدہ داروں کی ناکامی پر مسلسل توجہ دلانے کے بعد مرکزی حکومت نے ۱۹۷۶ء میں وزارت قانون، انصاف و کمپنی امور کے تحت وقف انکوائری کمیٹی قائم کی۔ جس نے ۱۹۷۳ء میں ایک عارضی رپورٹ اور ۱۹۷۶ء میں آخری رپورٹ ایک نئے قانون کے مسودہ کے ساتھ پیش کی۔ ان رپورٹس اور سفارشی مسودہ کے جائزے کے لئے مختلف کمیٹیاں تشکیل دی گئیں۔ بالآخر ۱۹۸۴ء میں ایک نئے قانون کا بل پارلیمنٹ میں پیش اور منظور ہوا۔ اس پر صدر جمہوریہ نے بھی دستخط کر دیئے لیکن کئی گوشوں سے اس کی مخالفت ہوئی۔ چنانچہ حکومت ہند نے اس قانون کے نفاذ کو روکنے کا اعلان کیا۔ بعد میں اس قانون کے صرف دو دفعات کو نافذ کیا گیا جن میں سے ایک تخلیہ کنندگان کے چھوڑے ہوئے اوقاف کو وقف بورڈ کے تحت کرنے سے متعلق ہے، اور دوسری دفعہ کے ذریعہ قبضہ مخالفانہ کے خلاف مقدمہ دائر کرنے کی معیاد بڑھا کر (۳۰) سال کر دیا گیا۔

۶۔ قانون وقف بابت ۱۹۹۵ء:

ایک نئے قانون وقف کے لئے مسلسل مطالبہ ہوتا رہا چنانچہ ۱۹۹۳ء میں حکومت نے پارلیمنٹ میں ایک مسودہ قانون پیش کیا اور جو بالآخر قانون وقف بابت ۱۹۹۵ء کی شکل میں منظور ہوا اور اس کو سارے ملک میں نافذ العمل

قرار دیا گیا۔ حکومت ہند نے ۲۷ ر دسمبر ۱۹۹۵ء کو بجز جموں و کشمیر سارے ملک میں یکم جنوری ۱۹۹۶ء سے اس قانون کے نفاذ کا اعلان کیا۔ البتہ اس قانون کا اطلاق درگاہ حضرت خواجہ صاحب اجمیر پر نہیں ہوگا جس کے لئے علیحدہ ۱۹۵۵ء کا قانون موجود ہے۔

قانون بابت 1995ء کے اہم نکات:

☆ اس قانون کے ذریعہ تمام ریاستوں میں اوقاف پر یکساں قوانین کا نفاذ ہوگا اور پچھلی صورت حال جو بعض ریاستوں میں الگ قوانین اور بعض ریاستوں کے دو مختلف حصوں میں دو قوانین نافذ تھے ختم ہو جائے گی۔

☆ اس قانون میں بھی کئی نقائص ہیں، جن کے تعلق سے آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ نے اپنے اجلاس اور کمیٹیوں میں غور کیا، اور ترمیمات کے لئے حکومت سے نمائندگی کی ہے، سطور ذیل میں ان ہی نکات کا ذکر ہے جو اس سیمینار کے موضوع سے متعلق ہیں۔

ا۔ ٹرسٹ اور وقف: جس کے مستفید لہ میں غیر مسلم بھی شامل ہوں کیا اس کو وقف قرار دیا جا سکتا ہے؟

سپریم کورٹ نے کیس نواب زین یار جنگ بنام ڈائرکٹر آف انڈومنٹ (آندھرا پردیش) و دیگر (AIR 1963 SC. 985) میں اس سوال پر غور کیا کہ آیا نظام کی جانب سے قائم کردہ چیریٹیبل ٹرسٹ وقف ہے جس پر قانون وقف کا اطلاق کیا جا سکے یا اس قانون کے حیطہ اختیار سے باہر ایک عوامی خیراتی ٹرسٹ ہے۔ جسٹس گجیندر گڈکر نے پانچ ججوں کے اجلاس کی جانب سے یہ فیصلہ سنایا کہ:

(الف) ٹرسٹ، وقف سے بالکل مختلف ہے۔ ٹرسٹ میں ٹرسٹ قائم کرنے والا، ٹرسٹ جائداد ٹرسٹیوں کو منتقل کرتا ہے جب کہ وقف میں موقوفہ شئے اللہ تعالیٰ کی ملک میں دی جاتی ہے اور واقف کا حق ملکیت ختم ہو جاتا ہے۔

(ب) وقف کے مستفید لہ (Beneficiaries) افراد کے علاوہ اغراض بھی ہو سکتے ہیں، یہ اغراض قانون وقف ۱۹۵۴ء کی رو سے مسلم فرقہ کے فائدے سے متعلق ہونا چاہئے۔ نظام چیریٹیبل ٹرسٹ عوام کو بلا لحاظ مذہب و ذات و عقیدہ فائدہ پہنچانے کے لئے قائم کیا گیا اس لئے یہ ٹرسٹ وقف نہیں ہے۔

اس فیصلہ کے اثر کو زائل کرنے کے لئے قانون میں لفظ مستفید لہ کی تعریف میں تبدیلی کر کے الفاظ "مسلم فرقہ کے فائدے کے لئے" کے بجائے "مسلم لا میں تسلیم شدہ" کے الفاظ داخل کرنے کی تجویز رکھی گئی، اور یہ ترمیم ۱۹۶۴ء کے ترمیمی قانون کے ذریعہ کی گئی۔ لیکن اہم مسئلہ یہ تھا کہ مذہبی اور خیراتی اغراض کے لئے مسلمانوں کی جانب سے قائم ٹرسٹ کو بھی وقف کی تعریف میں شامل کیا جائے۔ چنانچہ یہ تجویز رکھی گئی اور وقف انکوائری کمیٹی نے یہ سفارش کی کہ متولی کی تعریف میں ٹرسٹ اور سوسائٹی کو شامل کیا جائے۔ مسلسل کوشش اور کئی کمیٹیوں کی سفارش کے باوجود حکومت نے اسکو قبول نہیں کیا ہے اور ایسے ٹرسٹ اب بھی نئے قانون وقف کے دائرہ سے باہر ہیں۔

۲۔فہرست اوقاف کی قبضہ مخالفانہ کے خلاف قطعیت:

قانون وقف کی رو سے ریاستی حکومت سروے کمشنر کا تقرر کرتی ہے اور سروے کمشنر قانون وقف کے آغاز نفاذ کی تاریخ پر ریاست میں موجود اوقاف کا سروے کرتا ہے (دفعہ ۴)۔ سروے کمشنر کی رپورٹ وصول ہونے پر حکومت یہ رپورٹ وقف بورڈ کو روانہ کرتی ہے اور وقف بورڈ جانچ کے بعد اس کو سرکاری گزٹ میں شائع کرواتا ہے (دفعہ ۵)۔ سرکاری گزٹ میں اشاعت کے ایک سال بعد فہرست میں شامل کسی جائداد وقف ہونے کے سوال پر وقف بورڈ یا متولی یا اس میں مفاد رکھنے والے شخص کا کوئی مقدمہ ٹریبونل میں سماعت کے لئے قابل قبول نہیں ہوگا۔

(الف) گذشتہ سال کرناٹک ہائی کورٹ نے کرناٹک وقف بورڈ بنام ریاست کرناٹک کیس (AIR1996. Kantk.55) میں یہ فیصلہ دیا کہ ایک سال کے اندر فہرست اوقاف میں اندراج کے خلاف مقدمہ دائر کرنے کی تحدید کا اطلاق حکومت پر نہیں ہوتا اور حکومت بحیثیت مدعی اس تحدید کی پابند نہیں ہے۔ اس فیصلہ نے بڑے مسائل پیدا کر دیے ہیں۔ ملک کے اکثر علاقوں میں، ان علاقوں میں جہاں مسلمانوں کی دیسی ریاستیں تھیں اور بالخصوص آندھرا پردیش کے علاقہ تلنگانہ، مہاراشٹرا کے علاقہ مرہٹواڑہ اور کے علاقہ حیدرآباد کرناٹک میں قبرستانوں اور عیدگاہوں کی زمینوں کو ریونیو ریکارڈس میں سرکاری ملک بتایا گیا ہے اور ایسے اکثر علاقوں میں اوقاف کا سروے ہوچکا ہے اور فہرستیں سرکاری گزٹوں میں شائع ہوچکی ہیں اور کئی مرتبہ نمائندگیوں کے باوجود ریونیو ریکارڈس میں گزٹ کے مطابق اندراجات نہیں کئے گئے۔ اس صورت حال کا استحصال کرتے ہوئے بعض بددیانت اور فرقہ پرست عہدہ داروں نے وقف کی ایسی اراضیات کو بے زمین و بے مکان غریبوں کی بہبودی کی اسکیمات کے تحت دلتوں اور دیگر پس ماندہ طبقات میں تقسیم کر دیا۔ موجودہ دور کی زمینیں ہڑپ کرنے کے حرص کے مارے اور مسلمانوں سے عناد رکھنے والے بھی ایسے بددیانت عہدہ داروں کی ملی بھگت سے ایسی جائدادوں کو حاصل کر رہے ہیں۔ آندھرا پردیش اسمبلی میں اوقاف کے اطلاق پر تیز و تند بحث کے بعد ایک کمیٹی تشکیل دی گئی جس نے جنوری ۱۹۹۷ء میں اپنی رپورٹ پیش کی۔ اس میں ضلع حیدرآباد کے ایک سابق کلکٹر و ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کے بارے میں باوثوق حوالوں سے بتایا گیا کہ اس نے قبرستانوں کی زمینوں پر عمداً دلتوں کو بسایا۔ اس لئے ریاستی حکومتوں سے یہ مطالبہ کیا جانا چاہئے کہ اراضی اور جائدادوں سے متعلق وہ اپنے تمام ریکارڈس کو گزٹ شدہ فہرست ہائے اوقاف کے مطابق بنائے، اور مرکزی حکومت سے ایسی ترمیم کا مطالبہ کرنا چاہئے کہ کرناٹک ہائیکورٹ کے اس فیصلہ کا اثر زائل ہو اور تحدید کا اطلاق حکومتوں پر بھی ہو۔

(ب) فہرست وقف میں شامل کسی جائداد کے اس کے وقف ہونے یا نہ ہونے کے بارے میں نزاع ہو تو اس تعلق سے عذرداری کا حق وقف بورڈ یا متولی یا اس میں مفاد رکھنے والے ہر شخص کو حاصل ہے۔ یہی بات ۱۹۵۴ء کے قانون میں بھی تھی۔ تعریفات کی دفعہ میں ''وقف میں مفاد رکھنے والے شخص'' کی تعریف موجود ہے۔

راجستھان ہائیکورٹ نے رادھا کرشن بنام راجستھان وقف بورڈ کیس میں (AIR 1967 RAJ.) یہ فیصلہ دیا کہ سروے کمشنر کے فرائض تاریخ آغاز قانون ہذا 'موجود اوقاف' تک محدود ہیں۔ اس لئے یہ سوال

کہ ایک جائیداد وقف ہے یا نہیں کمشنر طے نہیں کرسکتا۔ اس فیصلے کے خلاف مرافعہ میں سپریم کورٹ نے (AIR 1979 Sc. 289) فیصلے کے اس حصہ کو رد کردیا کہ جب کمشنر کو سروے کرنے کا اختیار حاصل ہے تو اس میں یہ بات شامل ہے کہ ان اختیارات کا استعمال کرتے ہوئے وہ اس کی چھان بین کرے کہ آیا ایک وقف موجود ہے یا ہائیکورٹ نے صاف طور پر غلطی کی ہے۔ تاہم ہائیکورٹ نے یہ فیصلہ بھی دیا تھا کہ فہرست وقف صرف ان کے خلاف قطعیت پذیر ہے جنہیں عذرداری کا حق ہے یعنی وقف بورڈ، متولی یا اس میں مفاد رکھنے والے شخص کے خلاف یہ فہرست قطعی قرار پائے گی اور کسی بھی فریق جس کا قبضہ مخالفانہ حاصل ہے اور جو اس کو وقف کی ملکیت نہیں مانتا اس پر اس تحدید کا اطلاق نہیں ہوگا۔ مرافعہ میں سپریم کورٹ نے فیصلے کے اس جزو کی توثیق کردی۔

اس فیصلے کے اطلاق کو بے اثر کرنے کیلئے ۱۹۸۴ء کے قانون کے ذریعہ وضاحت کا اضافہ کیا گیا کہ لفظ ''اس میں مفاد رکھنے والے ہر شخص'' میں ہر وہ شخص شامل ہے جو متعلقہ وقف میں مفاد رکھتا ہو یا کسی ایسی جائداد میں مفاد رکھتا ہو اور جس کو سروے میں انکوائری کے دوران نوٹس کی تعمیل کے ذریعہ اپنے کیس کی نمائندگی کا معقول موقع دیا گیا ہو۔ یہ وضاحت ۱۹۹۵ء کے نئے قانون میں بھی موجود ہے اس کے باوجود مخالف قابضین کے تعلق سے اس قانون میں تشنگی محسوس ہوتی ہے۔ اس لئے دو ترمیمات کی تجویز پیش کی گئی تھی کہ ترمیمات کی وجہ سے 'وقف میں مفاد رکھنے والے شخص' کی تعریف میں ان اشخاص کو جو قانون وقف کے تحت وقف بورڈ یا ان کی جانب سے مقرر کردہ کمشنر نے جاری کردہ نوٹیفکیشن یا علم سے شامل یا متاثر ہوں، اور ایسے اشخاص کو جو جائداد وقف میں حقیقت ملک یا کسی حق کا ادعا رکھتے ہوں شامل کیا جائے۔ اس ترمیم کے علاوہ سروے کمشنر کے فرائض کی دفعہ ۴ ذیلی دفعہ ۳ میں انکوائری میں کسی جائیداد کے وقف ہونے یا نہ ہونے کی انکوائری کو اس شرط کے ساتھ مشروط کیا جائے کہ اس سے متاثر ہونے والے تمام فریقین کو اپنے عذرات کی سماعت کا معقول موقع دیا جائے گا۔ یہ ترمیمات قانون میں موجود ابہام کو دور کریں گی۔

۴۔ غیر مسلم اشخاص کے قائم کردہ اوقاف:

ہندوستان کے طول و عرض میں ایسے اوقاف بڑی تعداد میں موجود ہیں جن کو غیر مسلم اصحاب نے قائم کیا، جب کہ مسلم فرمانرواؤں نے غیر مسلم رعایا کے لئے مندر، گرودوارے اور گرجا گھروں کی تعمیر میں مدد کی اور ان کو قیمتی اور اراضی کے عطیات و جاگیریں دیں۔ اسی طرح بلند مرتبہ ہندو راجاؤں، ریاستی جاگیرداروں اور بڑے زمینداروں نے اپنی رعایا کے لئے مسجدیں، عاشور خانے اور عیدگاہیں بنوائیں، عبادتوں وقف کیں اور بزرگان دین کے تکیے، خانقاہیں بنوائیں اور ان کے مزارات و مقبرے اور ان کے اطراف زائرین کی سہولتوں کے لئے عمارتیں تعمیر کروائیں اور ان کو وقف کیا۔ اسی طرح دیگر غیر مسلموں نے بھی اس نوعیت کے کام کئے۔ یہ ان کاموں کو اپنے اعتقاد کے لحاظ سے نیکی اور پن کا کام سمجھتے تھے۔ ان اوقاف میں مذہبی فرائض یا متعلقہ رسومات کی انجام دہی کے لئے مقررہ خدمات معاشیں بھی دی گئیں اور آخر یہ معاشیں اراضی کی صورت میں دی گئی تھیں۔

قانون وقف ۱۹۹۵ء کی رو سے، اسلام کو ماننے والے اشخاص یعنی مسلمانوں کے قائم کئے ہوئے اوقاف ہی

وقف متصور ہوں گے (دفعہ ۳ تعریفات شق 'ایل')۔ اس تعریف کی رو سے غیر مسلم اشخاص کے قائم کردہ اوقاف قانونی اختیار سے اوقاف نہیں ہیں۔ سن ۱۹۸۴ء کے ترمیمی قانون کے ذریعہ 'اسلام کو ماننے والے شخص' کے الفاظ کے بعد 'یا کسی اور شخص' کے الفاظ کا اضافہ کیا گیا جس سے وقف کی تعریف میں وسعت پیدا ہو گئی، البتہ یہ شرط لگائی گئی کہ اگر وقف کرنے والے غیر مسلم کی وفات کے بعد اس کے قانونی نمائندگان میں سے ایک یا زیادہ اس وقف کے قیام پر اعتراض کریں تو یہ وقف کالعدم ہوگا۔ اس وقت ایسے اوقاف کی بڑی تعداد ایسی ہے جن پر اس شرط کا اطلاق ہی نہیں ہوتا کیونکہ ان کے واقفین کو فوت ہوئے عرصہ گذر چکا ہے۔ سن ۱۹۸۴ء کی یہ ترمیم بہت موزوں اور مناسب تھی۔ لیکن اس کو نافذ نہیں کیا گیا اور ۱۹۹۵ء کے نئے قانون میں اس کو شامل بھی نہیں کیا گیا، چنانچہ سن ۱۹۵۴ء کے قانون والی صورتحال ہی برقرار ہے۔

ایک خیال یہ ہے کہ 'اسلام کو ماننے والے' کی شرط لگائی نہ گئی تو دوسرے فرقوں کے تمام خیراتی اور گئی مقدس اداروں قانون وقف کے تحت آجائیں گے کیونکہ ایسے خیراتی اور مقدس مقاصد کو مسلم لا میں بھی کار خیر اور کار ثواب گردانا جاتا ہے اور ان کو قانون وقف کے تحت لانا اس قانون سازی کا منشا نہیں ہے، لیکن یہ خیال زیادہ قابل اعتنا نہیں ہے کیونکہ جہاں تک دوسرے فرقوں کے 'مقدس' اغراض کا سوال ہے ان کو اسلامی قانون میں قطعاً 'مقدس' نہیں سمجھا جاتا۔ جہاں تک خیراتی مقاصد کا تعلق ہے اگر وہ مسلمانوں یا اوقاف سے وابستہ نہ ہوں تو ان کو موزوں الفاظ کے ذریعہ قانون وقف کے دائرہ اختیار سے باہر رکھا جا سکتا ہے۔ بہر حال غیر مسلم اشخاص کے قائم کردہ اوقاف کو قانون وقف کے تحت لانے کے لئے ترمیم ضروری ہے۔

سن ۱۹۸۴ء میں قانون وقف سن ۱۹۵۴ء میں جو ترمیمات کی گئیں ان میں ایک نئی دفعہ ۶۶ (ج) کا اضافہ ہے جس کے ذریعہ قانون یہ بنایا گیا کہ "اسلام کو نہ ماننے والے کسی شخص" نے اگر ایک وقف کی مدد کے لئے کسی جائداد منقول یا غیر منقول کا عطیہ دیا ہو تو یہ عطیہ اس وقف کا جز متصور ہوگا۔ یہ وقف (الف) مسجد، عیدگاہ، امام باڑہ، درگاہ، خانقاہ یا مقبرہ یا (ب) مسلم قبرستان یا (ج) سرائے یا مسافر خانہ ہونا چاہئے۔ سن ۱۹۸۴ء میں داخل کی گئی دفعہ ۶۶ (ج) اب نئے قانون وقف بابت سن ۱۹۹۵ء میں دفعہ ۱۰۴ ہے۔ اس دفعہ کی رو سے کوئی غیر مسلم کوئی مسلم وقف قائم نہیں کر سکتا، اور اگر وہ کرے تو اس پر قانون وقف کا اطلاق نہیں ہوگا۔ البتہ کسی مسجد، عیدگاہ، امام باڑے، درگاہ، مقبرے، قبرستان، سرائے یا مسافر خانہ کی مدد و سہارے کیلئے قابل انتقال یا ناقابل انتقال جائداد کا عطیہ دے سکتا ہے جس پر قانون وقف کا اطلاق ہوگا۔

اس تعلق سے وقف انکوائری کمیٹی کی آخری رپورٹ میں کئے گئے اس تبصرے کو نقل کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ:

"جب کہ غیر مسلم کی جانب سے اس دفعہ کی فہرست میں درج وقف کی مدد کے مقصد سے عطیہ میں دی گئی قابل انتقال یا ناقابل انتقال جائداد، جائداد وقف متصور ہوگی، ایک غیر مسلم کی طرف سے عطا کردہ یا مخصوص کردہ وقف، وقف متصور نہیں۔ صاف طور پر قانون کا یہ بھونڈا نظریہ ہے...... یہ ہماری تاریخ کی منفرد خصوصیت ہے کہ مسلمان حکمرانوں نے مندر، آشرم، گوشالے اور گردوارے بنائے یا ان کے لئے نگہداشت کی جاگیریں عطا

کیں، اور ہندو اور سکھ حکمرانوں نے نہ صرف مساجد، درگاہوں، امام باڑوں وغیرہ کی مدد کے لئے زمین اور جائدادیں عطا کیں بلکہ درحقیقت اس طرح کی مقدس جائدادیں عطا کیں اور ان کی تعمیر کروائی''۔

اس لئے ان کو وقف کی تعریف میں شامل کرنے کی تجویز مسلم پرسنل لا بورڈ نے پیش کی تھی۔ اس کے لئے نمائندگیوں کا سلسلہ جاری رہنا چاہئے۔

۴۔ وقف تعامل: Waqf By User

ایسے اوقاف کو جن کے وقف کئے جانے کا کوئی ثبوت موجود نہ ہو لیکن جن کا استعمال وقف کی حیثیت میں کیا جاتا رہا ہو ان کو قانوناً وقف کی تعریف میں شامل کیا گیا ہے۔ قانون کا تحفظ ایسی جائدادوں کو حاصل ہے۔ ملک میں موجود اوقاف کی ایک بڑی بھاری تعداد اس نوعیت کے اوقاف پر مشتمل ہے۔ جگہ جگہ موجود مساجد، قبرستانوں، مقبروں وغیرہ کے وقف کئے جانے کا کوئی ریکارڈ نہیں ملتا، لیکن ان کا سابقہ یا موجودہ استعمال ہی ان کی نوعیت وقف کو ظاہر کرتا ہے، اس لئے ۱۹۵۴ء کے قانون میں وقف تعامل یا وقف بالاستعمال کو وقف کی تعریف میں شامل کیا گیا۔ مساجد، مقبرے، خانقاہیں، امام باڑے جیسے اوقاف تو اپنی عمارت یا اس کے باقیات و آثار ی سے ظاہر ہو جاتے ہیں کہ یہ اوقاف ہیں۔ لیکن ان قبرستانوں کی صورت حال جو مدت سے ممنوع التدفین ہوں یا کسی وجہ سے جن کا استعمال نہ ہو رہا ہو اور مرور زمانہ کی وجہ سے قبروں کے نشان زیادہ نمایاں نہ ہوں، مختلف ہے۔ قبرستانوں کے وقف تعامل پر اہم فیصلہ پریوی کونسل کا مصدو داس بنام نور محمد (AIR 1936 LUCK.85) کیس میں ہے کہ دستاویزی ثبوت کے طور پر خسرہ (KHASRA) میں اس زمین کا بحیثیت قبرستان اندراج کافی ہے، اور خسرہ یا ریونیو ریکارڈ میں ایسے اندراج کی عدم موجودگی میں اس زمین کے بطور قبرستان استعمال کے بارے میں تدفین کے کئی واقعات کی شہادت ضروری ہوگی اور اس سے یہ ثابت ہوگا کہ یہ زمین قبرستان ہے۔ تاہم اس فیصلہ میں یہ بھی کہا گیا کہ کسی زمین میں ایک فرد کی تدفین اس کو فوری اور لازمی طور پر قبرستان نہیں بنا دیتی۔ پنجاب ہائیکورٹ نے کیس پنجاب وقف بورڈ بنام پنچایت گرام بر ہمن (AIR 1971 PUNJ. 482) میں یہ فیصلہ دیا کہ ایسا وقف تعامل، جس کا ایک عرصہ سے اس حیثیت میں استعمال ترک کر دیا گیا ہو وقف باقی نہیں رہے گا۔

اس کیس میں دستاویزی اور زبانی شہادتیں موجود تھیں کہ زیر نزاع زمین قدیم قبرستان تھی۔ لیکن اس فیصلہ میں ایک ایسا نکتہ پیدا کیا گیا جس کا کوئی جواز قانون شریعت میں نہیں ہے اور جس کو اس سے پہلے کسی عدالت نے قابل اعتنا نہیں سمجھا کہ اگر تعامل ترک ہو جائے تو نوعیت وقف بھی ختم ہو جائے گی۔ چونکہ اس سیمینار میں ہریانہ اور مغربی یوپی کے اوقاف کا مسئلہ زیر غور ہے اس لئے اس فیصلے کے بعض حصوں کو نقل کرنا مناسب ہوگا۔

فیصلہ میں کہا گیا ہے کہ:

''اکثر پیش کردہ نظائر...... تقسیم ملک کے پہلے برسوں کے ہیں یا ان دور دراز کی ریاستوں

کے ہیں جو ۱۹۴۷ء کی ملک کی تقسیم میں اس طرح راست متاثر نہیں ہوئیں جس طرح کہ ملک کا یہ حصہ متاثر ہوا ہے۔ ملک کی تقسیم سے پیدا شدہ حالات کی پیش بینی یا پیش قیاسی وہ عدالتیں نہیں کر سکتی تھیں جنہوں نے یہ فیصلے دیئے جن کا حوالہ (بطور نظیر) دیا گیا ہے۔ ان نظائر میں ظاہر کئے گئے کسی خیال کا مقصد زیر تصفیہ مقدمہ کو طے کرنا تھا اور اس اظہار خیال کو اس کے اپنے پس منظر میں دیکھنا چاہئے۔ عدالتیں ان غیر معمولی اور غیر متوقع حالات یا قانون و نظم کی صورتحال کی ابتری کا اندازہ نہیں لگا سکتی تھیں جو ملک کی تقسیم کے بعد پیدا ہوئی..... یہ صحیح ہے کہ چند میتوں کی تدفین ایک قطعہ زمین کو قابل احترام بنا دیتی ہیں لیکن ظاہر ہے کہ اس نقطہ نظر کے اختیار کرنے میں اس حقیقت پر غور نہیں کیا گیا کہ اس زمین پر تعمیرات کھڑی ہو چکی ہیں۔ اس فیصلہ میں تعامل کے بارے میں یہ نقطہ نظر اختیار کیا گیا کہ..... جب ایک فریق تعامل پر اس جائداد کے وقف ہونے کی شہادت کے طور پر اعتبار کر رہا ہے تو ہم کو یہ بھی ذہن میں رکھنا چاہئے کہ یہ تعامل ایک خاص وقت سے ترک ہو گیا تھا"۔

اس فیصلہ میں یہ بھی کہا گیا کہ:

"..... اگر زمین برسوں کے عرصہ پر پھیلے ہوئے تعامل سے ایک کردار اختیار کر لیتی ہے تو ایک خاص وقت پر اس تعامل کا ترک ایک وقت کی حیثیت میں اس زمین کے حرمت والے کردار کا ازالہ کر سکتا ہے جس سے گرام پنچایت کو دیہات کے موجودہ باشندگان کے فائدے کے لئے اپنی زمین قرار دینے کا جواز فراہم ہوتا ہے۔ اقلیتی فرقہ کی جانب سے اس کے استعمال کو ترک کر دینے کی وجہ سے اب زمین کا بحیثیت قبرستان انتظام و نگہداشت کرنے کے لئے کوئی نکتہ باقی نہیں رہا۔"

اس فیصلہ سے پیدا شدہ مشکلات پر وقف انکوائری کمیٹی نے غور کیا اور اس پیچیدگی کو ختم کرنے کی سفارش کی، چنانچہ ۱۹۸۴ء کے ترمیمی قانون کے ذریعہ ان الفاظ کا اضافہ کیا گیا کہ:

"لیکن ایسے وقف کی نوعیت وقف محض اس سبب سے ختم نہ ہوگی کہ اس کا تعامل ختم ہو چکا ہے۔ بالحاظ مدت عدم تعامل۔"

۱۹۹۵ء کے قانون وقف میں بھی یہ صراحت موجود ہے۔ تاہم یہ کہنا مشکل ہے کہ اس صراحت سے پنجاب ہائیکورٹ کے فیصلہ کے اس جز کا قانونی اثر ختم ہو جائے گا کہ اکا دکا قبروں کی موجودگی کی شہادت قیام وقف کی واضح شہادت کی عدم موجودگی میں، وقف تعامل کو ثابت نہیں کرتی۔ جہاں ایک وسیع قطعہ زمین میں ایک قبر یہاں اور ایک قبر وہاں، دور دور موجود ہوں، قبروں کا کسی جگہ جم گھٹا نہ ہو تو یہ قرائنی شہادت وقف تعامل کو ثابت نہیں کرتی۔ تاہم وقف تعامل کے بارے میں یہ وضاحت کہ بالحاظ مدت ترک تعامل، یہ وقف قرار پائیں گے اور اس کے ساتھ یہ بات

بھی پیش نظر رہے کہ دفعہ (۱۰۷) کی رو سے کسی وقف کی ناقابل انتقال جائداد کا قبضہ لینے کے لئے مقدمہ دائر کرنے کے لئے اب کسی مدت کی تحدید نہیں رہی۔ قانون تحدید معیاد کا اطلاق ختم کر دیا گیا ہے۔ پہلے یہ معیاد ۱۲ سال تھی جس کا شمار قبضہ مخالفانہ کی تاریخ سے ہوتا تھا، وقتاً فوقتاً اس میں اضافہ کیا جاتا رہا۔ وقف انکوائری کمیٹی نے تحدید (Limitation) کے قانون سے اوقاف کو مستثنیٰ کرنے کی تجویز رکھی تھی کیونکہ ایسا استثناء بمبئی پبلک ٹرسٹ ایکٹ بابت ۱۹۵۰ء میں دیا گیا ہے۔ ۱۹۹۵ء کے قانون میں ان دفعات کی موجودگی سے ان اوقاف کو واگذاشت کرانے اور ان کا قبضہ حاصل کرنے کے مواقع نکلتے ہیں جن کی پنجاب، ہریانہ اور مغربی یوپی میں ویرانی سے فائدہ اٹھا کر حکومت یا غیر مسلم قبضہ کر چکے ہیں یا اس طرح کا اندیشہ جن کے تعلق سے پیدا ہو چکا ہے، ان اوقاف سے متعلق سوال پر غور کے دوران ان نکات کو بھی پیش نظر رکھا جائے۔

۳۔ وقف اراضی پر ترقیاتی تعمیر:

قانون وقف بابت ۱۹۹۵ء کی دفعہ (۳۲) ایک طویل دفعہ ہے جس کی کئی ذیلی دفعات اور ان میں شقیں ہیں۔ یہ دفعہ بورڈ کے اختیارات اور فرائض سے متعلق ہے۔ ذیلی دفعات (۳) تا (۶) اراضی وقف سے متعلق ہیں۔ ذیلی دفعہ (۳) میں کہا گیا ہے کہ جہاں وقف بورڈ مطمئن ہو کہ کسی وقف اراضی کو شاپنگ سنٹر، مارکٹ، رہائشی فلیٹس یا ایسی ہی کسی نوعیت میں ترقی دینے کے قابل عمل امکانات موجود ہیں تو متعلقہ وقف کے متولی پر ایک نوٹس کی تعمیل کر کے اس کو ایسی مدت کے اندر جس کا ذکر نوٹس میں کر دیا جائے اور جو (۶۰) دن سے کم نہ ہو، یہ جواب دینے کے لئے کہا جا سکتا ہے کہ آیا وہ نوٹس میں صراحت کردہ ترقیاتی کام کو انجام دینے پر راضی ہے۔ دفعہ (ن) میں ہے کہ اگر کوئی جواب وصول ہو اور اس پر غور کرنے کے بعد بورڈ اس پر مطمئن ہو کہ متولی رضامند نہیں ہے یا اس کام کو روبہ عمل لانے کا اہل نہیں ہے تو حکومت کی منظوری حاصل کرنے کے بعد بورڈ اس جائداد کو لے سکتا ہے، اس کی عمارت اور اس کی تعمیرات کو منہدم کر سکتا ہے اگر اس کی رائے میں یہ انہدام ترقیاتی کام پر عمل آوری کے لئے ضروری ہو، اور اس ترقیاتی کام کو انجام دے سکتا ہو، اس کے لئے سرمایہ وقف فنڈ سے یا متعلقہ وقف کی جائدادوں کی ضمانت پر حاصل کیا جا سکتا ہے، ان جائدادوں پر بورڈ اپنا کنٹرول اور انتظام، اس پر کئے گئے اخراجات اور اس پر سود، ان تعمیرات کی نگہداشت کے اور دیگر جائز اخراجات کی اس جائداد کی آمدنی سے پابجائی ہونے تک رکھ سکتا ہے۔ شرط صرف یہ ہے کہ بورڈ متولی کو ہر سال، تحویل میں لینے سے پہلے کے تین سالوں کی آمدنی کی سالانہ اوسط کے حساب سے معاوضہ ادا کرتا رہے۔ ذیلی دفعہ (۶) کہتا ہے کہ ترقی یافتہ جائداد کی آمدنی سے صراحت کردہ اخراجات کی پابجائی کے بعد یہ جائداد متولی کو منتقل کر دی جائے گی۔

قانون وقف بابت ۱۹۹۵ء میں اس اضافہ کا مقصد وقف کی آمدنی میں اضافہ ہے، اس مقصد سے اتفاق کے باوجود بعض سوالات کا جواب تلاش کرنا ضروری ہے اور ان ہی جوابات کی روشنی میں قانون وقف کے اس جز کے بارے میں ملت کے موقف کو طے کرنا ہوگا، سوالات یہ ہیں:

الف) کیا وقف کو ترقی دینے کے لئے سود پر رقم حاصل کرنے کی اجازت دی جا سکتی ہے؟

ب) کیا اس بات کا اندیشہ نہیں ہے کہ شاپنگ سنٹر، مارکیٹ، رہائشی فلیٹس وغیرہ کے کرایہ دار اگر زیادہ تر غیر مسلم ہوں تو آئندہ کسی وقت وقف کے لئے مشکلات پیدا ہو سکتی ہیں۔ اگر یہ نئی تعمیریں مسجد کے اطراف ہوں تو اذان پر اعتراضات کے علاوہ بھی کئی اور مشکلات پیدا کی جا سکتی ہیں۔ اور ایسی مشکلات کو دور کرنے میں وقف بورڈ بھی بے بس ہو سکتا ہے جب کہ قانون وقف اس کی اجازت دیتا ہے کہ بورڈ کے کسی فیصلے کے چیف ایکزیکیوٹیو آفیسر اس حد تک تعمیل نہ کرے اگر اس کے خیال میں ایسی تعمیل سے فساد یا نقص امن کا خطرہ ہے یا کسی انسانی جان، صحت و سلامتی کو خطرہ لاحق ہو سکتا ہے (دفعہ ۲۶ (ز) شق ۱۱) وقف بورڈ کے فیصلہ کی عدم تعمیل کے تعلق سے سیاسی اثر و رسوخ رکھنے والے ارکان اسمبلی یا دیگر سیاسی لیڈروں کے ذریعہ حکومت کی توثیق حاصل کرنا چیف ایکزیکیوٹیو آفیسر کے لئے مشکل نہیں ہے۔ اگر اس نوعیت کے اندیشے بے بنیاد نہیں ہیں تو کیا یہ شرط عائد کرنا ضروری نہ ہوگا کہ ان نئی تعمیرات کے کرایہ داروں کی اکثریت مسلمانوں کی ہو اور ان کو پابند کیا جائے کہ وہ کسی صورت کسی غیر مسلم کو اس کا قبضہ نہیں دیں گے۔

ج) قانون میں اس کی کوئی پابندی نہیں ہے اس لئے کوئی وقف بورڈ شاپنگ سنٹر یا مارکیٹ یا رہائشی فلیٹس تعمیر کر کے حق ملکیت کے ساتھ قیمت کی باقاعدہ ادائیگی پر یا ایک مشت رقم کی ادائیگی پر دوکانیں اور رہائشی مکانات فروخت کر سکتا ہے۔ اس سے رقم تو حاصل ہو جائے گی لیکن ایک ناقابل انتقال جائداد وقف ختم ہو جائے گی۔ کیا اس طرح کے عمل سے اوقاف کا اتلاف نہیں ہوگا؟

د) ۱۹۹۵ء کا نیا قانون بھی اوقاف کے حقیقی مفادات کو پیش نظر رکھنے والے افراد کو بورڈ کا رکن بنانے میں ناکام رہا۔ آندھرا پردیش کے تجربے سے واضح ہو گیا کہ قومی مسلم تنظیموں کے ذریعہ برسر اقتدار جماعت اپنے ارکان کو نامزد کر سکتی ہے اور متولیوں کے زمرے سے بھی اپنے ارکان یا اپنی پسند کے افراد کو منتخب کروا سکتی ہے۔ ایسے میں واضح ہو چکا ہے کہ نئے قانون کے تحت بھی وقف بورڈ میں برسر اقتدار پارٹی سے تعلق رکھنے والے یا ان کے پسندیدہ سیاسی افراد کی اکثریت رہے گی، اور ایسی صورت میں ظاہر ہے کہ کئی فیصلے محض سیاسی مفادات کے تحت ہوں گے۔ آج کل شہری زمینوں پر کثیر منزلہ کمرشیل یا رہائشی کامپلیکس کی تعمیر دولت پیدا کرنے کا سب سے اہم ذریعہ ہے۔ جائدادوں کی ترقی دینے والوں (Builders and Estate Developers) کے لئے سیاست کاروں اور علاقے کے غنڈوں

اور دھونس بازوں کا تعاون لینا ضروری ہوتا ہے، اس دھندے میں سیاست کار بھی شریک ہوتے ہیں اور اس پورے گروہ کی نظریں شہر کی خالی جائدادوں پر چیل کی طرح لگی ہوتی ہیں۔ ایسی صورتحال میں اگر وقف بورڈ کے اختیارات پر کوئی پابندی عائد نہ کی گئی تو خالی زمینوں پر ان ترقیات کا مقصد مفاد وقف نہیں بلکہ سیاسی مفاد ہوگا۔

ھ) تقریباً ہر شہر میں عام آبادی کے ساتھ مسلمانوں کی آبادی میں بھی اضافہ ہو رہا ہے، جس کی وجہ سے قدیم مسجدیں ناکافی ثابت ہو رہی ہیں یا اب کافی ہیں تو امکان یہ ہے کہ مستقبل قریب میں یہ ناکافی محسوس ہوں۔ ایسی ہی کیفیت دیگر اوقاف کے بارے میں پیدا ہو سکتی ہے، اس کیفیت میں وقف کا مفاد اس میں ہوگا کہ اس خالی اراضی کو آئندہ توسیع کیلئے خالی رکھا جائے ، اس صورت میں متولی کا انکار واجب ہوگا۔ "ہر متولی کو بددیانت اور خائن قرار نہیں دیا جا سکتا لیکن قانون وقف ۱۹۹۵ء کے اکثر نکات کے پیچھے یہی ذہن کارفرما نظر آتا ہے کہ ہر متولی خائن اور بددیانت ہے"۔ اس لئے وقف بورڈ کو ہر صورت میں متولی کے انکار پر اوقاف کو اپنی تحویل میں لینے کا حق واختیار حاصل نہیں ہونا چاہئے۔

مختصر یہ کہ ۱۹۹۵ء کے قانون میں وقف بورڈ کے اختیارات ترقیاتی تعمیرات سے متعلق پہلو غور طلب ہے۔

۵۔ غیر درج فہرست اوقاف:

قانون وقف بابت ۱۹۹۵ء میں اوقاف کے رجسٹریشن کو لازمی قرار دیا گیا اس کی ذمہ داری متولی پر عائد کی گئی (دفعہ ۳۶)، لیکن جو اوقاف رجسٹرڈ نہ ہوں ان کو اس قانون نے تمام حقوق سے محروم کر دیا ہے۔ دفعہ (۸۷) میں کہا گیا ہے کہ جو وقف رجسٹرڈ نہ ہوں اس کے کسی حق کے استقرار اور نفاذ کے لئے کوئی دعویٰ، کوئی مرافعہ، کوئی قانونی ادعا، کسی عدالت میں پیش نہیں کیا جا سکے گا۔

یہ دفعہ ان اوقاف کے لئے مضر اور نقصان دہ ہے جو وقف تعامل یا وقف بالاستعمال ہیں اور جن کا کوئی متولی یا سجادہ یا مجاور نہیں ہے۔ ایسے اوقاف بھی کافی تعداد میں ہیں۔ اس دفعہ میں ترمیم کی تجویز آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کی جانب سے پیش کی گئی تھی اور اس پر نمائندگیاں کی جاتی رہی ہیں۔ اس کے نقصان سے بچنے کی ایک شکل یہ ہے کہ عوام اور ایسے اوقاف کی خدمت کرنے والوں سے اپیل کی جائے کہ وہ ہر وقف کو درج رجسٹر کرائیں۔ درج رجسٹر کرنے کی درخواست ہر وہ شخص جو مسجد میں نماز پڑھتا ہو، عاشور خانہ یا امام باڑے میں عزاداری کے لئے جاتا ہو درگاہ پر فاتحہ خوانی یا گل افشانی کرتا ہے غرض یہ کہ جو بھی مستفید (Beneficiary) کی تعریف میں آ سکتا ہے دے سکتا ہے۔

اس تحریر میں قانون وقف بابت ۱۹۹۵ء کے ان نکات کا جائزہ لیا گیا ہے جن سے اس فقہی سیمینار میں زیر بحث سوالات پر غور کرنے میں مدد مل سکتی ہے۔ اس قانون میں کئی اور مفید و مضر دونوں طرح کے پہلو ہیں ان کو اس تحریر میں زیر بحث نہیں لایا گیا ہے۔

☆☆☆☆☆

باب (۵)
اوقاف کی رجسٹری

باب (۷)

اوقاف کے حسابات کا رکھنا

باب (۷)

بورڈ کا مالیہ

باب (۸)

عدالتی کارروائیاں

باب (۹)

متفرقات

ہندوستان میں وقف بورڈز کا نظام ۔ ایک رپورٹ

سالار محمد خان (ایڈووکیٹ)

ہندوستان میں اوقاف کا انتظام اور دیکھ بھال مختلف وقف قوانین کے مطابق صوبائی سطح پر وقف بورڈ کے ذریعہ عمل میں لایا جارہا ہے۔ حکومت ہند نے وقف ایکٹ ۱۹۹۵ کے ذریعہ اوقاف کے انتظام میں یکسانیت لانے کی کوشش کی ہے لیکن اب تک کئی صوبوں میں ۱۹۹۵ کے ایکٹ کو نافذ نہیں کیا گیا ہے۔ نتیجہ میں بیشتر صوبوں میں وقف ایکٹ ۱۹۸۴ء کے تحت اوقاف کا انتظام اور دیکھ بھال کیا جارہا ہے۔ درج ذیل وقف بورڈس یہ کام انجام دے رہے ہیں:

۱۔ آندھرا پردیش اسٹیٹ وقف بورڈ
۲۔ آسام بورڈ آف وقف
۳۔ بہار اسٹیٹ سنی وقف بورڈ
۴۔ کرناٹک بورڈ آف وقف
۵۔ کیرالہ بورڈ آف وقف
۶۔ پکھ وقف بورڈ
۷۔ مدھیہ پردیش وقف بورڈ
۸۔ منی پور وقف بورڈ
۹۔ مراٹھواڑا وقف بورڈ
۱۰۔ اڑیسہ وقف بورڈ
۱۱۔ پنجاب وقف بورڈ
۱۲۔ راجستھان وقف بورڈ
۱۳۔ تمل ناڈو وقف بورڈ
۱۴۔ تری پورہ وقف بورڈ
۱۵۔ دہلی وقف بورڈ
۱۶۔ انڈمان نکوبار وقف بورڈ
۱۷۔ دادرہ اور نگر حویلی وقف بورڈ
۱۸۔ لکشدیپ وقف بورڈ
۱۹۔ پانڈیچری وقف بورڈ
۲۰۔ یوپی سنی سینٹرل بورڈ آف وقف
۲۱۔ بورڈ آف ویسٹ بنگال

اس کے علاوہ کچھ صوبوں میں الگ شیعہ وقف بورڈ ہیں۔

اوقاف کے انتظام اور دیکھ بھال اور فروغ (Development) کے راستہ میں متعدد رکاوٹیں ہیں، ان میں سب سے سنگین ترین مسئلہ اوقاف کی جائداد پر ناجائز قبضوں کا ہے۔ ۱۹۷۰ء میں انٹر اسٹیٹ وقف کانفرنس کا افتتاح کرتے ہوئے اس وقت کے مرکزی وزیر برائے آبپاشی بجلی اور اوقاف جناب حافظ محمد ابراہیم نے کہا تھا: "وقف سے متعلق آج کے سنگین مسائل میں سب سے مشکل اور پیچیدہ مسئلہ جائداد اوقاف پر غاصبانہ قبضہ ہے، یہ بھی تقسیم ملک کے نتائج میں ایک ہے جس کی وجہ سے متعدد افراد اوقاف کو چھوڑ کر پاکستان چلے گئے یا جانے کے لئے مجبور ہوگئے۔ ایسی متعدد جائداد کسٹوڈین کے قبضہ میں چلی گئی۔ حالانکہ اب عبادت گاہ اور دوسرے مقدس مقامات وقف بورڈ کے

حوالے کئے جارہے ہیں۔ لیکن اب بھی متعدد ایسی جائدادیں ہیں جو غیر قانونی قبضہ میں ہیں اور جنہیں حاصل کرنے کے لئے مقدمہ بازی ناگزیر ہے۔"(۱)

تقریباً ۴۷ سال بعد بھی درج بالا جملے کم وبیش صادق سمجھے جاسکتے ہیں۔ نہ صرف ملک کی تقسیم کی وجہ سے اوقاف کی جائداد پر غاصبانہ قبضے ہوئے بلکہ مختلف دوسری وجوہات کی بنا پر اس طرح کے قبضے ہوئے ہیں، اور اب بھی یہ عمل جاری ہے۔ اس کی وجوہات میں اوقاف کی جائدادوں کا آبادی کے درمیان آجانا، زمین کی قیمتوں میں بے تحاشہ اضافہ، اوقاف کی دیکھ بھال کے لئے درکار وسائل کی کمی، اور متولیان کی بددیانتی اہم ترین ہیں۔

ہریانہ، پنجاب، ہماچل پردیش، اور مرکز کے زیر انتظام علاقہ چنڈی گڑھ میں ۳۵۵۸۹ جائداد اوقاف ہیں (۲)۔ دراصل اس علاقے سے تقسیم ہند کے وقت بڑی تعداد میں مسلمانوں نے پاکستان ہجرت کی تھی جس کی وجہ سے بڑی تعداد میں جائداد اوقاف ناجائز قبضوں میں چلے گئے۔ متعدد اوقاف کو بشمول مساجد کو رہائش گاہوں، گردواروں، گوداموں میں تبدیل کردیا گیا مثلاً ہریانہ کے انبالہ ضلع میں ۱۹۰ مساجد ہیں۔ لیکن ان میں سے صرف ۸ مساجد پنجاب وقف بورڈ کے پاس ہیں، باقی تمام مساجد ناجائز قبضہ میں ہیں (۳)۔ حالات کی سنگینی کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ ۱۹۶۵ء کے سروے کے مطابق ہریانہ پنجاب، ہماچل پردیش، اور چنڈی گڑھ میں ۳۲۲۲۳ وقف کی جائدادیں تھیں اور پنجاب وقف بورڈ کے مطابق یہ سروے قابل اطمینان نہیں تھا۔ اور تقریباً ۴۰ فیصد اوقافی جائدادوں کو اس سروے میں شامل نہیں کیا گیا۔ اس کے علاوہ سروے میں جن جائداد کو اوقاف کی جائداد تسلیم کیا گیا تھا ان میں سے اب تک ۴۰ فیصد ایسی ہیں جو کہ پنجاب وقف بورڈ کے زیر انتظام ہیں۔ تقریباً ۳۰ فیصد اوقافی جائدادیں حکومتی اداروں، پرائیویٹ اداروں اور دیگر افراد کے قبضے میں ہیں۔ جبکہ ۲۰ فیصد جائداد اوقاف ان صوبوں کے کسٹوڈین اور (Rehabilitation departments) نے فروخت کردئے ہیں ان صوبوں میں ۵۸۸ اوقافی جائدادیں حکومت کے ناجائز قبضوں میں ہیں، اس وقت پنجاب وقف بورڈ تقریباً ۱۳۳۹۴ مقدموں میں الجھا ہوا ہے۔ جس میں غاصبانہ قبضوں کو ہٹانا، جائداد سے غیر قانونی غاصبین کا انخلاء، اور کرایہ کی وصولی شامل ہیں (۴)۔

اتر پردیش سنی وقف بورڈ کے زیر نگرانی تقریباً ۹ ہزار اوقاف ہیں۔ اس صوبے میں بھی اوقاف کی جائداد پر ناجائز قبضوں کا مسئلہ سب سے سنگین ہے۔ بورڈ کی رپورٹ کے مطابق وقف کی جائداد پر ناجائز قبضوں کی شکایتیں تقریباً روزانہ موصول ہوتی ہیں۔ اس وقت الہ آباد ہائی کورٹ کی الہ آباد بنچ کے زیر سماعت ۲۱۸ مقدمے ہیں جب کہ لکھنؤ بنچ کے زیر سماعت ۸۸ مقدمے ہیں، مختلف ضلعی عدالتوں میں ۵۳۲ مقدمے اور دیوانی عدالتوں میں ۱۸۵۵ اور منصف کی عدالتوں میں ۱۰۹۸ مقدمے زیر سماعت ہیں (۵)۔

دہلی میں وقف کمشنر کے سروے کے مطابق ۱۹۵۷ اوقاف کی جائدادیں ہیں، ان میں سے ۱۰۳۶ دہلی وقف بورڈ کے زیر انتظام ہیں۔ دہلی وقف بورڈ کے مطابق دہلی میں اوقاف کا ایک بڑا مسئلہ اوقاف کی جائداد، قبرستانوں، خانقاہوں، مساجد اور دیگر جائداد پر غاصبانہ قبضہ ہے (۶)، دہلی میں اوقاف کی جائداد سے متعلق مسئلہ ایک

منفرد مسئلہ ہے۔ انگریز حکومت کے خلاف مسلمانوں کی پہلی جنگ آزادی میں سرگرمی سے شرکت کی وجہ سے سزا کے طور پر جائدادوں کو انگریز حکومت نے زبردستی قبضہ کر لیا تھا۔ جن میں متعدد اوقافی جائدادیں بھی شامل ہیں، اس مسئلہ کے حل کے لئے ۲۳ رمئی ۱۹۵۶ کو ایس ایم ایچ برنی کی صدارت میں ایک کمیٹی تشکیل دی گئی تھی۔ اس کمیٹی نے ۲۰۳ ایسی جائدادوں کی نشاندہی کی جن کے متعلق سرکاری محکموں اور دہلی وقف بورڈ کے درمیان مقدمے چل رہے تھے، ان میں سے ۱۲۳ جائدادیں دہلی وقف بورڈ کو منتقل کرنے کی سفارش کی گئی، جس کے نتیجے میں ۱۹۸۴ء میں یہ دہلی وقف بورڈ کو (Lease) پر منتقل کر دیے گئے، لیکن اس کا معنی یہ ہے کہ ان جائدادوں کی اصل ملکیت قانونی طور پر حکومت کے پاس رہے گی (۷)۔ اس کے علاوہ مختلف اوقاف بشمول مساجد دیگر افراد کے غاصبانہ قبضوں میں ہیں، اور زمین کی قیمتوں میں اضافہ اور آبادی بڑھنے کی وجہ سے اوقاف کی جائداد پر قبضوں کا عمل جاری ہے۔

مدھیہ پردیش میں اوقاف کی زمینوں پر ناجائز قبضوں کا مسئلہ کافی سنگین ہے، مدھیہ پردیش وقف بورڈ کے چیرمین ڈاکٹر نظام الدین صاحب کے مطابق اس صوبہ میں تقریباً ۷۵ فیصد اوقاف کی زمینیں سرکاری قبضوں میں ہیں (۸)۔ ان کے علاوہ متعدد افراد نے بھی اوقاف کی جائداد پر ناجائز قبضے کر لئے ہیں۔ ایسی جائدادوں میں بھوپال شہر میں (Capital Hotel) کے پیچھے ایک بڑا قبرستان بھی شامل ہے، اس قبرستان پر ایک بلڈر نے (Co-oprative society) کی آڑ میں کئی منزل کا شوپنگ کمپلیکس بنانا شروع کر دیا ہے۔ اس قبرستان کو بچانے کے لئے مقامی مسلمانوں کی طرف سے کوشش کی جاری ہے لیکن ہائی کورٹ تک جانے کے باوجود کوئی قابل غور کامیابی نہیں مل سکی (۹)۔ مدھیہ پردیش میں اوقافی جائدادوں کی کل تعداد پندرہ ہزار ایک سو پچاس ہے، جن میں سے چودہ ہزار سات سو اکتالیس سنی اور چار سو شیعہ اوقاف ہیں (۱۰)۔ صوبہ میں اوقاف کی جائدادوں پر ناجائز قبضوں یا مقدموں کے متعلق کوئی ریکارڈ موجود نہیں ہے۔ کیونکہ اوقاف کے مسائل پر تمام تر مقدمے مقامی مسلمان یا متولیین اپنے طور پر لڑتے ہیں، اس ضمن میں ایک اہم نقطہ یہ بھی ہے کہ مدھیہ پردیش وقف بورڈ نے صوبے میں ۷۵ فیصد اوقاف کی زمین حکومتی یا نیم حکومتی اداروں کے قبضے میں چلے جانے کے باوجود اس معاملہ میں کسی عدالت میں کوئی مقدمہ پیش نہیں کیا ہے، جس کی وجہ سے ایسی تمام جائدادیں مکمل طور پر حکومت کے قبضہ میں چلے جانے کا خدشہ ہے (۱۱)۔

آندھرا پردیش میں اوقاف کی دیکھ بھال آندھرا پردیش وقف بورڈ کے ذریعہ عمل میں لایا جاتا ہے۔ آندھرا پردیش میں اوقافی جائدادوں کی کل تعداد تقریباً ۳۵ ہزار سات سو تر ہے، جن کی زمین کا رقبہ ایک لاکھ ۳۳ ہزار ایکڑ ہے (۱۲)۔ ناجائز قبضوں میں چلے گئے اوقاف اور ان سے متعلق مقدموں کے بارے میں وقف بورڈ نے کوئی اطلاع نہیں دی۔ چند اوقاف کے بارے میں مقامی طور پر کچھ شکایتیں موصول ہوئی ہیں جن کے مطابق ان اوقاف کی جائداد متولیین غیر قانونی طور پر فروخت کرنے میں لگے ہوئے ہیں۔ اس کے علاوہ کئی جائدادیں حکومت کے اداروں کے قبضوں میں ہیں۔ ایک اطلاع کے مطابق پچاس ایسی جائدادیں ہیں جن کے بارے میں وقف بورڈ اور حکومت کے

اداروں کے درمیان مقدمے چل رہے ہیں۔

اڑیسہ میں اوقاف کی دیکھ بھال صوبائی وقف بورڈ کے زیر اہتمام ہے، اس صوبے میں تین ہزار چھ سو میں اوقافی جائدادیں ہیں۔ وقف بورڈ کی اطلاع کے مطابق صوبہ میں چندہ اوقافی جائدادوں پر ناجائز قبضہ ہو چکا ہے (۱۳)۔

آسام میں صرف ۷۶ اوقافی جائدادیں ہیں جن میں سے تین جائدادوں پر ناجائز قبضے ہو چکے ہیں۔ صوبے میں صرف سات اوقاف کی آمدنی پچاس ہزار سالانہ سے زائد ہے (۱۴)۔

بہار میں سنی اوقاف کی دیکھ بھال بہار اسٹیٹ سنی وقف بورڈ کرتا ہے، اس صوبے میں آج تک اوقاف کی جائداد کا سروے نہیں کیا گیا ہے۔ بہر حال اس وقت صوبے میں ۲۲۸۰ اوقافی جائدادیں سنی وقف بورڈ میں رجسٹرڈ ہیں۔ اس صوبے میں تین اوقاف صوبائی سنی وقف بورڈ کے انتظام میں ہیں۔ اس صوبے میں چار اوقاف پر ناجائز قبضے کی اطلاع صوبائی سنی وقف بورڈ کے دفتر سے ملی، ان میں سے ایک صوبائی بورڈ کے سیدھے انتظام میں تھا۔ اس صوبے میں ۱۳۵۱ اوقافی جائدادیں شہری علاقوں میں ہیں جہاں ناجائز قبضوں کو روک پانا بہت مشکل ہو رہا ہے۔ کئی اوقاف کے مقدمے مختلف عدالتوں میں زیر غور ہیں (۱۵)۔

مغربی بنگال میں اوقاف کی دیکھ بھال صوبائی وقف بورڈ کرتا ہے۔ اس صوبے میں اب تک اوقاف کا سروے نہیں کیا گیا ہے۔ حال ہی میں یہ سروے شروع کیا گیا ہے۔ ایک اندازے کے مطابق اس صوبے میں تقریباً ۸۰۰ اوقاف کی جائدادیں شہری علاقوں میں ہیں۔ اس صوبے کے وقف بورڈ کے پاس ناجائز قبضوں کے متعلق کوئی اطلاع نہیں ہے۔ حالانکہ وقف بورڈ یہ اعتراف کرتا ہے کہ صوبے میں اوقاف کی جائدادوں کا ناجائز قبضہ ہوا ہے۔ صوبے میں ۱۵۴ ایسی جائدادیں ہیں جنہیں غیر قانونی طور پر مختلف افراد کو منتقل کر دیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ اوقاف کی ۲۸ جائدادیں دوسری جائدادوں سے ادلا بدلی کی گئی ہیں جس سے ایک اندازہ کے مطابق ۱۵ کروڑ روپے سے زیادہ کا نقصان ہوا ہے۔ ان میں سے زیادہ تر جائدادیں کلکتہ اور ہوڑہ شہر کی ہیں (۱۶)۔

کرناٹک میں اوقاف کی دیکھ بھال کرناٹک وقف بورڈ کے زیر انتظام ہے، کرناٹک میں تقریباً ۲۲ ہزار وقف کی جائدادیں ہیں (۱۷) پوری کوشش کے باوجود کرناٹک وقف بورڈ سے ان اوقاف کے متعلق اطلاعات حاصل نہیں کی جا سکی ہیں، لیکن دوسرے ذرائع سے موصول اطلاعات کے مطابق اس صوبے میں بھی اوقاف کی جائداد پر ناجائز قبضوں کا عمل جاری ہے، اطلاعات کے مطابق صرف چترا درگ ضلع میں ۱۱۲ اوقاف کی جائداد کو غیر قانونی قبضہ میں کر لیا گیا ہے۔ ان میں سے کچھ غاصبین حکومت کے ادارے ہیں جب کہ مختلف افراد بھی یہ قبضے کرنے میں شامل ہیں (۱۸)۔

کسی بھی جائداد کی دیکھ بھال، انتظام اور ترقی کے لئے مالی وسائل کی ضرورت ہوتی ہے، وسائل کی کمی کی وجہ سے نہ تو اطمینان بخش دیکھ بھال ہو سکتی ہے اور نہ ترقی۔ ہندوستان میں اوقاف کے انتظام اور ترقی میں دوسرا بڑا مسئلہ

وسائل کی قلت کا ہے۔ اوقاف کی آمدنی کے ذرائع کافی محدود ہیں، عام طور پر اوقاف کی واحد آمدنی کا ذریعہ جائداد کا کرایہ ہوتا ہے۔ ایک اندازے کے مطابق ہندوستان میں ڈھائی لاکھ سے زیادہ اوقاف ہیں، ان میں سے بیشتر اوقاف کی کوئی آمدنی نہیں ہے۔ عام طور پر اوقاف کی دیکھ بھال اور انتظام کا کام مقامی طور پر متولین یا مقامی طور پر تشکیل شدہ کمیٹیاں انجام دیتی ہیں۔ مختلف وقف قوانین کے تحت تشکیل شدہ وقف بورڈ اپنے دائرۂ اختیار میں موجود اوقاف کی دیکھ بھال کرتا ہے۔ وقف بورڈ کچھ مخصوص حالات میں اوقاف کا براہ راست انتظام کا کام بھی انجام دیتے ہیں۔ وقف بورڈ کی آمدنی کے دو اہم ذرائع ہیں۔ ایک ان کے براہ راست انتظام میں موجود اوقاف کی جائداد کو کرایہ پر دینے سے ہونے والی آمدنی، اور دوسرا ان کے دائرۂ اختیار میں موجود ۵ ہزار سالانہ سے زائد آمدنی والے اوقاف سے چھ فیصد سالانہ کی در سے وصول کیا جانے والا (Contribution) ہے، اس کے علاوہ سنٹرل وقف کونسل مختلف ترقیاتی منصوبوں کے لئے وقف بورڈ کو قرض دیتی ہے۔ سینٹرل وقف کونسل کی آمدنی کا ذریعہ صوبائی وقف بورڈ سے حاصل کردہ ان کی آمدنی کا ایک فیصد (Contribution) اور مرکزی حکومت سے ملنے والی امداد ہوتا ہے۔

ہندوستان میں پنجاب وقف بورڈ کے براہ راست انتظام میں تقریباً پندرہ ہزار اوقاف ہیں۔ ملک کے کسی دوسرے وقف بورڈ کے براہ راست زیر انتظام میں اتنی بڑی تعداد میں اوقاف نہیں ہیں۔ پنجاب وقف بورڈ کی آمدنی کا سب سے بڑا ذریعہ ان جائداد اوقاف سے ملنے والا کرایہ ہے۔ ۱۹۹۵/۹۶ کے مالی سال کے دوران اس وقف بورڈ کی آمدنی اس ذریعہ سے تقریباً چھ کروڑ روپے تھی، جب کہ مختلف اوقاف سے حاصل ہونے والے چھ فیصد سالانہ (Contribution) سے تقریباً ۳۲ لاکھ روپے حاصل ہوئے۔ پنجاب وقف بورڈ ہندوستان کا سب سے دولت مند وقف بورڈ سمجھا جاتا ہے۔ لیکن اس وقف بورڈ کی یہ آمدنی پنجاب، ہریانہ، ہماچل پردیش، اور چنڈی گڈھ میں موجود اربوں روپے کی جائداد اوقاف کو دیکھتے ہوئے کافی کم ہے (۱۹)۔

دہلی وقف بورڈ کے براہ راست زیر انتظام ایک ہزار ۳۶ جائدادیں ہیں اتنی بڑی تعداد میں جائداد ہونے کے باوجود ۱۹۹۴/۹۵ کے دوران دہلی وقف بورڈ کی آمدنی صرف ۱۹ لاکھ روپے تھی (۲۰)۔ اور مقامی متولین کے زیر انتظام اوقاف میں صرف چار اوقاف ایسے ہیں جن کی آمدنی ۵۰ ہزار سالانہ سے زائد ہے، دہلی وقف بورڈ کی اتنی کم آمد نی ہونے کی ایک بڑی وجہ جائداد کا کرایہ معمولی ہونا اور جائداد پر ناجائز قبضے ہونا ہے، دہلی وقف بورڈ کرایے پر دی گئی جائدادوں کا کرایہ بھی پوری طرح وصول نہیں کر پاتا ہے (۲۱)۔

بہار اسٹیٹ سنی وقف بورڈ کی آمدنی ۱۹۹۵/۹۶ کے مالی سال کے دوران تقریباً ۱۹ لاکھ روپے تھی جس میں سے اس کی اپنی آمدنی تقریباً سوا چھ لاکھ روپے تھی، جب کہ ۱۰ لاکھ روپے حکومت کی طرف سے امداد کے طور پر ملا، ۱۹۹۶/۹۷ کے مالی سال کے دوران اس وقف بورڈ کی اپنی آمدنی تقریباً ۵ لاکھ ۷۰ ہزار روپے جو گذشتہ مالی سال سے ۵۰ ہزار روپے کم تھی، اس مالی سال کے دوران صوبائی حکومت نے پندرہ لاکھ روپے کی امداد اس وقف بورڈ کو دی اس کے باوجود بورڈ کے اخراجات پورے نہیں ہو سکے۔ مارچ ۱۹۹۷ تک اس بورڈ پر تقریباً ۵۰ لاکھ روپے کا قرض تھا، نتیجۃً

جبکہ ۵ لاکھ روپے کی امداد صوبائی حکومت سے اس وقف بورڈ کو حاصل ہوئی (۲۹)۔

آسام وقف بورڈ کی ۹۶-۱۹۹۵ کے مالی سال کے دوران آمدنی صرف ۷۵ ہزار روپے تھی۔ جبکہ ایک لاکھ روپے کی امداد صوبائی حکومت نے فراہم کی اس صوبے میں صرف ۱۹۷ اوقاف ہیں اور ان میں سے صرف سات اوقاف کی آمدنی ۵۰ ہزار روپے سالانہ سے زائد ہے۔ اس صوبے میں ۲۳ جائداد اوقاف شہری علاقوں میں ہیں (۳۰)۔

اس طرح کم و بیش ملک کے تمام وقف بورڈ کی آمدنی اور اخراجات کی حالت یکساں ہے، آمدنی اور اخراجات کا موازنہ منسلک جدول کو دیکھ کر کیا جا سکتا ہے، ان وقف بورڈوں کی آمدنی ان کے اخراجات سے یا تو کافی کم ہے، یا اگر زیادہ ہے تو بھی اتنی زیادہ نہیں کہ اس سے کوئی ترقیاتی منصوبہ ہاتھ میں لیا جا سکے۔ اس کے علاوہ متولین کی بد دیانتی اور قانونی پیچیدگیاں اوقاف کے انتظام اور ترقی کی راہ میں بڑی رکاوٹیں ہیں، متولین کی بد دیانتی سے ہونے والے نقصان کو روکنے کے لئے وقف ایکٹ ۱۹۹۵ میں قانونی حل موجود ہے۔ جس کا سہارا لے کر مقامی مسلمان اس مسئلہ سے نپٹ سکتے ہیں۔ دیگر قانونی پیچیدگیوں میں صوبائی سطح پر موجود کرایہ داری سے متعلق قوانین، زمینوں سے متعلق حد بندی کے قوانین، میونسپلٹی کے نافذ کردہ ٹیکس اور شہری ترقیاتی منصوبے قابل ذکر ہیں، ان مشکلات کے حل کے لئے سیاسی اور قانونی راستے موجود ہیں لیکن اس کے لئے مسلمانوں میں سیاسی شعور کے ساتھ ساتھ وسائل کی بھی ضرورت ہوتی ہے۔ اس طرح وسائل کی قلت بذات خود ایک بڑا مسئلہ ہے، اس مسئلے کی سنگینی کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ اوقاف کی جائداد کی بازاری قیمت عموماً کافی زیادہ ہوتی ہے، اس لئے ان جائداد پر قبضہ کرنے والے لوگ بڑی رقومات اپنے قبضے کو بنائے رکھنے کے لئے خرچ کرتے ہیں۔ ایسے لوگ عام طور پر سماج کے بااثر لوگ ہوتے ہیں جو اپنا اثر و رسوخ بھی اس مقصد کے لئے استعمال کرتے ہیں، اس طرح اوقاف کی جائداد کو ناجائز قبضوں سے بچانے کے لئے بہتر دیکھ بھال کا متبادل نہیں ہے۔ بہتر دیکھ بھال کے لئے مالی وسائل کی ضرورت ہوتی ہے۔ مالی وسائل یکجا کرنے کے لئے اوقاف کی آمدنی کو بڑھانے کے لئے ترقیاتی منصوبے اپنانے کی ضرورت ہے۔ ایسے ترقیاتی منصوبوں کو بروئے کار لانے کے لئے مالی وسائل کی ضرورت پڑتی ہے۔

آج ملک میں بیشتر اوقاف کی آمدنی بہت کم ہے، کئی اوقاف کی کوئی آمدنی ہی نہیں ہے، اوقاف پوری طرح عوامی عطیات پر منحصر ہیں، چونکہ بیشتر اوقاف کی آمدنی بہت کم ہے اس لئے ان اوقاف کی دیکھ بھال نہیں ہو پاتی جس کی وجہ سے غاصبین کو ناجائز قبضہ کرنے میں آسانی ہوتی ہے۔ ناجائز قبضہ ہو جانے کے بعد ان جائداد کو دوبارہ حاصل کرنے کے لئے بھی مالی وسائل کی ضرورت پڑتی ہے، اس کی وجہ سے ان جائداد کو دوبارہ حاصل کرنا نہ صرف مشکل ہو جاتا ہے بلکہ بعض حالات میں صرف مالی مشکلات کی وجہ سے یہ جائداد وقف کے ہاتھ سے نکل جاتے ہیں، اگر قانونی چارہ جوئی سے ایسی جائداد کو حاصل کرنے کی کوشش کی جائے تو وقف کی تھوڑی سی آمدنی پر اور برا اثر پڑتا ہے اور اس کی وجہ سے اس وقف کی جائداد کی دیکھ بھال مزید متاثر ہوتی ہے جس سے بقیہ جائداد پر ناجائز قبضہ ہونے کے خطرات بڑھتے ہیں۔

مناقشہ اوقاف

خطبة افتتاحية

القاضي مجاہد الاسلام القاسمي:

نبدأ البحث الآن حول موضوع الأوقاف و كما تعرفون أيها السادة! أن الوقف ثروة ثمينة للمسلمين في جميع بلاد العالم، و الأسف أننا قد ضيعناها بسبب قلة أماناتنا و بسبب قلة اهتمامنا بهذه الثروة العظيمة — و أنتم تعرفون أن الوقف قد ثبت عن النبي صلى الله عليه و سلم، و أيضا ثبت عن الخلفاء الراشدين المهديين، و الصحابة قد وقفوا أراضيهم للمصالح العامة و لخدمات الإنسانية، و تاريخ أوقافنا تاريخ رائع، والمعروف كذلك أن المسلمين قد خدموا الإسلام و خدموا المسلمين و خدموا الناس جميعا في جميع مجالات الحياة من التعليم و التداوي للمرضى و غير ذلك من أعمال الخير عن طريق هذه الأوقاف .

و إن الوقف هو الحبس، والنكتة الأساسية فيه أن الأملاك يجب أن تكون محبوسة، لا تباع ولا تعار ولا توهب ، و يتسع نفعها لكل مصرف وقف الواقف عليه.

من الأسف أن الزمان قد تغير و الأمانة قد ضيعت و صارت الأوقاف مصيدة لهؤلاء الذين قد ضيعوا الأمانة فما كان موقوفا و محبوسا قد بيع و ضيع في الهند، بحيث المسلمون فيها منذ حوالي ألف سنين و انهم قد أقاموا خلالها أوقافاً كثيرة وفيها خدمات جليلة للأوقاف ، ولكن حينما انهارت قيمنا الخلقية أصبحنا مصداق القول: "أن لا إيمان لمن لا أمانة له و لا دين لمن لا ديانة له" فضيعنا هذه الثروات الثمينة، بالإضافة إلى في هذا الزمان خاصة أن نظام الحكومة الهندية هو نظام علماني، و لا حاجة لها و لا علاقة لها بالتعليم الديني.

أيها الإخوة ! إن أعدى الأعداء لنا هو الابتعاد عن الدين والجهل و الفقر، نحن بحاجة الآن إلى مدارس كثيرة و إلى كتاتيب و مكاتب في جميع أنحاء الهند في القرى و الأرياف البعيدة عن المدن، و المسلمون هم الفقراء لا يستطيعون أن ينفقوا على هذا العمل العظيم، لو كانت الأوقاف حية ولو استعملنا هذه الأوقاف استعمالاً صحيحاً، والله لتتكفل هذه الأوقاف جميع مصارفنا في سبيل التعليم و الخدمات الأخرى التي يحتاج إليها المسلمون ، وهذه معضلة اشتريناها و اكتسبناها بأنفسنا و بأيدينا. "وما أصابكم من مصيبة فبما كسبت أيديكم".

فالآن الأوقاف في يد الحكومة، وللحكومة الهندية تدخل كبير فيها، بالرغم من أنها شكلت لجنات الأوقاف، ولكن كما تعرفون أن الحكومة لا حاجة لها أن تصون هذه الأوقاف، فلذلك إذا شكلوا هذه اللجنات في الولايات أو في الحكومة المركزية فإنهم يرون فيها من هو قريب منهم ومن هو أقرب من أغراضهم.

لا ينبغي أن نتغاضى عند البحث على هذه القضية أن قانون الأوقاف هذا داخل في الأحوال الشخصية، والحكومة ملتزمة والمحاكم القضائية ملزمة بأن تتبع في هذه الأمور الأحكام الشرعية الإسلامية الدينية، والحال أن الحكومة قد وضعت لها قوانين، فهذه القوانين فإن كانت لصيانة الأوقاف، ومع هذا قد خرجت من الشريعة الإسلامية، مثلاً:

استبدال الوقف كما صرح به الفقهاء أنه لا يجوز إلا بإذن القاضي، وأيضا قد صرحوا أنه حينما نتكلم لفظ "القاضي" في بعض الوقف، فالمراد به قاضي القضاة، ولكن كل هذه الأمور قد فوضت إلى لجنة الأوقاف التي شكلتها الحكومة الهندية أو حكومة الولايات المختلفة، فما كان بأيدي القضاة قد خرج من أيدي القضاة الذين يعرفون الدين و الذين يعرفون قوانين الشرع، الذين يتقون الله، والذين نرجو منهم الأمانة والديانة، فلذلك بيع كثير من الأراضي الوقفية و خرجت من أيدينا، ولا تنسون أن هناك مدنا خاصة مثل بنجاب و هريانة قد خرج المسلمون منها عند تحرير الهند، فآلاف من المساجد وآلاف آلاف من الأوقاف قد خرجت من أيدينا فيها، فقد ضيعنا هذه الثروة الغالية.

الآن نحن نحتاج إلى نظر في هذه القضية، كيف نصون و كيف نحفظ هذه الأوقاف؟ الحمد الله هنا في هذه الندوة المباركة يتواجد الأخ الشيخ عبد المحسن محمد العثمان وهو الأمين العام للأمانة العامة للأوقاف، وقد رأيت في البلاد الإسلامية ووجدت أوقاف المسلمين في الكويت أحسن حالا، و الحمد لله مسلمو الكويت لهم يد بالغة في الأمور الخيرية فوقفوا أوقافا كثيرة، وهؤلاء الرجال الكبار الهم استعملوا هذه الأوقاف و استثمروا فيها و بذلوا جهدهم لتنمية الأوقاف و الاستثمار بها، فصار كل وقف ذا ريع، والوقف الذي كان يحصل منه مثلا مائة روبية، الآن بدأ يعود بريعه إلى آلاف آلاف روبية، فهذه بركة من الله بسبب الأمانة وبسبب حسن التدبير، بارك الله في إخواننا بالكويت الذين عملوا عملا كبيرا في هذا السبيل، فجزاهم الله خير الجزاء.

وهذه عبرة و هذا درس عظيم لنا أيها العلماء في الهند! يجب علينا أن ندرس هذه القضية في ضوء الفقه الإسلامي، ولا ننسى مقاصد الشريعة الإسلامية ولا ننسى قواعد الكلية ولا ننسى مقاصد الوقف ولا ننسى ماذا هو مقصود الواقف الحقيقي، وهل يجوز لنا أن نضيع هذه الأوقاف؟

عبد المحسن عثمان صاحب نے عربی زبان میں اپنے قیمتی خیالات پیش کئے ، ان کی گفتگو کا خلاصہ

مولانا بدر الحسن قاسمی صاحب پیش کر رہے ہیں:

ہمارے فاضل مقالہ نگار و مقرر جناب عبد المحسن عثمان صاحب نے آپ کے سامنے، انتظار تو یہ آرہا تھا کہ مقالہ وہ لکھ کر لائے ہیں اسے پڑھ دیں گے، لیکن واقعہ یہ ہے کہ جتنا انہوں نے اصل مقالہ سے نہیں پڑھا اس سے زیادہ اہم باتیں وہ تھیں جو بعد میں انہوں نے چند نکات کی شکل میں آپ کے سامنے رکھی ہیں، اتنی لمبی گفتگو کے بعد اس کا موقع تو نہیں ہے کہ لفظ بلفظ ان کے اس پورے لکچر کا یا ان کے اس مقالہ کا ترجمہ کیا جائے، زبان چونکہ انہوں نے جو استعمال کی ہے خاص ٹیکنکل اور آج کی ہے جو اس موضوع پر بولی جاتی ہے اس لئے میں سمجھتا ہوں کہ سرسری طور پر دو باتیں آپ سے کہوں، ایک تو ان کا لکھا ہوا مقالہ ہے، جس کا انگلش ترجمہ بھی وہ ساتھ لے کر آئے ہیں، اس میں انہوں نے تین چیزوں پر نظریاتی طور پر روشنی ڈالی ہے، پہلی چیز جو فی نفسہ اسلام کا مفہوم ہے، اور صحیح اسلام اگر لوگوں کے ذہنوں میں نہ ہو تو اس کے جو خطرناک نتائج ہوتے ہیں اس کو انہوں نے ظاہر کیا، اور اس پر خاص طور پر زور دیا کہ اس وقت کی جو دنیا ہے وہ معلومات کی دنیا ہے، اور انہوں نے کہا کہ انٹرنیٹ کے استعمال کرنے والے ایک شخص سے میں نے پوچھا کہ اس وقت جو معلومات انٹرنیٹ کے ذریعہ فراہم کی جاتی ہیں اس کی مقدار کتنی ہے، تو وہ کہنے لگا کہ ساری دنیا میں کیا استعمال ہو رہا ہے اس کے بارے میں تو میں نہیں کہہ سکتا، مگر میں ذاتی طور پر جو استعمال کرتا ہوں وہ اس کا ۴۴ ملین فل اسکیپ A4 سائز کاغذ پر جتنا میٹر لکھا جاتا ہے اتنا میں استعمال کرتا ہوں، یہ صرف ایک شخص کے استعمال کی بات ہے۔

پھر ایک ایسی دنیا جس میں ہم اس وقت زندگی گذار رہے ہیں اور جہاں ہمارے ارد گرد انفارمیشن اور معلومات کا دائرہ اتنا وسیع ہو گیا ہے، وہاں اسلام کی نشر و اشاعت یا اس کی تشریح کس نہج پر ہونی چاہئے تاکہ لوگ زیادہ سے زیادہ اس سے فائدہ اٹھا سکیں، یہ ایک سوال ہے۔

دوسری چیز وقف کا مفہوم، وقف کا ایک مفہوم تو ہم بھی سمجھتے ہیں، لیکن فی نفسہ وقف کا دائرہ کار کتنا بڑھ گیا ہے اس وقت اور خاص طور پر وقف کو انہوں نے جس انداز میں پیش کیا ہے کہ تہذیبوں کے بنانے میں وہ گویا سب سے زیادہ موثر ترین عامل کی حیثیت سے ہے۔

ایک مفہوم درمیان میں انہوں نے اور چھیڑا تھا، پسماندگی اور ترقی کا، کہ مختلف ملکوں یا مختلف قوموں کے درمیان پسماندگی اور ترقی کا جو معیار ہم نے اب تک سنا ہے یا معاشیات کے ماہرین جس کا ذکر کرتے ہیں اسلام کی تعلیمات اس سے کہیں زیادہ وسیع، دقیق اور شامل ہیں، ہم کو چاہئے کہ ان معیاروں پر بھی از سر نو غور کریں، اور اس ضمن

میں انہوں نے کویت پر عراق کے حملہ کا بھی ذکر کیا ہے کہ مال کا غلط مفہوم سمجھنے سے کیا نقصان ہوتا ہے یا یہ کہ اس طرح کی بعض دوسری جگہوں پر جیسے اشتراکیت اور سرمایہ دارانہ نظام ان دونوں کا ٹکراؤ مال کے غلط مفہوم کو سمجھنے کی وجہ سے ہوا۔

ایسے ہی انہوں نے یہ پوائنٹ بھی واضح کیا کہ وہ ممالک جہاں اسلام نہیں ہے وہاں سامراجی طاقتوں نے بہت جلد وہاں کی قوموں کا مزاج بدلنے میں کامیابی حاصل کی لیکن جہاں مسلمان ہیں وہاں ان کو وہ نہیں بدل سکے، تو اگر صحیح معنوں میں ہم ان کا استعمال کریں اسلام کو اچھی طرح پیش کریں، ترقی کا صحیح مفہوم رکھیں اور پسماندگی کو حل کرنے کے لئے ان اصولوں کا استعمال کریں جو اصول اسلامی ہیں، تو اس صورت کے اندر ان سب چیزوں کو دور کیا جاسکتا ہے۔

آخر میں انہوں نے ایک الگ مستقل مقالہ پڑھا وہ مقالہ لکھا ہوا نہیں تھا لیکن سوال ایسے تھے جس کے لئے مستقل اس طرح کا سیمینار منعقد ہونا چاہئے، مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ آپ نے جو میٹر تیار کر کے دیا تھا وقف کے موضوع پر اس کو انہوں نے بڑی گہرائی سے پڑھا تھا اور چونکہ ان کا موضوع بھی ہے اس لئے انہوں نے سوالات بڑے دقیق اور اہم قسم کے رکھے ہیں، پہلی چیز تو یہ کہ خود وقف کا مفہوم یہ ہے کہ عین کو باقی رکھ کر اس کی منفعت کو استعمال کیا جائے، موجودہ زمانہ میں اس مفہوم کے اندر کتنی وسعت ہے، کتنی معنویت ہے، مال فی نفسہ کیا حیثیت رکھتا ہے، حقوق مجردہ کی بحثیں آپ کے یہاں پہلے ہی آچکی ہیں، آج کل کی دنیا میں مؤلفین کے حقوق، کمپیوٹر بنانے والے، ہوائی جہاز کی کمپنیاں اور دوسرے اس طرح کے حقوق اور مسائل جتنے ہیں ان سب کی وجہ سے اس کے اندر جو عموم پیدا ہوگیا ہے اس کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔

ایک چیز اور انہوں نے کہی کہ ایک ہے وقف کا کرنے والا شخص، اور ایک ہے اس کا ارادہ کیا ہم کو اس کا حق ہے کہ اس کے ارادہ کے اندر دخل انداز ہوں، جو آپ نے وقف کے مصارف متعین کئے ہیں یا جن پر بحث کی جاتی ہے، انہوں نے اس سلسلہ میں ان فقہی اصولوں کو بھی سامنے رکھا ہے، اور جو جدید پریشانیاں ہیں ان کو سامنے رکھتے ہوئے آپ کے سامنے سوالات رکھے ہیں۔ ان کا تجزیہ یہ بھی ہے کہ اس وقت کی دنیا میں صنعتی ممالک نے چھ ارب ڈالر بطور چندہ کے دیئے ہیں، بطور مساعدات کے دیئے ہیں، اس میں تقریباً دو تہائی حصہ وہ ہے جو پبلک سکٹر سے یا عام طور سے جو خیرات زکوۃ مغرب والے کرتے ہیں، ہمارے یہاں وہ چیز اس وقت تقریباً بند سی ہوگئی ہے، حالانکہ پرانی تاریخوں میں دیکھیں تو ہاسپٹل سے لے کر جتنے بھی معاملات و مسائل تھے وہ ساری چیزیں وقف کے ذریعہ سے پوری ہوتی تھیں، مامون کے زمانے میں اور دوسرے خلفاء کے زمانے میں جو زریں زمانے گذرے ہیں ان میں جو وقف کی حیثیت تھی اس کو ہم کیسے اب دوبارہ بروئے کار لاسکتے ہیں، تو وقف کا مفہوم، مصارف وقف کی تعیین، اور واقف کے ارادے کے اندر تصرف کرنے کا حق، ایک شخص وقف کرتا ہے تو اس کا کچھ خاص مقصد ہوتا ہے، اس مقصد کو نظر انداز کر کے ہم اپنی طرف سے تحریر کریں کہ تم اس وقف کو فلاں مصرف میں خرچ نہیں کر سکتے، ایسے ہی وقف کے لازم اور لازم نہ ہونے کے مسئلہ میں۔

ہمارے استاذ عبدالحسن عثمان نے جو پوائنٹ رکھے ہیں وہ ایسے ہیں کہ ان پر سنجیدگی سے غور ہونا چاہئے، ان کے حل ہمارے سامنے آنے چاہئیں، ان پر آپ جیسے فقہاء زیادہ باریکی سے نظر ڈال سکتے ہیں، میں سمجھتا ہوں کہ وقت میں نے کچھ زیادہ لے لیا مگر ان کی باتیں ایسی تھیں جن کی وضاحت ضروری تھی۔

قاضی صاحب:

بہرحال آپ نے یہ خلاصہ سن لیا، لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ اردو خلاصہ بھی قطعاً اس کے مضمرات اور اس کی اہمیت پر کافی نہیں ہے، مجھے یقین ہے کہ آپ اس کو غور سے پڑھیں گے، آج کے دور میں خاص طور پر الفاظ کے ساتھ جو کھلواڑ کیا جارہا ہے اور الفاظ کی حقیقتیں جس طرح مسخ کی جارہی ہیں اور مصطلحات شرعیہ کے ساتھ جو ظلم کیا جارہا ہے مصنف نے ان مصطلحات کی اہمیت اور دور حاضر میں ان مصطلحات کی تعبیر اور آج کے علمی انقلاب کے زمانے میں ان اہم ترین مصطلحات کو ازسرنو سمجھنے کی طرف توجہ دلائی ہے، وقف کتنا بڑا کردار ادا کرسکتا ہے، چاہے وہ کلچرل، ثقافتی یا سوشل، اجتماعی، سماجی یا اقتصادی میدان میں وقف کے ذریعہ کتنا بڑا کام لیا جاسکتا ہے، پھر اس کے بعد ان جزوی مسائل کی طرف کہ لزوم وقف کے احکام اور عدم لزوم وقف کے احکام اور وقف کا ڈیولپمنٹ اور جو ترقی پذیر ممالک ہیں ان کے مسائل، اور یہ بڑی بات ہے کہ اگر زکوٰۃ کا نظام اور وقف کا نظام مسلمان ایمانداری سے پورے طور پر قبول کرلیں تو دنیا میں جو سود پر مبنی نظام اقتصادیات ہے اس کا سب سے بڑا حل آپ نکال سکتے ہیں، بہرحال یہ مقالہ آپ لوگوں تک پہنچے گا۔

جناب عبدالرحیم قریشی صاحب:

الحمد لله رب العالمين والصلاة والسلام على سيد المرسلين.

محترم مہمانان گرامی اور معزز سامعین!

اوقاف سے متعلق ہم اس سمینار میں بہت سے اہم مسائل پر گفتگو کریں گے اور اس گفتگو سے پہلے میں تمہیدی طور پر چند باتیں گوش گذار کرنا چاہتا ہوں اور جو باتیں میں آپ کے سامنے رکھ رہا ہوں وہ اس لحاظ سے غور طلب ہیں کہ ایک ملی درد رکھنے والا آپ کے سامنے یہ بات رکھ رہا ہے، پہلی بات تو یہ ہے کہ جب ہم ہندوستان کے اوقاف کے مسائل پر غور کریں تو ہمارے اپنے جو حالات ہیں، ہماری اپنی جو مصلحتیں ہیں، ہمارے اپنے جو ملی مصالح ہیں ان کو پیش نظر رکھیں، اور ظاہر ہے کہ بعض اوقات ایسا بھی ہوسکتا ہے کہ جو باتیں مسلم ممالک میں اوقاف کے تعلق سے ہوئی ہیں وہ ہماری ملی اور دینی مصلحت کے خلاف ہو، اس بات کو بھی ہمیں پیش نظر رکھنا پڑے گا، اور میں سمجھتا ہوں کہ صرف اشاروں میں بات کرنا آپ جیسے علماء حضرات کے لئے کافی ہے، کہ وہاں اوقاف کے بارے میں جو رویہ رہتا ہے حکومتوں کا، یا کسی اور کا، ظاہر ہے کہ وہ رویہ ہم یہاں نہیں رکھ سکتے، کیونکہ وہاں کی بات تو یہ ہے کہ اگر وہاں کسی قسم کا کوئی تغیر ہوتا ہے اور بعد میں وہاں کے مسلمان محسوس کریں یا علماء کرام محسوس کریں کہ یہ تغیر اور تبدیلی غلط ہوئی ہے تو ظاہر ہے کہ اس کو بدلا جاسکتا ہے، لیکن یہاں اگر کوئی ایک تبدیلی ہوجائے گی تو پھر ہم بدلنے کے موقف میں نہیں ہوں

گے، ہم اپنی باتیں پیش کر کے قانون بنا سکتے ہیں تو پھر اس کے بعد ہماری کوئی آواز پارلیمنٹ میں نہ ہونے کی وجہ سے ہم کچھ کر نہیں سکتے، اس بات کو ہم کو پیش نظر رکھنی پڑے گی۔

دوسری بات یہ ہے کہ اوقاف کے تعلق سے مختلف علاقوں کی مصلحتیں بھی الگ الگ ہیں جیسے پنجاب، ہریانہ اور ہماچل پردیش کا علاقہ ہے جس کے بارے میں سوال نامہ کا ایک حصہ بھی ہے، وہاں کی مصلحتیں کچھ اور ہیں، وہاں جو ہند کی تقسیم ہوئی اس کے بعد جو حالات پیدا ہوئے اور اس کے بعد جو وہاں کی آبادی نے تخلیہ کیا، اور تخلیہ کے بعد ظاہر ہے کہ بہت سی مسجدیں اور اوقاف ویران ہو گئے، اوقاف ختم ہو گئے تو سوال یہ ہے کہ اب وہاں کیا کیا جائے؟ مگر دوسرے علاقہ میں تو یہ ہے کہ اوقاف موجود ہیں، اور اوقاف کی موجودگی میں یہ ہوا کہ اوقاف کا اتلاف ہوا، اور تلف کرنے والا کون؟ جی ہاں خود مسلمان اس کے ذمہ دار ہیں، چاہے سجادہ نشین ہو، چاہے متولی ہو، چاہے کوئی ہو، غرض ہے تو مسلمان، دوسری طرف حکومت نے ہمیشہ ایسا مجہول وقف بورڈ تشکیل دیا کہ یہ وقف بورڈ تیمیوں کی پناہ گاہ بن گیا، اس وقف بورڈ کو کوئی سیاسی کام نہیں دیا گیا پارلیمنٹ یا اسمبلی کا ٹکٹ نہیں دیا گیا اور ایسے شخص کو لا کر بٹھا دیا گیا وقف بورڈ میں جس کو وقف بورڈ سے کوئی دلچسپی نہیں، اگر آپ غور کریں تو ہمارے ملک میں جتنے بھی وقف بورڈ ہیں ان میں سے تقریباً نوے فیصد وقف بورڈ کے صدور ایسے ملیں گے کہ جن کو وقف کے مسئلہ سے کوئی دلچسپی نہیں ہے، یہ تو محض سیاسی سرپرستی کی بنیاد پر آ گئے، جس پارٹی کی حکومت ہے اس نے اپنے آدمی کو لا کر بٹھا دیا، اور ظاہر ہے کہ ان کو اپنے سیاسی آقاؤں کی تعمیل کرنی ہوگی، یا تو اس کے سامنے یہ ہے کہ اس کو خود آگے چل کر بڑا سیاسی مفاد حاصل کرنا ہے، اسمبلی کا ٹکٹ لینا ہے، پارلیمنٹ کا ٹکٹ لینا ہے، کونسل میں آنا ہے تو یہ تمام مصلحتیں ہیں، مثلاً اگر ہم پنجاب و ہریانہ کو سامنے رکھ کر کوئی آسان شکل نکالتے ہیں جس کے ذریعہ استبدال وقف ہو سکتا ہے، وقف کی نوعیت بدل سکتی ہیں، وقف کی جائداد میں نکھار آ سکتا ہے تو اس کا اثر دوسرے حصوں پر کیا پڑے گا اس نوعیت کو پیش نظر رکھنا ہوگا، ایک علاقے کو آپ سامنے رکھ کر کوئی قانون نہ بنائیں بلکہ پورے ملک کو سامنے رکھ کر علماء کرام غور کریں، اب میں گفتگو آگے زیادہ بڑھانا نہیں چاہتا، چند باتیں آپ کے سامنے رکھنا چاہتا ہوں، اور یہ چند باتیں وہ ہیں جو ہم نے مسلمانان ہند نے بتوسط آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ بڑی کد و کاوش کے بعد حاصل کی ہیں، اور جو بڑی کد و کاوش کے بعد حاصل کی گئی چیزیں ہیں ان کو ہم پیش نظر رکھیں اور جو سوالات ہمارے سامنے رہے ہیں ان سوالات پر غور کیا جائے۔

ہندوستان میں جو وقف کی تعریف ہے، ایک ہے وقف کا یوزر، وقف تعامل، یا بعض لوگ وقف علی الاستعمال جس کا ترجمہ کرتے ہیں، یا دوسرے وقف بالتعامل جس کا ترجمہ کرتے ہیں، اور اب تک کا ۱۹۵۴ء سے جو قانون چلا آ رہا تھا اس قانون میں صرف اتنا لکھا تھا کہ اگر کوئی وقف وقف تعامل ہے، وقف کا کوئی یوزر ہے تو یہ بھی وقف کی تعریف میں داخل ہے، اس سے زیادہ کچھ نہیں۔

لیکن اس کے بعد پنجاب میں ایک کیس ہوا اور اس کیس میں یہ ہوا کہ ایک قبرستان تھا اور قبرستان کے بارے میں دستاویز موجود تھی کہ وہ زمین قبرستان کی ہے، لیکن عدالت نے یہ کہا کہ اس کا استعمال ختم ہو چکا ہے، تعامل ختم ہو چکا

ہے، اور جب تعامل ختم ہو چکا تو ظاہر ہے کہ اس کے وقف کی نوعیت ختم ہو جائے گی، یہ وقف بالتعامل تھا، تعامل کی بنیاد پر، پریکٹس کی بنیاد پر، یوزر کی بنیاد پر، اور جیسے ہی یوزر اور پریکٹس ختم ہو گئی تو ظاہر ہے کہ اس کی نوعیت وقف ختم ہو جائے گی، یہ فیصلہ ہمارے لئے بڑا نقصان دہ ثابت ہوا، یہ پنجاب ہائی کورٹ کا فیصلہ تھا، چنانچہ جب وقف انکوائری کمیٹی بنی تو اس وقف انکوائری کمیٹی میں اس کی نمائندگی کی گئی، وقف انکوائری کمیٹی یہاں آنے کے بعد سنٹرل وقف کونسل میں جب مل زیر غور تھا، اس وقت نمائندگی کی گئی، ظاہر ہے کہ بہت سی مساجد ہیں مسجد کا کوئی وقف نامہ نہیں ہوتا، بہت سے قبرستان ایسے ہیں بلکہ بھی قبرستان ہیں جن کا کوئی ڈاکومنٹ نہیں ہوتا، چنانچہ ہم نے یہ چیز اس میں داخل کروائی اور کہا کہ یہ تعریف جو آپ نے کی ہے وہ جامع اور کافی نہیں ہے، بلکہ اس میں اس بات کا اضافہ کیا جائے کہ اگر یوزر اور تعامل ختم ہو جائے، اگر وقف کے لحاظ سے بحیثیت وقف اس کا استعمال ختم ہو جائے تب بھی یہ وقف باقی رہے گا، یہ جو منظوری ہے آپ کے وقف تعامل کی اس منظوری کو ختم کر کے اس کا اضافہ کیا جائے۔ یہ ہمارا بہت بڑا Achievement ہے جس کو ہم سمجھیں اور خصوصاً پنجاب اور ہریانہ کے مسئلہ پر غور کرتے وقت، کہ پارٹیشن کے وقت ایک مسجد تھی اب اوقاف کی حیثیت سے اس مسجد کا استعمال ختم ہو چکا لیکن آج ہم کو اس کا احساس ہے کہ وہاں پر مسجد تھی اور بحیثیت مسجد اس کا اندراج جائداد وقف میں ہونا چاہئے، تو وقف تعامل اور یوزر کے تعلق سے جو ترمیم بڑی کوشش کے بعد آج کے قانون میں ہم نے کروائی اور جو قانون میں آچکی ہے، اور اس وقت ۱۹۹۵ء کا جو قانون ہے اس میں یہ موجود ہے، تو ایسی صورت میں ہم دیکھیں اور اس چیز کو بھی ہم سامنے رکھیں کہ ہم اپنا اچیومنٹ جو ہم نے اپنی کوشش سے حاصل کی ہے کیا ہم اس کو ضائع کر دیں۔

اسی کے ساتھ ایک اور بات میں آپ کے سامنے رکھتا ہوں، علماء کرام اس پر غور کریں کہ پنجاب اور ہریانہ کی بات میں نہیں کہتا، دہلی شہر کتنا پھیل گیا اور دہلی شہر پھیلنے کے بعد کتنی قدیم مسجدیں ہیں جو آباد ہیں، بہت سے شہر ایسے ہیں جو پھیلے اور پھیلنے کے بعد وہ مسجدیں جن کے بارے میں سان وگمان بھی نہیں تھا کہ وہ آباد ہو سکیں گی مگر الحمدللہ وہ اب آباد ہو چکی ہیں، اس لئے آج اگر کوئی مسجد ویران ہے تو محض ویرانی کی بنیاد پر اس کو نہ بیچیں، پنجاب میں جو مسلمان آبادی پارٹیشن کے وقت یا پارٹیشن کے فوری بعد تھی، آج اس سے کہیں زیادہ ہے، امرتسر میں جو مسجدیں غیر آباد تھیں ان مسجدوں میں سے کئی مسجدیں آباد ہو چکی ہیں کیونکہ وہاں مسلمانوں کی آبادی بڑھی .... تو یہ قانون جو ۱۹۹۵ کا قانون ہے اس میں بہت سے نقائص ہیں لیکن ان نقائص کے باوجود ان میں چند چیزیں اچھی ہیں جن کو میں آپ کے سامنے رکھتا ہوں:

ایک تو آپ کے سامنے ہے وقف کا یوزر، جیسا کہ پہلے میں نے عرض کیا، دوسرے کوئی ایسی چیز جس کی منفعت عوام کے لئے ہو، اور جس منفعت کے لئے وہ چیز وقف کی گئی تھی اور اس میں واقف کا جو منشا تھا اگر وہ منشا کھو چکا ہے تو ایسی صورت میں اس سے قریب مقصد کے لئے اس جائداد کو، اس کی منفعت کو استعمال کیا جا سکتا ہے، اور یہ قانون وقف میں نہیں تھا، ہندوستان میں ظاہر ہے کہ راجا، مہاراجہ، نواب، جاگیردار انہوں نے بڑے اوقاف بنائے، بڑے

اوقاف قائم کئے اور ان اوقاف کا منشاء یہ تھا کہ قبیلے کے غریبوں اور مسکینوں کی امداد کی جائے، مکہ کے غرباء کی امداد کی جائے، شہر حیدرآباد کے اندر ایک بہت بڑی بلڈنگ ہے جس کا نام ہے مکہ مدینہ علاء الدین وقف، اس طرح کے ایک نہیں ہزار ہا وقف ہیں جن کا مقصد یہ تھا کہ مکہ مدینہ کے مسافروں اور غرباء کی امداد کی جائے، اب اس کے بعد وہاں کی حکومت نے کہا کہ ہم اس کا پیسہ لینا نہیں چاہتے، اس طرح اس وقف کا جو مقصد اور واقف کا جو منشاء تھا وہ تو فوت ہو گیا تو اب کیا کیا جائے، تو علماء نے کچھ فتوی وغیرہ دیا اس کی بنیاد پر اس کو طے کیا گیا۔ اب اس وقت جو نیا قانون وقف ہے ۱۹۹۵ء کا، اس نئے قانون وقف کے اندر اس شق کو ہم نے بڑی کوشش سے داخل کروایا، یہ جو نیا قانون ہے اس کی دفعہ ۳ ذیلی دفعہ ۲، اور شق بی ۳ میں ہے، اس میں یہ کہا گیا کہ اگر کسی وقف کا مقصد فوت ہو جائے اس کا حصول مشکل ہو، اس کو حاصل نہ کیا جا سکتا ہو تو ایسی صورت میں ایسے مقصد کے لئے استعمال کیا جائے جو اس مقصد کے مشابہ ہو یا اس مشابہ سے قربت رکھتا ہو، اس کے بعد کہا گیا کہ اگر ایسا بھی نہیں ہو سکتا ہے تو For the porpuse of promotion of the knowledge or learning of the Muslim community یا پھر ایسی صورت میں یہ جائداد اور اس کی منفعت اور اس کی آمدنی استعمال کی جا سکتی ہے مسلمانوں میں یا تعلیم میں، اور تعلیم میں یہ قید نہیں کہ یہ تعلیم دینی تعلیم ہو یا عصری تعلیم ہو یا جس قسم کی بھی تعلیم ہو، اس اعتبار سے ہم موجودہ قانون میں جس نکتہ پر غور کر رہے ہیں کہ آمدنی میں اضافہ ہو جائے تو آمدنی میں اضافہ کے تعلق سے بھی دفعہ موجود ہے کہ ایک وقف کی آمدنی بڑھے، ایک وقف کی فاضل آمدنی ہے، منشاء وقف کی تکمیل کے بعد بھی آمدنی بچتی ہے تو اس میں انہوں نے کہا ہے کہ یہ جو زائد آمدنی ہے اسے واقف کے اصل منشاء کے مطابق استعمال کیا جائے، اور پھر جو اس سے مشابہت رکھنے والے ہوں ان میں، اور پھر اس سے مطابقت رکھنے والے کسی اور مقصد کے لئے، تو اس بات کو ہم پیش نظر رکھیں۔

اب جہاں تک جائداد کی تبدیلی اور خصوصاً جائداد کے استبدال کا تعلق ہے تو قانونی موقف اس میں کیا ہے، تو قانونی موقف یہ ہے کہ اگر اس کا یہ ختم ہو گیا ہے تو اس کا پورا پروسیجر دیکھیں، لیکن اس پروسیجر میں ایک چیز ہم نے بڑی مشکل سے داخل کروائی ہے، اس لئے داخل کروائی کہ ہم دیکھتے ہیں کہ ہندوستان میں ایک جائداد مسجد کے لئے، مسجد کی خدمت کے لئے، امام کی خدمت کے لئے، مؤذن کی خدمت کے لئے وقف کی گئی، اس کو متولیوں نے بیچ دیا، وقف بورڈ نے بیچ دیا، یہاں میں نام نہیں لوں گا ایک صاحب تھے مہاراشٹر کے جو وزیر اوقاف تھے، انہوں نے ضلع بیلہ کے اندر ایک بہت بڑی پراپرٹی بیچ دی اور یہ کہہ کر بیچ دی کہ یہ پراپرٹی ایسی آبادی میں ہے جہاں جا کر کرایہ وصول کرنا مشکل ہے، اس کے بعد یہ ہوا کہ وہ آمدنی دھری کی دھری رہ گئی، وقف بورڈ کے دوسرے مصارف میں آ گئی، جہاں ضرورت پڑی اور دیکھا پیسہ نہیں ہے اس میں سے لے لیا، اور وہ سارا کا سارا فنڈ ختم ہو گیا، تو جب یہ صورت حال سامنے آئی تو ہم نے کہا کہ کچھ پابندی تو لگائی جانی چاہئے، چنانچہ موجودہ جو قانون ہے اس میں ہم نے اس بات کو منظور کروایا ہے اور یہ Elemination کا جو سیکشن ہے، اس کے اندر کسی صورت میں مسجد، درگاہ اور خانقاہ کے اندر کوئی استبدال اور کوئی منتقلی نہیں ہو سکتی، نہ اس کو بیچا جا سکتا ہے نہ اس کو ہبہ کیا جا سکتا ہے نہ اس کو رہن رکھا جا سکتا ہے اور نہ کسی اور کو

دیا جاسکتا ہے، یہ اس کا قانونی موقف ہے۔ اب اس قانونی موقف کے سلسلہ میں میں نے پہلا نکتہ جو آپ کے سامنے پیش کیا اس نکتہ کو سامنے رکھئے کہ ایک جائداد ۱۵ اگست ۱۹۴۷ء میں وقف کی، اس کے بعد اس کے وقف کی نوعیت کسی وجہ سے باقی نہیں رہی، لیکن قانون ہم کو اس بات کا حق دیتا ہے کہ ہم اس کو پھر واگذار کرائیں۔ اب یہاں ایک سوال آتا ہے کہ پنجاب اور ہریانہ میں بہت سی ایسی اوقافی جائدادیں ہیں جن کو ایڈمنسٹریٹروں نے قبضہ میں لے لیا، پاکستان میں جو لوگ منتقل ہو گئے ان کی پراپرٹی تخلیہ کنندگان کی پراپرٹی قرار پائی ہے، اور تخلیہ کنندگان کی جائداد کی حیثیت میں ظاہر ہے کہ جو قانون وقف اس بابت ان کے یہاں تھا اس کے راستے پر وہ نکل چلے، ایک خاص دفعہ اس نئے قانون جو ۱۹۹۵ کا قانون ہے اس میں ہم نے رکھا ہے جس میں ہم نے کہا کہ اس طرح کی جتنی بھی وقف کی پراپرٹی ہے جو کسی ایڈمنسٹریٹر کے پاس ہے یا گورنمنٹ کے کسی عہدیدار کے پاس ہے اور وقف بورڈ اس تحقیق کے بعد کہ اس جائداد کا استعمال پارٹیشن سے پہلے بحیثیت وقف ہوتا رہا ہے تو ایڈمنسٹریشن کم سے کم یہ کہہ سکتا ہے کہ اس کا پورا انتظام ہمارے حوالہ کیا جائے، اور اگر کہیں وقف بورڈ کمزور ہے تو ظاہر ہے کہ کچھ نہیں کیا جاسکتا، لیکن اس قانون میں بہت سے نقائص ہیں مثلاً اگر قبضہ مخالفانہ ہو جاتا ہے …… اور وقف کی پراپرٹی چلی جاتی ہے تو اس قانون میں وقف بورڈ کو یا وقف بورڈ کے کسی عہدیدار کو کوئی اختیار نہیں دیا ہے، ہم آندھرا پردیش میں اس کے لئے کوشش کر رہے ہیں کہ وہاں ایک نیا قانون وقف بنائیں، اور نئے قانون وقف میں اس کی کوشش کی جارہی ہے، چنانچہ کل ہی اس کی مشاورتی نشست تھی لیکن ہم نے اس کو ملتوی کرایا کہ ہم جنوری تک اس میں اور تجاویز دے کر اس کو بہتر بنائیں گے، لیکن آپ جب غور کر رہے ہیں تو میری مخلصانہ گذارش یہ ہوگی کہ جہاں تک مسلم ممالک ہیں ان کا موقف الگ ہے، وہاں مسلمان ایک چیز اگر کھو دیتا ہے تو پھر حاصل کرسکتا ہے، مگر یہاں ایک چیز کھونے کے بعد آپ حاصل نہیں کرسکتے۔ دوسرے یہ کہ جو مصلحتیں پنجاب اور ہریانہ کی ہیں وہ مصلحتیں وقف بورڈ کے ذریعہ حاصل کرنا ہوگا، اسی قانون وقف کے ذریعہ حاصل کرنا ہوگا، اور پھر پنجاب اور ہریانہ کی مصلحتوں کو سامنے رکھ کر کے آپ کوئی چیز طے کرتے ہیں تو یہ بھی دیکھئے کہ اس کے مضر اثرات ہندوستان کے دوسرے علاقوں پر کیا ہوں گے، جہاں پر لوگ نظریں لگائے بیٹھے ہیں کہ کسی طرح کوئی آسان سی شکل نکل جائے اور ہم اس وقف کی جائداد کو اپنی جائداد بنالیں اور اس پر قبضہ کرلیں، کیونکہ بہت سی وقف کی جائدادیں شہری آبادی میں آچکی ہیں، اس کی قیمتیں بہت کچھ بڑھ چکی ہیں، اور آج کل اسٹیٹ بلڈر یا اسٹیٹ ڈیلر، پراپرٹی ڈیلر، یا پراپرٹی بلڈر یہ سب لوگ اپنی للچائی نظریں لگائے ہوئے ہیں، تو ایسے موقع پر آپ سے گذارش ہے کہ بڑے احتیاط کے ساتھ تمام چیزوں کو سامنے رکھیں اور ہمیں ہندوستانی مسلمانوں کی مصلحتوں کو بھی پیش نظر رکھنا پڑے گا، اور میں سمجھتا ہوں کہ اسلامک فقہ اکیڈمی کی جانب سے جو نیا قانون وقف ایکٹ ہے اس کی کاپیاں آپ کے پاس بھیج دی جائیں گی تو اس پر آپ حضرات بہتر طور سے غور کریں۔ میں اس بات کو ضروری سمجھتا ہوں۔ شکریہ۔

قاضی صاحب:

مجھے یہ عرض کرنا ہے کہ دو اہم خطاب اس موضوع پر ہو گئے ہیں، اس کے بعد موقع ہے کہ پہلے عرض پیش کیا

جائے آپ کے سامنے اور اس کے بعد صبح انشاء اللہ ہم لوگ پوری گفتگو کریں گے، حضرات شرکاء سے درخواست ہے کہ وہ اپنے نکات ضرور نوٹ کرتے جائیں، اس وقت جو بات مجھے عرض کرنی ہے وہ بہت اہم ہے، جس سوال کو اٹھایا ہے ہمارے جناب عبد الرحیم قریشی صاحب نے، اور ابھی ابھی فیکس کے ذریعہ پنجاب وقف بورڈ نے چند سوالات کئے ہیں میں سمجھتا ہوں کہ ایک بات میں آپ پر واضح کردوں کہ آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ جو مسلمانوں کا عمومی نمائندہ تو ہے ہی، ارباب علم، اصحاب فتوی اور اصحاب فقہ کا ایک مرکزی ادارہ ہے، جس کے کسی فیصلہ کو ایک اجماعی حیثیت مسلم معاشرے میں حاصل ہے، اس لئے ساری بحثیں تو ہم مسائل پر کریں گے انشاء اللہ، لیکن یہ بات کہ جو کچھ فیصلہ مسلم پرسنل لا بورڈ نے ۱۹۹۲ میں اپنے دلی کے اجلاس میں کردیا ہے، جو فیصلہ ساری عدالتوں میں دے چکے ہیں، ہمارے پرسن کو دے چکے ہیں، ساری سرکار کو دے چکے ہیں، میں سمجھتا ہوں کہ اس پورے ہاؤس کو با اتفاق آراء بلا کسی ردوقدح کے یہ تسلیم کرلینا چاہئے کہ مساجد کی مسجدیت کو کبھی بدلا نہیں جاسکتا، مسجد نہ بیچی جاسکتی ہے، نہ مسجد عاریت دی جاسکتی ہے، اور نہ مسجد کی حیثیت میں کوئی تبدیلی کی جاسکتی ہے، میں سمجھتا ہوں کہ آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کے اس فیصلہ کے بعد آج جو ہندوستان بھر کے اور ہندوستان کے باہر کے علماء بھی بیٹھے ہوئے ہیں ان سب کا یہ اجماع قرار پاتا ہے کہ مسجد بدلی نہیں جاسکتی، جگہ نہیں بدل سکتی، منتقل نہیں کی جاسکتی، مسجد بیچی نہیں جاسکتی، مسجد عاریت میں نہیں دی جاسکتی، اس فیصلہ پر آپ سب اتفاق کرتے ہیں تو یہ ایک اجماعی فیصلہ تسلیم کیا جانا چاہئے، میں امید کرتا ہوں کہ آپ سارے حضرات باتفاق رائے اس کی تائید کریں گے، اور اب اس مسئلہ پر کوئی بحث نہیں ہوگی، مسجد کے علاوہ جو دیگر مسائل ہیں ان پر ہم گفتگو کریں گے، اور آپ سب کی طرف سے یہ اجماعی فیصلہ پورے ملک کو پہنچ جائے گا کہ جو آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ نے ۱۹۹۲ء میں کیا تھا جہاں اکابر علماء، جن میں بہت سے آج ہمارے بیچ نہیں رہے ہیں ان کا فیصلہ محقق ہے، محض وقتی مصالح پر مبنی نہیں ہے، آج پورے علماء ہند مجتمع ہو کر اس فیصلہ کی تائید کرتے ہیں اور اس فیصلہ کو دہراتے ہیں، یہ بات طے ہوگئی، میری بات ڈاکٹر وہبہ زحیلی اور دوسرے بزرگوں سے بھی اس موضوع پر ہوئی ہے وہ لوگ بھی اس کے ساتھ پورا پورا اتفاق رکھتے ہیں، تو اس اتفاقی فیصلہ کے بعد میں سمجھتا ہوں کہ آگے بحث جاری رہے گی، اب میں مولانا عتیق احمد قاسمی سے درخواست کرتا ہوں کہ اپنا پہلا عرض شروع کریں، اور ہم ہارون بھائی کی ہدایت کے مطابق وقت پر ختم کریں گے، اور ہوسکتا ہے تینوں عرض مکمل ہوجائے اور صبح مناقشہ اسی پر ہو، میں آپ حضرات کی تعریف کرتا ہوں کہ بڑے صبر آزما موضوع پر بہت ہی صبر کے ساتھ بیٹھ کر آپ نے دلچسپی کا ثبوت دیا ہے، یہ آپ کی علمی دلچسپی کی دلیل ہے، اللہ تعالی ہم کو اور آپ کو اجر جزیل عطا فرمائے۔ آمین۔

نوٹ: (جناب مولانا عتیق احمد قاسمی، جناب مولانا مفتی فضیل الرحمن ہلال عثمانی اور جناب مولانا ظفر عالم ندوی نے بالترتیب عرض پیش کئے جو اس کتاب میں اپنے مقام پر شامل ہیں)

مولانا عتیق احمد قاسمی:

اگر کچھ قانونی سوالات آپ کے ذہن میں ہوں جن کی وضاحت آپ ضروری سمجھتے ہوں تو پہلے وہ سوالات کر لئے جائیں، یہ ہماری خوش نصیبی ہے کہ جناب عبدالرحیم قریشی صاحب موجود ہیں جو قانون وقف کے ماہر بھی ہیں اور ہماری زبان میں ہم کو بات سمجھا سکتے ہیں، اس لئے جن حضرات کے ذہن میں کوئی قانونی سوال ہو جس کی وضاحت درکار ہو تو پہلے مرحلے میں وہ سوالات کر لئے جائیں، اس کے بعد میری درخواست یہ ہے کہ سوال نامہ آپ کے سامنے ہوگا جن حضرات کو بھی اپنی رائے دینی ہے کچھ وضاحتیں کرنی ہیں اگر وہ پہلے سے نوٹ کر لیں کہ کس سوال کے بارے میں کیا بات وہ کہنا چاہتے ہیں تا کہ ان کی بات مربوط اور مرتب ہو کہ فلاں سوال کے بارے میں ہم گفتگو کرنا چاہتے ہیں کہ اس میں ہماری یہ رائے ہے ہمارے یہ دلائل ہیں، اور تیسری بات یہ ہے کہ اختصار سے کام لیں، اس لئے کہ بہت سے حضرات ہیں جو اصحاب علم ہیں اور اصحاب فہم ہیں ان کے لئے اشارہ کافی ہوگا اور ہر ایک کو اس کا موقعہ مل پائے گا، تو پہلے مرحلہ میں میری درخواست ہے کہ جن کو قانونی وضاحت درکار ہو وقف کے قانون کے بارے میں وہ اپنا نام پیش فرمائیں اور ان کو دعوت دی جائے گی گفتگو کے لئے۔

قاضی صاحب:

حضرات علماء! اب ہم اوقاف سے متعلق مختلف مسائل پر بحث کا آغاز کرتے ہیں، اس موقعہ پر آپ کی توجہ چند نکات کی طرف منعکس کرنا چاہتا ہوں، پہلی بات تو یہ ہے کہ آپ سب حضرات جانتے ہیں کہ مسئلہ وقف پر نصوص کم سے کم تر ہیں، اوقاف کے احکام کی تفصیلات جو فقہاء کے یہاں ملتی ہیں وہ مجتہدات ہیں منصوصات نہیں، میں سمجھتا ہوں کہ اس نکتہ پر اختلاف آپ لوگوں کو نہیں ہوگا۔

پہلا مسئلہ یہ ہے کہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ کی طرف یہ قول منسوب کیا گیا ہے کہ وہ وقف کے جواز ہی کے قائل نہیں ہیں، لیکن محققین نے یہ بات ثابت کی ہے کہ امام صاحب جواز وقف کے قائل ہیں لزوم وقف کے قائل نہیں، اور جہاں تک مسئلہ مسجد کا ہے وہاں امام صاحب لزوم کے بھی قائل ہیں، دیگر ائمہ بھی وقف کے جواز اور لزوم کے قائل ہیں، اس طرح آپ کہہ سکتے ہیں کہ لزوم وقف تقریباً تمام ائمہ کے درمیان متفق علیہ ہے، تو مسئلہ اگر منصوص نہیں مجتہد ہے لیکن اس میں اگر علماء امت کا اجماع ہو چکا ہو تو خود ایک بڑی سند اور حجت کا درجہ رکھتا ہے، چونکہ مسئلہ مجتہد فیہ ہے اس لئے علماء کے درمیان اختلاف رائے بہت سی اشیاء میں ہوا ہے، دیکھنا یہ ہے ہم کو اور آپ کو بہت گہرائی کے ساتھ کہ پورے نظام وقف میں کن بنیادی باتوں کی رعایت جملہ ائمہ و مجتہدین فقہاء نے رکھی ہیں، میں سمجھتا ہوں کہ یہ اصول اگر ہم سب کے سامنے حاضر ہوگا تو مسائل کا حل کرنا ہمیشہ ہمارے لئے آسان ہوگا، پہلا مسئلہ تو مشروعیت وقف کے مقاصد، اسباب المشروعیہ، مقاصد المشروعیہ اور وقف کرنے کے اس عمل کی شرعی حیثیت کا ہے، ہمارے یہاں اسلامی نقطۂ نظر سے ہر عمل کے اندر رضائے خداوندی اور اجر آخرت مطلوب ہوتا ہے، وہ عمل جو شریعت نے واجب نہیں کیا ہے اس کو بطور خود آپ کے اختیار پر چھوڑا ہے، اس عمل کو تبرع کہا جاتا ہے، پس وقف کی حیثیت شرع کی زبان میں ایک

تصریح کی ہے، مجھے یقین ہے کہ سارے علماء اس سے اتفاق کریں گے چونکہ یہ کوئی خاص اہم بات نہیں ہے۔

وقف کا مقصد شیٔ موقوف کو ہمیشہ باقی رکھنا، اور اس کے منافع مستحقین کے درمیان تقسیم ہونا، اصل شیٔ کو محفوظ رکھنا اور منافع کی تقسیم، یہ دو بنیادی جز ہیں اوقاف کے، بنیادی طور پر وقف میں یہ دو باتیں اہم ہیں، ایک ہے حبس عین، اب اس بحث کو چھوڑ دیجئے کہ "علی ملك الواقف أو علی ملك الله" میں اس تفصیل میں نہیں جانا چاہتا، لیکن حبس عین، عین شیٔ کا محفوظ رکھنا اور اس کے نفع کو عام کرنا، میں سمجھتا ہوں کہ اوقاف کے جملہ احکام و مسائل کے بارے میں کچھ طے کرتے وقت دو چیزوں کو بنیادی طور پر سامنے رکھنا ہے، ایک یہ کہ وہ شیٔ محفوظ رہے، دوسرے یہ کہ اس کا نفع عام سے عام اور زیادہ سے زیادہ ہوتا رہے، اگر ان دو مقاصد کو ملحوظ رکھیں گے تو بہت ساری الجھنیں ہماری خود بخود سلجھ جائیں گی انشاء اللہ، ایک تو اصل شیٔ موقوف کی حفاظت ہو وہ ضائع نہ ہونے پائے، اور دوسرے نفع اس کا جاری رہے بڑھتا رہے، تو گویا نافعیت اور انفعیت اور صیانت اصل وقف، یہ گویا ہمیں بنیادی طور پر تمام مسائل اوقاف میں غور کرتے وقت ذہن میں رکھنا چاہئے، اب اس روشنی میں اگر آپ تمام فقہاء کی پوری کتاب الاوقاف پڑھ جائیے تو میں یقین کے ساتھ کہتا ہوں کہ ہر فقیہ و مجتہد کی رائے دراصل اسی بنیاد کے تحت گھومتی ہے اپنے عہد کے اعتبار سے اپنے زمانے کے حالات کے اعتبار سے، جس فقیہ نے حفاظت وقف کے لئے جو ضرورت محسوس کی اس کا حکم دیا اور وقف کی نافعیت کے لئے جو ضروری سمجھا حکم دیا، یہی دراصل پوری روح اور خلاصہ ہے، آپ دیکھتے ہیں کہ اوقاف کے مسائل میں عام بات لکھی ہے لوگوں نے کہ آخری اختیار ناظر وقف اور متولی وقف کو نہیں بلکہ قاضی کو ہے، لیکن بعض نے یہ بھی لکھ دیا کہ نہیں نہیں قاضی سے بھی بچاؤ، زمانہ خراب ہے، قاضی سب بھی گڑبڑ ہو رہے ہیں، یعنی جب اس دور کے فقہاء نے حکومت کی طرف سے مقرر کئے ہوئے قاضیوں کی دیانت پر شبہ کیا تو انہوں نے قاضی سے بھی بچنے کی بات کہی، کیوں؟ تاکہ وقف محفوظ رہے، پس جملہ احکام ابواب وقف پر اگر آپ غور کریں گے تو یہی ملے گا، میں سمجھتا ہوں کہ یہ بنیادی نقطہ بھی آپ کے غور کرنے کا ہونا چاہئے، اور خوب اچھی طرح اللہ کے سامنے اپنے کو رکھ کر اس پر غور کریں کہ ہم کوئی فیصلہ ایسا نہ کریں جس سے وقف کی حفاظت مجروح ہو اور کوئی فیصلہ ایسا نہ کریں جس سے وقف کی نافعیت یا انفعیت متاثر ہو، یہ چیز ہمارے خیال میں بنیادی طور پر ذہن میں رہنی چاہئے تو بہت ہی آسانیاں ہوں گی۔

ابھی پہلا سوال جو مولانا عتیق صاحب کا عرض ہے اس میں بحث ہے استبدال کی، تو سب سے پہلی بات یہ ہے کہ استبدال وقف کی کبھی ضرورت پڑ سکتی ہے" صار الوقف خربا" وقف ایسا ویران ہو گیا کہ اب اس سے کوئی آمدنی نہیں تو اصل شیٔ محفوظ ہے مگر نافعیت ختم اس کی، اصل شیٔ محفوظ ہے لیکن نفع نہیں دے رہی ہے، آمدنی نہیں ہو رہی ہے، اس کے محاصل نہیں ہیں، تو یہاں پر فقہاء نے بڑی احتیاط کے ساتھ کہ کہیں اس کا غلط استعمال نہ کیا جائے، استبدال کی اجازت دی، دوسری صورت یہ ہے کہ وقف کی آمدنی تو ہے لیکن قلیل ہے، اگر اس وقف کو ہم Convert کریں، تبدیل کر کے ہم کسی دوسری جگہ وقف کی زمین حاصل کرلیں تو وہاں پر نفع بڑھ جائے گا، تو یہاں پر فقہاء کی دو رائے ہوئی، ایک رائے یہ ہے کہ اگر اصل نفع کچھ نہ کچھ جاری رہے تو زیادتی نفع کی خاطر وقف کی تبدیلی نہیں کر سکتے

اس کے ذریعہ جو آمدنی حاصل ہے تو کیا مسجد کے اخراجات سے زائد ہونے کی صورت میں اس زائد آمدنی کو تعلیمی یا رفاہی مقاصد کے لئے استعمال کیا جاسکتا ہے یا نہیں۔

بہر حال دوستو! یہ ہے ساری بحث کا خلاصہ۔

سوال نمبر ایک میں جہاں تک مساجد کا تعلق ہے عین مسجد کا اس پر ہم اب کوئی بحث نہیں کریں گے، اس کے علاوہ جو مسائل ہیں ان پر اگر آپ بحث کرنا چاہیں گے تو اس کی گنجائش دی جائے گی۔

مولانا شیر علی صاحب:

وقف لازم نہیں ہے امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک، یہ بات درست نہیں ہے۔

قاضی صاحب:

اگر ایسا نہیں ہے تو بہت اچھا ہے، ہم یہ جانتے ہیں "إلا إذا قضى به" میں نے یہ کہا کہ: إن الأئمة قد اختلفوا في لزوم الوقف أو عدم لزومه، الإمام أبو حنيفة لم يقل بعدم جواز الوقف، قد نسبوا إلى الإمام أبي حنيفة أنه قائل بعدم جواز الوقف ولكن هذا ليس بصحيح، الصحيح أنه قائل بجواز الوقف ولكنه يقول إن الوقف لا يلزم بل يمكن أن يرجع الواقف من الوقف، فالاختلاف فيما بينهم في مسئلة لزوم الوقف وعدم لزومه لا في جواز الوقف أو عدم جوازه هذا ما قلت، الآن ماذا تقول۔ میں نے حنفی مسلک میں نہیں کہا۔

أنت تعرف يا شيخ أن الإمام أبا حنيفةؒ إذا قال بقول، وقال أبو يوسف ومحمد بقول آخر، وقولهما أيضا جزء من مسئلة الأحناف، لأن كل ما نسب إلى هذين الإمامين الصاحبين كأنه قول للإمام أبي حنيفة رحمه الله تعالى، فاختار أحدهما هذا وآخرهما هذا، كما نسب إلى الإمام الشافعيؒ أن هذا قول قديم وهذا قول جديد وهذا في مصر وهذا في بغداد، كلها أقوال للإمام الشافعي، وكذلك اختاره أبو يوسف أو محمد أو زفر أو فلان أو فلان، كلها أقوال للإمام أبي حنيفة رحمه الله، اختاره أحد من تلامذته۔

مولانا شیر علی صاحب:

اگر وقف لازم نہیں ہے تو وقف کا مقصد کیا رہا؟

قاضی صاحب:

میں نے یہ کچھ نہیں کہا، میں نے تو کہا کہ خود حنفیہ کے یہاں مفتی بہ قول یہی ہے کہ وقف لازم ہوگا، یہ امام ابو یوسف کا قول ہے، امام محمد کا قول ہے، لزوم وقف کا قول مفتی بہ ہے احناف کے یہاں، اور پوری کتاب الوقف اسی پر مرتب ہے۔

کیا آپ کے علم میں یہ ہے کہ امام ابوحنیفہ کا ایک معروف قول عدم لزوم وقف کا ہے۔

مسلمانوں کے تمام مذہبی، اور سیاسی جماعتوں اور......دیگر پروگراموں کا یہ لازمی حصہ ہیں، خلاصہ یہ کہ فروخت اور منتقلی کے بجائے ملت اسلامیہ ہند یہ اس کی حفاظت پر کمر بستہ ہو، اس عمل میں امکانی کچھ اوقاف کا ضائع ہو جانا اس کے مقابلہ میں بہتر معلوم ہوتا ہے کہ عمومی خرید وفروخت کے ذریعہ بڑے پیمانے پر ان کے ضیاع کا خطرہ مول لیا جائے، میری اس رائے کا کوئی تذکرہ نہیں کیا گیا، میں سمجھتا ہوں کہ اس رائے سے اختلاف ہو سکتا ہے، اس کو مرجوح قرار دیا جا سکتا ہے، لیکن وقف کے سلسلہ میں یہ رائے ظاہر کی جانی ضروری تھی۔

اس تلخیص کے نامکمل ہونے کی ایک دوسری مثال آگے دیکھیں کہ سوال نمبر ۲ ہے کہ کیا مسجد پر وقف اراضی میں جو فی الحال مسجد کی ضروریات سے زائد ہے، مسلمانوں کے لئے دینی یا عصری تعلیم کا ادارہ قائم کیا جا سکتا ہے، اس کے سلسلہ میں تمام رائے وہ نقل کی گئی ہیں جو جواب کی رائے ہے اس کی تلخیص کے اندر، خاکسار کی رائے جو اس سلسلہ میں ہے اس میں یہ لکھا ہے کہ مسجد پر وقف اراضی میں مسلمانوں کے دینی یا عصری تعلیم کا ادارہ قائم نہیں کیا جا سکتا الا یہ کہ واقف کی طرف سے وقف نامہ میں اس کی صراحت ہو تو اس کی گنجائش نکل سکتی ہے، یہ میں صرف مثال دے رہا ہوں کہ اس رائے کا کوئی تذکرہ اس کے اندر نہیں ہے، اس وقت صورت حال یہ ہے کہ تمام آبادیوں میں مسجدوں میں جگہیں کم پڑ رہی ہیں، جو مسجدیں ہیں وہ چھوٹی ہو رہی ہیں ان کو توسیع کرنے کا مسئلہ ہے، اب سوال یہ ہے کہ اگر دو ایکڑ زمین کہیں موجود ہے اور اس وقت وہ مسجد چھوٹی بنی ہوئی ہے، اور اس مسجد کے بجائے اس پر مدرسہ یا عصری ادارہ کے جواز کی بات اس میں کہی گئی ہے، کوئی کالج کھول دیا جائے، کچھ کر دیا جائے، اور بیس سال کے بعد اس مسجد کی توسیع کا مسئلہ ہمارے سامنے آئے تو زمین ہمارے پاس نہ ہو یہ بڑی خطرناک بات ہے، تو اس میں علماء کی جو رائے ہو اس پر اتفاق ہو سکتا ہے یا یہ کہ کثرت رائے پر فیصلہ ہو سکتا ہے، لیکن خاکسار کی رائے یہ تھی کہ مسجد کے لئے وقف کردہ زمین میں کوئی ادارہ نہ مدرسہ قائم کرنا جائز ہے، اور عصری ادارہ کا تو کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ہے لیکن اس میں اس رائے کا بھی کوئی تذکرہ نہیں ہے، تو یہ عرض ہے کہ تلخیصات ذرا مکمل ہوں اور اس سے اس کو مربوط کیا جائے۔

مولانا عبید اللہ اسعدی صاحب:

تلخیص کے سلسلہ میں ایک عرض یہ ہے کہ سوال نامہ ہمارا جاری ہوتا ہے سیمینار سے کم از کم چھ سات مہینے پہلے اور اس بیچ میں اس کی ایک تاریخ متعین کی جاتی ہے سیمینار کی تاریخ سے کم سے کم دو ڈھائی تین مہینے پہلے جب مقالے مانگے جاتے ہیں اور بار بار یاد دہانی کرائی جاتی ہے۔ اور آخری تاریخ کے بعد پھر آگے مہلت دی جاتی ہے اور پھر یاد دہانی کرائی جاتی ہے، اور پھر اس کے بعد سیمینار سے تقریباً ڈیڑھ مہینہ پہلے یا دو مہینہ پہلے ایک نشست ہوتی ہے، اس وقت تک جتنے مقالات موصول ہوئے ہوں ان کو سامنے رکھتے ہوئے عرض کی ذمہ داری دی جاتی ہے اور اسی کے مطابق تلخیص ہو جاتی ہے، اس سے پہلے بھی سیمینار میں گذارش کی جا چکی ہے اور اکیڈمی کی طرف سے بار بار خطوط جاتے ہیں لیکن بہت سے حضرات اب جب سیمینار میں تشریف لاتے ہیں یا دو چار چھ دن پہلے اپنا مقالہ پہنچاتے ہیں تو ان کی آراء سے تلخیص میں یا عرض جو مرتب کیا جاتا ہے اس میں کسی طرح کا استفادہ نہیں ہو سکتا ہے اور پھر مجبوری ہوتی

ہے، وہ رائے نہیں آسکتی، ممکن ہے اشاعت میں وہ شامل ہو جائے لیکن اس موقع پر اس کا ذکر مجبوری ہوتی ہے، اور ہم پہلے بھی گذارش کرتے رہے ہیں اور اب بھی گذارش کرتے ہیں کہ ہمارے احباب مندوبین جو دلچسپی رکھتے ہیں، جو اب بھی لکھتے ہیں شرکت بھی فرماتے ہیں، ان سے گذارش کی جاتی ہے کہ کم سے کم اپنا قلمی تعاون اکیڈمی کو جیسے اور تعاون حاصل ہے اس طور پر دیں کہ جو وقت مقرر کیا جاتا ہے اس میں اپنی رائے جو کچھ بھی ہو اللہ جو دل میں ڈالے جو ان کا انشراح ہو کوئی پابندی تو ہوتی نہیں ہے وہ لکھ کر بھیج دیں، اچھا خاصا وقفہ ہوتا ہے تاکہ استفادہ اس سے اچھی طرح کیا جاسکے، اور یہ بدمزگی نہ پیدا ہو اور یہ خیال نہ پیدا ہو کہ میری رائے نہیں ذکر کی گئی، یہ ایک سوال نہیں ہے، اور بھی لوگ کہتے اور پوچھتے ہیں لیکن جب وقت پر مقالے نہیں آتے تو پھر وہ صحیح کام نہیں ہو پاتا، جن حضرات کے سپرد عرض کیا گیا ہے ان کے مقالے جو وقت پر آئے اور جو مقالات موجود تھے اکیڈمی نے اچھے خاصے اخراجات کے ساتھ سارے مقالے جس موضوع کا عرض جس کے پاس ہے ان سب کو پہونچائے، انہوں نے وقت لگائے اور مرتب کیا، اس لئے مولانا سلطان صاحب یا جو حضرات ہیں ان سے معذرت کے ساتھ ہم پھر گذارش کرتے ہیں کہ ہمارے جو سوال نامے جاری ہوتے ہیں ان کے جوابات وقت پر پہونچانے کی کوشش کیجئے تاکہ آپ بھی صحیح طور پر مستفید ہو سکیں اور ہم بھی مستفید ہو سکیں۔

اور جہاں تک سوال ہے اس کا ویسے تو ابھی گفتگو چل رہی ہے کہ فاضل زمین میں کیا اقدامات کئے جائیں، بات صحیح ہے، اس سوال نامہ میں بھی ایک سوال ہے کہ مسجدیں تنگ ہو رہی ہیں، قبرستان ادھر ادھر ہے تو کیا کریں، جہاں ایک طرف بڑی آبادی والے شہروں میں یا جہاں بہت تیزی سے آبادی بڑھ رہی ہے ترقی ہو رہی ہے، یہ صورت حال ہے کہ پانچ سال کے بعد دس سال کے بعد جو موجودہ مسجد ہے وہ تنگ ہو جاتی ہے، وہ منزل یا تین منزل بنائی جاتی ہے یا بڑھائی جاتی ہے وہاں تو یقیناً یہ بات نہیں سوچی جاسکتی نہ وہاں کے لئے یہ سوال ہے، سوال بہت ہی ایسی جگہوں کے لئے ہے کہ جہاں اس انداز کی بڑی آبادی ہے اور نہ حالات کے اعتبار سے یہ تصور ہے کہ دس بیس پچیس سال میں اس طرح کی کوئی صورت پیش آئے گی، اور زمین بہت کافی ہو تو اس کو وقف کی نسبت سے نفع بخش بنانے کے لئے جو ضرورت درپیش ہے کیا اس طرح کی شکل اختیار کی جاسکتی ہے کہ زمین زائد پڑی رہے کسی طرح ہمارے کارآمد ہو اور واقف کو بھی کوئی خاطر خواہ فائدہ نہ پہونچ سکے تو اس طرح کی صورت اختیار کرلیں تو کس حد تک درست ہوگا، تو عرض ہو چکا ہے، اور گفتگو بھی آگے ہوگی۔

حکیم ظل الرحمن صاحب:

مقالات کی تلخیص جو ہمیں دی گئی ہے مطبوعہ اور جو عبارت پڑھی گئی ہے اس میں بہت اختلاف ہے......

مولانا عبید اللہ اسعدی صاحب:

بیسن لیس کہ رات میں جو کچھ پڑھا گیا یا ابھی جو کچھ پڑھا گیا وہ تلخیص نہیں وہ عرض ہے، اس میں نوعیت بدل جاتی ہے، اگر یہ بات ہو کہ ہم نے رائے پیش کی تھی، فلاں تاریخ تک مقالہ پہونچا دیا تھا اور وہ رائے نہیں آئی، اور

فرا دکا نام لینا بھی ضروری نہیں ہے، وہ نہیں فراہم کیا جاتا وہ محدود رہتا ہے۔

مفتی فضیل الرحمٰن صاحب:

مجھے یہ عرض کرنا ہے کہ بحث کے آغاز سے پہلے اوقاف کے تعلق سے ہمارے جتنے سوالات ہیں اوران کے جوابات ہیں ان میں زیادہ تر ایسے سوال وجواب ہیں کہ ان کا تعلق بھی قاضی کی اجازت سے ہے، امارت شرعیہ بہار سے معاملہ کو الگ رکھ کے کہ وہاں کی صورت حال پورے ملک سے مختلف ہے، ملک کے جو دوسرے علاقے ہیں خاص طور پر پنجاب، ہریانہ، یا ہماچل پردیش وغیرہ کے علاقے اور وہاں ہمیں قاضی کی یا شرعی کمیٹی کی اس طرح کی سہولتیں حاصل نہیں ہیں تو وہاں کے بارے میں کوئی رائے قائم کی جائے اور کوئی تجویز رکھی جائے کہ قاضی کا بدل کیا ہوگا تاکہ ہم آگے جتنے بھی سوالات کے جوابات باذن القاضی ہیں....... بحث بھی ہوجائے گی جواب بھی آجائے گا کہ وہاں قاضی کی اجازت سے ایسا ہوسکتا ہے، اور قاضی ہے نہیں اور اجازت اس سے کیسے لی جائے تو وہ ہماری ساری بحثیں ایک نظری بحث ہوجائے گی عملی بحث نہیں بنے گی۔

قاضی صاحب:

یہ بڑا بنیادی اور اہم مسئلہ ہے جس کی طرف مولانا فضیل الرحمٰن ہلال عثمانی صاحب نے توجہ دلائی ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ یہ وہ مسئلہ ہے جس کی طرف ہمارے اکابر علماء نے اولین زمانہ سے توجہ دی، آپ یہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ ایک وقت ایسا آیا تھا کہ وہ تمام احکام شرعیہ جن کا تعلق قضاء قاضی سے ہے، جب ہندوستان میں مغلوں کا زوال ہوا اور انگریزوں کا اقتدار آیا تو آہستہ آہستہ نظام قضاء ختم ہوگیا، اور حقیقت یہ ہے کہ اسلامی زندگی کے لئے نظام قضاء ریڑھ کی ہڈی کا درجہ رکھتا ہے، اس لئے کہ بہ یقوم العدل والمسلم یحتاج فی حیاته فی کل الآن إلی نظام القضاء الإسلامی، عدة من القضایا والمسائل فی حیاة المسلم لا یمکن أن تطبق إلا أن یکون هناك قاضي، فلذلك قد أفتی العلماء أن فی بلاد تغلب علیها الكفار یجب علی المسلمین أن یتفقوا علی واحد منهم یولّی قاضیا أو یکون هو الذی یقضی بینهم.

هناك قضایا لا نستطیع أن ننفذ أحکام الشریعة فیها بسبب فقدان الولایة الکاملة أو القوة القاهرة کما فی الحدود والقصاص لا یمکن لنا فیها تطبیق أحکام الشریعة، ولکن فی قضایا یمکن تطبیق أحکام الشریعة فیها علی المسلمین بتراضیهم فی مثل هذه القضایا یجب علی کل مسلم أن یفعل ما یستطیع ویرجو من الله تعالی أن یعطیه الاستطاعة فیما لا یستطیع، هذا ما کتب الشیخ أبو المحاسن محمد سجاد؟ ما نستطیع الآن یجب علینا أن نتعامل به وما لا نستطیع، نرجو أن الله سبحانه وتعالی سیوفقنا ویسهل لنا طریق تنفیذ الأحکام الشرعیة وتطبیق الشریعة الإسلامیة، ولذلك قد کتب الفقهاء أن القاضی یصیر قاضیا بتراضی المسلمین، وهذا ما أفتی به الشیخ عبد العزیز المحدث الدهلوی بعد أن تسلط علینا الانجلیز، هذا هو الأمر الأول والأساسی فی الهند ولذلك قررت جمعیة

علماء الهند من في صحيفة علماء الهند على تأسيس الإمارة وتفويض منصب القضاء لأحد منهم

....

تعرفون أيها السادة الأماجد أن بعضهم قد أفتوا في زمان قديم أن المسلمة إذا صارت مظلومة من جانب زوجها فلها ـ العياذ بالله ـ أن ترتد، ولذلك أفتى الشيخ أشرف علي التهانوي أن مرتدة المرأة لا يستفسخ نكاحها هذا أسف كبير، ولكن علماءنا ولله الحمد من وجهة نظر الإمارة الشرعية أو الجماعة العادلة من المسلمين قد خرجوا من هذه القضية و أسسوا الإمارة الشرعية في بهار و أريسة، فالآن لو نحتاج إلى نظام القضاء الشرعي، فعلينا أولا أن نتفق في كل ولاية على أمير منا و حدود صنعه ما هو مستطاع في هذا الزمان في هذه الحكومة العلمانية، وما هو خارج من الاستطاعة لسنا بمكلفين، نحتاج إلى القضاء في قضية فسخ النكاح بسبب أن الزوج مفقود أو أنه مريض مرضا يضر بالمرأة أو لا ينفق عليها أو هو معسر أو هو ظالم أو هو متعسف ومثل ذلك من الوجوه والأسباب لفسخ الزواج، كذلك نحتاج في أمور الأوقاف إلى نظام القضاء الإسلامي، ونظرا إلى هذه الحاجة الماسة قررت هيئة الأحوال الشخصية لعموم الهند (مسلم برسنل لاء بورد) في دورتها المنعقدة في جيفور تأسيس نظام القضاء الشرعي في جميع بلدان الهند، والحمد لله قد بدأ العمل على هذا ويكون فيها مثل كل تربية القضاة و تدريب القضاة، وكل من يعد أهلا للقضاء يفوض إليه القضاء، قضية الأوقاف نحتاج فيها أيضا إلى القضاء فعلينا أولا أن نحاول ونجتهد في جميع بلدان الهند أن نؤسس الإمارة الشرعية. ومن سوء حظنا إذا لم نتفق على أحد منا كأمير فعلينا نحن جماعة المسلمين أن نفوض القضاء إلى أحد من العلماء، فهذا هو الحل ...... لأن القضاء أصلا مصدره جماعة المسلمين، والأمير والخليفة نائب عن جماعة المسلمين، فإذا فقد الأمير فقد رجع الاختيار إلى جماعة المسلمين فيجوز لجماعة المسلمين أن يفوضوا القضاء لأحد من العلماء، إذا لم يكن الأمير فيمكن لنا أن نحل مشاكلنا بأنفسنا وهو الذي يقضي بيننا.

أيها السادة إن القضاء هو الحكم، حقيقة القضاء هو الحكم بما أنزل الله فيما تنازع فيه المسلمون، فيما يتخاصم به المسلمون، هذا هو الحكم ... .

أما الإلزام الحسي فهو خارج عن حقيقة الحكم كما صرح به القرافي وغيره من العلماء الأسلاف، والعلامة الطرابلسي قاضي القدس الشريف في معين الحكام قد صرح بهذا أن الإلزام الحسي ليس داخل في حقيقة الحكم، والإلزام الحسي ليس بداخل فيها، وكذلك حكم الأوقاف، أعرف أن بعضا من المسلمين يخرجون من أحكام الشريعة ويذهبون إلى المحاكم الرسمية، ولكن مع هذا نعرف أن عامة المسلمين الآن في الهند مع جميع هذه الضلالات، المسلم لا يرضى بحكم غير إسلامي الآن

أيضا، تعتمد على إيمانهم، وأنهم يذهبون إلى القضاء الشرعي الإسلامي، لأنهم قد رضوا بالإسلام وقد رضوا بما قضى الله و رسوله كما ورد في القرآن: "فردّوه إلى الله والرسول إن كنتم تؤمنون بالله واليوم الآخر ذلك خير وأحسن تاويلا" فعلينا أولا إذا اتفقتم على هذا أن نقول في قرارات هذه الندوة أنه في كل بلد يجب على المسلمين أن يفوضوا القضاء إلى أحد من العلماء الذين هم عارفون بأحكام الشريعة وفيهم ورع وفيهم تقوى، ولكن نقول هنا أنه مرة سأل سائل سيدنا علي رضي الله عنه: ما كان في زمن أبي بكر و زمن عمر- رضي الله عنهما- أي خصومة، الآن ماذا حدث في زمنك وفي زمن عثمان أن قد تغيرت الأحوال، فقال سيدنا علي- كرم الله وجهه- حينما كان أبوبكر و عمر خليفة للمسلمين كنا نحنه أمة واحدة نطيعه، الآن نحن الأمراء وأنتم الأمة و هذا التغير بسبب تغير أحوال الأمة لا بسبب تغيره، فعلينا ان نتنزل مثل هذا التنزل في شرائط القضاء وأهلية القضاء، تتنزل حسب ما يمكن و حسب الزمان، لا يمكن أن نطلب مثل القاضي شريح و مثل فلان و فلان و قاضي أياس ابن معاوية، الآن يمكن أن يكون فينا قضاة مثلكم أيها العلماء، والله يبارك فينا و يجعل لنا مخرجا "لعل الله يحدث بعد ذلك أمرا" إن شاء الله، فعلينا يمكن أن يكون في التوصية أن المسلمين يجب عليهم أن يفوضوا القضاء لأحد من العلماء، مثل ما يمكن و مثل ما نجد في هذه الأحوال۔

و بعد ذلك إن لم يمكن و إلى وقت لا يمكن تفويض القضاء فهذا أحسن أن نجعل في كل بلد جماعة و لجنة للأوقاف مشتملة على العلماء الذين يعرفون أحكام الأوقاف، لأن كل عالم لا يعرف أحكام الأوقاف أيضا، لأن عندهم كل السؤال عن الصلاة والزكوة أو الطهارة، ولا يعرفون المعاملات، وإذا لم يطلع العلماء بهذه المسائل و القضايا فكيف يعرفون أحكامها، فعلينا أن نوصي في توصياتنا أولاً ما هو مطلوب في الشرع هو إقامة الامارة أو تأسيس القضاء الشرعي الإسلامي، وبعد ذلك إن لم يمكن هذا و آخر الاحوال..... أن يكون هنا لجنة للعلماء الذين يعرفون أحكام الأوقاف فيكون هو أحسن..

میں امید کرتا ہوں کہ ہمارے مولانا فضیل الرحمن صاحب کے اس اہم ترین سوال کے جواب میں ہمارا یہ مجمع الفقہ الاسلامی اس بات کو قبول کرے گا کہ اصل صورت تو یہ ہے کہ ہم شرعی امارت قائم کریں جیسا کہ ہمارے بزرگوں نے فتوی دیا تھا، وہ ممکن نہ ہو تو جماعت مسلمین اور علماء کے اتفاق سے ہم کسی کو قاضی مقرر کریں، اور اگر وہ بھی ناممکن ہے کہیں، ایسا نہیں کہ جو آسان ممکن ہو اس کے لئے ہم اس مشکل کو اختیار نہ کریں، ایسا جہ ہو تا میں ایک ایسی کمیٹی بنائیں ایک کونسل بنائیں جس کونسل میں ایسے متبحر علماء موجود ہوں جو مسائل اوقاف سے واقف ہوں.....

مولانا فضیل الرحمن صاحب:

قاضی صاحب نے بہت اچھی بات فرمائی ہے، عرض یہ ہے کہ ہمارے یہاں وقف بورڈ کا ایک مستقل

قانون ہے، ہم اپنے طور سے کوئی بجٹ بنالیں، امارت شرعیہ بنالیں یا قاضی بنالیں تو کوئی ضروری نہیں ہے کہ وقف بورڈ ہماری ان باتوں کا یا ان فیصلوں کا پابند ہو، اس لئے اس وقت چونکہ مسئلہ وقف کا ہے، تو ہم اس پہلو سے سوچ سکتے ہیں کہ ہم ہندوستان کے جتنے اوقاف ہیں ان کے وقف بورڈ سے یہ کہیں کہ آپ اپنے یہاں ایک دفعہ قاضی کے تقرر کا بھی رکھیں اور اپنے یہاں قاضی مقرر کیجئے، جہاں جہاں وقف کے قانون کے لئے قاضی کی اجازت کی ضرورت پڑے اور مسائل وقف کے بارے میں سوالات کی ضرورت پڑے تو وہ قاضی آپ کی رہبری کرے گا اور وہ فیصلہ کرے گا، تو خود وقف بورڈ ہی اپنے امور کے لئے بھی اور مسلمانوں کے دیگر امور کے لئے بھی قاضی کا تقرر کرے، اور یہ میں آپ کی معلومات کے لئے عرض کردوں کہ تقریبا ہر دوسرے تیسرے سال مرکزی حکومت کی طرف سے وقف بورڈ کے پاس مراسلہ آتا ہے کہ آپ کے یہاں کوئی قاضی ہے یا نہیں اور وہ مراسلہ کئی بار میرے پاس بھی وقف بورڈ نے بھیجا تو ہم نے ان کو لکھ دیا کہ ہمارے یہاں تو باقاعدہ کوئی قاضی نہیں ہے، تو ایسا لگتا ہے کہ کسی مرحلہ میں کوئی ایسی بات آئی ہوگی وہ قانون بنا ہوگا یا کوئی تجویز آئی ہوگی اور وہی حکومت کے کاغذات میں بار بار اس کے سلسلہ میں خط وکتابت ہو جاتی ہے، تو اگر ہماری یہ اکیڈمی اس بات کا مشورہ دے اور مطالبہ کرے کہ وقف بورڈ اپنی طرف سے وقف کے امور کے لئے اور مسلمانوں کے دیگر امور کے لئے بھی ساتھ میں، لیکن اصل تقرر ان کا وقف کے امور کے لئے ہوگا، خود قاضی کا تقرر کرے تاکہ وہ اس کا پابند رہے۔

قاضی صاحب:

بہت اچھی بات ہے یہ، لیکن جو دشواریاں ہیں وہ آپ جانتے ہیں کہ سرکار کے مقرر کئے ہوئے قاضی پر مسلمان اعتبار نہیں کریں گے، یہ ایک سچائی ہے اور یہ بہت بڑی سچائی ہے، آپ جانتے ہیں کہ آج جتنے وقف بورڈ بن رہے ہیں وہ سرکار (Oblige) کرنا چاہتی ہے، اور مجھے کہنے میں کوئی عذر نہیں ہے کہ جتنے قسم کے وہ بورڈ جس سے بڑے بڑے مالی منافع ہو سکتے ہیں وہاں پر مسلمانوں کو مقرر نہیں کیا جاتا ہے، اب مسلمان ورکر کو خوش کرنے کے لئے کیا چاہئے؟ تو ج کمیٹی ہے، وقف بورڈ ہے، مدرسہ بورڈ ہے، اور یہاں پر ان ہی لوگوں کو مقرر کیا جاتا ہے جو دراصل سیاسی لوگ ہیں اور جن کو پارٹیاں خوش کرنا چاہتی ہیں، ۱۹۶۷ء سے یہ مسئلہ چلا آرہا ہے، تو بسبب اہلیت وقف بورڈ کی رکنیت نہیں ملتی بلکہ سرکار کی وفاداری کے حساب سے ملتی ہے، میں سمجھتا ہوں کہ نظام قضاء ان کے حوالہ کرنا بہت بڑی غلطی ہوگی۔

ہاں اب جو رجحان چلا ہے، اس میں ہم لوگوں نے بہت کوشش کی ہے کہ آہستہ آہستہ وقف بورڈ کو جمہوری کروا دیا جائے، اور اس میں کچھ نشستیں انتخاب کے ذریعہ آئیں، تو جس طرح بار کونسل آف انڈیا ہے یا بار کونسل آف اسٹیٹ ہوا کرتی ہے وہ اپنے میں سے کسی مسلمان وکیل کو مقرر کرے گی، ارکان پارلیمنٹ کی نمائندگی اور ارکان اسمبلی کی نمائندگی وہاں اسپیکر کے ذریعہ طے ہوتی ہے، یہ اختیار نہیں دیا گیا کہ کم از کم مسلم ارکان ہی مل کر اپنے میں سے کسی کو منتخب کرتے، تو یہ کام تو آل انڈیا ملی کونسل یا جمعیۃ علماء ہند یا اس طرح کے اداروں کے لئے چھوڑ دیجئے، ہمارا کام علمی اور

ضروری ہے کہ وہ اس بات کے لئے کوشاں ہوں کہ علماء کو اس بات کا اختیار دیا جائے کہ وہ اپنے علماء کو مقرر کرنے کے مجاز
ہوں جن کو حکومت وقف بورڈ کا رکن مانے۔ اور دوسری بات اس کا اضافہ کیا جائے کہ چونکہ اس کا تعلق مسلم پرسنل لا سے
ہے، اور ۱۹۳۷ء کے شریعت اپلیکیشن ایکٹ کے مطابق وقف بھی مسلم پرسنل لا میں آتا ہے جس میں مسلمان
Govern ہوں گے اسلامی شریعت سے، نہ کہ کسی کسٹم اور عرف یا اور کسی قانون سے۔ اس لئے اس میں یہ بات بھی
جائے کہ وہ تمام مسائل جن کا تعلق شرعی احکام سے ہوگا انہیں ارکان کے فیصلے اور ان کی رائے کے مطابق وقف بورڈ کو
فیصلہ کرنا چاہئے، میں جانتا ہوں کہ اس میں مشکلات ہیں لیکن یہ کوشش کی جانی چاہئے، میں سمجھتا ہوں کہ وہ ادارے
جو ایسے موقعوں پر ہماری نمائندگی کرتے ہیں ہندوستان کی حکومت کے سامنے، اور خوش قسمتی ہے کہ رحمن خان صاحب
یہاں تشریف فرما ہیں ممبر پارلیمنٹ بھی ہیں اور ملی درد رکھتے ہیں، اور خاص کر اوقاف کے مسائل سے ان کی خاص
دلچسپی ہے، میں سمجھتا ہوں کہ ان کو بھی ایک لیکچر مختصر کرانا تھا ان حضرات کی مدد سے ان نکات پر آہستہ آہستہ عمل کیا جا
سکتا ہے، اور قبل اس کے کہ میں اور لوگوں کو تکلیف دوں میں چاہوں گا کہ پانچ منٹ میں جناب عبدالرحیم قریشی
صاحب اس موضوع پر روشنی ڈالیں۔

جناب عبدالرحیم قریشی صاحب:

محترم حضرات! جہاں تک قاضی کے مسئلہ کا تعلق ہے اور جو تفصیل جناب مفتی فضیل الرحمن صاحب نے
پیش فرمائی ہے اس تعلق سے یہ عرض کروں گا کہ...... جس طرح قاضی صاحب نے فرمایا کہ اگر ہم وقف بورڈ کو یہ
اختیار دیتے ہیں تو اس میں بڑی خرابی ہے کیونکہ وقف بورڈ میں جیسے لوگ آتے ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ وہ ایسے شخص کو
حاکم بنادے جس کے ذریعہ وہ جیسے چاہے کرے فیصلہ کیا کرے فتوی لکھا کرے...... اب ہماری کوشش یہ ہے جیسا
کہ قاضی صاحب نے کہا کہ ہم نے وقف بورڈ میں جمہوری انداز میں مسلمانوں کی نمائندگی کے لئے کوشش کی ہے۔
(ٹیپ ریکارڈر میں آواز صاف نہیں ہے)

شیخ خالد مذکور عبد الله المذکور:

بسم الله والحمد لله والصلاة والسلام على أشرف خلق الله، أما بعد:

فقد بحثت الأوراق وهذه البحوث فيما عرض من موضوع الوقف عند قضيتا تواجه المسلمين في الهند.

أما القضية الأولى فهي متعلقة بالأمور الفقهية والاجتهادات التي اختلف فيها الفقهاء
بالنسبة للزوم الوقف أو عدم لزومه، وبالنسبة لاستبدال الوقف أو عدم استبداله، وهذه الأمور بحمد
الله فيها سعة، وما دام الأمر في نطاق الاجتهاد كل يستند إلى دليل وكل يستند إلى وجهة نظر فلا بأس
بأن يؤخذ من هذه الأقوال الأحسن والأنسب والأصلح عند إخواننا المسلمين في الهند.

أما بالنسبة للقضية الثانية وهي ما يتعلق باستغلال الوقف بالنسبة لأن يكون بحكم القاضي
الذي يعرفه من المنازعة حسب ما ترجم لي أن هناك قانونا ذكره الشيخ مجاهد الإسلام القاسمي يتعلق

بالوقف للمسلمين و أن هذا القانون المطوق يهدم أوقاف المسلمين لا أدري ما هو الإشكال الذي كان في عدم تطبيق هذا القانون أو في عدم النصوص التي تثبت هذا الحق للمسلمين.

أما الاقتراح الذي تفضل به الشيخ مجاهد الإسلام القاسمي حول أن تكون لكل ولاية من ولايات الهند ظروفها، وانه يجب أن تتشكل هناك لجنة أو يكون هناك قاضي يُتفق أو من القضاة المتفقهين في الدين من أصحاب الورع و التقوى، فهذا اقتراح جيد حتى ترجع الأمور إليهم في مسائل القضايا للوقف الموجود.

أما بالنسبة للمقابر و المساجد و ما يتعلق بها فهي باقية يعني الراجح فيها انها يعني لا تستبدل وانما تبقى و تكون للمسلمين سواء كانت على الحدود التي بين الهند و باكستان عندما انقسمت الهند إلى قسمين أو باقية الولايات الهندية الموجودة، فالمقبرة مادام هناك مكان للدفن فيها فهي تسوى و تستعمل سواء سويت من قبل الولاية أو من غير أهل الولاية و كذلك المساجد.

و أما مسائل الأراضي الزراعيه...... كما قلت انها مسائل اجتهادية و المسائل الاجتهادية فيها سعة إن شاء الله، لكن مسئلة هنا في القاضي الذي يحكم وفق شريعة الله سبحانه و تعالى و أن يُضمن هذا إما بنص قانوني إن كان القانون مستقرا إلى اجتهاد الموضوع أو بانتخاب أو بتعليم هذا القاضي الشرعي الذي يكون في هذه الشروط الشرعية من قبل لجنة أو من قبل فقهاء و علماء هذه الولاية فجزاكم الله خيرا.

قاضی صاحب:

یہ بھی بحث ہی کا ایک حصہ ہے، اور جیسے مجھے اور آپ کو اختیار ہے بحث کرنے کا باہر سے آنے والے مہمانوں کو بھی بحث کا حق پہنچتا ہے اور ہمارے لئے خوشی کی بات ہے کہ ہم نے ان کی رائے بھی جان لی۔

جو مسئلہ زیر بحث ہے میں سمجھتا ہوں کہ مرتب طریقہ پر جن امور پر ہمارا اتفاق ہے ان میں بحث کی ضرورت شاید باقی نہیں رہی۔

تو پہلا سوال یہ ہے کہ بہت سے علاقے ایسے ہیں جہاں بدقسمتی سے مسلمان باقی نہیں رہے اور وہاں پر جو مشکل ہے وہ آپ جانتے ہیں، لیکن یہ بھی بڑی خوش قسمتی اور سعادت کی بات ہے کہ پنجاب جیسے علاقہ میں جہاں سوچا بھی نہیں جا سکتا تھا کہ وہاں پھر بھی مسلمان آسکیں گے، اللہ کا شکر ہے کہ مزدوری کیوں نہ ہوں لیکن بڑی اچھی خاصی تعداد میں وہاں پر مسلمان تیزی کے ساتھ آتے جا رہے ہیں، ہمارے بہت ہی بزرگ دوست مولانا فضیل الرحمن ہلال عثمانی صاحب روزانہ اس سے دوچار ہیں، اور یہ خوشی کی بات ہے کہ بہت سی مسجدیں جو غیروں کے قبضہ میں جا چکی تھیں وہ آہستہ آہستہ ہماری طرف لوٹ کر آرہی ہیں اور مسجدیں آباد بھی ہو رہی ہیں، اور ہم اپنے ان بزرگوں کے فقہی ژرف نگاہی کا اعتراف کرتے ہیں کہ جنہوں نے کہا تھا کہ مسجدوں کو بدلنا مت آج اگر چہ وہ ویران ہو چکی ہیں۔ وان کان

اليوم خربانا و لكن يمكن ان يجتمع المسلمون حوله و بعد ذلك نجد فيها مصليا أو ذاكرا۔   تو الحمد للہ ایسے واقعات پیدا ہورہے ہیں۔

اب رہا تعلق کہ مساجد سے متعلق اوقاف ہیں یا بڑے بڑے قبرستان ہیں یا دیگر رفاہی مقاصد کے لئے قائم کئے جانے والے اوقاف ہیں اب آبادی نہیں رہی، یا غیروں کا قبضہ غالب اندیشہ ہے کہ وہاں پر ہو جائے گا بلکہ ہو چکا ہے اور ہورہا ہے، ایسے اوقاف کے بارے میں یہ سوال ہے کہ هل يجوز ان نستبدل هذه الأوقاف أي نبيعها ونشتري بثمنها وقفاً آخر، فهذا متفق عليه بين الفقهاء وأنها أنا إذا نستبدل شيئا من الأوقاف ونشتري منه أرضا أخرى فيكون هذا البدل محل المبدل منه ويكون وقفا كما كان الأول وقفاً فيصرف دخله وتصرف محاصله على ما صرح به الواقف في الوقف الأول، فنرجو من جميع العلماء ان الوقف إذا صار خربانا لا يمكن ان يستعمل وليس له دخل وفيه خطر قوي للتغلب من غير المستحقين لا أقول من غير المسلمين بل غير المستحقين لانا نحن المسلمين كما تعرفون قد تغلبنا الأوقاف وجعلناها أملاكا شخصية ذاتية، وهذه جريمة كبيرة منا فإذا كان منا خوف على أنهم يتغلبون ويتصرفون في هذه الأوقاف كتصرف الملك الشخصي فهل يجوز أن يباع و يشترى أرض أخرى وتصرف محاصله على ما صرح به الواقف في الوقف الأول۔

کیا یہ ہمارے لئے جائز ہے کہ ایسے ویران اوقاف جن پر غیروں کے قبضہ کا خطرہ بھی ہے اور وہ آمدنی کے مواقع سے محروم بھی ہیں کیا ان کو فروخت کر کے دوسری زمین خرید لینا اور اس کو بھی انہیں مصارف کے لئے وقف سمجھنا اور وقف ماننا جن مصارف کے لئے پہلا وقف کیا گیا تھا تو کیا سارے علماء اس کے جواز سے متفق ہیں؟

جتنے جوابات اور مقالات آئے ہیں ان میں اس پر اتفاق ہے، میں امید کرتا ہوں کہ آپ سب حضرات اس پر اتفاق کا اظہار کریں گے تاکہ یہ مجمع علیہ مسئلہ لکھ دیا جائے کہ اگر وقف ویران ہے، وقف پر خطرہ ہے غیروں کے قبضہ کا، وقف کی نافعیت کو باقی رکھنے کے لئے ضروری ہے کہ اس وقف کو بدل دیا جائے اور اس کی جگہ ایک نئی اراضی حاصل کرلی جائے، اور جو مصرف پہلے وقف کا تھا اسی مصرف پر اس دوسرے وقف کی آمدنی بھی خرچ کی جائے تو کیا یہ جائز ہے؟ آپ لوگ اس پر رائے دیں، سب لوگوں کا اتفاق ہے؟ الحمد للہ۔

قاضی صاحب:

میں نے عرض کیا کہ یہ بہتر نہیں بلکہ ہمیشہ ایک وقف کو فروخت کر کے دوسری اراضی اور جائداد کو حاصل کیا جائے، ظاہر ہے کہ یہ اجازت اسی حالت میں دی جاسکتی ہے جب پورا پورا اطمینان ہو، آپ جو اصول طے کریں گے اور علماء جو فتوی اس پر دیں گے اور قضاۃ جو فیصلہ کریں گے اس پر، تو ان کو اس شرط کی پابندی کرنی پڑے گی، ایسا نہ ہو کہ وقف کی نافعیت کے سامنے ہم اصل وقف کی حفاظت کو بھول جائیں، ٹھیک ہے، چلئے کوئی اشکال نہیں۔

حکیم ظل الرحمٰن صاحب:

......آپ نے یہ فرمایا کہ وقف بورڈ کو قاضی کا بدل قرار نہیں دیا جاسکتا، اور دوسری طرف حکومت کا یہ قانون موجود ہے کہ وقف بورڈ کی منظوری کے بغیر وقف کی کوئی جائداد منتقل نہیں ہوسکتی، اور اس کا بھی ایک طریقہ کار ہے کہ آپ پہلے اس کی ایک پراپرٹی حاصل جو ہوتی ہے.... پہنچے سے تو پھر سوال یہ ہے کہ اس کے طریق کار کیا ہوں گے، پہلے اس کی پراپرٹی کیسی ہوتی ہے..........

قاضی صاحب:

طریق کار تو ہم سب جانتے ہیں، میں خود وقف بورڈ کا ممبر ہوں بہار کا۔ سے آپ تفصیل نہ بتائیں آپ کہنا کیا چاہتے ہیں دراصل وہ بتائیے۔

حکیم صاحب:

وقف بورڈ کو قاضی کا بدل نہیں مانا جا سکتا اور اس کی اجازت کے بغیر پراپرٹی فروخت نہیں ہوسکتی تو پھر آخر اس کا کیا مطلب ہے؟

قاضی صاحب:

موجودہ قانون میں وقف بورڈ کو قاضی کا بدل قرار دیا گیا ہے قانونی طور پر، ہماری کوشش یہ ہوگی جیسا کہ پہلے بات آچکی ہے کہ موجودہ حالات میں قانونی جبر جہاں پر ہے وہاں پر ہم کچھ نہیں کرسکتے لیکن کم از کم اگر دینی علماء جاکر کے وہاں پر بیٹھتے ہیں تو وہاں پر اوقاف میں حکم شرعی کی رعایت کریں گے، جس کا فیصلہ آپ کریں گے ان شاء اللہ۔

مولانا سلطان احمد اصلاحی صاحب:

اگر پنجاب اور ہریانہ کے اوقاف کو بہ حیثیت مجموعی ہم بیچنے کے جواز کے قائل ہوتے ہیں تو اس کی عملی صورت کیا ہوگی، یہ معاملہ کس کے ذریعہ حل ہوگا، بحیثیت اسلامی ہند میں، مسلمانوں میں کون قاضی یا کون ایسا ادارہ موجود ہے جس کے ذریعہ یہ معاملہ انجام پائے گا، اصل مسئلہ اس نزاکت کا ہے۔

قاضی صاحب:

اصل میں یہ مسئلہ نزاکت کا نہیں ہے، وقف بورڈ جو کر رہے ہیں وہ ہم سے فتویٰ بھی مانگنے کے محتاج نہیں ہیں، ان کے ذہن میں جو آرہا ہے وہ کر رہے ہیں، جہاں جہاں ہم لوگوں کے کچھ اختیارات چلتے ہیں ہم ان کو احکام شرعیہ کا پابند کرنے کی کوشش کرتے ہیں لیکن جہاں پر یہ ممکن نہیں ہے وہاں پر ان کے جو مطلب میں آرہا ہے وہ کر رہے ہیں، میں ایک بات اور یہ کہنا چاہتا ہوں کہ ہمارا بار بار کے باوجود یہ ماننا پڑے گا کہ اس وقت پنجاب وقف بورڈ ہندوستان کا سب سے مالدار وقف بورڈ ہے، ایک تو تجربہ کار لوگوں نے محنت اور کوشش بھی کی اور ان کو بھگا کے لوگ وقت پر ایڈمنسٹریٹر کی حیثیت سے مل گئے، اور دوسری وجہ یہ ہے کہ جہاں مصرف ختم ہو گیا وہاں تو آمدنی بچ گئی ہی، وہاں کے مصارف کوئی خرچ کرتا تو آمدنی کا بچنا ناممکن تھا، لیکن پھر بھی اس کے باوجود احکام شریعت ہیں جن کی آپ

وضاحت کریں گے، اپنی تمام ممکنہ قوتوں کے ساتھ ان کی تنفیذ کے لئے کوشش کرتے رہنا ہمارا فرض ہوگا، لیکن اس کے باوجود جہاں مجبوریاں ہیں وہاں مجبوریاں ہیں اللہ کے یہاں آپ بھی مکلف نہیں ہیں، لیکن کوشش کرنا ہمارا فرض ہے جیسا کہ خود بھی آپ نے اپنے مقالہ میں لکھا ہے جو آپ نے ابھی دکھلایا تھا کہ حالات کو جوں کا توں قبول کرنے کے بجائے حالات کی تبدیلی کے لئے ہم کو کوشش کرنا چاہئے، اور یہ مبارک بات ہے۔

مولانا عبدالعظیم اصلاحی صاحب:

استبدال وقف کے سلسلہ میں جو محترم مولانا قاضی مجاہد الاسلام صاحب نے ابھی اپنے فیصلے کا ذکر کیا کہ استبدال کے لئے یہ کرلینا چاہئے کہ وہ دست بدست ہو، یہ بہت اچھی چیز ہے، اور میرا خیال یہ ہے کہ ہم استبدال کی جو تجویز پاس کریں اس میں یہ ہونا چاہئے۔

اگر اس علمی مجلس میں زباں بندی نہیں ہے تو میں معذرت کے ساتھ مساجد کے سلسلہ میں کچھ باتیں عرض کرنا چاہوں گا۔

قاضی صاحب:

سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ یہاں زباں بندی کا سوال نہیں ہے لیکن جو مسئلہ مفروغ عنہا ہے اس کو زیر بحث لانا نہیں ہے۔

عبدالعظیم اصلاحی صاحب:

میں اپنے علم میں اضافہ کے لئے بس یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ مساجد کے سلسلہ میں محترم قاضی صاحب نے فرمایا کہ یہ مسئلہ عرب اور تمام علماء ہند کی موجودگی میں ان کے نزدیک متفق علیہ ہے کہ اس کا استبدال جائز نہیں ہے، یہاں میں یہ عرض کرنا چاہوں گا کہ علامہ ابن تیمیہ نے اپنے فتاویٰ میں کئی جگہ احمد بن حنبل کی روایت سے یہ لکھا ہے کہ حضرت ابوبکرؓ کے زمانے میں کوفی کی ایک مسجد تنگ پڑ گئی تھی تو اس کو امیر المومنین کی اجازت سے اس کے بدلے میں ایک دوسری مسجد بنادی گئی اور پہلی مسجد کھجوروں کا بازار بن گیا، خود اس عہد میں سرزمین حجاز میں ہم نے دیکھا ہے کہ شاہراہوں کی تعمیر یا توسیع کے سلسلے میں حائل کتنی مساجد بنادی گئیں، قاضی صاحب نے مسجد کے سلسلہ میں اتفاق کی رائے لکھی ہے، وہ ہندوستان کے موجودہ حالات کے پیش نظر ہو تو ٹھیک ہے لیکن اگر وہ مطلق رائے ہے تو امام احمد بن حنبل کی روایت اور عربوں کے نقطۂ نظر کے بارے میں خاص طور سے میں مہمان علماء اور عرب علماء سے جاننا چاہوں گا۔

قاضی صاحب:

نمبر ا۔ میں یہ سمجھتا ہوں کہ جو واقعات اور قصہ آپ دہرا رہے ہیں ان واقعات کی سندی حیثیت اور مختلف مسئلوں پر بحث کرنی پڑے گی۔

نمبر ۲۔ یہ ہے کہ ہو سکتا ہے کہ کوئی مسئلہ کسی عہد میں مختلف فیہ رہا ہو لیکن بعد کے علماء نے اس پر اتفاق رائے کرلیا ہو تو اس سے گریز نہیں ہونا چاہئے۔

نمبر۳۔ یہ کہ عرب ممالک کے بارے میں یہ تصور کہ وہ سراسر اور سو فیصد ان کا سارا عمل عین اسلام ہے، اور علماء ہند کے سامنے اس کو ایک تبع کی حیثیت سے اس کو بطور نمونہ پیش کیا جائے تو ہم اس کو قبول کرنے کو تیار نہیں ہیں، صاف الفاظ میں ہم کہنا چاہتے ہیں، اور یہ بحث ایک واقعہ ہے اور میں نے آپ سے عرض کیا کہ آج کی بات نہیں ہے بلکہ مسلم پرسنل لا کا اجلاس بابری مسجد کے انہدام سے پہلے جب علماء اکٹھا ہوئے اور تقریباً ہر مسلک کے ممتاز ترین علماء جمع تھے اور انہوں نے ایک فیصلہ کیا اور میں سمجھتا ہوں کہ ان تمام حکم ومصالح کو آپ بھی سمجھتے ہیں، اس کے بعد اس مسئلہ کو متنازع فیہ بنانا صحیح نہیں ہے، جو فیصلہ اجماعی طور پر ہوا اس پر قائم رہنا چاہئے اور کل خود ڈاکٹر وہبہ زحیلی صاحب نے صاف اور صریح الفاظ میں اپنی رائے کا اظہار فرمایا، لا یباع ولا یوھب ولا یورث یہ ان کے الفاظ تھے، میں سمجھتا ہوں کہ اس کے بعد مزید اس مسئلہ پر کسی اور بحث کی گنجائش نہیں ہے۔

مولانا عتیق احمد بستوی قاسمی صاحب:

مساجد کی فاضل اراضی جن کی فی الحال ضرورت نہیں ہے اور آئندہ ضرورت پیش آنے کی امید ہے ان فاضل اراضی پر مکاتب قائم کرنا، اور مدارس قائم کرنا یا اور تعلیمی ورفاہی ادارے قائم کرنا یہ مسئلہ زیر بحث ہے، جن حضرات کو اس موضوع کے بارے میں اظہار خیال کرنا ہو فاضل اراضی پر مدارس ومکاتب قائم کرنے کی بات جو سوال نمبر۲ کے (الف) میں آئی ہے اس پر وہ اظہار خیال فرمائیں، اپنا نام پیش کریں۔

مولانا سلطان احمد اصلاحی صاحب:

کچھ گھنٹے سے پہلے پنجاب وہریانہ کے وقف کے مسئلہ کے سلسلہ میں استبدال کی میری رائے نہیں ہے، میرا اختلاف نوٹ کیا جائے۔

مولانا عتیق احمد قاسمی صاحب۔

ٹھیک ہے نوٹ کرلیا جائے گا آپ پریشان نہ ہوں۔

سوال نمبر۲ (الف) کے بارے میں کوئی اظہار خیال کرنا ہو مسجد کی زائد اراضی جن کی فی الحال ضرورت نہیں ہے اور جو مسجد کے اوقاف ہیں ان میں مکاتب کی تعمیر کے بارے میں اگر کوئی بات کہنی ہو۔

حکیم ظل الرحمٰن صاحب:

ایک گراونڈ کی پوزیشن یہ ہے کہ پورے سال خالی پڑی رہتی ہے بعض جگہ تو یہ صورت حال پیش آئی کہ اس میں آر، ایس، ایس کی پریڈیں ہونے لگیں اور کرکٹ کے میدان بن گئے، میں قصاب پورے کی عیدگاہ کا واقعہ تفصیل سے بیان کررہا ہوں کہ چار پانچ سال سے مسلسل آر، ایس، ایس کی پریڈیں ہونے لگی تھیں، پھر ہم لوگوں نے کسی طرح لوگوں سے مل ملاکر ان پریڈوں کو ختم کروایا، اور اس کے اندر ایک اسکول بھی ہے اس سے لگا ہوا تو مسئلہ یہ ہے کہ اگر اس کی فاضل اراضی پر اس حیثیت سے کوئی تعمیر کردی جائے کہ پہلا گراونڈ جو ہے وہ نماز کے لئے وقف ہے اور اس کے اوپر دو تین منزلہ عمارت بن جائے تو کیا اس بات کی اجازت ہو سکے گی۔

مولانا عتیق احمد بستوی صاحب:

گویا آپ نے ایک سوال کھڑا کیا ہے، اس میں جو آپ کی رائے ہے آپ لکھ کر دیجئے انشاء اللہ بعد میں اس پر بھی غور کرلیں گے۔ سوال نمبر ۲۔ الف کے بارے میں جو اظہار رائے کرنی ہو کسی کو ہماری درخواست ہے خاص طور سے اصحاب افتاء سے، علماء سے، وہ کچھ کہنا چاہیں مسجد کی زائد اراضی کے بارے میں تو اظہار فرمائیں۔

پروفیسر احسان الحق صاحب:

میں صورت مسئلہ کے بارے میں کچھ وضاحت چاہوں گا کہ جس کو فاضل اراضی سمجھا جارہا ہے، آجکل عمارت کے برابر میں خالی جگہ چھوڑنا بھی عمارت کی ضرورت میں شامل ہے، خالی جگہ کو ضرورت سے زائد سمجھنا غیر مناسب ہے۔ اور دوسری بات یہ ہے کہ اگر واقف نے مسجد کے لئے پلاٹ دیا ہے تو کہیں یہ شرح میں لکھا ہے کہ فاضل جگہ کو دوسرے مصرف میں لیا جاسکتا ہے یا نہیں؟ عام طور سے واقف یہ کہتا ہے کہ میں یہ مسجد کے لئے جگہ دیتا ہوں، تو اس کا مقصد یہی ہوتا ہے کہ جتنی اس میں تعمیر ہو وہ مسجد ہے اور جتنی جگہ خالی رہے تو وہ بھی مسجد ہی کے لئے ہوتی ہے۔

مولانا عتیق احمد صاحب:

ڈاکٹر احسان صاحب جو سوال پیش کر رہے ہیں وہ سوال نامہ میں پیش کردیا گیا ہے اب جو اصحاب افتاء اور علماء ہیں ان کو کوئی نئی بات کہنی ہو وہ اپنی رائے دیں۔

سوال نمبر ۲ کا متن یہ تھا کہ بہت سے مقامات ایسے ہیں جہاں مساجد و مدارس یا مقابر کے بڑے بڑے اوقاف ہیں اور مسلمانوں کی آبادی وہاں بہت معمولی رہ گئی ہے، مثلاً ایک مسجد ہے اس کے لئے بہت زمینیں اور مکانات وقف ہیں، مسجد کے اوقاف کی آمدنی اس کے مصارف سے زیادہ ہے اس سلسلہ میں دو باتیں دریافت طلب ہیں:

(الف) کیا مسجد پر وقف اراضی میں جو فی الحال مسجد کی ضروریات سے زائد ہیں مسلمانوں کے لئے دینی یا عصری تعلیم کا ادارہ قائم کیا جاسکتا ہے یہ گویا سوال نمبر ۲ کا جز الف ہوا، اس کے بارے میں اگر اظہار رائے کسی کو کرنا ہو تو کرے۔

مفتی شبیر قاسمی صاحب مرادآباد:

موجود لوگوں میں سے جن لوگوں کی رائے اکثر آگئی ہے اس کو طے کرکے اس پر تبصرہ کیجئے، مثلاً یہ کہ میری رائے یہ آئی ہے کہ دینی ادارہ قائم کرنے کی اجازت ہے اور عام رفاہی ادارہ قائم کرنے کی اجازت نہیں ہے، ایک رائے یہ بھی آئی ہے تمہید میں اس کے اوپر......

مولانا عتیق احمد قاسمی صاحب:

جو موقف آچکے ہیں وہ آپ کے سامنے ہیں، عرض میں بتایا جاچکا ہے کہ تین آراء تقریباً اس سلسلہ میں آئی ہیں، ایک رائے تو یہ ہے کہ جو مسجد کے لئے زمین وقف ہے اس میں کسی قسم کا کوئی ادارہ قائم نہیں کیا جاسکتا، نہ مدرسہ نہ مکتب نہ کچھ، دوسرا موقف یہ ہے کہ دینی مکاتب قائم کرسکتے ہیں عصری تعلیم گاہوں کی اجازت نہیں ہے، تیسرا موقف

جو بعض حضرات نے ظاہر کیا ہے وہ یہ ہے کہ عصری تعلیم کے ادارے بھی قائم کئے جا سکتے ہیں لیکن شرط ہے کہ وہاں بنیادی دینی تعلیم کا نظم بھی ہو اور دینی تربیت بھی، گویا دینی تعلیم کے ساتھ عصری ادارے بھی تو قائم کئے جا سکتے ہیں، اور مناسب یہ ہے کہ اس زمین کا کرایہ بھی اس مسجد کو دیا جائے، تاکہ مسجد کو بھی اس کا فائدہ پہونچتا رہے۔ یہ تین موقف ہمارے سامنے آئے ہیں، اس کے بارے میں مزید کسی صاحب کو کچھ کہنا ہو جن کے مقالے نہیں آ سکے تھے، جن کی رائے نہیں آ سکی تھی وہ اپنی رائے پیش فرمائیں۔

قاضی صاحب:

جہاں تک میں نے تلخیص کو پڑھا ہے اور عرض کو سنا ہے، اس کی روشنی میں یہ بات سامنے آئی ہے کہ وہ اراضی جو مسجد کے مفاد کے لئے وقف کی گئی ہوں، اور مساجد پر جو وقف اراضیاں ہیں وہ ضرورت سے زائد ہیں، مسئلے دو الگ الگ ہیں، ایک پراپرٹی ہے جو ضرورت سے زائد ہے، اور ایک آمدنی ہے جو ضرورت سے زائد ہے، ابھی بحث ہے پراپرٹی کی، املاک اور اراضی کی، یہ اگر ضرورت سے زائد ہیں اور امت کو ضرورت ہے اس بات کی کہ وہاں پر تعلیمی ادارے قائم کئے جائیں، بیشتر ہمارے یہاں وہ مساجد ہیں الحمد للہ جن کے اردگرد ابھی خاصی اراضی موجود ہیں جو افتادہ زمین ہیں اور اگر اس پر زراعت ہوتی بھی ہو تو وہ برائے نام ہے، اور وہاں پر بسنے والی آبادی کی تعلیم کے لئے کوئی دوسری جگہ فراہم نہیں ہے تو کیا ایسی اراضی پر تعلیمی اداروں کے لئے مکان بنایا جا سکتا ہے اور اس کو امت کے لڑکوں کی تعلیم کے لئے استعمال کیا جا سکتا ہے، یہ سوال ہے، اس سوال میں تھوڑی سی تنقیح ہے، ایک تنقیح تو یہ ہے کہ ہمارے یہاں جو خالص روایتی طور پر تعلیم کے ادارے چلتے ہیں جن کو ہم مدارس اسلامیہ عربیہ کہتے ہیں، ایک تعلیمی ادارہ یہ ہے۔ دوسرا بنیادی مسلم تعلیم کے مکاتب کا ہے جو بھی دینی تعلیم سے خاص متعلق ہے، اور تیسرا پرائمری اسکول یا مڈل وغیرہ ہیں، جن میں عصری تعلیم دی جاتی ہے، چوتھا مستقل تعلیم کے ادارے ہیں ٹیکنیکل ایجوکیشن کے، پھر ٹیکنیکل ایجوکیشن یا اسکول یا کالجز یا ریذیڈنشل اسکولس ان کی بھی دو حیثیتیں ہیں، خالص سیکولر انداز میں چلایا جائے، دیندار مسلمانوں کے ادارے ایسے اداروں کا قیام جس میں ہوسٹل میں لڑکوں کو اسلامی ماحول میں رکھ کر دین کی بنیادی تعلیم دیتے ہوئے ان کو جدید عصری علوم بھی سکھائے جائیں یا ٹیکنیکل ایجوکیشن دیا جائے، اس طرح کے متنوع ادارے ہوں، تو خالص مدرسے قائم کرنا، خالص بنیادی تعلیم کے مکاتب قائم کرنا ...... ان کو تعلیم دے کر مشن اسکولوں، اور جنرل پبلک اور انگلش سکولوں میں جانے سے بچایا جا سکے، اور چوتھے خالص سیکولر ایجوکیشن کے لئے کالجز یا ہائی اسکول کے قیام کی کوشش، یہ چار صورتیں ہیں۔

آپ تو مصالح امت اور احکام شرع کی بنیادی باتیں جو میں نے عرض کیں ان کو سامنے رکھ کر فیصلہ کرنا ہے، اس مسئلہ میں جو تجویزیں آئی ہیں ان میں عرض یہ کرنا ہے کہ اگر ضرورت سے زائد اراضی کو اسے اداروں کو کرایہ پر دیدیا جائے تو تعمیروں کو اور دوسرے قسم کے مصارف کے لئے کرایہ پر دینے سے افضل ہے کہ امت کی تعلیم کا انتظام ہو کہ ہم میں سمجھتا ہوں کہ اس میں تو کوئی شرعی نقص نہ ہو کہ اراضی جو افتادہ پڑی ہوئی ہیں ان میں بجائے اس کے کہ دکان کے لئے یا دوسرے کاموں کے لئے، جو زیادہ منافع حاصل کرنے کے لئے ہم مدرسہ قائم کرنے کے لئے اجازت دی جا سکتی ہے

رعایتی شرح پر جیسے آپ یہاں مثال کے طور پر جس حج ہاؤس میں بیٹھے ہیں، یہاں پر یہ تجویز ہے جو بڑے دیندار طبقے کی طرف سے ہمارے پاس آئی ہے، اور ہم نے یہاں کے وزیر خارجہ سے بات بھی کی ہے جو حج ہاؤس کے انچارج بھی ہیں کہ یہاں پر ایک بہترین قسم کا فلاحی اسپتال مسلمانوں کا قائم کیا جائے، اس کی دو منزلیں یا جتنی مناسب ہوں اس مصرف کے لئے دیا جائے اور چاہے قانوناً اس کو کچھ کہو، لیکن شرعاً تو یہ بھی وقف ہی ہے، تو کیا ہم اس کی اجازت دے سکتے ہیں کہ ہم اس کو یا تو رعایتی شرح کرایہ پر یا بغیر کرایہ کے ہم اس کو ایک بہترین فلاحی اسپتال جس کی ضرورت کا احساس اہل ممبئی کو زیادہ شدید ہوگا، اور دوسرے لوگوں کو بھی، جو حالات کا تقاضا ہے، تو اس طرح کے سوالات کھڑے ہو سکتے ہیں، اس لئے اگر ہم کرایہ پر کوئی چیز دیں گے تو اس میں شاید لگتا ہے کہ کوئی شرعی قباحت نہیں ہوگی، لیکن بحث وہاں آتی ہے کہ کیا ہم کرایہ نہ لیں اور اس طرح کے ادارے قائم کرنے دیں، اس کی اجازت آپ دیں گے یا نہیں، تو اب اس تنقیح کو سامنے رکھ کر مختصر الفاظ میں آپ حضرات اپنی رائے ظاہر کریں، نمبر ا۔ بنیادی دینی تعلیم کے مکاتب کا قائم کرنا، جس سے تعلیم دین کی اشاعت پورے ہندوستان میں ہم کر سکیں، نمبر ۲۔ مدارس اسلامیہ عربیہ کا قیام جس سے ہم متخصصین اور تبحرین علم دین میں پیدا کریں، نمبر ۳۔ رہائشی یا غیر رہائشی ایسے اسکول اور تعلیمی ادارے قائم کرنا جس میں دینی تعلیم لازم ہو اور، اسلامی ماحول میں ہم اپنی نسل کو جدید علوم سے بھی آشنا اور واقف کرا سکیں اور جدید علوم کو اس میں پڑھا سکیں، نمبر ۴۔ خالص سیکولر تعلیم کے لئے ہائی اسکول یا کالج وغیرہ قائم کرنا، یہ ایک سوال اور آگے آ سکتا ہے میڈیکل کالج قائم کرنا، انجینئرنگ کالج قائم کرنا، یا اس طرح کے اور دوسرے ادارے، تو ان چار سوالات پر آپ لوگ جو سمجھتے ہیں نمبر وار اپنی رائے دیدیں۔

مفتی اشرف علی صاحب:

اگر مسجد پر وقف اراضی سے وہ زمینیں مراد ہیں جو مسجد کے احاطے سے الگ ہیں، تو کرایہ پر تعلیمی اداروں کے لئے دینے کے جواز میں کوئی کلام نہیں ہے، لیکن اگر مسجد مسقف ہے اور پھر اس کے احاطے ہیں جو مسجد کا حصہ ہوتے ہیں تو اس کے بارے میں مجھے تامل ہے، اس لئے کہ مسجد کی ضروریات میں اضافہ ہو سکتا ہے آگے چل کر اس کی توسیع وغیرہ میں اس کی ضرورت ہوتی ہے، دوسری بات جو اس سوال کے تحت ہے کہ مساجد کی فاضل آمدنی کو دینی تعلیمی مقاصد کے لئے یا عصری تعلیم کے لئے استعمال کی اجازت نہیں دی جا سکتی، بلکہ دوسری ضرورت مند مساجد پر اس فاضل آمدنی کا صرف کرنا ضروری ہوگا۔

مفتی شبیر احمد قاسمی صاحب:

مسجد کے متصل جو اراضی ہیں ان اراضی میں جب تک مسجد کی توسیع کی ضرورت نہ ہو اس وقت تک مدرسہ اس شرط پر چلایا جائے کہ مدرسہ کچھ کرایہ مسجد کے نام پر جمع کرتا رہے تاکہ آئندہ مسجد کی توسیع کے وقت میں مدرسہ کو ختم کر کے مسجد کی توسیع کر دی جائے ....

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب:

میں نے اپنے مقالہ میں اس رائے کا اظہار کیا تھا کہ مساجد کے تحت مسلمانوں کے ساتھ مخصوص تعلیمی ادارے خواہ دینی ہوں یا عصری ہوں قائم کئے جاسکتے ہیں بشرطیکہ مسجد کو اس کا کرایہ ادا کرے۔

قاضی صاحب:

میں اس بات کو پھر واضح کردوں کہ ضرورت سے زائد جو اراضی مسجد پر وقف ہیں جن کی مسجد کو فوری ضرورت نہیں ہے ان پر کرایہ سے کر کوئی بھی کام یہ دوکان کھلواسکتے ہیں کچھ اور کام کراسکتے ہیں، مسجد کی آمدنی ہوگی، یہ مسئلہ تو میں نہیں سمجھتا کہ زیر بحث ہے یا مختلف فیہ ہوسکتا ہے، بحث یہ ہے کہ ان مقاصد کے لئے جن کا تعلق دینی تعلیم سے ہے یا مسلمانوں کے اس فلاح سے ہے جس کا تعلق دینی تعلیم یا عصری تعلیم سے ہے ان کے لئے اس زائد اراضی کا استعمال ہوسکتا ہے یا نہیں، کرایہ کی بات نہیں، کرایہ تو استحصال ہے۔ یہ تو مسئلہ صاف ہے اس میں کسی شک کی بات نہیں ہے۔

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب:

اس کو بغیر کرایہ کے اس کی اجازت نہیں دی جاسکتی، مساجد کے تحت جو مکاتب قائم کئے جاتے ہیں بنیادی دینی تعلیم کے لئے اس کی تو اجازت ہے، یعنی مسجد کے تحت مکاتب دینی قائم کئے جاسکتے ہیں، باقی مدرسہ قائم کرنا اور تعلیمی ادارہ قائم کرنا اس پر صحیح نہیں ہوگا بغیر اجرت لئے ہوئے۔

مولانا زبیر قاسمی صاحب:

مسجد پر وقف اراضی اگر فی الحال مسجد کی ہر قسم کی ضروریات سے زائد ہوں تو اس زائد از ضرورت زمینوں کے اوپر دینی یا عصری تعلیم کا کوئی ادارہ قائم کرنا اس سلسلہ میں متقدمین فقہاء یا علماء ہند کے موجودہ فتاوی کی تصریحات کے جواب نفی میں آتے ہیں، مگر ایک حقیقت جو میری سمجھ میں آتی ہے وہ ایک یہ ہے کہ زمین جو وقف ہوئی علی عمارۃ المسجد تو ہمارے یہاں ایک تو یہ ہے جیسے فتح القدیر" ان الوقف علی عمارۃ المسجد و مصالح المسجد سواء" عمارت مسجد پر کوئی چیز وقف ہو تو ظاہر ہے کہ اس کے توجہ بالا سی کی آمدنی خرچ ہوں گی اسی کے اوپر، اور مصالح مسجد پر جو بات ایک ہی ہوگی تو عمارت مسجد اور مصالح مسجد تقریباً ایک ہی چیز ہے اب مصالح مسجد کے اندر مثلاً مصلی ہیں، امام، مؤذن ہیں، یہ سارے کے سارے گویا مصالح مسجد میں داخل ہیں، اور وقف علی عمارۃ المسجد سے یہ ساری چیزیں پوری کی جاسکتی ہیں اور کی جاتی ہیں، تو میرا یہ خیال ہے کہ وہ زمین جو مسجد کے اوپر وقف ہے اور فی الحال مسجد کی ساری ضروریات سے فاضل ہیں ان پر ایسے دینی ادارے مستحکم ہیں جن میں دینی تعلیم ہو، وہ دراصل امام اور مؤذن اور مصلی وغیرہ ہی کو پیدا کرتا ہے اور یہ مصلحت مسجد ہی میں داخل ہیں، اس لئے ایسا مدرسہ و مکتب جس میں بنیادی دینی تعلیم ہو اس کے قیام کو ہم جائز سمجھتے ہیں، ایسا مکتب جو ابتدائی شکل کا ہو یا ایسا مدرسہ تو اس کو صحیح کہ جو جس میں عصری علوم کا بھی انتظام ہو مگر ان کے اندر بنیادی دینی تعلیم کا بھی نظم ہو اور دینی تربیت کی بھی شرط ہو، ان شرطوں کے ساتھ اس قسم کے عصری علوم کے ادارے کے قیام کو میں صحیح سمجھتا ہوں، لیکن خالص عصری علوم کے لئے جن میں بنیادی دینی تعلیم

کا کوئی نظم نہ ہو اور دینی تربیت کا کوئی نظم نہ ہو وہ میرے نزدیک جائز نہیں۔

مولانا شمس پیرزادہ صاحب:

مسجد کے احاطے میں جو فاضل زمین موجود ہے اور وہاں مدرسہ یا مکتب قائم کیا جاتا ہے دینی تعلیم کا، اس میں تو کوئی حرج کی بات نہیں ہے اور ایسا ہو بھی رہا ہے، اور اگر اس کے ساتھ عصری تعلیم کا انتظام کیا جاتا ہے تو وہ بھی کوئی قابل اعتراض بات نہیں ہے، اور آج کل جدید صورت یہ چل گئی ہے کہ دینی تعلیم کے ساتھ عصری علوم کا اہتمام کیا جاتا ہے، اب اگر بجائے اس کے کہ صرف دینی تعلیم ہو اور اس کے ساتھ عصری علوم کی اجازت نہ دی جائے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ ہم اجازت ہی نہیں دے رہے ہیں کسی ایسے مکتب کو اور کسی مدرسہ کو قائم کرنے کی، اس لئے کہ جدید عصری تقاضوں کے مطابق اس میں کوئی حرج کی بات نہیں ہے کہ دینی تعلیم کے ساتھ عصری علوم بھی پڑھائے جائیں۔ البتہ اگر سیکولر ٹائپ کی کوئی تعلیم ہوتی ہے تو وہ مسجد کے احاطے میں ہرگز مناسب نہیں ہوگی۔

مولانا مصطفی مفتاحی صاحب:

عہد نبوت میں مساجد کا استعمال کیسے ہوتا تھا اس کو ذہن میں رکھا جائے، عہد نبوت میں وسیع تر مقاصد کے لئے اس کا استعمال ہوتا تھا، قاضی کے فیصلے بھی مساجد ہی میں ہوا کرتے تھے، ابھی جو گفتگو ہو رہی ہے تو میری رائے یہ ہے کہ مدارس اور مکاتب کے قیام میں کوئی حرج نہیں ہے اور عصری علوم بھی اگر مفید انسانیت ہے تو وہ بھی دینی علوم ہیں، اس لئے عصری علوم کے لئے بھی فاضل زمین پر کسی ادارہ کے قیام میں کوئی حرج نہیں ہے الا یہ کہ کوئی ایسا ادارہ جس میں خالص سیکولر انداز کی تعلیم ہو تو اس کی اجازت نہیں، خلاصہ یہ کہ فاضل زمین پر خواہ دینی ہوں یا عصری، دونوں علوم کے ادارہ قائم کئے جاسکتے ہیں، کوئی حرج نہیں ہے۔

مولانا مسعود عالم قاسمی صاحب:

یہ ایک اچھا سوال مولانا مصطفی صاحب نے اٹھایا ہے میں ان ہی کے حوالے سے عرض کر رہا ہوں، مساجد کا استعمال اسلام میں مختلف ایسے مقاصد کے لئے کیا گیا ہے جو اسلام کی ضرورتوں سے ہم آہنگ تھے، قیدیوں کو باندھا بھی گیا ہے، غنائم کی تقسیم بھی کی گئی، لیکن یہ اس وقت کی بات ہے جب مسجد نبوی ہی ایک ٹھکانہ تھی مسلمانوں کے لئے، یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ نے منبر بھی فراہم کیا...... لیکن بعد میں جیسے حالات بدلے یہ سارے امور منتقل ہوتے چلے گئے، قید خانے الگ بنے، جیل خانے الگ بنے، قضایا کے محکمے الگ بنے، یہاں تک کہ حضرت عمر فاروقؓ نے یہ کہا کہ جس کو شاعری کرنی ہو وہ مسجد کے باہر جائے، دیکھنا یہ ہے کہ کون سی چیز مسجد کے مقاصد سے ہم آہنگ ہے اور کون سی چیز ہم آہنگ نہیں ہے، جو چیزیں ان کے مقاصد سے ہم آہنگ ہیں ان کو باقی رکھا جائے، تعلیم مسجد سے عین ہم آہنگ ہے، چنانچہ نہ صرف یہ کہ عہد نبوی میں، بلکہ صحابہ کرام کے زمانے میں، تابعین عظام کے زمانے میں، بلکہ مسجد کا بعد کے عہد میں بھی تعلیمی کردار برقرار رہا ہے اور ہندوستان میں بھی برقرار رہا ہے، اس لئے ہم دینی تعلیم کو مساجد کے مقاصد سے الگ نہیں کر سکتے اور اس میں تعلیم گاہ کے قیام کی اجازت دینا ہوگی، دوسری بات کہ تعلیم میں ہم تفریق

کر سکتے ہیں یا نہیں کر سکتے، اور کر سکتے ہیں تو کہاں تک کر سکتے ہیں، اسلام ایک مکمل نظام زندگی ہے اور اسلامی تعلیم ایک یونٹی ہے اس میں دین اور دنیا کی تفریق نہیں ہے، وہ تعلیم جو قرآن و سنت اور انسان کو اس کی معرفت اور کائنات کی معرفت عطا کرے اس کے ادارے قائم کریں، ہمارے زمانہ میں سیکولر تعلیم کے جو ادارے کہے جاتے ہیں جن کو آپ ٹیکنیکل ادارہ کہہ سکتے ہیں یا پیشہ ورانہ تعلیم کے ادارے کہہ سکتے ہیں یا پروفیشنل تہذیب کے سنٹر کہہ سکتے ہیں، میرے خیال میں مسجد کے مقاصد سے یہ ہم آہنگ نہیں ہیں، لیکن قرآن کی تعلیم، قرآن کی تفسیر، فقہ کی تعلیم، عبادات کی تعلیم، اصلاحیات کی تعلیم، یعنی وہ ساری تعلیم جو اقدار پرمبنی ہیں ان کی تعلیم کے ادارے قائم کرنے کی ہم اجازت دیں گے، اور وہ تعلیم جو مسجد کے مقاصد سے ہم آہنگ نہیں ہے اس پر پابندی لگانی پڑے گی ورنہ ہر کوئی مسجد کی زمین پر ایک ٹیکنیکل ادارہ کھول کر بیٹھ جائے گا۔

مفتی فضیل الرحمن ہلال عثمانی صاحب:

مولانا مسعود عالم قاسمی صاحب نے جو بات کی ہے میں اس کی تائید کرتا ہوں اور یہ بات میں نے اپنے مقالہ میں بھی عرض کی ہے کہ وہ چیزیں جو مسجد کے مزاج سے ہم آہنگ ہیں ان کو ہم قائم کرنے میں کوئی پابندی نہیں سمجھتے لیکن وہ چیزیں جو مسجد کے مزاج کو بدلنے والی ہوں اس سے تعلق نہ رکھتی ہوں ان کی اجازت نہیں دی جاسکتی۔

مفتی محبوب علی وجیہی صاحب:

میری رائے کے مطابق فاضل زمین میں دینی تعلیم کے ادارے قائم کئے جاسکتے ہیں، لیکن مسجد کی کمیٹی کے افراد کو بھی اس کے نظم میں شامل رکھا جائے تاکہ آئندہ چل کر اس زمین کے مسئلہ میں کوئی ملکیت کا دعویٰ نہ کرے۔

مولانا شاہین جمالی صاحب:

ایسا ہے کہ مسئلہ تعلیم کے غلبہ کا ہے اگر کسی ادارہ میں عصری تعلیم کا غلبہ ہے اور دینی تعلیم نہیں ہے اس میں تو یقیناً اس کی اجازت نہیں دی جاسکتی، لیکن اگر عصری علوم برائے نام ہوں اور اس مقصد کے لئے مسجد کی زمین میں کوئی ادارہ قائم ہو تو مسعود عالم قاسمی صاحب نے بات واضح کردی ہے اور یہی مناسب ہے اور میری رائے بھی یہی ہے۔

مولانا محی الدین صاحب:

اصل میں مسجد کی زائد اراضی پر دینی ادارہ، مکتب وغیرہ قائم کیا جاسکتا ہے، اور دنیوی تعلیم کے جو ادارے ہیں اگر سیکولر انداز کے ہیں تو اس کی اجازت میں تو بہت سے مسائل کھڑے ہوں گے لیکن دنیوی تعلیم اگر سیکولر طرز پر نہیں ہے صرف مسلم اس کو چلا رہے ہوں، چونکہ اس زمانے میں بہت سے خرافات ہوتے ہیں ایسے اداروں میں، اس لئے مسجد کی زمین پر یہ سب قائم کرنا تو درست نہیں ہے، البتہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ کچھ ادارے یا مسلم ہوسٹل وغیرہ جس کا مقصد یہ ہو کہ کالج وغیرہ کے طلبہ جو وہاں آکر رہیں اور جن کی دینی تربیت کی جاسکے، چونکہ اس کی بہت ضرورت ہے اس زمانے میں، یا کہیں شہر میں کالج وغیرہ ہیں اس میں مسلم طلبہ وغیرہ رہتے ہیں اور وہ دینی ماحول سے کٹے ہوئے ہوتے ہیں تو اگر کوئی ایسا ہوسٹل تربیت کے لئے قائم کیا جائے اور اس میں تربیت کی جائے اور باقاعدہ ان کو دینی تعلیم دی

جائے تو اس قسم کے اداروں کی اجازت ہوسکتی ہے۔

مولانا عبداللہ صاحب:

سب سے پہلی بات یہ ہے کہ اسلام میں نظام تعلیم جو ہے اس میں کوئی تفریق نہیں ہے، یہ تو بعد کی چیز ہے کہ عصری تعلیم ہو اور دینی تعلیم ہو، اصل ہمارا بنیادی مسئلہ یہ ہے کہ مسلمانوں کا جو نظام تعلیم ہو، چاہے وہ صنعت سکھائی جائے یا حساب یا جغرافیہ اور اس کا اسلامائزیشن ہوتا ہے تو اس اسلامائزیشن کے بعد تو وہ دینی بن جاتا ہے تو یہ ایک اہم بات ہے کسی بھی تعلیم کے سلسلہ میں، اگر اس میں اسلامی رنگ غالب ہے اس نظام تعلیم میں تو پھر یہ علوم بھی سکھلائے جاسکتے ہیں۔

مولانا یعقوب اسماعیل منشی صاحب:

جیسے ہمارے مولانا عبداللہ صاحب نے فرمایا، اس طرح کی تفریق نے ہمارے مسلم سماج کو بہت سخت نقصان پہونچایا کہ یہ دینی تعلیم ہے اور یہ عصری تعلیم ہے، اس میں کوئی شک نہیں، حالانکہ بدر کے قیدیوں کو حضورؐ نے فرمایا تھا کہ جو لوگ اس میں سے لکھنا پڑھنا جانتے ہوں وہ دوسرے مسلمانوں کو لکھنا پڑھنا سکھادے تو اس کو چھوڑ دیا جائے گا، تو کیا انہوں نے توحید سکھائی تھی؟ وہ تو مشرکین تھے، تو اس طرح یہ جو ذہن ہے ہمارا، اس ذہن کو سب سے پہلے دفع کرنا ہوگا، عصری تعلیم گاہوں کو یا اس کو عصری تعلیم کا نام دے کر اس طرح سے مسلمانوں کو اس سے الگ کیا گیا کہ جس کی وجہ سے مسلمانوں کے ذہن میں یہ بات آئی کہ ان عصری علوم سے بہت بڑا نقصان ہے حالانکہ ایسا نہیں ہے، ہم یہ سمجھتے ہیں کہ دینی تعلیم بھی ہماری تعلیم ہے، ایک طرف ہم یوں کہتے کہ عصری تعلیم بھی ہماری تعلیم ہے اور دوسری طرف ہم یہ کہتے کہ یہ عصری تعلیم ہے، یہ دینی تعلیم ہے، اس سے بچو، یہ چیز میں سمجھتا ہوں کہ صحیح نہیں ہے اس لئے تعلیم میں کوئی تفریق نہیں ہے، اگر مدارس اور مکاتب کے قائم کرنے کا جواز ہے تو عصری تعلیم گاہوں کا بھی جواز ہوگا، اس میں کوئی تفریق نہیں ہے۔

مولانا قمرالدین صاحب:

اس بارے میں عرض یہ ہے کہ احاطۂ مسجد جہاں مسجد کی ضرورت کا اس سے تعلق ہے تو اس میں اس قسم کا کوئی ادارہ تعمیر کرنے کی اجازت نہیں ہے، البتہ جو فاضل اراضی ہیں اس میں دینی تعلیم گاہیں قائم کرنا مسجد کمیٹی کی اجازت سے جائز ہے ورنہ مسجد کمیٹی کے جو اراکین ہیں ان میں اور دوسرے افراد میں نزاع پیدا ہوجائے گا، لیکن فاضل اراضی پر عصری تعلیم کے ادارے قائم کرنا جائز نہیں ہے۔

مفتی اسماعیل صاحب کچھولوی:

سب سے پہلے تو یہ سوچنا چاہئے کہ یہ زمینیں جو مسجد پر وقف ہوتی ہیں وہ لاستغلال الارض لا ستغلال المسجد یعنی مسجد کے لئے ذرائع آمدنی کے طور پر ہوتی ہے تو پہلی بات یہ ہے کہ بانی وقف نے اس مقصد کے لئے وقف کیا تھا کہ اس کی آمدنی مسجد پر صرف ہوتی رہے تو مقصد واقف کے خلاف وہاں پر کوئی دینی ادارہ یعنی مکتب یا مدرسہ قائم کرنا

درست ہوگا؟ تو اس سلسلہ میں ایک بات یہ بھی ہے کہ مقاصد مسجد میں سے تعلیم اور وعظ وغیرہ بھی ہے اس لئے مسجد کی ایسی زمین پر جو فاضل ہے اگر کوئی دینی مدرسہ قائم کیا جائے تو درست ہے، باقی اس کی ملکیت تو وہ مسجد ہی کے پاس رہے مسجد سے ختم نہ کیا جائے، یہ قید اس لئے ضروری ہے کہ آج کل مسجد کا وقف، مدرسہ کا وقف ہے اور عموماً جہاں مکاتب کی تعلیم پہلے سے چلتی ہے، وہاں پر مکتب کا وقف ہے، یہ بھی الگ ادارہ شمار ہوتا ہے اور کہیں کسی وقف بورڈ میں الگ سے اندراج ہوتا ہے، اس لئے اس کو مسجد ہی کی ملکیت میں رکھ کر مسجد کی خالی زمین پر مدرسہ ومکتب قائم کرنا درست ہے، البتہ عصری ادارہ قائم کرنا عصری تعلیم کے لئے یہ احقر کے نزدیک درست نہیں ہے، اس لئے کہ عصری تعلیم کے لئے اس کے پورے نصاب کو بھی دیکھنا پڑے گا، جس انداز سے عصری تعلیم دی جاری ہے اس طریقے سے انگریزی مدارس یعنی سرکاری اسکول کے نہج پر اگر تعلیم دی جاتی ہے تو اس میں جو تاریخ ہے، اسی طرح سے جو زبان سکھانے والی کتاب ہوتی ہے اس میں عموماً ایسی باتیں ہوتی ہیں کہ شاید فرض کفایہ کے درجہ میں بھی اس کا جواز نہ ہو یعنی اس تعلیم کا کوئی ٹھکانہ نہیں کہ کیسی چیزوں کا تذکرہ ہوتا ہے اور کیسی چیزیں ہوتی ہیں، حساب کے اندر دیکھئے کہ وہ بھی عصری تعلیم کا ایک جزء ہے اور بہت ضروری ہے فرائض وغیرہ کے سلسلہ میں، زکوۃ کے حسابات وغیرہ کے سلسلہ میں، لیکن حساب سکھانے کا جو طرز ہے وہ ہمارے یہاں عموماً سودی حسابات ہوتے ہیں تو اس کو جواز کے درجہ میں لکھا ہے کہ چونکہ وہ مجبوری ہے اس لئے حساب سکھایا جائے، کہنے کا مطلب یہ ہے کہ عصری تعلیم کے جو عناصر ہیں اس میں سے بعض چیزیں جیسے زبان، حساب، جغرافیہ ہے اس کا جاننا فرض کفایہ کے درجہ میں ہے لیکن جس نہج سے وہ پڑھایا جاتا ہے اور اس کے ساتھ جو دوسرے فنون پڑھائے جاتے ہیں تاریخ وغیرہ اور زبان سکھانے کے لئے جو مضامین ہوتے ہیں ان کتابوں میں ایسی چیزیں ہیں کہ عصری تعلیم کا جو موجودہ نہج ہے اس کے لئے وہاں پر ادارہ قائم کرنا مسجد کی فاضل اراضی میں یہ درست نہیں ہے۔

مولانا مفتی مسرور صاحب:

جہاں تک مکاتب دینیہ اور مدارس عربیہ کا تعلق ہے ان کے قیام کے جواز میں کوئی شبہ نہیں، اور جہاں تک عصری علوم کی تعلیم کا سوال ہے جیسا کہ مجھ سے پہلے افاضل نے فرمایا اگر وہ عصری علوم کتاب وسنت سے متصادم نہیں ہیں اور نہج تعلیم بھی کتاب وسنت سے متصادم نہیں ہے تو ایسی حالت میں عصری تعلیم کا بھی جواز ہو سکتا ہے، جواز ہے۔

مولانا کمال احمد صاحب دیوریا:

یہ بحث جو چل رہی ہے عصری اور دینی تعلیم کے اداروں کے بارے میں تو دراصل تعلیم کوئی بھی ہو، تعلیم تو ایک وحدت ہے جس کو دو حصوں میں تقسیم نہیں کیا جا سکتا، اور عہد صحابہ میں جیسا کہ ہمارے فضلاء نے ذکر کیا مثال کے طور پر بدر کے قیدیوں کی مثال دی وہ ہمارے لئے راہ ہے کہ آپ نے بدر کے چند قیدیوں کو اس لئے رہا کر دیا اور ان کی دیت یہ مقرر کی کہ ہمارے مسلمان بھائیوں کو جو دیگر زبان نہیں جانتے ہیں وہ زبان سکھائیں، اور ظاہر ہے وہ زبان جو سکھائی گئی وہ دینی زبان نہیں تھی، عربی زبان نہیں تھی...... اس سے تو ہم کو یہ روشنی ملتی ہے کہ جو زمین احاطہ مسجد کے

علاوہ ہے جو وقف کی ہے، جس طرح ہم مساجد اور مکاتب اور اصلاحی ادارے قائم کرنے کے قائل ہیں اسی طریقہ سے ہم کو عصری علوم کے جو مراکز ہیں ان کے قیام کی بھی اجازت دینی چاہئے اس لئے کہ جس طریقہ سے آج مسلمانوں کو تمام مفتیان کی ضرورت ہے ویسے ہی ہم کو ڈاکٹر کی بھی ضرورت ہے، انجینئر کی ضرورت ہے، سائنسداں کی بھی ضرورت ہے۔ سب سے بڑی بات یہ ہے کہ یہ سب ہمارے علوم ہیں ہمارے تھے، غیروں نے چھینا ہے، میں یہ سمجھتا ہوں کہ جس طرح مدارس اور مکاتب کے قیام کی اجازت ہونی چاہئے، اسی طرح علوم عصریہ کے مراکز کی بھی اجازت ہونی چاہئے بشرطیکہ کوئی انسانی رکاوٹ پیدا نہ ہو۔

مفتی محمد یحییٰ صاحب:

مدارس دینیہ کے لئے، مساجد کے لئے جو اراضی وقف ہیں اگر وہ مساجد کو حالاً اور مآلاً ضرورت نہیں ہے تو اس کو نمبر ۱، اور نمبر ۲، میں استعمال کیا جاسکتا ہے جائز ہے، بقیہ ۳، ۴، ۵ میں میرے نزدیک جائز نہیں ہے، لیکن نمبر ۱ اور نمبر ۲ میں شرط یہ ہے کہ جس کو بھی زمینیں دی جائیں مکتب یا مدرسہ کے لئے اس میں یہ شرط لگادی جائے کہ جس وقت بھی مسجد کو ضرورت ہوگی فوراً بلا کسی تاخیر کے خالی کرنا ہوگا ورنہ قانونی چارہ جوئی کرنی پڑے گی۔ نمبر ۱، اور نمبر ۲، میں اجازت ہے اس شرط کے ساتھ، نمبر ۳، ۴، ۵ میں جائز نہیں ہے۔

ڈاکٹر وہبہ زحیلی صاحب:

(آواز صاف نہیں ہے)

مفتی حبیب اللہ صاحب:

مسجد کی فاضل اراضی پر مدارس دینیہ اور مکاتب بنانے کی اجازت ہے، البتہ عصری علوم کی درسگاہیں قابل غور ہیں ان پر اہل علم حضرات نظر ثانی فرمالیں، میرے نزدیک دینی مدارس ومکاتب کی طرح ان کی اجازت ہے۔

مولانا عبداللہ جولم صاحب:

دینی مدارس کے ساتھ عصری علوم اگر دیئے ہوں تو کوئی حرج نہیں ہے، خاص کر تفریق جو دینی تعلیم اور عصری تعلیم میں موجود ہے اور عصری تعلیم میں مسلمان طلبہ بہت پائے جاتے ہیں دینی مدارس میں داخلہ لینے والوں کی تعداد بہت ہی کم ہوتی ہے اس طرح سے دینی مدارس میں عصری تعلیم کو داخل کر کے پڑھایا جائے تو پھر ٹھیک ہے، مستقل عصری تعلیم کے اعتبار سے اس کا قیام ہماری سمجھ میں ٹھیک نہ ہوگا۔

مفتی عبداللہ صاحب پھلسوٹ:

الحمد للہ ہمارے اس باب فتاوی کی جو تحقیقات سامنے آئی ہیں غالباً جزئیہ کی حیثیت سے ہماری بحث دور ہوتی جارہی ہے اس کی اصل یہی ہے کہ اس کو بجائے دینی اور دنیوی علوم میں تقسیم کرنے کے نافع اور غیر نافع میں، جو احادیث میں جو الفاظ وارد ہیں اگر اس میں محدود کردیا جائے تو میں سمجھتا ہوں کہ زیادہ پریشانی نہیں ہوگی اور یہی کہا جائے گا کہ جو علوم نافعہ کے لئے ہیں ان کا استعمال جائز اور جو غیر نافعہ کے لئے ہیں وہ جائز نہیں، واللہ اعلم۔

قاضی صاحب:

میں اپنے ان دوستوں سے معافی چاہتا ہوں جو اظہار رائے کرنا چاہتے ہیں لیکن وقت کی کمی کے باعث ہم مجبور ہیں دوسرے موقعہ پر ہم ان سے بات کرائیں گے، میں خلاصہ کے طور پر چند باتیں عرض کرنا چاہتا ہوں اور امید کرتا ہوں کہ سارے حضرات ان پوائنٹس کو ضرور نوٹ کرلیں گے تاکہ ہم لوگ ایک اتفاقی نقطہ تک پہنچ سکیں، عجیب توارد ہوا ہے کہ میرے اور مولانا عبداللہ صاحب کے درمیان، میں ابھی بیٹھ کر سوچ رہا تھا کہ میں اپنی بات یہاں سے شروع کروں گا۔

اللهم إني أسألك علما صحيحا نافعا و عملا صالحا متقبلا ورزقا واسعا حلالا طيبا و القول الثاني اللهم إني أعوذ بك من علم لا ينفع ومن قلب لا يخشع، میں سمجھتا ہوں کہ هذا هو أساس الكلام۔

ہم لوگ بحث میں ذرا دوسری طرف نکل گئے، العلماء كلهم قد اتفقوا على ان العلم النافع ينبغي للمسلمين جميعا ولا يقول أحد منا ان علما نافعا يجب علينا ان نحترم له، كل علم ينفع فهو أساس للمسلمين، من طلب الحكمة فهي ضالة المومن۔

یہاں پر بحث ہے وہ دراصل یہ ہے کہ وقف مسجد پر ہم کیا کرسکتے ہیں کیا نہیں کرسکتے ہیں بیشک مسجد اسلامی تاریخ میں بہت ساری ضرورتوں کا مرکز رہی ہے، هذا معروف ان المسجد محل للعبادة ومحل للتعليم ومحل للجهاد وللحرب وللفلان وللفلان وللقضاء كل ذلك حينما كانت الحاجة داعية إليها، والاحوال لما تغيرت والامكنة توسعت فخرج القضاء من المسجد إلى دار القضاء وخرج التعليم من الصفة إلى المدارس، كذلك كل شئ خرج من محله ووصل إلى محله فكل هذا يبنى على الاحتياج إذا كان المسلمون في محل لم يتيسر لهم أي موضع ومحل وأرض لأن يعلموا صبيانهم فماذا يفعلون هل يمكن ان نفتي انه حرام عليهم ان يدخلوا المسجد لتعليم الصبيان لا يمكن ذلك۔

اب عرض یہ کرنا ہے مجھے کہ مسئلہ کی تنقیح کے لئے اور بات کو ختم کرنے کے لئے یوں چلیں کہ بہت سی مساجد کے ساتھ واقف کی صراحت موجود ہے کہ تعلیم کا کام بھی اس کے ساتھ ہوگا فإذا صرح الواقف ان ما هو موقوف على المساجد يستعمل لتعليم الصبيان للمسلمين ايضا فلا حاجة إلى البحث ان قد صرح الواقف بها، وإن لم يصرح الواقف فماذا نفعل فهذا معروف بين علمائنا في الهند ان جميع العلماء في جميع الازمان قد علموا في المساجد مثلاً المسجد الجامع في دهلي، شاهي مسجد لاهور، مسجد مدرسة الذي أسسه شير شاه سوري على شاطئ نهر كنكا في بتنه، وجميع العلماء كانوا يجلسون في المساجد ويعلمون الطلاب، هذا هو المعروف والمتعامل فيما بين المسلمين من زمان قديم فصار كعرف ليس بعرف حادث بل هذا عرف قديم قد ثبت به ولا يمكن لاى عالم ان يفتي بأن كل هذا كان غير جائز۔

پس یہ بات بھی منقح ہے کہ تمام وہ مساجد جن میں صراحت موجود ہے اس میں کوئی پرابلم نہیں ہے، کوئی

دشواری نہیں ہے، اور مساجد میں وہ تعلیم جس کو ہم دینی کہہ رہے ہیں یہ معمول ومتعارف رہی ہے۔اس لئے اگر کہیں بھی مسجد میں تعلیم دین کی دی جارہی ہے جو متعامل اور معروف ہے اس پر بھی کوئی اعتراض نہیں نہیں ہونا چاہئے، اس کی صاف صاف اجازت دے دینی چاہئے، عین مسجد ہو یا حوالی مسجد میں کمرے بنے ہوئے ہوں، ہماری ساری مساجد جتنی بڑی بڑی مسجدیں ہیں ان میں ایسی عمارتیں موجود ہیں جہاں تعلیم دی جارہی ہے، ایسا فتویٰ نہ دیں ہم کہ جو ہورہا ہے اس میں بھی مشکل پیدا ہو جائے۔

تیسری طرف ہم اس حاجت کو دیکھیں، کیا یہ سچائی نہیں ہے دوستو کہ ہمارے یہاں اسی، پچاسی فیصد مسلمان بچے جاہل بھی ہیں اور بدقسمتی سے ان کی تعلیم کا انتظام نہیں ہے، کیا ہم پوری قوم کے بچوں کو جاہل چھوڑ دیں ظاہر ہے کسی کی بھی ایسی رائے نہیں ہوگی، لیکن جہاں پر ہمارے لئے علاحدہ جگہ کا انتظام ہوسکتا ہے وہاں ہم مکاتب، مدارس، اسکول سب قائم کر سکتے ہیں، اور جہاں پر کوئی صورت نہیں اور مسجد کی اراضی میسر ہے جو اس آبادی کے مصالح کے لئے ضروری ہے، پہلی کوشش کہ ایسے مکاتب ومدارس یا تعلیمی ادارے جو بھی ہم قائم کریں اس کو بذریعہ اجرت مسجد کمیٹی سے حاصل کرلیں تاکہ بلا اختلاف یہ شی صحیح ہو جائے، اور اگر یہ بھی ممکن نہیں ہے کہ وہاں پر اجرت کیا دی جائے گی، وہاں تو دو دو پیسہ بھیک مانگ کر یوں ہی پریشان ہیں، برائے نام جیسے گورنمنٹ کرتی ہے کہ ایک روپیہ کرایہ رکھ دیتی ہے، ابھی راوڑ کیلا میں ہمارے دوستوں نے ۹۹ برس کے لئے دو ایکڑ زمین دی ہے اور دو روپیہ سالانہ کرایہ رکھا ہے اور ہم نے ۹۹ برس کے دو سو روپے ادا بھی کر دیئے ہیں، تو اگر ایسی کوئی شکل ہے تو دوسری بات ہے، ورنہ ایسے تعلیمی اداروں کے لئے گنجائش ہونی چاہئے، ایسے مقامات کے لئے جہاں حاجت مسلمین اس کی متقاضی ہو، اب اس کے بعد اس کا غلط استعمال بھی ہوسکتا ہے، جیسا کہ بعض دوستوں نے کہا ہے اور یہ بالکل صحیح ہے، یہ بھی تجربہ کی بات ہے کہ عام طور پر جو کمیٹیاں ہیں مسجدوں کی، بہت جگہ ایسا ہوا ہے کہ انہوں نے مسجد کی اراضی کا اپنے من مانے اداروں کو قائم کر کے اس کو ذریعہ آمدنی بنانے کے لئے استعمال کیا ہے، اس لئے ہمارا جو بھی فتویٰ ہو اس میں اس طرح کے تجربات سے بچنے کے لئے احتیاط کی تحریر ضرور ہونی چاہئے، یہ بھی تجربہ ہے ملک کے مختلف علاقوں کا کہ وہ لوگ جو اللہ کا خوف نہیں رکھتے اور دین کے احکام کو سمجھتے نہیں کمرشیل ادارہ قائم کر کے اس کو ذریعہ آمدنی بناتے ہیں اور مسجد بے چاری محروم کی محروم رہتی ہے، نہ اس سے اس کو وصلی مل پاتے ہیں اور نہ اس کو آباد کرنے کے لئے ذرائع مل پاتے ہیں، اس لئے ان سارے مصالح کو سامنے رکھتے ہوئے آپ حضرات تجویز منظور کریں گے، میں امید کرتا ہوں اور یہ قطعاً ایک الگ بحث ہے، ہم کسی علم کو اپنے لئے اجنبی نہیں سمجھتے ہیں اور نہ یہ ہماری آج کی بحث کا موضوع ہے، ابھی چونکہ وقف کا مسئلہ آرہا ہے کہ اراضی وقف کا استعمال ہم ان کاموں کے لئے کر سکتے ہیں یا نہیں، ظاہر ہے کہ تعلیم قرآن کی خاص نسبت قرآن سے ہے، اور اپنی ساری وسعت ذہنی کے باوجود میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ میتھ اور سائنس کی تعلیم کو اتنا مناسب کیوں مسجد کے ساتھ جتنا مناسب مسجد کے ساتھ قرآن کی تعلیم کا ہے، اور پھر اس پر ہندوستان کے ماحول میں غور کرنا چاہئے، جہاں پر عصری سیکولر ایجوکیشن کے ادارے ہوں، ابھی اتر پردیش میں بی جے پی گورنمنٹ نے ایک

فیصلہ لیا ہے کہ پرائمری ایجوکیشن کے تمام اسکولوں میں سرسوتی کی مورتی لگی رہے گی اور ہر طالب علم جو وہاں پڑھنے آئے گا اس کو روزانہ ایک مالا ایک بار لا کر اس کو پہنانا پڑے گا، جہاں اس سے ہماری پریشانی بڑھتی ہے وہاں ہماری ذمہ داریاں بھی بڑھتی ہیں کہ ان بچوں کو ہم مسجد یا مسجد سے ملحق اراضی میں پڑھنے کی اجازت دیں یا ان اسکولوں میں بھیجیں جہاں وہ جا کر مورتیوں پر مالا چڑھائیں گے، میں نہیں سمجھتا ہوں کہ اس کی کوئی اجازت دی جاسکتی ہے، بس آپ جو بھی فیصلہ کریں مصالح امت کو سامنے رکھ کر کریں، اور جو دو بنیادی اصول ہیں کہ وقف کی صیانت وحفاظت اور وقف کی جامعیت کو سامنے رکھیں، اس گفتگو کے بعد میں اس سلسلہ میں ایک کمیٹی کا اعلان کروں گا، ابھی چند منٹ میں مولانا عتیق صاحب اور مولانا عبید اللہ صاحب لسٹ تیار کر کے دیں گے اس کے بعد پھر انشاء اللہ بحث ہوگی، اب اس بحث کو ختم کیا جاتا ہے، اگلی بحث شروع ہوگی۔

اور ایک مسئلہ یہ ہے اس پر توجہ دیں آپ حضرات کہ کچھ ایسی مساجد ضرور ملک میں ہیں، سو ہوں، دو سو ہوں پچاس ہوں، جن کے پاس...... ہوتی ہے، مال جائداد پیدا ہو جاتا ہے، آمدنی زیادہ ہوتی ہے اور ضرورت مسجد کی پوری ہو رہی ہے، لیکن ایک بات ذہن میں رکھنی ہے کہ مسجد کی تزئین پر جتنا خرچ کرتا ہے متولی، مسجد کے امام کی تنخواہ پر خرچ نہیں کرتا، وہ بے چارہ ویسے ہی کے ویسے یتیم رہتا ہے، اس لئے جلدی سے ہم اس کو...... مانیں گے نہیں اور نہ مال جائداس کو ماننے کو تیار ہیں، لیکن اگر کوئی ایسی مسجد ہو جس کے پاس اس کی تمام جائز اور واجب ضرورتوں کے علاوہ کافی بڑی رقم جمع ہے تو اہل دنیا کو آپس میں لڑنے کی بہت اچھی گنجائش ہے، اب سوال یہ ہے کہ وہ زائد آمدنی اس دینی یا عصری تعلیم کے یا دینی اور عصری تعلیم کے ادارے قائم کرنے پر صرف کی جاسکتی ہے یا نہیں، یا دیگر رفاہی مقاصد کے لئے خرچ کی جاسکتی ہے یا نہیں، جب کہ وقف میں صرف مسجد کی صراحت ہے اور کوئی صراحت موجود نہیں ہے، اس پر کون لوگ اظہار خیال کریں گے جو لوگ پہلے کر چکے ہیں ذرا وہ معذرت قبول کر لیں تو اچھا ہے۔

مولانا ابوبکر قاسمی صاحب:

میں مساجد کی فاضل اراضی کے سلسلہ میں کچھ عرض کرنا چاہ رہا تھا کہ اس سلسلہ میں دو بنیادی نقطوں کو پیش نظر رکھا جائے، ایک تو یہ کہ مساجد کے مقاصد کو ملحوظ رکھا جائے، دوسرے ہندوستان میں سرکاری اداروں کے بجائے آزاد ادارہ قائم کرنے کے سلسلہ میں مشورہ کیا جائے، اس لئے کہ ہمارے ہندوستان میں جو سرکاری ادارے یا مدارس ہیں ان کی جو صورت حال ہے وہ کسی سے پوشیدہ نہیں، بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ ان اداروں کا مقصد دور حاضر میں تعلیم کے بجائے فقط معاش تک محدود ہو کر رہ گیا ہے، اسلئے آزاد ادارہ قائم کرنے کے سلسلہ میں تو اجازت دی جاسکتی ہے لیکن سرکاری ادارہ کے لئے نہیں۔ اور فاضل آمدنی کے سلسلہ میں میری رائے یہ ہے کہ پہلے تو مساجد پر خرچ کرنے کی کوشش کی جائے جیسا کہ ہمارے اکابر نے فرمایا ہے لیکن اگر مساجد وغیرہ موجود نہ ہوں اور تعلیم پر خرچ کرنے کی ضرورت پیش آرہی ہو تو پھر دینی تعلیم کو مقدم رکھا جائے۔

کیرالا سے آئے ہوئے مہمان:

سوال یہ ہے کہ کیا مسجد کی آمدنی تعلیمی یا رفاہی مقاصد کے لئے استعمال کی جاسکتی ہے، میرے خیال میں اس میں کوئی ممانعت نہیں ہے، رفاہی مقاصد ایسے ہوں جو ہمارے لئے آج کل جائز امور پر چل رہے ہوں، اور رفاہی مقاصد سب سے اہم مقاصد ہیں اس ماحول میں مسلمانوں کے لئے جو اہم مقاصد ہیں ان مقاصد کو دیکھ کر وہاں کے علماء اور مفکرین سب کو حل کرنے کرنا چاہئے، اور قرآن اور حدیث کی روشنی میں جب غور کیا جائے تو مسجد کی ضروریات کے بارے میں مولانا سرور صاحب نے جو رائے پیش کی ہے أنا أوافقه على ما بين من آراء ه القيمة حول المسجد وما يتعلق به۔

ڈاکٹر قدرت اللہ باقوی صاحب کیرال:

جیسا کہ ہم جانتے ہیں کہ مسجد قرطبہ اور مسجد غرناطہ اور وہ مساجد جو جامع کی حیثیت سے جہاں رفاہی اور مصالحی اور مصالحتی جتنے علوم تھے، وہ سب سکھائے جاتے تھے، اس لحاظ سے مسجد کی فاضل اراضی میں یا مسجد کی فاضل آمدنی میں تفریق کرکے عصری اور دینی علوم کو الگ کرکے ٹکڑے کرنا ہمارے لئے جائز نہیں ہے، مساجد جو ہوتی ہیں وہ بھی امت کی ہوتی ہیں اور تعلیم بھی امت کے لئے دی جاتی ہے اس لئے اس کے مصالح بھی امت کے لئے ہیں۔

مفتی بشیر احمد صاحب میسور:

یہ جو مسئلہ زیر بحث ہے اس سلسلہ میں احقر کی رائے یہ ہے کہ جو فاضل آمدنی مساجد سے حاصل ہوتی ہے کمیٹی کے ذمہ داران کو اس پر تاکید کیا جائے کہ دینی ضروریات کے علاوہ اگر قوم کی بہبودی کے لئے دوسری ضرورت پڑے اس میں بھی خرچ کیا جائے، اگر عصری تعلیم کے ساتھ ساتھ دینی تعلیم ہو کہ جس سے دینی تعلیم کا غلبہ ہو استعمال کر سکتے ہیں۔

مفتی انور علی صاحب:

اوقاف کی جو فاضل آمدنی ہے سب سے پہلے اسی وقف کی نوع کے مصارف میں خرچ کیا جائے تا کہ واقف کی شرط کی زیادہ سے زیادہ رعایت ہو سکے۔

مولانا مفتی نسیم احمد قاسمی صاحب:

مساجد کی فاضل آمدنی کا استعمال کیا ہوگا اس سلسلہ میں میری ذاتی رائے یہ ہے کہ ضروریات مسجد ہی میں اسے صرف کرنا ضروری ہوگا، تعلیمی یا رفاہی مقاصد کے لئے استعمال کرنے کی اجازت نہیں ہوگی، اگر کسی مسجد کے پاس اتنی زائد آمدنی ہو کہ جس کی مسجد کو نہ اس وقت ضرورت ہو اور نہ مستقبل قریب میں ضرورت ہو تو ایسی صورت میں مقاصد وقف کی رعایت کرتے ہوئے بہتر اور مفید طریقہ یہ ہوگا کہ مزید اراضی خرید کر اسی مسجد پر وقف کر دیا جائے اور اگر زمین خریدنا ممکن نہ ہو تو پھر ''الاقرب فالاقرب'' کے قاعدہ کے تحت اس سے قریب کی جو مسجد ہوگی اس کی ضروریات اور مصالح میں اس زائد آمدنی کو خرچ کرنا ہوگا۔

مولانا مفتی ابوسفیان صاحب:

مسجد کی فاضل آمدنی بوقت ضرورت دینی اداروں میں اور اوقاف کی چیزوں میں صرف کرنے کی اجازت ہے۔

مولانا وقار احمد صاحب:

اگر اوقاف کی آمدنی مسجد کی ضروریات سے زائد ہو تو پہلے واقف کی جو شرائط ہیں ان کی پوری رعایت ہو، ان شرائط کے بعد اگر آمدنی فاضل بچتی ہے تو دینی ضرورتوں میں خرچ کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے، دینی علوم ہوں، عصری علوم ہوں جن کی مسلمانوں کو اس وقت ضرورت پڑ رہی ہے اس پر خرچ کیا جا سکتا ہے۔

مفتی ارشاد قاسمی صاحب:

فاضل آمدنی کے سلسلہ میں فقہاء نے مصالح مسجد بیان کیا ہے، اور مصالح مسجد کی تشریح کرتے ہوئے بیان کیا گیا ہے "الامام والخطیب والمؤذن والوقاد والفراش والمدرس والناظر" اسی طرح عالمگیری میں بیان کیا گیا ہے کہ مصالح مساجد میں وہ تمام چیزیں داخل ہیں جو مسجد کے ابقاء اور نفع کے لئے ہوں، چنانچہ کہا گیا ہے: ... کالامام للمسجد والمدرس للمدرسة" تو مدرسہ کے اوپر خرچ کرنے کے لئے تو کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ اس میں کوئی عدم گنجائش ہو، تمام حضرات نے مصالح مساجد میں تعلیم دین کو اور تعلیم قرآن کو داخل مانا ہے، چنانچہ حاشیہ منحة الخالق میں لکھا گیا ہے:

"إنما هو عموم النظر لمصالح المساجد ولإقامة الشعائر" اور ظاہر بات ہے کہ تعلیم دین ہمارے یہاں شعائر اسلام میں داخل ہے اس لئے مصالح مسجد میں تدریس، افتاء، تقریر وغیرہ سب داخل ہیں۔

مولانا شیر علی صاحب:

مسجد کی زائد زمین میں مدرسہ قائم کرنا یہ تو توارث چلا آرہا ہے اور یہ جائز ہے، اور مسجد کی زائد آمدنی کہاں خرچ کی جائے تو فقہاء کرام یہ لکھتے ہیں کہ اس جنس سے جو قریب ہے اس کو منتقل کیا جائے جس کو ضرورت ہو، یہی حال قبرستان کا ہے جو وہاں سے قریب ہے وہاں منتقل کیا جائے، اور مسجد کی آمدنی سے مدرسہ قائم کرنا یہ بھی جائز ہے کیونکہ یہ دونوں لازم ملزوم ہیں اور اس میں مسجد کی آبادی بھی ہے، اور ہندوستان میں یہ تعامل ہے کہ جہاں مسجد ہوگی وہاں مدرسہ بھی ہوگا اور ہمارے یہاں افغانستان میں تو مسجد ہی میں طلبہ پڑھتے ہیں کوئی مستقل مدرسہ نہیں ہوتا ہے اسی مسجد میں تعلیم ہوتی ہے تو مسجد کی آمدنی سے مدرسہ قائم کرنا درست ہے۔

جہاں تک واقف کے مقاصد کی بات ہے تو مشہور مسئلہ ہے کہ "شرط الواقف کنص الشارع" ہمارے یہاں عرف ہے کہ مدرسہ الگ سمجھتے ہیں اور اسلام اور دینی علوم علی الاعلان الگ سمجھتے ہیں البتہ مدرسہ اور مسجد کی آمدنی سے کوئی کالج قائم کرنا یا اسکول قائم کرنا یا رفاہی ادارہ قائم کرنا یہ میرے خیال میں جائز نہیں ہے، اور واقف کی شرط جو ہے میرے نزدیک کنص الشارع ہے، یہ میری رائے ہے کہ مدرسہ قائم کیا جائے پھر اگر کچھ دین کی غرض سے طلباء کی چیزیں رکھی جائیں تو گنجائش نکل سکتی ہے۔

قاضی صاحب:

مولانا نے اصولی بات یہاں پر فرمادی کہ کوئی وقف اگر اپنا مصرف کھودے تو اس کو قریب ترین مدات کی طرف منتقل کیا جائے یعنی "الاقرب فالاقرب" کا اعتبار ہے یعنی وراثت کی ایک جھلک یہاں پر بھی موجود ہے، اب رہا کہ تحری اور اجتہاد کی ضرورت پڑے گی کہ کون اقرب ہے اور کون نہیں ہے، ہمارے یہاں تو اصولاً یہ قاضی کی ذمہ داری ہے اور قاضی کا نظام نہ ہو تو علماء اس کا فیصلہ کرسکتے ہیں ہر وقف کے لئے، اب اس وقت صرف ایک مسئلہ پر بہت ضروری سمجھتا ہوں کہ رائے دے دوں پھر کمیٹی جملہ مسائل اوقاف پر تجویز مرتب کرے گی۔

جہاں تک تعلق ہے استبدال وقف کی ان تمام شرائط کا جو ہمارے فقہاء نے لکھی ہیں، اگر ایک شئی اپنا نفع کھو چکی ہے اس کو باقی رکھنے کا کوئی مصرف نہیں ہے، اس کی جگہ پر جملہ شرائط کی رعایت کرتے ہوئے دوسرے نفع بخش وقف کے قیام کی کوشش، اس پر تقریباً کہیں بھی ہمارے علماء میں اختلاف نہیں ہے، اس پر کئی رسائل موجود ہیں، بحث صرف وہاں پر ہے کہ نفع کم ہے زیادہ نفع حاصل کرنا ہے، مثال کے طور پر آج کل بہت سے شہروں میں ہماری بعض بلڈنگس ہیں، اور مان لیجئے کہ وہ غیر مسلم علاقہ میں چلی گئی ہیں، یا ان کا کرایہ بہت تھوڑا مل پاتا ہے، کہیں پانچ روپے، کہیں دس، اور کہیں بیس روپے، اگر ہم ان کو فروخت کردیتے ہیں اور ان سے کوئی زمین دوسری مناسب جگہ پر حاصل کرلیں اور وہاں پر شاپنگ کمپلکس بنادیں تو اس سے لاکھوں روپے کی آمدنی ہوسکتی ہے، میرا مطلب یہ ہے کہ اصل نفع اگرچہ قلیل ہے لیکن قائم ہے، فتویٰ کی زبان میں یوں کہئے کہ اصل نفع اگرچہ قلیل ہے مگر قائم ہے، تو اس صورت میں اس کی منفعت کو بڑھانے کے لئے استبدال وقف جائز ہوگا یا نہیں؟ پہلی صورت پر ہمیں زیادہ بحث نہیں کرنی ہے صرف اس پر آپ حضرات کی رائے ضرور جان لینی ہے کہ اگر اس کا اطمینان ہے کہ اس وقف کے استبدال کے ذریعہ اس کے نفع قلیل کو ہم نفع کثیر سے بدل سکتے ہیں اور مصارف چاہے مسجد ہوں مدرسہ ہوں، فقراء ہوں ان کے لئے ہم مفید تر بناسکتے ہیں اس کی اجازت دی جاسکتی ہے یا نہیں؟ اس پر میں سمجھتا ہوں کہ آپ حضرات جلدی جلدی دو دو منٹ میں رائے دیدیں" انا نريد ان نتعرف من الأخ الدكتور خالد المذكور بهذه القضية، الوقف لم يخرج عن النفع مطلقا ولكن نفعه قليل فهل يجوز لنا ان نستبدلها بما هو انفع لمصارف الوقف۔

الدكتور خالد المذكور:

.... إذا كان الوقف نفعه قليل فيجوز إستبداله بوقف أو بأرض زراعية يكون نفعه كثيرا ان شاء الله لكن التعريف كذلك على المدارس التي تكون بقرب المساجد حتى ولو كان شرط الواقف ان يكون للمسجد و .... الشرعي والعلم الغير الشرعي أو العلم الاخروى والعلم الدنيوى هناك يعني تعبير دقيق عن هذا، كل ... ما عرفه الشيخ مجاهد ...... وهو العلم النافع او العلم النافع وما دام علم نافعا و علم مباحا ...... بأن يدرس وبأن يتعلم و إذا كانت هناك اراضي ...... وتكون عن حاجة المسجد فمن الممكن شرعاً استبدال هذه للإقامة لمدرسة او اقامة ....

للعلم الشرعي و غير العلم الشرعي........

مولانا بدر الحسن قاسمی صاحب... خلاصہ:

وقف استبدال کا جہاں تک مسئلہ ہے اگر وقف کی آمدنی کو بڑھانے کے لئے اس کو بدلنا چاہتے ہیں تو اس کی اجازت ہے ہمارے یہاں، البتہ دوسرے مسئلہ میں جو مدارس کے قیام کے سلسلہ میں ہے کہ اگر علم نافع اور علم مباح ہے اور وہ مساجد جہاں پہلے سے مدرسہ قائم ہے اس میں علم دین اور علم دنیا کی تفریق کے بغیر صحیح تعلیم جو علم نافع اور علم مباح ہو اس کی تعلیم دی جانی چاہئے اس کی گنجائش ہے۔

مہمان کویت:

الحمد لله والصلاة والسلام على رسول الله.

يتعلق بالنسبة لمنافع الوقف مادامت منافع الوقف كثيرة بشرعنا الإسلامي لكنه إذا تعطلت منافع الوقف ولم يكن هناك لجنة فيصرف عليه ولكن هناك مصلحة ، وكما يقال في الأمس بنص الواقف كنص الشارع ، لكنه صرح الفقهاء وعندنا كذلك بمذهب أحمد بن حنبل و كذلك بغير مذهب أحمد بن حنبل...... والافضل بشرط هذه المبدأ فلا حاج اذا وجد هناك نص لاحد الواقف ...... وان ينبغي هناك ان تتوسع المنافع بخيرات بما يكون للمسلمين ...... وهذه توسعة كثيرة ونحن عندنا في الكويت بحمد الله الأمانة العامة للأوقاف صندوق في عمل حواليه كثيرة الأوقاف بها علوم القرآن وعناية الحرمين وللثقافة تعم وصندوق للصحة وعدة صنا ديق وقفية لخيرات المسلمين وارتفاع لهم فجزاكم الله.

مولانا عبدالعظیم اصلاحی:

فقد صرح علامة حافظ ابن عابدين في شروط استبدال الوقف بالخط تكون ستة او سبعة ومنها ان يستبدل القاضي الذي يتصف بالعلم والعمل ومن شروط استبدال الأوقاف ....

مولانا شیر علی صاحب:

قاضی صاحب نے یہ فرمایا تھا کہ وقف کا نفع کم ہو گیا اور اس کا معمولی نفع ہے اس کو بدلا جا سکتا ہے یا نہیں، تو فقہاء کرام نے بہت جگہ ذکر کیا ہے کہ لقلۃ نفع سے بھی بدلا جا سکتا ہے اور ایسا بھی کر سکتے ہیں، اور یہ بھی قاضی ادا کر سکتے ہیں، عالم باعمل ہے وہ کرے، اور یہ شبہ ہو کہ اگر وقف کو اس نے بیچ دیا یا بدل دیا اور اس کی جگہ زمین نہیں خریدا تو کیا؟ اس کے متعلق آپ حضرات غور و فکر نہیں کیا ہونا چاہئے۔

مفتی شبیر صاحب:

اس سلسلہ میں حضرات فقہاء لکھتے ہیں کہ وقف کی دو قسم ہے، ایک زمین کی شکل میں ہے عمارتی شکل میں نہیں، اگر عمارتی شکل میں نہیں ہے تو اس بارے میں فقہاء کی دو رائیں ہیں، راجح قول کے اعتبار سے نفع کے لئے

استبدال جائز نہیں ہے اور قول مرجوح کے مطابق انتفع کے لئے استبدال جائز ہے۔ لیکن اگر وقف عمارتی شکل میں ہے تو ایسی صورت میں کسی کے نزدیک بھی استبدال جائز نہیں ہے۔ الثالث ان لا یشرطه أیضا ولکن فیه نفع فی الجملة وبدله خیر منه ریعا ونفعا وهذا لا یجوز استبداله علی الأصح المختار وان الخلاف فی الثالث انما هوفی الأرض إذا ضعفت عن الاستغلال بخلاف الدار إذا ضعفت بخرابها ولم تذهب أصلا فانه لایجوز حینئذ الاستبدال علی کل الأقوال۔

قاضی صاحب:

جس عبارت کو آپ نے نقل کیا ہے مولانا اس میں ایک بہت بڑی بات ہے آپ کے لئے اور حضرات علماء کے لئے، اور اس کی وجہ بھی بتادی ہے، یعنی حکم معلل تو میں نہیں کہتا حکم موجہ کہتا ہوں وجہ یہ لکھی ہے کہ فانه لا یجوز حینئذ الاستبدال علی کل الأقوال، قال: ولا یمکن قیاسها علی الأرض فان الأرض اذا ضعفت لا یرغب غالبا فی استئجارها بل فی شرائها اما الدار یرغب فی استئجارها مدة طویلة لأجل تعمیرها للسکنی۔

یہ بحث انہوں نے کی ہے یعنی قیاس کیا ہے اس بات پر کہ زمین کا معاملہ جو ہے وہ عام طور پر حالات پرمبنی ہے کہ کوئی ایسی جگہ پر مکان واقع ہے جہاں کرایہ دار نہیں مل رہا ہے تو وہاں پر بغیر بیچے آپ کو چارہ نہیں ہے، اور کہیں زمین ایسی جگہ پر ہے کہ ہے تو وہ بے کار لیکن اس کے استئجار کے بہت سے خواہش مند موجود ہیں تو وہاں پر حکم بدل جائے گا، اس لئے ان صراحتوں کو ان حالات پر آپ ضرور تطبیق دیں جن میں آپ مبتلا ہیں، اس لئے کہ یہ سارے مسائل مجتہد فیہ ہیں، اور یہ دراصل ہر فقیہ نے اپنے زمانے اور اپنے شہر کے حالات کو سامنے رکھ کر یہ فتویٰ دیا ہے، اور جب حکم معلل میں ہمارے لئے موقعہ ہے تو یہ تو حکم موجہ ہے یعنی خود فقہاء نے اس کی توجیہ کر دی ہے اس کو بھی اب آپ کو سوچ لینا ہوگا۔

مفتی شبیر احمد صاحب:

آپ نے جو فرمایا کہ اگر کرایہ پر مکان کو لینے والا وہاں پر ہے نہیں تو ایسی صورت میں تو میرے نزدیک بھی بیچنے کی اجازت ہے اس میں اختلاف نہیں ہے۔

قاضی صاحب:

قبل اس کے کہ اجلاس ختم ہو ہمارے لئے بڑی خوشی اور مسرت کی بات ہے اور خاص کر میں رحمت اللہ ندوی صاحب سے کہتا ہوں کہ وہ ڈاکٹر وہبہ صاحب کے پاس جا کر بیٹھ جائیں، اور تمام عرب علماء کے ساتھ ایک ایک مترجم فوراً بیٹھ جائیں، ابھی ہمارے دوست رحمٰن خان صاحب جو ممبر پارلیمنٹ بھی ہیں، اور میں اہمیت بتادوں کہ اس وقت گورنمنٹ آف انڈیا نے ایک بہت اہم کمیٹی بنائی ہے، دعاء کیجئے کہ اس سے ہم لوگ پورا فائدہ اٹھا سکیں، اس کمیٹی کے آپ چیئرمین ہیں، آپ حضرات جو بہت سارے فیصلے کریں گے اور ان کو جب آپ ان کے حوالہ کریں گے تو قانون وقف میں میں امید کرتا ہوں کہ ان کی کوششوں سے بہت سی ترمیمات ہم لاسکتے ہیں جو شریعت کے ساتھ زیادہ

رہی ہیں، اب اس کو کس طرح سے کریں کہ وقف کو...... کنٹرول ایکٹ سے بری کیا جاسکے، اور جو اوقافی پراپرٹی ہے اس کو کیا ہم پبلک پراپرٹی ڈکلیئر کر سکتے ہیں یعنی یہ ایک شخص کی جائداد نہیں بلکہ پبلک پراپرٹی ہے اللہ کی ملکیت ہے اس پر کسی ایک فرد کا حق حاصل نہیں ہے جیسا کہ گورنمنٹ کی پراپرٹی ہوتی ہے، پبلک پراپرٹی ہوتی ہے، تو اس پر جو قانون نافذ ہوتا ہے اس سے کسی کو اس جائداد کے حاصل کرنے کی گنجائش نہیں ہوتی ہے، اس طرح سے وقف کو پبلک پراپرٹی میں لایا جائے یا نہیں، یہ بھی ایک سوال کمیٹی کے سامنے ہے، اور اس کا علم ہم سبھی کو ہے کہ اوقاف بورڈ میں صحیح طرح سے کام نہیں ہو رہا ہے تو ان کا جائزہ لیں کہ کیا وقف بورڈ اپنا صحیح کام کر رہے ہیں یا نہیں وہ قانونی طریقے سے اور شرعی طریقے سے کام کر رہے ہیں یا نہیں؟ اس کا بھی جائزہ لے کر اوقاف بورڈ میں مضبوطی لانے کے لئے ہمیں یہ بھی کرنا ہے، اور اس کے بعد یہ کمیٹی ایک تفصیلی رپورٹ پارلیمنٹ کو پیش کرے، تا کہ ایک ایسا جامع قانون بنے جس سے اس جائداد اوقاف کا تحفظ بھی ہو اور صحیح استعمال بھی ہو اور مسلمانوں کی فلاح و بہبود کا کام انجام پائے، یہ کام گذشتہ سات آٹھ مہینوں سے چل رہا ہے اور اس کی بہت سی ذیلی کمیٹیاں بنی ہیں اور ہر کمیٹی کو الگ ریاستیں دی گئی ہیں، مجھے نو ریاستوں کے کمیٹیوں کی ذمہ داری دی گئی ہے، پنجاب، ہریانہ، ہماچل پردیش، دلی، ویسٹ بنگال، کرناٹک، آندھرا پردیش یہ جو علاقے ہیں ہماری کمیٹی نے اس پورے علاقوں کا دورہ کیا ہے، وہاں پر تبادلہ خیال کیا ہے، پنجاب، ہریانہ میں وہاں پر جو اوقاف ہیں ان کے جو حالات ہیں اور پراپرٹی کا جو غلط استعمال ہو رہا ہے اس کی تفصیل میں نہیں جاسکتے، اور ہماری کمیٹی کا اندازہ ہے کہ اس وقت ہندوستان میں پانچ لاکھ اوقافی ادارے ہیں، اگر اس کے ویلو اور قیمت کو دیکھتے ہیں تو گورنمنٹ کے اندازے کے مطابق پچاس ہزار کروڑ سے زیادہ بنتے ہیں، اور اتنی پراپرٹی ہمارے پاس ہے اب اسے کس طرح استعمال کرنا ہے اس کے لئے ہماری اور آپ کی پوری امت کی ذمہ داری ہے کہ ہم اس کی حفاظت کریں اور اس سے فائدہ اٹھائیں مگر پارلیمنٹ کو قانون بنانا ہے، ہم کو قانون میں تبدیلیاں لانا ہے، اگر رہنمائی کمیٹی کو نہیں ملے گی کہ ہم کس طرح کی تبدیلی چاہتے ہیں تو کل ہم کسی کو قصوروار نہیں ٹھہرا سکتے کہ یہ قانون صحیح نہیں ہے، تو میری آپ تمام علماء کرام سے گذارش ہے کہ اب جو ہمارا قانون ہے اس پر آپ غور کریں، ١٩٩٥ء کا جو قانون ہے اس پر، اب اس قانون میں کن کن تبدیلیوں کی ضرورت ہے جو تبدیلی شرعی نقطہ نظر سے ضروری ہے اس سے متعلق اگر آپ بل بھی بنا کر دے سکتے ہیں تو یہ کمیٹی پارلیمنٹ کے سامنے اس پر غور کرنے کے لئے تیار ہے، آج میں آپ سے یہی گذارش کروں گا کہ اس کمیٹی سے فائدہ اٹھایئے کیونکہ سب سے اہم یہ ہے کہ اس کمیٹی میں ہر پارٹی کے لوگ ہیں اور میں چھ سات مہینے سے اس کمیٹی میں کام کر رہا ہوں کسی کا کوئی اعتراض نہیں ہے کہ اچھا قانون بنایا جائے، نہ بی جے پی کا ہے، نہ شیو سینا کا ہے، نہ کسی پولیٹکل پارٹی کا ہے، ہر پولیٹکل پارٹی چاہتی ہے کہ وقف کا قانون مضبوط بنے اور صحیح ہو۔

اب سوال یہ ہے کہ ہم کیا کریں ہم اس قانون میں کس طرح مضبوطی لا سکتے ہیں اس لئے ہم اس کو صحیح رہنمائی کیسے دے سکتے ہیں کیونکہ ١٩٧٥ء میں جو کمیٹی بنی تھی ہمارے ہی اختلافات سے ٢٠ سال لگے، ١٩٩٥ء کا قانون اب سامنے آیا ہے، جس میں بہت سی اچھی تبدیلیاں ہوئی ہیں، ٹریبونل آیا ہے، اوقاف کے جو جھگڑے دس دس پندرہ

پندرہ سال سے کورٹوں میں چل رہے تھے اب صرف اوقاف کیلئے ٹریبونل بن گیا ہے، اور لمیٹیشن ایکٹ تو پہلے ۱۲ سال کا تھا اب ۳۰ سال ہوا، اگر اوقاف کی پراپرٹی ہے اور سو سال سے بھی ناجائز قبضہ میں ہے تو اب وہ پراپرٹی واپس لی جا سکتی ہے۔ اور دوسرا جو آثار قدیمہ کا سوال ہوا تھا، ہمارے یہاں پر آرکیالوجیکل ڈپارٹمنٹ جو مساجد ڈکلیئر کرتی ہے آپ کو یہ جان کر خوشی ہوگی کہ اس کو نوٹس کے طور پر لایا گیا تھا اور تین گھنٹے ان سے ڈسکس لیا گیا، اور یہاں پر یہ سوال آپ کے سامنے ہے کہ آثار قدیمہ کے تحت ہمارے آرکیالوجیکل ڈپارٹمنٹ کے پاس جو مساجد ہیں ان میں پھر نماز کا پڑھنا کیسے شروع ہو اور کس طرح سے ان کو حاصل کیا جائے، یہ کسی کا اعتراض نہیں کہ وہ آثار قدیمہ ہے اس کا تحفظ کیا جائے، اور وہاں میں نے خود آرکیالوجیکل ڈپارٹمنٹ پر یہ اعتراض کیا کہ آپ کو یا کسی کو کیا حق ہے کہ جب ایک واقف نے مسجد وہاں بنایا تو اس کے منشا کے خلاف کسی کو نماز پڑھنے سے روکنا، آپ کو اس کا کوئی حق نہیں ہے، تو اس میں قانوناً کوئی گنجائش نہیں مگر اس طرح کے قانون کو وہ انٹرپریٹ کر رہے ہیں کہ وہاں ہم اجازت نہیں دیں گے مگر ڈائرکٹر جنرل ہمارے سامنے اتنی باتیں کر چکے ہیں کہ قانون میں تو کوئی ایسی گنجائش نہیں ہے، مگر اس کے تحفظ کے لئے ہم کام کر رہے ہیں، اگر ہم صحیح طریقے سے غور کر کے جذبات سے ہٹ کر قانونی موقف میں ہم لیں تو مجھے امید ہے کہ یہ بھی مسئلہ ہم حل کر سکتے ہیں انشاءاللہ، اس لئے میری گذارش آپ تمام سے یہی ہے کہ اس کے اوپر ہم زیادہ سے زیادہ توجہ دیں، کیونکہ یہ موقع اگر ہاتھ سے نکل گیا اور یہ قانون نہیں بنا تو پھر اس مسئلہ میں ہم الجھ کے رہ جائیں گے اور ہمارا کوئی مسئلہ حل نہیں ہوگا [illegible] تمام کا شکر گذار ہوں کہ آپ نے مجھے موقع دیا۔

ڈاکٹر [illegible] صاحب،

(آواز صاف نہیں ہے)

[illegible]

[illegible] صاحب نے فرمائی، میں سمجھتا ہوں کہ سیمینار کی طرف سے کہی جانی چاہئے، بہر حال اس سلسلہ میں ایک چیز کام ہونا چاہئے کہ وقف احکام شرع اسلامی میں سے ایک حکم ہے اور اس کا ایک مستقل [illegible] مسلم پرسنل لا اس کی حفاظت کی ذمہ داری لے کر ۱۹۳۷ء کے شریعت اپلیکیشن ایکٹ کے تحت کوئی [illegible] میں اس کی رعایت ضروری ہے کہ حکم شرع کی مخالفت نہ ہو، اس لئے علماء شریعت کا اس میں عمل دخل ضروری ہے [illegible] ایکٹ میں اگر کوئی ہم تبدیلی چاہتے ہیں تو اس میں اس پہلو کو ضرور سامنے رکھا جائے کہ ایسے علماء ہوں جو ماہرین شریعت ہوں اور وہ سرکار کے نامزد کردہ نہ ہوں بلکہ جو آج جمہوریت ہر سسٹم میں آ رہی ہے اس کو سامنے رکھتے ہوئے ایسے علماء ہوں جن کو خود علماء بیٹھ کر منتخب کر لیں اور دعا کیجئے کہ ہم لوگ اتفاق کے ساتھ کر لیں۔

بہر حال میں ابھی دو اہم بات کہنا چاہتا ہوں، ایک تو یہ کہ جتنے سوالات اوقاف سے متعلق ہیں اور ایک بڑا اہم سوال آپ کا آ گیا کہ جو موجودہ وقف ایکٹ ہے اس میں آپ کیا تبدیلی چاہتے ہیں جو مطابق شرع اور مقاصد وقف کی حفاظت کے لئے بہتر اور اس کی ترقی کے لئے بہتر ہو، میں سمجھتا ہوں کہ جو کمیٹی میں اس وقت بنانے جا رہا ہوں

وہ تمام مسائل سے دلچسپی ختم کرکے آج ہی شام سے یہ کمیٹی بیٹھ جائے، اور وہ ان مسائل پر بھی تجویزیں طے کرے اور ساتھ میں ہمارے عبدالرحیم قریشی صاحب ہیں ایک ایک پوائنٹ پر ان کی نظر ہے اور ہم طویل بحث بھی کر چکے ہیں موجودہ وقف ایکٹ پر، چند پوائنٹ ہی ایسے ہیں جن پر گفتگو کی سخت ضرورت ہے، میں سمجھتا ہوں کہ ان پر اپنی تجاویز اس سیمینار کی طرف سے تیار کی جائے جو ہم جوائنٹ وقف کمیٹی کو بھیجیں، وزیر اوقاف کو بھیجیں اور کیا پتہ کہ آج بمبئی کی سرزمین پر جو ہم چند لوگ بیٹھ کر فیصلہ کر رہے ہیں نظام وقف میں ایک بڑے انقلاب کی بنیاد بن جائے، ایسا تاریخ میں ہوا ہے اور ایسا ہو سکتا ہے، انشاءاللہ۔

ایسا ہے شمس پیرزادہ صاحب کہ جو نیا وقف ایکٹ بنا ہے وہ پورے ہندوستان کی تمام ریاستوں کے لئے مشترک ہے اور اس کو بہر قیمت ملک کی تمام ریاستوں میں نافذ ہونا ہے، یہ قانون موحد ہوگا وقف کا جو ہندوستان کی تمام ریاستوں میں نافذ ہوگا، اب اس میں ذرا بعض ریاستیں آگے پیچھے کر رہی ہیں لیکن وقف ایکٹ کا جو قانونی نفاذ ہے وہ چار مہینہ آگے پیچھے کرکے مجبور ہیں ساری ریاستیں کہ اسی ایک وقف ایکٹ کو پورے ہندوستان میں نافذ کریں اور یہ انشاءاللہ ہو جائے گا۔

مفتی عزیز الرحمن صاحب:

متولیوں کو یہ جو اختیار بیچنے کا خریدنے کا ہے اس سلسلہ میں یہ بات پہلے ذہن میں سب کے بٹھا دی جائے کہ متولی وقف کا مالک نہیں ہوتا مالک خالص اللہ تعالیٰ ہے اور وہ اللہ کا نائب بن کر سب کچھ کرتا ہے، جو خرید و فروخت اور جو تصرفات وہ کرتے ہیں سب اسی حیثیت سے کرتے ہیں۔

قاضی صاحب:

بہر حال جو کمیٹی اس موضوع پر بنائی گئی ہے وہ وقف سے متعلق جملہ سوالات اور موجودہ ۱۹۹۵ء وقف ایکٹ کو سامنے رکھ کر اپنی سفارشات تیار کرے گی، چونکہ یہ کام ذرا زیادہ اہم ہے اس لئے میری درخواست ہے کہ پرسوں کا انتظار کئے بغیر آج عصر کی نماز کے بعد آپ حضرات بیٹھ جائیں اس میں ہمارے ڈکتور وہبہ زحیلی صاحب، مولانا عبداللہ جولم صاحب، ڈاکٹر خالد مذکور صاحب، مولانا بدرالحسن قاسمی صاحب، شمس پیرزادہ صاحب، مولانا عتیق احمد صاحب، مولانا فضیل الرحمن ہلال عثمانی صاحب، مولانا ظفر عالم ندوی صاحب، مفتی اشرف علی صاحب، جناب عبدالرحیم قریشی صاحب اور جناب رحمن خان صاحب، گیارہ افراد پر مشتمل ہوگی یہ کمیٹی جو آج عصر بعد کام شروع کرے، مولانا عتیق احمد قاسمی صاحب اس کے کنوینر ہوں گے، یہ بہت بڑا اہم کام ہے، اس سیمینار کے ذریعہ میں سمجھتا ہوں کہ بہت بڑا تعمیری کام انجام دیا جا سکتا ہے، اللہ تعالیٰ ہم کو اور آپ کو حق اور خیر کی توفیق عطا فرمائے (آمین)۔

☆☆☆☆

فیصلے

بابت مسائل اوقاف

فیصلے بابت: مسائل اوقاف

اسلامک فقہ اکیڈمی (انڈیا) کا دسواں فقہی سیمینار ہندوستان کے شہر عروس البلاد ممبئی میں بمقام حج ہاؤس منعقد ہوا، اس سیمینار میں چند دوسرے موضوعات کے ساتھ اوقاف کے چند اہم مسائل پر بھی غور وخوض اور مذاکرہ کیا گیا، اس موضوع پر فقہ اکیڈمی کے سوالنامہ کے جواب میں جو مقالات اور تحریریں آئیں اور شرکاء سیمینار کی جو آراء سامنے آئیں ان سب کو پیش نظر رکھ کر دسویں فقہی سیمینار کے شرکاء نے درج ذیل فیصلے کئے:

۱۔ اسلام میں نیکی کے کاموں اور خیراتی مقاصد کے لئے زمین، جائداد اور مال وقف کرنا بہت بڑا کار ثواب اور صدقۂ جاریہ ہے، اس لئے مسلمان جس ملک اور جس علاقہ میں بھی آباد ہیں، نیک کاموں کے لئے زمین، جائداد اور مال وقف کرتے ہیں، ہندوستان میں اسلام اور مسلمانوں کی تاریخ بہت پرانی ہے، سیکڑوں سال سے ہندوستان کے ہر علاقہ میں آباد ہیں، اس لئے ہندوستان کے ہر صوبہ اور علاقہ میں مختلف دینی اور رفاہی وخیراتی مقاصد کے لئے مسلم اوقاف موجود ہیں، ان اوقاف کی حفاظت، انہیں ترقی دینا اور ان کی آمدنی وقف کرنے والوں کے مقاصد کے مطابق خرچ کرنا نیز اوقاف کی املاک سے غاصبانہ قبضہ ختم کرنا ہندوستانی مسلمانوں اور حکومت ہند کی اہم ترین ذمہ داری ہے۔

۲۔ اوقاف کے بارے میں اسلام کا اصل نقطۂ نظر یہ ہے کہ اوقاف دائمی ہوتے ہیں، اس لئے عام حالات میں ان کو فروخت کرنا یا منتقل کرنا جائز نہیں ہے، رسول اللہ ﷺ کا وقف کے بارے میں ارشاد ہے: "**لا یباع ولا توھب ولا تورث**" (نہ فروخت کیا جا سکتا ہے، نہ ہبہ کیا جا سکتا ہے اور نہ اس میں وراثت جاری ہو سکتی ہے) لہذا اوقاف کی جائدادوں کو حسب سابق باقی رکھتے ہوئے انہیں نفع آور اور مفید بنانے کی ہر ممکن کوشش کی جانی چاہئے اور اس سلسلہ میں ایسے قانون بننے چاہئیں جس سے اوقاف کی جائداد کا پورا تحفظ ہو اور وقف کرنے والوں کے مقاصد کی رعایت کے ساتھ اوقاف کی افادیت اور نافعیت میں اضافہ ہو۔

۳۔ دوسرے اوقاف کے مقابلہ میں مساجد کو زیادہ تقدس واحترام حاصل ہے، مساجد کی فروخت اور منتقلی کسی حال میں درست نہیں، حتی کہ اگر مسجد ویران ہو جائے اور وہاں نماز ادا کرنے کا سلسلہ موقوف ہو جائے تو بھی وہ زمین جہاں مسجد کی عمارت تھی مسجد ہی رہتی ہے، اور اسے مسجد کا تقدس اور احترام حاصل ہوتا ہے وہاں مسجد بنانے اور اسے آباد کرنے کی کوشش کی جانی چاہئے، اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

"ان المساجد للہ فلا تدعوا مع اللہ أحدا" (سورۂ جن/۱۸)

"إنما یعمر مساجد اللہ من آمن باللہ والیوم الآخر" (سورۂ توبہ/۱۸)

۴۔ مساجد میں نماز کی ادائیگی سے روکنا بدترین ظلم اور گناہ ہے، اللہ تعالی کا ارشاد ہے: "ومن أظلم ممن

منع مساجد اللہ أن یذکر فیھا اسمہ وسعی فی خرابھا" (سورۃ بقرہ ۱۱۴)

کسی مسجد میں مسلمانوں کو خواہ کتنے طویل زمانے سے نماز ادا کرنے سے روک دیا گیا ہو یا اس پر غاصبانہ قبضہ کر لیا گیا ہو یا عمارت منہدم کر دی گئی ہو، اسلامی شریعت کی نظر میں وہ مسجد ہی رہتی ہے۔

۵۔ آثار قدیمہ کے تحت جو مساجد ہیں ان میں نماز کی ادائیگی کو روکنا شرعاً ظلم ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

"ومن اظلم ممن منع مساجد اللہ ان یذکر فیھا اسمہ وسعی فی خرابھا" (سورۃ بقرہ ۱۱۴)

۶۔ تقسیم ہند کے موقع پر ہندوستان کے بعض علاقوں (خصوصاً پنجاب، ہریانہ، دہلی اور مغربی یوپی کے بعض علاقے) سے بڑے پیمانے پر مسلمان پاکستان منتقل ہو گئے۔ ان علاقوں میں مسلمانوں کے مختلف النوع بہت سے اوقاف (مساجد، مدارس، خانقاہیں، قبرستان، سرائے وغیرہ) ہیں۔ ان علاقوں میں اگر کچھ بھی مسلمان آباد ہیں تو ان کی ذمہ داری ہوتی ہے کہ ان اوقاف کے تحفظ اور انہیں نفع آور بنانے کی جد و جہد کریں، جو آبادیاں مسلمانوں سے کلیۃً خالی ہو چکی ہیں وہاں کے اوقاف کا تحفظ وہاں کے وقف بورڈ کی ذمہ داری ہے، اور قریبی مسلم آبادی کو ان کے تحفظ کی جد و جہد کرنی چاہیے۔

۷۔ مساجد کے علاوہ دوسرے وہ اوقاف جو ان مقامات میں واقع ہیں جہاں پر دور دور تک مسلمانوں کی آبادی نہ ہونے کی وجہ سے ان اوقاف کو آباد رکھنا اور واقف کے مقاصد کے مطابق انہیں بروئے کار لانا ناقابل عمل ہو گیا اور ان اوقاف پر قبضہ غاصبانہ کا پورا خطرہ ہے، ایسے اوقاف کو فروخت کر کے دوسرے مقامات پر اسی نوع کے اوقاف قائم کرنا درج ذیل شرطوں کے ساتھ درست ہے:

الف: اس بات کی تحقیق کر لی گئی ہو کہ مسلمانوں کی آبادی ان مقامات سے کلیۃً ختم ہو چکی ہے، اور مستقبل قریب میں وہاں مسلمانوں کے آباد ہونے کی کوئی توقع نہیں ہے۔

ب: وقف جائداد کی فروختگی مناسب قیمت پر مارکیٹ ویلیو کا لحاظ کرتے ہوئے کی جائے، اتنی کم قیمت پر اسے فروخت نہ کی جائے جتنی کم قیمت غبنوں کے زمرہ میں آسکے۔

ج: وقف کو فروخت کرنے والا متولی یا وقف بورڈ اس کی فروختگی اپنے کسی قریبی رشتہ دار یا کسی ایسے شخص کے ہاتھ نہ کرے جس سے اس کا مفاد وابستہ ہو، اسی طرح کسی ایسے شخص کے ساتھ فروختگی نہ کرے جس کا قرض یا مالی دین فروخت کرنے والے کے ذمہ لازم ہے۔

د: وقف جائداد کی فروختگی دین سے نہ بدلی جائے بلکہ نقد روپیہ لے کر کی جائے اور اگر کسی قانونی یا ملکی دشواری کی وجہ سے نقد روپیوں سے فروختگی کی جائے تو جس قدر جلد ممکن ہو اس کے ذریعہ جائداد خرید کر متبادل وقف قائم کر دیا جائے۔

ھ: وقف کے تبادلہ اور فروختگی کی اجازت شرائط استبدال کی تحقیق کر کے شرعی قاضی یا اوقاف کی ایسی شرعی کمیٹی دے جس میں مسائل اوقاف سے واقف مستند علماء، مسلمان ماہرین قانون ضرور شامل ہوں۔ موقوفہ جائداد کی فروختگی اور تبادلہ کے لئے وقف بورڈ یا وقف کمیٹی کی اجازت شرعاً کافی نہیں ہے۔

اس سلسلہ میں وقف ٹریبونل (Tribunal) کی اجازت شرعاً اس وقت معتبر ہوگی جب اس نے کم سے کم تین مستند مفتیان کرام کی رائے لینے اور مشورہ طلب کرنے کے بعد ان کے مشورہ کے مطابق فیصلہ کیا ہو۔

نوٹ: یہ وضاحت ضروری ہے کہ موقوفہ دوکان، زمین، جائداد کو فروخت کر کے جو دوکان، مکان، زمین، جائداد خریدی جائے گی وہ بھی انہیں مقاصد کے لئے وقف ہوگی، جن کے لئے پہلا وقف پراپرٹی وقف تھی۔

۸۔ الف: ویران غیر آباد اوقاف کی آمدنی مقاصد واقف کی رعایت کرتے ہوئے وقف نامہ میں مذکور مدات پر کی جائے اور اگر یہ مدات موجود نہ ہوں تو اس سے قریب ترین مدات پر صرف کیا جائے، منشاء واقف کا لحاظ کئے بغیر دیگر مصارف پر صرف کرنا درست نہ ہوگا۔

ب: اگر ویران غیر آباد اوقاف فروخت کرنے پڑیں تو ان کا متبادل وقف قائم کرنا ضروری ہوگا۔

۹۔ مسجد پر وقف زائد اراضی جن کی نہ مسجد کو فی الحال ضرورت ہے اور نہ آئندہ ضرورت پیش آنے کی امید ہے، ان اراضی پر دینی تعلیم کا مدرسہ یا مکتب قائم کرنا درج ذیل صورتوں میں درست ہوگا:

الف: مسجد آباد نہ ہو اور مدرسہ یا مکتب قائم ہونے میں مسجد کے آباد ہونے کی امید ہو۔

ب: مسجد پر موقوف زائد اراضی پر قبضہ غاصبانہ کا شدید خطرہ ہے اور دینی مدرسہ یا مکتب قائم ہونے کی صورت میں قبضہ کا خطرہ ٹل جائے گا۔

ج: جس آبادی یا محلہ میں مسجد واقع ہے وہاں مسلمان بچوں کے لئے کوئی دینی مدرسہ یا مکتب نہیں، دینی مدرسہ یا مکتب قائم کرنے کے لئے کوئی مستقل بندوبست بھی نہ ہو تو مسجد پر وقف زائد اراضی میں دینی مدرسہ یا مکتب قائم کیا جاسکتا ہے، لیکن اس کے لئے مسجد کے متولی یا منتظمہ کمیٹی سے اجازت لے لی جائے، بہتر یہ ہے کہ خود مسجد کی کمیٹی ہی اس مکتب یا مدرسہ کا بندوبست کرے۔

۱۰۔ مساجد پر وقف اراضی جن کا مقصد مساجد کے لئے آمدنی فراہم کرنا ہے، ان کو مناسب کرایہ پر مسلمانوں کی دینی، عصری یا ٹیکنیکل تعلیم کے ادارے قائم کرنے کے لئے دیا جاسکتا ہے، لیکن معاملات اس طرح طے کئے جائیں کہ مساجد کی مالکانہ حیثیت مجروح نہ ہو۔

۱۱۔ جن مساجد کے پاس ان کے مصارف سے کہیں زیادہ آمدنی ہے اور یہ آمدنی سال بہ سال جمع ہو کر بڑا سرمایہ بنتی جارہی ہے، مستقبل قریب میں بھی مساجد کو اس زائد سرمایہ کی ضرورت پیش آنے کی امید نہیں ہے، تو مساجد کی ایسی زائد آمدنی کو دوسرے مقامات پر (جہاں ضرورت ہو) مساجد تعمیر کرنے یا محتاج مساجد کی امداد میں صرف کیا جائے، کیونکہ ہندوستان میں اب بھی ایسی بہت سی آبادیاں ہیں جہاں کوئی مسجد اور دینی مکتب نہیں ہے، مسلمان اذان کی آواز کو ترستے ہیں، مالدار مساجد کی فاضل آمدنی سے ایسی آبادیوں میں مساجد قائم کی جائیں۔

۱۲۔ مساجد کے مصارف کے لئے موقوفہ اراضی اور جائدادوں سے حاصل ہونے والی آمدنی کا ایک اہم مصرف مساجد کے ائمہ، مؤذنین اور دوسرے خدام بھی ہیں، شرکاء سمینار کا احساس ہے کہ بسا اوقات مساجد کی آمدنی

میں گنجائش ہونے کے باوجود ائمہ و مؤذنین وغیرہ کی تنخواہیں بہت کم رکھی جاتی ہیں جو ان کی ضروریات کے لئے بالکل ناکافی ہوتی ہیں، اس لئے سیمینار سفارش کرتا ہے کہ متولیان اور مساجد کے ذمہ داران ائمہ و مؤذنین و خدام مساجد کو بہتر سے بہتر اکرامیہ پیش کریں، اور ان کی تنخواہوں کے مسئلہ کو مساجد کے ضروری مصارف میں شمار کریں۔

۱۳۔ دیگر اوقاف کی زائد آمدنی جن کی اوقاف کو نی الحال ضرورت ہے اور نہ آئندہ ضرورت پیش آنے کی امید ہے اور اس کی حفاظت متولیان کے لئے بہت مشکل ہے، حکومت یا بد دیانت افراد کی طرف سے دست اندازی یا قبضہ غاصبانہ کا خطرہ ہے، اوقاف کی ایسی زائد آمدنی کو اسی نوع کی مدات میں صرف کیا جائے مثلاً مدارس کی زائد آمدنی کو مدارس میں، مسافر خانوں کی زائد آمدنی کو مسافر خانوں میں صرف کیا جائے۔

۱۴۔ اگر کسی وقف کی آمدنی معقول ہو تو محض زیادہ سے زیادہ آمدنی حاصل کرنے کے لئے اس کی فروختگی درست نہیں کہ اصل وقف کے ضائع ہونے کا اندیشہ ہے، البتہ اگر موقوفہ جائداد کی آمدنی اتنی قلیل ہو کہ وقف پراپرٹی کے ضروری اخراجات اس سے پورے نہ ہوتے ہوں بلکہ اس کے لئے قرض لینا پڑتا ہو اور اس موقوفہ جائداد کی آمدنی بڑھانے کی کوئی شکل نہ ہو، ایسی صورت میں تجویز (۷) میں ذکر کردہ شرائط (ب، ج، د، ھ) کی پابندی کے ساتھ موقوفہ جائداد کو فروخت کر کے زیادہ منفعت بخش جائداد خریدنا درست ہوگا، اگر واقف زندہ ہو تو اس سے اجازت لینا ضروری ہوگا۔

۱۵۔ جن اوقاف کی عمارتیں مخدوش حالت میں ہیں اور وقف کے پاس تعمیر کے لئے سرمایہ موجود نہیں ہے، اور نہ ہی مستقبل قریب میں حاصل ہونے کی امید ہے، ایسے اوقاف کے متولیان کسی بلڈر سے ایسا معاملہ کر سکتے ہیں کہ بلڈر اس شرط کے ساتھ عمارت تعمیر کرے کہ ایک خاص مدت تک وہ پوری عمارت یا اس کا ایک حصہ اس کے پاس بطور کرایہ رہے گا، اور اس طرح اسے سرمایہ کاری کا فائدہ حاصل ہو جائے گا، اس طرح معاملہ کرنا درست نہیں کہ چند منزلہ عمارت کی ایک منزل یا دو منزل کی ملکیت بلڈر کی طرف ہو جائے۔

۱۶۔ قبرستان کی حفاظت کے لئے اس کے ارد گرد چہار دیواری تعمیر کرنے کا کوئی ذریعہ نہ ہو، ایسا کیا جا سکتا ہے کہ اس کے اطراف میں دوکانوں کی تعمیر کرا دی جائے، لیکن دوکانوں کا راستہ قبرستان کے باہر سے ہونا چاہئے، اس کے لئے پیشگی کرایہ کے طور پر رقم لے کر دوکانوں کی تعمیر کرائی جائے، دوکانوں سے حاصل ہونے والی آمدنی قبرستان کی حفاظت و ضروریات میں صرف کی جائے، لیکن اس کا لحاظ رکھا جائے کہ دوکانیں تعمیر کرنے میں ایسی قبریں متاثر نہ ہوں جن کے نشانات باقی ہیں۔

۱۷۔ حکومت ہند نے مسلم اوقاف کے لئے جو پارلیمانی کمیٹی بنائی ہے اس کے سامنے وقف ایکٹ میں ضروری ترمیمات کا مسودہ پیش کرنے اور مفید تجاویز کے لئے یہ سیمینار اسلامک فقہ اکیڈمی کے سکریٹری جنرل قاضی مجاہد الاسلام قاسمی سے سفارش کرتا ہے کہ اس کام کے لئے ایک کمیٹی تشکیل دیں، جو جلد از جلد ضروری ترمیمات اور تجاویز مرتب کر کے پارلیمانی کمیٹی کے سامنے پیش کرے، اور اس مسئلہ میں فقہ اکیڈمی کی نمائندگی کرے۔

☆☆☆